

# سوز و سازِ رومیؒ

پیر عبداللطیف خان نقشبندی

ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات لاہور

مثنوی معنوی مولوی

ہست قرائے و زبانے پیلوی









## اداره نشان منزل

تادرا آ باد نمبر 2 بالقتابل - ال روڈ لاہور کینٹ

رابطہ نمبر: 0323-4878481, 042-35709606

## اداره نشان منزل

تادرا آ باد نمبر 2 بالقتابل سید پبلک سکول ہیڈیاں روڈ لاہور کینٹ

رابطہ نمبر: 0323-4878481, 042-35709606



اسی کشکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں  
کبھی سوز و سازِ رومیؒ کبھی چچ و تابِ رازیؒ  
(اقبالؒ)

# سوز و سازِ رومیؒ

تصوف کی کتاب مثنوی مولاناؒ رومیؒ سے  
منتخب اشعار مع مختصر تشریح

پیر عبد اللطیف خان نقشبندی

ڈائریکٹر (ر) عہدہ موسیات لاہور

مثنویؒ مثنویؒ مولویؒ  
ہست قرائے دنیا بے پایہ



فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ  
لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

مجلد: 978 969 0 02154 0

بار اول ----- ۲۰۰۸ء

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

ہیڈ آفس و شوروم: 60- شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔

راولپنڈی آفس: 277- پشاور روڈ، راولپنڈی۔

کراچی آفس: فرسٹ فلور، مہران ہائٹس، مین کلفٹن روڈ، کراچی۔

Sozo Sazay Roomi

Peer Abdul Latif Khan Naqshbandi

سوز و سائے رومی

پیر عبداللطیف خان نقشبندی

© 2008ء جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل کرنے یا کسی بھی طریقے سے محفوظ کرنے،  
فونو کاپی کرنے یا ترسیل کرنے کی اجازت نہیں۔

مطبوعہ فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور، پاکستان۔ باہتمام ظہیر سلام پرنٹر و پبلشر

email:support@ferozsons.com.pk

www.ferozsons.com.pk



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا  
(یقیناً بعض بیان سحر کا اثر رکھتے ہیں)  
(بخاری)

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمَةٌ  
(بے شک بعض اشعار حکمت ہیں)  
(بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ)





## انتساب

بنام  
حضور پُر نور محمد مصطفیٰ ﷺ  
و  
مُجلہ خواجگانِ نقشبندیہ

از حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تا خواجہ و مخدوم مَن قبلہ پیر حضرت  
علامہ علاؤ الدین صدیقی غزنوی مدظلہ العالی، سجادہ نشین دربارِ عالیہ  
نیریاں شریف تراخیل آزاد کشمیر..... اور اس فقیر کے محبوب قومی شاعر  
علامہ اقبالؒ اور میرے درویش والدین رحمۃ اللہ علیہم جن کی فیض رس نگاہوں  
نے مجھے ملت و قوم کی خدمت کے قابل بنایا۔

خادم الفقرا  
عبداللطیف خان نقشبندی

## تشکر

زیر نظر کتاب کی مرحلہ وار تکمیل میں جناب محمد عاصم مجید خان ایڈیشنل کلکٹر کسٹمز نے میری بلاغرض و غایت مدد فرمائی ہے جس کا میں بے حد ممنون ہوں۔ آپ کے والدین نے بھی اس کتاب کی تکمیل میں جو کوششیں کی ہیں، وہ بھی قابلِ ستائش ہیں۔ جناب محمد شاہد ملک ایم۔ ڈی۔ ٹرپل ایم نے بھی اس کتاب کی پروف ریڈنگ کے لیے جو انتظامات فرمائے ہیں، میں ان کا بھی بے حد ممنون ہوں۔

عبد اللطیف خان نقشبندی

لاہور

ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات لاہور

۲۱ دسمبر ۲۰۰۷ء

خلیفہ مجاز نیریاں شریف، آزاد کشمیر

کیولری گراؤنڈ، لاہور چھاؤنی

فون: 6666631-6665475



## مولانا روئی کے اشعار کے حوالہ جات

زیر نظر کتاب ”سوز و سازِ روئی“ میں شامل کئے گئے مولانا روئی کے ہر شعر کے نیچے اس کا ترجمہ لکھ دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ ”الفیصل ناشران کتب، اردو بازار، لاہور“ کی شائع کردہ مثنوی سے اُن کی اجازت سے ماخوذ ہے۔ ہر شعر کے اردو ترجمے کے بعد بریکٹ میں الفیصل کی مطبوع مثنوی کا صفحہ نمبر اور جلد نمبر بھی لکھ دیا گیا ہے، تاکہ قارئین کو ڈھونڈنے میں آسانی ہو۔ ایران کے شائع کردہ اشاریہ میں سے بہت سے شعر نہیں مل سکے، اس لئے ایسے اشعار کے بعد صفحہ نمبر اور جلد نمبر کی جگہ (x) کا نشان دے دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں مولانا روئی کے شعر کے ترجمے کے بعد (۴۱۸/۳) دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ الفیصل کی مثنوی کے ترجمہ کی جلد نمبر سوم کے صفحہ نمبر ۴۱۸ پر یہ شعر مل سکتا ہے۔

جب دو یا اس سے زائد اشعار کسی صفحہ پر لکھے گئے ہوں تو آخری شعر کے نیچے جو حوالہ دیا گیا ہے وہ اس سے اوپر درج شدہ اشعار کا حوالہ بھی سمجھا جائے گا، خواہ وہ شعر مثنوی سے ہو یا کلیاتِ اقبال سے ہو۔ اس کتاب کے آخری باب میں کچھ حوالے احادیثِ مثنوی (مؤلف ڈاکٹر محمد عبداللطیف) سے بھی دیئے گئے ہیں۔ ان حوالوں کا مطلب یہ ہے کہ ان اشعار کو احادیثِ مثنوی سے لیا گیا ہے، مثلاً (۱۳۳/۷۷) کا مطلب ہے احادیثِ مثنوی میں اس شعر کا نمبر ۱۳۳ ہوگا اور یہ شعر اس کتاب کے ۷۷ صفحے پر ملے گا۔ اسی طرح (۵/۱) کا مطلب یہ ہوگا کہ صفحہ پانچ پر پہلا شعر۔ کلیاتِ اقبال کی کتابوں کے لئے درج ذیل مخففات استعمال کئے گئے ہیں۔

کلیاتِ اردو	کلیاتِ فارسی
بانگ درا = (ب۔د)	اسرار و رموز = (ا۔و۔ر)
بالِ جبریل = (ب۔ج)	پیامِ مشرق = (پ۔م)
ضربِ کلیم = (ض۔ک)	زبورِ عجم = (ز۔ع)
ارمغانِ حجاز = (ا۔ح)	جاوید نامہ = (ج۔ن)
	پس چہ باید = (پس۔چ)
	ارمغانِ حجاز = (ا۔ح)



## فہرست

صفحہ نمبر	مضمون	ابواب
۳۱	(از مصنف)	حمد باری تعالیٰ
۳۲	(از مصنف)	نعت رسول مقبول ﷺ
۳۳	(از شیخ طریقت علامہ علاؤ الدین صدیقی غزنوی)	تاثرات
۳۴	(از مصنف)	تقدیم
۴۰	(از جناب عاصم مجید خان ایڈیشنل کلکٹر، کشنر)	تبصرہ
۴۱	سکینے کی ترکیب --- از مصنف	فارسی زبان

## (حصہ اول)

۵۱	مرشدِ رومیؒ پر علامہ اقبالؒ کے تاثرات
۵۳	۱۔ خدمتِ ملت میں رومیؒ اور اقبالؒ کا حصہ (امتیازات)
۵۳	پیامِ رومیؒ حیاتِ افروز ہے
۵۴	مرشدِ رومیؒ
۵۷	علامہ کے ہاں مرشدِ رومیؒ کا فیضان
۵۹	رازِ خودی کو مولاناؒ نے فاش کیا
۶۱	سوز و سازِ رومیؒ
۶۳	علاجِ آتشِ رومیؒ کے سوز میں ہے ترا
۶۵	رومیؒ کو رفیقِ راہ بناؤ
۶۶	ز رومیؒ گیر اسرارِ فقیری
۶۷	جدھر رومیؒ لے جائے اُدھر ہی جاؤ



- ۶۸ مولانا مسائل کو حل کرتے ہیں  
 ۷۱ مثنوی کے ذخائر  
 ۷۲ کچھ سوالوں کے جواب  
 ۷۳ مولانا روئیؒ کا مقام اقبالؒ کی نظر میں

### (حصہ دوم)

#### روئیؒ اور وادیِ عشق

- ۷۵ ۲۔ روئیؒ اور وادیِ عشق  
 ۷۶ اصطلاحِ عشق کی ابتدا  
 ۷۸ اشراقی فلسفہ اور عشق  
 ۷۸ چھٹی صدی میں صوفی شاعروں کی بہتات  
 ۸۰ علامہ نے عشق کو عقل پر کیوں ترجیح دی  
 ۸۱ عقل ایک تحقیقی قوت ہے جب کہ عشق ایک تخلیقی قوت ہے  
 ۸۲ ”اگر عشق نہ بودے بہ خدا کس نہ رسیدے“ (اگر عشق نہ ہوتا تو خدا تک کوئی نہ پہنچ سکتا)  
 ۸۳ مولانا روئیؒ نے مجنوں کے عشق کی مثال پیش کی  
 ۸۴ عشق پر صوفیہ کے نظریات (عشق کے چھ درجے)  
 ۸۹ تصوف میں عشق کا سفر پروانے کی مانند ہے  
 ۹۰ عشق پر علامہ اقبالؒ کا بے پایاں کلام  
 ۹۱ عاشقوں کا مذہب ہی عشق ہے

#### ۳۔ مولانا کی بانسری کی فریاد

- ۹۴ انسان کی روح کی شکایت  
 ۹۵ جو اپنے وطن سے دُور ہو جاتا ہے

## ۴۔ پروازِ عشق

- ۹۸ (عشق مجازی و حقیقی اور عشق کی خصوصیات)
- ۹۹ عشق مجازی (طبقات اور مراتب عشق)
- ۱۰۱ ”انسانوں اور فرشتوں کے عشق میں فرق“
- ۱۰۱ عشق کی صوفیانہ تعریف
- ۱۰۲ ”عشق با صدف نازی آید بہ دست“ (عشق مشکل سے ہاتھ آتا ہے)
- ۱۰۳ ”اِس (عشق مجازی) فساد از خوردنِ گندم بود“ (مجازی عشق گندم کے فساد کے باعث ہے)
- ۱۰۳ دشمن میں قحط سالی عشق کو فراموش کرنے سے ہوئی
- ”زانکہ شہوت با خیالے رانده اند“
- ۱۰۴ (کیونکہ انہوں نے صرف خیالی صورت کی طرف عشق بازی کی)
- ۱۰۵ جس کو معرفت حاصل ہو تو اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے
- ۱۰۵ مجازی سے حقیقی کی طرف آنے کا طریقہ ترکِ شہوات ہے
- ۱۰۶ شہوات کی اتباع میں تباہی ہے
- ۱۰۶ عشق حقیقی کی طرف کوشاں رہنا ضروری ہے
- ۱۰۸ جس میں مجازی عشق کا مادہ نہ ہو وہ حقیقی عشق کے قابل نہیں
- ۱۰۸ ”متاب از عشق رو گر چہ مجازی است“ (مجازی عشق سے منہ نہ موڑو)
- ۱۰۹ کمالاتِ محبت
- ۱۱۲ مجازی صورتوں کے عشق سے باز رہو
- ۱۱۳ عشق حقیقی (محبت کی قسمیں: محبتِ ذاتی، محبتِ حقیقی،
- ۱۱۴ عشقِ ذات، درد، مقامِ عشق)

## ۵۔ شاد باش اے عشق خوش سودائے ما (کمالاتِ عشق)

- ۱۱۶ انسانی کمالات کا حصول عشق سے ہی ممکن ہے
- ۱۱۷ ”شاد باش اے عشق خوش سودائے ما“ (اے عشق خوش رہو کہ تم مبارک جنون ہو)
- ۱۱۸ ”جسم خاک از عشق بر افلاک شد“ (خاکِ جسم عشق سے افلاک تک پہنچ جاتا ہے)

- ۱۱۸ بادہ از ما است نے شد ما ازو (شراب ہمارے عشق سے مست ہے نہ کہ ہم اس سے مست ہوئے)  
 ۱۱۹ ”جملہ معشوق است و عاشق پردہ“ (تمام مخلوق معشوق ہے اور عاشق پردہ ہے)  
 ۱۲۰ در عشق پر امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے درس نہیں دیا  
 ۱۲۰ ”ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت“ (عشق اللہ کے سوا ہر چیز کو جلا دیتا ہے)  
 ۱۲۱ ”عاشقان را شد مدرس حسن دوست“ (عاشقوں کا استاد حسن دوست ہے)

- ۶۔ عشق آں زندہ گزیر کو باقی است (عشق کو ایسی چیز پر لگاؤ جو سراپا حیات بخش ہو)  
 ۱۲۲ اصل عشق خدا کا ہی عشق ہے  
 ۱۲۳ حضرت داؤد علیہ السلام کا لوگوں کو عشق الہی کی رقت سے مارنا  
 ۱۲۶ ”چوں بعشق آیم جمل باشم ازاں“ (عشق کے بیان سے میں شرمندہ ہو جاتا ہوں)  
 ۱۲۶ عاشق کے کردار اور گفتار سے عشق کی مہک آتی ہے  
 ۱۲۷ ”ملت عشق از ہم ملت جداست“ (عشق کی ملت تو ہر ملت سے جدا ہوتی ہے)  
 ۱۲۸

- ۷۔ گر نبوے عشق ہستی کے بُدے (اگر عشق نہ ہوتا تو ہستی دنیا کا وجود کب ہوتا)  
 ۱۳۱ ”لحم عاشق را نبارد خورد دو“ (عاشق کا گوشت درندے نہیں کھاتے)  
 ۱۳۲ ”عشق چوں وانی ست وانی می خرد“ (عشق وفادار ہے اور وفادار کا خریدار ہے)  
 ۱۳۳ ”بندگی کن تا شوی عاشق لعل“ (عبادت کرو تا کہ تم لعل جیسے عاشق بن سکو)  
 ۱۳۴ ”شمع چوں در نار شد کفی فنا“ (شمع جب آگ میں فنا ہوگئی)  
 ۱۳۵ ”عاشقے کز عشق یزداں خورد قوت“ (عاشق وہ ہیں جن کی غذا عشق مولا ہے)  
 ۱۳۵ ”آنکہ ارز صید را عشق ست و بس“  
 ۱۳۶ (ہاں جو شکار کرنے کے لائق ہے وہ صرف خدا کا عشق ہے)  
 ۱۳۷ عشق ہو تو ہر چیز پر قابو پایا جاسکتا ہے  
 ۱۳۸ ”عاشق آزادی نہ خواہد تا ابد“ (عاشق کبھی آزادی نہیں چاہتا)

- ۸۔ صید بودن خوشتر از صیاد یست (شکار ہونا شکاری بننے سے بہتر ہے)  
 ۱۳۹ عشق کے دام میں گرفتار ہو جاؤ



۱۳۱ ”اندر آں جز عشق یزداں کار نیست“ (عاشق کے دل میں خدا کے عشق کے سوا کوئی کام نہیں)

## ۹۔ انبیاء میں تخصیص عشق

- ۱۳۳ ”پس مرؤرا ز انبیاء تخصیص کرد“ (پس آپ ﷺ کو انبیاء میں سے مخصوص کیا گیا)
- ۱۳۴ ”برده ویراں خراج و عشر نیست“ (اُجڑے گاؤں پر خراج اور عشر نہیں ہوتا)
- ۱۳۵ رسول اللہ ﷺ کو لولاک کا رتبہ عشق سے ملا
- ۱۳۵ ”گرگ و خرس و شیر داند عشق چیست“ (خونخوار جانور بھی جانتے ہیں کہ عشق کیا ہے)
- ۱۳۶ ”بوئے فقر آید ازاں خوش دمدہ“ (اس خوش گفتاری سے فقر کی بو آتی ہے)

## ۱۰۔

- عشق دریا نیست قعرش ناپدید (عشق وہ دریا ہے جس کی گہرائی معلوم نہیں)
- ۱۳۸ ”ماز عشق شمس دیں بے ناخلم“ (ہم شمس دین کے عشق سے بے بس ہو رہے ہیں)
- ۱۳۹ اپنی روح کو خدا کا راستہ دکھاؤ
- ۱۵۰ ”عشق دریا نیست قعرش ناپدید“ (دل دریا سمندروں ڈھونگے کون دلاں دیاں جانے ھو)
- ۱۵۱ چوں نباشد عشق کز وے نیست بد (عشق کے بغیر چارہ کار ہی نہیں)
- ۱۵۲ آنکہ ارزد صید را عشق ست و بس (جو شکار کرنے کے قابل ہے وہ صرف خدا کا عشق ہے)

## ۱۱۔

- (اے عشق) ہر کجا تو بامنی من خوشدلم
- ۱۵۳ (اے عشق تو جہاں میرے ساتھ ہے میرا دل خوش ہے)
- ”عشق را پانصد پر است از عرش تا تحت الثریٰ“
- ۱۵۵ (عشق کے پانچ سو پر ہیں عرش سے تحت الثریٰ تک)
- ۱۵۶ ”آفتابی را رہا کن ذرہ شو“ (سورج بننے کو چھوڑ، عشق کا ذرہ بن جا)
- ۱۵۷ ”اصل عشق مُردن است و نیستی“ (عشق کی اصل مر جانا اور فنا ہونا ہے)
- ۱۵۸ ”مقصود جز کہ جذب یار نیست“ (عشق کا مقصد رضائے یار کے سوا کچھ نہیں)

## ۱۲۔

- ۱۵۹ دردِ عاشق بجز معشوق نیست (عاشق کے دل میں اپنے محبوب کے سوا کوئی نہیں)
- ۱۶۰ ”بادو عالم عشق را بیگانی“ (عشق کو دونوں عالموں سے اجنبیت ہے)

- ۱۶۱ ”کورم از غیر خدا بینا بدو“ (میں خدا کے غیر سے نابینا ہوں اور خدا سے بینا ہوں)  
 ۱۶۱ ”در بگوید کفر آید بوئے دیں“ (اگر عاشق کفر کی بات کرتا ہے تو اس میں ایمان کی بو آتی ہے)  
 ۱۶۲ ”عاشقان را کار نبود با وجود“ (عاشقوں کو وجود سے کوئی کام نہیں ہوتا)

- ۱۶۳ -۱۳ عشق با مُردہ نباشد پائدار (عشق مُردوں کو راس نہیں آتا)  
 ۱۶۴ ”عشق عاشق جانِ اورا سوختہ“ (عاشق کے عشق نے اس کی جان کو جلا ڈالا)

- ۱۶۶ عقل اور عشق (عقل اور عشق کا باہمی تعلق)  
 ۱۶۷ چوں عشق آمد قلم بر خود شکافت (قلم جب عشق کو بیان کرے تو وہ شق ہو جاتا ہے)  
 ۱۶۷ ایمان تقلیدی اور عقل دونوں کی نارسائی  
 ۱۶۸ منطقی عقل اور عشق کی عقل  
 ۱۶۸ عالم روحانی اور عقلِ خالص الفاظ کے محتاج نہیں  
 ۱۶۹ عشق و عقل کی مزید وضاحت  
 ۱۷۰ استدلال سے عشق کا کام نہیں چلتا

- ۱۷۳ -۱۵ کہ ز دل تا دل یقیں روزن بود (یقیناً ایک دل دوسرے دل کے لئے جھروکا ہے)  
 ۱۷۳ عشق میں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے  
 ۱۷۵ عاشق میں محبت ہے، خوف نہیں  
 ۱۷۷ عشق کتابوں سے نہیں بلکہ صحبت سے ملتا ہے  
 ۱۷۹ یہ دنیا چونکہ لوگوں کو نظر آتی ہے اس لئے وہ اس پر مرتے ہیں

- ۱۸۱ -۱۶ عشق اُو پیدا و معشوقش نہاں (اس کا عشق ظاہر ہے اور معشوق پوشیدہ ہے)  
 ۱۸۲ عاشق دنیا اور آخرت کے لیے عبادت نہیں کرتا اور نہ خدا سے تقویٰ اختیار کرتا ہے  
 ۱۸۳ انبیاء و اولیاء کے عشق سے تمام دنیا متاثر ہے  
 ۱۸۵ جس دل میں عشق ہو وہاں حقیقی دین ہے  
 ۱۸۶ ”کالمے گر خاک گیرد زر شود“ (کامل اگر خاک بھی پکڑ لے تو سونا بن جاتا ہے)



## (حصہ سوم)

## شیخ نورانی ز راہ آگہ کند

۱۷۔ شیخ نورانی ز راہ آگہ کند (شیخ نورانی راہوں سے آگاہ کرتا ہے)

- ۱۸۸ اولیاء کا فیضانِ صحبت، احترام اور پیروی
- ۱۹۱ ”راہبر راہ شریعت آں بود“ (راہبر راہ شریعت وہ ہوتا ہے)
- ۱۹۳ ”پیر را بگوئیں کہ بے پیراں سفر“ (پیر کو پکڑو کہ یہ سفر بے پیر طے نہیں ہو سکتا)
- ۱۹۵ شیطان انسان کو کس طرح گمراہ کرتا ہے
- ۱۹۶ پس بہر دستے نشاید داد دست (پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے دینا چاہیے)
- ۱۹۸ آج بھی گمراہ کن پیر موجود ہیں
- ۱۹۸ علامہ اقبالؒ کی جعلی پیروں سے بیزاری
- ۲۰۰ ”ہیں مرو تنہا، ز رہبر سر پیچ“ (خبردار تنہا نہ چلنا اور راہبر سے منہ نہ موڑنا)
- ۲۰۳ ”پیر را بگوئیں و عین راہ داں“ (پیر کو پکڑو اور اس کو عین راہدان سمجھو)
- ۲۰۳ ”اندر آدر سایہ آں عاقلے“ (اس عارفِ کامل کے سائے میں آ جاؤ)
- ۲۰۴ ”دھگیرد بندہ خاص الہ“ (بندہ خاص دھگیری کرتا ہے)
- ۲۰۶ ”دامن او گیر زو تر بے گماں“ (شیخ کا دامن بلا تامل پکڑ لو)
- ۲۰۹ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلوار چلانے کا ڈھنگ
- ۲۱۰ پیر روشن ضمیر اس وقت سے ہیں جبکہ یہ دنیا نہ تھی
- ۲۱۲ ”شیخ نورانی ز راہ آگہ کند“ (شیخ نورانی راہ سے آگاہ کرتا ہے)
- ۲۱۳ ”نقر خواہی آں بہ صحبت قائم است“ (طریقت چاہتے ہو تو وہ صحبت سے آتی ہے)
- ۲۱۵ ”دست را مہار جز در دست پیر“ (پیرِ کامل کے سوا کسی کو اپنا ہاتھ نہ دو)
- ۲۱۶ ”بر در حق کو فتن حلقہ وجود“ (نماز اللہ کے دروازے پر مراد کی کنڈی کھٹکھٹاتا ہے)
- ۲۱۷ ”رستی گر بایست خنجر بگیر“ (اگر رستم بننا چاہتے ہو تو خنجر پکڑ لو)
- ۲۱۸ زندگی انسان کے اعمال سے متاثر ہوتی ہے
- ۲۱۹ ”اسرافیلؑ وقت انداں اولیاء“ (اولیاء اللہ اپنے وقت کے اسرافیلؑ ہیں)
- ۲۲۰ ”از حضورِ اولیاء گر بکسی“ (اگر مشائخ سے تو دور رہے گا)

- ۲۲۲ ”چوں پیمبر نیستی پس رو براہ“ (جب تم رہنما نہیں ہو تو کسی کے تابع بن جاؤ)
- ۲۲۳ ایک دل برداشتہ فقیر کی پکار
- ۲۲۵ ”خود قوی ترمی بود خمر کہن“ (فیضانِ حق بڑھاپے میں سبقت لے جایا کرتا ہے)
- ۲۲۶ شیخ کا سبق بغیر آلہ زبان بھی ہوتا ہے
- ۲۲۹ خدا کا فیض عام ہے لیکن قبولِ فیض بقدر استعداد ہے
- ۲۳۰ پاک لوگوں کو اپنے جیسا نہ سمجھو
- ۲۳۲ ”لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ (اولیاء اللہ کو) کوئی خوف اور غم نہیں ہوتا)
- ۲۳۳ ”اولیاء اطفال حق اندازے پر“ (اے بیٹے! اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کا کنبہ ہی سمجھو)
- ۲۳۴ ”چوں خدا خواہد کہ پردہ کس در“ (جب خدا کسی کی پردہ در کی کرنا چاہتا ہے)
- ۲۳۶ مشائخ کی مخالفت میں ہلاکت ہے
- ۲۳۸ ”دیدن دانا عبادت ایں بود“ (اللہ کے ولی کی دید بھی عبادت ہے)
- ۲۴۰ ”یک زمانے صحبتے با اولیاء“ (کچھ دیر اولیاء کی صحبت میں رہنا)
- ۲۴۲ ”دستِ پیر از غائبان کوتاہ نیست“ (پیر کا ہاتھ دور والوں کے لئے کوتاہ نہیں ہوتا)
- ۲۴۵ ”طالبِ حکمت شوازمِ حکیم“ (کسی مردِ حکیم سے حکمت تلاش کرو)
- ۲۴۷ ”ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا“ (جو اللہ کی ہم نشینی چاہتا ہے)
- ۲۴۹ ”ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد“ (جو خدمت کرتا ہے وہی مخدوم بنتا ہے)
- ۲۵۰ ”خواجگان ایں بند گیہا کردہ اند“ (آقاؤں نے درویشوں کی غلامیاں کی ہیں)
- ۲۵۱ ”در تن کجشک چست از برگ و ساز“ (چڑیا کے پوٹے میں کوئی بڑی چیز ہے)
- ۲۵۲ ”مسجدے کاں اندرونِ اولیاء ست“ (وہ مسجد جو اولیاء کے دل میں ہوتی ہے)
- ۲۵۶ ”دیدن آخر لقائے اصل بد“ (آخری (مرشد) کو دیکھنا گویا اصل (حضور ﷺ) کو دیکھنا ہے)
- ۲۵۷ ”ہچو موسیٰ زیر حکمِ خضر رو“ (موسیٰ کی طرح خضرؑ کے حکم پر چلو)
- ۲۶۳ ”گر تو اہل دل نہ بیدار باش“ (اگر تو اہل دل نہیں تو دل کی بیداری حاصل کرو)
- ۲۶۸ ”رو بجو اقبال را از قبلے“ (جاؤ کسی مقبول بندے سے اقبال طلب کرو)
- ۲۷۰ ”غلامیِ اولیاء“
- ۲۷۱ بے بصری کے باعث اہل دل کو حقیر نہ سمجھو
- ۲۷۱ حضرت بایزیدؒ کو ایک شیخ کا کہنا کہ میرے گرد سات چکر کاٹ لو

- ۲۷۵ حضرت بایزیدؒ کی ایک بزرگ کی صحبت کے بعد حج کی کیفیات
- ۲۷۶ ”پس ہلاک نار نور مومن است“ (مومن کا نور جہنم کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے)
- ۲۷۹ ”کیست کافر؟ غافل از ایمان شیخ“ (کافر کون ہے؟ شیخ کے ایمان سے غافل)
- ۲۸۱ حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ نے بادشاہت چھوڑ دی
- ۲۸۳ ”گر مریدے امتحان کرد اوخر است“ (اگر مرید شیخ کا امتحان کرے تو گدھا ہے)
- ۲۸۵ ”اصحاب کھف“ (واقعہ کی روایت)
- ۲۹۰ ”خدمت بے لوٹ ہو کر کرو“
- ۲۹۲ ”ردی محشر ہر نہاں پیدا شو“ (محشر کے دن ہر پوشیدہ چیز ظاہر ہو جائے گی)

### (حصہ چہارم)

### نفس اور اس کی سرکشی

- ۲۹۳ ۱۸۔ نفس اور اس کی سرکشی
- ۲۹۴ شیخ کی روحانی تربیت سے کیا ملتا ہے
- ۲۹۴ خدا اُسے ملتا ہے جو نفس سے عداوت رکھے
- ۲۹۵ درجات کی بلندی نفس کی مخالفت میں ہے
- ۲۹۵ نفس کا قلب انسانی سے تعلق
- ۲۹۶ روح اور نفس کا تعلق
- ۲۹۷ جہاں نفس سرکش ہوتا ہے تو وہاں خدا کا نور نہیں ہوتا
- ۲۹۸ علم النفس

- ۳۰۰ ۱۹۔ انسان کی روح کی قوت
- ۳۰۱ شہوات سے خلاصی مشکل ہے
- ۳۰۱ روح اور نفس کے تضادات
- ۳۰۲ طہارت والے دل میں حرص و مال کا کوئی مقام نہیں
- ۳۰۴ زندگی کے ہر کام میں انسان کا امتحان ہے (نفسانی خواہشات کا امتحان)



۳۰۶۔ رَوِ بَیْجُو حَقِّ رَاوِازِ دِیْگَرِ بَیْجُو (حَقِّ کُوشِیْجِ کَامِل سے طَلَبِ کَرُو کِسی اور سے طَلَبِ نَہ کَرُو)

۳۰۸۔ ۲۰۔ دِرِیائے ہوس اور نفسیاتی مریض

۳۱۰۔ ذوقِ مدحِ آفتِ نفس ہے

۳۱۰۔ افکار کا اثر زندگی پر

۳۱۱۔ اے بندۂ خاکی زمین کی طرح صبر کر اور پستی سے افلاک کی طرف جا

۳۱۲۔ انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور اس کی نسبت خاکی زمین کی طرف کھینچتی ہے

۳۱۴۔ شہوت سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے

۳۱۴۔ نفسِ بہانہ بُو

۳۱۶۔ ۲۱۔ طریقت میں تہذیبِ نفس

۳۱۷۔ عقل اور نفسِ امارہ

۳۱۸۔ ”وقتِ خشم و وقتِ شہوتِ مرد کو“ (غصے اور شہوت کے موقع پر کون مرد ہے)

۳۱۹۔ نفس کی ارتعاشات یا لہریں

۳۲۱۔ ”جملہ عالمِ آکل و ماکول داں“ (اس دنیا کی ہر چیز کھانے والی یا کھائی جانے والی ہے)

۳۲۲۔ فرعون و موسیٰ کا قصہ ہر نفس میں پایا جاتا ہے

۳۲۳۔ حیوانی نفس اور عقل کے تقاضے

۳۲۵۔ ۲۲۔ انسان پر جذبات کا غلبہ

۳۲۶۔ غلبہٴ حال میں عقل رخصت ہو جاتی ہے

۳۲۶۔ مرد و زن میں غالب کون اور مغلوب کون ہوتا ہے

۳۲۸۔ نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں تاخیر کرو

۳۲۹۔ دنیا دار احمقوں سے بھاگو

۳۳۱۔ ۲۳۔ خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن

۳۳۱۔ عالمِ روحانی اور عالمِ مادی کے لوگ

- ۳۳۳ روحانیت بری چیز کو اعلیٰ بنا دیتی ہے  
 ۳۳۴ نفس حیلہ ساز ہے اور کسی حجت کو نہیں مانتا  
 ۳۳۵ وہ دعوے جو اپنی دلیل آپ ہوتے ہیں  
 ۳۳۶ سلوک طے کرنے کا ایک طریقہ  
 ۳۳۷ ”پچ نکشد نفس را بخوئلں پیر“ (نفس کو شیخ کے سائے کے سوا کوئی چیز نہیں مار سکتی)

## ۲۴- نفس کا فریب اور مطالعہ رومیؒ

- صد ہزاراں دام و دانہ ست ابے خدا  
 ۳۳۹ (اے خدا ہمارے لئے ہزاروں جال اور دانے پھیلائے گئے ہیں)  
 ۳۴۰ انبیائے کرامؑ نفسانی غصہ سے پاک ہوتے ہیں  
 ۳۴۱ مضبوط ایمان والے ہی ضبط نفس کرتے ہیں  
 ۳۴۲ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق ہو تو نفس سے نجات ہوتی ہے  
 ۳۴۲ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ضبط نفس کی وجہ سے کافر مسلمان ہو گئے  
 ۳۴۳ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ضبط نفس  
 ۳۴۵ نفس کا علاج مجاہدات اور ترک لذات ہے  
 ۳۴۶ ابتداء میں ہی نفس کی خواہشات کو مار دو  
 ۳۴۷ ”نفس میخو اہد کہ تا ویراں کند“ (نفس دینی بنیادوں کو ویران کرنا چاہتا ہے)  
 ۳۴۷ ”روح در عین است و نفس اندر دلیل“ (روح مشاہدہ میں ہے اور نفس دلیلوں میں ہے)  
 ۳۴۸ ”نفس مکار است مکرے زایدت“ (نفس مکار ہے نماز کا حکم دے تو بھی مکار ہے)  
 ۳۴۹ ”نار شہوت را چہ چارہ نور دین“ (شہوت کی آگ دین کے نور سے بجھتی ہے)  
 ۳۴۹ خود بینی کا انجام موت ہے  
 ۳۵۰ ”گفت پیش آ اے خرے کو خود خرید“ (کہا: اے گدھے جو خود بینی کرتا ہے! ذرا سامنے آ)  
 ”معجزہ بیند فروزد آں زماں“  
 ۳۵۱ (نفس معجزہ دیکھ کر مان جاتا ہے اور پھر اسے وہم قرار دیتا ہے)  
 ۳۵۱ نفس سوفسطائیوں کا چیلہ ہے، زد و کوب کے بغیر صحیح نہیں ہوگا  
 ۳۵۲ اگر نفس کی تصویر دیکھنا چاہو تو دوزخ کا حال پڑھ لو



- ۳۵۳ ”پیشِ حق آتش ہمیشہ در قیام“ (اللہ کے حضور آگ بھی عاشق کی طرح حاضر رہتی ہے)
- ۳۵۳ کسی صاحبِ دل سے اپنے نفس کی اصلاح کراؤ
- ۳۵۴ نفسِ عقل ناقص کو مغلوب کر دیتا ہے
- ۳۵۴ اپنی نگاہوں کو شہوات سے بچانے کے لیے بند رکھو
- آگ، مٹی، پانی اور ہوا سب اللہ کے غلام ہیں (ہمارے لئے وہ مردہ ہیں لیکن اللہ کے لئے زندہ ہیں)
- ۳۵۴ ”کسبِ فانی خواہد است ایں نفسِ خس“ (یہ کمینہ نفس فانی چیزوں کی تاک میں رہتا ہے)
- ۳۵۶ ”خلقِ اطفالند جز مستِ خدا“ (مخلوق سب سوائے مستِ الہی کے گویا بچے ہیں)

## ۲۵۔ ادب سے نفس کی تادیب

- ۳۵۷ ”از خدا جو نیم توفیقِ ادب“ (ہم خدا سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں)
- ۳۵۹ ”از ادب پُر نور گشت است ایں فلک“ (یہ آسمان ادب کے طفیل نورِ علیٰ نور ہو گیا)
- ۳۵۹ اپنی تعریف پر خوش ہونا بھی ادب کے منافی ہے
- ۳۶۰ بزرگوں سے عاجزی ادب کا حصہ ہے
- ۳۶۰ طریقت سراسر ادب ہے
- ۳۶۱ ادب پر مشائخِ کبار کی چند مثالیں
- ۳۶۲ مرید کی اپنی کوئی خواہش نہیں ہوتی
- ۳۶۲ ادب سے دین ملتا ہے اور مراد بھی
- ۳۶۳ پیر کی مجلس کے آداب
- ۳۶۴ جو زخم کی درد برداشت نہیں کر سکتا وہ نفس کے زخم کیسے برداشت کرے گا

## ۲۶۔ بھوک سے نفس کی اصلاح

- ۳۶۸ ماڈرن زمانہ میں بھوک کا مسئلہ
- ۳۶۸ طریقت میں بھوک ضروری ہے
- ۳۶۹ بھوک سے جہاد
- ۳۷۰ بھوک میں ملنے والے درجات

- ۳۷۲ بھوک کے مسئلہ کا حل  
 ۳۷۳ ”اند کے صرفہ یکن از خواب و غور“ (کھانے اور نیند میں کسی قدر کی گوارا کرو)  
 ۳۷۵ ”جوع رزق جانِ خاصانِ خدا ست“ (بھوک خاصانِ خدا کی روح کی غذا ہے)

- ۳۷۷ -۲۷ تشبیہات کا استعمال مثنوی کا خاصہ ہے  
 ۳۷۷ تشبیہات و تمثیلات کیوں استعمال کی جاتی ہیں؟  
 ۳۸۰ مولانا رومیؒ کی تشبیہات  
 ۳۸۴ روحانیت میں تشبیہ و تمثیل ہے مگر یہ جہلا کے لیے گمراہ کن ہے

- ۳۸۷ -۲۸ کردار کے معاون اور مہالک  
 ۳۸۷ زُہد و تقویٰ فضلِ الہی کا محراب ہے  
 ۳۸۹ ”در پناہ لطفِ حق باید گریخت“ (دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی پناہ میں آنا چاہیے)  
 ۳۸۹ ”آنکہ غافل بود از کشت بہار“ (جو بہار میں فصل سے غافل ہوا وہ وقت کی قدر کیا جانے)  
 ۳۹۰ ”گر نبودے نوح را از حق یدے“ (اگر نوحؑ کو طوفان میں اللہ کی تائید حاصل نہ ہوتی)  
 ۳۹۰ ”چوں ب مردم از حواسِ بشر“ (جو بشری حواس سے فانی ہو جائے تو خدا اس کا مددگار ہوتا ہے)  
 ۳۹۱ ”شیر و صید شیر خود آن شاست“ (سیدھے راہ والے کے لیے شیر بھی ہے اور اس کا شکار بھی)  
 ۳۹۱ ”ہر کہ باشد شیر اسرار و امیر“ (جو اسرارِ حق جانتا ہے وہ دل کی بات تاثر لیتا ہے)  
 ۳۹۲ ”باھوئی و آرزو کم باش دوست“ (آرزو اور ہوئی کی غلامی نہ کرو)  
 ۳۹۳ تحت اشعار میں خوابیدہ شہوات اور سفلی معاملات  
 حسد

- ”ریزہ ریزہ صدق ہر روزہ چرا“  
 ۳۹۴ (ہر روز کا ذرا ذرا سا صدق ہمارے اعمال نامے میں کیوں جمع نہیں ہوتا)  
 ۳۹۵ ”کز حسد آلود گردد خاندان“ (حسد میں گھرانے کا گھر نہ بنتا ہو جاتا ہے)  
 ۳۹۵ ”حشر پُر حرص سگ مردار خوار“ (حریص اور مردار خور کتے کا حشر قیامت کو سورا جیسا ہوگا)  
 ۳۹۶ ”آں حسد از عشق خیزد نہ از جود“ (یہ حسد نہ کرنے کا حسد بھی عشق سے پیدا ہوا نہ کہ انکار سے)  
 ۳۹۷ ”ایں حسد در فعل از گرگان گذشت“ (یہ حسد اپنے فعل میں بھیڑیوں سے بھی بڑھا ہوا ہے)

## (حصہ پنجم)

## مثنوی اور قرآن

۳۹۸ -۲۹ مثنوی اور قرآن (مثنوی میں اشارات قرآن)

۳۹۹ قرآن کے معانی کا سمجھنا محض قرأت سے افضل ہے

۴۰۱ ”برہوی تاویل قرآن میکنی“ (قرآن کی تاویل اپنی خواہش کے مطابق کرتے ہو؟)

۴۰۲ اہل بصیرت قرآن کے نور کو سمجھ لیتے ہیں

۴۰۳ قرآن کریم کی تحقیر کرنے کا انجام

۴۰۵ جہاد کی فضیلت

۴۰۷ ”من نمیکردم غزا از بہر آں“ (میں ملک و مال کی خاطر جہاد نہیں کرتا)

”از در افتادن در آتش باد دوست“

۴۰۸ (میں تمہیں آگ میں گرنے سے دونوں ہاتھوں سے بچاتا ہوں)

”سچی آبرار و جہاد مومنان“

۴۰۸ (نیک لوگوں کی کوشش اور مومنوں کا جہاد شروع سے چلا آ رہا ہے)

۴۰۹ مسلمان کافروں پر بھاری ہوتے ہیں

۴۱۰ -۳۰ مثنوی کے چند روحانی متفرقات

۴۱۱ انسان کی روح

۴۱۲ مولانا رومؒ کے مطابق روح کے خصائص

۴۱۳ ”روح بے قالب نتاوند کارکرد“ (بغیر جسم کے روح کام نہیں کر سکتی)

۴۱۳ روح کے متعلق چار سوال

۴۱۵ موت اور نیند کی حالت میں روح کا قبض ہونا

۴۱۷ روح انسان کو آسمان کی طرف کھینچتی ہے اور نفس زمین کی طرف

۴۱۷ انسان کی روح حیوانوں اور دیگر مخلوق سے برتر ہے

۴۱۸ انسانوں اور حیوانوں کی روح میں فرق

۴۱۹ خاصانِ الہی کو جنگ کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں



- ۳۱۔ صحبت کا مقام (نفر خواہی آں بہ صحبت قائم است) ۴۲۰  
 ”یک زمانے صحبت با اولیاء“ (کچھ دیر اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنا) ۴۲۱  
 ”آئینہ کز زنگ و آلائش جداست“ (وہ آئینہ دل جو زنگ و آلائش سے جدا ہو) ۴۲۲  
 وحی اور الہام ۴۲۳

- ۳۲۔ فلسفہ بقاء و ارتقاء ۴۲۴  
 ارتقاء ۴۲۴  
 فناء اور بقاء، بقاء مولانا کے فلسفہ ارتقاء کا مفہوم ۴۲۵  
 ”آنکہ از پستی ببالا برو“ (انسان جو پستی سے رفعتِ افلاک پر پہنچتا ہے) ۴۲۶  
 ”ایں بقاء از فنا بایافتی“ (تو نے یہ بقائیں فناؤں سے ہی حاصل کی ہیں) ۴۲۷  
 اس دنیا میں ہر زندہ ہستی صید بھی ہے اور صیاد بھی ۴۳۱  
 تنبیخ آیات سے قانونِ تغیر کی تعلیم ہے ۴۳۲  
 جزا اور سزا کے قوانین بعض اوقات سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں ۴۳۴  
 ”الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ“ (حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے) ۴۳۵  
 ”کہ مرا از شر بخیر انداختند“ (دنیا میں مطلق شر کا وجود نہیں) ۴۳۷  
 لطفِ بیان اور وعظِ سننے والوں کے مزاج پر ہے ۴۳۹  
 جھوٹے شوقِ جہاد والے صوفی و ملا ۴۴۰  
 اللہ والوں کو تنگ کرنے والے دنیا طلب مرید ۴۴۲

- ۳۳۔ دانش اور بینش ۴۴۳  
 ”آدمی دید است باقی پوست است“ (آدمی تو دانش اور بینش والا ہے، باقی کھال ہے) ۴۴۳  
 ”حسن تو از حسنِ خرم تر بدست“ (انسان کی حسنِ گدھے کی حس سے بھی کمتر ہے) ۴۴۵  
 نیک اعمال میں چاشنی پیدا کرنے کے طریقے ۴۴۷  
 ”ذوق باید تادہ طاعات بر“ (وہ باتیں جن سے روحانی واردات کم ہو جاتی ہیں) ۴۴۸  
 ریاکار اور احمق کا عمل ۴۴۹

### ۳۴۔ تحقیق و تقلید

- ۴۵۱ تحقیق اور تقلید کا مطلب  
 ۴۵۵ اگر کوئی محقق نہیں تو تقلید بہتر ہے  
 ۴۵۵ فلسفی کی بے کار دوڑ دھوپ  
 ۴۵۶ مدارج عقل

### ۳۵۔ ذکرِ الہی کے چند اسرار

- ۴۵۸ تصوف میں سب سے اونچی ریاضت ذکرِ الہی ہے  
 فکر میں اگر جمود ہو تو ذکر سے گھل جاتا ہے (فکر وہ ہے جو راہ کو کھول دے اور راہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملا دے)  
 ۴۵۹ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا طریقہ  
 ۴۶۰ ”صیقل جاں آمد از تقویٰ القلوب“ (روح کا صیقل ہونا دل کے تقویٰ پر منحصر ہے)  
 ۴۶۱ خوبصورت شخص کے سامنے آئینہ رکھنا چاہیے  
 ۴۶۱ جو خدا کی ذات میں فنا ہو جائے وہ ہلاکت میں نہیں رہے گا  
 ۴۶۲ فناء اور بقا ”لَا وَآلَا“ کی مناسبت سے ہے  
 ۴۶۳ رسول اللہ ﷺ کے نور سے آدمؑ کا ظہور ہوا

ذکر کا مزید بیان دوسری جلد میں آئے گا

### ۳۶۔ عقل سے نظریات پیدا ہوتے ہیں

- ۴۶۴ ”عقل خود را می نماید رنگها“ (عقل عیار ہے، سو بھیس بنا لیتی ہے)  
 ۴۶۵ ”ذرة عقلت به از صوم و صلوة“ (ذره بھر عقل، روزہ و نماز سے بہتر ہے)  
 ۴۶۷ عقل بادشاہ ہے اور نفسانی خواہش وزیر ہے  
 ۴۶۹ انسان کو آمادہ فعل کرنے والی دو طاقتیں ہیں  
 ۴۶۹ حضور ﷺ کی ذات کی خوبیاں کسی سے بھی مخفی نہ رہیں  
 ۴۷۰ میں نے عقل کو آزمایا اور پھر خود کو دیوانہ بنا لیا



- ۴۷۱ فلسفی کی عقل  
 ۴۷۱ ایک عقل دوسری عقل سے قوت پاتی ہے  
 ۴۷۲ عقلمند کی عداوت جاہل کی دوستی سے بہتر ہے

### ۳۷۔ دُنیا اور اس کی آفات

- ۴۷۳ دُنیا کیا ہے؟  
 ۴۷۴ دُنیا کی مذمت پر صوفیاء کے اقوال  
 ۴۷۵ جس نے دُنیا سے دل لگایا وہ خدا سے غافل ہو گیا  
 ۴۷۶ اس مردہ جہاں میں مومن کو راحت نہیں  
 ۴۷۷ مومن کی مجلس اور وطن چمن ہے  
 ۴۷۷ ”ترک دنیا ہر کہ کرد از زہد خویش“ (دنیا اس کی ہے جو اسے اپنے زہد سے ترک کر دے)  
 ۴۷۸ مال دنیا نے انسان کو غافل اور مغرور بنا دیا ہے  
 ۴۷۸ ”فقر و تجوری بہشت است اے سند“ (فقیری اور بیماری انسان کے لیے بمنزلہ بہشت ہے)  
 ۴۷۹ جس دل میں خدا کی محبت گھر کر جائے اس پر دنیا کی محبت کا تسلط نہیں ہوتا  
 ۴۷۹ ”زاں سلیمان خویش جز مسکین خواند“ (ملک و مال نیکوں کے لیے فخر کا باعث نہیں ہوتا)  
 ۴۷۹ نیک آدمی کے لیے نیک مال اچھی چیز ہے  
 ۴۸۰ قرآن پڑھو! رزق حلال آئے گا  
 ۴۸۰ رزق حلال دل کی نورانیت میں اضافہ کرتا ہے  
 ۴۸۱ اچھے نتیجے کا انحصار اچھے عمل پر ہے  
 ۴۸۲ رزق حلال سے اخلاقی ردیلہ دُور ہوتے ہیں اور اوصاف حمیدہ پیدا ہوتے ہیں  
 ۴۸۲ رزق آسمان سے آتا ہے اس لیے آسمان کے مالک سے ہی رزق طلب کرو

### ۳۸۔ جبر و قدر

- ۴۸۴ ”بیچ عاقل مرکھونے رازند“ (کوئی عاقل پتھر کو نہیں مارتا)  
 ۴۸۶ ”انبیاء در کار دنیا جبری اند“ (انبیاء دنیا کے کاموں میں مجبور ہوتے ہیں)  
 ۴۸۷ مسئلہ جبر و قدر

- ۳۸۷ انسان فاعل مختار ہے، پتھر نہیں  
 ۳۸۹ جبر کا مفہوم  
 ۳۹۰ جبر کی اقسام  
 ۳۹۱ تمام افعال کے آثار اور نتائج کا خالق اللہ تعالیٰ ہے  
 ۳۹۱ مخلوق کا عجز اور خالق کا اختیار  
 ۳۹۲ انسان کا خود کو مجبور محض ظاہر کرنا  
 ۳۹۲ اختیار کے سبب ہی جزا و سزا مقرر ہے  
 ۳۹۳ جبر و اختیار میں فرق کرنے کے لئے ایک مثال  
 ۳۹۳ درست عقیدہ فرقہ جبریہ اور فرقہ قدریہ کے بین بین ہے  
 ۳۹۳ جب قضا آتی ہے تو فہم و عقل نہیں رہتی  
 ۳۹۴ قصہ آدم علیہ السلام میں قضا کا دخل  
 ۳۹۶ جبر و اختیار جب عارفین میں آجاتا ہے تو جلال کا نور بن جاتا ہے (عارفین کا جبر و اختیار)  
 ۳۹۶ ہد ہد اور کوئے کا قضا و اختیار کے متعلق نظریہ

- ۳۹۷ ۳۹۔ علم کی افادیت  
 ۳۹۷ آدم خاکی زحق آموخت علم (آدم خاکی نے اللہ تعالیٰ سے علم سیکھا)  
 ۳۹۸ علم کی اقسام  
 ۳۹۸ ”علم چوں بر دل زند یارے بود“ (علم جب دل میں اتر جائے تو مددگار ثابت ہوتا ہے)  
 ۵۰۰ علم کی بدولت انسان پر سات طبق روشن ہو جاتے ہیں  
 ۵۰۰ دل کو جو ہر ملا وہ دریاؤں اور آسمانوں کو بھی نہیں ملا  
 ۵۰۱ علم کی بدولت انسان شیطان کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے  
 ۵۰۱ عالم و عادل سب محض معانی ہیں

- ۵۰۲ ۴۰۔ فلسفہ و سائنس  
 ۵۰۲ مثنوی میں فلسفہ و سائنس  
 ۵۰۲ تجاذب اجسام

۵۰۳

تجاذب ذرات

۵۰۳

تجدید امثال

## آہ وزاری

۴۱۔

۵۰۴ ”آہ وزاری پیش تو بس قدر داشت“ (آہ وزاری خدا کے حضور بڑی قدر رکھتی ہے)

۵۰۶ ”اے خنک چشمے کہ او گریانِ اوست“ (بڑی مبارک ہے وہ آنکھ جو خدا کے لئے روتی ہے)

۵۰۷ ”چوں خدا خواهد کہ ماں یاری کند“ (جب خدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے)

۵۰۸ ”نالہٗ مومن ہمیں داریم دوست“ (ہم مومن کے رونے کو دوست رکھتے ہیں)

۵۰۹ ”زور را بگزار و زاری را بگیر“ (زور کو چھوڑ دو اور زاری کو اختیار کرو)

۵۱۰ ”گر ہی خواہی کہ مشکل حل شود“ (اگر مشکل کو حل کرنا چاہتے ہو تو...)۔

۵۱۱ ”نالم ایں را نالہا خوش آیدش“ (میں اس لیے روتا ہوں کہ خدا کو رونا پسند ہے)

۵۱۱ ”گر بنالیدے و مستغفر شدے“ (اگر روئے اور استغفار کرے تو خدا کا نور رفتہ مل جاتا ہے)

۵۱۲ ”رحمتے بے علتے بروے بتافت“ (رونے والے پر بلاتا خیر رحمت الہی نازل ہوتی ہے)

۵۱۳ ”ہیں بہ پشتِ آں مکن جرمِ گناہ“ (توبہ کے پیچھے جرمِ گناہ نہ کرو)

## توکل

۴۲۔

۵۱۴

توکل کے غلط معنی

۵۱۴

توکل کی فضیلت میں احادیث

۵۱۵

علاماتِ متوکل

۵۱۵

توکل کے ساتھ جدوجہد کرنا

۵۱۵

تقدیرِ الہی کا مقابلہ فضول ہے

۵۱۶

”در توکل تکیہ بر غیرے خطاست“ (توکل میں غیر پر بھروسہ غلط ہے)

۵۱۷

تقدیر کے سامنے تدبیر بھی کوئی کام نہیں کرتی

۵۱۷

”در توکل کسب و جہد اولیٰ ترست“ (توکل میں کسب کرنا بہتر ہے)

۵۱۸

جہد کن جدّے نما تا وارہی (جب تک خلاصی نہ ملے جہد کرتے رہو)

۵۱۸



۴۳۔

عبادتِ نماز و روزہ

۵۲۰

۵۲۱

نماز کی اہمیت کے متعلق کچھ نکات

۵۲۲

نماز ہی اصل عبادت ہے

۵۲۳

نماز و روزہ کی عبادت سے نہ صرف آخرت بلکہ دنیا کے حالات بھی سنور جاتے ہیں

۵۲۴

رمضان المبارک کے متعلق اہم نکات

۵۲۵

وہ رحمتیں جو صرف رمضان کا خاصہ ہیں

۵۲۶

روزے اور نماز کے باعث خطائیں معاف ہوتی ہیں

۴۴۔ دُعا

۵۲۷

”اے خدا درمانِ کارِ من رساں“ (اے خدا میرے کام کا علاج کر دے)

۵۲۸

ہر دُعا کا ہر حالت میں قبول ہونا ضروری نہیں

۵۲۹

فائدہ مند دُعا ہی مقبول ہوتی ہے

۵۲۹

تضرع والی دُعا فوراً قبول ہوتی ہے

۵۳۰

مظلوم کی دُعا

۵۳۰

دل برداشتہ درویش کی دُعا

۵۳۱

دُعا کا قبول نہ ہونا بھی عطائے خدا ہے

۵۳۱

کافر کی دُعا قبول نہیں ہوتی

۵۳۲

غریب کا خون چوسنے والے کی دُعا قبول نہیں ہوتی

۵۳۲

استغفر اللہ

۵۳۲

حقوقِ انفس اور حقوقِ العباد کو تلف کرنے سے دُعا قبول نہیں ہوتی

۵۳۳

اصلاحِ نفس اور تبدیلیِ اخلاق کے لئے دُعا مددگار ثابت ہو سکتی ہے

۴۵۔ وعدہ

۵۳۴

”عہدِ فاسق بیخِ بوسیدہ بود“ (بدکار کا عہد بوسیدہ جڑ ہوتی ہے)

۵۳۵

سچا وعدہ دل پسند ہوتا ہے اور بناوٹی وعدہ دل کو بے قرار کرتا ہے

۵۳۵

وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے

## (حصہ ششم)

## مثنوی میں احادیث اور اشارات قرآن

۴۶۔

مثنوی معنوی مولوی، ہست قرآن در زبان پہلوی

۵۳۷

عشق حقیقی اور مجازی، مصیبتوں کا آنا، اپنی مراد پانا، بے جا تعریف

۵۳۹

نفس، عبادت و نیکیاں، اولیاء کا نور

۵۴۰

رحم کرو، توکل، اولیاء پر کرم، مجاہدہ جہاد اکبر ہے

۵۴۱

بیمار ہونا، قضا، دنیا سے نجات، جو اللہ کا ہو گیا، اصحابی کالنجوم

۵۴۲

زیارت رسول ﷺ، محبوب سے ہم کلامی، کاملیت بلال، الفقر فخری

۵۴۳

قلب کی لامکانیت، عورت سے مشورہ، مسلک نبی و ولی

۵۴۴

ملاقات محبوب، نسبت زہد، اصحابی کالنجوم، بے سحری روزہ

۵۴۵

مومن مومن کا آئینہ، معرفت کے ساتھ سونا بیداری ہے، اللہ یحب الجمال

۵۴۶

خدائی نور ہدایت، ہدایت یافتہ امت، نفس کتا ہے

۵۴۷

بھوک کفر میں ڈال دیتی ہے، بغیر صبر ایمان نہیں، ہر درد کی دوا، رُوحوں کی محبت

۵۴۸

تدبیر اور تقدیر، مومن کا نور اور دوزخ

۵۴۹

اولیاء کی جاسوسی، ناقص ملعون ہے، اللہ کے نور سے دیکھنا

۵۵۰

دانائی کی بات سرمایہ مومن، خدا اور مخلوق

۵۵۱

ظاہر بنی، خدا کو جدائی ناپسند ہے، شہید کا خون، تکالیف اور خواہشات

۵۵۲

سرمایہ حکمت، آنکھ کا نور، ابرار کی نیکیاں، رسول اللہ ﷺ شفیق ہیں

۵۵۳

نماز میں ٹھنڈک

۵۵۴

زمین پاک ہے، آنکھوں کا سونا اور دل کا جاگنا

۵۵۵

اولیاء میرے کنبہ کی طرح ہیں، دوسروں کا مال کھانا

۵۵۵

حضور ﷺ کی دُور سی، خلوص بلال در اذان، قضا میں فضا تنگ ہوتی ہے

۵۵۶

عقل کا اختلاف، ہر شخص کی تخلیق جداگانہ ہے

۵۵۷

دل ہوا کے قبضے میں ہے، نیکیوں کے امتحان

۵۵۸



- ۵۵۸ مشائخ قوم میں انبیاء کی مانند ہوتے ہیں، ولیوں کی شفاعت
- ۵۵۹ التیحات کی مشمولیات، انسان کی عمر رفتہ
- ۵۶۰ نماز میں ٹھونگے، اندھی نماز، اللہ کا بلاوا
- ۵۶۱ نفس دشمن ہے، تقریروں کا جادو، نبی کا ریوڑ، اولیاء کی نگہبانی
- ۵۶۲ شکست میں اصلاح، جنتی لوگ کم جھگڑتے ہیں، حضور ﷺ کا لوگوں کو دوزخ سے کھینچنا
- ۵۶۳ موت سے نفرت، اولیاء پر رشک، بہتر فرقتے، بندے پر خدا کا سایہ
- ۵۶۴ خدا کا دروازہ کھٹکھٹانا، محبوب پر نظر، فرشتوں کی دُعا، خدا کا ہاتھ
- ۵۶۵ نیکوں پر مصائب، مومن کی مصیبت، اللہ کی حفاظت
- ۵۶۶ قضا اندھا کر دیتی ہے، ہم نوح کی کشتی ہیں
- ۵۶۷ ہدیہ دینے کی حکمت، آدم کی صورت خدا کی صورت
- ۵۶۸ جو لوگ خدا کے ساتھ ٹیڑھے ہیں، پیشوا بوڑھا چاہیے، موت سے پہلے مرنا
- ۵۶۹ فرعون سے انعامات کے وعدے، صحابی سے جنت کا وعدہ
- ۵۷۰ اللہ کے ساتھ خاص وقت، خلیلؑ کی خدمت میں جبریلؑ کا آنا، دین داروں پر انعام
- ۵۷۱ پیغمبر ﷺ کی ستر بار توبہ، مصیبت اور اللہ والے، عقل کا ذرہ
- ۵۷۲ عقلوں میں فرق بسیار، شکستہ حال کی دُعا، پاکدامنی اور شہوت، مرشد نبی کا نور ہے
- ۵۷۳ کائنات کا مقصود، نفس کا ذلیل ہونا، ہر شخص معصوم بہ خدمت ہے، اللہ کے ہم نشین کون ہیں
- ۵۷۴ جاہل کے نقصانات، جے پیر نظر اک تکے ہو، ہر ولی اللہ ایک کشتی بان ہے
- ۵۷۵ شہریوں اور دیہاتیوں میں فرق، دکھ سکھ کے احوال، اَلَمْ نَشْرَحْ کی پہنچ
- ۵۷۶ غرض مند کا اندھا پن، نیکوں کی تلاش کرو
- ۵۷۷ اختتامیہ
- ۵۷۸ ختم خواجگان
- ۵۷۹ شجرہ شریف

## حمدِ باری تعالیٰ

(از مصنف)

نہ میں ہی ترے قابل ہوں، نہ یہ دل ترے قابل ہے  
 خدایا کر کرم کہ یہ تری عادت میں شامل ہے  
 طریقت میں شریعت کا ہے گویا اوّلین منصب  
 شریعت جس سے ٹکرائے تو وہ تحریرِ باطل ہے

مٹا دیتا ہے سالک حرف ”لا“ سے پورے عالم کو  
 دلِ سالک میں تو حق کے سوا ہر چیز فاضل ہے  
 مجھے کیا کام داغِ لالہ و گل کے بکھیڑوں سے  
 میرے دل میں تو سوزِ ”ہاؤہو“ کی ایک محفل ہے

رہی ہے آیہ ”لَا تَقْنَطُوا“ پیشِ نظر میرے  
 سمندر کے تلاطم میں مجھے اُمیدِ ساحل ہے  
 چہرہ دیکھو ادھر جلوہ ”وَجْهَ اللَّهِ“ نظر آئے  
 فقط یہ بات، جس کو عشقِ والی آنکھ حاصل ہے

جب عرشِ پاک کی ہر شے میں نورِ مصطفائی ﷺ ہے  
 وہی اک نور ہے جو ہر ولی کے دل میں شامل ہے  
 خدائے کبریا کی شانِ مشاقی کو کیا کہیے  
 رسول اللہ ﷺ کا جو مشاق ہو، انسانِ کامل ہے

نبی پاک ﷺ کے در سے ملا ہم کو پتہ تیرا  
 جو اس راہ سے نہیں آتا وہ اک حرفِ تجاہل ہے  
 جمالِ حق میں پوشیدہ ہے عرفاںِ مصطفائی ﷺ کا  
 لطیف ایسا ہی دل ہے جو نبی ﷺ کے در کے قابل ہے

## ہم عاشق ہیں محمد ﷺ کے ہمارا کام درویشی

نہ حسرت مال و زر کی ہے نہ خطرہ کم و بیش  
ہم عاشق ہیں محمد ﷺ کے ہمارا کام درویشی  
کوئی نسبت کسی کے کام نہ آئے گی محشر میں  
ملی ہم کو رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے ہم آغوشی

خزانے اہل دنیا کے مبارک اہل دنیا کو  
بڑی دولت ہے دولت سے جو مل جائے فراموشی  
نہ کارِ عیش و عشرت ہے نہ کارِ منصب و کرسی  
ملی ہے ہم کو گویا اس طرح کی خود فراموشی

جو محتاج زمانہ ہو تو خاک ایسی امارت پر  
فقیری میں ہو سلطانی تو پیدا کر وہ درویشی  
خدا کے ہاں فنا فی الصفت مومن کی علامت ہے  
شعار مومنان ہے آج غفلت اور کم کوشی

مسلمان کی روش میں مغربی انداز چھائے ہیں  
یہودی سے بھی بڑھ کر ہے مسلمان کی ستر پوشی  
رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے جنہیں دیں کا سکون بخشا  
وہ مسلم ڈھونڈتا ہے سازِ مغرب کی گرم جوشی

میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں غرق رہتا ہوں لطیف اکثر  
مرا مذہب ہے مے نوشی، مرا مسلک ہے مدہوشی



## تأثرات

پیر عبداللطیف خان نقشبندی نے اس سے قبل دس عدد کتب کی تکمیل کی ہے جو کہ پاکستان اور بیرون ملک میں بے حد مقبول ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

زیر نظر کتاب سوز و سازِ رومیؒ میں آپ نے مولانا جلال الدین رومیؒ کی تصنیف مثنوی معنوی کو عام فہم الفاظ میں پیش کیا ہے جسے پاکستان کے ہر طبقے کے لوگ آسانی سے سمجھ سکیں گے۔ میں ایسی کتاب کی کمی بہت دیر سے محسوس کر رہا تھا جس کو عبداللطیف خاں صاحب کی کاوشوں نے ایک طویل مدت کے بعد مکمل کیا ہے۔ اُمید ہے یہ کتاب اہل تصوف کی دیرینہ تشنگی کو دور کرے گی۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کی فیض رسانیوں کے سلسلہ کو جاری و ساری فرمائے۔

خاکِ راہِ صاحبِ دلاں

پیر علاؤ الدین صدیقی، غزنوی، نقشبندی

نیریاں شریف، تراڑ خیل (آزاد کشمیر)

۲۳ ستمبر ۲۰۰۶ء



## تقدیم

از مصنف

مغلیہ خاندان کے زوال کے بعد برصغیر ہندو پاک میں انگریزوں کی حکومت کے تسلط کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کا دور دورہ جاتا رہا اور انگریزی نے فارسی کی جگہ لے لی۔ انگریزی زبان کی آمد کے بعد عوام میں فارسی کا رُحمان جاتا رہا اور لوگوں کا رُحمان انگریزی زبان سے وابستگی اختیار کر گیا، حتیٰ کہ اب فارسی زبان کا اقتدار اس قدر کم ہو گیا ہے کہ یہ محض ایک معمولی مضمون کی صورت میں تعلیمی اداروں میں پڑھایا جانے لگا ہے۔ فارسی جو ایک زمانے میں سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی تھی، اب اس کی وہ قدر و قیمت نہ رہی۔ اس تبدیلی کے ساتھ رفتہ رفتہ تصوف اور اسلامی ادب کا بیش بہا سرمایہ مسلمانوں کے ہاتھوں اور ذہنوں سے نکل کر حوادثِ زمانہ کے پس منظر میں چلا گیا۔ مسلمانوں کو اس محرومی کا احساس ہوا تو کچھ حضرات میں فارسی کی طرف پھر سے رجوع کرنے کی خواہش ابھرنے لگی۔ اس کتاب کی تالیف بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اُمید ہے کہ ان شاء اللہ عوام کے دلوں میں فارسی زبان کو ایک نیا مقام حاصل ہو جائے گا۔ فارسی زبان سیکھنے کا سہل طریقہ بھی اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے تاکہ سیکھنے والوں کے لیے کوئی مشکل نہ رہے۔

کسی قوم کی بلندی اس کی سرگزشت سے معلوم کی جاتی ہے۔ جس قوم میں بڑے بڑے مفکر، سائنسدان، فلاسفر اور عالی مرتبہ شعراء گزرے ہوں تو کبھی نہ کبھی اس قوم میں ترقی کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ اور کچھ دیگر شعراء نے مسلمانوں میں اس زبان کو عروج دینے کی کوشش کی۔ علامہ اقبالؒ نے صحبتِ رفتگان کے عنوان سے مسلمانوں کے ماضی کی عظمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنا کلام پیش کیا اور فرمایا :-

میری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ      میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو  
یک زمانہ بارفتگاں صحبتِ گزریں      صنعتِ آزاد مرداں ہم بہ ہیں  
کچھ عرصہ کے لیے گزرے ہوئے مردوں کی صحبت میں رہو، ایسے آزاد مردوں کے کارناموں کو بھی دیکھو۔

قومِ روشن از سوادِ سرگزشت      خود شناس آمد ز یادِ سرگزشت  
قومیں اپنی گذری ہوئی سرگزشت کی وجہ سے روشن ہیں، ایسے آزاد بندوں کے کارناموں سے خود شناسی ملتی ہے۔  
ایں ترا از خویشتن آگاہ کند      آشنائے کارِ مرد و راہ کند  
یہ تجھے اپنے آپ سے آگاہ کرے گا، یہ تجھے آشنائے کار اور مردِ راہ بنا دے گا۔

شعلہ افسردہ در سوزش نگر درس در آغوش امروزش نگر

ان کی جلن میں بجھے ہوئے شعلوں کو دیکھو، گزری ہوئی رات کو آج کے پہلو میں دیکھو۔

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کی بیداری کا بیڑا اٹھایا اور اپنے اسلاف کے کردار اور نوادرات کی طرف درج ذیل اشعار میں توجہ دلائی ہے۔

کبھی اے نوجوان مسلم! تدبر بھی کیا تو نے      وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا  
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں      کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سر دارا  
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی      ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا  
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی      جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا  
مسلمانوں کی مفلسی اور ناداری کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ ایک طویل داستان ہو جائے گی۔ اس حقیقت کو راقم الحروف نے اپنی ایک عنقریب شائع ہونے والی کتاب ”سرمایہ ملت“ میں واضح کیا ہے اور امتِ مسلمہ کے عروج اور زوال کے اسباب کا جائزہ لیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عناصر جو مسلمانوں کے زوال کے اسباب بنے ہیں ان کا تعلق مسلمانوں کی دین اسلام سے دوری، سرمایہ داری کی جستجو، عیش و عشرت کے اسباب کی تمنا اور موت کا خوف سمائے رہنا ہے۔ مسلمانوں کے اس مرض کا علاج صرف یہ ہے کہ وہ ذخائرِ علم کی طرف رجوع کریں، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی اور جس کے سبب نیابتِ الہیہ کا تاج ان کے سر پر رکھا۔ اس حقیقت پر قرآن کریم کی آیت یوں گواہی دیتی ہے کہ ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو عِلْمُ الْأَسْمَاءِ عطا فرمایا۔ (البقرة: ۳۱) مسلمانوں کے اس مرض کا علاج یہ ہے کہ علمائے کرام بجائے مشکل کتب تصنیف کرنے کے، آسان الفاظ میں عوام کے لیے ایسی عبارتیں پیش کریں جو ان کے دلوں میں دین سے لگاؤ اور دلچسپی پیدا کریں۔ ایسی کتب کا تصنیف کرنا جن کو صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہوں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ۹۹ فیصد عام فہم رکھنے والے مسلمان اس سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ علم کے فائدہ مند نہ ہونے کی یہی صورت ہے اگر علماء میں خلوص اور جذبہٴ ایمان کی دولت ہو تو یہ کام مشکل نہیں۔ اس میں حکومت اور مقتدر حضرات کا تعاون بھی ضروری ہے۔ مولانا رومیؒ اور علامہ اقبالؒ کا کلام تو مُردہ دلوں میں بھی رُوح پھونک دیتا ہے۔

حالات کا تقاضا دیکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے مولانا جلال الدین رومیؒ کے کلام کو عام لوگوں میں پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ مولانا رومیؒ کا کلام تمام مطلوبہ علوم پر وافر معلومات پیش کرتا ہے کیونکہ آپ نے اسے نہایت دلچسپ اور منفرد انداز میں پیش کیا ہے، جو عام مسلمانوں کے دلوں کو آسانی سے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ان کا کلام فہمِ اسلام، جذبہٴ عمل اور ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے کے لیے بہت کافی سمجھا جاتا ہے۔ آپ کے کلام میں والہانہ عشق، جذبہٴ شوق کو ابھارنے، مشائخ سے رہنمائی حاصل کرنے کے طریقے اور متفرقات اسلام پر آگہی نصیب



کرتا ہے جو دیگر علوم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہمیں اس سے زیادہ اور کیا چاہیے؟

مولانا رومؒ کے اکثر رموز و اسرار کو علامہ نے کھول کر اپنے کلام میں بھی بیان کیا ہے۔ مولانا رومؒ کے کلام کی گہرائی مبنی برحقیقت ہونے کے باعث علامہ نے مولاناؒ رومؒ کو اپنا مرشد تسلیم کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو اس بات کا عندیہ دیا ہے کہ ”علاج آتشِ رومیؒ کے سوز میں ہے ترا“، کبھی علامہ اقبالؒ یہاں تک فرماتے ہیں ”ہر کجا رومیؒ برد آنجا برو“ یعنی رومیؒ تمہیں جدھر بھی لے جائے، ادھر ہی جاؤ اور ایک لمحہ بھر اس کی صحبت معنوی کے بغیر نہ گزراؤ۔ آپ نے فرمایا کہ پیامِ رومیؒ حیاتِ افروز ہے اور آپ کا فیض سربستہ رازوں کو کھولتا ہے۔ علامہ اقبالؒ خود کو رومیؒ کے شعلوں کی ایک چنگاری تصور کرتے ہیں۔ مرشدِ رومیؒ کا روانِ عشق و مستی کے امیر ہیں، ان کا سینہ نورِ قرآن سے روشن ہے۔ آپ کے اندر خاک کو اکسیر کرنے کی طاقت ہے، آپ کی جلائی ہوئی شمع نے مجھ پروانے پر حملہ کیا۔ ان کی بانسری نے میرے بدن میں ایک شور پیدا کر دیا۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ خلیل اللہ کی طرح خدا مست رہو اور ہر پرانے بت خانے کو توڑ دو۔ بڑی قوموں کے افراد نے جنونِ عشق سے کام لیا ہے جس کے باعث وہ دنیا بھر میں چمکی ہیں۔ میں نے مولاناؒ روم کے نکات کو سمجھا اور خود کو ان کے حروف میں جلایا۔ مولانا رومیؒ کا قول ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی تلوار (یعنی کوششِ پیہم) اور حضرت بایزید بسطامیؒ جیسی نگاہ ہو تو دونوں جہانوں کی کلید ہاتھ آتی ہے۔ آپ کی مراد ہے کہ ذکر و فکر کا اختلاط (یعنی ایک ہاتھ میں دنیا کے کام پر جدوجہد اور دوسرے ہاتھ میں افکارِ دین کی کنجی ہو تو کامیابی قدم چومتی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ مولانا رومیؒ نے مجھ پر معنوی اسرار کھولے ہیں اس لیے میں ان کے آستانے پر سجدہ ریز ہوا ہوں۔ آپ کی پاکبازی میری زندگی پر اثر انداز ہوئی، مجھ پر معرفت کے اسرار کھولے اور مجھ ناکارہ کی مشکلوں کی گرہ انہوں نے ہی کھولی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری خودی دنیا سے بے پرواہ ہو جائے تو مولانا کے فقر سے آدابِ خدائی سیکھو۔ میں نے رومیؒ کی مست آنکھوں سے وہ قرض لیا ہے جس کا مقام کبریائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں پیرِ رومیؒ کے منکے سے تازہ شراب لایا ہوں جس سے گوہر تابدار حاصل ہوتا ہے۔ میری مستی ان کی شراب سے ہے اور میری زندگی ان کے دم سے وابستہ ہے۔ رومیؒ کی طرح میں نے حرم میں اذان دی اور ان سے روحانی اسرار سیکھے۔

علامہ اقبالؒ کا ایک خاص مضمون ”اسرار و رموزِ خودی“ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی قوم کی بے بسی پر رو رہا تھا کہ مولاناؒ رومؒ کی رُوح حاضر ہوئی اور اس قوم کو موجودہ مصائب سے نکالنے کے لیے خودی کا فلسفہ بیان کیا، جس کو علامہ نے اپنے مخصوص انداز میں فلسفہِ خودی کی شکل میں پیش کیا ہے۔ آپ کا یہ مضمون کافی طویل اور وقت طلب ہے۔ اس کا مختصر ذکر ہماری تصانیف ”عقل و عشق اور فلسفہِ خودی“ اور ”رابطہٴ شیخ“ میں بیان کیا گیا ہے (اول الذکر کتاب ان شاء اللہ جلد ہی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائے گی)۔ فلسفہِ خودی میں علامہ اقبالؒ نے مولانا رومیؒ کے ارشادات کو بیان کیا ہے اور مسلمانوں کی تعمیرِ نو کا حل یوں پیش کیا ہے کہ جس طرح کوئی بوسیدہ

اور پرانی عمارت کا آئینہ نہیں رہتی تو اس کا علاج یہ کیا جاتا ہے کہ اس عمارت کو گرا کر اسے از سر نو تعمیر کیا جاتا ہے۔ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ مسلمان قوم کا علاج اس کی تعمیر نو میں ہی مضمر ہے۔ فلسفہ خودی میں سبق دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں لاتعداد خوبیوں کو مضمر کیا ہے اور جب انسان اپنی خودی کے جواہرات کو دریافت کرے تو پھر ان کو عمل میں لائے۔ عرفانِ خودی سے مراد اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں کا اندازہ لگانا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا تو گویا اس نے خدا کو بھی پہچان لیا اور جو خدا کو (اور خود اپنے آپ کو) پہچان لے تو اس کے لیے کوئی مشکل باقی نہیں رہ جاتی۔ یہی بات ایک حدیث شریف میں بھی بیان کی گئی ہے، جس کی طرف مولانا روٹیؒ نے علامہ اقبالؒ کی توجہ کا دھارا موڑ دیا ہے۔

علامہ اقبالؒ مولانا کے کلام سے اس قدر متاثر ہوئے ہیں کہ مولانا روٹیؒ کو اپنا مرشد خیال کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ روٹیؒ کے قدم اپنے محبوب (یعنی اللہ تعالیٰ) کے کوچے میں محکم ہیں اور جدھر بھی روٹیؒ لے جائے تم اسی سمت چلے جاؤ۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ان کی روح کو مولانا کے کلام سے فائدہ پہنچا ہے کیونکہ علم و حکمت اس وقت ہاتھ آتے ہیں جب انسان کی روح میں وجد پیدا ہو جائے۔ مولانا روٹیؒ نے مثنوی میں ایک ایسے راز کی بات لکھ دی ہے کہ جس کو علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے کلام میں ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا روٹیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کی روح متاثر نہ ہو جائے اور اس کے جسم میں رقص و سرور کی مستی پیدا نہ کر دے تو اس وقت تک وہ ترقی کی جانب رواں دواں نہیں ہو سکتا اور جب یہ بات پیدا ہو جائے تو وہ خدا کے سوا ہر چیز کو جلا سکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر حرص و غم کی آگ سے جگر سوزی ہو رہی ہو تو اس وقت تک روح کا وجد میں آنا ممکن نہیں اور علم و حکمت بھی روح کے وجد سے ہاتھ لگتے ہیں۔ ایسے عاشق جب اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو جلا دینے کے قابل ہوں تو پھر دنیا کی رکاوٹیں اور مشکلات ان کی راہ میں کس طرح حائل ہو سکتی ہیں۔ دل کو سکون اس وقت ملتا ہے جب روحانی وجد سے حاصل جائے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ صوفیوں کی بے روح زندگی سے بیزار نظر آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ۔

رہا نہ حلقہ صوفی میں سوزِ مشتاقی      فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی  
کرے گی داوڑِ محشر کو شرمسار اک روز      کتابِ صوفی و مُلا کی سادہ ادراکی  
خراب کو شکِ سلطان و خانقاہِ فقیر      فغاں! کہ تخت و مصلے کمالِ زرقاتی

چمن میں تلخ نوائی مری گوارہ کر

کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

علامہ اقبالؒ نے روٹیؒ کے جذباتِ عشق کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ آپ کے کلامِ عشق کا ایک اچھا خاصہ حصہ اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عشق ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے دل توانا اور خاکی ذرات ہمدوش ثریا بن جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ روٹیؒ کے لیے عشق ایک کامل دلیل ہے اور پیاسوں کے لیے ان



کا کلام سلسبیل ہے۔ ان کی نوا آسمانوں کو برہم کر دیتی ہے اور ان کے کلام سے انسان کا دل جبریل علیہ السلام سے بھی زیادہ بیدار ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ روئیؒ نے اپنے آپ کو کن مجاہدات میں ڈھالا ہے، یہ بات ان کی منشوی سے واضح ہو جاتی ہے۔ اس مرد حق کا نغمہ خدا کا رنگ رکھتا ہے اور انسان کو بارگاہ کبریا میں لے جاتا ہے۔ مولانا روئیؒ ان لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے کا سبق دیتے ہیں جن کی نوا شعلہ بار ہو۔ فرماتے ہیں کہ عشق تو زندگی میں شرع اور آئین کا مقام رکھتا ہے۔ تہذیب کی اصل دین ہے اور دین سراسر عشق ہے۔ مولانا روئیؒ نے فرمایا کہ دل کا بیدار ہونا بہتر ہے اور یہ اس وقت ہی ممکن ہے کہ جب انسان افکار کی دنیا سے باہر نکل جائے۔

مولانا روئیؒ کی تمام خوبیوں کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مولانا روئیؒ کو رفیق راہ بناؤ اور وہ جدھر تمہیں لے جائیں ادھر ہی جاؤ۔ وہ خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ میں نے آتش روئیؒ کے کلام سے کافی حصہ پایا ہے اور جو مولاناؒ روئیؒ کے فیض سے رسائی حاصل کرنا چاہے تو وہ میرے اندر سے نکلی ہوئی عشق کی ایک چنگاری لے لے کیونکہ روئیؒ کی طرح میرا خون بھی عشق کی آگ سے گرم ہے۔ روئیؒ سے فقیری کے اسرار حاصل کرو کیونکہ ان کے فقر پر امارت بھی رشک کرتی ہے۔ روئیؒ کی روح نے بہت سے پردوں کو چاک کیا ہے۔

مولانا روئیؒ اپنے کلام میں بہت سے سوالوں کے جوابات بھی دیتے ہیں۔ انہوں نے روح و تن، جذب، شعور، انقلاب جذبہ و شوق وغیرہ کے اسرار کھولے۔ فرمایا کہ آدمی ایک تلوار ہے، جس کو اللہ کے ہاتھوں سے چلایا جاتا ہے اور یہ دنیا اس تلوار کو تیز کرنے کے لیے سان ہے۔ اپنی زندگی کو خدا کے لیے کھولنا بندگی ہے۔ اپنے آپ کو بے پردہ دیکھنا عرفان ہے۔ بندہ جب زندگی کی لالچ کو دل سے نکال دیتا ہے تو خدا ایسے بندے پر رحمت بھیجتا ہے۔ روئیؒ کے کاموں میں چٹکتی ہے اور خامیوں سے پاک ہے اور میں ان کی نہ ختم ہونے والی جستجو کا عاشق ہوں۔ وہ بانسری کی طرح ہر دم نغمہ سرا ہے۔ اُن کو وصال اور فراق دونوں مار دیتے ہیں۔

جلوۂ خال خال نے مارا مجھ کو ان کے جمال نے مارا  
لوگ مرتے ہیں ہجر کے مارے مجھ کو ان کے وصال نے مارا

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مولانا ایک مرشد روشن ضمیر ہیں اور کاروان عشق و مستی کے امیر ہیں۔ ان کی منزل چاند اور سورج سے بھی بلند تر ہے، جس کی طنائیں کہکشاں سے بندھی ہوئی ہیں۔ مولانا روئیؒ کے افکار سے پورا عالم روشن ہے۔ انہوں نے پورے جہان کو تاریکیوں سے نکالنے اور شریعتِ محمدیؐ کے چراغوں سے بیابانوں اور آستانوں کو روشن کرنے کی راہ بیان کی۔ انہوں نے شریعت، طریقت اور حقیقت کی نہایت خوب صورت الفاظ میں تشریح کی ہے اور مثالوں سے ان تینوں کے مقامات کو واضح کیا ہے۔ آپ نے فلسفے کی خامیوں کے متعلق فرمایا کہ مجھے اس منطقی نظریات میں خامی کی بو آتی ہے اور علامہ اقبالؒ نے بھی ایسا ہی فرمایا اور اس کی ہر دلیل کو دلیلِ ناتمامی کہہ کر

پکارا ہے۔ آپ نے سائنس کے اصولوں کو سینکڑوں سال پہلے بیان کر دیا تھا، جس کو سائنسدانوں نے آج کے زمانے میں اپنی تحقیقات میں ظاہر کیا ہے۔

مولانا رومؒ کے افکار کو چند الفاظ میں واضح کر دینا ایک ناممکن بات ہے۔ اس کے لیے ہزاروں صفحات بھی لکھ دیئے جائیں تو بھی کفایت نہ کر سکیں گے۔ آپ کی مثنوی کے پہلے شعر ”بشنواز نے“ پر ایک ہزار صفحات کی کتاب لکھی جا چکی ہے۔ مثنوی کی وسعت معنی کا اندازہ ہونا بعید از قیاس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا فہم نصیب فرمائے۔ آمین۔

لاہور

یکم نومبر ۲۰۰۷ء

خاک پائے اولیاء

پیر عبد اللطیف خان نقشبندی

ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات، لاہور

## تبصرہ

سوز و سازِ روئی جسے پیر عبداللطیف خان نقشبندی نے تالیف کیا ہے، وہ ان نکات کا خلاصہ ہے کہ جس پر علامہ اقبالؒ نے اپنی زندگی کی راتوں میں تفکر اور سوچ و بچار کیا ہے اور مثنوی کی خوبیوں کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ مؤلف نے اس کتاب میں کئی سالوں کی عرق ریزی کے بعد ایسے منتخب اشعار کی تشریح کی ہے جو مثنوی کے بہت مشہور اور معروف اشعار میں شمار ہوتے ہیں۔ مثنوی میں مولانا روئیؒ نے قرآن کی آیات اور احادیث کا ذکر بھی کیا ہے، جن کی عام مسلمانوں کو روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پیش آتی ہے۔

مثنوی کے مخصوص پہلو جن کو مولانا نے بہت اہمیت دی ہے وہ انسانی زندگی میں کام آنے والی عشق کی کارفرمایاں اور اس کے وہ خوبصورت پہلو جس سے انسان اپنی زندگی میں گونا گوں کامیابیاں حاصل کرتا ہے، شامل ہیں۔ ایک کامیاب اور خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے انسان کو کسی راہبر راہِ شریعت کی ضرورت رہتی ہے، لہذا اس مضمون کو بھی مولاناؒ نے بہت عمیق نکات میں بیان کیا ہے۔ اسلام کے دیگر متفرقات جو قرآن اور حدیث کا حاصل ہیں، کو بھی مولاناؒ نے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے اور سب سے بڑی بات جو آپ کے کلام میں نظر آتی ہے وہ فلسفہ خودی ہے، جس کو مولاناؒ نے علامہ اقبالؒ کو روحانی ملاقات میں تجویز فرمایا ہے اور علامہ نے اس پر ایک مکمل کتاب فلسفہ خودی کے نام سے تحریر فرمائی ہے۔

مثنوی میں بیان کردہ قرآنی آیات کی طرف اشارات اور احادیثِ نبویہ ﷺ کی روایات کو بھی مولاناؒ نے کافی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہ تمام مضامین زیر نظر کتاب میں پیر صاحب نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ کئے ہیں۔ میری نظر میں یہ کتاب اس موضوع کی منفرد کتاب ہوگی جو اس زمانے کے عشاق کی تشنگی کو دور کرے گی۔ اللہ تعالیٰ پیر صاحب کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

لاہور

یکم نومبر ۲۰۰۶ء

خادم الفقرا

عاصم مجید خان

ایڈیشنل کلکٹر کسٹمز، لاہور



## فارسی زبان مشکل نہیں، اس کے سمجھنے کی آسان ترکیب

مسلمانوں کے دورِ اقتدار کے اختتام کے بعد فارسی، عربی اور اُردو زبان کا استعمال بہت کم ہو گیا اور حکومتِ برطانیہ کے دوران مسلمانوں میں ان زبانوں کے فہم کا تقریباً مکمل فقدان پیدا کر دیا گیا۔ غالباً دشمنانِ اسلام کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اپنے اسلاف کے علوم سے استفادہ نہ کر سکیں کیونکہ جب کسی کو ان زبانوں سے آشنائی نہ رہے گی تو اس زبان کی علمی کتابوں کے مطالعہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان تینوں زبانوں کو اضافی مضمون یا اختیاری مضمون کے طور پر باقی رہنے کی اجازت تو تھی لیکن ان زبانوں کے پڑھنے والوں کے لیے اعلیٰ ملازمتوں پر فائز ہونا مسدود ہو گیا اور اس کے برعکس انگریزی زبان اور دیگر مضامین کو باقاعدہ عروج ملتا رہا۔ ان پابندیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بالخصوص عربی اور فارسی زبان کے فہم سے تقریباً محروم کر دیے گئے اور اب ان کا اپنے مذہب سے اور اسلاف سے کوئی ربط قائم نہیں رہا۔

فارسی زبان میں مثنوی مولانا رومیؒ اور علامہ اقبالؒ کی چھ کتب کے علاوہ دوسرے فارسی شعراء کا کلام بہتات سے ملتا ہے۔ مولانا رومیؒ کی مثنوی تصوف کی سب سے بڑی کتاب تصور کی جاتی ہے اور علامہ اقبالؒ کے کلام میں مسلمانوں کو بیداری اور سراپا عمل ہونے کا سبق ملتا ہے جو مسلمانوں کے عروج کے لیے بہت کافی ہے۔ راقم الحروف نے از سر نو کوشش شروع کی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں فارسی اور عربی زبان کا ذوق اور شوق پھر سے پیدا ہو جائے اور وہ اپنے اسلاف کے گراں مایہ علوم کو اپنے دلوں میں محفوظ کر لیں اور اس طرح ان کے کلام سے مکمل استفادہ کر سکیں۔

یہ بات بہت حیرت انگیز ہے کہ عربی اور فارسی زبان کو سیکھنا اس قدر مشکل نہیں جس قدر دوسرے ماڈرن علوم کا سمجھنا مشکل ہے اور افسوس ہے کہ مسلمان ان زبانوں کو سیکھنے کی اپنے دلوں میں خواہش بھی نہیں رکھتے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو فارسی زبان سیکھنا بہت آسان ہے کیونکہ یہ اردو زبان سے کافی ملتی جلتی ہے اور اگر کوئی فارسی زبان کو پڑھنے کا عزم کرے تو یہ منزل اس قدر مشکل نہیں (بجتنی لاعلمی کی وجہ سے مشکل سمجھی جا رہی ہے)۔ ابتدائی مراحل میں مثنوی مولانا رومؒ اور دیگر فارسی شعراء کی کتب کے تراجم جو بازاروں میں عام مل جاتے ہیں ان کے پڑھ لینے سے ہی انسان فارسی زبان سے مانوس ہو جاتا ہے، اگر ضرورت ہو تو فارسی کی ڈکشنری سے بھی مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔



الفاظ پر غور کرنے سے یا مصدر نامہ سے رجوع کرنے کے بعد ہر لفظ کا مادہ اور ماخذ خود بخود سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ راقم الحروف اپنے ابتدائی ایام میں باقی لوگوں کی طرح ان علوم سے بے بہرہ تھا اور چونکہ اپنی تمام عمر جدید سائنسی تعلیمات کے حصول میں صرف کرتا رہا لیکن (تقریباً ۴۰ سال کی عمر میں) جب دل میں اولیائے کرام علیہم الرحمۃ کی محبت جو پہلے سے ہی بیدار ہو چکی تھی کے سبب فارسی زبان سیکھنے کا شوق ہوا تو مجھہ تعالیٰ اپنی زندگی کو اسلامی معیار میں ڈھالنے کی سعی کو تقریباً تکمیل تک پہنچا دیا۔ اسی شوق اور لگن کی بناء پر نہایت عرق ریزی سے عربی اور فارسی زبان پر خاصہ عبور حاصل کر لیا، یہاں تک کہ اب راقم الحروف کو عربی زبان میں تقریر کرنا چنداں مشکل محسوس نہیں ہوتا اور بھلا اللہ عربی اور فارسی کے اچھے خاصے پڑھے لکھے حضرات کی بخوبی رہنمائی کر سکتا ہے۔ ان زبانوں پر خاصی دسترس حاصل کرنے کے بعد اب راقم الحروف نے مولانا رومؒ اور علامہ اقبالؒ کے اشعار کی وضاحت اس قدر دل کش انداز میں کی ہے کہ میری کتابوں کو پڑھ کر اکثر و بیشتر قارئین کے دل میں اس فقیر سے ملاقات کا شوق بیدار ہو جاتا ہے۔ اگر اس فقیر کو یہ سعادت حاصل ہو سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ قارئین میں سے جو حضرات اس زبان کی طرف رجوع فرمائیں تو وہ بھی اس زبان پر خاطر خواہ دسترس حاصل نہ کر سکیں۔ چنانچہ عوام کے دلوں میں اس زبان کے شوق کو بیدار کرنے کے لیے فارسی زبان سیکھنے کے چند رہنما اصول نیچے بیان کیے جا رہے ہیں۔

اردو زبان چونکہ بہت ساری زبانوں کا مجموعہ ہے اس لیے اس کے بہت سے حروف فارسی زبان میں مل جاتے ہیں اور فارسی زبان کو سمجھنے میں چنداں وقت محسوس نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر ”زبور مجھ“ سے لیے گئے علامہ اقبالؒ کے ایک شعر کا معائنہ کیجیے۔

آں فقر کہ بے تیغ صد کشورے دل گیرد

از شوکت دارا بہ از فرّ فریدوں بہ

عام آدمی اگر اس شعر کو دیکھے تو اسے یہ شعر بہت مشکل معلوم ہوگا اور وہ شاید اس شعر کے الفاظ کی بھی ادائیگی کرنے میں نہایت وقت محسوس کرے گا، لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس شعر میں استعمال کئے گئے تمام الفاظ روزمرہ کی اردو بول چال میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اب ہم ان الفاظ کے معانی پر غور کرتے ہیں۔

### مصرعہ اوّل:

”آں“ کے معنی وہ ہیں۔ ”فقر“ کے معنی تو سب ہی جانتے ہیں۔ ”بے تیغ“ کا مطلب ہے، بغیر تلوار کے۔ ”صد کشورے دل“ کے معانی دل کی سینکڑوں ملکیتیں ہیں۔ (کشور کے معنی ولایت یا مملکت کے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے کشور ہند یعنی ہند کی مملکت) ”دل گیرد“ کے معنی دل پکڑنے والے کے ہیں یعنی دل کو مسخر کرنے والا۔ چنانچہ پہلے مصرعہ کا مطلب یہ ہوا۔ ”وہ فقر جو بغیر تلوار کے دل کی سینکڑوں ملکیتیں مسخر یا فتح کر لیتا ہے۔“ اب اس مصرعے کے

معانی کو دوبارہ دیکھیں تاکہ ذہن نشین ہو جائے۔

آں فقر کہ بے تیغی صد کشورِ دل گیرد  
وہ فقر جو بغیر تلوار کے دل کی سینکڑوں ملکیتیں حاصل یا مسخر کر لیتا ہے۔

مصرعہ دوم:

دوسرے مصرعہ میں ”از شوکت دارا بہ“ کا مطلب ہے کہ یہ فقر ایران کے بادشاہ دارا کی شان و شوکت سے بہتر ہے (یہاں ایران کے حکمران شہنشاہ دارا کی شان سے بہتر ہونا مراد ہے) اور ”از فریڈوں بہ“ میں ”فر“ کا مطلب شان و شوکت ہے، جیسے اردو میں کہا جاتا ہے (کز و فر) یعنی شان و شوکت والا۔ ”فریڈوں“ سے مراد فارس کا ایک بہت ہی جاہ و جلال والا بادشاہ ہے جس نے ضحاک کو قتل کر کے فارس میں حضرت عیسیٰؑ سے تقریباً ۵۳۰ برس قبل اپنی حکومت قائم کی تھی۔ ”بہ“ کا مطلب بہتر ہے۔ چنانچہ دوسرے مصرعے کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا فقر تو ”ایران کے بادشاہ دارا“ کی شان و شوکت اور ”فریڈوں کی سی شان“ سے بھی بہتر ہے۔ اب اس مصرعہ کے معانی کو دوبارہ دیکھیں۔

از شوکتِ دارا بہ از فرِ فریڈوں بہ

(ایسا فقر تو) ایران کے بادشاہ دارا کی شان و شوکت سے اور فریڈوں کی بھی شان سے بہتر ہے۔

اس شعر کی مذکورہ بالا تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ فارسی زبان کا سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں۔ خواہش مند اور اہلِ ہمت لوگوں کو فارسی زبان بآسانی سکھانے کی غرض سے اس تحریر کے ساتھ فارسی کے چند راہِ نمائے اصول اور کچھ شامل کیے جا رہے ہیں، جن کے مطالعہ سے اس زبان کا فہم اور بھی آسان ہو جائے گا۔ فارسی زبان کو سیکھنے سے قارئینِ فارسی کے تمام بلند پایہ کلام کو سمجھ کر لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور انہیں اسلامی، روحانی اور وجدانی معاملات کا فہم حاصل ہو سکے گا۔ فارسی زبان میں ایسے روحانی مضامین بھی موجود ہیں جو پڑھنے والوں کی زندگیوں کو بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

## فارسی سمجھنے کے آسان طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے صیغے معلوم کر لیے جائیں

فارسی زبان کی تفہیم کے لیے اگر درج ذیل صیغوں کا علم حاصل کر لیا جائے تو انسان فارسی میں ماہر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے صرف ذخیرہ الفاظ معلوم ہونے کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ تمام اسم اور فعل مصدر سے نکلتے ہیں، چنانچہ مصدر کے لفظی معنی جائے صدور (نکلنے کی جگہ) ہے اور اس سے مختلف قسم کے اسم و فعل نکلتے ہیں۔ اس



لئے اس کو مصدر کہتے ہیں۔ فارسی میں مصدر کے آخر پر ”ذَن“ یا ”تَن“ آتا ہے۔

**فعل مضارع** وہ فعل ہے جس میں حال اور مستقبل کے دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔

**کلیہ نمبر ۱:-** فارسی زبان میں مصدر کے آخر میں ”ن“ آتا ہے۔ مصدر سے مضارع کا کوئی قاعدہ نہیں ہے مگر یہ ماضی سے بنتا ہے۔ ہاں ایک بات بطور قاعدہ کلیہ کے ہے کہ مضارع کے آخر میں ”ذ“ ہوتا ہے اور ”ذ“ سے پہلے حرف پر زبردی جاتی ہے، مثلاً:

کردن (کرنا) سے کند (کرے)  
رفتن (جانا) سے رود (جائے)  
خوردن (کھانا) سے خورد (کھائے)

**فعل حال**

**کلیہ نمبر ۲:-** وہ فعل ہے جس میں موجودہ زمانہ پایا جائے، مضارع سے پہلے ”می“ لگانے سے فعل حال بن جاتا ہے، جیسے:

کند (کرے) سے می کند (وہ کرتا ہے)  
رود (جائے) سے می رود (وہ جاتا ہے)  
خورد (کھائے) سے می خورد (وہ کھاتا ہے)

**فعل مستقبل**

**کلیہ نمبر ۳:-** وہ فعل ہے جس میں آئندہ زمانہ پایا جائے۔ مصدر کے آخر سے ”ن“ اڑا کر اس سے پہلے ”خواہد“ لگا دیں، جیسے:

کردن (کرنا) سے خواہد کرد (وہ کرے گا)  
رفتن (جانا) سے خواہد رفت (وہ جائے گا)  
خوردن (کھانا) سے خواہد خورد (وہ کھائے گا)

**ماضی مطلق**

**کلیہ نمبر ۴:-** وہ ماضی ہے جس میں مطلق گزرا ہوا زمانہ پایا جائے یعنی زمانہ کے قریب یا بعید ہونے کا لحاظ نہ ہو۔ مصدر کے آخر سے ”ن“ حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے:

کردن (کرنا) سے کرد (کیا)  
رفتن (جانا) سے رفت (گیا)  
خوردن (کھانا) سے خورد (کھایا)

## ماضی قریب

کلیہ نمبر ۵:- وہ ماضی ہے جس میں قریب کا گزرا ہوا زمانہ پایا جائے۔ ماضی مطلق کے آخری صیغہ واحد غائب میں ”ہے است“ لگاتے ہیں۔ مثلاً مصدر کا ”ن“ اڑا کر بعد میں ”ہے“ اور ”است“ لگائیں، جیسے:

کردن سے کرد (کیا) اور اس سے کردہ است (کیا ہے)  
رفتن سے رفت (گیا) اور اس سے رفتہ است (گیا ہے)  
خوردن سے خورد (کھایا) اور اس سے خوردہ است (کھایا ہے)

## ماضی بعید

کلیہ نمبر ۶:- وہ ماضی ہے جس میں بعید کا گذرا ہوا زمانہ پایا جائے۔ پچھلے کلیہ میں ”است“ کی بجائے ”بود“ لگا دیں، مثلاً:

کردن (کرنا) سے کردہ بود (کیا تھا)  
رفتن (جانا) سے رفتہ بود (گیا تھا)  
خوردن (کھایا) سے خوردہ بود (کھایا تھا)

## ماضی استمراری

کلیہ نمبر ۷:- یہ وہ ماضی ہے جس میں کام کا جاری رہنا پایا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ماضی مطلق سے پہلے ”می“ یا ”ہی“ لگا دو، مثلاً:

کرد (کیا) سے می کرد یا ہی کرد (کر رہا تھا)  
رفت (گیا) سے می رفت یا ہی رفت (جارہا تھا)  
خورد (کھایا) سے می خورد یا ہی خورد (کھا رہا تھا)

## ماضی شکیہ

کلیہ نمبر ۸:- یہ وہ ماضی ہے جس میں شک پایا جائے۔ اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مصدر کا ”ن“ اڑانے کے بعد ”ہے“ لگا دیں اور ”باشد“ یا ”می باشد“ لگایا جائے، مثلاً:

کردن (کرنا) سے کردہ باشد یا کردہ می باشد (کیا جا رہا ہوگا یا کیا ہوگا)  
رفتن (جانا) سے رفتہ باشد یا رفتہ می باشد (جا رہا ہوگا یا گیا ہوگا)  
خوردن (کھانا) سے خوردہ باشد یا خوردہ می باشد (کھایا جا رہا ہوگا یا کھایا ہوگا)



## فعل امر

کلیہ نمبر ۹:- وہ فعل ہے جس میں کسی کام کے کرنے کا حکم یا درخواست کی جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مضارع کے آخر میں ہمیشہ ”د“ ہوتی ہے اس ”د“ کے اڑانے سے فعل امر بن جاتا ہے، مثلاً:

کند (کرے) سے کن (کر)

رود (جائے) سے رو (جاؤ)

خورد (کھائے) سے خور (کھاؤ)

## فعل نہی

کلیہ نمبر ۱۰:- یہ وہ فعل ہے جس میں کسی کام کے کرنے سے روکا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ فعل امر سے پہلے ”م“ لگا دو تو فعل نہی بن جائے گا، مثلاً:

کن (کر) سے مکن (مت کر)

رو (جاؤ) سے مرو (مت جاؤ)

خور (کھاؤ) سے مخور (مت کھاؤ)

## فارسی زبان کی چند گردانیں

### ۱۔ ماضی مطلق

متکلم		حاضر		غائب	
جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد
کردیم	کردم	کردید	کردی	کردند	کرد
(ہم سب نے کیا)	(میں نے کیا)	(تم سب نے کیا)	(تو نے کیا)	(انہوں نے کیا)	(اس نے کیا)

### ۲۔ ماضی قریب

کردہ ایم	کردہ ام	کردہ اید	کردہ ای	کردہ اند	کردہ است
(ہم سب نے کیا)	(میں نے کیا)	(تم سب نے کیا)	(تو نے کیا ہے)	(ان سب نے)	(اس نے کیا ہے)
(ہے)	(ہے)	(ہے)	(کیا ہے)	(کیا ہے)	(ہے)

## ۳۔ ماضی بعید

کردہ بود	کردہ بودند	کردہ بودی	کردہ بودید	کردہ بودم	کردہ بودیم
(اس نے کیا تھا)	(انہوں نے کیا تھا)	(تو نے کیا تھا)	(تم سب نے کیا تھا)	(میں نے کیا تھا)	(ہم سب نے کیا تھا)

## ۴۔ ماضی استمراری

می کرد	می کردند	مے کردی	می کردید	می کردم	می کردیم
(وہ کر رہا تھا)	(وہ سب کر رہے تھے)	(تو کر رہا تھا)	(تم کر رہے تھے)	(میں کر رہا تھا)	(ہم کر رہے تھے)

## ۵۔ ماضی شکلیہ

کردہ باشد	کردہ باشند	کردہ باشی	کردہ باشید	کردہ باشم	کردہ باشیم
(اس نے کیا ہوگا)	(انہوں نے کیا ہوگا)	(تو نے کیا ہوگا)	(تم نے کیا ہوگا)	(میں نے کیا ہوگا)	(ہم نے کیا ہوگا)

## ۶۔ فعل حال

می کند	می کنند	می کنی	می کنید	می کنم	می کنیم
(وہ کرتا ہے)	(وہ کرتے ہیں)	(تو کرتا ہے)	(تم کرتے ہو)	(میں کرتا ہوں)	(ہم کرتے ہیں)

## ۷۔ فعل مستقبل

خواہد کرد	خواہند کرد	خواہی کرد	خواہید کرد	خواہم کرد	خواہیم کرد
(وہ کرے گا)	(وہ سب کریں گے)	(تو کرے گا)	(تم سب کرو گے)	(میں کروں گا)	(ہم سب کریں گے)

## فارسی زبان میں الفاظ کا ذخیرہ

جب کوئی زبان استعمال کی جاتی ہے تو اس کا ذخیرہ معلوم ہونا بہت ضروری ہوتا ہے، فارسی الفاظ کا ذخیرہ اس کے مصادر ہیں اور بازار میں بہت سے ”مصدر نامے“ دستیاب ہیں۔ ایسے مصدر ناموں سے الفاظ کا ذخیرہ حاصل کیا

جا سکتا ہے۔ چند مصادر بطور نمونہ نیچے دیے جا رہے ہیں :

مصدر	معنی	مضارع	معنی	حاصل مصدر
آمدن	آنا	آید	آئے	آمد
رفتن	جانا	رَوَد	جائے	روش۔ رفتار
خوردن	کھانا	خَوَرَد	کھائے	خورش
نوشیدن	پینا	نوشَد	پئے	نوش
نوشتن	لکھنا	نویسَد	لکھے	نوشت
خواندن	پڑھنا	خوانَد	پڑھے	خواندگی
دادن	دینا	دَد	دیے	داد و دہش
گرفتن	لینا۔ کھڑنا	گیرَد	کھڑے	گرفت
نشستن	بیٹھنا	نشینَد	بیٹھے	نشست
برخاستن	اٹھنا	برخیزَد	اٹھے	برخاست
داشتن	رکھنا	دارَد	رکھے	-
شدن	ہونا	شود	ہوئے	شد
خفتن	سونا	خسَد	سوئے	خسید
بیدار شدن	جاگنا	بیدار شود	جاگے	-
دیدن	دیکھنا	بینَد	دیکھے	بینائی۔ بینش
خندیدن	ہنسنا	خندَد	ہنئے	خندہ
گریستن	رونا	گریَد	روئے	گریہ
آوردن	لانا	آورد	لائے	آورد
بردن	لے جانا	برد	لے جائے	-
کردن	کرنا	کند	کرے	کار
زدن	مارنا	زند	مارے	زد
گریختن	بھاگنا	گریزَد	بھاگے	گریز
گفتن	کہنا۔ بولنا	گوید	کہے۔ بولے	گفتار۔ گویائی

رسیدن	پہنچنا	رسد	پہنچے	رسائی
آموختن	یکھنا	آموزد	یکھے	آموزگاری
آموختن	سکھانا	آموزد	سکھائے	آموزگار
پختن	پکنا	پزد	پکے	پزش، پخت و پز
دوختن	سینا	دوزد	سینے	دوخت، دوزندگی
خریدن	خریدنا	خرد	خریدے	خرید
فروختن	بیچنا	فروشد	بیچے	فروخت
مردن	مرنا	میرد	مرے	-
دویدن	دوڑنا	دوّد	دوڑے	دو
پُرسیدن	پوچھنا	پرسد	پوچھے	پرش
کشادن	کھولنا	کشاید	کھولے	کشائش
بخشیدن	بخشنا	بخشد	بخشنے	بخشش
کوشیدن	کوش کرنا	کوشد	کوش کرے	کوشش
پُر دَرَدَن	پالنا	پرورد	پالے	پرورش
ایستادن	کھڑے ہونا	ایستد	کھڑا ہوئے	ایستادگی
پوشیدن	پہننا	پوشد	پہنے	پوشش
جستن	ڈھونڈنا	جوید	ڈھونڈے	جستجو
دانستن	جاننا	داند	جانے	دانش - دانائی
ساختن	بنانا	سازد	بنائے	ساخت
سوختن	جلنا، جلانا	سوزد	جلے	سوز
کاشتَن	بوننا	کار د	بوئے	کاشت
کشیدن	کھینچنا	کشد	کھینچے	کشش
شناختن	پہچاننا	شناسد	پہچانے	شناسائی
فرستادن	بھیجنا	فرستد	بھیجے	-
یافتن	پانا	یابد	پائے	یافت
دشستن	دھونا	شوید	دھوئے	دشت شو



دزدی	چرائے	دزد	چرانا	دزدیدن
خواہش	چاہے	خواہد	چاہنا	خواستن
خرام	ٹہلے	خرامد	ٹہلنا	خرامیدن
کشت	مار ڈالے	کشد	مار ڈالنا	کشتن
ترس	ڈرے	ترسد	ڈرنا	ترسیدن
کشت	بوئے	کارو	بوننا	کشتن
آزمائش	آزمائے	آزماید	آزمانا	آزمودن
آرائش	سنوارے	آراید	سنوارنا	آراستن
انداز۔ اندازہ	ڈالے	اندازد	ڈالنا، پھینکنا	انداختن
اُفتادگی۔ اُفتاد	گر پڑے	اُفتد	گر پڑنا	اُفتادن
آفرینش	پیدا کرے	آفریند	پیدا کرنا	آفریدن
بوسہ۔ بوس	چومے	بوسد	چومنا	بوسیدن
بوسیدگی	بوسیدہ ہوئے	بوسد	بوسیدہ ہونا	بوسیدن

مصدر نامے سے اور بھی بہت سے مصادر مل سکتے ہیں۔

## حصہ اول

## پہلا باب

## مرشدِ رومیؒ پر علامہ اقبالؒ کے تاثرات

یہ حقیقت علامہ اقبالؒ کے کلام کا مطالعہ کرنے والوں پر آشکار ہے کہ علامہ اقبالؒ نے عارفِ رومیؒ کو اپنا مرشد تسلیم کیا ہے اور آپ مولانا رومیؒ کے کلام سے اس قدر متاثر تھے کہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ مولانا کی مشنوی نے بہت سے روحانی اسرار ان پر کھولے ہیں اور علامہ اقبالؒ ان سے اس قدر مستفیض ہوئے ہیں کہ ان کی فکر مولانا رومیؒ کے آستان پر سجدہ ریز نظر آتی ہے۔ عارفِ رومیؒ نے انسانوں کی خاک کو اکسیر کر دکھایا ہے اور غبارِ آدم سے بے شمار جلوہ ہائے عرفان و معرفت کو ظاہر کیا ہے۔ مولانا رومیؒ نے مُردہ ضمیر مسلمانوں کو ایک نئی زندگی عطا فرمائی ہے اور انہیں ایک نہایت بلند مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ مولانا رومیؒ کے کلام سے اس طرح مستفیض ہوئے ہیں کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ کے کلام نے بھی مسلمانوں میں ایسی روح پھونک دی ہے کہ انہیں زمین سے اٹھا کر فلکِ بوس بلندیوں پر لے گئے ہیں۔ علامہ اپنے الفاظ میں اس حقیقت کی غمازی کرتے ہوئے اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں ۔

اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو

لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند (ض۔ ک۔ ۴۸۵)

اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے بہت بلیغ اور عریض کلام پیش کرنے کی ضرورت ہے کہ علامہ اقبالؒ نے مولاناؒ رومیؒ کے کلام میں کن اسرار و رموز کو جھلکتے ہوئے پایا ہے اور ان کے کلام سے علامہ نے عوام الناس کو کس طرح تفویض کیا۔ مولانا کے ساتھ علامہ اقبالؒ کی بے پناہ عقیدت کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ نے ہر

مسلمان کو یہ رائے دی ہے کہ وہ مولانا روٹی کو اپنا مرشد تسلیم کریں اور جس طرف انہیں جانے کے لیے حکم دیں اسی راستے کو چٹنگی سے اختیار کریں۔ فرماتے ہیں کہ روٹی کے سوز و ساز کی آگ کو اپنے دلوں کی طرف ڈھالنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی لگن اور عملِ پیہم پیدا ہونے کی سعادت حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ روٹی کو اپنا رفیقِ راہ بناؤ اور فرمایا ۔

علاج آتشِ روٹی کے سوز میں ہے ترا (ب۔ ج ۳۲۰)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مولانا روٹی کے ساتھ اکثر اوقات روحانی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور وہ مشکل سوالات میں علامہ کی عقدہ کشائی فرماتے رہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کا فلسفہ خودی مولانا روٹی نے ہی ان پر ایک ملاقات میں ظاہر فرمایا اور آپ نے اس موضوع پر اس قدر طویل کلام فرمایا کہ اسے اہلِ یورپ نے بہت پسند کیا۔ چنانچہ پروفیسر آرنلڈ نے علامہ اقبالؒ کی اجازت سے فلسفہ خودی کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اس کے بارے میں علامہ اقبالؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ یہ فلسفہ خودی آپ نے مسلمانوں کی راہِ نمائی کے لیے لکھا تھا مگر اس کا صحیح فائدہ یورپین قوموں نے اٹھایا ہے۔

نیچے دی گئی سطور میں علامہ اقبالؒ کے نظریات کا علم ہوتا ہے جس کے ذریعے انہوں نے مولانا روٹی کے کلام کو دیکھا، سمجھا اور اس سے قیمتی جواہرات کا خزانہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ مولانا روٹی کے متعلق آپ کے یہ تاثرات کوئی معمولی بات نہیں کیونکہ مولانا روٹی سے روحانی فیض حاصل کرنے کے بعد انسانوں کی منزلیں یکسر بدلتی ہوئی نظر آتی ہیں اور تھوڑی ہی مدت میں انسان فلکِ بوس بلندیوں کو چھو لیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے خود مسلمانوں کو تاریک راستوں سے نکال کر ان پر عجیب حقیقتوں کو منکشف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبالؒ کو ایک مردِ درویش کے پیکر میں ڈھالا اور اس میں وہ غیر معمولی خُرد و دانش ڈال دی جو کہ خاص الخاص لوگوں کا خاصہ رہی ہے۔ مولانا روٹی سے اخذ شدہ فیض کے اثر سے اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبالؒ کو نوازا اور یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کا کلام تمام شاعروں سے کہیں بلند، اعلیٰ اور ارفع ہے۔ علامہ اقبالؒ کے کلام میں مقصدیت ملتی ہے جو بالکل عیاں اور بیاں ہے۔ علامہ میں موجود تمام خوبیاں ان کو مولانا نے روٹی کے کلام کا مطالعہ کرنے سے ملیں اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے مولانا روٹی کے کلام اور قرآن کریم کی تلاوت اس انداز سے پڑھی، جس طرح کہ کلام کو پڑھنے کا حق ہوتا ہے۔ مثنوی شریف اور قرآن مجید کی اس تلاوت کا ہی یہ اثر تھا کہ آپ پر یورپ کا فلسفہ اثر انداز نہ ہو سکا۔ مولانا روٹی کی ذات والا صفات کے متعلق علامہ اقبالؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کے اشعار سے نمایاں محسوس ہوتا ہے۔ ہماری ایک عنقریب شائع ہونے والی کتاب ”سرمایہ ملت“ میں علامہ اقبالؒ کا عارف روٹی کے متعلق لکھے گئے اشعار پر مبنی ایک مقالہ درج کیا گیا ہے جو اس موضوع سے عین مطابقت رکھتا ہے۔ آئندہ صفحات میں قارئین علامہ اقبالؒ کے ان اشعار سے لطف اندوز ہوں گے، جن کے متعلق اوپر سرسری ذکر ہوا ہے۔



## خدمتِ ملت میں روئی اور اقبالؒ کا حصہ (امتيازات)

یوں تو دنیائے اسلام میں بہت سے نامور شعراء ہو گزرے ہیں لیکن جو مقام مولاناؒ روئی اور علامہ اقبالؒ کو حاصل ہوا، وہ انہی کا حصہ تھا۔ صوفی شعراء اسلام کی خدمات میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں اور ہر ایک نے اپنے دور کے مسلمانوں کو بے دینی کے گڑھے سے نکالنے کی انتھک کوشش کی ہے۔ مولانا روئی اور علامہ اقبالؒ کا شمار ان اسلامی شعراء میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور اوقات قوم کی اصلاح کے لئے صرف کیے۔ ان دونوں کے کلام کی خصوصیات لکھنے کے لئے کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور مزید لکھی جا رہی ہیں۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ ان شعراء کا کلام اس قدر واضح ہے کہ ان کے کلام کی وضاحت کرنے کی چنداں حاجت نہیں کیونکہ اگر ان کے کلام کا براہ راست مطالعہ کیا جائے تو ان کی تحریروں کے مقاصد خود بخود واضح ہو جاتے ہیں۔ ان کے کلام کی خصوصیت یہی ہے کہ جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ معانی اور مطالب کی خود ہی نمائندگی کرتے ہیں، چنانچہ ان دونوں کے کلام کے مطالعہ سے ہی ان کا بہترین تعارف ہو سکتا ہے۔

مولانا روئی اور علامہ اقبالؒ کے کلام کی امتیازی حیثیت کا سبب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں دین اسلام کی محبت، اولیائے کرام کا عشق اور قومی اصلاح کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ دینی تعلیم میں مہارت حاصل ہونے کے علاوہ انہوں نے فلسفیانہ انداز سے قومی اصلاح کی راہوں کو واضح کیا۔ ان کے اقوال جو ان کے اشعار میں ملتے ہیں وہ بالکل ایسے درست، فیصلہ کن اور مستند معلوم ہوتے ہیں جس طرح قرآن اور حدیث کے فرامین اپنی وضاحت میں منفرد ہیں۔ مولانا جائی نے تو صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا ہے کہ مولانا روئیؒ کی مثنوی تو فارسی زبان میں قرآن کا ترجمہ ہے (ہست قرآن در زبان پہلوی)۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں جو اثر اور لطافت موجود ہے وہ کسی کے ہاں نہیں۔ مطالعہ کے بعد ان کے مطالب اور مقاصد میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا بلکہ ان کے اشعار تو بڑی بڑی تقاریر اور مباحثوں میں بطور سند پیش کیے جاتے ہیں۔

## پیامِ روئیؒ حیاتِ افروز ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کلام نفسانی خواہشات سے پاک ہو تو وہ اپنے اندر الہامی رنگ رکھتا ہے اور زیرِ غور دونوں شعراء کے کلام کو ”کلام حق“ یا ”آوازِ دوست“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایسے لوگوں کی زبان میں حق گفتگو کرتا ہے (گفتہٴ او گفتہٴ اللہ بود) مولانا روئیؒ کو علامہ اقبالؒ نے ان کے کلام میں تعمیری خوبیوں کی بناء پر اپنا مرشد تسلیم کیا ہے اور وہ اپنے کلام میں انہیں مرشد روئیؒ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مولانا روئیؒ کے متعلق تو اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ وہ عالم بے بدل ہونے کے باوجود عارفِ کامل اور نہایت بلند پایہ صوفی بھی تھے۔ آپ کی مثنوی تصوف کی بہترین اور اعلیٰ ترین کتاب ہے۔ انہوں نے زندگی کے ہر پہلو پر قرآن اور حدیث کی

زبان میں گفتگو کی ہے اور خوب صورت انداز سے پیچیدہ مسئلوں کا حل پیش کیا ہے اور اہم معاملات کو عام فہم مثالوں سے سمجھا دیا ہے۔ مولانا نے جب کبھی کوئی مثال دی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تمثیل نہیں بلکہ کوئی حقیقی واقعہ ہے اور پھر اس مثال کے بعد کسی نہایت پیچیدہ مسئلے کی آسانی سے وضاحت کر دیتے ہیں، جو قارئین کے ذہن میں پوری طرح اتر جاتا ہے۔ آپ نے اسی طرح زندگی سے متعلق عام معاملات کا حل پیش کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مولانا روٹیؒ کا کلام اس لیے پسند کیا ہے کہ مولانا نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر پہلو پر حیات افروز لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ اسرارِ خودی کی تمہید میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں :-

باز بر خوانم ز فیضِ پیرِ روٹِ دفترِ سر بستہ اسرارِ علوم  
پیرِ روٹ کے فیض کا قصہ میں پھر سناتا ہوں کہ وہ بہت سے سر بستہ رازوں اور اسرار کا دفتر تھے۔

جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار من فردغ یک نفس مثل شرار  
روٹیؒ حرارت افروز اشعار سے مالا مال ہیں، میں ان کے درمیان ایسا ہوں جیسے شعلوں میں لمحہ بھر کے لئے ایک چنگاری ہو۔

شمعِ سوزاں تاخت بر پروانہ ام بادہ شبِ خوں ریخت بر پیانہ ام  
ان کی جلائی ہوئی شمع نے مجھ پر دانے پر حملہ کیا، ان کی شراب نے میرے پیانے پر بخون مارا۔  
پیرِ روٹیؒ خاک را اکسیر کرد از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد  
پیرِ روٹیؒ نے خاک کو بھی اکسیر کر دیا اور میری خاک سے کئی جلوے تعمیر کیے۔

ذره از خاکِ بیاباں رخت بست تا شعاعِ آفتاب آرد بہ دست  
چنانچہ میرے ذرے نے اس خاکی بیاباں سے سفر کیا اور شعاعِ آفتاب پر ہاتھ ڈال دیا۔

من کہ مستی ہا ز صہبائش کنم زندگانی از نفس ہائش کنم  
میں ان کی شراب سے بہت مستیاں حاصل کرتا ہوں، میری زندگی انہی کے دم سے وابستہ ہے۔ (۱-ج-۹-۸)

### مرشدِ روٹیؒ

علامہ اقبالؒ اور دیگر تمام صوفی شعراء نے مولانا روٹیؒ کو مرشدِ روٹیؒ کہہ کر پکارا ہے کیونکہ علم و فضل، جذبہٴ عشق و محبت اور احیائے اسلام کے لئے آپ کا کلام پوری قوم کے لئے ایک مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے کلام کے متعلق کسی تفصیل کا لکھنا طوالت کا سبب ہوگا، چنانچہ طویل بیانات کی بجائے مناسب ہوگا کہ علامہ اقبالؒ کے چند اشعار پیش کر دیئے جائیں، جنہیں پڑھنے کے بعد کسی وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ مرشدِ روٹیؒ کا ہی فیض ہے کہ جس طرح علامہؒ نے مولانا کو مرشد تسلیم کیا، عین اسی طرح آج پاک و ہند اور مصر و ترکی میں بے شمار لوگ موجود



ہیں جو علامہ کو اپنا مرشد تسلیم کرتے ہیں۔ اپنے مرشد کی یاد میں ”پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق“ کی تمہید کا آغاز علامہ اقبالؒ ان اشعار سے کرتے ہیں ۛ

پیرِ روئیؒ مرشدِ روشن ضمیر      کاروانِ عشق و مستی را امیر  
مولانا روئیؒ وہ مرشدِ روشن ضمیر ہیں جو کاروانِ عشق اور مستی کے لیے راہبر ہیں۔

ہنزلش بر تر زماہ و آفتاب      خیمہ را از کھکشاں سازد طناب  
ان کی منزل چاند اور سورج سے بھی بلند تر ہے، جن کے خیمے کی طنابیں کھکشاں سے بندھی ہیں۔

نورِ قرآن در میانِ سینہ اش      جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش  
قرآن کا نور ان کے سینے میں موجود ہے، جامِ جم بھی ان کے آئینہ کے سامنے شرمسار ہے۔

از نئے آں نئے نوازِ پاک زاد      باز شورے در نہادِ من فدا  
اس پاک باز بانسریؒ نے میرے بدن میں پھر سے ایک شور برپا کر دیا۔

گفت جانہا محرمِ اسرار شد      خاور از خوابِ گراں بیدار شد  
روئیؒ نے کہا کہ انسانوں کے ضمیر اسرار کو سمجھتے ہیں اور اہل مشرق خوابِ گراں سے اب بیدار ہوئے ہیں۔

جذبہ ہائے تازہ او را دادہ اند      بندہائے کہنہ را بکشادہ اند  
ان کو تازہ جذبات دیئے گئے ہیں اور پرانی زنجیریں اب ٹوٹ گئی ہیں۔ (پس چہ۔ ۸۰۳)

جز تو اے دانائے اسرارِ فرنگ      کس کلو نہ نشست در نارِ فرنگ  
اے فرنگ کے اسرار سمجھنے والے! سوائے تیرے کوئی شخص درست طریقے سے فرنگ کی آگ میں نہیں بیٹھا۔

باش مانندِ خلیل اللہ مست      ہر کہنہ بت خانہ را باید شکست  
اے مخاطب! خلیل اللہ کی طرح خدا مست ہو اور ہر پرانے بت خانے کو توڑ دو۔

امتاں را زندگی جذبِ دروں      کم نظر این جذب را گوید جنوں  
قوموں کے لئے دل کی کشش (عشق) ہی زندگی ہوتی ہے، کم نظر لوگ اس عشق کو دیوانگی کہتے ہیں۔

بچے قوے زیرِ چرخِ لاجورد      بے جنوں ذو فنوں کارے نہ کرد  
کوئی قوم اس نیلے آسمان کے نیچے ایسی نہیں جس نے اہل ہنر ہوتے ہوئے بھی بغیر جنوں کے کوئی کام کیا نہ ہو۔

مومن از عزم و توکلِ قاہر است      گر نہ دارد این دو جوہر کافر است  
مومن عزم اور توکل سے ہی غالب آتا ہے اور اگر اس میں یہ دو صفات نہ ہوں تو وہ کافر ہوتا ہے۔ (پس چہ۔ ۸۰۴)

ان اشعار کے بعد بھی علامہؒ نے مولاناؒ کے نظریات کو مزید تفصیل کے ساتھ منظوم کیا ہے، ”در اسرارِ شریعت“ میں بھی مولاناؒ کے نکتہ ہائے دقیق کو آسان لفظوں میں بیان کیا ہے، جس کے پہلے تین اشعار یہ ہیں ۛ



نکتہ ہا از پیرِ رومِ آموختم خویش را در حرف او واسوختم  
میں نے بہت سے نکات کو پیرِ رومی سے سیکھا ہے، اُن کے حروف سے میں نے خود کو جلایا ہے۔

مال را گر بہر دیں باشی حول نِعَمَ مَالٍ صَالِحٍ گوید رسول ﷺ  
اگر مال کا جمع کرنا دین کے لیے ہو تو رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا کہ صالح مال اچھا ہوتا ہے۔  
گر نداری اندر ایں حکمت نظر تو غلام و خواجہ تو سیم و زر

اگر تیری نظر اس حکمت پر نہ ہو تو تو غلام ہے اور تیرے آقا سونا اور چاندی ہیں۔ (پس چہ۔ ۸۲۵)

علامہ اقبالؒ ”حرف چند با امتِ عربیہ“ میں لکھتے ہیں کہ دین و دنیا دونوں کو کام میں لایا جائے تو کامیابی قدم چومے گی۔ اگر فخر الدین رازیؒ کے عقلی اثاثے (فکر) کو مولانا رومیؒ کے عشق کی شرابِ ذکر سے ملایا جائے تو کام بنتا ہے، یعنی ذکر و فکر کا باہم ہونا ضروری ہے۔

تجِ ایوبی، نگاہِ بایزیدؒ گنجائے ہر دو عالم را کلید  
صلاح الدین ایوبی کی تلوار اور بایزیدؒ کی نگاہ دونوں جہانوں کے لیے کلید ہے۔

عقل و دل را مستی از یک جامِ مئے اختلاطِ ذکر و فکرِ روم و رے  
عقل و دل کی مستی ایک شراب کے جام سے کرنا روم و رے یعنی مولانا کے ذکر اور فخر الدین رازیؒ کے فکر کے اختلاط سے ملتی ہے۔ (پس چہ۔ ۸۳۶)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ جو لوگ جدوجہد نہیں کرتے وہ ان آرام طلب لوگوں کی طرح ہیں جو ساحل پر ڈیرہ ڈالے پڑے ہیں اور حوادث کے سمندر میں چھلانگ لگانے کے مخالف ہیں۔ رومیؒ مسلمانوں کو ہمیشہ حوادث سے برسرِ پیکار رہنے کا پیغام دیتے ہیں اور ہر مسلمان کو ذکر و فکر، جستجو و تلاشِ علم اور تخلیقِ افکار کے لئے کوشاں رہنے کا سبق دیتے ہیں۔ علامہؒ فرماتے ہیں ۔

ہم خوگرِ محسوس ہیں ساحل کے خریدار اک بحرِ پُر آشوب و پُر اسرار ہے رومیؒ  
تو بھی ہے اسی قافلۂ شوق میں اقبالؒ جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومیؒ  
اس عصر کو بھی اس نے دیا ہے کوئی پیغام کہتے ہیں چراغِ رہِ احرار ہے رومیؒ

(ب۔ ج۔ ۴۴۰)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جو علمِ الاشیاء آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے اس سے یہی مراد ہے کہ انسان ذکر اور فکر کو ملا کر کام کرے کیونکہ جب تک علم کی بات روحانیت کے ساتھ نہ ملے تو کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام  
مقام ذکر کمالاتِ روئی و عطار  
وہ جس کی شان میں آیا ہے عَلَّمَ الْأَسْمَاءَ  
مقام فکر مقالاتِ بوعلی سینا  
(ض۔ک۔۴۸۵)

مولانا روئی کی تجلی افکار سے پورا عالم روشن ہے، انہوں نے پورے جہان کو تاریکیوں سے نکالنے اور شریعت محمدی ﷺ کے چراغوں سے بیابانوں اور آستانوں کو روشن کرنے کی راہ بتائی۔ ان کے کلام میں نئے افکار ملتے ہیں۔

آفتابے کہ از تجلی او  
افقِ روم و شام نورانی  
وہ آفتاب جو ان کی تجلی سے روشن ہے، روم اور شام کی افق ان سے نورانی ہے۔

شعلہ اش در جہان تیرہ نہاد  
بہ بیابان چراغ رہبانی  
ان کا شعلہ اس ظلمتِ کدہ کے لیے ایسا چراغ ہے جو بیابان کے ڈرنے والے درویشوں کے لئے ہے۔

معنی از حرفِ او ہی روید  
صفتِ لالہ ہائے نعمانی  
ان کے حروف سے معنی اس طرح پھوٹتے ہیں جیسے نعمان بن منذر بادشاہ کے لگائے ہوئے لالہء سرخ کے پھول۔

(پ۔م۔۳۷۲)

مولانا روئی کا کلام عشق اور مستی سے لبریز ہے اور وہ مروجہ استدلال اور فلسفے سے کام نہیں لیتے۔ ان کا استدلال اپنے انداز کی آپ ہی ایک مثال ہے، چنانچہ علامہؒ نے فرمایا ہے کہ۔

بوعلی اندر غبارِ ناتہ گم  
دستِ روئی پردہٗ محمل گرفت  
بوعلیؒ تو (قافلہٗ استدلال کی) اونٹنی کے غبار میں کھو گیا اور روئیؒ کے عشق کے ہاتھ نے بڑھ کر (لیلیٰ کے) محمل کے

پردے کو تھام لیا۔ (پ۔م۔۲۷۶)

مولانا روئیؒ کے کلام کی وضاحت کے لئے لاتعداد کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ آپ کے پہلے شعر ”بشنو از نے چہ حکایت می کند“ پر ایک ہزار صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی جا چکی ہے۔ مفتاح العلوم کی چھ جلدیں مثنوی کی تفسیر میں محمدنذیر عرشی نے لکھی ہیں۔ مولانا پر لکھی گئی تشبیہاتِ روئی، ملفوظاتِ روئی، حکمتِ روئی وغیرہ کے علاوہ ”فیہ مافیہ“ میں مولانا کے ملفوظات ہیں۔ دیوانِ شمس تبریزؒ کی تشریحات بھی ملتی ہیں۔ ان کے علاوہ مثنوی کی دس ضخیم شروح لکھی جا چکی ہیں، جن میں سے اکثر ناپید ہیں۔ چند اور کتابیں مثلاً احادیثِ مثنوی، معارفِ مثنوی، مثنوی میں ذکرِ رسول ﷺ، مگدسۃ مثنوی، کلیدِ مثنوی، مکاشفاتِ رضویہ، بحر العلوم وغیرہ بازار میں خال خال دستیاب ہیں۔

علامہؒ کے ہاں مرشدِ روئی کا فیضان

علامہ اقبالؒ نے مرشدِ روئیؒ سے جو فیوض حاصل کیے ان کا کچھ تذکرہ تو زیرِ نظر کتاب میں ”پیامِ روئیؒ حیات



افروز ہے، میں ہو چکا ہے اور اس کے علاوہ آپ نے اپنے کلام میں متعدد بار مولانا سے مستفیض ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ ایسے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کے کلام میں جگر سوزی اور رُوح پروری مولانا روئی سے ہی ماخوذ اور مستعار ہے۔ اس لیے آپ نے کھلے لفظوں میں مولانا کو اپنا مرشد تسلیم کیا ہے۔  
راۓ معنی مرشد روئی کشود فکر من بر آستانش در سجد

مجھ پر معنوی اسرار مرشد روئی نے کھولے ہیں اور میری فکر اس کے آستان پر سجدہ ریز ہے۔ (ز۔ع۔۵۷۷)  
پیر روئی خاک را اکسیر کرد از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد  
پیر روئی نے خاک کو بھی اکسیر کر دیا ہے اور میری خاک سے کئی جلوے تعمیر کئے۔ (ا۔ج۔۹)

مرشد روئی حکیم پاک زاد سر مرگ و زندگی بر ما کشاد  
مرشد روئی وہ حکیم پاک باز ہیں جنہوں نے زندگی اور موت کے اسرار ہم پر کھولے۔ (پ۔م۔۱۹۰)  
گرہ از کارِ ایں ناکارہ وا کرد غبارِ رہگذر را کیسیا کرد

مجھ ناکارہ کی مشکلوں کی انہی نے گرہ کشائی کی ہے اور ایک راہگذر کی خاک کو کیسیا بنا دیا ہے۔ (ا۔ج۔۹۵۸)  
منے آں نئے نوازے پاک بازے مرا باعشق و مستی آشنا کرد  
اس پاک باز بانسری نواز کی بانسری کی ”نئے“ نے مجھے عشق و مستی سے آشنا کر دیا ہے۔ (ا۔ج۔۹۵۸)

خودی تا گشت مہجورِ خدائی بہ فقر آموخت آدابِ گدائی  
اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری خودی دنیا سے بے پروا ہو جائے تو مولانا کے فقر سے طلب کرنے کے آداب سیکھو۔  
(ا۔ج۔۹۶۰)

زچشمِ مستِ روئی دامِ گردم سرورے از مقامِ کبریائی  
میں نے روئی کی مست آنکھوں سے قرض کے طور پر لیا ہے وہ سرور، جس کا مقام کبریائی ہے۔ (ا۔ج۔۹۶۰)  
بیا کہ من زخمِ پیرِ روم آردم منے سخن کہ جواں تر زبادہ علمی است  
اؤ کہ میں پیر روئی کے شراب کے مٹکے سے ایسے سخن کی شراب لایا ہوں جو انگوری شراب سے جواں تر ہے۔

(پ۔م۔۳۳۵)  
آمیزشے کجا، گہرِ پاک اُو کجا از تاکِ بادہ گیرم و در ساغرِ افغم  
ملاوٹ والی شراب کہاں اور آپ کی پاکیزہ شراب کہاں، میں نے شراب اُن کی انگور کی شاخ سے حاصل کی اور پیالے میں ڈال لایا ہوں۔  
(پ۔م۔۳۸۳)

موجم و در بحرِ او منزلِ کم تا دُرّ تابندہ حاصلِ کم  
میں ایسی موج ہوں جس کی منزل روئی کے سمندر میں ہے پھر وہاں سے گوہر تابدار حاصل کرتا ہوں۔ (ا۔ج۔۹)



من کہ مستی ہا ز صہبائش کنم      زندگانی از نفس ہائش کنم  
 میری مستی اُن کی شراب سے آتی ہے، میری زندگی اُن کے دم سے ہی وابستہ ہے۔ (۱-ج-۹)  
 شرارے جستمہ گیر از درونم      کہ من مانند روئی گرم خونم  
 میرا حاصل کردہ شرارہ میرے اندر سے لے لو کہ میں بھی روئی کی طرح گرم خون رکھتا ہوں۔ (ز-ع-۵۶۷)  
 چوں روئی در حرم دادم اذال من      ازو آموختم اسرارِ جاں من  
 روئی کی طرح میں نے بھی حرم میں اذان دی، انہی سے میں نے روح کے اسرار سیکھے۔ (۱-ج-۹۳۸)  
 بہ دورِ فتنہ عصرِ کہن او      بہ دورِ فتنہ عصرِ رواں من  
 وہ پرانے زمانے کے فتنوں کے لیے آئے اور اس دور کے فتنوں کے لیے میں آیا ہوں۔ (۱-ج-۹۳۸)

### رازِ خودی کو مولاناؒ نے فاش کیا

علامہ اقبالؒ کے مندرجہ بالا اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مولانا روئیؒ سے بہت متاثر تھے اور اپنے خیالات و افکار کو مہذب اور عالی مرتبت کرنے کے لئے ان ہی کے رہنِ منت ہیں۔ علامہ اقبالؒ اپنی تمہیدِ مثنوی میں لکھتے ہیں کہ جب عرفان اور آگہی کی طلب نے ان کو بے قرار کر دیا تو اسی عالمِ فکر میں وہ سو گئے۔ سونے کے دوران مولانا روئیؒ سے خواب میں ملاقات ہو گئی۔ مولانا روئیؒ مجھ کو تسکین دیتے ہوئے بہت سے حقائق کو مجھ پر منکشف فرماتے رہے۔ چنانچہ عارف روئیؒ کی اس تلقین کے بعد میں نے رازِ خودی کو فاش کیا۔ اُن کے درمیان جو سوال و جواب ہوئے درج ذیل اشعار میں ملاحظہ فرمائیں۔

شبِ دلِ من مائلِ فریاد بود      خامشی از ”یاربم“ آباد بود  
 رات کو میرا دل مائلِ فریاد تھا، میری خاموشی نعرۂ یارب سے آباد تھی۔  
 شکوہ آشوبِ غمِ دوراں بدم      از تہی پیاگیِ نالوں بدم  
 میں دنیا کی مشکلات کا شکوہ کر رہا تھا اور اپنی بے سروسامانی پر رو رہا تھا۔  
 روئے خود نمود پیرِ حق سرشت      کو بہ حرفِ پہلوی قرآنِ نوشت  
 پیرِ نیک طینت روئیؒ کا چہرہ نمودار ہوا، جس نے فارسی زبان میں قرآن لکھا ہے۔  
 گفت اے دیوانہ اربابِ عشق      جرعہ گیر از شرابِ نابِ عشق  
 روئیؒ نے کہا کہ اے اہلِ عشق کے دیوانے! شرابِ عشق کا ایک گھونٹ پی (تو سہی)۔  
 بر جگر ہنگامہ محشرِ بزن      شیشہ بر سر دیدہ بر نشترِ بزن  
 اپنے جگر میں قیامت کا ہنگامہ برپا کر، شراب کے شیشہ سے سر پھوڑ لے اور آنکھیں نشتر سے پھوڑ لے۔

خندہ را سرمایہ صد نالہ ساز      اشکِ خونیں را جگر پر کالہ ساز  
 دُنیا کے عیش و آرام کو آہ و زاری کا ذریعہ بنا لو، اپنے خونیں اشکوں سے جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر لو۔ (اسرار۔ ۹)  
 تاکہ چوں غنچہ می باشی خموش      کھبتِ خود را چوں گل ارزاں فروش  
 غنچے کی طرح کب تک خاموش رہو گے، اپنی خوشبو کو پھول کی طرح عام کر دو۔  
 آتشِ اسی بزمِ عالم بر فردز      دیگر ایں را ہم زسوزِ خود بسوز  
 تو ایک آگ ہے، دنیا کی بزم کو چمکا دے، دوسروں کو بھی اپنے سوز میں جلا دے۔  
 فاش گو اسرارِ پیر سے فروش      موجِ نئے شو کسوتِ مینا پوش  
 عشق کی شراب بیچنے والے پیر کے راز بیان کر، سراپا شراب بن جا اور مینا کا لباس پہن لے۔  
 سنگِ شو آئینہ اندیشہ را      بر سر بازار بشکن شیشہ را  
 خوف و اندیشہ کے شیشے کے لئے پتھر بن جا اور سر عام ایسے شیشے کو توڑ ڈال۔  
 از نیتاں بچوئے پیغامِ وہ      قیس را از قومِ حے پیغامِ وہ  
 بانس کے جنگل (روحانی دُنیا) سے بانسری کی طرح اپنا پیغام دے، قیس یعنی ملت کو لیلیٰ (عربی سرکار) کا پیغام سنا۔  
 نالہ را اندازِ نو ایجاد کن      بزم را از ہائے و ہُو آباد کن  
 اپنی فریاد کو نئے انداز میں ایجاد کرو، محفل کو اپنی ہاؤہو سے آباد کرو۔  
 خیز و جانِ نو بدہ ہر زندہ را      از قمِ خود زندہ تر کن زندہ را  
 اٹھ اور ہر زندہ کو نیا پیغام دے، اپنے لفظ ”قم“ سے ہر زندہ کو زندہ تر بناؤ۔  
 زیں سخنِ آتش بہ پیراہنِ خدم      مثلِ نئے ہنگامہ آہستنِ خدم  
 مولانا کی اس بات سے میرے بدن میں آگ پیدا ہو گئی، بانسری کی طرح میں ایک دلولے سے لبریز ہو گیا۔  
 چوں نوا از تارِ خود برخاستم      جنتے از بہرِ گوشِ آراستم  
 جب میں نے اپنے رباب سے نغمہ خودی بلند کیا تو کانوں کو ایک پُر لطف نعمت سے آراستہ کر دیا۔  
 برگزتم پردہ از رازِ خودی      وا نمودم سرِ اعجازِ خودی  
 (پھر) میں نے رازِ خودی سے پردہ ہٹایا اور اعجازِ خودی کے راز کو کھول دیا۔  
 تمہیدِ مثنوی میں علامہ اقبالؒ مولانا روٹیؒ سے فیض حاصل کرنے سے پہلے کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ اس سے قبل  
 میں ایک نقشِ ناتمام تھا پھر عشق کی ریتی نے مجھے انسان بنایا اور میں بلند آسمانوں کی پرواز کرنے لگا۔ میں نے انسانیت  
 کے لئے خفیہ اسرار سے پردہ اٹھایا ۛ



بود نقش ہستیم انگارہء ناقبولے، ناکے ناکارہء  
میرا وجود ایک ناتمام نقش کی طرح تھا جو ناقبول، نکما اور نقشِ ناتمام تھا۔

عشق سوہاں زد مرا آدم شدم عالم کیف و کم عالم شدم  
عشق نے مجھے سان پر چڑھایا تو مجھے انسان بنا دیا اور میں پورے عالم کے جملہ اسرار کا عالم بن گیا۔ (اسرار۔ ۹-۱۰)  
حرکتِ اعصاب گردوں دیدہ ام در رگِ مہ گردشِ خوں دیدہ ام  
میں نے آسمانوں کے اعصاب کی حرکتوں کو دیکھا ہے اور چاند کی رگوں میں خون کی گردش دیکھی ہے۔  
بہرِ انساں چشمِ من شبہا گریت تا دریدم پردہٗ اسرارِ زیست  
انساں کے لئے میری آنکھ کئی راتوں تک روتی رہی تب کہیں میں نے زندگی کے اسرار کا پردہ کھولا۔  
از درونِ کارگاہِ ممکنات برکشیدم سیرِ تقویمِ حیات  
اس دنیائے ممکنات کے کارخانہ میں سے میں نے زندگی کے استحکام کے اسرار کو کھولا۔

من کہ ایں شب را چو مہ آرامم گردپائے ملتے بیضاسم  
میں نے اس تاریک رات کو چاند کی طرح سجا دیا کہ میں تو اسِ ملتِ بیضا کے پاؤں کی خاک ہوں۔  
ملتے درباغ و راغِ آوازہ اش آتشِ دلہا سرود تازہ اش  
وہ ملت جس کی سبزہ زاروں میں شہرت ہے اور کئی دلوں میں گرمی اس کے تازہ نغموں کی وجہ سے ہے۔  
ذرہ کشت و آفتاب انبار کرد خرمن از صد روئی و عطار کرد  
وہ ملت جس نے ایک ذرہ بویا اور اس سے ہزاروں آفتاب پیدا ہو گئے اور سینکڑوں روئی و عطار کا ڈھیر لگ گیا۔  
آہ گرمِ رخت بر گردوں کشم گرچہ دودم از تبارِ آتشم  
میں ایک آہ گرم ہوں جو آسمان تک پہنچتی ہے، اگرچہ میں آگ کا دھواں ہوں مگر آگ کے گھرانے سے ہوں۔  
(اسرار۔ ۱۰-۱۱)

علامہ اقبالؒ کے فلسفہٴ خودی اور بے خودی کو ہماری تصنیف ”عشق و عقل اور فلسفہٴ خودی“ میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، جو ان شاء اللہ عنقریب شائع ہوگی۔

سوز و سازِ روئیؒ

وہ سوز و ساز جو مولانا روئیؒ، عطارؒ، خسروؒ اور سنائیؒ جیسے شعراء کے کلام میں تھا، وہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک کسی مغربی مفکر کے کلام میں نہیں مل سکا۔ فرماتے ہیں کہ اگرچہ آج بھی ایران اور دیگر ممالک سے اُٹھنے والے بہت سے شعراء نظر آتے ہیں لیکن مسلمانوں کو سوزِ حیات صرف انہی اسلامی شعراء سے ملا ہے (سوز و ساز سے مراد سوختن یعنی جلنا اور ساختن یعنی کچھ نہ کچھ کرنا ہے) تو گویا سوز و ساز سے مراد زندگی کا درد یا لگن رکھنا اور اس کے نتیجے میں



عمل پیہم کرنا ہے۔ علامہ نے فرمایا ہے۔

نہ اٹھا پھر کوئی روئی عجم کے لالہ زاروں سے

وہی آب و گل ایراں، وہی تیریز ہے ساقی

(ب۔ج۔۳۰۳)

علامہ اقبالؒ سوز و ساز کی وضاحت درج ذیل اشعار میں فرماتے ہیں۔

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہرِ یک دانہ

یا سبزر و طغرل کا آئینِ جہانگیری

یا حیرتِ فارابی یا تاب و تبِ روئی

یک رنگی و آزادی اے ہمتِ مردانہ

یا مردِ قلندر کے اندازِ ملوکانہ

یا فکرِ حکیمانہ یا جذبِ کلیمانہ

(ب۔ج۔۳۵۹)

علامہ اقبالؒ اللہ کے حضور اکابرین صوفیاء کی طرح کا سوز و ساز اور تڑپ عطا ہونے کے لئے دعا کرتے ہیں۔

عطا کن شورِ روئی، سوزِ خسرو

چناں بابتِ درِ ساختم من

سوز و سازِ روئی و سوزِ خسرو اور اخلاصِ سنائی کے مانگنے کے بعد علامہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بندگی کے ساتھ اس

طرح موافقت کر لی ہے کہ اگر مجھ کو خدائی بھی دے دی جائے تو قبول نہ کروں۔

علامہؒ فرماتے ہیں کہ حکیمانِ مغرب کا فلسفہ سوزِ عشق نہ ہونے کی وجہ سے خام اور ناقص ہے اور انسانیت کے

پچیدہ مراحل کا حل پیش نہیں کر سکتا لیکن مولانا روئی یا جائی جیسے شاعروں کا کلام معرفت اور حقیقی عشق سے لبریز

ہونے کی وجہ سے اسلامی نقطہ نظر سے وابستگی رکھتا ہے، اس لیے ان کے ایک یا دو اشعار سے ہی مسائل کے بہت

سے بند دروازے کھل جاتے ہیں۔

مرا از منطق آید بوئے خامی

مجھے فلسفہ سے خامی کی بو آتی ہے کیونکہ اس کی دلیل نامکمل ہوتی ہے۔

برویم بستہ درہا را کشاید

میرے لیے کئی بند دروازوں کو کھولتے ہیں مولانا روئی یا جائی کے دو بیت (شعر)۔

”ایک فلسفہ زدہ سیدزادے کے نام“ پر آپ نے ایک نظم میں حقیقتِ فلسفہ کو آشکار کیا ہے۔

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا

انجامِ خرد ہے بے حضوری

انکار کے نغمہ ہائے بے صوت

دین مسلکِ زندگی کی تقویم

زقاریٰ برگساں نہ ہوتا

ہے فلسفہ زندگی سے دوری

ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت

دینِ سر محمد ﷺ و براہِ ایم

دل در سخن محمدی ﷺ بند      اے پور علیؑ زبوعی چند  
چوں دیدہ راہ ہمیں نداری      قائد قرشی بہ از بخاری

(ض۔ک۔۴۸۰)

اپنے دل کو حدیث محمدی ﷺ کا پابند کرو! اے علیؑ کی اولاد تو کب تک علیؑ سے دور رہے گا، چونکہ تیری آنکھ راہ بین نہیں اس لیے تو عام قائد قریشی کو بخاری سے بہتر سمجھتا ہے۔

جو فن یا ہنر انسان کو زندگی سے دور لے جائے اور انفرادیت کو کچل دے، اس کو کائنات کے تابع کر دینا کیونکہ وہ فن علامہؒ کے نزدیک مصنوعی پن، نقالی اور بہروپ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تری خودی سے ہے روشن تیرا حریم وجود      حیات کیا ہے؟ اسی کا سرور و سوز و ثبات  
بلند تر مہ و پرویں سے ہے اسی کا مقام      اسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے ذات و صفات  
حریم تیرا، خودی غیر کی، معاذ اللہ      دوبارہ زندہ نہ کر کاروبارِ لات و منات  
یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تو نہ رہے      رہا نہ تو، تو نہ سوزِ خودی نہ سازِ حیات

(ض۔ک۔۵۶۸)

علامہ نے روئیؒ کے سوز و ساز کو اس لیے اہمیت دی ہے کہ علامہ وجود کے بلند آہنگ اظہار و اعلان کے لئے خلوص عشق، سوزِ خودی، جذبہٴ زندگی اور عرفانِ نفس کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ اثباتِ وجود اور خودی سے پہلے فن کار کو اپنی پہچان ضروری ہے۔ پھر تعمیرِ خودی کے لئے نیاز میں ناز پیدا کرے اور قطرہ روکش دریا ہو جائے۔ علامہ سجدے کو بے خودی اور قیام کو خودی کا اشارہ سمجھتے ہیں، جیسے فرمایا کہ ”ہے قیام سے خالی تیری نماز اب تک“ یعنی تمہاری نماز خودی کے مقام سے خالی ہے۔

اے کہ ہے زیرِ فلک مثلِ شررِ تیری نمود      کون سمجھائے تجھے کیا ہیں مقاماتِ وجود  
گر ہنر میں نہیں تعمیرِ خودی کا جوہر      وائے صورتِ گری و شاعری و نائے و سرود  
مکتب و میکدہ جز درسِ نبودن نہ ہند      بودن آموز کہ ہم باشی وہم خواہی بود  
مکتب اور میکدہ منفی اسباقِ درس کے سوا کچھ نہیں بتاتے، مثبت اسباق سیکھ کہ تو موجود رہے گا اور جو چاہے گا کرے گا۔

(ض۔ک۔۵۷۶)

علاجِ آتشِ رومیؒ کے سوز میں ہے ترا

یہ حقیقت ہے کہ قوم کی تمام برائیوں کا علاج قرآن و سنت کی اتباع ہی میں ہے اور چونکہ مولانا نے اپنے کلام میں قرآن اور سنت کو ہی بیان کیا ہے، جو کہ دین و دنیا کی بہترین راہ بتاتی ہے، چنانچہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اگر مولانا رومیؒ کے فرمودات پر عمل کرو گے تو دین اور دنیا میں نجات حاصل کر لو گے۔



مولاناؒ روئیؒ کے زمانہ میں خشک فلسفیانہ موشگافیاں مسلمانوں کے ذہنوں اور دینی مدرسوں میں سرایت کر چکی تھیں مگر مولانا کی مثنوی اس قسم کے فلسفے سے ہٹ کر لکھی گئی ہے جس میں قوتِ حیات، ادبی بلندی، معانی کی جدت، حکیمانہ مثالوں اور نکتوں کے بے بہا خزانے موجود ہیں۔ مولانا کے کلام نے لاکھوں انسانوں کے قلب و نظر میں تبدیلی پیدا کی۔ علامہ اقبالؒ کے زمانہ میں یورپ کے مادی و عقلی، بے روح اور لامذہب افکار و خیالات پوری دنیا پر چھا گئے تھے، چنانچہ اس مادہ اور روح کی کشش نے فکری انتشار پیدا کر رکھا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے پوری دنیا کو بتایا کہ عقل و خرد کی گتھیاں جسے یورپ کی مادیت نے الجھا دیا تھا ان کا حل آتشِ روئیؒ کے سوز میں ہی نہیں ہے اور سب کو کہا کہ اپنی نگاہِ فکر اسی کے فیض سے روشن کریں۔ آپ نے اپنی قابلیت کے جہانگیر جوہر سے ثابت کر دیا کہ میرے سوچے میں مولاناؒ کے فکر و نظر کا بحر بے کنار پوشیدہ ہے۔ فرماتے ہیں ۛ

علاجِ آتشِ روئیؒ کے سوز میں ہے ترا      تیری خرد پہ ہے غالبِ فرنگیوں کا فسوس  
اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن      اسی کے فیض سے میرے سو میں ہے جیوں

(ب۔ج۔۳۲۰)

ضربِ کلیم میں علامہ نے روئیؒ کے عنوان سے تین اشعار قلمبند کیے ہیں، جس میں انہوں نے مسلمانوں کی ناکامی کا راز افشا کیا ہے، چنانچہ آپ نے یہی مشورہ دیا ہے کہ بجائے بے ہودہ کتابوں کے پڑھنے کے مولانا کے کلام کو پڑھو اور اس پر عمل کرو۔ افسوس ہے کہ اس قوم نے اپنے عظیم محسنوں کو بھلا دیا اور اب یہ وقت ہے کہ خال خال ہی کوئی شخص روئیؒ کے کلام کو زیرِ مطالعہ لاتا ہوگا ۛ

غلط مگر ہے تیری چشمِ نیم باز اب تک      ترا وجود تیرے واسطے ہے راز اب تک  
تیرا نیاز نہیں ہے آشنائے ناز اب تک      کہ ہے قیام سے خالی تیری نماز اب تک  
گشتہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک      کہ تو ہے نغمہٗ روئیؒ سے بے نیاز اب تک

(ض۔ک۔۵۸۳)

عطارؒ ہو، روئیؒ ہو، رازیؒ ہو، غزالیؒ ہو      کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی  
(ب۔ج۔۳۳۸)

صحبتِ پیرِ رومؒ سے مجھ پہ ہوا یہ رازِ فاش      لاکھ حکیم سرِ بجیب ایک۔ کلیم سرِ بکف  
(ب۔ج۔۳۳۱)

نہ جبریلؑ، نہ فردوسؑ نہ حورؑ نے خداوندے      کفِ خاک کے کہ می سوزد ز جانِ آرزو مندے  
(ح۔ن۔۷۴۰)

نہ جبریلِ امینؑ، نہ جنت، نہ حور اور نہ ہی خدائے تعالیٰ کی ذات ایسی آرزو مند ہے جیسی کہ مٹھی بھر آدم کی خاک اپنی



جان کی آرزوؤں میں سلگ رہی ہے۔

## رومیؒ کو رفیقِ راہ بناؤ

محمد حسین عرشی لکھتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ نے مجھے ۱۹ مارچ ۱۹۳۵ء میں ایک خط لکھا، اس کا مضمون یہ تھا۔ ”آپ اسلام اور اس کے حقائق کے لذت آشنا ہیں۔ مثنوی رومیؒ کے پڑھنے سے اگر دل میں گرمی شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہیے؟ شوق خود مرشد ہے۔ میں ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کر چکا ہوں اور اگر پڑھتا ہوں تو صرف قرآن اور مثنوی کو پڑھتا ہوں۔ افسوس! ہم اچھے زمانے میں پیدا نہ ہوئے۔ کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں ایک بھی صاحبِ سر نہیں۔ بہر حال آپ مثنوی کا مطالعہ جاری رکھیے اور مجھ سے کبھی کبھی ملتے رہیے کیونکہ ایک ہی قسم کا شوق رکھنے والوں کی صحبت بعض اوقات ایسے نتائج پیدا کر دیتی ہے جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتے۔ یہ بات زندگی کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے، جن کو جاننے والے مسلمان ہند کی بد نصیبی سے اس ملک میں پیدا نہیں ہوتے۔“

پیرِ رومیؒ را رفیقِ راہ ساز      تا خدا بخشد ترا سوز و گداز  
پیرِ رومیؒ کو اپنے راستے کا ساتھی بناؤ تاکہ خدا تجھے سوز و گداز سے نوازے۔

زانکہ رومیؒ مغز را داند ز پوست      پائے او محکم فتد در کوئے دوست  
یہ اس لیے کہ رومیؒ چھلکے اور مغز کو پہچانتے ہیں، ان کے قدم محبوب کے کوچے میں محکم ہیں۔

شرح او کردند و او را کس ندید      معنی او چوں غزال از ما رمید  
لوگ اُن کی شرح تو کرتے ہیں مگر حقیقت آشنا نہیں، ان کا کلام یوں ہے جیسے ہم سے بھاگا ہوا ہرن۔

رقصِ تن از حرفِ او آموختند      چشمِ را از رقصِ جاں بردوختند  
صوفیوں نے اُن کے کلام پر سر دھنا تو سیکھ لیا لیکن روح کے وجد سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

رقصِ تن در گردشِ آرد خاک را      رقصِ جاں برہم زند افلاک را  
جسم کے وجد سے تو خاک کی دُنیا میں انقلاب آتا ہے اور روح کے وجد سے افلاک درہم برہم ہو جاتے ہیں۔

علم و حکم از رقصِ جاں آید بدست      ہم زمین ہم آسمان آید بدست  
علم اور حکومت روح کے وجد سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ اس سے تو زمین اور آسمان بھی فتح ہو جاتے ہیں۔

فرد از وے صاحبِ جذبِ کلیم      ملت از وے وارثِ ملکِ عظیم  
اس سے بندہ جذبِ کلیم حاصل کر لیتا ہے اور ملت بہت بڑی مملکت کی وارث ہو جاتی ہے۔

رقصِ جاں آموختنِ کارے بود      غیرِ حق را سوختنِ کارے بود  
روح کا رقص سیکھنا تو کارِ دارد ہے، ماسوائے اللہ کے سب کو جلا دینا تو ایک بہت بڑا کام ہے۔

تا زناہِ حرص و غم سوزد جگر  
جاں برقص اندر نیاید اے پر  
جب تک حرص اور غم کی آگ سے جگر سوزی نہ ہو، روح کا وجد میں آنا ممکن نہیں۔

ضعفِ ایمان است و دلگیری است غم  
نوجوانا! نیمہ پیری است غم  
دلگیر ہونا اور غم کھانا تو ضعفِ ایمان ہے، اے نوجوان! غم سے تو آدمی آدھا بوڑھا ہو جاتا ہے۔

می شناسی؟ حرص فقرِ حاضر است  
من غلام آنکہ بر خود قاہر است  
کیا تم جانتے ہو کہ حرص تو ہر وقت محتاج بنائے رکھتی ہے؟ میں تو اس کا غلام ہوں جو خود پر غالب آئے۔

(ج۔ن۔۷۹۶)

اے مرا تسکین جانِ ناٹکیب  
تو اگر از رقص جاں گیری نصیب  
اے بیٹے! تو میرے مضطرب دل کا سکون ہے اگر تجھے روحانی وجد یا رقص سے کچھ حصہ مل جائے۔

سرِ دینِ مصطفیٰ گویم ترا  
ہم بقبر اندر دعا گویم ترا  
میں نے دینِ مصطفیٰ ﷺ کا راز تجھے بتا دیا ہے اور میں قبر میں بھی تیرے لیے دعا گو رہوں گا۔

(ج۔ن۔۷۹۶)

زروئی گیر اسرارِ فقیری

علامہ اقبالؒ زندگی کا راز عشق سے وابستگی میں تصور کرتے ہیں اور مولانا رومیؒ کی فقیری اور خودداری کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اُن کی اس دولت پر تو اُمرا بھی رشک کرتے ہیں۔

زروئی گیر اسرارِ فقیری  
کہ آں فقر است محمودِ امیری  
رومیؒ سے اسرارِ فقر اخذ کرو کیونکہ اُن کے فقر پر اُمرا بھی رشک کرتے ہیں۔

(ج۔۷۹۹)

شرارے جنبہ گیر از دروغم  
کہ من مانند رومیؒ گرم خونم  
میرے اندر سے نکلی ہوئی عشق کی ایک چنگاری لے لو کیونکہ میں رومیؒ کی طرح خون میں حرارت رکھتا ہوں۔

(ز۔ع۔۵۶۷)

دگر نہ آتش از تہذیبِ نو گیر  
برونِ خود بنفروز اندروں میر  
اور نہ نئی تہذیب کی آگ حاصل کر لو تو اس طرح تم اپنے ظاہر کو آراستہ کر لو گے مگر باطن کو ختم کر دو گے۔

(ز۔ع۔۵۶۷)

حذر زان فقر و درویشی کہ از دے  
رسیدی بر مقامِ سرِ بیزی  
ایسے فقر اور درویشی سے بچو جس کی وجہ سے تمہیں اپنا سر جھکانے کی نوبت آئے۔

(ج۔۷۹۹)

مشائخِ کبار کا قول ہے کہ جس طرح مولانا رومیؒ نے اپنے مرشد شمس تبریزؒ کی صحبت اختیار کی، ان کو خضرِ راہ بنایا اور اپنی خودی کو مستحکم کیا، اسی طرح تم بھی کسی مرشدِ کامل کی صحبت میں آ کر اپنی خودی کو مکمل کرو۔ علامہ اقبالؒ



فرماتے ہیں کہ گوئیے نے جرمنی ادب میں عجمی روح پیدا کی۔ اس کے علاوہ بہت سے شعراء مثلاً پلائن، روکٹ، بوڈن سٹاٹ نے فارسی زبان سیکھی اور فلسفہ رومیؒ اور دیگر اسلامی شعراء کی بہت قدر کی ہے اور ان کی غزلیات میں زیادہ تر رومیؒ کی تقلید پائی جاتی ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ ہم مسلمانوں میں اکثر اور بیشتر لوگ مولانا رومیؒ اور دیگر اسلامی شعراء سے قطعاً نا آشنا ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو مولانا رومیؒ کی شمع سے اپنی شمع کو روشن کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ فرماتے ہیں ۔

شمع خود را ہنجو رومیؒ برفروز روم را در آتش تبریزؒ سوز  
اپنی شمع کو رومیؒ کی طرح روشن کرو، مولاناؒ روم کی طرح اپنے دل کو شمس تبریزؒ کی آگ میں جلاؤ۔ (ا۔و۔ر۔ ۱۹)  
دل ز عشق او توانا می شود خاک ہمدوشِ ثریا می شود  
ان کے عشق میں دل توانا ہو جاتا ہے اور خاکی (ذرات) ہمدوشِ ثریا ہو جاتے ہیں۔ (ا۔و۔ر۔ ۱۹)

مرشدِ رومیؒ چہ خوش فرمودہ است آنکہ یم در قطرہ اش آسودہ است  
مرشدِ رومیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے، گویا انہوں نے قطرے میں سمندر سمویا ہوا ہے۔ (ا۔و۔ر۔ ۱۳۱)  
مکمل از ختم الرسل ﷺ ایام خویش نکلیہ کم کن بر فن و بر گام خویش  
اپنی زندگی کو ختم الرسل ﷺ سے منقطع نہ کرو، اپنے فن اور اپنی رفتار پر بھروسہ نہ کرو۔ (ا۔و۔ر۔ ۱۳۲)  
عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد از تاب و تبِ رومیؒ تاجیرتِ فارابیؒ  
یہ عشق ہی ہے کہ تمہاری روح میں ہر کیفیت پیدا کرتا ہے، تاب و تبِ رومیؒ سے لے کر حیرتِ فارابیؒ تک۔

(پ۔م۔ ۳۰۳)  
مطرب غزلے بیتے از مرشدِ رومؒ آور تا غوطہ زند جانم در آتش تبریزؒ  
اے غزل خواں! مرشدِ رومیؒ کا ایک بیت سنا تا کہ میری جان بھی شمس تبریزؒ کی آگ میں غوطہ زن ہو جائے۔

(پ۔م۔ ۳۳۱)  
شعلہ در گیر زد بر خس و خاشاک من مرشدِ رومیؒ کہ گفت ”منزل ما کبیر یاست“  
بھڑک اٹھنے والا شعلہ میرے خس و خاشاک پر مارو کیونکہ مرشدِ رومیؒ نے کہا ہے کہ ہماری منزل خدائے کبریا ہے۔  
(پ۔م۔ ۳۳۱)

جدھر رومیؒ لے جائے اُدھر ہی جاؤ

درج ذیل اشعار میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ رومیؒ تمہیں جس سمت لے جائے اُدھر ہی چلے جاؤ کیونکہ ایسا دین دار شخص کبھی گمراہی کی طرف رہنمائی نہیں کرے گا۔ مولانا رومیؒ کی رہنمائی میں جو کچھ حاصل ہو سکتا ہے اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں ۔



ہر کجا روئی برو آں جا برو یک دو دم از غیر او بیگانه شو  
روئی ہمیں جہاں بھی لے جائے ادھر ہی جاؤ، کچھ دیر کے لئے خود کو اُس کے علاوہ ہر شے سے منقطع کر لو۔

(ج۔ن۔۶۲۱)

روئی آں عشق و محبت را دلیل تشنه کاماں را کلامش سلسبیل  
روئی وہ ہیں جو عشق اور محبت کی کامل دلیل ہیں، پیاسوں کے لئے ان کا کلام چشمہ سلسبیل ہے۔

آں نوا گلشن کند خاشاک را آں نوا برہم زند افلاک را  
ان کے نغمے کی نوا تو گھاس پھوس کو بھی گلشن بنا دیتی ہے، ان کی نوا آسمانوں کو برہم کر دیتی ہے۔  
آں نوا برحق گواہی می دہد با فقیراں بادشاہی می دہد  
ان کی نوا اللہ تعالیٰ پر گواہی پیش کرتی ہے اور فقیروں کو بادشاہی عطا کرتی ہے۔

خون ازو اندر بدن سیار تر قلب از روح الایں بیدار تر  
اس کی وجہ سے بدن میں خون کی حرکت تیز ہو جاتی ہے اور دل جبرائیل سے زیادہ بیدار ہو جاتا ہے۔ (ج۔ن۔۶۳۱)

پیر روئی آں سراپا جذب و درد پیر روئی سراپا جذب و درد ہیں، میں جانتا ہوں کہ اس نے اپنی جان کو کن مجاہدات میں ڈالا۔  
از دروں آہے جگر دوزے کشید از دروں آہے جگر دوز آہ نکلتی ہے، ان کا ایک آنسو خون شہید سے زیادہ رنگین ہے۔

نغمہ مردے کہ دارد بوئے دوست ملتے را می برد تا کوئے دوست  
اس مرد کا نغمہ جس میں خدا کا رنگ ہو، ملت کو بارگاہ الہی میں لے جاتا ہے۔ (ج۔ن۔۶۴۱)

گفت روئی ایں قدر از خود مرو از دم آتش نوا یاں زندہ شو  
روئی نے کہا کہ اس قدر از خود نہ ہو جاؤ بلکہ ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ جن کی نوا شعلہ بار ہے۔ (ج۔ن۔۶۵۳)

### مولانا مسائل کو حل کرتے ہیں

مثنوی میں مولانا کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جو مسائل عام فہم نہیں ان کو آسانی سے سمجھانے کے لیے وہ کوئی دنیاوی مثال پیش کرتے ہیں اور پھر اس سے استدلال قائم کر کے اس مسئلے کو آسانی سے حل کر دیتے ہیں، مثلاً آپ نے مجنوں کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دن وہ صحرا میں نہایت غمگین انداز سے بیٹھا ہوا تھا اور ریت کو کاغذ بنا کر کچھ لکھ رہا تھا، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی کو خط لکھ رہا ہے۔ کسی شخص نے مجنوں سے پوچھا کہ یہ خط کس کو لکھ رہے ہو تو مجنوں نے کہا کہ میں خط نہیں لکھ رہا بلکہ لیلیٰ کا نام بار بار لکھ رہا ہوں کیونکہ میں جب اس کا نام لکھتا ہوں تو میرے دل کو سکون ملتا ہے (دیکھئے مولانا کا شعر ”دید مجنوں را یکے صحرا نورڈ“) پھر آپ اس مثال سے یہ ظاہر کرتے ہیں

کہ جو لوگ اللہ کے عاشق ہوں ان کو اللہ کے ذکر سے اسی طرح سکون ملتا ہے جس طرح مجنوں کو لیلیٰ کے نام سے سکون ملتا تھا (دیکھئے سورہ الرعد آیت نمبر ۲۸ ”اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوْبُ“)۔

خلیفہ عبدالکیم نے ایسی تمام مثالوں کو ایک کتاب ”تشبیہاتِ روئی“ میں جمع کر دیا ہے، جو لوگ خواہش مند ہوں اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ تشبیہاتِ روئی پر ایک باب اس کتاب کے آئندہ صفحات میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ کو حضرت مولانا روئیؒ سے اس قدر عقیدت تھی کہ وہ جب بھی کسی پیچیدہ مسئلے کو حل کرنے کی فکر میں ہوتے تو اپنے وجود کی نفی کر کے عالمِ ہُو میں گم ہو جاتے۔ اس کیفیتِ انہماک میں وہ دیکھتے کہ مولانا روئیؒ کی روح نمودار ہو جاتی اور ان کے مسائل کا خاطر خواہ اور حکیمانہ جواب دیتی، چنانچہ مولانا روئیؒ کے ان ارشادات کو آپ قلمبند کر دیتے۔ طوالت کے خوف سے ان تمام واقعات کا لکھنا ممکن نہیں، البتہ مولانا روئیؒ کے چند ارشادات علامہ کے اپنے الفاظ میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

حاکمی بے نور جاں خام است خام      بے بد بیضا ملکیت حرام  
روحانی نوا کے بغیر حکومت خام رہتی ہے اور جب تک موسیٰؑ کی طرح بد بیضا نہ ہو تو بادشاہی حرام ہے۔

(ج۔ن۔۶۸۳)

مذہبِ عصرِ نو آئینے نگر      حاصلِ تہذیبِ لادینے نگر  
اس دور کے نئے آئین والے مذہب کو دیکھو، اس لادینی تہذیب کا حاصل بھی دیکھو۔

زندگی را شرع و آئین است عشق      اصلِ تہذیب است دین، دین است عشق  
زندگی کے لیے عشقِ شرع اور آئین کا مقام رکھتا ہے، تہذیب کی اصل دین ہے اور دین سراسر عشق ہے۔

(ج۔ن۔۷۰۰)

راقم الحروف نے ”عقل اور عشق“ کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب عاشقانِ روئیؒ اور اقبالؒ کے لئے لکھ دی ہے جو ان شاء اللہ جلد ہی عوام کے لیے پیش کر دی جائے گی۔ اس کتاب میں روئیؒ اور اقبالؒ کے علاوہ دیگر اکابرین اور اولیائے کرام کی آراء بھی پیش کی گئی ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ۔

گفت روئیؒ وقت را از کفِ مدہ      اے کہ می خواہی کشودِ ہر گرہ  
روئیؒ نے کہا کہ وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دو، یہ بات اس کے لئے ہے جو ہر مشکل کی گرہ کھولنا چاہے۔

چند در افکارِ خود باشی اسیر      ایں قیامت را بروں ریز از ضمیر  
کب تک افکار میں گرفتار رہو گے، اس افکار کی قیامت کو ضمیر سے باہر نکالو۔

(ج۔ن۔۷۰۷)

”حرکت بَجَنَّتِ الْفِرْدَوْسُ“ کی نظم میں علامہ اقبالؒ جنت کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ انسان کو نیک کاموں سے جنت اور بُرے کاموں سے جہنم ملتی ہے ۔



گفت روئی اے گرفتارِ قیاس درگذر از اعتباراتِ حواس  
روئی نے کہا کہ اے قیاس میں گرفتار انسان! حواس کی غلط اعتباری سے گزر جاؤ۔

از تجلی کارہائے خوب و زشت می شود آں دوزخِ آسِ گردد بہشت  
اچھے اور برے کاموں کی تجلی سے ایک دوزخ بنتی ہے اور ایک جنت بنتی ہے۔

ایں کہ بنی قصرہائے رنگ رنگ اصلش از اعمال و نے از خشت و سنگ  
یہ جو رنگ رنگ کے محل دیکھ رہے ہوں ان کی اصل اعمال ہیں، اینٹ اور پتھر نہیں۔

(ج۔ن۔۷۳)

بالِ جبریلؑ میں علامہ اقبالؒ کی ایک نظم ”پیر و مرید“ کے چند اشعار نیچے دیے جا رہے ہیں جو کہ مثنوی سے ماخوذ ہیں اور ان میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی تباہی کا کیا علاج ہے؟۔

تا دلِ صاحبِ دل ناندِ بدرد یچ قوے را خدا رسوا نہ کرد  
کوئی قوم اس وقت تک رسوا نہیں ہوتی جب تک کسی صاحبِ دل کا دل رنج سے بھر نہ جائے۔

زیرِ کی بفرش و حیرانی بخر زیرِ کی ظن است و حیرانی نظر  
عقل کو بچ دو اور اس کی جگہ حیرانی خریدو کیونکہ عقل محض وہم و گمان ہے اور حیرانی سے نظر پیدا ہوتی ہے۔

بندہ یک مردِ روشن دل شوی بہ کہ برِ فرقِ سرِ شاہاں شوی  
تو کسی مردِ روشن دل کا مرید ہو جا، یہ اس سے بہتر ہے کہ بادشاہوں کے سر کے اشارے پر چلے۔

علم و حکمت زآید از نانِ حلال عشق و رقت آید از نانِ حلال  
رزقِ حلال سے علم و حکمت بڑھتی ہے، اسی طرح عشق اور رقت بھی حلال روزی سے بڑھتی ہے۔

آنچہ خوانی کوثر و غلمان و حور جلوہٗ ایں عالمِ جذب و سرور  
اور وہ جو کوثر و غلمان اور حور کا ذکر پڑھتے ہو یہ اس دنیا کے جذب و سرور کا جلوہ ہے۔

زندگی ایں جا ز دیدار است و بس ذوقِ دیدار است و گفتار است و بس  
اس جگہ دُنیا مشاہدے سے قائم ہے، یہاں ذوقِ دیدار اور گفتار کام آتے ہیں۔

(ب۔ج۔۳۳۔۳۲)

”حرکت بہ کاخِ سلاطینِ مشرق“ میں بھی روئیؒ کے ارشادات درج ہیں۔

گفت روی چشمِ دل بیدار بہ پا بروں از حلقہٗ افکار بہ  
روئیؒ نے کہا کہ بیدار دل کی آنکھ بہتر ہے اور ان افکار سے باہر نکلنا بہتر ہے۔

کردہ بر بزمِ درویشاں گذر یک نظر کاخِ سلاطین ہم نگر  
تو نے درویشوں کی محفل دیکھی ہے، ایک نظر بادشاہوں کے محلوں کو بھی دیکھ۔

(ج۔ن۔۷۵۹)



شیشہ صبر و سکون ریز ریز پیرِ رویؔ گفت در گوشت کہ خیز  
میرے صبر و سکون کا پیمانہ ٹوٹ گیا تو پیرِ رویؔ نے میرے کان میں کہا کہ اب اٹھ جاؤ۔ (ج۔ ن۔ ۷۷۴)

### مثنوی کے ذخائر

مولانا رویؔ کی مثنوی جو کہ چھ دفتروں پر مشتمل ہے، اپنے اندر تمام ضروری اسلامی علوم کو سموئے ہوئے ہے۔ اس میں کوئی شعبہٴ حیات یا علمِ موجودات ایسا نہیں جس پر آپؒ نے کلام نہ کیا ہو۔ حقیقت تو یہی ہے کہ آپؒ نے قرآن کے رموز کو فارسی زبان کا جامہ پہنایا ہے۔ اگر ان موضوعات کی فہرست مرتب کی جائے جن پر مولاناؒ نے سخن بندی کی ہے تو اس فہرست کے لئے بھی تیس، چالیس صفحات درکار ہوں گے۔ وہ موضوعات جو نہایت اہم ہیں اور جن پر آپؒ نے نہایت فلسفیانہ گفتگو کی ہے ان میں سے روح، اخلاق، الہیات، صفاتِ باری تعالیٰ، نبوت، وحی، معجزہ، مہداء و معاد، جبر و قدر، سنتِ رسول ﷺ، شریعت، طریقت اور حقیقت، فلسفہ اور سائنس، تجاذبِ اجسام (کششِ اجسام)، تجاذبِ ذرات، تجدیدِ امثال (جسمِ حیوانی کے اجزاء کا جلد فنا ہو جانا اور ان کی جگہ فوراً نئے اجزاء کا پیدا ہونا جس کی وجہ سے انسان ہر دم تازہ رہتا ہے) کے مسئلوں کے علاوہ ارتقاءِ موجودات کا اپنی بہترین صورت کی طرف رجوع کرنا اور ارتقائی منزلیں طے کرنا، عقل اور عشق وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان تمام مضامین کا خلاصہ بیان کرنے کے لئے بھی ایک کتاب کی ضخامت درکار ہوگی، چنانچہ قارئین کے لیے یہ مشورہ ہے کہ مثنوی کا مطالعہ کریں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں متعدد مقامات پر اور بالخصوص جاوید نامہ کی ایک غزل ”تمہیدِ آسمانی“ میں مولاناؒ کے کلام میں بیان کردہ اسرار کا مختصر سا خلاصہ شامل کیا ہے۔ اس کے چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں۔

روحِ رویؔ پردہ ہا را بر درید  
روئیؔ کی روح پر دے چاک کر کے پہاڑی کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔  
از پسِ کُہ پارہ آمد پدید

طلعتش رخشندہ مثلِ آفتاب  
شیبِ او فرخندہ چوں عہدِ شباب  
ان کا چہرہ آفتاب کی طرح روشن تھا، ان کی پیری جوانی سے بھی زیادہ آب و تاب رکھتی تھی۔

بر لبِ او سرِ پنهانِ وجود  
بندِ ہائے حرف و صوت از خود کشود  
ان کے لبوں پر وجود کے پوشیدہ راز کا بیان تھا، انہوں نے الفاظ اور آواز کے بندھن کھولے۔

گفتش موجود و ناموجود چیست  
معنی محمود و نامحمود چیست  
میں نے پوچھا موجود اور ناموجود کیا ہے؟ محمود اور نامحمود کے معنی کیا ہیں؟

مولاناؒ نے فرمایا کہ زندگی کو اپنی نظر سے آراستہ کرنا ضروری ہے اور اس کام کے بعد انسان کو اپنے اوپر خود اپنی اور لوگوں کی شہادت طلب کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نظروں سے پرکھنا ضروری ہے۔

زندگی خود را بخولیش آراستن بر وجود خود شہادت خواستن  
اپنے آپ کو اپنی نظروں سے آراستہ کرنا اور اپنے وجود پر شہادت طلب کرنا زندگی ہے یعنی اپنے آپ سے پوچھو کہ  
میں کیسا ہوں۔

زندہ یا مردہ یا جاں بلب از سہ شاہد کن شہادت را طلب  
تو زندہ ہے یا مردہ ہے یا جاں بلب، تین شاہدوں سے شہادت طلب کر۔ (ج۔ن۔ ۶۰۷)  
بر مقام خود رسیدن زندگی است ذات را بے پردہ دیدن زندگی است  
اپنے مقام پر پہنچنا اور ذات باری تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنا زندگی ہے۔ (ج۔ن۔ ۶۰۷)  
چیت معراج؟ آرزوئے شاہدے امتحانے رو بروئے شاہدے  
معراج کیا ہے؟ شاہد محبوب کی آرزو کرنا کہ اس کے روبرو اپنا امتحان کیا جائے۔

گفت اگر سلاطین ترا آید بدست می توان افلاک را از ہم شکست  
روئی نے کہا کہ اگر تجھے سلطان یعنی قوت میسر آجائے تو افلاک کی حدود کو بھی توڑا جاسکتا ہے۔  
سورۂ رحمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کوئی طاقت کی سند ہے تو تم آسمانوں کو چیر سکتے ہو۔  
نکتہ ”إِلَّا بِسُلْطَانٍ“ یادگیر درنہ چوں مور و ملخ در گل بمیر  
کرۂ ارض کو طاقت سے چیر کر نکلنے کا نکتہ یاد رکھو، نہیں تو تم چیونٹیوں اور مرغیوں کی طرح مرجاؤ گے۔ (ج۔ن۔ ۶۰۸)  
ہم بروں جہنم بزدان می توان بندہ از خود کشادن می توان  
اس جہان چار سو سے نئے روحانی جنم کے ساتھ باہر نکل سکتے ہو، تمام بندھنوں کو تم خود کھول سکتے ہو۔ (ج۔ن۔ ۶۰۹)

### کچھ سوالوں کے جواب

جاوید نامہ میں ”تمہید آسمانی“ کی اس غزل کے آخر میں علامہ اقبالؒ جان و تن، شعور اور معراج کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

چیت جاں؟ جذب و سرور و سوز و درد ذوقِ تغیرِ سپہِ گردِ گرد  
جان کیا ہے؟ جذب و سرور اور سوز و درد ہے، چاروں طرف گھومنے والے آسمانوں کی تغیر کا جذبہ ہے۔

چیت تن؟ بارنگ و بوخوردن است با مقامِ چار سو خور دن است  
تن کیا ہے؟ یہ خود کو رنگ و بو کا عادی کرنا ہے اور چار سو سے خود کو راضی کرنا ہے۔

از شعور است این کہ گوئی نزد و دور چیت معراج؟ انقلاب اندر شعور  
تم جو نزدیک و دور کہتے ہو یہ تو ایک شعور ہے، معراج کیا ہے؟ اسی شعور میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔



وارہاند جذب و شوق از تحت و فوق

انقلاب اندر شعور از جذب و شوق

شعور کا یہ انقلاب جذب اور شوق سے ہوتا ہے، جذب و شوق چھڑا دیتا ہے چاروں یعنی مکاں و زمان سے۔

مشت خاکے مانع پرواز نیست

ایں بدن با جان ما انہاز نیست

یہ بدن ہماری جان پر بوجھ کی طرح نہیں، یہ مٹی بھر خاک پرواز کے لئے رکاوٹ نہیں۔ (ج۔ ن۔ ۶۱۲)

جاوید نامہ میں علامہ اقبالؒ کا ”جہاں دوست“ مولانا رومؒ سے سوال کرتا ہے اور مولانا رومؒ اس کا جواب دیتے ہیں۔ ایک سوال یہ ہے کہ چیست عالم؟ چیست آدم؟ چیست حق؟ (یعنی یہ عالم یہ آدم اور خدا کیا ہے) مولانا جواب دیتے ہیں ۔

عالم ایں شمشیر را سنگ فسن

آدمی شمشیر و حق شمشیر زن

آدمی تلوار ہے اور اللہ اس تلوار کو چلانے والا ہے اور یہ دنیا اس تلوار کو تیز کرنے کے لیے سان ہے۔

غرب در عالم خزید از حق رمید

شرق حق را دید و عالم را نہ دید

اہل مشرق نے خدا شناسی کی اور عالم سے دور رہے، مغرب والے عالم پر ریگتے رہے اور حق سے دور رہے۔

خویش را بے پردہ دیدن زندگی است

چشم بر حق باز کردن بندگی است

اپنی آنکھ کو خدا کے لئے کھولنا بندگی ہے، اپنے آپ کو بے پردہ دیکھنا (یعنی عرفان) زندگی ہے۔

ہم خدا آں بندہ را گوید صلوت

بندہ چوں از زندگی گیرد برات

بندہ جب زندگی سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے تو خدا بھی ایسے بندے پر درود بھیجتا ہے۔ (ج۔ ن۔ ۶۲۳)

## مولانا رومؒ کا مقام اقبالؒ کی نظر میں

علامہ اقبالؒ نے کئی مقامات پر مولانا رومؒ کا ذکر فرمایا ہے اور جاوید نامہ میں رومؒ کے عنوان سے آٹھ اشعار ان کی تعریف میں لکھے ہیں۔ علامہ اقبالؒ جیسے عارف اور معروف شاعر نے جو الفاظ مولانا کے لئے استعمال کئے ہیں ان سے مولانا کے مقام کا کچھ اندازہ ہوتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس قدر بلند و ارفع مقام کے راہ نما سے آج ۹۹ فیصد سے زیادہ مسلمان بے بہرہ ہیں۔ آج کے مسلمان راگ رنگ اور کھیل تماشہ والوں کو تو خوب جانتے ہیں مگر اپنے راہبروں سے نا آشنا ہیں ۔

ثابتے با فطرت سیارہ

مردے اندر جستجو آوارہ

یہ مرد خدا ہمہ وقت جستجو میں سرگرداں ہے، یہ گویا ایک ستارہ (ثاقب) ہے جس کی فطرت سیارے کی سی ہے۔

من شہید نا تمامی ہائے او

پختہ تر کارش زخامی ہائے او

اس کی خامیوں نے ہی اس کو پختہ بنایا ہے، میں اس کی نہ ختم ہونے والی جستجو کا عاشق ہوں۔



ہر زماں از شوق می نالد چو نال  
وہ بانسری کی طرح ہر زماں شوق سے نغمہ سرا ہے، اس کو فراق اور وصال دونوں راس نہیں آتے۔

من نہ دائم چیست در آب و گلش  
من نہ دائم از مقام و منزلش  
میں نہیں جانتا کہ اُس کی سرشت میں کیا چیز ہے اور نہ ہی مجھے اس کے نام و منزل کا پتہ چلتا ہے۔ (ج۔ن۔۶۲۳)  
علامہ اقبال ”پس چہ باید کرد“ میں خطاب بہ قوم سرحد کے عنوان سے مولانا کے نکات کو پیش کرتے ہیں۔  
ز آتشِ مردانِ حق می سوزمت  
نکتہ از پیرِ روم آموزمت  
میں تمہیں مردانِ حق کی آگ سے گرماتا ہوں اور پیرِ روم کا ایک نکتہ تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔

رزق از حق بُو مجو از زید و عمر  
مستی از حق بُو مجو از بنگ و خمر  
رزق اللہ سے تلاش کرو، زید و عمر سے نہیں، مست ہونا ہے تو اللہ سے مست ہو، بھنگ اور شراب سے نہیں۔

(پس۔چہ۔۸۵۵)

حکیم سنائی کے مزار کی زیارت کے لئے سفر غزنی میں علامہؒ نے چند اشعار محمود، طوسی اور سنائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھے ہیں اور اس کے علاوہ مولانا رومؒ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ مولانا رومؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے سنائی کے کلام کی ہی خدمت کی ہے یہ اس لیے کہ سنائی کی ”حدیقۃ الحقیقت“ سب سے پہلی صوفیانہ مثنوی تھی۔  
خفتہ در خاکش حکیم غزنوی  
از نوائے او دلِ مرداں قوی  
غزنی کی خاک میں حکیم غزنوی (سنائیؒ) سو رہے ہیں، اُن کے نعمات سے مردانِ حق کے دل قوی ہوتے ہیں۔  
آں حکیم غیب، آں صاحب مقام  
حرکِ جوشِ رومیؒ از ذکرش تمام  
وہ حکیم غیبِ داں اور صاحبِ مقام تھے جس کے افکار نے رومیؒ کے نیم پختہ جذب کی تکمیل کی۔

او نقاب از چہرہ ایماں کشود  
فکرِ من تقدیرِ مومن و انمود  
سنائیؒ نے ایمان کے چہرے سے نقاب اٹھا اور میرے (اقبالؒ کے) فکر نے مومن کی تقدیر کو نمایاں کر دیا۔

ہر دو را از حکمتِ قرآن سبق  
او ز حق گوید من از مردانِ حق  
ہم دونوں نے حکمتِ قرآن سے سبق پایا تھا، انہوں نے خدا کے متعلق گفتگو کی، میں نے خدا کے بندوں کے متعلق۔

(پس۔چہ۔۸۶۲)

علامہ اقبالؒ ”پس چہ باید کرد“ کی ایک غزل میں فرماتے ہیں کہ آج مولانا رومیؒ کی تعلیمات کو عام کرنے کا وقت ہے۔ چنانچہ راقم الحروف نے اس کتاب کے لکھنے کے ساتھ یہ خدمت بھی انجام دے دی ہے۔ مولانا رومؒ پر لکھا گیا علامہ اقبالؒ کا کلام کافی طوالت کے ساتھ پایا جاتا ہے مگر اس سارے کلام کو یکجا کرنا اس کتاب کی وسعت سے زیادہ ہوگا۔ شاید علامہ اقبالؒ نے درج ذیل شعرا سے ہی لوگوں کے لئے لکھا ہو۔

عمر ہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات  
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

بہت سی عمریں کعبہ و بت خانہ میں گزر جاتی ہیں تو پھر کہیں بزمِ عشق سے کوئی دانائے راز ظاہر ہوتا ہے۔ (ز۔ع۔۳۶۵)

## رومیؒ اور وادیؒ عشق

وادیؒ عشق بے دُور و دراز است و لے  
طے شود جادہ صد سالہ بہ آہے گاہے  
وادیؒ عشق کا فاصلہ عموماً دُور اور دراز ہے لیکن کبھی کبھار سو سال کا راستہ ایک آہ میں طے ہو جاتا ہے۔ (اقبالؒ)  
زیرِ نظر باب میں عشق کے عنوان پر مولانا رومیؒ کا وہ کلام جو زیادہ مشہور ہے، یکجا کر دیا گیا ہے تاکہ شائقین کو  
مثنوی کی بھاری بھرکم کتابوں میں تلاش کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اُوپر لکھے ہوئے شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشق  
ایک ایسی قوت ہے جس کے ہوتے ہوئے بڑے بڑے کام چند لمحات میں طے ہو سکتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ لوگ  
عشق کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ایک اور شاعر کا درج ذیل شعر بھی اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

جائے کہ زاهدان بہ صد ماہ می رسند  
مستِ شرابِ عشق بہ یک آہ می رسند  
وہ جگہ جس پر زاہد لوگ سینکڑوں مہینوں میں پہنچتے ہیں، مستِ شرابِ عشق وہاں ایک آہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ (غیر مثنوی)  
مولانا رومیؒ نے مثنوی میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص جو باجماعت نماز ادا کرنے کا عادی تھا، ایک  
مرتبہ ایک نماز کے لئے مسجد میں دیر سے پہنچا، جب اس کو معلوم ہوا کہ نماز باجماعت ادا ہو چکی ہے تو جماعت نہ  
ملنے کے افسوس میں اس نے ایک سرد آہ بھری جس کا نور ساتویں آسمان تک پہنچا۔ مسجد میں موجود ایک بزرگ نے  
جب آسمان پر اس کی آہ کے نور کو ملاحظہ فرمایا تو دریافت کیا: ”یہ کس چیز کا نور ہے جو اس قدر بلندی پر گیا ہے۔“  
جب جماعت قضا ہونے کا معاملہ اسے معلوم ہوا تو اس نے اس نمازی کو بلا کر کہا کہ ”اگر تم مجھے اپنی آہ دے دو تو  
میں تمہیں اپنی نماز باجماعت کا ثواب دے دیتا ہوں۔“ ظاہر ہے کہ عشق میں بھری گئی ایک آہ کی کتنی قدر و قیمت



ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک دن ابلیس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فجر کی نماز سے پہلے جگا دیا کہ اٹھیں اور نماز پڑھ لیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ ”تم تو لوگوں کی نمازوں کو قضا کروانے میں خوش ہوتے ہو پھر تم نے مجھے کیوں جگا دیا۔“ کہنے لگا کہ ”ایک دن آپ کی نماز قضا ہوئی تو آپ نے اس قدر آہ و زاری کی تھی کہ آپ کو اس قضا نماز کا ثواب کئی ہزار گنا زیادہ ملا تھا۔ آج میں نے یہ سوچا کہ آپ اپنی نماز کا عمومی ثواب لے لیں اور آپ کو کئی گنا زیادہ ثواب نہ مل جائے۔“

ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں صاحبِ عشق کو عام عابد اور زاہد سے کئی گنا زیادہ ثواب ملتا ہے اور کئی گنا درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔ اعمال کا ثواب نیکوں پر ہی مرتب ہوتا ہے۔ ایک عاشق کی نیت تو عام انسانوں سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے، اس لئے عشق سے جو مقام حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ دو انسانوں کے اعمال پر ملنے والے اجر میں اس قدر فرق ہو سکتا ہے جتنا کہ رائی اور پہاڑ میں ہوتا ہے اور یہ فرق ان کی عقل یا سوچ کے مطابق ہوتا ہے۔ (الحديث)

### اصطلاح عشق کی ابتدا

عشق عربی لفظ ہے لیکن قرآن میں استعمال نہیں ہوا، اگرچہ بعض شعرائے جاہلیت کے کلام میں یہ لفظ آیا ہے۔ متاخرین شعرائے عرب نے بھی اس لفظ کا بہت کم استعمال کیا ہے بلکہ عشق کی وہ اہم خصوصیات جو فارسی شاعری میں نظر آتی ہیں ان کا عربی شعراء کے کلام میں وجود ہی نہیں۔ فارسی شاعری میں عشق کی اہمیت اس لئے ہے کہ سب سے پہلے عشق کی خصوصیات کو مشرقی فلسفہ نے نمایاں کیا۔ شیخ الاشراق ”حکمت الاشراق“ میں لکھتے ہیں کہ:

ہر بلند نور کو نیچے والے نور پر غلبہ اور اقتدار حاصل ہوتا ہے اور نیچے کا نور بلند نور سے محبت رکھتا ہے۔ جب بہت سے نور جمع ہو جائیں تو سب سے بلند نور نیچے کے نور پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے اور نیچے کے نور کو بلند نور سے عشق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح احادیث میں آیا ہے کہ جنت میں ہر درجے کا جنتی اپنے سے اوپر والے جنتی کو دیکھ کر خوش ہوگا، برعکس اس کے کہ یہاں اس دنیا میں نیچے والے لوگ اوپر والوں کو دیکھ کر جلتے ہیں۔ نور الانوار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کو اپنے سوا تمام موجودات پر غلبہ ہے۔ وہ اپنی ذات کے سوا کسی سے عشق نہیں کرتا کیونکہ وہ سب سے زیادہ خوب صورت اور مکمل ہے، اس لئے اس کو اپنا ہی کمال نظر آتا ہے، چنانچہ وہ عاشق بھی ہے اور معشوق بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق الہی میں جو لطف آتا ہے وہ کسی اور کے عشق میں نہیں آتا۔ تمام عالم مل کر ایک عالم بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عشق سب عالم سے سوا ہے۔

عشق کے معنی کسی چیز کو اپنے اندر جذب کرنا یا جزو ذات بنانا ہے۔ عشق کی اعلیٰ ترین صورت یہ ہے کہ اپنے سامنے ایک نصب العین رکھا جائے اور اس کے گرد اپنی ہستی کو گھماتا رہے۔ عشق کی خاصیت یہ ہے کہ وہ عاشق اور محبوب میں شانِ انفرادیت پیدا کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عشق سے خودی میں چنگلی پیدا ہوتی ہے۔ سوال



کرنے سے عشق میں ضعف اور نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ تربیتِ خودی کے تین مراحل ہیں: ایک دستورِ الہی کی اطاعت، دوسرے ضبطِ نفس اور تیسرے نیابتِ الہی، جو ضبطِ نفس کی ارتقائی منزل حاصل کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

اربابِ رسائل ”اخوان الصفا“ نے لکھا ہے کہ عشق اپنے محبوب کے ساتھ متحد ہونے کی سخت کوشش کا نام ہے، اسی لئے عاشق کو کسی حالت پر قناعت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے عشق میں ترقی کرتا رہتا ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے کہ میں اپنے محبوب سے انتہائی قرب حاصل کرنے کے بعد بھی محسوس کرتا ہوں کہ دل اس کا مشتاق رہتا ہے۔ پیار کے مختلف زاویے اختیار کرنے سے عشق بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس نے اپنے کلام میں کہا ہے کہ دل کی پیاس اس وقت بجھ سکتی ہے کہ (بجائے جسموں کے) دونوں کی روئیں آپس میں مل جائیں۔ مولانا رومیؒ نے لکھا ہے کہ اگر ایک کمرے میں دو شمعیں فروزاں کی جائیں تو ان دونوں کی روشنیاں باہم متحد ہو جاتی ہیں اور ایک روشنی کو دوسری شمع کی روشنی سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دو روحوں کا اتحاد ہو تو دونوں روحوں کو روحانی اتحاد اور قرب بھی حاصل ہو سکتا ہے اور جسموں کے قرب میں وہ روحانی قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ قرب کی تفنگی کے پائے جانے کا ذکر کرنے کے بعد صاحبِ اخوان الصفا لکھتے ہیں کہ اتحاد صرف روحانی ذریعے سے ہو سکتا ہے کیونکہ یہ روحانی امور کا ایک الگ خاصہ ہے۔ اس مثال سے ثابت ہوا کہ جسموں کے اتحاد سے ایک جسم دوسرے کو چھو تو لیتا ہے لیکن محض جسموں کے ملنے سے حقیقی اتحاد نہیں ہوتا، اتحاد تو صرف روحانی چیزوں میں ہوتا ہے۔

(شرح حکمۃ الاشراق، ص ۳۳۸ سے ۳۴۰)

اشراقی فلسفے کا یہی عشق ہے جس کو ہمارے صوفیوں نے وحدت الوجود کی شکل میں لیا ہے۔ اشراقی فلسفے کے نظریات حسب ذیل ہیں۔ ان کا پہلا نظریہ ہے کہ کائنات کی بنیاد عشق اور محبت پر قائم ہے کیونکہ دنیا میں علت (کسی سبب، وسیلہ اور ذریعہ کو کہتے ہیں یہاں علت سے مراد معشوق ہے) اور معلول کا سلسلہ قائم ہے (معلول کہتے ہیں جس پر عمل کیا جائے یعنی عاشق) اور ہر علت (معشوق) اپنے معلول (عاشق) سے محبت رکھتا ہے اور علت یعنی معشوق کو اس پر غلبہ حاصل ہوتا ہے چونکہ ایک ہی چیز دونوں حیثیتوں سے علت بھی ہوتی ہے اور معلول بھی، اس لئے ہر چیز میں قہر (یعنی جوش، جذبہ، ولولہ یا وضع داری) اور مہر (محبت، الفت، دوستی، یارانہ، ہمدردی، اخلاص بھی) پائے جاتے ہیں، البتہ بعض میں قہر اور بعض میں مہر زیادہ ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر شے کی اس کے ساتھی سے محبت لازمی طور پر ہوتی ہے اور یہی عشق ہے۔ عشق کے اس عالم گیر نظریہ کو رومیؒ نے یوں بیان کیا ہے۔

جملہ اجزائے جہاں زان حکم پیش      بخت بخت و عاشقان بخت خویش

اس ازلی حکم کی وجہ سے دنیا کے تمام اجزا جوڑے جوڑے ہیں اور اپنے جوڑے کے عاشق ہیں۔ (۴۱۸/۳)

ہست ہر جڑوے بعالم جفت خواہ      راست ہچو کہربا و برگ کاہ

دنیا کی ہر چیز جوڑے کی خواہش مند ہے، بالکل ایسے ہی جس طرح کہربا (بجلی) اور گھاس کا تنکا۔ (۴۱۸/۳)

آسماں گوید زمیں را مرحبا با توام چوں آہن و آہن ربا  
آسمان زمین کو کہتا ہے خوش آمدید! میں تیرے لئے ایسا ہی ہوں جیسے لوہا اور مقناطیس۔ (۳۱۸/۳)

میل ہر جزوے بہ جزوے ہم نہد زاتحاد ہر دو تولیدے جہد  
ہر جزو میں دوسرے جزو کا میلان رکھا ہے، دونوں کے اکٹھا ہونے سے تولید (پیدائش) ہوتی ہے۔ (۳۱۹/۳)

ہر یکے خواہاں دگر را، ہچو خویش از پے تکمیل فعل و کار خویش  
ہر ایک دوسرے کو جان کی طرح چاہتا ہے، اپنے فعل اور کام کو مکمل کرنے کے لئے۔ (۳۱۹/۳)

دور گردونہا زمونج عشق داں گر نبودے عشق بفروزے جہاں  
آسمانوں کی گردش عشق کی موج سے سمجھ، اگر عشق نہ ہوتا تو جہاں ٹھہر جاتا۔ (۳۲۷/۵)

کے جمادے محو گشتے در نبات کے فدائے روح گشتے نامیات  
جماد (پتھر وغیرہ) نبات (سبزی) میں کب فنا ہوتا ہے، نمو پانے والی روح پر کب فنا ہوتی ہیں؟ (۳۲۷/۵)

ہر یکے برجا ترنجیدے چو بخ کے بدے پڑاں و جویاں چوں ملخ  
ہر ایک اپنی جگہ پر برف کی طرح سکڑ جاتا ہے، نڈی کی طرح کب پرواز اور جستجو میں ہوتا ہے؟ (۳۲۷/۵)

### اشراقی فلسفہ اور عشق

شعراء ایران نے عشق کے اس نقطہ نظر سے کائنات کو دیکھا تو جن چیزوں میں باہم عشق و محبت کی کش زیادہ نظر آئی، انہیں باہم عاشق اور معشوق بنا دیا۔ ذرہ و آفتاب، جنکا اور بجلی، کبک و چاند، گل و بلبل، پروانہ و شمع، نیلوفر و آفتاب سب کے سب باہم عاشق اور معشوق ہیں۔ دوسرے ممالک میں ایک آدھ چیز کو عاشق مانتے ہیں لیکن فارسی شاعروں نے تمام کی تمام کائنات کی چیزوں کو عاشق و معشوق بنا دیا۔ مولانا شبلی ”شعر العجم“ میں لکھتے ہیں کہ یہ عالمگیر حسن کا اثر تھا کہ ایران میں جمع ہو گیا لیکن حقیقتاً یہ فلسفہ اشراق کا اثر تھا کہ جس نے عشق کو عالمگیر (کائناتی) نظریہ دیا۔

اشراقی فلسفے کا نظریہ ہے کہ علت معشوق ہوتی ہے اور معلول عاشق ہوتا ہے۔ علت (معشوق) میں قہر اور معلول (عاشق) میں مہر کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ زمین اور زمین کی پیداوار پر سب سے زیادہ اثر آسمان کا پڑتا ہے، اس لئے آسمان اس کی علت اور زمین معلول ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آسمان میں قہر اور زمین میں مہر (عاجزی) کا جذبہ زیادہ موجود ہے۔ ایرانی شاعر آسمان کی جفاکاری (بے مہر آسماں) اور بے مہری کی شکایت جو کرتے ہیں وہ اسی اشراقی فلسفہ کا اثر ہے جو علت کو علتِ قاہرہ قرار دیتے ہیں۔

### چھٹی صدی میں صوفی شاعروں کی بہتات

صوفیوں کا قول ہے کہ عشق اتحاد چاہتا ہے۔ عاشق جب تک اپنے محبوب سے متحد نہ ہو جائے اس کو کسی چیز



سے تسکین نہیں ہوتی۔ جسم کا اتحاد جسم سے ہو تو اس میں فرحت نہیں ہوتی بلکہ روح کا اتحاد روح سے ہو سکتا ہے اور اس میں فرحت بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمہ تن روح ہے اور اس سے اتحاد کے لئے جسم کو فنا کرنا ضروری ہے اور صوفیوں کے مجاہدات کی بنیاد اسی نظریۂ عشق پر ہے۔ حسن و جمال میں خدا سے بڑھ کر کوئی ہستی نہیں۔ اس کا فیض جب کائنات پر پڑتا ہے تو دنیا اس سے روشن ہو جاتی ہے، اسی لئے ہر شے میں جو حسن نظر آتا ہے وہ عارضی اور مستعار ہے۔ اگر دیوار پر سورج کی شعاع پڑے تو جب وہ سورج غائب ہو جاتا ہے تو سورج کا نور یعنی روشنی بھی غائب ہو جاتی ہے۔ اصل میں دیوار روشن نہیں تھی لیکن دیوار پر سورج کا پرتو پڑ گیا تھا۔ مولانا نے فرمایا ہے ۷

گر شود پُر نور روزن یا سرا تو مدال روشن مگر خورشید را

اگر روشن دان یا گھر نور سے بھر جائے تو اس کو روشن نہ سمجھ بلکہ خورشید کو روشن سمجھ۔ (۳۳۸/۱)

چھٹی صدی میں تصوف اور فلسفہ کو بہت ترقی ہوئی اور تاتاریوں کے ہنگامے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا اور دُنیا کی بے ثباتی اور بے قدری سب کو نظر آنے لگی۔ اس حال میں لوگوں نے خدا سے لُٹ لگائی شروع کر دی۔ اس کے بعد مولانا روئی، سعدی، واحدی اور عراقی وغیرہ پیدا ہوئے۔ امام غزالیؒ اور امام رازمیؒ نے فلسفہ کو مقبول عام بنا دیا، چنانچہ اس زمانے میں عقل اور عشق کا حریفانہ مقابلہ ہوا۔ فلسفہ اور علم الکلام استدلال کے ذریعے خدا کی راہ دکھاتا رہا اور تصوف عشق اور محبت سے اس راہ کو طے کرتا رہا۔ مولانا روئیؒ فلسفی بھی تھے اور اہل تصوف بھی، مگر آپ نے عشق و محبت کی راہ کو ان دونوں راہوں میں سے بہتر خیال کیا ہے۔ اس دور میں عقل کا دور دورہ ہے اور عشق بالکل

مردہ ہو چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی توجہ اُن علوم کی طرف ہوئی جہاں ان کو مادی فائدہ نظر آتا ہے ۷

بُرا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے فرنگ دل کی خرابی خرد کی معموری

(اقبالؒ) (ب۔ ج۔ ۳۳۵)

جواناں را بد آموز است ایں عصر شب ابلیس را روز است ایں عصر

جوانوں کو یہ زمانہ برائی کی طرف لے جاتا ہے، ابلیس کی رات کے لئے یہ زمانہ دن ہے۔ (اقبالؒ) (ا۔ ج۔ ۹۷۷)

بہ دامانش مثال شعلہ چشم کہ بے نور است و بے سوز است ایں عصر

اس زمانے کے دامن سے میں شعلے کی طرح لڑ رہا ہوں کیونکہ یہ زمانہ بے نور اور بے سوز ہے۔ (اقبالؒ) (ا۔ ج۔ ۹۷۷)

علامہ نے اس دور میں یہی کام کیا جو قدیم فتنے کے زمانے میں مولانا روئیؒ نے کیا تھا، چنانچہ خود فرماتے ہیں ۷

چو روئی در حرم دادم اذال من ازو آموختم اسرار جاں من

روئیؒ کی طرح میں نے حرم میں اذان دی، اس سے ہی میں نے روح کے راز معلوم کئے۔ (اقبالؒ) (ا۔ ج۔ ۹۳۸)

بہ دورِ فتنہ عصر کہن او بہ دورِ فتنہ عصر رواں من

پرانے فتنے کے زمانے میں اس نے کام کیا اور اس دور کے فتنوں پر میں نے کام کیا۔ (اقبالؒ) (ا۔ ج۔ ۹۳۸)



## علامہ نے عشق کو عقل پر کیوں ترجیح دی (آپ نے عشق کو درج ذیل وجوہات پر ترجیح دی)

۱- عشق کی بنیاد عقیدہ کی وحدت اور یک رنگی پر ہے اور وہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ اس عقیدے کی وحدت پر

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عمل کیا اور فتح یاب رہے مگر عقل والوں میں یہ یک رنگی نہیں پائی جاتی ۔

زماں زماں شکند آنچہ می تراشد عقل      بیا کہ عشق مسلمان و عقل زنا رست

ہر زمانے میں عقل کے تراشوں کو توڑا گیا، ادھر دیکھ کہ عشق مسلمان ہے اور عقل زنا رست ہے۔ (ز۔ع۔ ۳۶۸)

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے      عشق بیچارہ نہ مُلا ہے نہ زاہد نہ حکیم

۲- عشق کو اختیار کرنے والی دوسری وجہ۔ علامہ کا خیال ہے کہ ایمان و یقین انسان کو آمادہٴ عمل کرتا ہے، جو عقلی

نظریات سے پیدا ہونا مشکل ہے بلکہ انسان شک اور تذبذب میں مبتلا رہتا ہے اور عقل تو حقیقت میں راہزنی

کرتی ہے وہ مکر و فریب اور حیلہ سازی سے کام لیتی ہے ۔ (ب۔ج۔ ۳۵۲)

علاجِ ضعفِ یقین ان سے ہو نہیں سکتا      غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق

(ب۔ج۔ ۳۲۶)

فریب کشش عقل دیدنی دارد      کہ میرِ قافلہ و ذوقِ راہزنی دارد

عقل فریب کشش کو دیکھنے والی ہوتی ہے کہ وہ میرِ قافلہ بھی ہے، اس کو راہزنی کا شوق بھی ہے۔ (پ۔م۔ ۳۳۲)

نشانِ راہ ز عقلِ ہزار حیلہ میرس      بیا کہ عشق کمالِ یک فنی دارد

خدا کی راہ کا نشان ہزار حیلے والی عقل سے نہ پوچھ، آؤ کہ عشق اس منفرد فن کا کمال رکھتا ہے۔ (پ۔م۔ ۲۳۳)

عشق صید از زورِ بازو افگند      عقل مکار است و دایے می زند

عشق اپنے شکار کو زورِ بازو سے مارتا ہے، عقل مکار ہے اور جال میں پھنسا لیتی ہے۔ (ا۔ج۔ ۱۰۹)

۳- تیسری وجہ جس کی خاطر علامہ نے عشق کا انتخاب کیا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی بھی کام کے عملی میدان میں

کامیابی کے لئے جرات اور استقامت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اہل عشق میں موجود رہتی ہے۔ ایسی جرات

اور استقامت اہل عقل میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ عشق آگ میں فوراً کود پڑتا ہے، مگر عقل غور و فکر میں رہ

جاتی ہے۔

بے خطر کو پڑا آتشِ نرود میں عشق      عقل ہے محو تماشا ئے لبِ بام ابھی

عشق کے برعکس عقل خطرات سے گھبراتی ہے اور جرات اور ہمت کی کمی سے فتح مند نہیں ہوتی۔ (ب۔د۔ ۲۷۸)

میشود ہر سنگِ رہ اُو را ادیب      میشود برق و سحاب اُو را خطیب

راستے کا ہر پتھر اس کے لئے ادیب ہے، بجلی اور بادل اس کے خطیب بن جاتے ہیں۔ (ج۔ن۔ ۶۱۰)

پشمنش از ذوقی نگہ بیگانہ نیست  
 عقل کی آنکھ ذوقی نگاہ سے تو محروم نہیں، لیکن اس میں جرأتِ زندانہ نہیں ہوتی۔ (ج۔ن۔۶۱۰)

پس ز ترس راہ چوں کورے رود  
 عقل راستے کے خوف سے چونکہ کوری ہو جاتی ہے، اس لیے چیونٹی کی طرح آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ (ج۔ن۔۶۱۰)

کارش از تدریج می یابد نظام  
 کارش نہ دانم کے شود کارش تمام  
 عقل کے کام بتدریج پورے ہوتے ہیں، میں نہیں جانتا کہ اس کے کام کس طرح مکمل ہوں گے۔ (ج۔ن۔۶۱۰)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عقل کے کام برسوں میں ہوتے ہیں اور اس کے مقابلے میں عشق اپنے معاملات کو آن واحد میں پورا کر لیتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے باوجود بے سرو سامانی کے دنیا بھر کو ہلا کر رکھ دیا۔ آج کا صوفی خود کو محض محویتِ ذات میں محدود کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عشق تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

می نداند عشق سال و ماہ را  
 عشق سال اور ماہ کو نہیں جانتا اور نہ ہی جلد اور دیر کو اور نہ راستے کی نزدیکی اور دُوری کو جانتا ہے۔ (ج۔ن۔۶۱۰)

عقل در کوہے شکافے میکند  
 عقل تو پہاڑ میں شکاف کر سکتی ہے یا اس کے گرد (کسی حل کے لئے) طواف کرتی ہے۔ (ج۔ن۔۶۱۰)

کوہ پیشِ عشق چوں کاہے بود  
 عشق کے سامنے تو پہاڑ ایک تنکے کی طرح ہوتا ہے اور اس کا دل چاند کی طرح جلد چکر کاٹ لیتا ہے۔ (ج۔ن۔۶۱۰)

زور عشق از باد و خاک و آب نیست  
 عشق کا زور ہوا، خاک اور آب سے نہیں، اس کی قوت اعصاب کی مضبوطی سے نہیں۔ (ج۔ن۔۶۱۰)

عشق با نانِ جویں خیبر کشاد  
 عشق تو جو کی روٹی کھا کر دزّہ خیبر اکھاڑ دیتا ہے، عشق چاند کے جسم کو چاک کر دیتا ہے۔ (ج۔ن۔۶۱۰)

کلّہء نمرود بے ضربے شکست  
 نمرود کا سر (یعنی غرور) بغیر ضرب کے توڑ دیتا ہے اور فرعون کے لشکر کو بغیر جنگ کے شکست دیتا ہے۔ (ج۔ن۔۶۱۰)

عشق سلطان است و برہانِ مہین  
 عشق بادشاہ ہے اور حق کی کھلی دلیل ہے، دونوں جہاں عشق کے تابع ہیں۔ (ج۔ن۔۶۱۰)

عقل ایک تحقیقی قوت ہے جب کہ عشق ایک تخلیقی قوت ہے  
 ایک مسلمان عقل کے ذریعے تحقیقی معلومات اور حجابات کو اٹھا دیتا ہے مگر عشق میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ اس



میں تخلیق کارنامے نظر آ سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے غار میں غلوت نشیں ہو کر خود اپنی ذات یعنی خودی کی تخلیق قوتوں کا مشاہدہ کیا اور مسلمانوں کی ایک نئی قوم پیدا کر دی۔ علامہ اقبالؒ نے آپ ﷺ کے اس کمال کی بہت شرح کی ہے اور خودی سے تخلیقی مقاصد حاصل ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ تخلیقی مقاصد کی تشریح کافی طوالت طلب ہے۔ اس موضوع پر ہماری تصنیف ”رابطہ شیخ“ میں صفحہ نمبر ۱۹۶ پر ”تخلیق رابطے میں ایک لازمی جزو ہے“ کا مطالعہ کریں۔ اس کے علاوہ ہماری تصنیف ”نشان منزل“ صفحہ نمبر ۱۱۱ پر ”انسانی روح اگر چاہے تو ہر شے سامنے آ جاتی ہے“ میں تخلیق کا مخفی راز بیان کیا گیا ہے اور آپ اس کو بہت دلچسپ انداز میں پائیں گے۔ علامہ اقبالؒ کا فلسفہ عشق پر کلام تنگی قرطاس کے باعث اس جگہ دینا ممکن نہیں اس لئے مذکورہ تصانیف کے علاوہ ہماری تصنیف ”عقل و عشق اور فلسفہ خودی“ جو ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہونے والی ہے، کا مطالعہ فرمائیں۔

اگر عشق نہ بودے بخدا کس نہ رسیدے

(اگر عشق نہ ہوتا تو خدا تک کوئی نہ پہنچتا)

حضرت بوعلی قلندر کا انوکھا زاویہ فکر ہے کہ اگر عشق نہ ہوتا تو کوئی بھی شخص خدا تک نہ پہنچ سکتا۔ مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ عقل کی نظر اسباب پر ہوتی ہے اور عشق اسباب سے آزاد ہے اور تلامس سمندر میں کود پڑتا ہے۔ عشق کی اگر کوئی پونجی ہے تو حوصلہ اور ہمت ہے اور اس کی نظر اسباب کی بجائے مسبب الاسباب پر ہوتی ہے۔ صوفی بھی چونکہ عاشق ہوتا ہے، اس لئے اس کی نگاہ سے اسباب مرتفع ہو جاتے ہیں اور جسے مسبب الاسباب کی طرف سے مدد مل جائے تو اس کی راہ سے تمام مشکلات اٹھ جاتی ہیں۔ درج ذیل اشعار میں عقل کی نارسائی اور عشق کی وسیع سلطنت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان اشعار میں مولانا روئیؒ کے علاوہ مولانا عطارؒ، بوعلی قلندرؒ اور علامہ اقبالؒ کے نظریات بھی پیش کئے جا رہے ہیں۔ حضرت بوعلی قلندرؒ کا یہ قول کتنا حسین ہے کہ اگر عشق نہ ہوتا تو کوئی شخص خدا تک نہ پہنچ سکتا بلکہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ عشق نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کائنات کو تخلیق ہی نہ کرتا۔

شیخ فرید الدین عطارؒ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں :-

عقل در اسباب می دارد نظر

عشق می گوید مسبب را نگر

عقل کی نظر اسباب پر ہوتی ہے مگر عشق کہتا ہے کہ مسبب الاسباب یعنی اللہ کو دیکھ! (عطار)

عقل گوید دنیا و عقبی بجز

عشق می گوید بجز مولیٰ بجز

عقل کہتی ہے کہ دنیا اور آخرت کو طلب کرو، عشق کہتا ہے مولیٰ کے سوا کچھ تلاش نہ کرو۔ (عطار)

عقل گوید شادی و مہر طلب

عشق گوید درد و سوز و غم طلب

عقل کہتی ہے کہ خوشی اور مہر طلب کرو، عشق کہتا ہے کہ درد و سوز اور غم کو طلب کرو۔ (عطار)



عقل می گوید کہ خود را پیش کن      عشق گوید امتحان خویش کن  
 عقل کہتی ہے کہ اپنے آپ کو آگے کرو، عشق کہتا ہے کہ اپنا امتحان کرو۔  
 (۱-د-۱۰۹)  
 عقل گوید شاد شو آباد شو      عشق گوید بندہ شو آزاد شو  
 عقل کہتی ہے کہ خوش رہو اور آباد رہو، عشق کہتا ہے کہ بندہ خدا بنو اور آزاد رہو۔  
 (۱-د-۱۰۹)  
 حضرت بوعلی قلندرؒ تو یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر عشق نہ ہوتا تو کوئی شخص خدا تک نہ پہنچ سکتا۔  
 اگر عشق نہ بودے بخدا کس نہ رسیدے      حسن ازلی پردہ زرخ بر نہ کشیدے  
 اگر عشق نہ ہوتا تو کوئی خدا تک نہ پہنچ سکتا، حسن ازلی اپنے چہرے سے پردہ نہ ہٹاتا۔  
 (بوعلی)  
 عشق کو بے بال و پر طیراں کند      عشق کو در لامکاں جولان کند  
 عشق وہ ہے جو بغیر بال و پر کے اڑتا ہے، عشق وہ ہے جو لامکاں میں جولانی کرتا ہے۔  
 (بوعلی)  
 عشق کو تا چشم دل بینا کند      عشق کو تا سینہ پڑ سودا کند  
 عشق ہی دل کی آنکھ کو بینا کرتا ہے، عشق ہی دل کو سودا یعنی جنوں سے بھر دیتا ہے۔  
 (بوعلی)  
 علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں :-

ہے ابد کے نسخہ دیرینہ کی تمہید عشق      عقلِ انسانی ہے فانی، زندہ جاوید عشق  
 (ب-د-۱۵۶)

عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے      عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے  
 (ب-د-۱۵۶)

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ      عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام  
 (ب-ج-۳۸۶)

### مولانا رومیؒ نے مجنوں کے عشق کی مثال پیش کی

عشق کے بارے میں صوفیاء نے بہت کلام کیا ہے۔ یہ عشق شرابِ حیات ہے۔ یہ کیفیت وجد کی اُس حالت تک لے جاتی ہے جو عاشق کو خدا کے قریب کرتی ہے۔ سچا عشق تمام خود غرضانہ مقاصد سے مبرا ہوتا ہے۔ ایک صاحبِ عشق جب آتا ہے تو اپنے محبوب کی طرف سے آتا ہے اور اگر اسے پوچھو کہ اب کدھر جاؤ گے تو وہ یہ کہتا ہے اپنے محبوب کی طرف ہی جا رہا ہوں۔ اس کا اوڑھنا، بچھونا اور لباسِ محبوب ہی ہے، اُسے ہمیشہ اپنے محبوب کی تلاش رہتی ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے نام کی رٹ لگاتا چلا جاتا ہے۔ مولانا رومیؒ نے لکھا ہے کہ مجنوں کو ایک صحرا نورد نے دیکھا کہ وہ صحرا میں تنہا بیٹھا ہے اور ریت کو کاغذ بنا کر کچھ لکھ رہا ہے۔ اندازِ تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی کو خط لکھ رہا ہے۔ جب وہ شخص مجنوں کے قریب آیا اور اس

سے صحرا میں بیٹھ کر زمیں پر لکھنے کے متعلق دریافت کیا تو مجنوں نے کہا کہ ”میں کسی کو خط نہیں لکھ رہا بلکہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور اس طرح بار بار لیلیٰ کا نام لکھنے سے میرے دل کو تسلی ہوتی ہے۔“ مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے یعنی ”أَلَا بَدِّكُرُ اللَّهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ“ (الرعد: ۲۸) اسی طرح مجنوں اپنے دل کی پیاس لیلیٰ کے نام کو بار بار لکھنے سے بجھا رہا تھا۔ (درج ذیل اشعار ”ہفت مسئلہ“ میں دیئے گئے ہیں)۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد  
در بیابان غمش بہ نشتہ فرد  
کسی صحرا نورد نے مجنوں کو دیکھا کہ وہ بیابان غم میں الگ تھلگ بیٹھا ہوا تھا۔  
ریگ کاغذ بود و انگشتان قلم  
می نمودے بہر کس نامہ رقم  
ریت کو کاغذ بنائے ہوئے اور انگلیوں کو قلم بنائے ہوئے تھا، لگ رہا تھا کہ وہ کسی کو خط لکھ رہا ہے۔  
گفت اے مجنوں شیدا چیست این  
می نویسی نامہ بہر کیست این  
پوچھا کہ اے عاشق مجنوں یہ کیا ہے، تو یہ خط کس کو لکھ رہا ہے؟  
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم  
خاطر دل را تسلی می دہم  
مجنوں نے کہا کہ میں لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور اس طرح اپنے دل کی خواہش کو تسلی دے رہا ہوں۔

### عشق پر صوفیہ کے نظریات (عشق کے چھ درجات)

عشق وہ حرکی قوت ہے جس کے بغیر عاشق ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ پروانے کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا سوزِ دروں عشق ہی کی ایک صورت ہے۔ عشق سیدھی سڑک پر نہیں چل سکتا بلکہ مرکزِ آرزو کے گرد طواف کرتا ہے۔ (پروانہ بھی شمع کے گرد طواف ہی تو کرتا ہے) تصوف میں عشق کے مدارج کو درج ذیل چھ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

- |           |                 |                                       |
|-----------|-----------------|---------------------------------------|
| ۱- حُسن   | ۲- طواف         | ۳- ارتکاز (ایک مرکز کی طرف مرکز ہونا) |
| ۴- قربانی | ۵- جست (چھلانگ) | ۶- وصال (جالنا)                       |

### عشق کا پہلا درجہ ”حُسن“ ہے

سمندر میں طوفان اُٹھتا ہے تو اس کے ارد گرد ہواؤں اور بادلوں کے دائرے ہوتے ہیں۔ طوفان میں ہوا تیز ہوتی ہے مگر طوفان کا مرکز جسے طوفان کی آنکھ کہا جاتا ہے، اس جگہ ہوا تیز نہیں ہوتی بلکہ سکون اور خاموشی ہوتی ہے، اسی طرح حُسنِ ازل کا جلوہ دکھائی نہیں دیتا (یہ جلوہ کس نوعیت کا ہوتا ہے اس کی تفصیل مکتوباتِ ربانی میں درج کی گئی ہے) جب تک یہ خواہشات کے پردے اُٹھ نہ جائیں تو اس وقت تک حُسن کا آفتاب نظر نہیں آتا۔



خواہشات، زُہد و تقویٰ سے ختم کی جاتی ہیں۔ دوسرا طریقہ عشق کی مدد سے اختیار کیا جاتا ہے جو زیادہ تیز ہوتا ہے۔ مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ نے لکھا ہے کہ وہ امانت جو اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں پر نازل کرنا چاہی تھی اور جسے اُٹھانے سے سب نے انکار کر دیا ”إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ“ یعنی ہم نے اس امانت کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا (الاحزاب: ۷۲) سے مراد نماز و روزہ یا عبادات کی امانت نہ تھی بلکہ عقل اور عشق کی امانت تھی۔ عقل بذریعہ استدلال اللہ تعالیٰ کی بُرہان کو تلاش کرتی ہے اور عشق تو ایک آگ ہے جو اللہ کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے اور حسن ازل کو (مختلف شکلوں میں) بندوں کے سامنے کر دیتی ہے۔

حسن سے صرف وہی شخص محبت کر سکتا ہے جو اسے دیکھنے پر قادر ہو کیونکہ حُسن کا نظارہ کرنا بھی خود ایک مسرت ہے۔ جب حسن کا جلوہ منکشف ہوتا ہے تو انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ اس سے عشق کرے۔ یہ محبت اس لئے بھی ہوتی ہے کہ انسان کی روح کا روح کل (یعنی اللہ) میں خاص ربط ہوتا ہے۔ ایسی محبت جب تو انا اور مضبوط ہو جائے تو عشق کہلاتی ہے۔ حسن ازل مظاہرِ حیات (یعنی ہر شے) میں جلوہ گر ہے۔ اس نورِ محکم پر علامہ اقبالؒ کا کلام بہت طویل ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ے

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی  
پروانے کو تپش دی، جگنو کو روشنی دی (ب۔د۔۸۴)  
محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایاںِ حسن  
آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ عشق (ب۔د۔۹۳)

مولانا رومؒ نے عشق کے جس تصور کو اپنے افکار، اپنے جذبات، اپنے عقیدے اور اپنے عمل کا محور بنایا ہے، وہ انسانیت کا ہمہ گیر اور دل پذیر تصور ہے۔ روئی کی اصطلاح میں عشق کسی محبوب یا پری کی محبت کی مثل نہیں بلکہ وہ ایک لافانی جذبہ ہے جو کائنات کے حسن کو اپنی گرفت میں لیتا ہے اور اس خیرِ مطلق سے فروغ حاصل کرتا ہے۔

### عشق کا دوسرا درجہ ”طواف“ ہے

عشق کا دوسرا درجہ طواف ہے، جہاں عاشق محبوب کے گرد ایک پروانے کی طرح طواف کرنے لگتا ہے۔ اس میں اگرچہ پروانہ شمع کے ساتھ مس نہیں کرتا لیکن اس طواف میں خود فراموشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ے

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات  
ٹپتا ہے ہر ذرۂ کائنات  
تھہرتا نہیں کاروانِ وجود  
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود  
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی  
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی  
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند  
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند



سفر ہے حقیقت، حضر ہے مجاز  
تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے

سفر زندگی کے لئے برگ و ساز  
الٰجہ کر سلجھنے میں لذت اسے

(ب۔ج۔۴۱۸)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ عشق ایک دائرے میں گھومتا ہے اور محبوب کے گرد پروانہ وار طواف کرتا ہے۔ چنانچہ اقبالؒ کے ہاں ایک طرف تو پوری کائنات مرکزِ عظمیٰ کے گرد بے پناہ رفتار سے طواف کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور دوسری طرف مردِ مومن کائنات کی اس رفتار سے ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے کہ وہ تو پوری کائنات کی جہدِ مسلسل کا اعلامیہ بن گیا ہے، جیسے علامہؒ فرماتے ہیں ”ایام کا راکب نہیں مرکب ہے قلندر“۔

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیرو بم  
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوئے دم بدم

(ب۔ج۔۳۲)

بندہ از تاثیرِ او مولا صفات

فقر مومن چیست؟ تسخیرِ جہات

(پس۔چہ۔۸۱۸)

## عشق کا تیسرا درجہ ”ارتکاز“ ہے

مذکورہ بالا طواف میں پروانے کی رفتار پہلے کم ہوتی ہے پھر رفتہ رفتہ تیز تر ہوتی چلی جاتی ہے اور یہاں عاشق بھی مقصود کو مرکز بنا کر اس کے گرد گھومتا ہے۔ طواف کا یہ کام ہے کہ وہ ارتکاز (مرکز کی طرف رجوع کرے) کے لئے ذہن ہموار کرتا ہے اور ارتکازِ ذہن اور جسم کی رفتار کے فرق کو مٹا کر اسے ہم آہنگ کر دیتا ہے اور اس عبارت کے مفہوم کو سمجھتا اور اس کی افادیت حاصل کرتا ہے۔ شیخ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ عاشق کو اپنی ہستی سے گزرنا پڑتا ہے۔ عشق سوائے محبوب کے ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔

عشق از ہستی خود وارستن است  
در مقامِ سردی پیوستن است

عشق اپنی ہستی سے گذر جانا ہے اور مقامِ سردی سے پیوست ہونا ہے۔

در دل عاشق چوں عشق آتش فروخت  
ہر چہ جز معشوق بود آں را بسوخت

عشق جب عاشق کے دل میں آگ لگا دیتا ہے تو معشوق کے علاوہ ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔

## عشق کا چوتھا درجہ ”قربانی“ ہے

قربانی کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی عزیز ترین چیز کو قربان کر دینا۔ اس قربانی سے انسان اپنے اندرونی دکھوں سے نجات پا لیتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی ”لَنْ تَسْأَلُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ“ یعنی تم بھلائی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ چیز خرچ نہ کرو، جس کو تم سب سے زیادہ عزیز جانتے ہو (آل عمران: ۹۲) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قربانیوں کا نقشہ قابلِ دید تھا، جس کو جو چیز سب سے زیادہ

پیاری تھی، اس نے وہ اللہ کی راہ میں دے دی (مثالیں لاتعداد ہیں، جن کا اس جگہ ذکر ممکن نہیں ہے)۔

### عشق کا پانچواں درجہ ”جست“ ہے

اس میں فرد خارج سے یکا یک منقطع ہو کر خود فراموشی کی حالت میں چلا جاتا ہے۔ جب عشق خود فراموشی کی حالت میں آ کر لمحہ بھر کے لئے رکتا ہے تو وہ دراصل اپنی تمام تر قوتوں کو جمع کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ایک جست لگا کر حسنِ ازل سے وابستہ ہونے کی کوشش کرتا ہے، جیسا کہ علامہؒ نے فرمایا ۛ

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام

اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں (ب۔ج۔۳۱۰)

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماشا ئے لبِ بام ابھی (ب۔د۔۲۷۸)

اس جست کا ایک یہ بھی منظر نظر آتا ہے کہ عاشق ایک جہاں کے زمان و مکاں سے نکل کر دوسرے جہاں میں چلا جاتا ہے، جہاں کے معاملات اس جہاں سے بہت مختلف ہیں۔ معراج النبی ﷺ اس کی ایک مثال ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں ۛ

درگذشتم از حدِ این کائنات پا نہادم در جہانِ بے جہات

میں اس کائنات کی حد سے گذر گیا اور ایسے جہان میں قدم رکھا جہاں اطراف کا تصور نہیں۔

بے یمن و بے یار است این جہاں فارغ از لیل و نہار است این جہاں

اس جہاں میں ذایاں اور بایاں نہیں، اس جہاں میں رات اور دن نہیں۔

پیش او قنیلِ ادراکم فرد حرفِ من از ہیبتِ معنی بمرود

وہ جہاں دیکھ کر میری سمجھ کا چراغ گل ہو گیا، معنی کی ہیبت سے یارائے الفاظ نہ رہا۔

ہر زماں او را کمالِ دیگرے ہر زماں او را جمالِ دیگرے

ہر وقت اس کا کمال ایک اور ہی طرح کا ہے، ہر وقت اس کا جمال بھی اور ہی طرح کا ہے۔

نشانِ راہ ز عقلِ ہزار حیلہ مُہرس بیا کہ عشقِ کمالِ یک فنی دارد

خدا کی راہ ہزار حیلہ کرنے والی عقل سے نہ پوچھ، آ کہ عشق اس منفرد فن میں کمال رکھتا ہے۔

### عشق کا چھٹا درجہ ”وصل“ ہے

ابتدائی دور میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وصال ترکِ خود کے بغیر ممکن نہیں۔ آئینہٴ دل کو صاف کرنا بھی ضروریاتِ وصال میں سمجھا جاتا تھا، اس کے علاوہ رذائل کی تطہیر اور مراقبے کروائے جاتے تھے۔ ذکر و فکر کے بعد



تعلیل احساس کی منزل آتی ہے۔ اس میں وجد و حیرت، قبض اور بطن کے معاملات بھی دیکھنا ہوتے ہیں۔ دسویں صدی کے بعد سریانی تصورات کے دور میں عشق کو بہت اہمیت دی جانے لگی مگر اب صوفیوں کے طریقے نے عشق کو ذریعہ وصال بنا دیا ہے۔ پہلے زمانے میں یہ کہا جاتا تھا کہ خودی کو راہ سے ہٹا دیا جائے تو وصال حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ خودی علامہ اقبالؒ والی خودی سے مختلف تھی، جس کے معنی خود، وجود، انا یا شخصیت کے ہیں۔ چنانچہ حافظؒ نے فرمایا ہے کہ ے

میان عاشق و معشوق پہچ حاصل نیست  
تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

عاشق اور معشوق میں کوئی چیز حائل نہیں ہے، حافظؒ تو اپنا حجاب خودی خود ہی درمیان سے ہٹا دے۔

علامہ اقبالؒ نے خودی اور بے خودی میں فرق واضح کیا ہے، جس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ہماری تصانیف بالخصوص ”رابطہ شیخ“ کا مطالعہ فرمائیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ے

تو خودی از بے خودی شناختی  
خویش را اندر گماں انداختی

تو نے خودی کو بے خودی سے الگ نہیں پہچانا، خود کو خیالات و گمان میں ڈال دیا ہے۔ (ا۔و۔ر۔ ۸۷)

جوہرِ نوریت اندر خاکِ تو  
یک شعاعِ جلوہٴ ادراکِ تو

تری خاک میں خودی کے نور کا جوہر ہے، تیرے فہم و ادراک کی روشنی خودی کی ایک شعاع ہے۔ (ا۔و۔ر۔ ۸۷)

علامہ اقبالؒ کے تصورِ خودی کے سلسلے میں عقل اور عشق دونوں حصہ لے سکتے ہیں۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ عقل جب عشق سے متاثر یا غم خوردہ ہو جائے تو یہ عقلِ سلیم کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اور عشق کی ہم راز بن جاتی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں ے

خودی ہو عقل سے محکم تو غیرتِ جبریلؑ  
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیلؑ

(ب۔ج۔ ۳۵۵)

مذکورہ بالا شعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر خودی علم کے اثرات کی حامل ہو جائے تو اس میں ہمہ دانی، ہمہ بینی اور قدرے پست سطح پر نخوت اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی خودی کو وہ غیرتِ جبریلؑ کہتے ہیں کیونکہ جبریل علیہ السلام صرف وہی کلام لے کر آئے جس کی انہیں اللہ نے اجازت دی مگر اس علم کو جس میں خودی عقل سے محکم ہو تو اس کو دیکھ کر وہ رشک کرتے ہیں۔ اگر خودی عشق سے محکم ہو جائے تو وہ زیادہ مکمل اور تخلیقی اعتبار سے زیادہ فعال ہو جاتی ہے اور عشق کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتی ہے۔ اس خودی کو وہ صورِ اسرافیلؑ کہتے ہیں یعنی عشق سے حاصل ہونے والی خودی عشق سے مالا مال ہوتی ہے، نیز صورِ اسرافیلؑ بن کر لوگوں کو زندگی عطا کرتی ہے اور ایک نئے جہاں کو وجود میں لانے کا اہتمام کرتی ہے۔ یہ بات تخلیقی عمل میں شامل ہوتی ہے اور مردوں کی طرح بے عمل مسلمانوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ خود اقبالؒ عشق سے حاصل ہونے والی خودی کے قائل تھے ے



جوہرِ زندگی ہے عشق، جوہرِ عشق ہے خودی  
 زندگی کا جوہرِ عشق ہے اور عشق کا جوہرِ خودی ہے، افسوس کہ یہ تیز دھار تلوار ابھی تک نیام کے پردے میں ہے یعنی  
 لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ (ب-ج-۴۰۱)

### تصوف میں عشق کا سفر پروانے کی مانند ہے

جو کچھ اوپر بیان ہوا اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ تصوف میں عشق کا سفر پروانے کے سفر کی طرح ہے جو شمع کی روشنی کی ایک جھلک پانے پر شروع ہوتا ہے اور اُس لمحے انجام کو پہنچتا ہے جب وہ پروانہ خود کو شمع کی آگ میں جلا کر اپنے آپ کو روشنی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ عشق کے چھ مدارج ہیں اور درمیانی مدارج میں سے ایک طواف ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ پروانے کا سفر دائرے میں طے ہوتا ہے اور جیسے جیسے طواف کی رفتار تیز ہوتی ہے عاشق اپنے وجود کے فاضل بوجھ سے دست کش ہو جاتا ہے۔ عشق میں اس مرحلے کو قربانی کا مرحلہ کہتے ہیں، پھر جب طواف کی رفتار زندگی کی عام رفتار سے تیز ہو جاتی ہے تو عاشق ایک دھماکے کے ساتھ طواف کی لکیر کو توڑ کر شمع کی طرف لپکتا ہے۔ یہ مرحلہ عشق میں ”جست“ لگانا کہلاتا ہے۔ اس کے بعد وہ خود کو روشنی میں مدغم کر کے قطرے کی طرح سمندر میں مل جاتا ہے اور یوں ابدیت حاصل کر لیتا ہے۔ اس حالت کو نروان یا بے خودی کا نام دیا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ مذکورہ بالا روشنی میں اس طرح مدغم ہونے کو تسلیم نہیں کرتے، جس طرح قطرہ دریا میں مل جائے اور اپنی پہچان کھو دے۔ اقبالؒ پروانے ہی کی طرح شمع کو دیکھ لینے سے اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں، پروانے کی طرح ہی شمع کا طواف کرتے ہیں پھر اپنے فاضل بوجھ سے دستبردار ہو کر پروانے کی طرح دائرے کی ازلی و ابدی لکیر کو توڑتے ہیں۔ اس کے بعد وہ شمع کے شعلے میں بھسم نہیں ہوتے بلکہ اس کے رُوبرُو کھڑے ہو کر اس سے اکتساب نور کرتے ہیں (معراج کا واقعہ یاد کریں) اور اس نور کو صورت پذیر کر کے ایک تخلیقی عمل کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ گویا اقبالؒ عاشق کی بے خودی کے عالم کو مس تو کرتے ہیں مگر اس میں جذب نہیں ہوتے، چنانچہ رُوبرُو کھڑے ہونے کے عالم میں وہ نہ صرف اپنے وجود کو برقرار رکھتے ہیں بلکہ ہوش و حواس بھی قائم رکھتے ہیں۔ وہ شعور و لاشعور (سگم) پر کھڑے ہو کر ایک فن کار کی طرح نورِ ازل کی روشنی سے آب و گل کی دنیا کو ایک نئے سانچے میں ڈھالتے ہیں اور ایک نئی صورت میں دوبارہ خلق کرتے ہیں، چونکہ اس حالت میں عاشق کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے، اس لئے اقبالؒ نے اسے مردِ قلندر اور بندہٴ مومن کا نام نہیں دیا جس کی تحویل میں لاشعور بھی ہے اور شعور بھی، عشق بھی ہے اور عقل بھی۔ اقبالؒ کے نزدیک جب تک فرد دائرے کی لکیر کو توڑ کر تخلیقی سطح کو چھونے میں کامیاب نہیں ہوتا اس کی حیثیت کنویں کے بیل سے مختلف نہیں۔ ایک جگہ علامہ اقبالؒ کی یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ اقبالؒ سمندر میں اپنے وجود کو فنا کرنے کے قائل نہ تھے بلکہ وہ اپنے قطرہ ہونے کی شناخت کو زائل نہیں کرنا چاہتے تھے اور قطرے کی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے اندر سمندر کے خواص پیدا کرنے کے قائل تھے۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے

اپنی کتاب ”تصویراتِ عشق و خودی“ میں عشق کے متعلق بے شمار لوگوں کے نظریات بیان کئے ہیں، جن میں سے انہوں نے ابن عربی، الغزالی، صلاح الدین احمد، ایم ایم شریف کے علاوہ سوامی رام تیرتھ، ایچ تھاولیس، ہائیڈرگ، ولیم ہملٹن، شکر اور کرگے کار کے نظریات کا ذکر کیا ہے جو اس کتاب کی ضروریات سے بہت زیادہ ہیں، لہذا جو لوگ اس قدر تفصیل کے خواہاں ہوں تو وہ وزیر آغا کی مذکورہ کتاب کا مطالعہ کریں۔

### عشق پر علامہ اقبالؒ کا بے پایاں کلام

عشق کے موضوع پر علامہ اقبالؒ کے نظریات اس قدر وسیع ہیں کہ ان کا احاطہ اس جگہ ممکن نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے تو عشق کو ہی اپنا امام بنا لیا ہے اور جس طرف عشق راہ نمائی کرتا ہے آپ اسی سمت کو رواں ہوتے ہیں۔ اگر علامہ اقبالؒ کے کلام پر نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عشق کے موضوع پر بہت طویل کلام پیش کیا ہے۔ ان شاء اللہ ہماری تصنیف ”عقل اور عشق“ میں اس موضوع کو سمونے کی کوشش کی جائے گی۔

من بندہ آزادم ، عشق است امام من ، عشق است امام من ، عقل است غلام من

میں بندہ آزاد ہوں، عشق میرا امام ہے، عشق میرا امام ہے اور عقل میری غلام ہے۔ (ز۔ع۔ ۵۳۱)

عشق کے موضوع پر علامہ اقبالؒ کا کلام اس قدر طویل ہے کہ اس پر سیر حاصل تبصرہ ممکن نہیں، آپ کے اشعار کے چند مصرعے نیچے دیئے جا رہے ہیں، جس سے آپ کی عشق شناسی کا علم ہوتا ہے۔

عشق را کاشانه قلب لا ینام	(عشق کا گھر، نہ سونے والا قلب ہے) (ج۔ن۔ ۵۹۸)
عشق را ما دلبری آموخیم	(عشق کو ہم نے دلبری کا انداز سکھایا) (پ۔ج۔ ۸۴۱)
عشق را ناممکن ما ممکن است	(عشق سے ہمارا ناممکن ممکن ہو جاتا ہے) (ا۔ر۔ ۱۰۹)
عشق سلطان است و برہان میں	(عشق بادشاہ ہے اور کھلی دلیل) (ج۔ن۔ ۶۱۰)
عشق شبنونے زدن بر لامکاں	(عشق لامکاں پر ڈاکہ ڈالتا ہے) (ج۔ن۔ ۶۱۰)
عشق عریاں از لباس چون و چند	(عشق مثل و مثال کے لباس سے عریاں ہے) (ا۔ب۔ ۱۰۹)
عشق غرق اندر جمال کائنات	(عشق کائنات کے جمال میں غرق ہے) (ج۔ن۔ ۷۰۸)
عشق گوید آنچه می آید نگر	(عشق وہی کہتا ہے جو اس کو نظر آتا ہے) (ج۔ن۔ ۷۰۸)
عشق ما از شکوہ ہا بیگانہ ایست	(ہمارے عشق کو شکوہ شکایت سے کوئی کام نہیں) (ج۔ن۔ ۷۰۸)
عشق مرداں سر خود را گفته است	(عشق نے مردانِ خدا کو اپنے اسرار کہہ دیے ہیں) (ز۔ع۔ ۵۸۶)
عشق من از زندگی دارد سراغ	(میرا عشق زندگی کا سراغ رساں ہے) (پ۔ج۔ ۸۷۴)
عشق می گوید کہ فرمانم پذیر	(عشق کہتا ہے کہ میرا حکم مانو!) (ا۔ر۔ ۱۵۹)

اس کے علاوہ سینکڑوں اشعار اور بھی ہیں۔



## عاشقوں کا مذہب ہی عشق ہے

زیر نظر کتاب میں چند صفحات کے بعد مولانا روٹی کا بیان کردہ ایک گڈریے کا قصہ لکھا گیا ہے کہ وفور شوق سے وہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ ”الہی! اگر تو میرے سامنے آئے تو میں تیری ٹانگیں دباؤں، تیرے پیروں کی میل اُتاروں اور تیری جوئیں نکالوں۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ بات سنی تو اس گڈریے پر سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ ”تُو اللہ تعالیٰ سے سخت بے ادبی کا مرتکب ہوا ہے۔“ یہ باتیں سن کر گڈریا رونے لگا اور اسی وقت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ ”اے موسیٰ! ہم نے تجھے اس لئے بھیجا ہے کہ تم لوگوں کو مجھ سے ملاؤ مگر تم نے ایک بندے کو جو مجھ سے ملا ہوا تھا، الگ کر دیا ہے۔ جاؤ اب اس کو جا کر پھر سے راضی کرو۔“ (مولانا کا کلام اس کتاب میں ”عاشقوں کا دین اور مذہب ہی خدا ہے“ کے عنوان کے تحت چند صفحات کے بعد مطالعہ کریں)۔

حضرت امیر خسروؒ کو اپنے شیخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے اس قدر محبت تھی کہ حضرت نے یہ فرمایا کہ ”اگر اسلام اجازت دیتا تو میں یہ وصیت کرتا کہ امیر خسروؒ کو میری قبر میں دفن کر دینا۔“ ادھر حضرت امیر خسروؒ کا یہ حال تھا کہ وہ ایسی باتیں کہہ جاتے کہ جس سے لوگوں کو ان کے دین پر بھی شبہ ہو جاتا اور وہ یہ کہنے سے دریغ نہ کرتے کہ امیر خسروؒ تو اپنے پیر کی پوجا کرتا ہے اور بت پرستی کے مرض میں مبتلا ہے۔ آپ نے جواب میں جو ربائی لکھی ہے اس میں کہا ہے کہ ”ہاں ہاں! میں بت پرستی کرتا ہوں مگر لوگوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔“

ایک بزرگ کا قول ہے ”اِنَّ اللّٰهَ لَا يُؤْخِذُ الْعَشَاقَ بِمَا يَصُدُّرُ مِنْهُمْ“ یعنی اللہ تعالیٰ عاشق کے منہ سے نکل ہوئی بات کا مواخذہ نہیں کرتا۔ امیر خسروؒ نے فرمایا ہے ۷

کافر عشقم مسلمان مرا درکار نیست      ہر رگ من تار گشت حاجت زنا ر نیست  
میں تو عشق کا کافر ہوں مجھے مسلمان کی ضرورت نہیں، میرے من کی ہر رگ تار بن گئی ہے مجھے زنا کی حاجت نہیں۔  
(امیر خسروؒ)

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی میکند      آ رہے آ رہے میکنم با خلق و عالم کار نیست  
لوگ کہتے ہیں کہ خسرو بت پرستی کرتا ہے، ہاں ہاں! میں کرتا ہوں، مجھے مخلوق اور پورے عالم سے کوئی تعلق نہیں۔  
(امیر خسروؒ)

مذکورہ بالا کلام کا یہ مطلب ہے کہ جب عشق شیخ سے ہو تو عشق خدا سے جدا نہیں، لہذا شیخ سے محبت خدا سے محبت کے مترادف ہوئی۔ مولانا روٹی نے فرمایا ہے کہ شمس الدین پہلے عاشق تھے پھر معشوق ہو گئے۔ عشق حقیقی میں کسی قدر عشق مجازی سے مناسبت رکھتے ہیں اور عشق مجازی میں اکثر معشوق کو بت، صنم اور کافر بھی کہتے ہیں، مولاناؒ نے فرمایا ۷



مسلماناں مسلماناں نگہ دارید دینِ خود کہ شمس الدین تبریزیؒ مسلماناں بود کافر شد  
مسلمانوں! مسلمان کو اپنے دین پر نگاہ رکھنی چاہئے کیونکہ شمس الدین تبریزیؒ مسلمان تھا اور اب کافر ہو گیا ہے۔  
مولانا رومؒ فرماتے ہیں عشق کرنے والا کسی نعمت یا جنت سے عشق نہیں کرتا بلکہ اس کے خالق اور مالک سے  
محبت کرتا ہے۔ حضرت شاہ نیاز احمد بریلویؒ نے اس کی تشریح درج ذیل شعر میں فرمائی ہے۔

زُہد و تقویٰ برگلندم زیرِ پائے آں صنم مذہب عشقت و رندی، مشربم جوش و خروش  
زُہد و تقویٰ کو میں نے اپنے محبوب کے پاؤں کے نیچے پھینک دیا ہے، میرا مذہب تو اس کا عشق ہے اور میرا مشرب  
جوش و خروش ہے۔ (نیاز احمد بریلویؒ)

زاہدا! بشنو خدا را آنچہ می گوئم ترا زُہد بے معنی گذار و جام سے از من بنوش  
اے زاہد! خدا کے لئے سن، جو بات میں تجھے کہتا ہوں، ایسا زُہد جو بے معنی ہے اس کو چھوڑ دے اور مجھ سے شراب  
کا ایک جام پی لے۔ (نیاز احمد بریلویؒ)

اولیائے کرام کا ہمیشہ سے یہی مذہب رہا ہے کہ اپنے دوست یعنی اللہ تعالیٰ کے تخیل سے سرمست رہتے ہیں اور  
اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے عشق سے ہی باندھ کر رکھتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ کس سمت میں جا رہے ہیں۔  
علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ۔

بیا مجلسِ اقبال و یک ساغر کش اگرچہ سر نہ تراشد قلندری دا ند  
مجلسِ اقبال میں آؤ اور ایک دو ساغر پیو، اگرچہ وہ سر نہیں تراشتا مگر قلندری جانتا ہے۔ (پ۔م۔ ۳۳۶)  
قلندر بوعلیؒ ہستم بنامِ دوست سرمستم دل اندر عشقِ او بستم نمی دانم کجا رستم  
میں بوعلی قلندر ہوں اور میں اپنے دوست کے نام میں مست رہتا ہوں، اپنے دل کو اس کے عشق میں ہی باندھ رہتا  
ہوں، مجھے علم نہیں کہ میں کدھر جا رہا ہوں۔

ایسے ہی حضرت عثمان ہارونیؓ چشتی نے اپنی ان داروات کا جو دورانِ وجد اور احوالِ عشق میں ان کو محسوس ہوتے  
رہے ہیں اپنے کلام میں بیان کیا ہے اور ان کی ایسی ایک نظم کے کچھ اشعار جو راقم الحروف کو یاد ہیں، قارئین کی نذر  
کر رہا ہے۔ نیچے دیئے گئے ترجمے سے معنی صاف واضح ہو جاتے ہیں ۔

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم مگر نازم با ایں ذوق کہ پیش یاری رقصم  
میں نہیں جانتا کہ جب مجھے دوست کا دیدار ہوتا ہے تو میں رقص کیوں کرنے لگتا ہوں، لیکن مجھے اس بات پر ناز ہے  
کہ میں دوست کے سامنے رقص کرتا ہوں۔ (عثمان ہارونیؓ)

زہے رندی کہ پالمش کند صد پارسائی را زہے تقویٰ کہ من با جبہ و دستار می رقصم  
خوش قسمت ہے ایسی رندی جو سینکڑوں پارسائیوں کو پاؤں میں روند ڈالے، خوش قسمت ہے ایسا تقویٰ کہ میں جبہ اور

(عثمان ہارونیؒ)

دستار یعنی شریعت کی حدود میں رقص کرتا ہوں۔

بہر رنگے کہ تو رقصانیم اے یار می رقصم

تو ہر دم می سرائی نغمہ و ہر باری رقصم

تُو ہر گھڑی ایک نیا نغمہ چھیڑتا ہے اور میں ہر بار رقص کرتا ہوں، اے یار! تُو جس رنگ میں نچاتا ہے میں اسی طرح نچتا ہوں۔

(عثمان ہارونیؒ)

ملامت می کند خلتے ومن برداری رقصم

منم عثمان ہارونیؒ کہ یار شیخ منصورم

میں عثمان ہارونیؒ ہوں کہ میرا یار شیخ منصورؒ ہے، لوگ تو مجھ کو ملامت کرتے ہیں اور میں پھانسی کے تختے پر بھی رقص کرتا ہوں۔

(عثمان ہارونیؒ)

اہل عشق کی کیفیت کا کچھ علم مذکورہ بالا اشعار سے ہوتا ہے اور ان کی حقیقی منازل کا علم تو خود اس کا ذائقہ محسوس کرنے سے ہی آ سکتا ہے کیونکہ ایسی باتیں احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔

## مولانا کی بانسری کی فریاد

(انسان کی روح کی شکایت)

ہر شاعر اپنے کلام کی ابتدا یا تو حمدِ باری تعالیٰ سے کرتا ہے یا اپنے انکارِ نادرہ سے۔ غالب کا دیوان اس فکر سے شروع کیا گیا ہے کہ ہر نقش اپنی زندگی کی فریاد کر رہا ہے اور زبانِ حال سے کہتا ہے کہ کون سی ہستی ہے جس نے اسے اس دنیا میں بھیج دیا ہے اور اپنی مجبوریوں میں اس طرح دھکیل دیا ہے کہ جس سے اس دُنیا میں اس کا پیرہن بھی گویا کاغذی اور بے بنیاد ہے۔ دیوانِ غالب کی ابتداء یوں ہوتی ہے ۔

نقشِ فریادی ہے کس کی شوقی تحریر کا      کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا  
کاو کاوے سخت جانہائے تنہائی نہ پوچھ      صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا  
مولانا روٹی نے اپنی مثنوی کا آغاز بھی (جلد اول مطبع فیصل بک ڈپو صفحہ ۳۱ سے) انسانی روح کی بے سکونی، تڑپ اور بیزاری سے کیا ہے۔ درج ذیل شعر میں بانسری سے مراد انسانی روح ہے۔ فرماتے ہیں کہ ۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند      وز جدائی ہا شکایت می کند (۱/۱)  
اس شعر سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے اس کے چمن یا وطن (یعنی جنت) سے دنیا میں بھیجا ہے تاکہ وہ کچھ ایسے کام کر کے دکھائے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ مگر جب وہ یہاں آئی تو اس کو روٹی کپڑا مکان اور دیگر آلاتوں کا سامنا کرنا پڑا اور بنی آدم کا اکثر حصہ ان معاملات سے مقابلہ کرنے کے ناقابلِ ثابت ہوا۔ بانسری اب اس جگہ (جنت) کو یاد کر کے فریاد کرتی ہے کہ جنت میں روحِ انسانی خوش تھی کیونکہ



وہاں اس کو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوتی تھی مگر دنیا میں آکر روح کی توجہ اپنے ظاہری ماحول کی طرف ہو چکی ہے اور وہ اللہ کی طرف توجہ کرنے سے محروم ہو گئی ہے۔ اس کی یہ فریاد اسی لئے ہے کہ اب وہ اپنے وطن سے دور کیوں ہو گئی۔ عالم سفلی کے لوازمات میں بغض، نفاق، نزاع، فساد، تکبر و کینہ کے علاوہ رذائل، غضب، حسد، طمع، ریا اور کھٹل و خیانت عام طور پر ہر انسان میں کسی نہ کسی حد تک پائے جاتے ہیں۔

### جو اپنے وطن سے دُور ہو جاتا ہے

اس دُنیا میں آکر روح یہ محسوس کرتی ہے کہ وہ کن حالات میں سے نکل کر کہاں اور کس ادنیٰ عالم میں اُتری ہے اور کن کن سعادتوں سے محروم ہو کر کیسی آلودگیوں میں گھر گئی ہے۔ روح اپنے اس خُردمان اور خُردان کو محسوس کرتی ہے۔ بہت سے شاعروں نے روح کی اس بد نصیبی کے متعلق بہت سے اشعار لکھے ہیں مگر مولانا روٹی نے اس قصے کو بانسری کی فریاد سے تشبیہ دی ہے۔

عالمِ لاہوت سے آنے کے بعد اگرچہ کچھ مقربین کی روچیں (یعنی انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص اولیائے کرام کی روچیں) ایسی ہیں جو عالمِ سفلی میں آنے کے بعد بھی اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے اس طرح سجائے رکھتی ہیں کہ اگر وہ ایک لمحہ بھر کے لئے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جائیں تو خود کو مُرتد تصور کرتی ہیں۔ ان کی روح پر یادِ الہی کا وہی رنگ رہتا ہے جو عالمِ بالا میں ان کو میسر تھا اور وہ اس عالمِ سفلی میں رہنے کے باوجود اب بھی اللہ کی یاد میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ اپنے ماحول اور دنیا میں پھیلی ہوئی شیطانیت کی وجہ سے ان کی روح اپنے وطن کی طرف جانے کے لئے مائل رہتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتِ رحلت اگرچہ اس دنیا میں رہنے یا عالمِ بالا میں آنے کے لئے اختیار دیا گیا تھا مگر آپ ﷺ نے عالمِ بالا کی طرف جانے کو قبول فرمایا۔ مولانا روٹی کے مذکورہ بالا شعر میں یہ نظریہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ طربناک اشعار سنتے ہیں تو بانسری کی آواز ان کو عالمِ لاہوت کی طرف لے جاتی ہے اور ان دنوں کی یاد تازہ کرتی ہے جب وہ وہاں موجود تھے۔ مذکورہ بالا بیان سے درج ذیل اشعار کا مفہوم ان میں موجود الفاظ سے خود ہی سمجھ میں آ جاتا ہے۔

کز نیتاں تا مرا بہریدہ اند از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

جب سے مجھے بانس کی زمین سے کاٹ کر جدا کر دیا ہے، میرے نالہ و فغاں سے مرد و زن روتے ہیں۔ (۳۱/۱)  
ان اشعار میں ”نئے“ سے روح اور نیتاں سے عالمِ ارواح مراد ہے یعنی جب سے مجھے وہاں سے جدا کیا ہے تو میرے رونے کا انداز دیکھ کر ازراہِ ترحم سب مرد و عورت بھی رونے لگتے ہیں۔

سینہ خواہم شُرحہ شُرحہ از فراق تا بگویم شرح دردِ اشتیاق

میں اپنے غم کے سننے والوں کا سینہ ایسا چاہتی ہوں جو پہلے ہی فراق کے مارے چاک چاک ہو، تاکہ اس کو ہمدرد سمجھ کر اپنا حال کھول کر سناؤں۔ (۳۱/۱)

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش باز جوید روزگار وصل خویش  
جو شخص اپنے اصل (وطن) سے دور ہو جاتا ہے، وہ پھر ایام وصل کی تلاش کیا کرتا ہے۔ (۳۱/۱)

من بہر جمعیت نالاں شدم جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم  
میں ہر مجلس میں رہ چکی ہوں اور نالے سے (جان پانے والے) خوشحال اور قیود (جسمانیہ میں جکڑے ہوئے)  
(۳۱/۱) بدحال لوگوں کی صحبت میں رہ چکی ہوں۔

ہر کسے از ظن خود شد یار من وز درون من نہ جست اسرار من  
ہر شخص اپنے خیال کے مطابق میرا یار بنا مگر اس نے میرے دل کے بھیدوں کو نہ پہچانا (کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس  
(۳۱/۱) کو اس دنیا کا ڈکھ ہے، حالانکہ ڈکھ روح کا تھا۔

لیک داند ہر کہ او را منظر است کایں فغان ایں سرے ہم زالاں سرست  
لیکن جس شخص کو چشم بصیرت حاصل ہے وہ جانتا ہے کہ بانسری کے اس سرے کی آواز بھی دوسرے سرے سے آ  
(۳۲/۱) رہی ہے۔

(اللہ کے منہ میں ہے، جو آواز ادھر سے آتی ہے ادھر بھی وہی آواز ہے)۔  
نواز کے منہ میں ہے، جو آواز ادھر سے آتی ہے ادھر بھی وہی آواز ہے۔

ددمہ ایں نائے از دہمائے اوست ہائے و ہوائے روح از ہیہائے اوست  
اس بانسری کی آواز اس (حقیقی نواز) کی پھونکوں سے ہے۔ روح کا شور و غل اسی کی تنبیہات سے ہے، یعنی  
(۳۲/۱) بصیرت والا جانتا ہے کہ اس سرے کی آواز اسی حقیقی نواز کی پھونکوں سے ہے۔

محرّم ایں ہوش جز بیہوش نیست مرزباں را مشتری چوں گوش نیست  
اس قصہ عشق کا واقف اس شخص کے سوا نہیں ہو سکتا جو غیر اللہ سے بیہوش ہو، چنانچہ زبان کی باتیں کان والا ہی سمجھ  
(۳۲/۱) سکتا ہے۔

بر سماع راست ہر کس چیر نیست طعمہ ہر مرغلے انجیر نیست  
سچی بات سننے پر ہر کوئی قادر نہیں، چنانچہ ہر حقیر پرندے کی خوراک انجیر نہیں ہو سکتی (یعنی پختہ کار بزرگوں کی بات ہر  
(۳۳/۱) شخص کے آگے کیا بیاں کریں جو اس کو سننے کے قابل ہی نہیں اور جنہیں ان کی باتوں پر یقین نہیں۔

بند بکسل باش آزاد اے پسر! چند باشی بند سیم و بند زر  
بیٹا! قید کو چھوڑ کر تو آزاد ہو جا، چاندی سونے کے خیال میں تو کب تک قید رہے گا (خلاصہ یہ کہ ماسوائے اللہ سے  
(۳۳/۱) آزاد ہو جا)۔



درج ذیل اشعار میں جو کچھ مولاناؒ نے فرمایا ہے اس کا مطلب بالکل واضح ہے اور ان اشعار میں بھی بانسری کی اپنے وطن سے جدائی کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے ۔

تن زجان و جاں زتن مستور نیست      لیک کس را دید جاں دستور نیست  
بدن روح سے اور روح بدن سے چھپی ہوئی چیز نہیں ہے لیکن کسی کے لئے روح کو دیکھنے کا دستور نہیں ہے۔ (۳۲/۱)  
آتش ست ایں بانگ نائے ونیست باد      ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد  
بانسری کی یہ آواز آگ ہے، ہوا نہیں ہے، جس میں یہ آگ نہ ہو وہ نیست (یعنی نابود) ہو جاتا ہے۔ (۳۲/۱)  
آتش عشق ست کاندہ نے فتاد      جوش عشق ست کاندہ سے فتاد  
عشق کی آگ ہے جو بانسری میں لگی ہے، عشق کا جوش ہے جو شراب میں آیا ہے۔ (۳۲/۱)

نئے حریف ہر کہ از یارے برید      پردہایش پردہائے ما درید  
بانسری اُس کی ساتھی ہے جو یار سے کٹا ہو، اس کے راگوں نے ہمارے دل کے پردے پھاڑ دیئے۔ (۳۲/۱)  
ہچو نے زہرے و تریاقے کہ دید      ہچو نے دمساز و مشتاقے کہ دید  
بانسری جیسا زہر اور تریاق کس نے دیکھا ہے، بانسری جیسا ساتھی اور عشق والا کس نے دیکھا ہے۔ (۳۲/۱)  
گر نبودے نالہ نے را شمر      نے جہاں را پر نہ کردے از شکر  
بانسری کی فریاد کا اگر کوئی نتیجہ نہ ہوتا، بانسری دُنیا کو شکر سے نہ بھرتی۔ (۳۲/۱)

درج ذیل اشعار میں بانسری کی فریاد یہ ہے کہ جو سوز میرے سینے میں ہے اگر اپنے غموں میں کہہ دوں تو یہ آواز تمام دُنیا کو درہم برہم کر دے۔ فرماتے ہیں کہ اگر میں بھی اپنے یار سے ملا ہوا ہوتا تو میں بھی یہی باتیں کرتا جو بانسری نے کہی ہیں (بانسری کی بات یار کی طرف سے ہوتی ہے)۔

سر پنہاں ست اندر زیر و بم      فاش اگر گویم جہاں برہم زخم  
بانسری کی زیر و بم میں راز چھپا ہوا ہے، صاف صاف بیان کروں تو دُنیا کو درہم برہم کر دوں۔ (۳۳/۱)  
آنچه نے می گوید اندر ایں دو باب      گر بگویم من جہاں گردد خراب  
ان دونوں معاملوں میں بانسری جو کچھ کہتی ہے اگر میں بیان کر دوں تو دُنیا تباہ ہو جائے۔ (۳۳/۱)  
بالب دمساز خود گر جھٹتے      ہچو نے من گفتنیہا گفتتے

اگر میں اپنے یار کے ہونٹ سے ملا ہوا ہوتا تو بانسری کی طرح کہنے کی بات کہتا۔ (۳۳/۱)  
ہر کہ اُو از ہم زبانے خُدا جدا      بے نوا خُدا گرچہ دارد صد نوا  
جو شخص ہم زبان دوست سے جدا ہوا وہ بے سہارا بنا، خواہ سو سہارے رکھتا ہو۔ (۳۳/۱)



## چوتھا باب

### پروازِ عشق

(عشق مجازی و حقیقی اور عشق کی خصوصیات)

### عشق مجازی اور حقیقی کی تعریف

عشق مجازی اور حقیقی کی بحث اس قدر طویل ہے کہ اس کے لئے فرصت کے رات دن میسر ہونے کی ضرورت ہے۔ مثنوی میں مولانا روئے نے کئی مقامات پر عشق مجازی اور حقیقی پر بحث کی ہے مگر اس بحث میں الجھنا ایک مشکل امر ہے، اس لئے پہلے عشق کی تعریف اور اس کی انواع کو ملاحظہ فرمائیں۔

عشق: محبت ایک کشش مقناطیسی ہے جو کسی کو کسی کی جانب کھینچتی ہے۔ عشق یہ ہے کہ کسی میں حسن و خوبی کی ایک جھلک دیکھ کر اس کی جانب مائل ہو جانا۔ دل میں اس کا شوق، اس کی طلب و تمنا اور اس کے لئے بے چینی کا پیدا ہونا، اسی کے خیال میں شب و روز رہنا، اسی کی طلب میں تن من و دھن سے منہمک ہونا، اسی کے فراق سے ایذا پانا، اسی کے وصال سے سیر نہ ہونا، اسی کے خیال میں اپنے خیال کا رہنا، اسی کی رضا میں اپنی رضا اور اسی کی ہستی میں اپنی ہستی کو گم کر دینا ہے۔ یہ سب عشق و محبت کے کرشمے ہیں۔

عاشقی چسپت بگو بندہٴ جاناں بودن      دل بہ دستِ دگر دادن و حیراں بودن

عاشقی کیا ہے؟ کہہ دو محبوب کا غلام ہو جانا، دل کو کسی کے ہاتھ میں دے کر حیران ہو جانا۔ (غیر مثنوی)

محبت کی عالمگیریت: اس کائنات کا پیدا ہونا محبت کے تحت ہوا اور یہی وجہ ہے کہ کائنات کی ہر شے میں عشق سرایت کئے ہوئے ہے۔ اجسامِ فلکی اور اجسامِ غیر ذی رُوح سب ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں اور سائنس کی عینک لگا

کر دیکھیں اور ایٹم کی ساخت پر غور کریں تو یہ عشق ادھر بھی نظر آتا ہے۔ اجسام کا کھینچنا اور ایک دوسرے سے دور جانا (Attraction and repulsion) محبت اور عشق کی شہادت دیتے ہیں۔ غیر مادی اجسام کا ایک دوسرے کی طرف کھینچنا اور کشش کا ہونا بھی عشق ہے۔

عشق انسان کا خاصہ ہے۔ محبت کا انتہائی مرتبہ عشق کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ ”وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ“ (اور جو ایمان والے ہیں اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت کرتے ہیں۔ البقرہ: ۱۶۵) شدید محبت کا ہونا ہی عشق ہے۔

راقم الحروف کی کتاب ”حضورِ قلب“ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی محبت کے لئے پیدا فرمایا اور اس راہ میں جو مسائل حائل تھے وہ سب دور کر دیئے۔ ”حضورِ قلب“ میں شامل کردہ نکات کا اس جگہ پر تذکرہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی چیز کی محبت میں گرفتار ہے بلکہ کسی نہ کسی لیلیٰ کی محبت میں گرفتار ہے، جس کی لیلیٰ میں زیادہ خوبیاں موجود ہیں وہ لیلیٰ سب سے زیادہ برتر ہے۔ عشق کی شاعری میں عاشق لوگ خدا کو لیلیٰ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

محبت کی کیفیات: محبت ایک فطری جذبہ ہے جس کا ظہور مختلف کیفیات، حالات اور صورتوں میں ہوتا ہے۔ بعض محبتیں طبعی، بعض ارادی و اکتسابی ہوتی ہیں۔ ماں کی بچے کے ساتھ محبت طبعی ہے۔ اُستاد اور شاگرد کی ارادی اور اکتسابی ہے، پیر و مرشد کی محبت بھی ارادی محبت میں شامل ہے۔

محبت کی مناسبتیں: وہ مناسبتیں جن کی وجہ سے محبت ابھرتی ہے محب و محبوب کی صورتوں میں معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ نسبت کبھی ضعیف ہو جاتی ہے اور کبھی قوی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ عشق میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

### عشق مجازی (طبقات اور مراتب عشق)

مدارج محبت میں سے ایک درجہ ہوئی کا بھی ہوتا ہے۔ مودت اور محبت کا ظہور ”ابتدائی ہوئی“ سے ہوتا ہے (یعنی خواہشاتِ نفسانی کے زیر اثر) اور محبت کے اصل مراتب یہیں سے شروع ہوتے ہیں۔ جب یہ معاملہ پختہ ہو جائے تو اس میں دل کو ہمیشہ مجاہدہ میں رکھا جاتا ہے اور ہمیشہ مائل بہ محبوب رہنا ضروری ہے۔ یہی محبت کی اصلی اور پہلی منزل ہے۔ یہ عشق اصلاً حقیقی ہے مگر مجازی عشق کے مشابہ ہے، لہذا علامتی انداز میں عشق عموماً مجازی مراحل سے گذرتا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک عشق حقیقی مذہب کا جوہر ہے اور عبادت اسی عشق ہی کی ایک صورت ہے۔ تصوف کے مطابق عشق مجازی عشق حقیقی کے لئے ایک زینے کا کام دیتا ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مادی حسن وہ کھڑکی ہے جس سے صوفی کو حسنِ ازل کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔

آسان انداز میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اس کے اندر ایک جذبہ محبت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا کیا ہے۔ کچھ لوگوں میں یہ جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے اور کچھ لوگوں میں یہ جذبہ نہ ہونے



کے برابر پایا جاتا ہے۔ یہ جذبہ اس لئے دیا گیا ہے کہ انسان اپنے امور کو دل لگا کر اور پورے عزم و انہماک سے انجام دے۔ انسان کو چونکہ اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے اس لئے اس جذبے کا ہونا انسان کے اندر اشد ضروری تھا کیونکہ اس کو جو کام دنیا میں سوئے جاتے ہیں ان کو پوری تندی سے کرنے میں انسان کی کامیابی کا راز رکھا گیا ہے۔ بڑے بڑے کاموں کے لئے ہمت، عزم اور پختہ ارادے کا ہونا لازمی امر ہے، لہذا اس بلندی پر پہنچنے سے سب سے پہلے انسان کو جذبہ عشق عطا کیا گیا۔

بچہ جب معصوم ہوتا ہے تو اس وقت بھی یہ جذبہ اس میں پایا جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں (اور قریبی لوگوں) سے محبت کرتا ہے۔ جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو اس کی محبت کا دائرہ وسیع تر ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ اس کو ہر چکنے والی اور خوش نما چیز سے محبت ہوتی ہے (خواہ وہ چکنے والی چیز تیز دھار چاقو ہی کیوں نہ ہو جس سے اُس کا ہاتھ کٹ سکتا ہے مگر اس عمر میں وہ اس چیز کے نقصان دہ پہلوؤں کو نہیں جانتا۔) اگر موذی سانپ بھی بچے کے سامنے آ جائے تو وہ اپنا ہاتھ اس پر ضرور ڈال دیتا ہے۔ قدرت نے ایسی نقصان دہ چیزوں سے بچوں کو کافی حد تک محفوظ رکھا ہے۔ اصل میں محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کا حوصلہ اس شعر کا مصداق ہو جائے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نرود میں عشق عقل ہے محو تماشا ئے لبِ بامِ ابھی

مذکورہ بالا گفتگو سے معلوم ہوا کہ عشق ایک ایسا جذبہ ہے جو انسان کو پیدائشی طور پر عطا کیا جاتا ہے اور حقیقتاً بچے کو آگ میں ہاتھ ڈالنے سے بھی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ یہ جذبہ انسان کے ظرف کے مطابق ہوتا ہے اور ہر شخص میں مختلف حد تک پایا جاتا ہے۔ ماں باپ کی غلط پرورش اور ماحول کے اثرات بد سے انسان کا یہ جذبہ محدود ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض انسانوں میں عشق کی معمولی سی رُمق ہی پائی جاتی ہے۔ غلط پرورش کا ذکر اس لئے بھی ضروری تھا کہ ہر انسان کے اندر جو کمالات ربّانی رکھے گئے ہیں ان کی پرورش میں والدین کوتاہی اس لیے کر جاتے ہیں کہ ان کے والدین نے بھی ان کے اس جذبے کی نشوونما اور پرورش نہیں کی ہوتی، ایسے بچے بڑے ہو کر صرف دنیا کی چمک دمک میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور براہی نظر کے فقدان سے وہ سونے اور چاندی کے بتوں کی پوجا کرنے لگتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ”سورۃ التکاثر“ کو نازل کیا گیا (اس سورہ میں یہ کہا گیا ہے کہ تمہیں مال کی کثرت چاہت نے اس قدر مغلوب کر دیا ہے کہ تم بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے تمام عمر مالی بہتات کی چاہت میں گزار دیتے ہو، حتیٰ کہ تم جوان ہوتے ہو پھر بوڑھے ہو جاتے ہو مگر تمہاری یہ چاہت ختم نہیں ہوتی اور آخر تم قبروں میں چلے جاتے ہو)۔ کچھ لوگوں کو تو کوئی نیک شخص اس راہ سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگا دیتا ہے لیکن زیادہ لوگ اسی حال میں رہ جاتے ہیں۔

یہ لوگ جو سونے چاندی کے عشق میں گرفتار ہوتے ہیں ان کی خوراک عموماً اکتسابِ حرام سے ہوتی ہے اور اتنا پیٹ بھر کر کھاتے ہیں کہ ان کے نفوسِ شہوات میں گرفتار ہو کر مادی محبت یعنی مجازی رنگ میں عورتوں کی محبت میں



گرفتار ہو جاتے ہیں۔ یہی عشق مجازی کہلاتا ہے، جو مولانا کے نزدیک گندم کھانے کے اثر سے ہوتا ہے اور اس میں سوائے راگ و رنگ کی محفلوں اور عیاشی کے سامان کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ مجازی عشق بھی حقیقی کی طرف لے جاتا ہے۔ مجازی عشق کے حسب ذیل دو طبقات پائے جاتے ہیں۔

**طبقہ نمبر ۱:** وہ لوگ جو مجاہدات کی وجہ سے بہت سے احکام سے تجاوز کر چکے ہیں اور حسن صورت پر نظر ڈال کر اپنے قلب میں گرمی پیدا کرتے ہیں اور اپنے اندر سوز و گداز بڑھاتے ہیں۔ یہ لوگ عشق مجازی سے بہت جلد عشق حقیقی میں ترقی کر جاتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ **الْمَجَازُ فَنَطْرُهُ الْحَقِيقَةُ**۔ یعنی مجازی عشق حقیقی عشق کا پل ہے۔

**طبقہ نمبر ۲:** یہ لوگ آزمائشوں میں مبتلا رہتے ہیں اور ترقی سے گریز کرتے ہیں اور حجابات سے انس رکھتے ہیں اور نفس امارہ کے نزع میں پھنسے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ عشق و محبت کی حرکات سے محروم ہیں۔ محبوب حقیقی کو کلیۃً فراموش کر چکے ہیں۔ محبوبان مجازی کی ہمراہی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور ہوس نفس کو عشق کے نام سے پکار کر خود کو دھوکا دیتے ہیں۔ محبت کا ادنیٰ درجہ محبت آثاری ہے۔ یہ مذموم مرتبہ ہے اور ان کی یہ محبت شہوت پرستی ہے۔ یہ لوگ نفس کے غلام اور طبیعت کے قیدی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔

**مراتب محبت:** عشق کے بے شمار مراتب بیان کئے جاتے ہیں لیکن طوالت کے باعث ان کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ اس میں میلان عشق کی اقسام ہیں، یعنی مقام جمع سے جمع میں، جمع سے تفصیل میں، تفصیل سے جمع میں اور تفصیل سے تفصیل میں آنا ہے۔ محبت کے حقیقی مراتب کیا ہیں؟ یہاں محبت کے سات مراتب کا ذکر آتا ہے، مثلاً لحظہ، رفقہ، ہوا، وء، خلّت، حب، عشق وغیرہ، ان کے علاوہ محبت کے دس مدارج جو مجمع السلوک شرح رسالہ مکہ میں بیان کئے گئے ہیں، مثلاً موافقت، موانست، مودت، ہوا، خلّت، شغف، تیم، ولہ اور عشق (سر دلبراں) اب عشق مجازی اور حقیقی کے متعلق کچھ بیان کیا جائے گا جو عام انسان کی فہم میں آسانی سے آ جاتا ہے۔

**انسانوں اور فرشتوں کے عشق میں فرق:** حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ فرشتوں میں بھی عشق ہے لیکن درد نہیں کہ وہ مارے مارے پھریں۔ وہ ذرہ جس کو عاشق ذوقی محبوب اور آرزوئے وصال میں محسوس کرتا ہے انسان کا ہی حصہ ہے۔ فرشتوں کا عشق کش ذرات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اسی کشش کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ”قدسیاں را عشق ہست“ مگر یہ بھی درست ہے کہ سوز فراق اور قریب تر ہونے کا جذبہ ان میں نہیں ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے ”درد نیست“۔ مولانا عطارؒ کا شعریوں ہے ۔

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست      درد را جز آدمی درخورد نیست

فرشتوں کو عشق ہوتا ہے درد نہیں، درد کی خوراک صرف انسان کو ملی ہے۔ (عطار)  
**عشق کی صوفیانہ تعریف:** جب حقیقی وجود اللہ تعالیٰ کا ہے تو کائنات میں اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کا پرتو ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا جمعا اور تفصیلاً اپنے کمال کی جانب میلان کا ہونا عشق کہلائے گا۔ سر دلبراں میں صوفیائے کرام

کے چار طبقات بیان کئے گئے ہیں۔

طبقہ نمبر ۱: یہ طبقہ اُن حضرات کا ہے جو شہوات سے بالکل پاک ہیں اور مظاہرِ خلتی میں بجز مشاہدہ حق کے اور کسی جانب ملتفت نہیں ہوتے اور مرایائے کونیہ (کونین کے شیشوں) میں جمالِ مطلق کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتے۔ مولانا جامیؒ کے مطابق ان کا عشق مطبوع اور موزوں صورتوں میں مقید نہیں۔

ہست بے صورت جنابِ قدسِ عشق لیک در ہر صورتے خود را نمود  
اللہ کے جمال میں کوئی خاص رونمائی نہیں ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ ہر صورت میں ظاہر ہے۔ (جامیؒ)

طبقہ نمبر ۲: اُن حضرات کا طبقہ ہے جو کثرتِ احکام سے تجاوز کر چکے ہیں، اپنے قلب میں گراماؤ پیدا کرنے سے اپنے عشق کو بھڑکنے کا موقع دیتے ہیں، یہ لوگ جلد ہی عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی میں پہنچ جاتے ہیں۔

طبقہ نمبر ۳: اُن گرفتارِ ابتلا کا طبقہ ہے، جنہیں ترقی سے گریز ہے اور حجابات سے اُس ہے، اُن کا اُسی میلان ایک سے دوسری، تیسری اور چوتھی صورت سے اُلجھتا ہے اور ساری عمر اسی طرح گذر جاتی ہے۔

طبقہ نمبر ۴: اس طبقہ کے لوگ محبوبانِ مجازی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور ہوائے نفس کو عشق کا نام دیتے ہیں۔

**عشق با صدمہ نازی آید بہ دست**

**(عشق بہت مشکل سے ہاتھ آتا ہے)**

عموماً عشقِ مجازی والے اپنی محبت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن پھر بھی بدنام ہو جاتے ہیں، مگر سچا عشق چھپ نہیں سکتا اس کی خوشبو تو دُور سے آ جاتی ہے۔ اگر عشقِ شیطان میں آ جائے تو جبریل علیہ السلام کا رُتبہ پا سکتا ہے۔ سچے عشق میں بہت محنت کرنا ہوتی ہے اور سختیاں جھیلنا ہوتی ہیں کیونکہ یہ سختیاں اور مصائب عاشق کو صیقل

کر کے اس کا اہل بنا دیتی ہیں۔ حقیقتاً انسان کو عشق کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ۔  
میل معشوقان نہان است و سیر میل عاشق با دو صد طبل و نفیر

معشوقوں کی محبت مخفی اور مستور ہوتی ہے اور عاشق کی محبت علی الاعلان ہوتی ہے۔ (۴۳۶/۳)

دیو اگر عاشق شود ہم گوئے برد جبریلؑ گشت و آں دیوے ببرد  
ابلیس کو بھی اگر حق تعالیٰ کا عشق ہو جائے تو میدان سے گیند لے جائے گا اور جبریلؑ ہو جائے گا اور اس کی اہلیت ختم ہو جائے گی۔ (۳۴۹/۶)

تُو بہ یک خواری گریزانی ز عشق تُو بجز نامے چہ می دانی ز عشق  
تُو ایک مرتبہ کی ڈانٹ سے بھاگ نکلتا ہے، تُو تو عشق کو جانتا ہی نہیں فقط اس کا نام سنتا ہے۔ (۱۲۲/۵)

عشق را صد ناز و استکبار ہست عشق با صدمہ نازی آید بدست  
عشق کے سینکڑوں ناز اور تکبر ہیں، عشق سینکڑوں ناز اٹھانے کے بعد ہاتھ میں آتا ہے۔ (۱۲۲/۵)



گر بہر زخمی تو پر کینہ شوی پس چرا بے صیقل آئینہ شوی  
اگر تو ہر ڈانٹ پر کینہ پیدا کرے گا، پھر تو صیقل ہو جائے (یعنی شیخ کی سختیوں) بغیر کیے آئینہ بنے گا۔ (۳۱۳/۵)  
ناف ما بر مہر خود بہریدہ اند عشق او در جان ما کاریدہ اند  
خدا نے ہماری ناف کو اپنی محبت کی شرط پر کاٹا ہے اور ہماری جان میں اس کے عشق کا بیج بو دیا ہے۔ (۲۵۰/۲)

ایں (عشق مجازی) فساد از خوردنِ گندم بود

(عشق مجازی گندم کھانے کے فساد کے باعث ہے)

مجازی عشق گندم اور دیگر نعمتوں کے غلط استعمال سے پیدا ہوتا ہے، اگر خوراک کا خیال نہ رکھا جائے اور بے احتیاطی برتی جائے تو گندم جسم انسانی میں فساد پیدا کر دیتی ہے لیکن حلال رزق کے کھانے میں اور اعتدال رکھنے سے نیک خصلتیں پیدا ہوتی ہیں۔

عشق از اذل چرا خونی بود تا گریزد آنکہ بیرونی بود  
عشق پہلے سے ہی خونی نظر آتا ہے تاکہ غیر مخلص دربار عشق میں حاضر نہ ہو سکے۔ (۲۵۰/۳)  
آں طرف کہ عشق می افزود درد بوضیفہ، شافعی در سے نہ کرد  
جس راہ میں عشق درد بڑھاتا ہے اس راہ کی تعلیم امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے نہ دی۔ (۳۶۶/۳)

عشق زندہ در رواں و تا بھر ہر دے باشد زغنجہ تازہ تر  
عشق حقیق (اللہ تعالیٰ کا) ہمیشہ ہماری رگوں میں اور آنکھوں میں پھولوں کی کلیوں سے زیادہ تازہ ہے۔ (۵۴/۱)  
زانکہ عشقِ مردگاں پایندہ نیست چونکہ مُردہ سوئے ما آئندہ نیست  
دنیا والوں یعنی مرنے والوں کا عشق باقی رہنے والا نہیں اور مرنے والا ہماری طرف آنے والا نہیں بلکہ جانے والا ہے۔ (۵۳/۱)

عشقبائے کز پئے رنگے بود عشق نبود عاقبت رنگے بود  
وہ عشق جو ان صورتوں کے نقش و نگار کے لئے ہوتا ہے، عشق نہیں بلکہ نفس کی خواہش کی وجہ سے آخرت کی شرمساری ہے۔ (۵۲/۱)

عشق نبود آنکہ در مردم بود ایں فساد از خوردنِ گندم بود  
جو عشق بندوں سے کیا جاتا ہے وہ دراصل عشق نہیں بلکہ گندم کھانے کا فساد ہے۔ (X)

و عشق میں قسط سالی عشق کو فراموش کرنے سے ہوئی

حضرت مولانا رومیؒ کا قول ہے کہ جب معشوق کا حسن ختم ہو جاتا ہے اور دھواں ظاہر ہو جاتا ہے، یعنی وہی مکر وہ



صورت نظر آنے لگتی ہے تو اسی وقت یہ عشق مجازی ختم ہو جاتا ہے۔ (یہ اس لیے کہ جب کسی محبوب کا عشق اور اس کا حسن قائم ہے تو محبت کا سامان قائم رہتا ہے اور جو نبی حسن رخصت ہو جائے تو عشق مجازی بھی رخصت ہو جاتا ہے) شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ دمشق میں جب قحط سالی رونما ہوئی تو اس کا سبب یہ تھا کہ لوگوں نے عشق کو فراموش کر دیا تھا (یعنی بجائے عشق خدا کے عشق مجازی میں لگ چکے تھے) مسلم ممالک آج بھی مغربی تہذیب کے دلدادہ

ہو رہے ہیں اور مجازی عشق میں غرق ہونے کی وجہ سے قہر الہی کی سزا بھگت رہے ہیں۔  
چناں قحط سالی شد اندر دمشق کہ یاراں فراموش کردند عشق  
دمشق میں قحط سالی اس لئے آئی کہ یار لوگوں نے عشق (الہی) کو فراموش کر دیا۔ (سعدی)

چوں رود نور و شد پیدا دخال بفسرد عشق مجازی آں زماں  
جب نور چلا جاتا ہے تو دھواں رہ جاتا ہے، اس وقت عشق مجازی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ (۱۰۸/۶)  
عشق زاد صافِ خدائے بے نیاز عاشقی بر غیر او باشد مجاز  
عشق تو خدائے بے نیاز کے اوصاف سے ہے، اس کے علاوہ عشق، عشق مجازی ہے۔ (۱۰۸/۶)

زانکہ شہوت با خیالے راندہ اند  
(کیونکہ انہوں نے صرف خیالی صورت کی طرف عشق بازی کی)

کچھ لوگ غلط انداز میں عشق مجازی میں شہوات کی پوجا کرتے ہوئے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزار دیتے ہیں، وہ بالآخر اپنی حرماں نصیبی پر روتے ہیں۔

زیں بتاں خلتاں پریشاں میشوند شہوتے راندہ پشیاں میشوند  
ان معشوقوں کے عشق سے لوگ (ناحق) پریشان ہوتے ہیں (زنا اور لواطت سے) اپنی شہوت پوری کر کے آخر میں پکھلتا ہے۔ (۲۰۹/۳)

مطلب:- چونکہ عاشق مجاز کو اگرچہ مطلوب کا دیدار میسر ہوتا ہے مگر وہ غیبت میں بھی صرف اسی خیالی صورت کی پرستش کرتا رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس مشرک نے جو اپنے غلط خیال سے ایک معبود تجویز کر لیا ہے اس کی گرویدگی میں وہ معبود حقیقی سے دور رہ جاتا ہے۔ ”أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهُهُ هَوَاً“ (الفرقان: ۲۳) ترجمہ: کیا آپ نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا؟

پس مقصود اصلی حقیقت ہے، مجاز صرف بطور ذریعہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مظاہر کی طرف میلان صرف ظاہر کے مشاہدے کے لئے ہونا چاہیے اگر صرف مظاہر کے دلدادہ ہو کر رہ گئے تو بس رہ گئے۔

زانکہ شہوت با خیالے راندہ است در حقیقت دور تر و اماندہ ست  
کیونکہ انہوں نے ایک خیالی صورت کے ساتھ عشق بازی کی ہے اور حقیقت یعنی محبوب حقیقی سے دور رہ گئے ہیں۔ (۲۰۹/۳)

باخیالے میل تو چوں پر بود تا بداں پر بر حقیقت بر شود  
کسی خیال (یعنی خیالی صورت) کے ساتھ تمہارا میلان ایک پر کے مشابہ ہونا چاہیے تاکہ اس پر کے ساتھ حقیقت کی  
طرف پرواز ہو سکے۔ (۲۰۹/۳)

گوش آئکس نوشد اسرارِ جلال کو چو سون صد زباں افتاد لال  
اس شخص کا کان اسرارِ الہیہ سن سکتا ہے جو سون کی طرح سو زبائیں رکھتا ہو اور گونگا بھی ہو، چونکہ جو شخص  
اسرارِ طریقت کا پورا امین ہو، وہی رازدارِ حق ہو سکتا ہے۔ (۱۷/۳)

### جس کو معرفت حاصل ہو اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے

مثل مشہور ہے کہ ”آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد“ (یعنی جس کو خبر ہو جائے تو پھر اس کی خبر نہیں آتی) اسی کو  
عربی میں کہا جاتا ہے ”مَنْ عَرَفَ رَبَّهُ كَلَّ لِسَانُهُ“ (جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہو گئی)۔  
مولانا رومؒ نے اسے رسولِ خدا ﷺ کے کلام سے منسوب کیا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کسی کو کوئی بات معلوم ہو تو  
وہ سمجھانے کے لئے الفاظ نہیں پاتا۔

لفظ در معنی ہمیشہ نا رساں زان پیغمبر ﷺ گفت قَدْ كَلَّ لِسَانُ  
الفاظ معنی کو پہنچ نہیں سکتے، اسی لئے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ زبان گنگ ہو جاتی ہے۔

حلق بخشد خاک را لطفِ خدا تا خورد آب و بروید صد گیاه  
خداوند تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے خاک کو حلق بخشا ہے، حتیٰ کہ خاک پانی نوش کرتی ہے اور اس سے سینکڑوں قسم  
کی گھاس اُگ پڑتی ہے۔ (۱۷/۳)

مطلب یہ ہے کہ خدا نے مٹی کو استعداد کا حلقوم عطا فرمایا ہے تو وہ پانی پی کر اس قدر نباتات اُگاتی ہے۔ اگر  
یہ حلقوم اس کو نہ ملتا تو خطہٴ خاک تختہٴ سبز کیونکر بناتا۔ مولاناؒ کا اشارہ اس طرف ہے کہ زمین خاموشی سے یہ خدمت  
ادا کرتی ہے۔ انسان بھی جب معرفتِ خدا حاصل کر لیں تو گنگ ہو جاتے ہیں۔

باز حیواں را بہ بخشد حلق و لب تا گیاہش را خورد اندر طلب  
پھر حق تعالیٰ جاندار کو حلق اور لب بخشتا ہے، حتیٰ کہ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس (خاک) کی گھاس کو چرتا ہے۔ (۱۷/۳)  
چوں گیاہش خورد حیواں گشت زفت گشت حیواں لقمہٴ انسان و رفت  
جب اس خاک کی گھاس کو چر کر حیوان مٹا ہو گیا تو حیوان انسان کا لقمہ بن گیا اور نابود ہو گیا۔ (۱۷/۳)

### مجازی سے حقیقی کی طرف آنے کا طریقہ ترکِ شہوات ہے

جن لوگوں کا عشق محض رنگ و روپ کی صورتوں کے لئے ہو تو وہ عشقِ حقیقی تک نہیں پہنچ سکتے، ان کا ایسا عشق  
آخر کار کلک کا ٹیکا ثابت ہوتا ہے اور اُن کا عشقِ الہی تک پہنچنا بعید از قیاس ہوتا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا ہے ۔



عشقمائے کز پے رنگے بود عشق نبود عاقبت نگے بود  
 جو عشق بازیاں محض رنگ و روپ تک محدود ہوں وہ سچا عشق نہیں ہوتا بلکہ کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوتی ہیں۔ (۵۲/۱)  
جو لوگ عشق حقیقی تک آنا چاہتے ہوں ان کے لئے ضروری ہے کہ گندم کے فساد سے بچیں اور شہوات کی پوجا  
سے اپنے عشق کو بچا کر رکھیں۔ اس میں ایک بات ضرور ہے کہ انسان ایک ہی شخص کی محبت میں ایسا محصور نہ ہو  
جائے کہ روح کی پرواز کے پرکٹ جائیں۔ جو شخص دنیوی محبت سے خالی محبت کی راہیں عبور کر جائے اس کا عشق  
فانی نہیں ہے اور اس کا معشوق بھی فانی نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہر شخص کی محبت حقیقت کی طرف پرواز کے لئے  
پر و بازو بن سکتی ہے، بشرطیکہ وہ اس دنیاوی محبت میں محصور ہو کر نہ رہ جائے۔

باخیالے میل تو چوں پر بود تا بدال پر بر حقیقت بر شود  
 خیال کی جانب تیرا جھکاؤ پر کی طرح ہوتا ہے، تاکہ تو اس پر کے ذریعے حقیقت تک پہنچے۔ (۲۰۹/۳)  
 چوں براندی شہوتے پرت بریخت لنگ گشتی واں خیال از تو گر یخت  
 جب تو نے شہوت رانی کی تو تیرا پر جھڑ گیا، تو لنگڑا ہو گیا اور وہ خیال تجھ سے بھاگ گیا۔ (۲۰۹/۳)  
 پر نگہدار و چنین شہوت مراں تا پر میل بر سوئے جتاں  
 پر کی حفاظت کر اور شہوت رانی نہ کر، تاکہ میلان کا پر تجھے جنتوں میں لے جائے۔ (۲۰۹/۳)

### شہوات کی اتباع میں تباہی ہے

قاعدہ ہے کہ وصال معشوق سے عشق کی گرمی سرد پڑ جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اگر مجازی معشوق کے  
 ساتھ بوس و کنار ہونا ہی اپنے عشق کا مقصد اعلیٰ سمجھ لیا تو پھر ترقی ناممکن ہے اور پھر یہ مجازی عشق بھی زائل  
 ہو جائے گا۔

خلق پندارند عشرت میکند بر خیالے پر خود بر میکند  
 لوگوں کو گمان ہے کہ وہ عیش کر رہے ہیں (حالانکہ) ایک خیال میں مبتلا ہو کر اپنی ترقی کے پر اکھیڑ رہے ہیں۔  
 (۲۰۹/۳)

مطلب یہ کہ مجازی عاشق مجازی دلبروں سے بوس و کنار کرنے کو سمجھتے ہیں کہ وہ کامیاب ہیں، حالانکہ وہ اپنی  
 حقیقی کامیابی کے ذرائع کو برباد کر رہے ہیں۔ اسی طرح معبودانِ باطل کے پرستار اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں،  
 حالانکہ وہ حق پر نہیں ہیں اور ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں۔

### عشق حقیقی کی طرف کوشاں رہنا ضروری ہے

اگرچہ دنیا کے بادشاہوں کے سپرد کوئی کام نہیں کیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے وہ بھی اپنی



مخلوق کی دیکھ بھال اور اپنی ربوبیت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں انہماک رکھتا ہے اور ہر روز نئے نئے کاموں میں لگا رہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو انسان کو اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتنا ایسے ہی ہے، جیسے کہ کوئی بیمار نہ بھی ہو تو بھی داویلا کرتا رہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بیکار غفلت میں بیٹھے رہنے کی بجائے کچھ نہ کچھ کوشش (خواہ بیہودہ ہی کیوں نہ ہو) کرتے رہو۔ آئندہ صفحات پر آنے والے مضمون میں عشق کی خوبیوں کا ذکر اس لئے کیا جا رہا ہے کہ لوگوں کو عشق کی افادیت کا اندازہ ہو سکے۔

دوست دارد دوست این آشفگی کوشش بیہودہ بہ از خفگی  
اگرچہ اس مہربان حقیقی کے حکم پر مژدہ کوشش موقوف ہے تاہم وہ اس قسم کی مترددانہ اور نامکمل کوشش کی پریشانی کو پسند کرتا ہے۔ (۲۰۲/۱)

(کیونکہ) خواب (غفلت) سے سعی بے ثمر ہی بھلی۔ (یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں جانا ہجرت ہے اگر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو تو۔ آشفگی ظاہر سے آشفگی باطن کی طرف جانا اللہ کو پسند ہے۔ اگرچہ ہجرت پوری نہ ہو پھر بھی اس کا اجر مل سکتا ہے، اس لئے خواب غفلت میں پڑے رہنے سے تھوڑی سی کوشش کرنا بہر حال بہتر ہے۔)

آنکہ او شاہ است او بیکار نیست نالہ ازوے طرفہ کو بیمار نیست  
(دیکھو) وہ ذات پاک (جو شہنشاہ حقیقی) ہے وہ (بھی) بیکار نہیں۔ اس شخص کی زاری عجیب بات ہے جو بیمار نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، اسے محنت کی ضرورت نہیں پھر بھی وہ مخلوق کے کام میں مصروف رہتا ہے، یعنی اس کا مصروف ہونا ایسے ہی عجیب بات ہے جیسے کوئی شخص بیمار نہ ہو اور پھر نالہ کرے (۲۰۲/۱)  
بہر این فرمودہ رحمان اے پسر! کُلْ یَوْمَ هُوَ فِی شَأْنِ اے پسر!

بیٹا! اسی لئے (اس) مہربان حقیقی نے (سورہ رحمن میں) آیہ کُلْ یَوْمَ الخ فرمائی ہے، یعنی وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں ہے، یہاں اوپر والے شعر کی دلیل قرآن سے دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں ہے۔ (۲۰۲/۱)  
ہر کہ او از اصل فطرت خوب زاد آئینہ در پیش او باید نہاد  
جو شخص اصل فطرت سے خوب صورت پیدا ہوا ہو، اس کے روبرو آئینہ رکھنا چاہیے۔ (۳۲۹/۱)

عاشق آئینہ باشد روئے خوب صیقل جاں آمد از تقویٰ القلوب  
(ہاں ہاں) ایک خوب صورت شخص ہی آئینے کا دلدادہ ہو سکتا ہے (نہ کہ بد صورت) روح کا صیقل ہونا (جس سے وہ آئینہ بن جاتی ہے) دلوں کے تقویٰ سے (میسر ہو سکتا) ہے۔ (۳۲۹/۱)

باز آں جاں چونکہ محو عشق گشت یُعِجِبُ الزُّرَّاعُ آمد بعد کشت  
پھر جب وہ (انسانی) جان عشق (حق) میں مستغرق ہو گئی تو وہ گندم بوئے جانے کے بعد یُعِجِبُ الزُّرَّاعُ (کا مصداق) بن گئی۔ (۳۳۰/۱)

## جس میں مجازی عشق کا مادہ نہ ہو، وہ عشقِ حقیقی کے قابل نہیں ہوتا

عشق مجازی غیر اللہ کی ہر چیز سے محبت کو کہا جاسکتا ہے اور اگر اللہ کی محبت بھی شامل ہو اور غیر اللہ سے بھی محبت ہو تو یہ بھی اللہ کی ہی محبت کے ضمن میں ایک محبت کہلائے گی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک روایت ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وہ چھوٹے سے بچے تھے تو انہوں نے حضرت سے سوال کیا کہ ”ابا جان کیا آپ کو مجھ سے محبت ہے؟“ والد گرامی نے فرمایا کہ ”ہاں ہے!“ پھر پوچھا کہ ”کیا آپ کو میرے بھائی حسنؓ سے بھی محبت ہے؟“ تو فرمایا: ”ہاں ہے۔“ پھر پوچھا کہ ”کیا آپ کو ہماری امیؓ سے محبت ہے؟“ تو آپ نے فرمایا: ”ہاں ہے!“ پھر پوچھا: ”کیا آپ کو ہمارے ناناؓ سے محبت ہے؟“ تو فرمایا: ”ہاں ہے!“ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے ادب سے پوچھا ”ابا جان! کیا یہ محبت ہے یا کباڑ خانہ ہے؟“ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹے کو اٹھایا اور ان کا ماتھا چوما اور پھر فرمایا کہ بیٹا! یہ محبت اگرچہ ان تمام لوگوں سے ہے جن کے تم نے نام لئے مگر یہ سب ایک ہی کی محبت کہلائے گی۔“ (کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں تمام محبتیں شامل ہیں جن کا اس نے حکم بھی دیا ہے۔) کسی سے محبت اللہ کے لیے ہو تو ہر ایک محبت اللہ کی محبت کا درجہ رکھے گی۔

اس جگہ اس بیان کا منشا یہ ہے کہ جب ایک بچہ اپنے ارد گرد کے رشتہ داروں سے محبت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس بچے میں محبت کا جذبہ موجود ہے اور جب وہ اس میں ترقی کرے گا تو عشقِ الہی تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جن لوگوں کو کسی سے محبت نہیں تو ان میں محبتِ الہی کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ جو لوگ عشقِ مجازی کے قابل نہیں وہ عموماً عشقِ الہی سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ الآماشاء اللہ۔ سر دلبراں میں ہے کہ بغیر عشقِ انسان بے لطف اور مزدور کی سی زندگی کا فتا ہے۔

## متاب از عشق رو گر چہ مجازی است

(عشقِ مجازی سے منہ نہ موڑو)

عام انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ دنیا کی محبت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو محبت کی مٹی اس کے خمیر میں ملی ہوتی ہے مگر بقدر استطاعت، کبھی یہ محبت دنیا کے حسین انسانوں سے میل رکھنے لگتی ہے اور کبھی دنیا والوں کی محبت سے یکدم چھلاگ لگا کر خدا کی محبت کی طرف آ لپکتی ہے۔ عموماً ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ بندہ (اپنی شہوانی خصلت کے سبب) عورتوں سے محبت کرنے لگتا ہے۔ ان میں سے بعض انسان تو ایسے ہیں کہ انہیں کوئی حادثہ یا کوئی برگزیدہ ہستی چشمِ زدن میں اللہ تعالیٰ کے عشق کی طرف موڑ دیتی ہے اور خدا اس کی نظر میں محبوب، مرغوب اور مطلوب بن جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کبھی دھوکے باز اور مکار لوگوں کے رویے سے تنگ آ کر بالآخر سمجھ لیتا ہے کہ اس دنیا میں دل لگانے کے قابل کوئی نہیں، پھر وہ لوگ



تھک ہار کر اللہ کی محبت کی طرف رغبت کرنے لگتے ہیں۔ ایسی حالتوں کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ ”الْمَجَازُ قَنْطَرَةٌ الْحَقِيقَةُ“، یعنی مجازی عشق حقیقی عشق کے لئے ایک پل کا کام دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مولانا جانیؒ فرماتے ہیں کہ ۷۰  
 کتاب از عشق رو گرچہ مجازی است کہ آں بہر حقیقت چارہ سازی است  
 عشق سے منہ نہ موڑو، اگرچہ مجازی عشق ہی (کیوں نہ) ہو کیونکہ مجازی عشق بھی حقیقی عشق کی طرف چارہ سازی کرتا ہے۔

انجیل میں آیا ہے کہ دنیا کی طرف سے قطع تعلق رہ کر انسان اللہ سے محبت نہیں کر سکتا، کیونکہ تم ایک ایسے انسان سے محبت نہیں کر سکتے جس کو تم نے نہ دیکھا ہو تو پھر ایسے خدا سے کیسے محبت کر سکتے ہو جس کو تم نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ اس بات کا توڑ قرآن مجید کی ابتدائی آیات میں ہی آ گیا ہے کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے، جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور یہ ان متقیوں کو ہدایت دیتی ہے جو بغیر دیکھے غیب کی باتوں پر اعتبار اور یقین رکھتے ہیں۔ حضرت غنی کے اشعار ملاحظہ فرمائیں ۷۰

ز آتشِ رشتہائے شمع باہم یک زباں گردو ز فیضِ عشق دلہائے مخالف مہر باں گردو  
 عشق کے فیض سے مخالفت رکھنے والے دل مہربان ہو جاتے ہیں، آگ کے باعث شمع تمام رشتوں کو یکساں کر دیتی ہے۔ (تائب)

موم در دامنِ دریائے کرم عنبر شد کفر در عشق محال است کہ ایمان نشود  
 دریائے کرم میں موم عنبر بن جاتا ہے، ایمان کی سنگت مل جائے تو یہ محال ہے کہ کفر عشق میں تبدیل نہ ہو۔ (تائب)  
 مولاناؒ فرماتے ہیں کہ عشق سب کا استاد ہے، اس نے ہزاروں ذروں کو اتحاد بخشا ہے۔  
 آفریں بر عشق گلنِ اوستاد صد ہزاراں ڈرہ را داد اتحاد  
 عشق کو آفریں ہے جو (اتحاد رکھنے میں) استادِ کامل ہے، اس نے لاکھوں ذروں کو متحد کر دیا ہے۔ (۳۴۹/۲)

ولی نامی شاعر نے خوب کہا ہے ۷۰  
 شغل بہتر ہے عشق بازی کا کیا حقیقی و کیا مجازی کا

### کمالاتِ محبت

محبت کا ڈھنگ اگر کسی کو آتا ہے تو اس کے لئے ہر پست کو بلند، تلخ کو شیریں اور ناکام کو کامیاب بنانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ جس گھرانے میں محبت کا جادو چلتا ہے اس کے رہنے والے جنتِ فردوس کی سی زندگی گزارتے ہیں اور کم آمدنی میں خوش و خرم رہتے ہیں۔ مولاناؒ کے پیش کردہ ایک لطیف نکتے پر غور فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ جب کسی گھرانے کے لوگ محبت کی زندگی گزارتے ہیں تو ان کا طریق محبت کرنا ہو جاتا ہے۔ ایک مزدور دن بھر اپنی کمر پر بوجھ اٹھا کر کام کرتا ہے اور ایک لوہار اپنی دکان کی بھٹی میں منہ سر کالاکرنے کے بعد نہایت خوشی سے



گھر کو لوٹا ہے تاکہ اپنی گھر کی محبوبہ کو خوش کرے اور سامانِ حیات مہیا کر سکے۔ یہ کاروبارِ حیات جو صبح سے شام تک چلتا ہے اس میں یہی عشق کا جذبہ کار فرما نظر آتا ہے، ورنہ کون ہے جو کسی کی خاطر اپنے آپ کو پریشانی اور مصیبت میں ڈالے۔ یہ سب عشق کی بدولت ہے۔ عشق ایک رُوحانی چیز ہے اور یہ ایسی جنس نہیں کہ جس کو بازار سے خرید لیا جائے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ مال و دولت اور دنیا کی چیزیں سب مردہ ہیں، مگر ان سب کے حصول کی کوشش زندہ لوگوں کے لئے ہوتی ہیں۔ جب عشق کا مقصود کسی زندہ کے لئے ہے تو عشق کو ایسی ہمتی کے ساتھ لگانا ضروری ہے جو سراپا حیات اور حیات بخش ہو۔ ثابت ہوا کہ محبت کا واسطہ حیاتِ ابدی کے ساتھ ہے۔ اسی لئے مولانا نے فرمایا۔

عشق آں زندہ گزیر کو باقی است      وز شراب جاں فزایت ساقی است  
اس کا عشق اختیار کرو جو زندہ ہے اور جو روح افزا شراب پلانے والا ساقی ہے۔ (۵۴/۱)

ہر کرا با مردہ سودائے بود      بر امید زندہ سیمائے بود  
جو کسی بے جان کا عاشق ہوتا ہے اس کی اُمید کسی زندہ چہرے کے لئے ہوتی ہے۔ (۶۲/۳)

بر امید زندہ کن اجتہاد      کو نگرود بعد روزے دو جماد  
زندہ کی اُمید پر کوشش کر، جو دو دن بعد جماد نہ بن جائے۔ (۶۲/۳)

دُنیا کی محبتیں متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ نفرت محبت میں اور محبت نفرت میں تبدیل ہو جایا کرتی ہے۔ بچہ روتا ہے اور اسکول جانے سے ڈرتا ہے اور جب اُس ہو جائے تو مکتب اور معلم کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

اُس تو با شیر و با پستان نہ ماند      نفرت تو از دیرستان نہ ماند  
دودھ اور پستان سے تیری محبت نہ رہی، مکتب سے اب تیری نفرت نہ رہی۔ (۲۳/۵)

دُنیا میں کسی کا حسن ذاتی نہیں، جہاں حسن نظر آتا ہے وہاں حسن ازلی کا پرتو ہے۔ حسین چیز وہی ہے جس پر آفتاب ازلی کی کرنیں پڑتی ہیں، جہاں سے شعاع ہٹ گئی وہاں اس چیز کا عارضی حسن غائب ہو گیا۔ مجنوں نے ایک دن اللہ سے شکایت کی کہ الہی! تو نے مجھے لیلیٰ کے عشق میں گرفتار کر کے رسوائے زمانہ کر دیا ہے تو جواب ملا۔

عشق لیلیٰ نیست ایں کارِ من است      حسن لیلیٰ عکسِ رخسارِ من است  
یہ لیلیٰ کا عشق نہیں ہے بلکہ یہ ہمارا کام ہے، لیلیٰ کا حسن ہمارے رخسار کا ہی عکس ہے۔ (غیر منثوی)

علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا ہے کہ تم جانتے ہو کہ عشق کہاں سے آیا ہے، پھر اسی شعر کے دوسرے مصرعے میں فرماتے ہیں کہ یہ مصطفیٰ ﷺ کے آفتاب کی ایک شعاع ہے۔

ی نہ دانی عشق و مستی از کجاست      ایں شعاعِ آفتابِ مصطفیٰ ﷺ است  
تم نہیں جانتے کہ یہ عشق اور مستی کہاں سے آئی ہے، یہ آفتابِ مصطفیٰ ﷺ کی ایک شعاع ہے۔ (پس۔ چ۔ ۸۶۴)

عارف رومیؒ فرماتے ہیں، بعض اکابر صوفیاء اپنے مریدوں کو خصوصی علم، کشف و کرامات اور عبادت کے خاص انداز ذہن نشین نہیں کرواتے اور وہ ایک عمومی تعلیم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا اور اس کے بندوں سے محبت کرو، عبادت اور صوم و صلوٰۃ کے علاوہ ذکر و اذکار میں زیادہ کوشش کرو وغیرہ۔ اصل بات تو یہ ہے کہ مرید کا فہم کھل جائے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ محبت وہ چیز ہے جو زندگی کی ہر تلخی کو شیریں بنا دیتی ہے، مسِ خام کو سونا بنا دیتی ہے اور محبت ہی غم کی دوا اور مرض کی شفاء ہے، محبت کانٹوں کو پھول اور سر کے کو شراب بنا دیتی ہے، محبت میں پھانسی کے تختے پر چڑھنے والا خود کو تختِ عزت پر بلند ہوتا ہوا دیکھتا ہے، پتھر دل اس سے پیچتے ہیں اور غم خوشی میں تبدیل ہو جاتے ہیں، جس گھر میں محبت ہو وہ گھر روشن ہو جاتا ہے۔ صائب نے عشق کی تعریف میں بہت کلام کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر کفر میں بھی عشق کی دولت مل جائے تو یہ محال ہے کہ وہ ایمان میں تبدیل نہ ہو جائے۔

ع کفر در عشق محال است کہ ایماں نشود

”مثنوی مولانا رومؒ“ میں سے محبت کے متعلق کچھ اشعار (باترجمہ) پیش کئے جا رہے ہیں اور ان کے مطالب بھی اشعار کے ساتھ ساتھ آسانی سمجھ آ جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

- |   |                          |
|---|--------------------------|
| از محبت تلخبا شیریں شود   | از محبت مسہا زریں شود    |
| محبت کی وجہ سے کڑوی چیزیں میٹھی ہو جاتی ہیں، محبت سے مختلف تانے سونا بن جاتے ہیں۔ | (۱۵۳/۲)                  |
| از محبت دُر دہا صافی شود  | وز محبت در دہا شانی شود  |
| محبت سے تلپتھٹیں صاف ہو جاتی ہیں اور محبت سے درد شفا بخشنے والا بن جاتا ہے۔       | (۱۵۳/۲)                  |
| از محبت خار ہا گل می شود  | وز محبت سرکھا مل می شود  |
| محبت سے کانٹے پھول بن جاتے ہیں اور محبت سے سر کے شراب بن جاتے ہیں۔                | (۱۵۳/۲)                  |
| از محبت جبن گلشن می شود   | بے محبت روضہ گلشن می شود |
| محبت سے قید خانہ چمن بن جاتا ہے، بغیر محبت کے باغ بھٹی بن جاتا ہے۔                | (۱۵۳/۲)                  |
| از محبت نار نورے می شود   | وز محبت دیو حورے می شود  |
| محبت سے آگ نور بن جاتی ہے اور محبت سے جن حور بن جاتا ہے۔                          | (۱۵۳/۲)                  |
| از محبت سنگ روغن می شود   | بے محبت موم آہن می شود   |
| محبت سے پتھر تیل بن جاتا ہے، بغیر محبت کے موم لوہا بن جاتا ہے۔                    | (۱۵۳/۲)                  |
| از محبت حزن شادی می شود   | وز محبت غول ہادی می شود  |
| محبت سے غم خوشی بن جاتا ہے اور محبت سے چھلاوا راہبر بن جاتا ہے۔                   | (۱۵۳/۲)                  |



- از محبت نیش نوشے می شود      وز محبت شیر نوشے می شود  
محبت سے ڈنگ شہد بن جاتا ہے، محبت سے شیر چوہا بن جاتا ہے یعنی بے ضرر ہو جاتا ہے۔ (۱۵۳/۲)
- از محبت سُقم صحت می شود      وز محبت قہر رحمت می شود  
محبت سے بیماری تندرستی بن جاتی ہے اور محبت سے قہر رحمت ہو جاتا ہے۔ (۱۵۳/۲)
- از محبت خار سوسن می شود      وز محبت خانہ روشن می شود  
محبت سے کاٹنا سوسن (پھول) بن جاتا ہے اور محبت سے گھر روشن ہو جاتا ہے۔ (۱۵۳/۲)
- از محبت مردہ زندہ می شود      وز محبت شاہ بندہ می شود  
محبت سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے اور محبت سے شاہ غلام بن جاتا ہے۔ (۱۵۳/۲)
- ایں محبت ہم نتیجہ دانش ست      کے گزافہ بر چنین تختے نشست  
یہ محبت بھی سمجھ کا نتیجہ ہے، بکواسی ایسے تخت پر کب بیٹھ سکتا ہے؟ (۱۵۳/۲)
- دانش ناقص کجا ایں عشق زاد      عشق زاید ناقص اما بر جماد  
ناقص عقل نے یہ عشق کب جتا ہے؟ ناقص (عقل) عشق پیدا کرتی ہے لیکن پتھر سے۔ (۱۵۳/۲)
- کفر فرعونے و ہر گمیر عنید      جملہ از نقصان عقل آمد پدید  
فرعون کا کفر اور ہر سرکش کا کفر، سب عقل کی کمی سے رونما ہوا ہے۔ (۱۵۳/۲)

### مجازی صورتوں کے عشق سے باز رہو

صورتوں کے عشق کا انجام رسوائی ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں اس لئے اس خدائے قدوس سے عشق کرو، خواہ اس جہاں میں یا اگلے جہاں میں ہو۔ انسان صورتوں سے محبت کرتے ہیں اور جب ان کا معشوق مر جائے تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ وہ فانی ہے۔ محبت صرف خدائے زندہ کی روا ہے جو ہمیشہ ہمیش کے لئے زندہ ہے اور جو اس کے ساتھ بیوست ہو جائے اس پر موت بھی حرام ہے۔ عشق کرنے سے پہلے معلوم کرو کہ کوئی تمہارا معشوق بننے کے قابل ہے کہ نہیں۔ یاد رکھو کہ محبت کرنے کے قابل صرف خدا کی ذات ہے، باقی سب دھوکہ و مکر و فریب ہے۔ ایک اور پہچان یہ ہے کہ جس کا عشق حسن اور صفات میں تبدیل نہیں ہوتا وہ ہمیشہ بے بدل ہے اس لئے وہی ذات پیار کیے جانے کے قابل ہے ۔

ہیں رہا گن عشقہائے صورتی      نیست بر صورت نہ بر روئے سنی  
خبردار! صورت کے عشقوں کو چھوڑو، وہ (عشق) بیوی کے چہرہ اور صورت پر نہیں ہے۔ (۷۷/۲)

آنچہ معشوقست صورت نیست آں خواہ عشق ایں جہاں خواہ آں جہاں  
جس سے عشق ہے وہ صورت نہیں ہے، خواہ اس جہاں (عالم ناسوت) کا عشق ہو یا اس جہاں (عالم ملکوت) کا۔  
(۷۷/۲)

آنچہ بر صورت تو عاشق گشتہ چوں بروں شد جاں چرائیش ہشتہ  
جس کی صورت پر تو عاشق ہو رہا ہے، جب (اس کی) جان نکل گئی تو اس کو کیوں چھوڑا ہے۔  
(۷۷/۲)

صورتش بر جاست ایں سیری ز چیست عاشقا وا جو کہ معشوق تو کیست  
اس کی صورت موجود ہے یہ دل بھرتا کیوں ہے؟ اے عاشق! ڈھونڈ کہ تیرا معشوق کون ہے۔  
(۷۷/۲)

آنچہ محسوس ست گر معشوق است عاشقتے ہر کہ اورا حس ہست  
اگر محسوس چیز ہی معشوق ہے تو جس میں بھی حس ہے وہ عاشق ہے۔  
(۷۷/۲)

چوں وفا آں عشق افزوں می کند کے وفا صورت دگرگوں می کند  
جب وفاداری عشق بڑھاتی ہے، (تو) وفا صورت میں کب تغیر کرتی ہے۔  
(۷۷/۲)

**عشق حقیقی** حقیقت ظہور، ذات حق بلا حجاب تعینات کو کہتے ہیں (سر دلبراں) حقیقت کا استعمال مجاز کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ یہاں حقیقت سے مراد ہے باطن، مجاز سے مراد ظاہر ہے۔ اگر عالم شہادت مجاز ہے تو عالم مثال حقیقت ہے، اسی طرح عالم مثال اگر مجاز ہے تو عالم ارواح حقیقت ہے۔ عالم ایمان عالم ارواح کے مقابل میں حقیقت ہے۔ چونکہ ذات مبدع ہر چیز کی حقیقۃً الحقائق ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ ”حَقِیقَةُ کُلِّ شَیْءٍ هُوَ الْحَقُّ“ (یعنی ہر چیز کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہے)، بندے کی ذات حق تعالیٰ میں گم ہو جائے تو بندہ اپنی حقیقت کو پالیتا ہے۔ (سر دلبراں)

**محبت کی قسمیں:**

**محبت ذاتی** سب سے ارفع و اعلیٰ و اتم قسم کی محبت ہے، جسے نہ زوال آتا ہے نہ تغیر نہ تبدل۔ یہاں وجود مجازی بجز احدیت میں گم ہو جاتا ہے اور تمام اسما و صفات رنگ وحدت اختیار کر لیتے ہیں۔ (سر دلبراں)

**محبت حقیقی** محبت حقیقی نہ آمد کی چیز ہے نہ آورد کی بلکہ اس کی پھینک مختلف لوگوں کے لئے مختلف روزنوں (جھروکوں) سے کی جاتی ہے۔ اس کے چار دروازے ہیں (جن کی تفصیل میں جانا یہاں ضروری نہیں، البتہ مختصر بیان ملاحظہ فرمائیں)۔

- ۱۔ مبتدیوں کی محبت کا صدور عالم شہادت میں مشاہدہ حسی کے ذریعے ہوتا ہے۔ یہ طالبوں کی ابتدا ہے۔
- ۲۔ متوسطین کے لئے محبت کا ظہور نفس کے ذریعے ہوتا ہے۔ نفس جمال افعال کی خصوصیات کا مشاہدہ عالم غیب اور عالم مثال سے کرتا ہے اور یہ مشاہدہ محبت کے پیدا ہونے کا ذریعہ بنتا ہے۔



۳۔ منہیوں میں مکاشفات قلبی محبت کے اعلیٰ ترین رُخ کو وجود میں لاتی ہے۔ یہ مقررین کا مقام ہے۔

۴۔ منہیوں میں روحِ قدسی کے مطالعہ سے محبت کا ایک اور ہی اعلیٰ رُخ طلوع ہوتا ہے۔ یہ صدیقین کا مقام ہے۔

**عشقِ ذات** اس عشق میں ذات سے سروکار رہتا ہے اور تمکین و استقلال اور قرار و ثبات میں عاشق متمکن ہوتا ہے۔ جمال ہو یا جلال ہر حال میں عاشق ذات سے لطف اندوز ہوتا ہے اور بسا اوقات جمعیت خاطر رہتی ہے۔ جب تک عاشق محوِ مطلق نہیں ہو جاتا اور تعینِ خودی سے تجاوز نہیں کرتا اس وقت تک درِ طلب اور سوزِ عشق باقی رہتا ہے۔ (سر دلبراں)

درد درد اس قلق اور سوزِشِ دُرُونی کو کہتے ہیں جو عاشقِ فراقِ محبوب اور آرزوئے وصال میں محسوس کرتا ہے۔ عشق وہی ہے جس میں درد کی چاشنی ہو (جسے علامہ اقبالؒ نے ہاؤ ھو کی کیفیت سے ظاہر کیا ہے) انسان کے لئے درد و عشق دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ موجبِ ترقی درد ہے۔ عشق بدوں درد موصل بہ مطلوب نہیں۔ موصل بہ مطلوب جو چیز ہے وہ درد ہے۔

کفر کافر را و دیں دیندار را ذرّہ دردت دلِ عطار را  
کفر کافر کو اور دیندار کو دین مبارک ہو۔ آپ کے درد کا ایک ذرّہ عطار کے دل کے لئے (کافی ہے)۔ (عطار)  
**مقامِ عشق** محبت کی انتہائی اور اکمل ترین کیفیت و صورت کا نام عشق ہے۔ سب سے اعلیٰ و ارفع عشق بجز ذاتِ حق کے اور کس کے ساتھ ہو سکتا ہے؟

در ہر چیز نظر کردم غیر از تو نمی بینم غیر از تو کسے باشد، حقا چہ مجال است ایں  
میں ہر چیز میں نظر کرتا ہوں تو تیرے سوا اب کچھ نہیں دیکھتا، تیرے سوا کوئی نظر نہیں آتا، سچ ہے کہ کسی کی بھی یہ مجال نہیں۔ (غیر مشنوی)

عشق و محبت کو شراب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ جو مستی اچانک سالک کے دل میں پیدا ہوتی ہے وہ جلوہٴ محبوب سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ مستی عشق، محبت، ذوق، سرور، وجد، معرفت سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ تجلیِ انفعالی وہ ہے جو حق تعالیٰ صورِ مظاہرِ حسی کی کھڑکیوں میں سے اپنے آپ کو عالمِ مثال کی کسی نہ کسی چیز میں ظاہر فرماتا ہے۔ اس تجلی کا سالک پر اثر شراب کی طرح ہوتا ہے۔ سر دلبراں میں ہے کہ عبادت بلا عشق کے بیکار ہے اور عشق بغیر عبادت نامتمام ہے۔ زہد خشک سے بدرتِ دنیا میں کوئی آزار نہیں۔ سلوک کا دار و مدار عشق پر ہے، عشق نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ہونا ممکن نہیں۔ عشقِ مجازی اور حقیقی پر مولانا رومیؒ کا کچھ کلام اُد پر دے دیا گیا ہے۔ اس کے بعد عشقِ حقیقی کی شان میں بیان کیا گیا مولانا کا کلام آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں، جو کچھ معارف اور معانی اس کلام میں موجود ہیں وہ بھی دے دیئے گئے ہیں۔

## عشقِ حقیقی کی خصوصی باتیں

عام طور پر مشہور ہے کہ عشقِ اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود (یعنی عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے) اسی لئے دنیا کی بڑی بڑی عشق والی جوڑیوں میں عورت کا نام پہلے آتا ہے۔ مثلاً لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا اور سوہنی مہیوال وغیرہ۔

دوسری بات جو ان عاشقوں میں نظر آتی ہے کہ ان کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا عکس ہوتا ہے، جس طرح فرمایا ہے۔

عشقِ لیلیٰ نیست این کارِ من است      حسنِ لیلیٰ عکسِ رخسارِ من است  
یہ لیلیٰ کا عشق نہیں یہ تو میرا کام ہے، لیلیٰ کا حسن میرے چہرے کا عکس ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان لوگوں کا عشق کبھی نفس کی مراد پوری ہونے پر ختم نہیں ہوتا اور وہ بغیر ملاپ ہی مر جاتے ہیں، لہذا ان کا عشق کامیاب رہتا ہے۔ عشقِ مجازی میں چونکہ نفسانی عمل کا دخل یعنی ملاپ ہو جاتا ہے، لہذا نفسانی مراد پوری ہونے کی تکمیل کی وجہ سے ایسا عشق کبھی وفا پر جا کر ختم نہیں ہوتا۔ اکثر میاں بیوی کا لڑائی جھگڑا اسی لیے رہتا ہے کیونکہ اکثر لوگوں کی محبت نفسانی مراد پوری کرنے کے لیے ہوتی ہے الا ماشاء اللہ۔



## پانچواں باب

### شاد باش اے عشق خوش سودائے ما (کمالاتِ عشق)

#### انسانی کمالات کا حصول عشق سے ہی ممکن ہے

عشق ایک ایسا سمندر ہے جس میں غوطہ زن ہونے والے طرح طرح کے کمالات اپنے اندر پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ شخص نہایت خوش قسمت ہے جس کو عشق کا ایک ذرہ ہی مل جائے۔ حقیقتاً ایسے ذرے کا تحمل ہونا بھی کسی کسی کا کام ہے۔ روایات میں ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے عشق کا ایک ذرہ مانگا اور اس کے شیخ و مرشد نے بھی اس کی سفارش کی تو اس کو ایک ذرہ عشق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا۔ اس عطا کے بعد اس کا یہ حال ہوا کہ وہ دنیا چھوڑ چھاڑ کر جنگلوں میں نکل گیا اور تڑپتا پھرتا رہا۔ آخر اس کے پیر نے اللہ تعالیٰ سے اس کی حالت معتدل کرنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عشق کے ایک ذرے کا ہزارواں حصہ اسے دیا گیا تو پھر کہیں وہ برداشت کرنے کے قابل ہوا۔

بہت سی کتابوں میں عشق کا بیان آیا ہے لیکن ہر ایک اپنی بات کو تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ جس کی سمجھ میں جو کچھ آیا لکھ دیا لیکن ابھی بھی یہ بیان تشنہ تکمیل ہے۔ مولانا رومیؒ نے اس مضمون کو نبھانے کی کوشش کی مگر وہ بھی یہ کہہ کر رہ گئے کہ ۔

کاشکے ہستی زبانِ داشتے تا زمستان پردہا برداشتے  
کاش! انسانی ہستی کوئی زبان رکھتی تاکہ عاشقوں کے پردوں کو اٹھایا جاسکتا۔ (۴۳۸/۳)

ہرچہ گوئی ایدم ہستی ازاں پردہ دیگر بُرو بستی بداں  
اے (انسانی) وجود کی گفتگو تو جو کچھ بتاتی ہے سمجھ لے کہ اس پر ایک دوسرا پردہ تُو نے ڈال دیا۔ (۴۴۸/۳)  
نیچے دیئے گئے کچھ اشعار کا مثنوی سے انتخاب کیا گیا ہے، ان اشعار سے عشق کی بہت سی کیفیات ظاہر ہوتی  
ہیں۔ اگر ان اشعار کو ہی سمجھ لیا جائے تو یہ مولانا کے تخیلات کی کافی حد تک ترجمانی کر دیتے ہیں۔ آپ بھی پڑھیں  
اور اس کے معانی میں اترنے کی کوشش کریں۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما

(اے عشق خوش رہو کہ تم مبارک جنوں ہو)

عارف روئی نے عشق کے موضوع پر کثرت سے والہانہ اور حکیمانہ انداز میں کلام کیا ہے اور یہ تکرار اس کی تمام  
خوبیوں کو منظرِ عام پر لائے ہیں تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں عشق کا سودا سما جائے اور وہ اپنی تمام بیماریوں، مشکلات  
اور پریشانیوں کا علاج عشق کے ذریعے ہی کر سکیں کیونکہ عشق مشکل کشا ہے اور جو بھی مصیبت یا علت انسان کو لاحق  
ہو تو اس کا علاج باسانی ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا ہر شخص کے لئے عشق کا حصول نہایت ضروری سمجھتے ہیں  
اور اس کو اپنانے کی تاکید کرتے ہیں۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما اے طیبِ جملہ علت ہائے ما  
خوش رہ ہمارے اچھے جنوں والے عشق، اے ہماری تمام بیماریوں کے طیب۔ (۳۳/۱)

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما اے تو افلاطون و جالینوسِ ما  
اے عشق تو ہمارے غرور اور عزت کی دوا ہے اور تو ہمارے لئے افلاطون اور حکیم جالینوس ہے۔ (۳۳/۱)  
مولانا روئی فرماتے ہیں کہ ہر بیماری خواہ جسمانی ہو یا روحانی، اس کا علاج عشق کی وساطت سے ہو سکتا ہے اور  
انسانی زندگی کے باقی تمام شعائر و شرائع ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اور انسان کے تمام مصائب کو دور کرنے والا عشق  
ہی ہے۔ علامہ اقبالؒ جو مولانا روئیؒ کو اپنا مرشد تسلیم کرتے ہیں، نے بھی عشق کے موضوع پر بہت کلام کیا ہے جو ہم  
اپنی ایک الگ کتاب میں ”عقل و عشق اور علامہ اقبالؒ کا فلسفہ خودی“ کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ علامہؒ نے  
بھی فرمایا ہے۔

اقبالؒ تیرے عشق نے سب بل دیئے نکال

مدت سے آرزو تھی کہ سیدھا کرے کوئی

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے بعض ظاہر پرست علماء محبت کو مصدرِ حیات اور مقصودِ حیات نہیں سمجھتے اور اسلام کو اپنے  
زاویہ نگاہ سے ماپتے ہیں، لہذا عقائد کی گتھیاں سلجھانے کے لئے دست و گریبان رہتے ہیں۔



چوں ندیدند حقیقت رو افسانہ زدند

چونکہ حقیقت کو نہیں سمجھتے اس لئے افسانوی معنی اختیار کرتے ہیں۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد

(خاک کی جسم عشق سے افلاک تک پہنچ جاتا ہے)

یہ ایک بہت بڑی بات ہے کہ انسان اگرچہ خاک کا پتلا ہے مگر اس میں طاقت پر واز اس قدر ہے کہ وہ ثریا کی بلندیوں سے بھی آگے پہنچ سکتا ہے۔ یہی بات علامہ اقبالؒ کو ان کے فلسفہ مخدوی کی طرف لے جاتی ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پر عشق الہی کا اثر طور کے پہاڑ پر ہوا تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے، گویا عشق پہاڑ کو ریت کی طرح پیس دیتا ہے۔ اگر جملہ انسانی کمال کی تفصیل بیان کی جائے تو وہ اس کتاب کی پہنچ سے باہر کی بات ہے۔ اس پر بہت سی کتابیں لکھنا درکار ہوں گی لیکن یہاں مولانا روٹی کا کلام اختصار سے ہی پیش کیا جا رہا ہے۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد کوہ در رقص آمد و چالاک شد

(۳۳/۱) خاک کی جسم عشق کی وجہ سے ہی آسمانوں پر پہنچا، پہاڑ ناپنے لگا اور ہوشیار ہو گیا۔

عشق جان طور آمد عاشقا طور مست و خرو موسیٰ ضعیفا

(۳۴/۱) اے عاشق! عشق طور کی جان بنا، طور مست اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گرے۔

عشق جوشد بحر را مانند دیگ عشق ساید کوہ را مانند ریگ

(۲۷۸/۵) عشق سمندر کو دیگ کی طرح کھولا دیتا ہے، عشق پہاڑ کو ریت کی طرح پیس دیتا ہے۔

عشق بشکافد فلک را صد شکاف عشق لرزاند زمیں را از گزاف

(۲۷۸/۵) عشق آسمان میں سو شکاف ڈال دیتا ہے، عشق زمین کو آسانی سے لرزادیتا ہے۔

بادہ از ما است نے شد ما ازو

(شراب ہمارے عشق سے مست ہے نہ کہ ہم اس سے مست ہوئے)

شراب میں موجود جوش ہے تو وہ بھی ہمارے خون کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح انسان کی خاطر تمام چیزوں کو اس کی خدمت پر لگایا گیا ہے۔ ناصح کا شعر ہے۔

یہ اپنے لہو کی گرمی ہے، ورنہ اے ناصح

نشہ شراب میں ہوتا تو ناچتی بوتل

مولاناؒ فرماتے ہیں۔

بادہ در جوشش گدائے جوش ماست      چرخ در گردش اسیرِ ہوش ماست  
شراب جوش میں ہمارے (خون کے) جوش کی محتاج ہے، آسمان گردش میں ہمارے ہوش کا قیدی ہے۔ (۳۳/۱)  
کوزہ چشم حریصاں پر نہ شد      تا صدف قانع نہ شد پر نہ شد  
حریصوں کی آنکھ کا پیالہ نہ بھرا، جب تک سیپ نے قناعت نہ کی موتی سے نہ بھرا۔ (۳۳/۱)

ہر کرا جامہ زعشے چاک شد      او ز حرص و عیب گئی پاک شد  
جس کا جامہ عشق کی وجہ سے چاک ہوا، وہ حرص اور عیب سے بالکل پاک ہوا۔ (۳۳/۱)

ما چو زہوریم و قالب ہا چو موم      خانہ خانہ کردہ قالب را چو موم  
ہماری مثال شہد کی کہی کی سی ہے اور اجسام بہ منزلہ موم کے ہیں، ہماری روح جسم پر اپنا تصرف اس طرح رکھتی ہے،  
گویا اس نے جسم کو موم کی طرح خانہ خانہ بنا رکھا ہے۔ (۲۰۱/۱)

جملہ معشوق است و عاشق پردہ

(تمام مخلوق معشوق ہے اور عاشق پردہ ہے)

یہ سارا شعر کنایات پر مشتمل ہے۔ معشوق سے ذاتِ حق، عاشق سے مراد تمام ممکنات اور پردے سے مراد وجودِ ظاہری ہے۔ مردہ سے مراد کالعدم یا مردہ ہونا ہے۔ مولانا روٹی اس سے مراد وحدۃ الوجود لیتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے وجود کا ظہور ہے اور مخلوق ایک پردہ ہے۔ دوسرے شعروں میں آپ نے منع فرمایا ہے کہ وحدت الوجود کی بات عام آدمی کے لئے نہ کریں اور یہاں اس شعر میں خواص کے لئے لوگوں کو اسی طرف اشارہ ہے۔ ہر شعر کی مختصر تشریح نیچے کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو زندہ ہے اور دنیا کا نقش مٹ جانے والا ہے۔

جملہ معشوق ست و عاشق پردہ      زندہ معشوق ست و عاشق مردہ  
تمام کائنات معشوق (ذاتِ حق) ہے اور عاشق (مخلوق) پردہ ہے، معشوق زندہ ہے اور عاشق مردہ ہے۔ (۳۳/۱)

چوں نہ باشد عشق را پروائے او      او چو مرغے ماند بے پر، وائے او  
جب عشق کو اس کی پروا نہ ہو تو وہ بے پر کے پرندے کی طرح ہے، اس کے پر نہ ہونے پر افسوس ہے۔ (۳۳/۱)  
یعنی عشق وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے اور عشق کی وجہ سے معشوق کی توجہ بھی اس کی طرف ہو جاتی ہے اور جب معشوق کو پروا نہ رہے تو وہ بے پر و بال رہ جاتا ہے۔

پر و بال ما کند عشق اوست      موی کشانش می کشد تا کوئے دوست  
ہمارے بال و پر اس کے عشق کی کند ہیں اور کند سے اس کے بال کھینچتی ہوئی اس کو دوست کے کوچہ تک لے جاتی ہے۔ (۳۳/۱)



عشق خواہد کایں سخن بیرون رود  
آئینہ ات غماز نبود چوں بود  
(۳۴/۱)  
عشق چاہتا ہے کہ یہ بات ظاہر ہو، تیرا آئینہ غماز نہ ہو تو پھر یہ کیوں کر ہو؟  
عشق تو چاہتا ہے کہ خدا کا نور مخلوق تک پہنچ جائے مگر جب آئینہ ضمیر عکس نما نہ ہو تو یہ بات کیسے ہو سکتی ہے؟  
آئینہ ات دانی چرا غماز نیست  
زانکہ زنگار از رخس ممتاز نیست  
(۳۵/۱)  
جانتا ہے تیرا آئینہ غماز کیوں نہیں ہے، اس لئے کہ زنگ اس کے چہرے سے علیحدہ نہیں ہوا ہے۔  
جب تک دل کے آئینے سے زنگار دور نہ کیا جائے اس وقت تک آئینہ عکس نما نہیں ہوتا۔

### دردِ عشق پر ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے درس نہیں دیا

حضرت ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کامل عاشق تھے اور درس کے بھی ماہر تھے لیکن دردِ عشق کا انہوں نے کبھی درس نہ دیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عشق کی کیفیت کو گفتی نہیں کہتے تھے، جس کی کیفیت حال سے ہو، وہ قال میں نہیں آتی اور پھر طلباء کے درس میں عشق پر بات نہیں ہوا کرتی ۔

آں طرف کہ عشق می افزود درد  
بوحنیفہؒ و شافعیؒ در سے نکرد  
(۳۶۶/۳)  
جس پہلو سے عشق نے درد بڑھایا ہے، ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ نے سبق نہیں پڑھایا۔  
عاشقاں را ہر زمانے مرد نیست  
مردن عاشاق خود یک نوع نیست  
عاشقوں کی ہر گھڑی ایک موت نہیں (بلکہ کئی موتیں ہیں)، عاشقوں کی موت ایک قسم کی نہیں ہے، ایک موت کی جگہ اسے کئی جانیں ملتی ہیں۔  
(۳۶۶/۳)

او دو صد جاں دارد از جانِ ہدی  
واں دو صد را می کند ہر دم فدا  
(۳۶۶/۳)  
وہ نورِ ہدایت سے دو سو جانیں رکھتا ہے اور ان دو سو کو ہر وقت قربان کرتا ہے اور ہر زماں از غیب جانِ دیگر است کا قائل ہے۔

ہر کہ در خلوت بہ بنیش یافت راہ  
او زدانشبا نجوید دستگاہ  
(۳۶۸/۳)  
جس نے خلوت میں بصیرت کا راستہ پایا وہ علوم میں مہارت کا طلب گار نہیں ہوتا۔

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(عشق اللہ کے سوا ہر چیز کو جلا دیتا ہے)

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ عشق ہر چیز کو سوائے اللہ کے جلا دیتا ہے، اس عشق میں ”لا“ کی تلوار سے ہر چیز

کاٹ دی جاتی ہے ۔

- عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت  
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت  
(۶۹/۵) عشق وہ شعلہ ہے، جب روشن ہو گیا تو جو کچھ معشوق کے علاوہ ہے، سب جل گیا۔
- تجّ "لا" در قتلِ غیرِ حق براند  
در نگر زان پس کہ بعدِ "لا" چہ ماند  
(۶۹/۵) اس نے لا کی تلوار اللہ کے سوا پر چلا دی، غور کرو کہ "لا" کے بعد کیا رہ گیا؟
- ماند اِلّا اللہ باقی جملہ رفت  
شاد باش اے عشقِ شرکتِ سوزِ زفت  
(۶۹/۵) "اِلّا اللہ" رہ گیا، باقی سب فنا ہو گیا، اے عشقِ شرکت کو جلانے والے زبردست! تو خوش رہ۔
- تو بیکِ خواری گریزانی ز عشق  
تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق  
(۱۲۲/۵) تو ایک ذلت کی وجہ سے عشق سے بھاگ جانے والا ہے، تو عشق کے نام کے سوا کیا جانتا ہے۔
- عشق را صد ناز و استکبار هست  
عشق با صد نازی آید بدست  
(۱۲۲/۵) عشق کے سینکڑوں ناز اور بڑائیاں ہوتی ہیں، عشق سینکڑوں نازوں سے ہاتھ آتا ہے۔
- عشق چوں وانی ست وانی میزد  
در حریفِ بیوفا می نگرد  
(۱۲۲/۵) عشق چونکہ وفادار ہے، وفادار کا خریدار ہے، بے وفامدّ مقابل کی طرف نظر نہیں کرتا۔

### عاشقان را بخد مدرس حسن دوست (عاشقوں کا استاد حسن دوست ہے)

مولانا فرماتے ہیں کہ عاشق کے لئے محبوب کا حسن ہی سب کام کرتا ہے، کبھی وہ پیغامِ رسانی کے لئے مائل ہوتا ہے تو کبھی وہ ہوا کو قاصد بناتا ہے اور کبھی کسی شخص کو یہ منصب سونپتا ہے مگر ہر طرف اس کو مشکلیں پیش آتی ہیں۔ کبھی وہ عشق کو بلائے بے درماں اور کبھی اس کو مدارِ زندگی سمجھتا ہے۔ کبھی وہ فنا کے مقام تک پہنچ جاتا ہے اور اپنے وجود کو بھلا دیتا ہے۔ کبھی وہ وحشت میں تنہا بیٹھ کر گریہ و زاری کرتا ہے اور بے سروسامانی اس کے لئے راحت بن جاتی ہے۔ جب کوئی عشقِ حقیقی کی راہ پر آنے لگے تو حسنِ دوست ہی عاشق کا استاد بن جاتا ہے اور اسی سے اسے رہنمائی ملتی ہے۔

- عاشقان را بخد مدرس حسن دوست  
دفتر و درس و سبقِ شاں رُوئے اوست  
(۳۶۷/۳) محبوب کا حسن ہی عاشقوں کا مدرس بن گیا ہے، ان کی کتاب، درس اور سبق اس کا چہرہ ہوتا ہے۔
- درسِ شاں آشوب و چرخ و زلزلہ  
نے زیاراتِ ست و باب و سلسلہ  
(۳۶۷/۳) ان کا سبق، شور، رقص اور جوش ہے، نہ کہ زیارات، باب اور سلسلہ۔
- عشق را با پنج و شش را کار نیست  
مقصد او بجز کہ جذبِ یار نیست  
(۱۵/۶) عشق کو اعداد سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، اس کا مقصد تو یار کے ساتھ جذب کے سوا اور کچھ نہیں۔



## عشقِ آں زندہ گزیر کو باقی است

(عشق کو ایسی چیز پر لگاؤ جو سراپا حیات ہو)

عارف روئی فرماتے ہیں کہ روزمرہ کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے لوگ بہت محنت، مزدوری اور مشقت کے کام کرتے ہیں۔ ایک مزدور بوجھ اس لئے اٹھاتا ہے کہ جب وہ مزدوری کی رقم گھر لے کر جائے گا تو وہ ایک محبوبہ کا دل خوش کرے گا۔ ایک لوہار اپنے کپڑے اور چہرہ سیاہ کر رہا ہے تو وہ بھی اس لئے کہ گھر کی حور کے لئے سامانِ حیات مہیا کرے۔ ایک دکاندار صبح سے شام تک گھٹنا ٹیک کر دکان پر بیٹھتا ہے تاکہ اپنے گھر کے محبوبوں کے لئے ضرورت اور زیبائش کے سامان مہیا کر سکے۔ یہ سب کوششیں مادی ہیں اور یہ انسان کی پستی کے عالم سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن عشق کے باعث یہ سب کوششیں بلند ہو کر روحانی عالم کا جزو بن جاتی ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ محبت سے کام کیے جائیں تو یہ عالم روحانی کا جزو بن جاتے ہیں کیونکہ محبت کوئی مادی چیز نہیں۔ اسلام نے ان کاموں کو اور اپنی عورتوں اور اولاد کی ضروریات کو مہیا کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ حدیث پاک ہے:

اَلْكَاسِبُ حَبِيبُ اللّٰهِ (کسب کرنے والا اللہ کا دوست ہے)

گھر میں اگر اچھی رفیقہ حیات ہو تو زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے اور جھوپڑی بھی محلاتِ شاہی سے افضل ہو جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

تلخ از شیریں لبانِ خوش می شود      خار از گلزارِ دلکش می شود

شیریں لب والوں سے کڑوا میٹھا ہو جاتا ہے اور چمن کی وجہ سے کانٹا دلکش ہو جاتا ہے۔ (۶۲/۳)

اے بسا از نازنیناں خار کش بر امید گلخزار ماہ و ش  
بہت سے نازوں کے پالے کانٹے چننے والے ہیں، گلاب جیسے رخسار، چاند جیسے چہرے والے (معشوق) کی امید پر۔  
(۶۲/۳)

اے بسا حمال گشتہ پشت ریش از برائے دلبر مہ روئے خویش  
بہت سے بوجھ اٹھانے والوں کی کمر زنجی ہے، اپنے چاند جیسے مکھڑے والے معشوق کے لئے۔  
(۶۲/۳)  
کردہ آہن گر جمال خود سیاہ تاکہ شب آید بہوسد روئے ماہ  
لوہار نے اپنا حسن کالا کیا ہے تاکہ رات آئے تو چاند جیسے منہ والی کا بوسہ لے۔  
(۶۲/۳)

خواجہ تا شب بر دکانے چار میخ زانکہ سروے در دلش کردست بنخ  
خواجہ رات تک دکان میں قیدی بنا رہتا ہے اس لئے کہ ایک سرو قد نے اس کے دل میں جڑ کر لی ہے۔  
(۶۲/۳)  
آں دروگر روئے آوردہ بچوب بر امیدے خدمت مہ روئے خوب  
وہ بوھٹی لکڑی کی طرف متوجہ ہے، خوبصورت ماہ رو کی خدمت کی امید پر۔  
(۶۲/۳)

مولانا فرماتے ہیں کہ مال و اسباب تمام مردہ اور جماد ہیں لیکن ان کے حصول کی کوشش کسی زندہ ہستی کے لئے ہے، اگر انسان کا مقصد یہی ہو کہ تمام کام فرمان الہی کے ماتحت ہوں تو یہ کام عبادت بن جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دنیاوی کوششوں کو ایسی ہستی کے ساتھ کیوں نہیں لگاتے جو سراپا حیات اور حیات بخش ہیں۔ دنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ اصل محبت جسم فانی کی محبت نہیں۔ اپنی محبت کو حیات ابدی سے وابستہ کریں جو پائیدار محبتوں کے لیے جامع ہے۔ آپ کی مراد یہ ہے کہ گھر بار کے لئے کام کرنا بھی عبادت ہے مگر اس عبادت کی بہتر شکل اس میں ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی عبادت کے رنگ میں ہو تاکہ دنیاوی کام بھی عبادت کا درجہ حاصل کر لیں۔

ہر کرا با مردہ سودائے بود بر امید زندہ سیمائے بود  
جو کسی بے جان کا عاشق ہوتا ہے وہ زندہ چہرے والے کی امید پر ہوتا ہے۔  
(۶۲/۳)  
بر امید زندہ لکن اجتہاد کو نگرود بعد روزے دو جماد  
زندہ کی امید پر کوشش کر جو دو روز کے بعد جماد نہ بنے۔  
(۶۲/۳)

عشق آں زندہ گزیرں سکو باقی است وز شراب جاں فزایت ساقی است  
اس زندہ کا عشق اختیار کر جو سدا رہنے والا ہے اور جان فزا شراب سے تجھے سیراب کرنے والا ہے۔  
(۵۴/۱)  
انسان کی انسان سے محبت اگرچہ لازوال ہے مگر یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر یہ محبت ظاہری ہو تو اس میں زوال آ ہی جاتا ہے، مثلاً ماں باپ سے محبت، جب اولاد بڑی ہو جائے تو اکثر اوقات کم ہو جاتی ہے۔ بچہ اسکول میں جانے سے گھبراتا ہے لیکن جب بڑا ہوتا ہے تو بچے کو زبردستی اسکول لے جانے والی بات اچھی نہیں لگتی۔ مولانا



فرماتے ہیں کہ ۔

انس تو با شیر و با پستان نمائد      نفرت تو از دیہستان نمائد  
(۶۳/۳) دودھ اور پستان کے ساتھ تیری محبت نہ رہی، مکتب سے تیری نفرت نہ رہی۔

فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز اپنا حسن ذاتی نہیں رکھتی اور جہاں بھی کوئی حسن ہے وہ حسن ازلی کا پر تو ہے،  
حسن ازلی وہ ہے جس پر آفتاب ازلی کی شعاعیں پڑ رہی ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ۔

آں شعاعے بود بر دیوارِ شاں      جانب خورشید وارفت آں نشان  
(۶۳/۳) ان کی دیوار پر وہ ایک کرن تھی، وہ نشانی سورج کی جانب لوٹ گئی۔

عشق تو بر ہرچہ آں موجود بود      آں زوصفِ حق چو زر اندود بود  
(۶۳/۳) جس موجود پر تیرا عشق تھا وہ اللہ تعالیٰ کی صفت سے ملع شدہ تھی۔

چوں زرے باصل رفت و مس بماند      وز زریٰ خویشین مفلس بماند  
(۶۳/۳) جو سونا اصل کی طرف چلا گیا، تانبا رہ گیا اور وہ اپنے سونے پن سے خالی رہ گیا۔

### اصل عشق خدا کا ہی عشق ہے

فانی چیز کا عشق بھی فانی ہے لیکن معشوقِ حقیقی تو حی و قیوم اور دائم ہے، اس کا عشق ابدی ہے۔ عشق تو ایک بلند پایہ چیز ہے۔ فانی چیز کا عشق ناپائیدار ہوتا ہے کیونکہ فانی چیز فنا ہو کر واپس نہیں آ سکتی۔ جب ایک چیز کا وصل اس کے فنا ہونے کے بعد عقلاً و عادۃً محال ہے تو اس کا عشق بھی فضول ہے۔ غنچہ گلِ نو حلقہ کی بہار جو بلبل کے شیدا ہونے کی شیفنگی کے باعث چند روزہ ہے لیکن زندہ عشق اس کے معاملے میں تازہ رہتا ہے ۔

عشق زندہ در روان و در بصر      ہر دے باشد زغنجہ تازہ تر  
(۵۴/۱) زندہ (معشوق یعنی حی و قیوم) کا عشق ہے (بہی) ہر دم جان و بینائی میں غنچہ سے بڑھ کر تازہ رہتا ہے۔

عشق آں زندہ گزیر کو باقی ست      وز شرابِ جانفزایت ساقی ست  
(اے طالب) اس زندہ (معشوق حقیقی) کا عشق اختیار کر جو سدا سلامت ہے اور جو (محبت کی) جان فزا شراب تجھ کو پلانے والا ہے۔

اس ذات پاک کا عشق اختیار کرو، جس کے عشق سے تمام انبیاء معزز و ممتاز ہوئے۔ عشق مجازی میں دل و دماغ کی ابتری اور کاوش جاں مضمر ہے مگر عشق حقیقی جانفزا اور روح پرور ہے، اس میں بے انتہا روحانی ترقیاں ہیں، بخلاف اس کے مخلوق کا عشق باعثِ ذلت و خواری ہے۔

بے شک بارگاہِ خدا کی شان بلند ہے۔ اس کا عشق انسان کو عالی مرتبہ بنا دیتا ہے اور انسان حقیر کی وہاں باریابی ایک مشکل امر ہے مگر تم مایوس نہ ہو۔ وہ کریم و کار ساز خود اپنے بندوں کو رسائی عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

جو میری طرف بالشت بھر قریب ہوتا ہے، میں اس کی طرف گز بھر قریب ہو جاتا ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف)

عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء یافتند از عشق او کار و کیا  
اس کا عشق اختیار کر کہ تمام نبیوں نے اس کے عشق سے عز و شرف پایا۔ (۵۴/۱)

عاشقان جامِ فرح آنگہ کشند کہ بدست خویش خواہاں شاں کشند  
عاشق خوشی کا جام اس وقت پیتے ہیں جب کہ معشوق اپنے ہاتھ سے ان کو قتل کرتے ہیں۔ (۵۴/۱)

گر خطر در بحر کشتی را شکست صد درستی در شکستِ خطر هست  
اگرچہ خطر نے سمندر میں کشتی توڑ دی (لیکن) خطر کے توڑنے میں سو درستیاں تھیں۔ (۵۵/۱)

وہم مویٰ " باہمہ نور و ہنر شد ازاں محبوب تو بے پر پر  
باوجود تمام نور و ہنر کے مویٰ " کا خیال اس تک نہ پہنچا، تو بھی بے پر کی نہ اڑا۔ (۵۵/۱)

آنکہ جان بخشد اگر بکشد رواست نائب ست و دست او دست خدا ست  
وہ (خداوندِ عالم) جو جان عطا کرتا ہے اگر مار ڈالے تو روا ہے (اور اس کے حکم سے بچے کو مارنے والا خطر) اس کا نائب ہے اور اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ (۵۴/۱)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وفا اور جفا اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ "إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِمْ لَئِيمٌ" (انسان حق تعالیٰ کی صفات کے ساتھ منسوب ہو کر فانی (معدوم) ہے مگر حقیقت میں اُسے (اسی) فنا کے اندر بقائے (دوام حاصل) ہے (پس اس کی بقا تو تمام موجودات کی بقا سے افضل ہے پھر وہ معدوم کیسا؟) (۵۰/۴)

او بہ نسبت با صفات حق فناست در حقیقت در فنا اورا بقاست  
انسان حق تعالیٰ کی صفات کے ساتھ منسوب ہو کر فانی (معدوم) ہے مگر حقیقت میں اُسے (اسی) فنا کے اندر بقائے (دوام حاصل) ہے (پس اس کی بقا تو تمام موجودات کی بقا سے افضل ہے پھر وہ معدوم کیسا؟) (۵۰/۴)

جملہ ارواح در تدبیرِ اوست جملہ اشباح ہم در تیرِ اوست  
تمام ارواح اس (فانی فی اللہ و باقی بہ بقاء اللہ) کی تدبیر (و تصرف) میں ہیں (کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا مرآۃ و مظہر ہے اور) تمام اجسام اس کے زیر اثر ہیں (کیونکہ وہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے) (۵۰/۴)

گرچہ از لذات بے تاثیر شد لذتے بود او و لذت گیر شد  
اگرچہ وہ (مختار با اختیار اللہ) لذات (دنویہ) سے خالی ہو گیا مگر یہ ترک لذت بھی ایک لذت تھی اور اس سے وہ لذت گیر ہوا۔ (۵۰/۴)



## حضرت داؤد علیہ السلام کا لوگوں کو عشقِ الہی کی رقت سے مارنا

حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کا ارادہ کیا مگر جب اس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو وہ منہدم ہو گیا، اسی طرح کئی بار اس کو تعمیر کیا مگر وہ ہر بار منہدم ہو جاتا تو خداوند تعالیٰ کی جناب میں اس کی شکایت کی۔ وحی آئی کہ ”اس مکان کی تعمیر اس شخص کے ہاتھ سے تکمیل پا کر قائم نہیں رہ سکتی جس نے خون ریزیاں کی ہوں۔“ (یعنی جب حضرت داؤد علیہ السلام وعظ فرماتے تو بہت سے لوگ رقت کے باعث فوت ہو جاتے۔ اس کی طرف اشارہ ہے) عرض کیا کہ ”الہی! کیا یہ خون ریزیاں تیری راہ میں نہیں ہوئیں۔“ فرمایا ”ہاں! میری راہ میں ہوئیں۔“ یعنی وہ جرم نہ تھیں بلکہ موجب ثواب تھیں۔ اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ اور قصاص میں خون ریزی اگرچہ ادائے فرض ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان پر شفقت اور نشاطِ انسانیہ کی حفاظت اہم ہے اور ہدمِ نشاطِ انسانیہ تعمیرِ بیت اللہ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ مولانا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے ہلاک مخلوق غیر انسانِ انہدامِ بیت کا باعث تھی، یہ قصص کے بیان سے منافی نہیں جس میں نشاطِ انسانیہ کو اس کے ہدم کا باعث ٹھہرایا ہے۔ شاید دونوں سبب موثر ہوں لیکن یہ ہدمِ انسانیہ اتوئی ہے کیونکہ انسان بھی بیت اللہ ہے۔ (اتنی کلام بحر العلوم) اس سے مراد یہ ہے کہ زیرِ بحث قتل اگرچہ غلط نہ تھے مگر اللہ تعالیٰ کی شفقت نے ان کو پسند نہ فرمایا۔ ایک جگہ فرمایا کہ اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ لوگوں کو عذاب دینا پسند نہیں فرماتا۔

گفت مغلوب تو بودم مست تو دستِ من برستہ بود از دست تو  
عرض کیا (الہی) میں (اس وقت تیرے عشق سے) تیرا مغلوب (اور) تیرا مست ہوتا تھا، میرے ہاتھ تیرے دستِ قدرت سے بندھے ہوئے تھے، اس لیے مجھ سے یہ ناحق خون ہو جاتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب حق تعالیٰ کی محبت میں زبور پڑھتے تو انسان اور دیگر جاندار شدتِ اثر سے مر جاتے، حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھی اتنا روتے کہ زبور پڑھتے پڑھتے زمین پر گر جاتے اور گھنٹوں بے ہوش رہتے۔ جب ہوش میں آتے تو لوگوں کا نام لے لے کر پوچھتے کہ فلاں فلاں زندہ ہیں یا مر گئے۔ (۴۹/۴)

## چوں بعشقِ آیم نخلِ باشم ازاں

(عشق کے بیاں سے میں شرمندہ ہو جاتا ہوں)

مولانا فرماتے ہیں کہ عشق کا پیدا ہونا زاریِ دل سے ہوتا ہے اور یہ عشق کی بیماری ایسی ہے کہ ایسی بیماری اور کوئی نہیں۔ عشق ایک ایسی مشین ہے جس سے خدا کے بھید معلوم ہوتے ہیں، (اصطراب) عاشقی خواہ مجازی ہو یا حقیقی، دونوں ہی خدا تک پہنچا دیتی ہیں۔ عشق ایک ایسی بیماری ہے کہ یہاں زبان اور قلم بے بس ہو جاتے ہیں یعنی اس کے احوال بغیر کسی کی وساطت کے خود بخود کھل جاتے ہیں۔

عاشقی پیدا است از زاری دل نیست بیماری چو بیماری دل  
دل کی زاری سے عاشقی پیدا ہوتی ہے، دل کی بیماری کے برابر (کوئی) بیماری نہیں۔ (۴۳/۱)

علت عاشق زعلتہا جداست عشق اضطراب اسرار خداست  
عاشق کا مرض (سارے) امراض سے نرالا ہے، عشق خدا کے عہدوں کا اضطراب یعنی آلہ ہے۔ (۴۳/۱)  
عشق وہ آلہ ہے جس سے اسرار معرفت معلوم ہوتے ہیں، اس لئے اضطراب کہلاتا ہے۔ (یہ ایک آلے کا نام ہے جس سے سورج کی بلندی اور ستاروں کی گردش وغیرہ کا حال دریافت کیا جاتا ہے)۔

عاشقی گر زیں سر و گر زان سر است عاقبت مارا بدار شد رہبر ست  
عاشقی خواہ ادھر کی (مجازی) ہے یا ادھر کی (حقیقی) ہے، انجام کار ہم کو اس شاہ محبوب کی طرف لے جاتی ہے (یعنی اللہ کی طرف لے جاتی ہے)۔ (۴۳/۱)

ہرچہ گویم عشق را شرح و بیاں چوں بعشق آیم نخل باشم ازاں  
عشق کی تفصیل و بیاں (خواہ) کتنی ہی کروں جب عشق میں آتا ہوں تو اس (بیاں) سے شرمندہ ہوتا ہوں۔ (۴۳/۱)  
گرچہ تفسیر زباں رو شکرست لیک عشق بے زباں روشن ترست  
اگرچہ زبان کی تشریح (مطلب پر) روشنی ڈالنے والی ہے لیکن عشق تو زبان کے بغیر (خود ہی) خوب روشن ہے۔ یعنی عشق میں زبان کھولنے کی ضرورت نہیں، اس کے سب حالات منکشف ہو جاتے ہیں۔ (۴۳/۱)

چوں قلم اندر نوشتن می شتافت چوں بعشق آمد قلم بر خود شکافت  
جب قلم (مختلف مضامین کے) لکھنے میں تیزی سے مصروف تھا تو جو نبی عشق پر آیا (وہ) قلم خود بخود شق ہو گیا۔ (۴۳/۱)  
عاشق کے کردار اور گفتار سے عشق کی مہک آتی ہے

اگر عاشق کفر کی بات کہے گا تو اس میں بھی دین کی بو آئے گی۔ اس کے شک کی بات بھی ایسی ہوگی کہ اس میں یقین کی مہک نظر آئے گی، اگر عاشق سچا اور مخلص ہے تو مجازی عشق بھی اسے سچ کی طرف لے جاتا ہے۔  
باغ سبز عشق کو بے منتہاست جز غم و شادی در و بس میوہاست  
عشق کا بھرا بھرا باغ جس کی انتہا نہیں، اس میں غم و شادی سے جداگانہ بے شمار میوے ہیں۔ (۲۰۰/۱)

عاشق تصویر وہم خویشتن کے بود از عاشقان ذوالمن  
اپنی وہمی تصویر کا عاشق (خداوند) ذوالمن کے عاشقوں میں سے کب ہو سکتا ہے؟ (۲۹۱/۱)

عاشق آں وہم گر صادق بود آں مجازش تا حقیقت مے کشد  
(تاہم) اگر اس وہم کا عاشق بھی باخلاص ہو تو (وہ مجاز) اس کو حقیقت (ذات عشق) کی طرف لے جاسکتا ہے۔ (۲۹۱/۱)



ہر چہ گوید مرد عاشق بوئے عشق از دہانش مے جہد در کوئے عشق  
(لیکن) عاشق جو کچھ کہتا ہے اس کے منہ سے عشق کے نکات کی ہی خوشبو عشق کے کوچے میں مہک اُٹھتی ہے۔ (۳۰۳/۱)  
مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ہم عاشق لوگ ہیں اور عاشق لوگ کوئی ناول نویس یا افسانہ نگار تو ہوتے نہیں کہ  
لوگوں کا دل بہلانے کے لئے دنیا جہاں کی کہانیاں لکھنے بیٹھیں بلکہ وہ جو کچھ سوچتے ہیں اور لکھتے ہیں اس سے  
عشقِ الہی کی خوشبو مہکتی ہے۔

ور بگوید کفر آید بوئے دین آید از گفتِ شکش بوئے یقین  
اگر وہ کفر کی بات بھی کہے تو اس سے دین کی خوشبو آئے گی، اس کے شک (یعنی کشف و الہام) سے بھی یقین کی  
مہک اُٹھے گی۔ (۳۰۳/۱)

آں کفش را صافی و محقوق داں ہچو دشام لبِ معشوق داں  
وہ کلام جو عوام کی سمجھ میں نہیں آ رہا اس کو صاف دریا کی جھاگ کی طرح صاف ستھرا سمجھ، گویا یہ معشوق کے منہ کی  
گالی ہے۔ (۳۰۳/۱)

ملتِ عشق از ہمہ ملت جداست

(عشق کی ملت تو ہر ملت سے جدا ہوتی ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک گڈریے کا قصہ بہت مشہور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عشق میں اس قدر  
سرگرداں تھا کہ ایک روز وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں خود کو حاضر سمجھ کر کچھ عجیب انداز سے گویا تھا اور کہہ رہا تھا ”اے  
اللہ! اگر تو میرے سامنے آئے تو میں تمہاری ٹانگیں دباؤں، تمہارے پیروں کی میل صاف کروں، تمہارے سر سے  
جوئیں نکالوں وغیرہ۔ ادھر سے جب موسیٰ علیہ السلام گڈرے تو وہ اس گڈریے سے سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ ”او  
بے وقوف! اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں سے منسوب کر رہے ہو جو اس کے شایانِ شان نہیں۔ ایسی باتیں کرنے سے تو تم  
خدا کی بارگاہ میں سخت گستاخی کے جرم میں گرفتار ہو گئے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر گڈریا بہت پریشان ہوا  
کہ وہ خدا کی بارگاہ میں سخت گستاخی کا مرتکب ہو چکا ہے، چنانچہ وہ آہ و زاری کرنے لگا اور معافی کا خواستگار ہوا۔

جونہی موسیٰ علیہ السلام چند قدم آگے بڑھے تو فوراً ان پر وحی الہی کا نزول ہوا اور کہا گیا کہ ”اے موسیٰ! وہ شخص  
میری محبت میں گفتگو کر رہا تھا مگر تم نے اسے میرے ساتھ گفتگو کرنے سے منع کر دیا اور اسے مجھ سے جدا کر دیا ہے  
جب کہ تمہیں تو میں نے لوگوں کو اپنے سے ملانے کے لئے بھیجا تھا۔ اس کی یہ محبت اس کی عقل کے مطابق درست  
تھی جو تیری نظر میں معیوب تھی۔“ فرمایا کہ ”اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ کے لئے جو تعریف تو بیان کرتا ہے عین ممکن ہے  
وہ میری شان کے لائق نہ ہو بلکہ میری شان کے لائق تو الفاظ ادا ہو ہی نہیں سکتے۔ جاؤ اور اس شخص کو مجھ سے دوبارہ

ملا دو۔“ مولانا روٹی نے یہ واقعہ یوں لکھا ہے ۔

وہی آمد سوئے موسیٰ از خدا بندہ مارا چرا کردی جدا  
(۱۷۳/۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ میرے بندے کو مجھ سے جدا کیوں کر دیا۔

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی  
(۱۷۳/۲) تم تو لوگوں کو مجھ سے ملانے کے لئے آئے ہو، ان کو مجھ سے جدا کرنے نہیں آئے ہو۔

ہر کسے را سیرتے بنہادہ ایم ہر کسے را اصطلاح دادہ ایم  
(۱۷۳/۲) ہر شخص کو ایک خاص سیرت عطا کی گئی ہے اور ہر ایک کو جداگانہ اصطلاح دی گئی ہے۔

در حق او مدح و در حق تو ذم در حق او شہد و در حق تو سم  
اس کے حق میں تو یہ مدحت تھی اور تیرے مطابق یہ برائی تھی، اس کے لئے تو یہ (گفتگو) شہد تھی اور تیرے لئے یہ  
(۱۷۳/۲) زہر تھی۔

ما بروں را نگریم و قال ما دروں را بنگریم و حال را  
(۱۷۳/۲) ہم ظاہر کو نہیں دیکھتے اور نہ قال کو، ہم تو اندر کی بات کو دیکھتے ہیں اور حال کو۔

موسیا آداب دانان دیگر اند سوختہ جاں ورد آناں دیگر اند  
اے موسیٰ! دانا لوگوں کے آداب اور ہوتے ہیں، دل جلوں اور سوختہ روح کے آداب دوسری طرح کے ہیں۔ (۱۷۴/۲)  
اللہ تعالیٰ کی شان میں خواہ کوئی کتنی ہی تعریف کرے وہ بھی کم ہے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے اوصاف اور حقیقت کو قطعاً اس کی شان کے مطابق بیان نہیں کر سکتا۔ جو بات حکماء اور اہل نظر کہتے ہیں وہ بھی ایسے ہی ہے جیسے  
چرواہے نے خدا کے متعلق بیان کیا۔ بہترین الفاظ ملت عشق کے ہیں جو تمام ملتوں اور مذہبوں سے جدا ہیں۔  
عاشقوں کا مذہب اور ملت صرف عشق ہے، رسم قبلہ تو کعبہ سے باہر والوں کے لئے ہے اور جب کوئی کعبہ کے اندر  
چلا جائے تو رسم قبلہ ختم ہو جاتی ہے، جدھر چاہو منہ کر لو۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اگرچہ خون پلید شے ہے اور اس کے مقابلے میں پانی شرعی اعتبار سے پاک ہے اور  
پاک کرنے والا ہے مگر پھر بھی شہید کا نجس خون پاکیزہ پانی سے بہتر ہے۔ اسی طرح کئی گناہوں کے کام نیکی کے  
کاموں سے اولیٰ تر ہو جاتے ہیں ۔

خون شہیداں را ز آب اولیٰ ترست ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست  
(۱۷۴/۲) شہیدوں کا خون پانی سے لامحالہ بہتر ہوتا ہے، یہ غلطی سینکڑوں ثواب کے کاموں سے بہتر ہے۔

ملت عشق از ہمہ ملت جدا ست عاشقان را مذہب و ملت خدا ست  
(۱۷۴/۲) عشق کی ملت تو ہر ملت سے جدا ہوتی ہے، عاشقوں کا مذہب اور ملت تو خدا ہے۔



ہاں و ہاں گر حمد گوئی و سپاس  
خبردار، خبردار! تو جو شکر گزاری اور تعریف کرے اس نالائق گذریے کی سی سمجھ۔  
(۱۷۷/۲)

حمد تو نسبت بہ تو گر بہتر است  
لیک آں نسبت بحق ہم اترست  
(۱۷۷/۲)

دَر دُرونِ کعبہ رسمِ قبلہ نیست  
چہ غم از غواص را پا چپلہ نیست  
کعبہ کے اندر قبلہ کی کوئی جہت نہیں (جدھر چاہو نماز پڑھو)، غوطہ خور کے پاس اگر نعلین نہیں ہیں تو کیا غم ہے۔  
(۱۷۷/۲)

ہچو کورہ عشق را سوزیدنے ست  
ہر کہ اُو زیں کور باشد کودنے ست  
(۱۳۹/۲)

بھئی کی طرح عشق کا کام تو جلا دینا ہے، جو شخص اس سے بے بہرہ ہے، وہ نااہل ہے۔  
برگِ بے برگِ خُرا چوں برگِ خُدا  
جانِ باقی یافتی و مرگِ شد  
(۱۳۹/۲)

جب بے سروسامانی تیرا سامان بن گئی تو تجھے ہمیشہ قائم رہنے والی زندگی مل گئی اور موت جاتی رہی۔  
لعل را گر مُہر نبود باک نیست  
عاشق از دریائے غم غمناک نیست  
(۱۷۵/۲)

لعل پر اگر ٹھپہ نہیں، پرواہ نہیں ہے، عاشق غم کے دریا سے غمگیں نہیں ہوتا۔  
نض عشق بے ادب بر می جہد  
خویش را در کفہ شہ می نہند  
(۳۵۲/۳)

عاشق کی نض بلا لحاظ ادب تڑپتی ہے، اپنے آپ کو شاہ کے پلڑے میں رکھتی ہے۔  
ایں قیاس ناقصاں برکارِ رب  
جوشِ عشق ست نز ترکِ ادب  
(۳۵۲/۳)

اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ناقصوں کا یہ قیاس ادب کو ترک کرنے کی وجہ سے نہیں ہے، عشق کا جوش ہے۔  
عشق چوں دعویٰ بخفا دیدن گواہ  
چوں گواہت نیست خُدا دعویٰ تباہ  
(۳۸۲/۳)

عشق دعویٰ ہے اور تکلیف برداشت کرنا گواہ ہے جب تیرے پاس گواہ نہیں ہے تو دعویٰ برباد ہے۔  
عاشق آنم کہ ہر آں آن اوست  
عقل و جاں جاندارِ یک مرجانِ اوست  
(۳۹۳/۳)

میں اس کا عاشق ہوں کہ ہر ملکیت جس کی ملکیت ہے، عقل اور جان اس کے لب سے جاندار ہیں۔  
لیک میلِ عاشقاں لاغر کند  
میلِ معشوقاں خوش و بافر کند  
(۴۲۲/۳)

لیکن عاشقوں کا عشق ان کو لاغر کرتا ہے، معشوقوں کا عشق ان کو حسین اور باشکوت بنا دیتا ہے۔

## گر نبودے عشق ہستی کہ بدے

(اگر عشق نہ ہوتا تو دنیا کا وجود کب ہوتا)

مولانا فرماتے ہیں کہ عشق نہ ہوتا تو کوئی وجود نہ ہوتا، کیونکہ یہ سب عشق کے جذبے سے ہی پیدا کیا گیا ہے۔  
 انسان کھانا کھاتا ہے تو وہ کھانا بھی جسم بن جاتا ہے۔ روٹی عشق اور خواہش سے ہی بنتی ہے، ورنہ روٹی کا راستہ جان  
 تک کب ہوتا۔ عشق مردہ جان میں جان ڈال دیتا ہے اور جو جان فانی تھی اس کو حیاتِ جاوداں عطا کرتا ہے۔  
 وہ اہل عقل جس کا دل روشن ہے، سمجھتا ہے کہ مجھ میں اور لیلیٰ میں فرق نہیں ہے۔ میں کون ہوں؟ لیلیٰ! اور لیلیٰ  
 تو کون ہے؟ میں! ہم دو روئیں ہیں جو ایک قالب میں آگئی ہیں۔

گر نبودے عشق ہستی کہ بدے  
 کہ زدے ناں بر تو و تو کہ شدے  
 اگر عشق نہ ہوتا تو وجود کب ہوتا، روٹی تجھے کب ملتی اور تو کب ہوتا۔ (۲۰۵/۵)  
 مطلب یہ کہ تم عشق کا سُراغ نہ پانے سے یہ نہ سمجھ لینا کہ عشق سرے سے ہے ہی نہیں کیونکہ اگر عشق نہ ہوتا تو  
 آفرینش کہاں ہوتی اور روٹی تم کو کیونکر حاصل ہوتی اور کب تمہارا عین بنتی۔

نان تو شد از چہ؟ ز عشق و اشتہ  
 ورنہ ناں را کے بدے تا جاں رہے  
 روٹی تم سے مل کر تمہارا جزو بدن بن گئی، کس سبب سے؟ عشق اور خواہش سے، ورنہ روٹی کو جان میں راستہ ملنا کب  
 ممکن تھا۔ (۲۰۵/۵)



داند آں عقلے کہ او دل روشنی ست  
اس اہل عقل کو جو روشن دل ہے، خوب معلوم ہے کہ مجھ میں اور لیلیٰ میں فرق نہیں۔ (۲۰۵/۵)  
من کیم؟ لیلیٰ! و لیلیٰ کیست من  
ما دو رویم آمدہ در یک بدن  
میں کون ہوں؟ لیلیٰ ہوں اور لیلیٰ کون ہے؟ میں ہوں، ہم دو روح ہیں جو ایک بدن میں ہیں۔ (۲۰۵/۵)

لحم عاشق را بنار و خورد دو

(عاشق کا گوشت درندے نہیں کھاتے)

مولانا فرماتے ہیں کہ کوئی درندہ عاشق کے گوشت کو کھا نہیں سکتا۔ عشق کا معاملہ ایسا ہے کہ نیک و بد عاشق کو پہچانتے ہیں، بھیڑیے اور شیر وغیرہ سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ عاشق دنیا داروں کی سی جبر و تعدی کی خصلت سے پاک ہو چکا ہے اور وہ عشق الہی سے پُر ہے۔ ایسے عاشقوں کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، حتیٰ کہ تیر تفنگ اس کو نقصان نہیں دیتے۔ ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ عاشقوں کا گوشت اور چربی درندوں کے لیے زہر کا سا اثر رکھتے ہیں۔ ایک چشم دید واقعہ نور پور کا گنگڑے میں ایک شخص سے سنا ہے کہ نور پور میں بہت زیادہ بندر تھے۔ ایک شخص نے کڑا ہی میں بہت سا دودھ ڈالا اور اس میں زہر ملا دیا تاکہ بندر اس کو پی کر مر جائیں۔ کچھ دیر بعد بہت سے بندر آگئے اور دودھ پینے کے لئے آگے ہوئے ہی تھے کہ ایک بڑا بندر آیا اور اس نے باقی تمام بندروں کو اپنے ہاتھوں سے پیچھے ہٹا دیا، جس کا مطلب تھا کہ ٹھہر جاؤ! اس کے بعد اس بندر نے دودھ کو سونگھ کر اعلان کیا کہ اس میں زہر ہے، ابھی اسے نہ پیو۔ وہ بندر جا کر ایک جڑی بوٹی کی لکڑی لایا اور اس لکڑی سے دودھ کو ہلایا جس نے زہر کو جذب کر لیا اس کے بعد وہ سب دودھ پینے لگے اور کوئی بندر نہ مرا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کو زہر کی علامات کا علم ہوتا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ عاشق کا بدن اُن کے لیے زہر ہے۔

اس کے علاوہ ہم تو یہ بھی کہیں گے کہ زمین اور کیڑے مکوڑوں کو بھی اس بات کا علم ہوتا ہے کہ بندہ مومن اگر مر جائے اور زمین میں دفن کر دیا جائے تو اس کی نعش کو نہ زمین کھاتی ہے اور نہ کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں اور نہ ہی اُسے سانپ ڈستے ہیں۔ سائنسدانوں نے تجزیہ کیا ہے کہ یہ بات سچ ہے (اور راقم الحروف بھی جسم کو سونگھ کر بتا سکتا ہے کہ کس انسان کے جسم میں ایسا مادہ موجود ہے جس کی وجہ سے اسے کوئی جانور کھا نہیں سکتا۔) یہ ویوں کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ ایسی روایات مطالعہ میں آئی ہیں کہ کسی نیک آدمی پر شیر نے حملہ کیا اور اس نے شیر سے کہا ”خبردار! میں رسول اللہ ﷺ کا عاشق ہوں تو شیر نے اسے کچھ نہیں کہا۔ پہاڑی لوگ جہاں شیر عام ہوتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ اگر شیر کو کچھ نہ کہو تو وہ بھی کچھ نہیں کہتا (سوائے MAN EATER کے) اور اگر کوئی شیر کو گالی دے تو وہ گالی دینے والے پر فوراً جھپٹتا ہے۔ جانور اچھی بُری بات میں تمیز کرتے ہیں۔

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ ہر وہ جزو جس میں عشق نہ ہو وہ عشق کی خوراک بن جاتی ہے۔ دونوں جہاں عشق کے آگے ایک دانے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس میں عشق ہو وہ ہر چیز پر اثر انداز ہوتا ہے تو کوئی اس کو کیسے نقصان پہنچائے۔ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ دانہ مرغ کو کھا جائے یا آخر گھوڑے کو کھا جائے۔

لحم عاشق را نبارد خورد دو عشق معروف ست پیش نیک و بد  
درندہ عاشق کے گوشت کو نہیں کھا سکتا، عشق ہر نیک و بد مخلوق کے آگے ظاہر ہے کہ وہ مقہل ضرر نہیں ہوتا۔ (۲۷۷/۵)  
کایں شدست از خوے حیواں پاک پاک پُر ز عشق و لحم و شمش زہر ناک  
شیر و گرگ جیسے درندوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ (عاشق) جانداروں کی (سی قہر و غضب اور جبر و تعدی) خصلت سے بالکل پاک ہو چکا ہے، وہ عشق سے پُر ہے اور اس کا گوشت اور چربی (درندوں کے لیے) زہر ہے۔ (اس لئے درندے مجنوں پر دانت نہیں چلا سکتے تھے) (۲۷۷/۵)

ہر کہ جز عشق ست شد ماکول عشق دو جہاں یکدانہ پیش نول عشق  
بلکہ ہر جزو جو عشق کے سوا ہے عشق کی خوراک بن جاتی ہے، دونوں جہاں عشق کی چونچ کے آگے ایک دانے کی مثال ہیں۔ (۲۷۷/۵)

دانہ مرغ را ہرگز خورد؟ کاہداں مر اسپ را ہرگز چرد؟  
(سوچو کہ) کیا کوئی دانہ مرغ کو کھا سکتا ہے؟ کیا آخر گھوڑے کو چر سکتا ہے؟ (ہرگز نہیں، پس عشق کو کوئی چیز کیونکر ضرر پہنچا سکتی ہے، جب کہ عشق خود ہی ہر چیز پر اثر انداز ہے۔) (۲۷۷/۵)

عشق چوں وانی ست وانی می خرد

(عشق وفادار ہے اور وفادار کا خریدار ہے)

مولانا فرماتے ہیں کہ عاشق بن جاؤ اور خوبیوں والے خدا کی جستجو کرو۔ خدا سب سے زیادہ جلیل اور جمیل ہے، اس کو جمیل خوبیوں والے ہی تلاش کر سکتے ہیں، جسے عشق کا آب حیات مل جائے تو اُسے اس دنیا کے آب حیات کی کیا ضرورت ہے؟ فرماتے ہیں کہ عقل تو موت سے ڈرتی ہے اور عشق اس پر چیتے کی طرح لپکتا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ مٹی کا معمولی سا ڈھیلہ تو بارش کے پانی سے بہہ جائے لیکن پتھر کو کب پانی میں ڈھل جانے کا کوئی خوف ہے۔ فرماتے ہیں کہ عشق میں وفا شرط اول ہے اور عشق صرف وفا والوں کو ہی طلب کرتا ہے۔ وہ بے وفا کو تو آنکھ بھر کر بھی دیکھتا ہے۔

عاشقے شو شاید خوے بجو صید مرغابی ہی کن جو بھو  
پس تم عاشق بن جاؤ اور اس شاہد (حقیقی تعالیٰ شاہد) کی جستجو کرو جو سب سے زیادہ جمیل ہے اور کسی مرشدِ کامل کو دریائے احدیت کی شادوری میں مثل مرغ آب نہر بہ نہر دستیاب کرتے پھرو۔ (۳۲۶/۵)



آبِ عشقِ تو چو مارا دست داد  
آبِ حیاں شد بہ پیشِ ما کساد  
جب سے تیرے عشق کا آبِ حیات ہمیں حاصل ہوا تو دنیا کا آبِ حیات ہمارے سامنے بیکار ہو گیا۔ (۴۲۲/۵)  
عقل لرزاں از اجل و اں عشق شوخ  
سنگ کے ترسد زباں چوں کلوخ  
عقل موت سے ڈرتی ہے اور عشق بے باک ہے (وہ موت سے نہیں ڈرتا)، پتھر بارش سے مٹی کے ڈھیلے کی طرح  
کب ڈرتا ہے۔ (۴۲۲/۵)

عشق چوں وانی ست وانی میزد  
در حریفِ بے وفا می نگرد  
عشق چونکہ (خود) وفادار ہے اس لئے وفادار کا طالب ہے، بے وفارفت کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھتا۔ (۱۲۲/۵)

بندگی کن تا شوی عاشق لعل

(عبادت کرو تا کہ تم لعل جیسے عاشق بن سکو)

مولانا فرماتے ہیں کہ عاشق بننا چاہتے ہو تو اس کا خاص ذریعہ بندگی ہے اور بندگی کی کثرت سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بندگی کرنا انسان کے اختیار کی بات ہے، یہ نہیں کہ بندگی کرنا ممکن نہ ہو، بلکہ کوئی چاہے تو چپ چاپ وہ دل کو بندگی سے منور کر سکتا ہے، حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ایسے عاشق کے نزدیک مٹی اور سونا برابر ہو جاتا ہے۔ ”کشف المحجوب“ میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ شخص کسی درخت کے نیچے سے گذرا تو اللہ تعالیٰ سے کہنے لگا ”الہی! میں حجامت کروانا چاہتا تھا مگر تین دن سے تو نے مجھے ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔ کیا آپ اپنے دوستوں سے ایسا ہی سلوک کرتے ہو؟“ ایک اور شخص جو درخت سے شہوت کے پتے اُتارنے کے لئے درخت کے اوپر بیٹھا تھا، اس نے یہ بات سنی اور دیکھا کہ اس جگہ جتنے پتھر اور ڈھیلے پڑے ہوئے تھے سب سونا بن گئے۔ ہر طرف سونا ہی سونا دیکھ کر وہ درویش بولا ”الہی! تجھ سے تو بات کرنا بھی مشکل ہے اگر ایسی کوئی بات کر دے تو آپ ایسا جواب دیتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ شخص وہاں سے آگے گذر گیا۔ اس حکایت کا مطلب سمجھانے کے لئے داتا صاحبؒ نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا بزرگ کے سامنے مٹی اور سونا دونوں ہی یکساں تھے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

بندگی کن تا شوی عاشق لعل  
بندگی کسب ست آید در عمل

بندگی کرتے جاؤ تا کہ تم عاشق بن جاؤ، یہ بندگی (اپنے اختیار کی چیز ہے اور) کسب (پر موقوف) ہے اور عمل میں آسکتی ہے (بخلاف اس کے عشق عطیہ حق ہے)۔ (۲۷۷/۳)

پیش او یکساں شدہ بد خاک و زر  
زر چہ باشد کہ نہ بد جاں را خطر

اس کے نزدیک مٹی اور سونا برابر ہو گئے تھے، سونا کیا ہوتا ہے انہیں تو اپنی جان کا بھی خیال نہیں رہتا۔ (۲۷۶/۵)

بیر عشق تست نے موئے سپید  
دھگیر صد ہزاراں ناامید

پیر (سے مراد) تمہارا عشق ہے، نہ کہ سفید بال (عشق) لاکھوں ناامید لوگوں کا دھگیر ہے۔ (۳۳۰/۵)

## شمع چوں در نار شد کلی فنا (شمع جب آگ میں فنا ہو گئی)

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ جب کسی کو فنا حاصل ہو جائے تو رسول ﷺ کی طرح اس کا سایہ بھی اٹھ جائے گا۔ شمع جب سر سے پاؤں تک شعلہ بن گئی تو اس کے گرد سائے کا گزر بھی نہ ہوگا۔ اسی طرح فنا حاصل کرنے کے بعد سالک بھی اپنے لئے شمع کی طرح بے سایہ ہو جائے گا۔ مولانا نے اس کی وضاحت طویل دلائل سے کی ہے، جس کا بیان ممکن نہیں۔

چوں فناش از فقر پیرایہ شود      او محمدؐ وار بے سایہ شود  
جب سالک کی فنا فقر سے آراستہ ہو جائے تو وہ محمد ﷺ کی طرح بغیر سایہ ہو جاتا ہے۔ (۷۷/۵)

شمع چوں گردد زبانه پاؤں سر      سایہ را نبود بگرد او گذر  
شمع جب کہ سر سے پاؤں تک شعلہ بن گئی، اس کے گرد سائے کا گزر نہ ہوگا۔ (۷۷/۵)

گفت از بہر فنایت رختم      گفت من ہم در فنا بگرختم  
(شمع ساز نے شمع سے کہا) میں نے تجھ کو فنا کے لئے بنایا ہے، وہ بولی (اے لو) میں بھی فنا میں کود پڑی، اسی طرح سالک اپنی فنا سے مسرور و شادماں ہے۔ (۷۷/۵)

ایں شعاع باقی آمد مُفْتَرَض      نے شعاعِ فانی عَرْض  
یہ سالک کے لیے فنا فی اللہ کے انوار کی شعاع کے لئے ایک مثال فرض کی گئی ہے، (یہاں) فانی و ناپائیدار شمع کی شعاع (بذات خود مقصود) نہیں۔ (۷۷/۵)

شمع چوں در نار شد گئی فنا      نے اثرِ بنی زرع و نے ضیاء  
شمع جب آگ میں بالکل فنا ہو گئی تو تم نہ تو کوئی نشان شمع کا دیکھو گے اور نہ روشنی کا کیونکہ روشن آگ ہوتی ہے موم بذات خود روشن نہیں، اس طرح فانی فی اللہ باقی باللہ ہو جاتا ہے۔ (۷۷/۵)

عاشقے کز عشق یزداں خورد قوت

(عاشق وہ ہیں جن کی غذا عشقِ مولا ہے)

مولانا فرماتے ہیں کہ عاشق وہ لوگ ہیں جو عشقِ مولا کی غذا کھاتے ہیں۔ وہ لوگ نہ تو جنت کے لئے اور نہ ہی جہنم سے بچنے کے لئے عبادت کرتے ہیں بلکہ صرف اللہ کو ہی چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے خوراک بھی ملتی ہے اور اللہ کی رضا بھی۔ اگر کوئی عبادت کے عوض جنت چاہے تو گویا یہ بات ایسے ہی ہوئی کہ کوئی جبرائیل امین ہو اور چور بھی ہو۔ اس جہاں میں مجازی عشق والے بھی اپنے محبوب کے علاوہ کوئی چیز نہیں چاہتے۔ مجنوں اپنی لیلیٰ کے بدلے میں پورے جہاں کی بادشاہی ایک پتے کے برابر بھی نہ سمجھتا تھا۔



مومن باشم سلامت جوئے من زانکہ ایں ہر دو بود حظِ بدن

میں سلامتی کا طالب ہوں، میں مومن ہوں گا کیونکہ یہ دونوں چیزیں بدن کا حصہ ہیں۔

ہشت جنت گر در آرم در نظر در کنم خدمت من از خوفِ سقر

اگر میں آٹھ بہشتوں کو نظر میں لاؤں اور پھر میں دوزخ کے خوف سے عبادت کروں تو میں (عاشق نہیں بلکہ) ایک مومن طالبِ نجات ہوں گا کیونکہ یہ دونوں جسم کا حصہ ہیں اور عاشق جسم و جاں کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔ (۲۷۶/۵)

عاشقے کز عشقِ یزداں خورد قوت صد بدن پیشش نیرزد ترہ توت

جس عاشق نے حق تعالیٰ کے عشق میں غذا کھائی ہے اس کے آگے سو بدن بھی شہوت کے پتے کے برابر (وقت نہیں رکھتے) شاید کوئی پست نظر یہ کہے کہ اگر عاشق الہی کے نزدیک بدن ایسا ہی ناچیز ہے تو پھر ان کے شیخ صاحب نے اپنا بدن قائم کیوں رکھا ہے۔ (۲۷۶/۵)

عاشقِ عشقِ خدا وانگاہ مزد جبرئیل مومن آنگاہ دزد

خدا کے عشق میں عاشق ہو اور پھر اگر اطاعت و عبادت کے عوض میں بہشت چاہے تو (وہ تو پھر خدا کا عاشق نہ ہوا بلکہ بہشت کا عاشق ہوا) یہ تو وہی بات ہوئی کہ جبرئیل امین (ہونے کا دعویٰ ہو) اور پھر چور (بھی) ہو۔ (۲۷۶/۵)

عاشق آں لیلیٰ کور و کبود ملکِ عالم پیش او یک ترہ بود

عاشقانِ حق کے تو کیا ہی کہنے، عاشقانِ مجازی بھی ایسے خود غرض نہیں ہوتے، چنانچہ اس بے نور اور سیاہ فام لیلیٰ کا عاشق (مجنوں اس قدر مستغنی تھا کہ) دنیا بھر کی بادشاہی اس کے سامنے ایک پتے کے برابر تھی۔ (۲۷۶/۵)

آنکہ ارزدِ صید را عشقت و بس

(ہاں جو شکار کرنے کے لائق ہے، وہ صرف خدا کا عشق ہے)

صوفی وہ ہے جس کو پاکیزگی اور طہارتِ نفس حاصل ہو، نہ کہ لباسِ صوفیاء پہننے والا ہو۔ فرماتے ہیں کہ عشق کو

اپنا شکار بناؤ، نہ کہ تم خود شکار بن جاؤ۔

ہست صوفی آنکہ شد صفوت طلب نہ لباسِ صوف و خیاطی و دب

صوفی وہی ہے جو پاکیزگی و طہارتِ نفس کا حامل ہو، نہ کہ لباسِ رنگین و منقش کا طلب گار ہو۔ (۳۸/۵)

حقیقی صوفی باصفا وہی ہیں جو اپنے وجود سے حرص و تکبر، حسد و غصہ، کینہ و بغض، ریاکاری اور شیطانی وسوسے اور شہوت اور تمام برے خیالات اور خلافِ شرع کاموں کو ترک کر دیں اور صبر و تحمل، استقامت، عاجزی و انکساری، قوتِ برداشت اور حسنِ اخلاقِ محمدی ﷺ پر پابند ہوں، وہ بھی رضائے الہی کی خاطر۔

آنکہ ارزدِ صید را عشقت و بس لیک او کے گنجِ اندر دام کس

مگر ہاں جو شکار کرنے کے لائق ہے وہ عشقِ حقیقی ہے، (اگر کرنا ہے تو اس کا شکار کر) لیکن وہ ایسا کہاں جو ہر کسی

(۵۲/۵)

کے دام میں آسکے۔

تو مگر آئی و صید او شوی دام بگذاری بدام او روی

(۵۶/۵)

ہاں تو خود ہی اس کا شکار ہو جا، اپنا حال چھوڑ کر اس کے دام میں گرفتار ہو جا۔

تیری فلاح و بہبود ہی اس میں ہے کہ تو خود اس عشق کا شکار ہو تاکہ وہ تجھ کو شکار کرے کیونکہ اس میں لطف ہے اور وصال الہی کا مخفی راز ہے۔

**عشق ہو تو ہر چیز پر قابو پایا جا سکتا ہے**

دُنیا کا عشق دُنیا کے خرافات پر عاشق ہے اور اس کے بہکانے سے انسان کا رُکنا ممکن نہیں، جب تک اصل عشق رُوکار نہ ہو جائے۔ جب تک انسان کے عقائد استحکام یقین سے مضبوط نہ ہو جائیں وہ اصل عشق کی طرف توجہ نہیں کر سکتا اور یہ چیز کسی شیخ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ جو لوگ پیٹ کی پوجا سے باز نہیں آتے وہ کبھی بھوک کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ہماری کتاب ”تہذیبِ نفس“ میں بھوک پر ایک پورا باب لکھ دیا گیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں بھی بھوک پر ایک مختصر باب موجود ہے، جس کے مطالعہ کے بعد بھوک کے فوائد سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ انسان کی بہت سی بیماریاں عادات کو بدلنے سے درست ہو جاتی ہیں۔

دیو بر دنیا ست عاشق کور و کر عشق را عشقِ دگر بزد کمر

دیو یعنی شیطان دُنیا کی (خرافات) پر عاشق ہے اور اس کے عشق میں اندھا اور بہرہ ہو گیا ہے۔ یہ عشق اس سے منقطع نہیں ہوگا، جب تک کہ اس کو دوسرا عشق نہ ہو یعنی خدا کا عشق اس کو توڑ سکتا ہے۔

(۴۱/۵)

نفسِ امارہ اس دنیا کے عجائبات و غرائب اور لذائذ و حفاظ میں مستغرق ہے اور اس کا دل ان پر رتجھ گیا ہے۔ جب تک اس کو دوسرا عشق نہ لگے اس کے بچے سے وہ چھٹکارا نہیں پا سکتا، اس لئے تمام خلافِ شرع کاموں سے منہ موڑ کر حضور ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

از نہانخانہ یقین چوں سے چشید اندک اندک عشقِ رخت آنجا کشید

جب وہ یقین کے مخفی خانہ سے شرابِ ایقان پئے گا تو خود بخود آہستہ آہستہ اس کا اسبابِ سکون و راحت وہاں پر پہنچ جائے گا۔

(۴۱/۵)

جب اس کو ایقان و یقینِ کامل کی دولت نصیب ہوگی تب اس دُنیا کا اسبابِ سکون و راحت وہ خود ہی نچھادر کر دے گا۔ وہ عشقِ باطل سے عشقِ حقیق کی لذت سے ہم کنار ہوگا اور دُنیا کے عشق اور ان کی خواہشات کو ترک کر دے گا۔

یا حَرِیصَ الْبَطْنِ عَرَجْ هَكَذَا اِنَّمَا الْمِنْهَاجُ تَبْدِيلُ الْغِلَا

اے پیٹو! اس طرح ترقی کر (جیسا کہ کہا گیا ہے کہ) سوائے بدل ڈالنے غذا کے، تیری ترقی مقاصد کے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔

(۴۱/۵)



يَا مَرِيضَ الْقَلْبِ عَرِّجْ لِلْعِلَاجِ جُمْلَةُ التَّدْبِيرِ تَبْدِيلُ الْمِزَاجِ  
اے دل کے مریض علاج کی سوچ کیونکہ جملہ تدبیروں کا واحد حل تبدیلیِ مزاج ہے۔ (۴۱/۵)

اے حریصِ شکم! جسم اور روح کی غذاؤں میں تبدیلی پیدا کر کیونکہ جن غذاؤں کو تو نے اپنے لئے پسند کیا ہوا ہے وہ ان میں بالیدگی و نشوونما اور ارتقاء پیدا نہیں کرتی بلکہ وہ مریض بنا رہی ہیں کیونکہ تیری روح علیل و سقیم ہے۔ ان خلافِ شرع کاموں سے پرہیز کر تا کہ روح کو تقویت ملے اور وصالِ حقیقی حاصل ہو۔

أَيُّهَا الْمَحْبُوسُ فِي رَهْنِ الطَّعَامِ سَوْفَ تَنْجُوا إِنْ تَحَمَّلْتَ الْعِظَامَ  
اے نان و نفقہ کے مرہون و پابندِ سلاسل! بہت جلد تو نجات پائے گا اگر تو نے مصائب و شدائدِ عظیمہ پر صبر کیا۔ (۴۱/۵)

بھوک کی برداشت میں بے شمار انعام و اکرام منجانب اللہ مخفی ہیں، اگر تو نے اس کو برداشت کر لیا اور بھوک میں اس کی رضا و خوشنودی کی تلاش جاری رکھی اور اس کی رحمت کا اُمیدوار رہا تو یقیناً تو نے اپنے دامن کو مراد سے بھر لیا ہے اور اپنی حیات کے مقصد کو پا لیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اگر تم فرشتوں کی طرح تسبیح کو غذا بناؤ گے تو تم بھی عذاب سے بچ جاؤ گے۔ عبادت میں ترقی کرتے کرتے ایک وقت ایسا بھی آ جاتا ہے کہ عابد کی عبادت ہی اس کی غذا بن جاتی ہے، جیسا کہ فرشتوں کی غذا اُن کی عبادت ہے۔

عاشقِ آزادی نخواہد تا ابد

(عاشق کبھی آزادی نہیں چاہتا)

عام انسان قسمت سے ہر وقت ڈرتا ہے اور اس کی مشکلات سے آزادی چاہتا ہے مگر عاشق کبھی کسی چیز سے آزادی نہیں چاہتا۔ بندہ ہمیشہ خلعت اور انعام کا جویا رہتا ہے مگر عاشق محض اپنے دوست کا یعنی اللہ کا دیدار چاہتا ہے۔ اہلِ عشق کو خدا کے عشق کے سوا کوئی کام نہیں ہے۔

بندہ آزادی طمع دارد زجد عاشق آزادی نخواہد تا ابد  
بندہ پیدائشی طور پر قسمت سے آزادی کا لالچ رکھتا ہے، عاشق کبھی آزادی نہیں چاہتا۔ (۲۷۷/۵)

بندہ دائم خلعت و ادراہر جوست خلعت عاشق ہمہ دیدار اوست  
بندہ ہمیشہ خلعت اور انعام کا جویا ہے، عاشق کا سب انعام دوست کا دیدار ہے۔ (۲۷۷/۵)

در نگیند عشق در گفت و شنید عشق در یابست قعرش ناپدید  
عشق کہنے اور سننے میں نہیں آتا، عشق وہ دریا ہے جس کی گہرائی نامعلوم ہے۔ (۲۷۷/۵)

عشق کے دریا کی گہرائی نامعلوم نہ ہونے پر ایک باب بھی اس کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔

## صيد بودن خوشتر از صياد يست

(شکار ہونا شکاری بننے سے بہتر ہے)

عشق کے دام میں گرفتار ہو جاؤ

عشق کا تعلق پروانے کی طرح سوزِ عشق میں جلنا ہے، لہذا اگر عشق مطلوب ہے تو عشق کے شکار ہو جاؤ اور دنیا کے دوسرے کاموں کی طرف ضرورت سے زیادہ توجہ نہ کرو۔ عشق کے دام میں گرفتار ہو جاؤ، نہ کہ خود عشق کے شکاری بن جاؤ۔

عشق تو یہ کہتا ہے کہ صیاد ہونے کی بجائے تم خود صید ہو جاؤ یعنی عشق کے دام میں آ جاؤ۔ چاند سورج کے سامنے لاشے ہو جاتا ہے، اس لئے اس کی روشنی سے چمکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز و صوم کی خوبی عقل کی وجہ سے ہی بنتی ہے، لہذا عقل جو تم استعمال کرتے ہو، نماز اور روزہ سے بہتر ہے۔ (کتاب الاذکیاء)

بر درم ساکن شو و بیخاندہ باش      دعویٰ شمع کن پروانہ باش  
(۵۲/۵) گھر بار چھوڑ کر میرے دروازہ پر رہ جا اور بے خانہ ہو جا، شمع ہونے کا دعویٰ نہ کر، پروانہ ہو جا۔

پس نکو گفت آں رسول ﷺ خوش جواز      ذرہ عقلت بہ از صوم و نماز  
(۵۶/۵) پس خوب کہا ہے ان پاک روشن رسول ﷺ نے کہ تیرے لئے ذرہ بھر عقل روزہ و نماز سے بہتر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ لوگ آپس میں کس بات کے ساتھ فضیلت حاصل کرتے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”عقل کے ساتھ۔“ میں نے عرض



کیا: ”آخرت میں کس بات سے فضیلت حاصل کریں گے؟“ فرمایا: ”عقل سلیم کے ساتھ۔“ میں نے عرض کیا: ”کیا وہ اپنے اپنے عملوں کا بدلہ نہیں پائیں گے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عائشہ! وہ اللہ کی دی ہوئی عقل کی حد کے مطابق ہی تو عمل کریں گے اور عطا شدہ عقل کے اندازے پر ان کے اعمال ہوں گے اور اعمال کے مطابق وہ بدلہ پائیں گے اور فرمایا: اپنے حسن اخلاق کی بدولت انسان روزہ دار اور نمازی کا درجہ پاتا ہے۔“

(کتاب الاذکیاء لابن الجوزی)

زانکہ عقلت جوہرست ایں دو عرض  
ایں دو در تکمیل آں شد مفترض  
کیونکہ تمہاری عقل جوہر ہے اور یہ دونوں (نماز روزہ) عرض ہیں، یہ دونوں اس کی تکمیل میں فرض مقرر کئے گئے ہیں۔

تا جلا باشد مراں آئینہ را  
کہ صفا آید زطاعت سینہ را  
تاکہ اس عقل کے آئینے کے لئے اطاعت جلا بن جائے کیونکہ سینے کو طاعت سے صفائی حاصل ہوتی ہے۔ (۵۶/۵)  
لیک گر آئینہ از بن فاسد ست  
صیقل آں را دیر باز آرد بدست  
لیکن اگر آئینہ اصل سے خراب ہے تو اس پر جلا مدت مدید کے بعد آتی ہے۔ (۵۶/۵)  
آنکہ ارزد صید را عشق ست و بس  
لیک او کے گنجد اندر دام کس  
مگر ہاں جو شکار کرنے کے لائق ہے، وہ عشق ہے، اگر کرنا ہے اس کا شکار کر لیکن وہ ایسا ہے کہ وہ کب کسی دام میں آ سکے۔ (۵۲/۵)

تو مگر آئی و صید او شوی  
دام بگذاری بدام او روی  
ہاں تو خود ہی اس کا شکار ہو جا، اپنا خیال چھوڑ کر اس کے دام میں گرفتار ہو جا۔ (۵۲/۵)  
تیری کامیابی اس میں ہے کہ تو خود اس عشق کا شکار ہو تاکہ وہ تجھ کو شکار کرے۔ اپنے دام کو چھوڑ کر اس کے دام میں پھنس کیونکہ اس میں لطف ہے یعنی اپنے اندر اتنی خوبی روحانیت اور جمال پیدا کر کہ حسن خود منتظر رہے۔

عشق میگوید بگوشت پست پست  
صید بودن خوشتر از صیادیت  
عشق میرے کان میں آہستہ آہستہ کہہ رہا ہے کہ صیادی سے صید ہونا بہتر ہے۔ (۵۲/۵)

گول می کن خویش را و غزہ شو  
آفتابی را رہا گلن ذرہ شو  
اے سالک خود کو اس بارگاہ حسن و عشق میں مجنوں و دیوانہ بنا اور ایسا نحیف و کمزور ہو جا، جیسے پہلی رات کا چاند ہوتا ہے جو کہ باوجود نورانیت کے شمس کے سامنے بچ و لاشے ہے۔ ہاں اپنے آپ کو درخشندہ و تابندہ آفتاب عالم بنانے کے خیال کو ترک کر دے کیونکہ تو اس کی لمعات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ذرہ حقیر بننے کی کوشش کر تاکہ اس آفتاب معرفت کی شعاعیں و لمعات تجھ پر پڑ کر تجھے چمکا دیں اور تیری قبر کو نور الہی سے منور اور زندہ کر دیں۔ (۵۲/۵)

بردرم ساکن شود بیخانہ باش  
دعویٰ شمع مکن پروانہ باش  
(۵۲/۵) گھر بار چھوڑ کر میرے دروازہ پر آ جا، پروانہ ہو، شمع ہونے کا دعویٰ مت کر۔  
اے طالبِ حق سالک! اگر تو راہِ عشق میں قدم رکھتا ہے تو حسنِ ازل کا یہ تقاضا ہے کہ گھر بار سب کچھ چھوڑ اور  
مُملہ اسبابِ راحت و آرام اور عیش و عشرت کو ترک کر کے راہِ حق کے دروازہ پر پڑا رہ۔ اپنا اٹھنا بیٹھنا جاگنا سب  
کچھ اس کی راہ میں کر دے اور مثلِ پروانہ کے قربان ہو۔

تا بہ بنی چاشنی زندگی سلطنت بنی نہاں در بندگی  
(۵۲/۵) تب تو زندگی کا لطف اٹھائے گا اور دیکھے گا کہ بندگی میں کیسی سلطنت پوشیدہ تھی۔  
اس کی بندگی میں تجھے حقیقی زندگی کا مزہ معلوم ہوگا، اس کی بندگی میں سرداری و فرمانروائی کے مزے پوشیدہ  
ہیں، بجز خدا کی اطاعت کے کچھ نہیں ہے۔ تو اپنے ان پٹے پرانے کپڑوں میں بادشاہ ہوگا، لوگوں کے دلوں پر حکمرانی  
کرے گا، ہزار ہا دل تیرے حسنِ عشق میں گرفتار ہوں گے، آخرت میں بھی تجھے انعام و کرام سے اور دیدارِ الہی سے  
نوازا جائے گا۔

نعل بنی باژگونہ در جہاں تختہ بنداں را لقب گشتہ شہاں  
اے سالک! اس دُنیا کا اُلٹا کارخانہ ہے جو لوگ کہ مقید و محبوس پھانسی پر چڑھنے والے ہیں ان کا نام بادشاہ رکھا  
ہے۔ (۵۲/۵)

اے سالک! دُنیا کے لوگوں کی عجیب الٹی فکر ہے کہ جو لوگ بادشاہ و سلطان ہیں، ان کو فقیر و گدا کے نام سے  
پکارتے ہیں اور جو دُنیا کی حرص و لالچ میں محبوس ہیں اور اس کی محبت میں گرفتار ہیں ان کو بادشاہ کہتے ہیں، حالانکہ  
بادشاہ وہی ہونے چاہئیں دُنیا جن کے پیچھے پھرتی ہے، نہ کہ وہ جو دُنیا کے پیچھے سرگرداں ہیں۔

اندر آں جز عشقِ یزداں کار نیست

(عاشق کے دل میں خدا کے عشق کے سوا کوئی کام نہیں)

عاشق کے دل کے گھر میں غلوت ہوتی ہے، جس میں نہ کوئی تنگ و دو اور نہ کوئی خیال ہوتا ہے۔ یہ تو جنت ہی  
کا خاصہ ہے۔ دل میں اگر کچھ رہتا ہے تو خیالِ یار ہی رہتا ہے۔ عاشق کا گھر خدا کے نور سے بھر گیا ہے۔ اس گھر  
میں نیک و بد کی جگہ نہیں۔ خانہ دل میں اللہ کے سوا کوئی خیال نہیں آتا اور اگر کچھ خیال آئے تو کسی فقیر کے خیال کا  
عکس ہوتا ہے جو ہر وقت مانگتے رہتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ جب تک غیر کی کدورتِ تنکا بھر بھی پائی جائے کشف نہیں ہو سکتا اور ہر چہرے کا عکس نظر نہیں  
آتا۔ مفلس شخص کے دل میں دُنیاوی کچھڑ کے سوا اور کیا ہوتا ہے، بس اسی سے دل مکدر ہو جاتا ہے۔ یہ دل اس  
وقت مکدر ہوتا ہے جب انسان کو ہر وقت کھانے پینے اور سونے کا کثرت سے خیال آئے۔ نہر میں مٹی مل جائے تو



مکدر ہو جاتی ہے۔

او بکفے خانہ دل خلوت است خالی از گدیہ مثالی جنت است  
عاشق کہتا ہے کہ دل کا گھر خالی ہے، جو سوال سے خالی ہو وہ جنت کی طرح ہوتا ہے۔ (۲۸۵/۵)

اندر او جو عشق یزداں کار نیست جز خیال وصل او دیار نیست  
اس (دل) میں خدا کے عشق کے سوا کوئی کام نہیں، اس کے وصل کے خیال کے سوا کوئی رہنے والا نہیں۔ (۲۸۵/۵)

خانہ را من ردم از نیک و بد خانہ ام پد گشت از عشق احد  
میں نے گھر کو ہر نیک و بد سے صاف کر لیا، میرا گھر خداوند یکتا کے نور عشق سے بھر گیا ہے۔ (۲۸۵/۵)

ہر چہ ینم اندرو غیر خدا آن من نبود، بود عکس گدا  
میں اس (خانہ دل) میں حق کے سوا جو کچھ دیکھتا ہوں وہ میرا نہیں ہوتا بلکہ کسی فقیر (سائل) کا عکس ہوتا ہے۔ (۲۸۵/۵)

تا نمائد تیرگی و خس درو تا امیں گردد نماید عکس رو  
تاکہ اس میں خیالات غیر کی کدورت جنکا بھر باقی نہ رہے، حتیٰ کہ وہ بیرونی عکس کا امانت دار ہو جائے اور  
اس میں ہر چہرے کا عکس نظر آنے لگے۔ (۲۸۵/۵)

جز گلابہ در سنت کو اے مقل  
آب صافی کن ز گل اے نصم دل  
اے مفلس! تیرے بدن میں دنیوی خیالات کے کچھڑ کے سوا اور ہے ہی کیا؟ اے دل کے دشمن! جلدی دریائے قلب  
کو مٹی سے صاف کر (آگے فرماتے ہیں کہ قلب کن چیزوں سے مکدر ہوتا ہے)۔ (۲۸۵/۵)

تو برآنی ہر دے کز خواب و خور خاک ریزی اندریں جو بیشتر  
تو ہر وقت اس بات پر آمادہ ہے کہ سونے اور کھانے کی کثرت سے اس نہر (قلب) میں زیادہ سے زیادہ  
مٹی ملائے اور اس کو مکدر کرے۔ (۲۸۵/۵)

## انبیاء میں تخصیصِ عشق

پس مر اور انبیاء تخصیصِ کرد

(پس آپ ﷺ کو انبیاء میں سے مخصوص کیا گیا)

تمام مخلوق (آسمان، زمین، دریا، سبزہ زار وغیرہ) کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے وجود مبارک کے لئے پیدا فرمایا کیونکہ آپ کی ذات کامل ترین عشق کے ساتھ موصوف تھی اور آپ کی دلچسپی کے لئے مخلوق کو گونا گوں کیفیاتِ عشق کا مظہر بنانا داخلِ حکمت تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اگر آپ کا وجود مبارک نہ ہوتا تو میں یہ کائنات پیدا نہ کرتا۔ (متدرک للحاکم) میں نے آسمان کو اس لئے بلند کیا کہ آپ کے عشق کی بلندی کو معلوم کرے۔ زمین کو میں (اللہ تعالیٰ) نے اس لئے ناچیز بنایا کہ تم عاشق کی خواری کا سراغ لگاؤ۔ یہ بلند اور مضبوط پہاڑ عاشقوں کے وصفِ ثابت قدمی کے متعلق خبر دیتے ہیں ۔

منتہی در عشق چوں او بود فرد پس مر اور انبیاء تخصیصِ کرد

چونکہ آپ عشق (حق) میں کامل اور یکتا تھے، اس لئے (حق تعالیٰ نے) آپ کو (اس فضیلت کے لئے) انبیاء سے مخصوص فرمایا، آگے حدیثِ قدسی مندرجہ بالا کا ترجمہ فرماتے ہیں۔ (۲۷۸/۵)

گر نبودے بہر عشقِ پاک را کے وجودے دادے افلاک را

چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے محبوبِ پاک! اگر تم عشقِ پاک کے لیے (مخلوق) نہ ہوتے تو میں افلاک کو



کب موجود کرتا۔ (۲۷۸/۵)

من بدار افراشم چرخ سنی تا علو عشق را فہمی کنی  
میں نے آسمان کو اس لئے اُونچا بنایا ہے تاکہ آپ کے عشق کی بلندی کو معلوم کرے۔ (۲۷۸/۵)

خاک را من خار کردم یکسری تا زڈل عاشقان بوے بری  
خاک کو میں نے بالکل ناچیز بنایا ہے تاکہ تم عاشقوں کی خواری کا سراغ لگاؤ۔ (۲۷۸/۵)

با تو گویند این جبالی راسیات وصفِ حالی عاشقان اندر ثبات  
یہ محکم پہاڑ تم کو عاشقوں کے حال کا وصف اور ان کی ثابت قدمی کے متعلق بتاتے ہیں۔ (۲۷۸/۵)

برودہ ویراں خراج و عشر نیست

(اُجڑے گاؤں پر خراج اور عشر نہیں ہوتا)

عاشق کو مسلسل غمتوں اور مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ ایک عاشق رات دن عشق میں جلتا ہے۔ ان حالات کی بناء پر مولانا فرماتے ہیں اگر وہ کسی وجہ سے کوئی خطا بھی کر بیٹھے تو شریعت اس کو معذور سمجھتی ہے، جیسا کہ جس جگہ پر کوئی آفت (سیلاب، خشک سالی یا انتہائی گرمی) گزر چکی ہو تو اس کو ویران گاؤں سمجھ کر خراج اور عشر معاف کر دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی عاشق خطا کی بات بھی کہہ دے تو اسے بُرا نہ کہو کیونکہ شہید اگرچہ خون سے لت پت ہوتا ہے پھر بھی اسے غسل دینا خلاف شریعت ہے۔

چوں زرگری وارہد محرم شود چوں سگ کہف از بنی آدم شود  
جب وہ بھیڑیوں کے سے اوصاف سے پاک ہو جائے تو پھر (انسان) محرم ہو جاتا ہے اور اصحاب کہف کے کتے کی طرح بنی آدم (کے قبیل) سے ہو جاتا ہے۔ (۲۰۰/۵)

چوں محمد ﷺ را ابو بکرؓ نکو دید و صدق گفت ہذا صادق  
جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو نیک سیرت انسان تھے، حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صدق کو دیکھا تو وہ پکار اُٹھے کہ یہ سچے ہیں۔ (۲۰۰/۵)

چوں ابو بکرؓ از محمد ﷺ بردہ بو گفت ہذا لیس وجہ کاذب  
جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت محمد ﷺ کی بڑی پائی تو بول اُٹھے کہ یہ چہرہ مبارک جھوٹا نہیں۔ (۲۰۰/۲)

آتش از عشق در جاں بر فردز سر بسر فکر و عبارت را بسوز  
عشق کی آگ (اپنی) جان میں روشن کرو (اور) فکر (عبارت) اور عبارت (آرائی) کو بالکل آگ لگا دو۔ (۱۷۳/۲)

عاشقان را ہر زماں سوزید نیست بردہ ویراں خراج و عشر نیست  
عاشقوں کو (چونکہ) ہر لمحہ (آتشِ عشق میں) جلنا (قسمت میں لکھا) ہے، اس لئے ان پر آداب کی پابندیاں لازم نہیں

دیکھو) اجاڑ گاؤں پر خراج اور عشر نہیں ہوتا۔  
 (۱۷۴/۲) ور خطا گوید دُرا خاطی مگو  
 گر بود پُرخوں شہید آں را مشو  
 اگر وہ عاشقِ حق کوئی غلط بات کہہ بیٹھے تو اس کو خطاوار نہ کہو (جیسے کہ حکم ہے کہ) اگر شہید خون آلود ہو تو بھی اس کو  
 مت دھو کیونکہ شہید پر غسل نہیں ہوتا۔  
 (۱۷۴/۲)

### رسول اللہ ﷺ کو لولاک کا رُتبہ عشق کے باعث ملا

مولانا فرماتے ہیں کہ عشق حضور ﷺ کا ساتھی تھا اور اسی وجہ سے آپ کے لیے ”لَوْلَاکَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ“  
 کا خطاب آیا (یعنی آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں کائنات نہ بناتا) آپ ﷺ کا عشق تمام افراد سے زیادہ تھا، اسی لئے یہ  
 فضیلت عطا فرمائی تاکہ آپ ﷺ عشق کی بلندیوں کو سمجھ لیں اور پھر آپ کے لئے سب کچھ مسخر کر دیا جائے۔  
 با محمد ﷺ بود عشق پاک جفت بہر عشق اورا خدا لولاک گفت  
 پاک عشق محمد ﷺ کا ساتھی تھا، عشق کی وجہ سے خدا نے آپ ﷺ کے بارے میں لولاک فرمایا۔  
 (۲۷۸/۵)

### گرگ و خرس و شیر داند عشق چیت

(خونخوار جانور بھی جانتے ہیں کہ عشق کیا ہے)

ہر جاندار خواہ انسان ہو یا حیوان، عشق کی رتق سے واقف ہے۔ دیکھئے! کتنا انسان کا کتنا ہمدرد اور وفادار ہوتا  
 ہے کیونکہ وہ اپنے مالک کو پہچانتا ہے۔ جو شخص عشق سے خالی ہے وہ تو کتوں سے بھی بدتر ہے۔ میاں محمد بخشؒ نے  
 فرمایا ۔

جس دے دل وچ عشق نہ رچیا کتے اس تھیں چنگے  
 مالک دے گھر راہی کردے صابر بھکے ننگے

فرماتے ہیں کہ اصحابِ کہف کا کتا اسی لئے جنت میں جائے گا کہ اس نے اصحابِ کہف کی سنگت اختیار کی ۔  
 گرگ و خرس و شیر داند عشق چیت کم زمرگ باشد کہ از عشق او تہی ست  
 (۲۰۵/۵) بھیڑیا، رینگھ اور شیر جانتا ہے کہ عشق کیا ہے، جو شخص عشق سے خالی ہے وہ کتے سے کم ہوتا ہے۔  
 اس بات پر روایات ملتی ہیں کہ جب کوئی خونخوار جانور کسی صحابی یا نیک آدمی پر لپکتا تو وہ اسے کہتے کہ خبردار  
 ہمیں کچھ نہ کہنا، یہ جسم رسول اللہ ﷺ پر عاشق ہے۔ اس قدر کہنے سے خونخوار جانور ان کو کوئی نقصان نہ پہنچاتا بلکہ  
 ایسے جانور تو ان بزرگوں کے قدموں پر آکر بیٹھ جاتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے عاشق ہیں۔

گر رگے عٹھے نبودے کلب را کے بجستے کلب کہف قلب را  
 (۲۰۵/۵) اگر کتے میں عشق کی رگ نہ ہوتی تو کتا الہی دل کے غار کو کب ڈھونڈتا۔



ہم زجنس او بصورت چوں سگاں  
گر نشد مشہور ہست اندر جہاں  
اس کے ہم جنس بھی کتوں کی صورت دنیا میں ہیں، اگرچہ مشہور نہیں ہوئے ہیں لیکن ہیں۔ (۲۰۵/۵)  
مولانا فرماتے ہیں کہ ہمیں وجود عشق کی وجہ سے ملا ہے، ہر چیز عشق اور خواہش سے بنی ہے۔ انسان جب روٹی کھاتا ہے تو یہ اس کے جسم کا حصہ بن جاتی ہے، عشق کی غذا جب مل جائے تو انسان جاوداں ہو جاتا ہے۔  
عشق نانِ مردہ را جاں می کند جاں کہ فانی بود جاویداں کند  
عشق ہی مردہ روٹی کو جان دار بناتا ہے، جو جان فانی ہے اس کو جاوداں بنا دیتا ہے۔ (۲۰۵/۵)

بوئے فقر آید ازاں خوش دمدہ  
(اس خوش گفتاری سے فقر کی بو آتی ہے)

مولانا فرماتے ہیں عاشق کی بیماریاں سب بیماریوں سے الگ تھلگ ہیں۔ عاشق لوگ خوشی کا جام اس وقت پیتے ہیں جب معشوق ان کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ ان کے عشق کے درخت موسم بہار اور خزاں دونوں میں سرسبز رہتے ہیں۔ اگر اپنے محبوب کی طرف سے ان کو تکلیف پہنچے تو اس میں راحت محسوس کرتے ہیں اور ایسی باتیں زبان سے نکالتے ہیں کہ جن سے فقر کی بو آتی ہے، اگر ان پر کوئی مصیبت آئے تو اپنی جیب سے قرآن کی یہ آیت نکال کر پڑھتے ہیں اور رقص کرتے ہیں۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا  
اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم سے،  
پس آپ بلاشبہ ہماری نظروں میں ہیں۔ (الطور۔ ۴۸)

عارف روٹی فرماتے ہیں۔

عَلَّتْ عَاشِقٌ زَعْلَهَا جِدَاسْتْ  
عشق اُصْطَرَّابِ اَسْرَارِ خِدَاسْتْ  
عاشق کی بیماری تمام بیماریوں سے جدا ہے، عشق خدا کے بھیدوں کا اصطرباب یعنی ماننے والا آلہ ہے۔ (۴۳/۱)  
عاشقانِ جامِ فرح آنگہ کشند کہ بدستِ خویشِ خوباں شاں کشند  
عاشق لوگ (جی) خوشی کا پیالہ اس وقت پیتے ہیں جب کہ معشوق ان کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کرتے ہیں۔ (۵۴/۱)  
درج ذیل شعر میں اس بات پر اشارہ ہے کہ جو کوئی اولین اور آخریں یعنی حضور ﷺ کا عاشق ہے تو ایسے لوگوں کے عشق میں گم ہو جانے سے عشق کی بات بنتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ عشق تو رسول اللہ ﷺ کے عشق کی ایک شعاع ہے۔

غرقِ عشقے شو کہ غرقِ ست اندریں عشقہائے اولین و آخرین  
اس عشق میں غرق ہو جاؤ، جس میں سب اولین و آخرین کے عشق غرق ہیں۔ (۱۹۷/۱)

عاشقی زیں ہر دو حالت بر ترست  
بے بہار و بے خزاں سبز و ترست  
(کیونکہ) عاشقی ان دونوں حالتوں سے اعلیٰ ہے، وہ بہار و خزاں کے تعلق کے بغیر ہی سبز و شاداب ہے۔ (۲۰۰/۱)  
گشت ایں دُشنام نامطلوب اُو  
خوش ز بہرِ عارضِ محبوب اُو  
اس کی یہ نامرغوب گالی اس کے پیارے کھڑے (سے نکلنے) کی وجہ سے پیاری لگتی ہے۔ (۳۰۳/۱)  
گر بگوید فقہ فقر آید ہمہ  
بوئے فقر آید ازاں خوش دمدہ  
(عاشق) اگر فقہ کا مسئلہ بھی لکھے گا تو ساری بات فقر کی نکلے گی، اس کی خوش گفتاری سے فقر کی بو آتی ہے۔  
(۳۰۳/۱)

بلکہ چوں آبِ ست و ہر قطرہ ازاں  
ہم سرست و پا و ہم بے ہر دواں  
بلکہ وہ (فکرِ عشق) کے پانی کی طرح ہے جس کے ہر قطرے کے لئے ابتداء بھی ہے اور انتہاء بھی اور دونوں کی نفی  
بھی صحیح ہے یعنی بغیر سروپا بھی ہے۔ (۳۰۴/۱)  
باطلاں را چہ زباید باطلے  
عاطلاں را چہ خوش آید عاطلے  
(کیوں نہ ہو) بے ہودہ لوگوں کو کون سی چیز لہاتی ہے؟ بے ہودہ چیز، لغو لوگوں کو کیا شے اچھی لگتی ہے؟ لغو شے۔  
(۲۰۰/۲)

زانکہ ہر جنسے رباید جنسِ خود  
گاؤ سوئے شیرِ نر کے رو نہد  
کیونکہ ہر جنس کو اپنی جنس (بطور میلان) جذب کرتی ہے، (بھلا ایک) بیل (کسی) شیر کی طرف کب رُخ کرے گا۔  
(۲۰۰/۲)

گرگ بر یوسف کجا عشق آورد  
جز مگر از مکر تا اُورا خورد  
بھلا بھیڑیا یوسف پر کہاں عاشق ہو سکتا ہے، سوائے فریب کے تاکہ اس کو کھا جائے یہی وجہ شیر کے بیل کی طرف  
رُخ کرنے کی ہو سکتی ہے۔ (۲۰۰/۲)

مولانا عشق کے گہرے نکات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ قصہ بغیر ترتیب کے کہہ دیا  
ہے، جیسا کہ عاشقوں کا خیال بے سروپا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عاشق کا خیال بے سروپا ہوتا کیونکہ وہ ازل سے  
بھی پہلے کا ہے، وہ انتہا بھی نہیں رکھتا کیونکہ وہ ابد سے وابستہ ہے۔ اس کا یہ فکر پانی کی طرح ہے، جس کا ہر قطرہ سر  
اور پیر بھی رکھتا ہے اور بغیر سروپا بھی ہے۔ اگر قطرے کو دریا سے الگ کر لو تو اس کی ابتدا اور انتہا ہے اور اگر الگ نہ  
کرو تو اس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ عاشق کا تعلق چونکہ ذاتِ خداوندی سے ہے، جو ازلی اور ابدی ہے، لہذا اس کے  
معاملے کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے۔ اگر اس قطرے کو علیحدہ نہ کرو تو اس قطرے کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے۔ یہی حال  
عشق کا ہے۔



## دسواں باب

### عشق دریا کیست قعرش ناپدید (عشق وہ دریا ہے جس کی گہرائی معلوم نہیں)

ماز عشق شمس دیں بے ناخیم

(ہم شمس دیں کے عشق سے بے بس ہو رہے ہیں)

گذشتہ مضمون میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جب اہل عشق کو مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو پڑھتے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”تم صبر کرو اپنے رب کے حکم سے، پس تم بلاشبہ ہماری نظروں کے سامنے ہو“ (الطور: ۴۸) تو ان کی ڈھارس بندھ جاتی ہے بلکہ ان میں سے بعض پر حالت وجد طاری ہو جاتی ہے۔ اس پر مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ صحیح عاشق تو وہ ہے جس کا غم اس کو غمزدہ کرنے کی بجائے دل کی خوشی میں اضافہ کرنے لگے تو سمجھ لو کہ وہ مراد عشق تک پہنچ گیا پھر اس کی روح میں گل و سون پیدا ہونے لگیں گے۔ (کچھ بزرگ اہل بلا میں سے ہوتے ہیں، جو اس وقت خوش ہوتے ہیں جب ان پر بلائیں نازل ہوں۔ اس کے لیے کشف المحجوب دیکھیں)۔

حضرت مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ہم عشق شمسِ تبریزؑ سے بے بس ہو رہے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کچھ کرنے کے قابل نہیں۔ اس سلسلے میں معلوم ہونا چاہئے کہ سالکین کا ملین کی دو حالتیں ہوتی ہیں، ایک فنا اور ایک بقا۔ فنا میں بزرگ تصرف نہیں کرتے کیونکہ اگر کریں تو اس سے ان کا وجود ثابت ہوتا ہے مگر بقا میں کبھی یہ بزرگ

تصرف کر سکتے ہیں اور کبھی نہیں کر سکتے بقا کی حالت میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان کو تصرف کی اجازت ہوتی ہے (ان کی اجازت کی حالت میں بھی کبھی ان کو تصرف کرنے کا خاص حکم ہوتا ہے اور کبھی حکم نہیں ہوتا، یعنی تصرف کرنے یا نہ کرنے پر اختیار ہوتا ہے) انبیاء کرام علیہم السلام کو تصرف سے نفرت ہوتی ہے کیونکہ معجزہ دکھانے میں ان کی توجہ خدا سے ہٹ جاتی ہے اور یہ ان حضرات کو گوارہ نہیں۔ بعض انبیاء پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ تصرف کرتے رہتے ہیں اور خدا سے بھی نظر نہیں ہٹاتے اور وہ کسی کی بیماری کا علاج بھی کر دیتے ہیں اور کوئی ان کے قدموں میں شفا کے لیے آگرتا ہے۔ مولانا کا یہ کہنا کہ ہم شمس دینؒ کے عشق میں بے بس ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا غالبہٗ عشق میں دوسرا کام نہیں کر سکتے (جیسا کہ غالب نے بھی یہ کہا کہ ”عشق نے غالب نکلا کر دیا، ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے“) مولانا روٹی یہ کہتے ہیں کہ بزرگوں میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ وہ اندھوں کو بینا کر سکتے ہیں مگر آپ زیادہ تر عشق شمس تبریزؒ میں ہی غرق رہتے تھے ۔

چوں زغم شادیت افزودن گرفت  
روضہ جانت گل و سوسن گرفت

جب غم تمہاری خوشی بڑھانے لگے تو تمہاری روح کے باغ میں (علوم و معارف کے) گل و سوسن پیدا ہونے شروع ہو جائیں گے۔ (۱۳۹/۲)

ایں چنین ذوالنون مصریؒ را فتاد  
کاندرو شور و بجون نو بزا

اسی طرح حضرت ذوالنون مصریؒ کو ایک واقعہ پیش آیا تھا جس سے ان میں ایک (تازہ) ولولہٗ عشق اور نیا جنون پیدا ہوا۔ (۱۳۹/۲)

شور چنداں شد کہ تا فوقِ فلک  
می رسد از دے چگر ہا را نمک

ان کے جنون عشق کی شورش اس قدر بڑھ گئی کہ زمین سے لے کر آسمان کے اوپر تک (کی مخلوق کے) کلیجوں پر اس سے نمک پاشی ہوئی ہے۔ (۱۴۰/۲)

ہیں منہ تو شورِ خود اے شورہ خاک  
پہلوئے شورِ خداوندانِ پاک

خبردار! اے نکلی مٹی (کے ہم رتبہ آدمی) تم اپنے غوغائے عشق کو ان حضرات پاک ذات کے شور (عشق) کے برابر نہ سمجھو۔ (۱۴۰/۲)

ما ز عشق شمسؒ دیں بے ناخیم  
ورنہ ما آں کور را بینا کنیم

ہم حضرت شمس تبریزؒ کے عشق سے بے بس ہو رہے ہیں، ورنہ ہم ہی اس اندھے کو (بحکم خدا) بینا بنا دیتے ہیں۔ (۱۴۶/۲)

اپنی روح کو خدا کا راستہ دکھاؤ

مثنوی میں کئی اور مقامات پر بھی مولانا فرماتے ہیں (جس کا ذکر اس کتاب میں بھی کر دیا گیا ہے) کہ اگر فکر



منجھد ہو جائے تو جاؤ ذکر کرو۔ ایک حدیث میں ہے کہ فکر کی ایک گھڑی ساٹھ سالہ عبادت سے بہتر ہے۔ جب فکر کھل گیا تو راستہ بھی کھل جاتا ہے اور راستہ وہ ہوتا ہے جو خدا تک پہنچا دے۔ ذکر سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی یاد میں کھو کر اس کا عشق پیدا کرو۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ عاشقی تو زاریؔ دل سے پیدا ہوتی ہے اور یہ زاری انسان کے دل کی تمام بیماریوں کا علاج کر دیتی ہے ۔

آئینہ کز زنگ و آلائشِ جداسست      پُر شعاعِ نورِ خورشیدِ خداست  
(۳۵/۱) وہ آئینہ جو زنگ اور میل سے دور ہے، وہ خدا کے نور کے آفتاب کی شعاعوں سے بھرا ہے۔  
آئینے سے جب زنگ دور ہو جائے تو یہ خورشیدِ خدا سے جگمگا اٹھتا ہے۔

رو، تو زنگار از رخِ او پاک کن      بعد ازاں آں نور را ادراک کن  
(۳۵/۱) جاؤ اپنے دل کے رُخ کو زنگ سے صاف کرو اور اس کے بعد اس نور کو حاصل کرو۔  
یعنی ذکر سے یہ زنگ دور کرو پھر دیکھو کہ اس نور کا ادراک کیسے نہیں ہوتا۔

اس حقیقت را شنو از گوشِ دل      تا بروں آئی بکلی ز آب و گل  
(۳۵/۱) اس حقیقت کو دل کے کان سے سن، تاکہ تو پانی اور مٹی سے بالکل نکل آئے۔  
یعنی علاقہٴ سفلیہ کو دل سے دور کرو کیونکہ یہ انسان کو عالمِ قدس کی سیر سے دور رکھتے ہیں۔

فہم گر دارید جاں را رہِ وہید      بعد ازاں از شوقِ پا در رہِ نہید  
(۳۵/۱) اگر سمجھ رکھتے ہو تو روح کو راستہ دو، اس کے بعد شوق سے راستہ پر چلو۔  
یعنی روح کی پرواز تب ہی ہو سکتی ہے جب تمہاری راہ کھل جائے۔

عاشقی پیدا ست از زاریؔ دل      نیست بیماری چو بیماریِ دل  
(۴۳/۱) دل کی بیماری سے عاشقی ظاہر ہوتی ہے، دل کی بیماری جیسی کوئی بیماری نہیں ہے۔  
یعنی یہ عاشقی دل میں آہ و زاری سے پیدا ہوتی ہے، دل کی بیماری سے بڑھ کر کوئی بیماری نہیں۔

عشق دریا نیست قعرش ناپدید

(دل دریا سمندروں ڈھونگے کون دلاں دیاں جانے ھو)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ جب کبھی کوئی خونخوار جانور ان کی طرف آتا تو وہ کہہ دیتے کہ خبردار! یہ جسم حضور ﷺ پر قربان ہو چکا ہے، ایسا کہنے سے وہ جانور ان پر حملہ نہ کرتا بلکہ ایسے واقعات روایات میں آتے ہیں کہ شیر جیسے موذی جانور بزرگوں کے قدموں میں باادب بیٹھ جاتے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں اگر وہ جانور اولیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھا جائیں تو وہ مر جائیں گے۔

فرماتے ہیں کہ دونوں جہاں عشق کی چونچ کا ایک دانہ ہے اور عشق ایک سمندر ہے جس کی گہرائی معلوم نہیں ہو سکتی، یہ ایک ایسا دریا ہے کہ اس میں کئی سمندر سما سکتے ہیں کیونکہ سمندر مکان ہے اور انسان کا دل لامکانیت کا درجہ رکھتا ہے، جب ایک سمندر کے قطروں کا شمار ممکن نہیں تو محبت کے دریا کو کون ماپ سکتا ہے ۔

ہر چہ جز عشق ست شد ماکول عشق دو جہاں یکدانہ پیشِ نولِ عشق  
جو عشق کے سوا ہے وہ عشق کی غذا ہے، عشق کی چونچ کے لئے دونوں جہاں ایک دانہ ہیں۔ (۲۷۷/۵)

بندگی کن تاشوی عاشق لعل بندگی کب ست آید در عمل  
عبادت کر، تاکہ تو عاشق بن جائے، عبادت کب ہے، عمل سے آ جاتی ہے۔ (۲۷۷/۵)

در گنجِ عشق در گفت و شنید عشق در یابست قعرش ناپدید  
عشق کہنے اور سننے میں نہیں سماتا، عشق وہ دریا ہے جس کی گہرائی معلوم نہیں۔ (۲۷۷/۵)

قطرہ ہائے بحر را نتواں شمرد ہفت دریا پیشِ آں بحرست خرد  
سمندر کے قطروں کو شمار نہیں کیا جاسکتا، اس سمندر کے سامنے ساتوں دریا چھوٹے ہیں۔ (۲۷۷/۵)

چوں نباشد عشق کز وے نیست بد

(عشق کے بغیر چارہ کار ہی نہیں)

ایک منٹ کے لئے اگر یہ سوچ لیا جائے کہ دنیا میں عشق سرے سے ہی موجود نہیں تو ہمیں فوراً معلوم ہو جائے گا کہ تمام دنیا کا کاروبار بند ہو کر ہر چیز ناکارہ ہو جائے گی۔ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ عشق زمانے کی ہر شے میں ہی نہیں بلکہ ہر ذرہ عشق کے باعث ہی قائم ہے۔ اگر ہم سائنس کی نظر سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ پتھر کے اندر موجود ذرات میں بھی کششِ ثقل کی طاقت موجود ہے اور اسی کشش کے باعث پورا نظامِ شمسی بلکہ نظامِ کائنات چل رہا ہے۔ ایک ستارہ یا سیارہ ہر دوسرے پر ثقلِ انداز ہوتا ہے اور تمام ستارے ایک دوسرے کو کھینچ رہے ہیں اور ایک Balance یعنی توازن قائم ہونے کی وجہ سے ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک شخص دوسرے کا محتاج ہے اور اگر یہ محتاجی نہ ہوتی تو ماں اپنے بیٹے سے اور بیٹا اپنے والدین، اساتذہ اور دیگر بزرگوں سے محبت نہ کرتا۔ عشق کی مذکورہ بالا اہمیت کے پیشِ نظر دنیا کے میوہ جات اور کھیتیاں سرسبز نہ نظر آتیں۔ بادلوں میں مختلف کرنٹ کی وجہ سے ہی موسم پیدا ہوتے ہیں (منفی اور مثبت ذرات) اگر یہ کرنٹ (عشق) موجود نہ ہوتا تو کوئی کسی سے سروکار نہ رکھتا ۔

عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد اے عجب من عاشقِ ایں ہر دو ضد  
میں اس کے قہر اور مہربانی پر واقعی عاشق ہوں، تعجب ہے میں ان دو تضاد کا عاشق ہوں۔ (۱۸۱/۱)



عشقِ من بر مصدر ایں ہر دو شد  
چوں نباشد عشقِ کزوے نیست بد  
(۱۸۱/۱) میرا عشق ان دونوں کے منبع سے ہے، عشق نہ ہو تو اس سے چارہ نہیں ہے۔

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال  
عشق و رقت زاید از لقمہ حلال  
(۱۸۷/۱) حلال کے لقمہ سے علم اور دانائی زیادہ ہوتی ہے، عشق اور دل کی نرمی حلال لقمہ سے بڑھتی ہے۔  
باغِ سبزِ عشق کو بے منتہاست  
جُز غم و شادی درو بس میوہاست  
(۲۰۰/۱) عشق کا سبز باغ جو دائمی ہے، اس میں غم اور خوشی کے علاوہ بہت سے میوے ہیں۔

عاشقی زیں ہر دو حالت برترست  
بے بہار و بے خزاں سبز و ترست  
(۲۰۰/۱) عاشقی ان دونوں حالتوں سے بلند و بالا ہے (وہ) بے بہار اور بے خزاں سبز اور تر ہے۔

گر محبتِ فکر و معنی سے  
صورتِ صوم و نماز نیست  
(۲۷۹/۱) اگر محبت، فکر اور باطنی معاملہ ہی ہوتا تو پھر تیری نماز اور روزے کی ضرورت نہ رہتی، یعنی معدوم ہو جاتی۔  
بے غرض نبود بگردش در جہاں  
غیرِ جسم و غیرِ جانِ عاشقان  
(۲۹۵/۱) دنیا میں گردش بے غرض نہیں ہوتی ہے، سوائے عاشقوں کے جسم اور جان کے۔

عاشقانِ کل نہ ایں عشاقِ جزو  
ماند از کل آنکہ شد مشتاقِ جزو  
(۲۹۶/۱) کل کے عاشق نہ کہ یہ جزو کے عاشق، جو جزو کا عاشق ہوا وہ کل سے (دور) رہ گیا۔

آنکہ ارزدِ صید را عشقِ ست و بس

(جو شکار کرنے کے قابل ہے وہ صرف خدا کا عشق ہے)

حضرت میاں محمدؒ فرماتے ہیں کہ لوگ تو جیتنا چاہتے ہیں مگر جو خود ہار مان لے تو اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

چتن چتن لوکی کھیڈن تے تُو ہارن کھیل فقیرا

چتن دا مِل کوڈی پے سی ہارن دا مِل ہیرا

تصوف کا یہ اصول ہے کہ خود کو لوگوں کی خدمت پر لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جس کو تم اللہ کی طرف آتے ہوئے دیکھو تو تم اس کے خادم بن جاؤ اور اس کے پیروں پر اپنا سر ڈال دو۔ مولاناؒ نے بھی ایک شعر میں اس حدیث کا مضمون بیان کیا ہے اور درج ذیل حدیث سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے طالب کے سامنے اپنا سر ڈال دو۔ حدیث یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔

اے داؤد! جب تو میرے کسی طالب کو

يَا دَاوُدُ اِذَا رَاَيْتَ لِي طَالِبًا

دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔

فَكُنْ لَهٗ خَادِمًا

اس حدیث کے مطابق حضرت مولانا ردیؒ فرماتے ہیں کہ طالبِ دین کے آگے اپنا سر رکھ دو۔

ہر کرا بنی طلبگار اے پسر یار او شو پیش او انداز سر  
اے بیٹا! تو جس کو طالبِ خدا دیکھے، اس کا دوست بن جا اور اس کے سامنے سر رکھ دے۔ (۱۳۵/۳)

کز جوارِ طالبان طالب شوی وز ظلالِ غالبان غالب شوی  
طلب گاروں کے قریب تو طلب گار بن جائے گا اور (نفس پر) غالب لوگوں کے سایہ میں تو غالب بن جائے گا۔ (۱۳۵/۳)

عشقِ بینایاں بود برکانِ زر لا جرم ہر روز باشد بیشتر  
عقل مندوں کا عشق سونے کی کان جیسا ہوتا ہے اور وہ لامحالہ ہر روز بڑھتا رہتا ہے۔ (۱۰۸/۶)

عشقِ ربانی ست خورشیدِ کمال امرِ نورِ اوست خلقاں چوں ظلال  
خدائی عشق کمال کا سورج ہے اور عالمِ امر اس کا نور ہے، عالمِ خلق اس کے ظلال یعنی سایوں کی طرح ہے۔ (۱۰۹/۶)

عاشقی و توبہ یا امکانِ صبر  
عاشقی میں توبہ یا صبر کا امکان، اے جان! یہ بہت عظیم محال ہوتا ہے۔ (۱۰۸/۶)

آنکہ ارزد صید را عشقِ ست و بس لیک او کے گنجِ اندر دامِ کس  
جو شکار کرنے کے قابل ہے، وہ صرف عشق ہے لیکن وہ کب کسی کے جال میں پھنستا ہے؟ (۵۲/۵)

تو مگر آئی و صید او شوی دامِ بگذاری بدامِ او روی  
ہاں تو آ اور اس کا شکار بن جا، اپنا جال چھوڑ اور اس کے جال میں گرفتار ہو جا۔ (۵۲/۵)

عشق میگوید بگوئم پست پست صید بودن خوشتر از صیادیت  
میرے کان میں عشق آہستہ آہستہ کہتا ہے، شکاری بننے سے شکار بن جانا بہتر ہے۔ (۵۲/۵)



## گیارہواں باب

## (اے عشق) ہر گجا تو بامنی من خوشدل

(اے عشق تو جہاں میرے ساتھ ہے، میرا دل خوش ہے)

مولانا نے فرمایا ہے کہ ایک عاشق کے لئے سب سے بہتر جگہ وہ ہے، جہاں اس کا دلبر (محبوب) موجود ہوتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جہاں عشق کو اس کی غذا ملے، وہی اس کے لیے بہتر ہے۔ اللہ کے بندوں کو جہاں اللہ کا دیدار ملے وہیں وہ خوش رہتے ہیں۔ اگر جہنم میں بھی اللہ کا دیدار ملے تو وہ جگہ جنت الفردوس سے بہت بہتر ہے، اگر جہنم میں اللہ کا دیدار میسر ہو تو جہنم کا عذاب کوئی حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ ہر بلا اور مصیبت کا علاج تو ہو سکتا ہے مگر خدا سے حجاب میں ہونے کا عذاب جہنم کے عذاب سے بھی بدتر ہے۔ عشق کی زندگی ہو تو تمام تکلیفیں ختم ہو جاتی ہیں۔ پیدا ہونے سے پہلے انسان عالم ارواح میں تھا تو اس کو ہمہ وقت اللہ کی طرف توجہ میسر تھی مگر دنیا میں آنے سے اس کی توجہ مال، اولاد، مکان اور خورد و نوش کی طرف مبذول ہو گئی۔ محبوبین کی ارواح دنیا میں بھی عشق الہی کی وجہ سے ہمہ وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتی ہیں۔ ایسے لوگ جو عشق الہی میں گرفتار ہوں ان کو جنت میں نہیں بلکہ عالمِ حق میں جگہ دی جاتی ہے، جہاں کوئی پھل، پھول اور انہار دیکھنے میں نہیں آتے بلکہ وہاں ہمہ وقت اللہ کا دیدار اس کے عاشقوں کو میسر رہتا ہے۔

گفت معشوقے بعاشق کاے فتی تو بغربت دیدہ بس شہرہا

ایک معشوق نے عاشق سے کہا، اے نوجوان! تو نے مسافرت میں بہت سے شہر دیکھے ہیں۔ (۳۶۳/۳)

پس کدائیں شہر زانہا خوشترست گفت آں شہرے کہ دروے دلبرست

ان میں سے کون سا شہر بہتر ہے؟ اس نے کہا، وہ شہر جس میں معشوق ہے۔ (۳۶۳/۳)

ہر کجا یوسف باشد چو ماہ جنت است آں ارچہ باشد قعر چاہ  
 جہاں چاند جیسا یوسف ہو وہاں جنت ہے، خواہ کنویں کی گہرائی میں ہو۔ (۳۶۴/۳)  
 شد جہنم با تو رضوان و نعیم بے تو شد ریحان و گل نارِ جیم  
 تیرے ساتھ جہنم رضوان اور نعمت بن گئی، تیرے بغیر ریحان اور پھول دوزخ کی آگ بن گئے۔ (۳۶۴/۳)  
 ہر کجا تو با منی من خوشدلم در بود در قعر گورے منزلم  
 جہاں تو میرے ساتھ ہے میں خوش دل ہوں، خواہ میری منزل قبر کے گڑھے میں ہو۔ (۳۶۴/۳)  
 خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود کہ ترا با من سر و سودا بود  
 دونوں جہاں سے زیادہ اچھی جگہ وہ ہے جہاں تجھے میرا خیال و جنون ہو۔ (۳۶۴/۳)  
 کسی شاعر نے کہا ہے ”أَظْلَمُ الْأَشْيَاءِ دَارُ الْحَبِيبِ بِلَا حَبِيبٍ“ یعنی سب سے زیادہ اندھیرے والی چیز حبیب  
 کا وہ گھر ہے جس میں حبیب موجود نہ ہو۔

عشق را پانصد پراست از عرش تا تحت العریٰ

(عشق کے پانچ سو پہ ہیں عرش سے تحت العریٰ تک)

مولانا فرماتے ہیں کہ عشق ایک خدائی وصف ہے، اس میں خوف و ہراس، رنج و غم اور خوشی کی کوئی جگہ نہیں،  
 یعنی ایک عاشق متصف بہ اوصافِ خدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وصف بھی عشق ہے کیونکہ اس نے کائنات اور  
 حضور ﷺ کو جذبہ محبت کے بغیر نہیں پیدا کیا ”كُنْتُ كُنْزًا مُّخْفِيًّا“ والی حدیث میں ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا تو  
 میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ اس حدیث کی تشریح بہت طوالت طلب ہے اور یہ  
 کتاب اس کی مکمل نہیں۔ اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے بالی جبرائیل میں لکھا ہے  
 میری نوائے شوق سے شورِ حریم ذات میں غلغلہ ہائے الاماں بتلدہ صفات میں  
 حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تجلیات میں میری نگاہ سے غلل تیری تجلیات میں  
 تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا میں ہی تو ایک راز تھا سیدۂ کائنات میں  
 اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس قدر تصرفات عطا فرمائے کہ ہر جگہ اس کی خاکِ راہ بن  
 گئی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ایک عاشق کو پانچ سو پہ عطا کئے اور ہر پہ آسمان کی بلندی سے تحت العریٰ تک جاسکتا  
 ہے۔ یہ دنیا والے ایسے عاشق (انسان) کی گردِ راہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

عشق وصف ایزدست اما کہ خوف وصف بندہ مبتلائے فرج و جوف

عشق اللہ کی صفت ہے لیکن خوف شرم گاہ اور پیٹ میں مبتلا بندے کی صفت ہے۔ (۲۲۳/۵)



- پس محبت وصفِ حق داں عشق نیز  
خوف نبود وصفِ یزداں اے عزیز  
(۲۲۳/۵) پس محبت کو اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھ اور عشق کو بھی، اے پیارے! خوف اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہوتی۔
- شرح عشق ار من گویم بر دوام  
صد قیامت بگذرد و آں نا تمام  
(۲۲۳/۵) میں اگر مسلسل عشق کی شرح کروں تو سو قیامتیں گزر جائیں تو بھی وہ ناتمام رہے گی۔
- زانکہ تاریخ قیامت را حدست  
حد کجا آنجا کہ وصفِ ایزدست  
(۲۲۳/۵) کیونکہ قیامت کی تاریخ محدود ہے، اس کی انتہا کہاں جو خدا کی صفت ہے۔
- عشق را پانصد ہرست و ہر پڑے  
از فرازِ عرش تا تحتِ الوہی  
(۲۲۳/۵) عشق کے پانچ سو پر ہیں اور ہر پر عرش کی بلندی سے زمین کے نیچے تک ہے۔
- زاہد باترس می تازد بپا  
عاشقاں پڑاں تر از برق و ہوا  
(۲۲۳/۵) خوف زدہ زاہد پاؤں سے دوڑتا ہے، عاشق بجلی اور ہوا سے زیادہ تیز اڑنے والے ہیں۔
- کے رسند این خافاں در گردِ عشق  
کاسمانرا فرش سازد دروِ عشق  
(۲۲۳/۵) یہ ڈرنے والے عشق کی گرد تک کہاں پہنچ سکتے ہیں کیونکہ عشق کا درد آسمان کو فرش بنا دیتا ہے۔
- پس چه باشد عشق دریائے عدم  
در شکستہ عقل را آنجا قدم  
(۲۲۷/۳) عشق کیا ہے؟ فنا کا دریا ہے، وہاں عقل کے پاؤں شکستہ ہیں۔
- عقل حیراں کہ چه عشق ست و چه حال  
کہ فراقی او عجب تر یا وصال  
(۲۳۷/۳) عقل حیران تھی کہ عشق کیا ہے اور اس کا کیا حال ہے کہ اس میں ہجر زیادہ تعجب خیز ہے یا وصل۔
- عشق از اوّل چرا خونی بود  
تا گریزد آنکہ بیرونی بود  
(۲۵۰/۳) عشق شروع سے خونی کیوں ہوتا ہے؟ تاکہ وہ بھاگ جائے جو اجنبی ہوتا ہے۔
- توبہ بکرم و عشق ہچوں اژدہا  
توبہ کیڑا ہے اور عشق اژدہا کی طرح ہے، توبہ مخلوق کی صفت ہے اور عشق خدا کا وصف ہے۔  
(۱۰۸/۶)
- عشق زادِ صافِ خدائی بے نیاز  
عاشقی بر غیر او باشد مجاز  
(۱۰۸/۶) عشق بے نیاز خدا کے اوصاف میں سے ہے، اس کے غیر سے عاشقی مجاز کی حیثیت رکھتی ہے۔
- آفتابی را رہا کن ذرّہ شو  
(سورج بننے کو چھوڑ، عشق کا ذرّہ بن جا)

عشق میں سوچنے اور جائزہ لینے تک نوبت نہیں آتی، بلکہ فوراً نارِ نمرود میں گود جانے کی رسم دیکھنے میں

آتی ہے۔ جیسے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ۛ

بے خطر کُود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بامِ ابھی

عشقِ ابراہیمؑ نے آتشِ نمرود میں فوراً چھلانگ لگا دی جب کہ انسانی عقل آج بھی ان کے اس عمل پر حیران ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی دنیا میں اگر حکومت ہے تو صرف عشق کی، اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے بے ہودہ

پن ہے ۛ

گولِ میکنِ خویش را و غرہ شو آفتابی را رہا کن ذرہ شو

اپنے آپ کو بے وقوف بنا لے اور فریفتہ بن جا، سورج بننے کو چھوڑ، ذرہ بن جا۔ (۵۲/۵)

بر درم ساکن شو و بیخانہ باش دعویٰ شمعِ مکن پروانہ باش

میرے دروازے پر پڑ جا اور بے گھر بن جا، شمع بننے کا دعویٰ نہ کر، پروانہ بن جا۔ (۵۲/۵)

تا بہ بنی چاشنیءِ زندگی سلطنتِ بنی نہاں در بندگی

تاکہ تو زندگی کا لطف دیکھے اور بادشاہی کو غلامی میں چھپا ہوا دیکھ سکے۔ (۵۲/۵)

عاشقان را شادمانی و غمِ دوست دستِ مزد و اجرتِ خدمت ہمِ دوست

عاشقوں کی خوشی اور غم وہی ہے، مزدوری کا ہاتھ اور خدمت کی اجرت بھی وہی ہے۔ (۶۹/۵)

غیرِ معشوقِ ار تماشائی بود عشقِ نبود ہرزہ سودائی بود

وہ اگر معشوق کے غیر کا تماشائی ہے تو عشق نہیں ہے بلکہ بے ہودہ اور دیوانہ ہے۔ (۶۹/۵)

اصلِ عشقِ مُردن است و نیستی

(عشق کی اصل مرجانا اور فنا ہونا ہے)

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ عشق کی اصل مرنے کے لئے تیار رہنا اور عشق میں فنا ہو جانا ہے۔ ایسی زندگی میں

بقائے دوام ہے۔ یہ وہ مذہب ہے جہاں جان دے دینا باعثِ عزت ہے، موت سے ڈرنا بزدلی ہے۔ جو شخص عشق

میں زندگی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اطاعت کے علاوہ سب کچھ غلامی یا کفر ہے ۛ

گفت معشوقِ این ہمہ کردی و لیک گوشِ بکشا پہن و اندر یاب نیک

معشوق نے کہا، یہ سب کچھ تو نے کیا لیکن کان کھول لے اور خوب سمجھ لے۔ (۱۳۱/۵)

کانچہ اصلِ عشقِ ست و ولاست آں نکردی آنچه کردی فرہاست

جو دوستی اور عشق کی جڑ کی جڑ ہے تو نے وہ نہیں کیا، جو کچھ کیا وہ شاخیں ہیں۔ (۱۳۱/۵)

گفتش آن عاشقِ بگو کاں اصلِ چیست گفت اصلشِ مردنت و نیستی

اس سے عاشق نے کہا، فرمائیے! وہ جڑ کیا ہے؟ اس نے کہا، اس کی جڑ مرنا اور فنا ہونا ہے۔ (۱۳۲/۵)



تو ہمہ کردی نمردی زندہ ہیں بمیرار یارِ جاں با زندہ  
 تو نے سب کچھ کیا، تو مرا نہیں زندہ ہے، ہاں مر جا اگرچہ جان کو فنا کرنے والا تیرا دوست ہے۔ (۱۳۲/۵)  
 گر بمیری زندگی یابی تمام نام نیکوئے تو ماند تا قیام  
 اگر تو مر جائے گا اور مکمل زندگی حاصل کر لے گا تو حشر تک تیرا نیک نام زندہ رہے گا۔ (۱۳۲/۵)  
 ہر کہ اندر عشق یابد زندگی کفر باشد پیش او جز بندگی  
 جو شخص عشق میں زندگی حاصل کر لے اس کے نزدیک غلامی کے علاوہ ہر چیز کفر ہے۔ (۱۹۱/۵)  
 ہست برپائے دلم از عشق بند سود کے دارد مرا ایں وعظ و پند  
 میرے دل کے پاؤں میں عشق کی بیڑی ہے پھر مجھے یہ وعظ اور نصیحت کہاں مفید ہو سکتی ہے؟ (۱۹۶/۵)  
 مقصد او جز کہ جذبِ یار نیست

(عشق کا مقصد رضائے یار کے سوا کچھ نہیں)

مولانا نے فرمایا کہ عشق کا قبلہ خدا ہے اور باطل کا قبلہ شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گو عبادات کو واجب قرار دیا ہے مگر اصل عبادت اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ اگر انسان کا سر نماز میں ٹھک گیا تو کیا حاصل، اصل بات تو دل کے پاک ہونے کے بعد اللہ کے سامنے دل کو جھکانے میں ہے اور انسان یہ سمجھے کہ ”قُلْ اِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (یعنی بے شک آپ یہ کہیں کہ میری نماز و قربانی، میرا زندہ رہنا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے۔ (الانعام: ۱۶۲))

پیر عشقِ تست نے ریشِ سپید دنگیرِ صد ہزاراں ناامید  
 عشق تیرا پیر ہے، نہ کہ سفید داڑھی، جو لاکھوں مایوسوں کا دنگیر ہے۔ (۳۳۰/۵)  
 عشق صورتِ ہاں در فراق تا مقصور سر کند وقتِ سلاق  
 عشق جدائی میں تصویریں بناتا ہے، یہاں تک کہ ملاقات کے وقت تصویر زو نما ہو جاتی ہے۔ (۳۳۰/۵)  
 عشق بحرے آسمان بر وے کفے چوں زلیخا در ہوا یی یوٹے  
 عشق ایک سمندر ہے، آسمان اس پر ایک جھاگ ہے، جیسے کہ زلیخا، یوسفؑ کے عشق میں تھی۔ (۳۸۷/۵)  
 دور گردو نہا زموجِ عشقِ داں گر نبودے عشقِ بفرودے جہاں  
 آسمانوں کی گردش عشق کی موج سے سمجھ، اگر عشق نہ ہوتا تو جہاں ٹھہر جاتا۔ (۳۸۷/۵)

عشق را بانج و باش کار نیست مقصد او جز کہ جذبِ یار نیست  
 عشق کو پانچ اور چھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے، یار کی توجہ کے سوا اس کا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ (۱۵/۶)  
 قبلہ عاشق حق آمد اے پسر قبلہ باطل بلیس ست اے پدر  
 اے بیٹا! عاشق کا قبلہ خدا ہے، اے باوا! باطل کا قبلہ شیطان ہے۔ (۱۹۲/۶)

## دردِ دل عاشق بجز معشوق نیست

(عاشق کے دل میں اپنے محبوب کے سوا کوئی نہیں)

قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کا دھیان ہر لمحہ اللہ کی طرف رہتا ہے اور جو کسی سے محبت کرتا ہے تو اکثر اوقات اس کا ذکر اس کے ہونٹوں پر رہتا ہے۔ درج ذیل آیت میں اللہ کے بندوں کا اس کی محبت سے غافل نہ ہونے کا ذکر ہے۔

رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ  
عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ. (النور: ۳۷)

یعنی اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت ان کو خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے بندے تجارت اور خرید و فروخت میں بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔ یہ بندے ذکر میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر وہ اللہ کی یاد سے ایک لمحہ کے لئے غافل ہوئے تو وہ مُرد ہو جائیں گے۔ عاشق خدا بھی اسی کی یاد سے اپنے دلوں کو معمور رکھتے ہیں۔ مجنوں کے متعلق بھی مولانا رومیؒ نے لکھا ہے کہ وہ لیلیٰ کا نام اس لیے لیتا ہے کہ اس سے اس کے دل کو تسلی ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ ”أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ“ (الرعد: ۲۸) یعنی یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔ یہ اوصاف ایک عاشق پر بھی صادق آتے ہیں۔

عقل آں جوید کزاں سودے برد  
لا ابالی عشق باشد نے خرد

بے پرواہ عشق ہوتا ہے نہ کہ عقل، عقل وہ تلاش کرتی ہے جس سے وہ نفع اٹھا سکے۔ (۱۹۸/۶)



عشق را در پیمیشِ خود یار نیست  
پیم و تاب میں عشق کا کوئی دوست نہیں ہے، اس کا محرم گاؤں میں کوئی رہنے والا نہیں ہے۔ (۱۹۹/۶)

نیمت از عاشق کسے دیوانہ تر  
عقل از سودائے او کورست و کر  
عاشق سے زیادہ دیوانہ کوئی نہیں ہے، عقل اس کے جنون میں اندھی اور بہری ہے۔ (۱۹۹/۶)

یک دم بھراں بر عاشق چو سال  
وصلِ سالِ متصل پیشِ خیال  
عاشق کے نزدیک ہجر کا ایک لمحہ ایک سال جیسا ہے، سال بھر کا مسلسل وصل اس کے لئے ایک خیال ہے۔ (۲۶۰/۶)

در دلِ عاشق بجز معشوق نیست  
درمیاں شاں فارق و مفروق نیست  
عاشق کے دل میں معشوق کے سوا کچھ نہیں ہے، ان کے درمیان جدا کرنے والا اور جدائی کا سبب پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ (۲۶۱/۶)

عشق مستقی ست مستقی طلب  
درپئے ہم این و آل چوں روز و شب  
عشق پیاسا ہے اور پیاسے کا طلب گار ہے، یہ اور وہ، دن اور رات کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے ہیں۔ (۲۶۱/۶)

با دو عالم عشق را بیگانی

(عشق کو دونوں عالموں سے اجنبیت ہے)

یہ بات مسلم ہے کہ مشاہدہ ہو جائے تو یقین میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ مدار یوں کی طرح کوئی کرشمے (بذریعہ کلام یا پیناژم) دکھائیں تو ان کی بات عوام پر چھا جاتی ہے۔ عشق والوں کی بات میں دکھاوا نہیں ہوتا کیونکہ دنیا کی دولت کی ان کو پرواہ نہیں ہوتی۔ عشق کو تو دونوں جہانوں سے اجنبیت ہوتی ہے۔ عشق والے تو اپنے اندر کی سیکنڈوں دیوانگیوں کی وجہ سے دنیا سے لعلق رہتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

با جمالی جاں چو شد ہم کاسء  
باشد ز اخبار و دانش تاسء  
جو روح کے حسن کا ہم پیالہ بن گیا، اس کو خبروں اور علم و دانش سے نفرت ہو جاتی ہے۔ (۳۶۸/۳)

دید بر دانش بود غالب فزا  
زاں ہی دنیا بچر بد عامہ را  
آنکھوں سے دیکھ لینا عقل پر غالب ہوتا ہے، اسی لئے دنیا عوام پر چھا جاتی ہے۔ (۳۶۸/۳)

زانکہ دنیا را ہی بیند عین  
واں جہانے را ہی دانند دین  
کیونکہ وہ دنیا کو اصل اور حقیقت سمجھتے ہیں اور اس عالم کو اُدھار سمجھتے ہیں۔ (۳۶۸/۳)

لیکن عشق کی شمع اس شمع کی طرح نہیں ہے، وہ روشن، در روشن، در روشن ہے۔  
لیکن عشق کی شمع اس شمع کی طرح نہیں ہے، وہ روشن، در روشن، در روشن ہے۔ (۳۷۴/۳)

کرد فضلِ عشقِ انسان را فضول زیں فزوں جوئی ظلوم ست و جہول  
عشق کی بڑائی نے انسان کو فضول بنا دیا، اسی بڑھی ہوئی جستجو کی وجہ سے وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔ (۴۴۳/۳)  
با دو عالم عشق را بیگانگی اندرو ہفتاد و دو دیوانگی  
عشق کو دونوں جہانوں سے اجنبیت ہے، اس میں بہتر (۷۲) دیوانگیاں ہیں۔ (۴۴۷/۳)

کورم از غیر خدا پینا بدو

(میں خدا کے غیر سے ناپینا ہوں اور خدا سے پینا ہوں)

درج ذیل اشعار میں بھی عاشق کی کیفیات بیان کی گئی ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ کے عاشقوں کو غیر اللہ کی خبر نہیں ہوتی اور وہ تو ہمہ وقت معیتِ خدا میں رہتے ہیں۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص فرائض کے ادا کرنے کے بعد زائد (نفل عبادت) ذوق و شوق سے کرے تو اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ اور اس کی زبان خدا کی زبان بن جاتی ہے (حدیث کافی طویل ہے) عاشق کو ہمہ وقت خدا سے کام رہتا ہے۔

میروم یعنی نمی ارزد بدان عشقِ جاناں کم ندان از عشقِ ناں  
میں چلتا رہوں گا، یعنی (یہ چلنا) اس (محبوب) کے برابر نہیں، محبوب کے عشق کو روٹی کے عشق سے کم نہ سمجھ۔ (۱۹۵/۳)  
سال و مہ رنم سفر از عشقِ ماہ بے خبر از راہ و حیراں در الہ  
چاند کے عشق میں سالوں اور مہینوں میں نے سفر کیا، راستہ سے بے خبر تھا اور اللہ تعالیٰ میں محو تھا۔ (۱۹۵/۳)

تو ہمیں ایں پائے ہارا بر زمیں زانکہ بر دل میرود عاشق یقین  
تو ان پاؤں کو زمین پر نہ سمجھ کیونکہ عشقِ واقعہ دل (کے بل) پر چلتا ہے۔ (۱۹۵/۳)

کورم از غیر خدا پینا بدو مقتضائے عشقِ ایں باشد بگو  
میں خدا کے غیر سے ناپینا اور خدا سے پینا ہوں، بتا! عشق کا یہی مقتضاء ہے۔ (۲۲۹/۳)

کوری عشق است ایں کوری من حُبِ یحییٰ و یقیم ست اے حسن  
میرا اندھا پن عشق کا اندھا پن ہے، بھلے (یہ) محبت اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے (کا مصداق ہے)۔ (۲۲۹/۳)

ور بگوید کفر آید بوے دیں

(اگر عاشق کفر کی بات کرتا ہے تو اس میں ایمان کی بو آتی ہے)

مولانا نے اس موضوع پر بہت سے اشعار لکھے ہیں، ایک جگہ فرمایا ہے کہ اگر پلید آدمی دین کو پکڑے تو اس کو بھی پلید کر دیتا ہے اور اگر کوئی نیک آدمی بُری چیز کو پکڑے گا تو اس کو بھی دین میں تبدیل کر دے گا۔ ایک جگہ فرمایا کہ یہ مشکل ہے کہ ایک عاشق اگر کفر کو پکڑے تو اسے مسلمان نہ کر دے (کفر در عشق محال است کہ ایمان نشود)



حضرت جنیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ ”اگر کوئی مسلمان چاہے کہ گرجا میں چلا جائے تو کیا وہ جاسکتا ہے؟“ فرمایا: ”ہاں! جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہاں سے ایک دو کو مسلمان کر کے ساتھ لے آئے۔“

چونکہ جزوے عاشق جزوے شود زود معشوق بگلن خود رود  
جب کوئی جزو، کسی جزو کا عاشق ہوتا ہے تو اس کا معشوق بہت جلد اپنے گل کی طرف چلا جاتا ہے۔ (۲۹۶/۱)

عشق شنگ بے قرار بے سکون چوں درآرد کلن تن را در جنوں  
شوخ، بے چین، بے قرار عشق کس طرح سارے بدن کو جنوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (۲۹۸/۱)

گر بگوید فقہ فقر آید ہمہ بؤے فقر آید ازاں خوش ددمہ  
اگر وہ فقہ کی بات کرتا ہے تو سب فقر ہو جاتا ہے، اس کی خوش گفتاری سے فقر کی خوشبو آتی ہے۔ (۳۰۳/۱)

در بگوید کفر آید بؤے دیں آید از گفتہ شگش بؤے یقیں  
اگر وہ کفر کی بات کہتا ہے تو دین کی خوشبو آتی ہے، اس کے شک کی بات سے بھی یقین کی خوشبو آتی ہے۔ (۳۰۳/۱)

عاشقان را کار نبود باوجود

(عاشقوں کو وجود سے کوئی کام نہیں ہوتا)

مولانا روٹیؒ فرماتے ہیں کہ عاشقوں کو غذا رُوح کے ذریعے ملتی ہے۔ ان کے نزدیک جسم لباس غیر ہے اور وہ اس کو اتار پھینکتے ہیں۔ عاشق کی غذا اس کا عشق ہے۔ سچا عاشق وجود کا پابند نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اللہ والے کبھی کہیں اور کبھی کہیں نظر آتے ہیں۔ معراج رسول ﷺ بھی اس کی ایک مثال ہے کہ آپ اس وجود کو ترک کر کے دوسرے وجود کے ساتھ معراج پر گئے۔ حضور ﷺ کا قول ہے کہ ”أَجْسَادُنَا أَرْوَاحُنَا وَأَرْوَاحُنَا أَجْسَادُنَا“ یعنی ہمارے جسم ہماری رُوح کی کیفیت رکھتے ہیں اور ہماری رُوح ہمارے جسم کی صورت رکھتی ہے۔

عاشقان را کار نبود باوجود عاشقان را ہست بے سرمایہ سود  
عاشقوں کو وجود سے واسطہ نہیں ہوتا ہے، عاشقوں کا نفع بغیر سرمایہ کے ہوتا ہے۔ (۲۹۱/۳)

عاشقان اندر عدم خیمہ زدند چوں عدم کیرنگ و نفس واحدند  
عاشقوں نے عدم میں خیمہ لگایا، وہ عدم کی طرح یکساں اور یک جان ہو گئے۔ (۲۹۱/۳)

نزد عاشق درد و غم حلوا بود لیک حلوا برخساں بلوا بود  
عاشق کے لئے درد اور غم حلوا ہوتا ہے لیکن کینوں کے لئے حلوا مصیبت ہوتا ہے۔ (۲۹۲/۳)

عشق باشد لوت پوت جانہا جوع ازیں رویت قوت جانہا  
عشق جانوں کے لئے قسم قسم کا کھانا ہوتا ہے، اس لحاظ سے بھوک رُوحوں کی غذا ہے۔ (۲۹۳/۳)

## عشق بر مردہ نباشد پائدار

(عشق مردوں کو راس نہیں آتا)

ایک بہت مشہور شعر ہے ”عاشقی زندہ دلی کا نام ہے، مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں“ عشق کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ بڑی بڑی شخصیتوں کو عشق کے معاملے میں کورایا اندھا پایا گیا ہے۔ اہل عشق میں اس قدر صلاحیتیں جمع ہو جاتی ہیں کہ بڑے بڑے عاقلوں کو ان کے سامنے بات کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔ منقول ہے کہ کافروں کی ایک مجلس میں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ جا کر بیٹھ گئے۔ اس مجلس کا پنڈت جب آیا تو تقریر نہ کر سکا۔ آخر اس نے پوچھا کہ کیا اس جگہ کوئی غیر مذہب کا آدمی تو نہیں بیٹھا؟ حضرت نے اس جگہ حاضر ہونے کا اعتراف کیا۔ اس کافر نے کہا کہ اگر میرے چند سوالوں کا جواب دے دو تو میں مسلمان ہو جاؤں گا اور پھر آپ نے اس کے تمام سوالوں کا جواب دیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں ۔

پُوز بندِ وسوسہ عشق ست و بس ورنہ کے وسواس را بست ست کس

وسوسے کے لئے چمکا عشق ہی ہے اور بس، ورنہ وسوسہ کو کس نے بند کیا ہے؟ (۳۲۶/۵)

عاشقے شو شاید خوبے بجو صید مرغابی ہی کن جو بجو

عاشق بن اور حسین معشوق تلاش کر، نہر در نہر مرغابی کا شکار بھی کرتا رہ۔ (۳۲۶/۵)

عشق برد بحث را اے جان و بس کو زگفت و گو شود فریادرس

اے جان! عشق بحث کو کاٹ دیتا ہے کیونکہ وہ گفتگو کے معاملے میں فریادرس بن جاتا ہے۔ (۳۲۷/۵)



حیرتے آید ز عشق آں نطق را زہرہ نبود کہ کند او ماجرا  
عشق سے گویائی پر حیرت طاری ہو جاتی ہے، اس کو پتہ نہیں رہتا کہ وہ کیا گفتگو کرے۔ (۳۲۷/۵)

پس نیاری بیچ جنیدن زجا تاگیرد مرغ خوب تو ہوا  
تو جگہ سے اُل نہ سکے گا تاکہ تیرا حسین پرندہ ہوا نہ پکڑ لے۔ (۳۲۷/۵)

عشق بر مُردہ نباشد پائدار عشق را بر ختی جاں افزاے دار  
مُردے سے عشق پائیدار نہیں ہوتا، زندہ جان بڑھانے والے سے عشق کر۔ (۳۳۰/۵)

### عشق عاشق جانِ او را سوختہ

(عاشق کے عشق نے اس کی جان کو جلا ڈالا)

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ عام دُنیا دار تو رُخ اور رُخسار کی زیبائش اور حسنِ دُنیا میں رات دن اُلجھے رہتے ہیں مگر ایک عاشق کو عشق کے نصاب سے ہی فرصت نہیں ملتی، رُوحانیت کے معاملہ میں کچھ دروس اور اسباق اِس قدر جان طلب ہیں کہ وہ بے چارہ اپنی جان کو ہلاک کر دیتا ہے، مثلاً ذکر کے سیکھنے کے لئے احکامات وصول کر کے ان کے مطابق ذکر کرنا اور اس میں نفس کی آلودگیوں کو ختم کرنا ایک بہت محنت طلب امر ہے، جس میں اس کی جان پگھل جاتی ہے۔ اس کے علاوہ غذا اور غذائیت کا حساب اِس قدر طویل ہے کہ کھانا کتنا کھایا جائے اور کہاں سے کھایا جائے اور اس کو ہضم کرنے کے اسباب کو زیرِ غور رکھا جائے۔ خواب اور شب بیداری کا تعین کرنا، نفس کی ہر حرکت پر نگاہ رکھنا، یہ تمام ایسے امور ہیں جن میں بہت احتیاط اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اتنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال رکھنا ایک اچھا خاصا نصاب ہے، جس سے عاشق کو اپنی جان پگھلانا ہوتی ہے۔

عشق معشوقاں دو رُخ افروختہ عشق عاشق جانِ او را سوختہ  
معشوقوں کے عشق نے دونوں رُخسار روشن کر دیئے ہیں، عاشق کے عشق نے اس کی جان جلا ڈالی ہے۔ (۳۲۲/۳)

گُہر با عاشق بشکلِ بے نیاز کاہ می کوشد دراں راہِ دراز  
گُہر با، بے نیازی کے ساتھ عاشق ہے، تنکا اس (عشق) میں دراز راستہ طے کرتا ہے۔ (۳۲۲/۳)

ایں رہا کن عشق آں تشنہ دہاں تافت - اندر سینہ صدرِ جہاں  
اس کائنات کے باہمی عشق کو چھوڑ کر اس پیاسے کا عشق جہاں کے سینے میں چمک اُٹھا۔ (۳۲۲/۳)

دور آں عشق و غم آتشکدہ رفتہ در مخدوم او مُشفیق شدہ  
اس عشق کا دُھواں اور بھٹی کا غم مخدوم کو پہنچا، وہ مہربان ہو گیا۔ (۳۲۲/۳)

بس شلجہ کرد عشقش بر زمیں خود چرا دارد زاوّل عشق کیں  
 اس کو عشق نے زمیں پر شلجے میں کس دیا ہے، نامعلوم عشق ابتداء ہی سے دشمنی رکھتا ہے۔ (۳۵۰/۳)  
 عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اوّلیٰ بود  
 اللہ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کم کیسے ہو سکتا ہے، گیند کی طرح خدا کے لئے لڑھکنا تو زیادہ مناسب ہے۔ (۱۵۵/۴)  
 علامہ اقبالؒ نے بھی عشق اور عقل کے مقابلے میں بہت کچھ بیان کیا ہے۔ اس موضوع پر راقم الحروف نے ایک  
 کتاب ”عقل و عشق اور علامہ اقبالؒ کا فلسفہ خودی“ کے نام سے لکھی ہے، جو عنقریب ورطہ اشاعت میں آنے والی  
 ہے۔ اس کتاب سے زیادہ معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ یہاں کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

عقل عیار ہے، سو بھیس بنا لیتی ہے عشق بیچارہ نہ زاہد ہے، نہ مُلا نہ حکیم  
 ہے ابد کے نسخہ دیرینہ کی تمہید عشق عقل انسانی ہے فانی، زندہ و جاوید عشق

بے خطر گود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشا ئے لبِ بامِ ابھی  
 عشق فرمودہ قاصد سے سبک گامِ عمل عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغامِ ابھی

نگہ اُبھی ہوئی ہے رنگ و بو میں خُرد کھوئی ہوئی ہے چار سو میں

خُرد سے راہرو روشن بصر ہے خُرد کیا ہے، چراغِ راہگزر ہے  
 درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا؟ چراغِ راہگزر کو کیا خبر ہے؟



چودھواں باب

## عقل اور عشق

(عقل اور عشق کا باہمی تعلق)

چوں بعشق آمد قلم بر خود شکافت

(قلم جب عشق کو بیان کرے تو وہ شق ہو جاتا ہے)

عشق ایک مصدرِ حیات، وجہِ تکوین و ارتقائے کائنات ہے۔ عشق ہر ہستی کی رگ و پے میں جاری، حجر و شجر، حیوان و انسان پر کسی نہ کسی رنگ میں طاری ہے۔ عقل جزوی جب عشق کی شرح بیان کرتی ہے تو ایسے ہوتی ہے جیسے گدھا دلدل میں بھنسنے لگا ہوا پاؤں مارتا ہے اور جس قدر کوشش کرتا ہے اتنا ہی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ اس کا تعلق وجدان سے ہے بیان سے نہیں۔

ہرچہ گویم عشق را شرح و بیاں چوں بعشق آیم نخل باشم ازاں

میں عشق کی تشریح اور بیان جو کچھ کرتا ہوں، جب عشق میں پڑتا ہوں تو اس سے شرمندہ ہوتا ہوں۔ (۴۳/۱)

گرچہ تفسیرِ زباں روشنگر است لیک عشق بے زباں روشن ترست

اگرچہ زبان کی تشریح روشنی ڈالنے والی ہے لیکن بے زبان عشق زیادہ روشن ہے۔ (۴۳/۱)

چوں قلم اندر نوشتن می شنافت چوں بعشق آمد قلم بر خود شکافت

چونکہ قلم لکھنے میں مصروف تھا اور جو نبی عشق پر پہنچا قلم خود چر گیا۔ (۴۳/۱)

چوں سخن در وصفِ این حالت رسید ہم قلم بشکست وہم کاغذ درید  
جب اس حالت کے بیان کی بات آئی تو قلم ٹوٹ گیا اور کاغذ بھی پھٹ گیا۔ (۴۳/۱)

عقل در شرحِ چو خر در گلِ بخت شرحِ عشق و عاشقی ہم عشق گفت  
عقل اس کی شرح میں مٹی میں پھنسے ہوئے گدھے کی طرح ہو گئی، عشق اور عاشقی کی شرح بھی عشق نے ہی کی ہے۔  
(۴۳/۱)

### ایمانِ تقلیدی اور عقلِ دونوں کی نارسائی

مولانا فرماتے ہیں کہ عقل استدلالی یا جودی حقائقِ حیات کے لئے یقین آور نہیں۔ مقلد لوگ بلا سوچے سمجھے پہلوؤں کے اعمال اور اقوال کے نقال ہیں، ان میں نہ بصیرت ہے، نہ حکمت۔ دوسرا گروہ استدلالی ہے۔ اس گروہ والے استدلال سے کام لیتے ہیں جو کہ حقیقت تک راہ نمائی نہیں کرتی۔ یہ لوگ وجدانِ حیات پا ہی نہیں سکتے کیونکہ ان کا علم ظنی ہوتا ہے اور ظن کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ استدلالی لوگوں کی مثال اندھوں کی سی ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ رستہ چل لیتے ہیں مگر ان کی راہ نمائی آنکھوں والے کر دیتے ہیں، ورنہ اگر صرف اندھے ہی ہوتے تو سب مر کر فنا ہو جاتے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر عالمِ رُوحانی کے دیدہ ورنہ ہوتے تو یہ مقلد کس کی تقلید کرتے۔ اگر انبیاء اور اولیاء کے الہامات اور وجدانات نہ ہوتے تو مردِ حکیم کا استدلال ان کو راستہ نہ دکھا سکتا۔ استدلالی جو بھی راستہ ہے وہ کسی دیدہ ورنہ کی روشنی میں چلنا ہے۔ بعض کو رانہ تقلید کرنے والوں کا بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بعض اندھے مرد اُن بینا کی راہ نمائی میں چلنے والے کے شکر گزار ہونے کی بجائے انہی پر لاشی برسانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ استدلالی اندھوں کا حال ہے تو مقلدین کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اہل بصیرت پر لٹھ چلانے لگتے ہیں۔

مادی علم والے انفس اور آفاق کے منکر ہوئے ہیں اگر یہ اس انفس اور آفاق کی جھلک دیکھ لیں تو قائل ہو جائیں۔ ابلیس نے بھی آدم علیہ السلام کو مٹی کا ایک پتلا سمجھا تھا اس لئے وہ جحد سے انکار کر بیٹھا۔ وہ مخرِ کائنات اور عالمِ اشیاء کا علم رکھنے والے آدم کی ماہیت کو نہ دیکھ سکا۔ فطرتِ لامتناہی عالمِ مادی میں بھی نظر آتی ہے۔ سورج جو کچھ روشنی دیتا ہے اپنے باطن سے پالیتا ہے، اس کی روشنی کم نہیں ہوتی۔ مولانا فرماتے ہیں جس طرح سورج کو باطن سے انرجی ملتی ہے، اسی طرح انسان کو بھی غیب سے نئی طاقتیں ملتی رہتی ہیں۔ زندگی کا مقصد مسلسل جدوجہد اور پیروی ہے۔ بیشہء عالم میں انسان ایک شکاری ہے۔

جانِ فشاں اے آفتابِ معنوی مر جہانِ گہنہ را ہما نوی  
اے رُوحانی سورج جاں فشائی کر، پرانی دُنیا کو نُوئی دُنیا بنا دے۔  
(۲۴۰/۱)



## منطقی عقل اور عشق کی عقل

مولانا فرماتے ہیں کہ منطقی استدلال اور جزوی عقل کو کسی تسلی بخش فیصلے پر نہیں پہنچا سکتے۔ حقیقت اسی حرفِ عشق سے پیدا ہو سکتی ہے۔ عشق کے پاس اپنی ایک عقل ہے جو ہمارے معقولات سے ہزار درجے زیادہ حقائق کو واضح کر سکتی ہے۔ مجروری عقل تو انسان کے لئے دنیوی کاروبار اور روزی اور مادی ماحول میں زندگی بسر کرنے کا ایک آلہ یا وسیلہ ہے۔ یہ وہ عقل نہیں جس سے چودہ طبق روشن ہو جائیں۔ کنہء حیات تک پہنچنا استدلالی عقل کا کام نہیں۔ جب عشق انسان کی رُوح میں بس جائے تو بحث مباحثہ اور مناظرہ ختم ہو جاتا ہے۔ عاشق اس لئے خاموش رہتا ہے کہ اس کے منہ سے بیش بہا موتی زمین پر نہ گر جائیں۔ رسول ﷺ کے اصحاب ایسے ہوتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر کوئی قیمتی پرندہ آن بیٹھا ہے اور یہ خطرہ رہتا تھا کہ ذرا سی جنبش کی تو سر سے اڑ جائے گا۔

پس نیاری ہیچ جنبدن زجا تاگیرد مرغ خوب تو ہوا  
پس اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ قیمتی پرندہ ہوا سے اڑ جائے۔  
(۳۲۷/۵)

## عالم رُوحانی اور عقلِ خالص الفاظ کے محتاج نہیں

رُوحانی عالم الفاظ و بیان کا عالم نہیں۔ عقلِ خالص بھی رُوحانی عالم کی چیز ہے، لوگوں نے اسے الفاظ کا محتاج سمجھ لیا ہے اور کہتے ہیں کہ اگر الفاظ نہ ہوں تو عقل بھی صفر ہو جائے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ رُوحانی عقل کا دریا الفاظ کی پن چکی چلاتا ہے کیونکہ مادی دُنیا میں اس کی ضرورت رہتی ہے اور اگر اس پن چکی کی ضرورت نہ رہے، تب بھی یہ دریا بدستور رواں رہتا ہے۔

ناطقہ سُوئے دہاں تعلیم راست ورنہ خود آں آب را جوئے جُداست  
(قوتِ گویائی) منہ میں (تمہاری) تعلیم کے لئے ہے، ورنہ اس پانی کی نہر علیحدہ (دل میں) ہے۔  
(۳۲۳/۱)

می رود بے باغ و بے تکرار ہا تَحْتَهَا اَلْاَنْهَارُ تا گلزار ہا  
وہ (پانی) جاری ہے بغیر شور اور نزاع کے، ان چمنوں تک جن کے نیچے نہریں ہیں۔  
(۳۲۳/۱)

مولانا دعا کرتے ہیں کہ الہی! میری رُوح کو پھر اس مقام میں لے جا جہاں کلام الفاظ کا محتاج نہیں ہوتا، اس مقام کو لوگ عدم کہتے ہیں۔ حیاتِ جاودانی وہیں ہے، ہمارے خیالات اور وجود کا سرچشمہ اور مصدر وہی عالم ہے۔ انسان کے خیالات اسی لئے پریشان رہتے ہیں کہ وہ عدم کے مقابلے میں بہت تنگ اور محدود ہیں، رُوح انسان کو اس سے تسلی نہیں ہوتی۔

اے خدا جاں را تو نما آں مقام کاندرو بے حرف می روید کلام  
اے خدا! رُوح کو وہ مقام دکھا دے جس میں بغیر حروف کے کلام پیدا ہوتا ہے۔  
(۳۲۳/۱)

تاکہ سازد جان پاک از سر قدم سوئے عرصہ دور پہنائے عدم  
(۳۲۳/۱) تاکہ پاک روح سر کے بل جائے، اس میدان کی جانب جو وسیع اور معدوم ہے۔

عرصہ بس باکشا و بانضا دیں خیال و ہست یابد زدوا  
(۳۲۳/۱) وہ میدان (عالم غیب) جو وسیع اور پُر فضا ہے، یہ (عالم) مثال اور (عالم) شہود اس سے ساز و سامان پاتا ہے۔  
تنگ تر آمد خیالات از عدم زان سبب باشد خیال اسباب غم  
(۳۲۳/۱) عالم مثال عدم (عالم غیب) سے چھوٹا ہے، اسی وجہ سے عالم مثال غم کا سبب بنتا ہے۔

حس و رنگ کی ہستی تو اتنی ہے کہ اہل دل کو زنداں (قید خانہ) محسوس ہوتی ہے، امر کا لفظ ”گن“ عالم امر میں  
ایک فعل بسیط تھا لیکن عالم خلق میں آکر وہ کاف اور نون (گن) کا مرکب بن گیا۔

### عشق و عقل کی مزید وضاحت

کسی مذہب کی اچھائی اس میں ہے کہ وہ محبت کو عالمگیر بنائے یعنی اپنوں اور غیروں میں کوئی تمیز نہ کرے، محبت  
کا ہر فرد حقدار ہے۔ دوسرا معیار جو کسی قوم میں ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس کی تعلیم عقل کو خالص بنائے اور اس  
کو ترقی دے تاکہ عقل مطلوبہ معیار تک پہنچ سکے۔ مولانا کے سینکڑوں اشعار اس بات کو پیش کرتے ہیں کہ عشق اور  
عقل ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں اور ان کا باہم رابطہ یوں ہے کہ محبت سے صحیح دانش پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ بھی  
کہتے ہیں کہ عقل جب شہوات یا جذبات کی غلام نہ ہو یا نفسِ امارہ کی محکوم نہ ہو تو ایسی عقل عشق کی طرف رہبری  
کرتی ہے۔ حقیقی علم بے تاثر نہیں ہو سکتا۔ وہ تاثیر جس کو محبت کہتے ہیں، معرفت کائنات اور عرفانِ حیات کا ہی  
سرچشمہ ہے اور جس محبت کو اندھا کہا جاتا ہے وہ ایک محدود اور خام چیز ہے۔ چٹنگی کے بعد وہ منیر اور مستنیر ہو جاتی  
ہے۔ ناقص محبت اور ناقص دانش نے محبت اور دانش کو بدنام کر رکھا ہے۔

ایں محبت ہم نتیجہ دانش است کے گزافہ بر چین تخته نشست  
(۱۵۴/۲) یہ محبت بھی سمجھ کا نتیجہ ہے، بکواسی ایسے تخت پر کب بیٹھ سکتا ہے۔

دانش ناقص کجا ایں عشق زاد عشق زاید ناقص اما بر جماد  
(۱۵۴/۲) ناقص عقل نے یہ عشق کب جتا ہے، ناقص عقل عشق پیدا کرتی ہے لیکن پتھر سے۔

ناقص محبت جامد اشیاء پر گرتی ہے اور فانی چیزوں کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے، فانی چیزوں پر حسن عارضی طور پر  
ہوتا ہے، جس طرح دھوپ دیوار پر کچھ دیر آئی اور چلی گئی۔ حسنِ ازل کی چمک تو چند لمحوں کے لئے ہوتی ہے۔ ذوق  
کا شعر ہے کہ ہستی ناپائیدار کا ہنگامہ گرم ہوتا ہے اور برق اتنی دیر کے لئے ہوتی ہے، جس طرح شرار کا تبسم  
ہنگامہ گرم، ہستی ناپائدار کا چمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

ہستی گرم کا ہنگامہ ناپائدار ہوتا ہے، گویا یہ بجلی کی چمک ہے جس طرح شرار کا تبسم۔ (ذوق)



دانش ناقص نداند فرق را لا جرم خورشید داند برق را  
 دانش ناقص فرق نہیں جان سکتی، بے شک سورج تو برق کو جان سکتا ہے۔ (۱۵۴/۲)  
 شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ انسان کی امتیازی خصوصیت اس کی عقل ہے، ورنہ جسم اور جان تو گدھے میں بھی  
 ہوتی ہے۔ حادثاتی نقائص، مثلاً کوئی لولا یا لنگڑا ہو تو وہ نقص لاعلاج ہے مگر عقل ناقص کا علاج ہو سکتا ہے، بشرطیکہ  
 معالج صحیح ہو۔ لنگڑے اور لوہے کو لوگ لعن نہیں کرتے کیونکہ وہ لاعلاج ہے مگر احمق کو ضرور بُرا کہتے ہیں کیونکہ وہ  
 علاج سے گریز کرتا ہے۔

نقص عقلست آن کہ بد رنجور است موجب لعنت سزائے دوریت  
 بُری بیماری عقل کی کمی ہے، جو لعنت کا سبب اور دُور رہنے کے قابل ہے۔ (۱۵۴/۲)  
 زانکہ تکمیل خردہا دور نیست لیک تکمیل بدن مقدور نیست  
 کیونکہ عقلوں کی تکمیل بعید نہیں ہے لیکن بدن کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔ (۱۵۴/۲)  
 زانکہ ناقص تن بود مرحوم رحم نیست بر مرحوم لائق لعن و زعم  
 اس لئے کہ ناقص جسم قابلِ رحم ہوتا ہے، قابلِ رحم لعنت و زحمت کے لائق نہیں۔ (۱۵۴/۲)  
 مولانا فرماتے ہیں کہ ہر فرعون اور جھگڑالو کافر کا کفر نقصانِ عقل ہی کے باعث ہے اس لئے وہ بدنام ٹھہرتا ہے۔  
 کفر فرعونے و ہر گبر عنید جملہ از نقصان عقل آمد پدید  
 فرعون اور ہر سرکش کافر کا کفر عقل کی کمی سے رونا ہوا ہے۔ (۱۵۴/۲)

مولانا فرماتے ہیں کہ عقلمند وہ ہے جو حقیقی چیزوں پر نظر رکھتا ہے اور بے وقوف آدمی ناپائیدار چیزوں کو چمٹتا  
 ہے۔ ایسے دھوکے حرص اور ہوس کی وجہ سے ہوتے ہیں جو انسان کو جہنم میں لے جاتے ہیں، مثلاً ایک شعر میں  
 آپؑ نے فرمایا کہ دریا کی جھاگ پر اگر کوئی گھوڑا دوڑا دے تو وہ ڈوب جائے گا، اسی طرح اگر کوئی بجلی کی چمک میں  
 خط لکھنا چاہے تو وہ بے وقوف ہوگا، عاقبت اندیش وہ شخص ہے جو حقیقت کو پہچانے۔ فرماتے ہیں کہ نفس تو عاقبت کو  
 نہیں دیکھتا اور گناہ میں کود جاتا ہے۔  
 ”عقل کو مغلوبِ نفس اُو نفس شد“ عقل جو نفس سے مغلوب ہو جائے، وہی نفس ہے۔

استدلال سے عشق کا کام نہیں چلتا

مولانا فرماتے ہیں کہ عقل استدلال سے کام لیتی ہے اور استدلال سے عشق کا کام نہیں چل سکتا، چنانچہ عشق  
 کے لئے استدلال کی کوشش فضول ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک مرغ کی دوستی کسی اونٹ سے ہو گئی اور مرغ  
 نے اونٹ کو بار بار اپنے گھر آنے کی دعوت دی، چنانچہ اونٹ اُس کے گھر آیا اور اس کے ڈربے پر ایک پاؤں رکھا تو

چھت گر گئی۔ مولانا روئی فرماتے ہیں کہ ہمارے علوم و فنون اور دنیاوی عقل، عشق و عرفان کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ فرماتے ہیں کہ ”خانہ مرغ است عقل و ہوش ما“ یعنی ہماری عقل و ہوش ایسے ہی ہے کہ جس طرح مرغ کا خانہ، اگر اونٹ کو بلاؤ گے تو یہ خانہ تباہ ہو جائے گا، اس لئے مناسب نہیں کہ حماقت میں ایسے مہمان کو دعوت دے جو اس کا صفایا کر دے۔

چوں بخانہ مرغ اشتر پانہاد خانہ ویراں گشت و سقف اندر نہاد  
جب مرغ کے ڈبے میں اونٹ نے پیر رکھا تو اس کا ڈبہ ویران ہو گیا اور چھت بیٹھ گئی۔ (۴۴۲/۳)  
فرماتے ہیں کہ عشق الہی بہتر (۷۲) فرقوں سے الگ مسلک ہے اور دین کا جوہر یہی ہے۔ اصل یہ ہے اور باقی سب فروع (شاخیں) ہیں۔ عشق کا رابطہ اللہ کے ساتھ ہونا بندگی ہے اور امور سلطنت سے ممکن نہیں۔ بندگی سے عشق پیدا ہوتا ہے اور اگر کوئی بندگی میں ہی الجھ کر رہ جائے (یعنی عشق پیدا نہ ہو سکے) تو عاشقی اس سے روپوش ہو جائے گی۔ عشق کی ایسی کوئی زبان نہیں جس سے وہ کسی غیر عاشق پر اس کی حقیقت واضح کر سکے، جو طرز بیان اختیار کرو گے وہ حقیقت عشق کو بے نقاب کرنے کی بجائے اور بھی حجاب پیدا کر دے گا۔

با دو عالم عشق را بیگانی اندرو ہفتاد و دو دیوانگی  
عشق کو دونوں جہاں سے اجنبیت ہے، اس میں بہتر (۷۲) دیوانگیاں ہیں۔ (۴۴۷/۳)  
غیر ہفتاد و دو ملت کیش او تخت شاہاں تختہ بندے پیش او  
اس کا مذہب بہتر (۷۲) ملتوں کے علاوہ ہے، اس کے سامنے شاہوں کا تخت کاٹھ کا تختہ ہے۔ (۴۴۷/۳)  
مطرب عشق ایں زند وقت سماع بندگی بند و خداوندی صداع  
عشق کا گویا سماع کے وقت یہ بجاتا ہے کہ غلامی قید ہے اور آقا کی در دسر ہے۔ (۴۴۷/۳)  
بندگی و سلطنت معلوم شد زیں دو پردہ عاشقی مکتوم شد  
جب غلامی اور حکومت محسوس ہونے لگی تو ان دونوں پردوں میں عاشقی چھپ گئی۔ (۴۴۷/۳)

کاشکے ہستی زبانے داشتے تا زمستاں پردہ ہا برداشتے  
کاش! عشق زبان رکھتا تاکہ عاشقوں کے پردے اٹھا دیتا۔ (۴۴۸/۳) (تشبیہات روئی ص ۳۱۹)

ہرچہ گوئی ایدم ہستی ازاں پردہ دیگر برو ہستی بداں  
اے (انسانی) وجود کی گفتگو تو جو کچھ بتاتی ہے، سمجھ لے اس پر تو نے ایک دوسرا پردہ ڈال دیا ہے۔ (۴۴۸/۳)  
عشق چھپانے سے چھپایا نہیں جاسکتا۔ اگر کوئی ایسی کوشش ہو تو اس کی مثال یوں ہے، جیسے روٹی میں انگارے رکھ دیئے جائیں۔ شراب کا نشہ اگرچہ دوسروں کو معلوم نہیں ہوتا مگر شرابی کے اطوار سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شرابی ہے۔ میخور کو کبھی سیری نہیں ہوتی۔ یہ نشہ دائمی ہوتا ہے کیونکہ وہ شراب کی بیہوشی کا خواہشمند رہتا ہے، اس لئے عرب



میں اس کا نام مدام ہے۔ اگر شراب تیز ہو تو بوتل کو توڑ دیتی ہے۔ عشق کی شراب بھی ایسی ہی ہوتی ہے کہ اس کی طلب دنیاوی شراب سے زیادہ ہوتی ہے۔

زاں عرب بہاد نام سے مدام زانکہ سیری نیست سے خور را مدام  
اس لئے عربوں نے شراب کا نام مدام رکھا ہے کیونکہ شراب نوش کو کبھی سیری نہیں ہوتی ہے۔ (۴۴۹/۳)

عشق جوشد بادہ تحقیق را او بود ساقی نہاں صدیق را  
عشق تحقیق کی شراب کو جوش دیتا ہے، وہ دوست کے لئے مخفی ساقی ہوتا ہے۔ (۴۴۹/۳)

چوں بجوئی تو توفیق حسن بادہ آب جاں بود ابریق تن  
جب تو اچھی توفیق کے ذریعہ تلاش کرے گا تو شراب روح کے لئے آب (حیات) اور جسم جام بن جائے گا۔

چوں بیژاند مئے توفیق را قوت سے بشکند ابریق را  
جب وہ (عشق) توفیق کی شراب کو بڑھاتا ہے تو شراب کی تیزی جام کو توڑ دیتی ہے۔ (۴۴۹/۳)

لوگ کوشش پیہم سے جان چراتے ہیں اور نادر مثالوں سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً فلاں نے کہا کہ کھیتی باڑی سے کیا ہوتا ہے، فلاں نے کھیتی باڑی کی مگر سب فصل ضائع ہو گئی۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ فلاں نے غوطہ زنی کی اور کوئی موتی نہ نکلا، ایسی کوششیں لغو ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ عبادت بھی ذریعہ نجات نہیں، ابلیس نے لاکھوں سال سجدے میں سر مارا مگر ایک سجدہ نہ کرنے سے ملعون ہو گیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ بہانہ خوری ہے، کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ فلاں شخص کے گلے میں لقمہ انک گیا اور مر گیا تو ایسا شخص کھانا کھانا کیوں بند نہیں کرتا۔ نادر مثالوں پر عمل کرنا بے عملی کا بہانہ ہے، ایسے نادرات بہت کم ہوتے ہیں۔

## کہ زِ دل تا دل یقینِ روزن بود (یقیناً ایک دل دوسرے کے لئے جھروکا ہے)

عشق میں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے

عارف روئی فرماتے ہیں کہ اگرچہ دو شخصوں کے جسم الگ الگ ہوں مگر دلوں میں تو مکانی بُعد نہیں ہوتا۔ وہ اس کی مثال یوں دیتے ہیں کہ ایک کمرے میں اگرچہ دو شمعیں روشن ہوں لیکن ان کی روشنیاں ایک دوسرے کی روشنی سے ملی ہوئی ہوتی ہیں اور وہ ناقابل تقسیم ہیں۔

کہ زِ دل تا دل یقینِ روزن بود  
اس لئے کہ یقیناً ایک دل دوسرے کے لئے جھروکا بناتا ہے، وہ دو جسموں کی طرح دور اور الگ نہیں ہوتے۔

(۴۱۷/۳)

متصل نہ بود سفال دو چراغ نور شاں ممزوج باشد در مساع  
دو چراغوں کے ٹکڑے ملے ہوئے نہیں ہوتے، ان کی روشنی پھیلاؤ میں ملی جلی ہوتی ہے۔  
(۴۱۷/۳)  
اگر عشق نفسانی خواہشات کی پوجا کے لئے نہ ہو تو جس طرح عاشق معشوق کا طالب ہوتا ہے، معشوق بھی عاشق کا جو یا ہوتا ہے۔

بچ عاشق خود نباشد وصل جو کہ نہ معشوقش بود جویائے او  
کوئی عاشق کسی کے وصل کا خود بخود طالب نہیں ہوتا، جب تک اس کا معشوق اس کا طالب نہ ہو۔  
(۴۱۷/۳)



مولانا فرماتے ہیں، اسی طرح اگر تمہارے دل میں خدا کی محبت پیدا ہو جائے تو یہ سمجھ لو کہ خدا کے دل میں بھی تمہاری محبت موجود ہے، جس طرح تالی ایک ہاتھ سے نہیں جکتی اسی طرح خدا سے رابطہ محبت یک طرفہ نہیں ہوتا۔ خدا اگرچہ تمام انسانوں سے محبت کرتا ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بیکر صدق و صفا تھے، کی خدا کے ہاں ایسی محبت نہیں ہو سکتی جو کہ ایک عام انسان سے محبت ہو۔ حضرت رابعہ بصریؒ کا قول ہے کہ اگر تم یہ معلوم کرنا چاہو کہ خدا تم سے راضی ہے یا نہیں تو پہلے اپنے آپ کو دیکھو کہ تم بھی خدا سے راضی ہو یا نہیں، اگر تم خدا سے راضی ہو تو جان لو کہ خدا بھی تم سے راضی ہے۔ رابعہ بصریؒ نے سنا کہ ایک شخص دُعا میں کہہ رہا تھا ”اے خدا! تو مجھ سے راضی ہو جا۔“ رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ ”تم کو شرم نہیں آتی کہ خدا کو کہہ رہے ہو کہ مجھ سے راضی ہو جا، تم خدا سے راضی کیوں نہیں ہو جاتے؟“ مولانا فرماتے ہیں ۔

در دل تو مہرِ حق چوں شد دو تو      ہست حق را بے گماں مہرے تو  
اگر تیرے دل میں خدا کی محبت دو گئی ہو گئی تو بے شک خدا کو بھی اتنی ہی محبت تم سے ہوگی۔ (۴۱۸/۳)

پُچ با نگب کف زون آید بدر      از یکے دست تو بے دستِ درگ  
اس وقت تک تالی کی آواز نہیں آئے گی، جب تک تیرے ایک ہاتھ سے دوسرا ہاتھ نہ لکرائے۔ (۴۱۸/۳)

فرماتے ہیں کہ عشق کا جذبہ ہمہ گیر ہے، جو جمادات سے لے کر اللہ تعالیٰ تک سب کو بمطابق مدارج بقدر فرق پایا جاتا ہے، حتیٰ کہ خدا میں بھی بندوں سے عشق کا جذبہ موجود ہے۔ پانی اور پیاس کا تعلق ہے کہ جب پیاسا پانی کو طلب کرتا ہے تو پانی بھی پیاسے کی طلب میں رہتا ہے (مگر کنواں چل کر نہیں جاسکتا بلکہ پیاسے کو کنویں پر آنا پڑتا ہے)۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے بنا دیئے ہیں ۔

جملہ اجزائے جہاں زالِ حکم پیش      جفت جفت و عاشقانِ جفتِ خویش  
اس ازلی حکم کی وجہ سے دنیا کے تمام اجزاء جوڑے جوڑے ہیں اور اپنے جوڑے کے عاشق ہیں۔ (۴۱۸/۳)

ہست ہر جزوے با عالمِ جفت خواہ      راست ہنچوں کہربا و برگِ کاہ  
دنیا کی ہر چیز جوڑے کی خواہش مند ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہربا (بجلی) اور گھاس کا تنکا۔ (۴۱۸/۳)

اگر ہم اجرامِ فلکیہ کو دیکھیں تو ان میں بھی وہی رشتہ جفت جفت پایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے میں کشش کا پایا جانا نظامِ فلکیات کو چلا رہا ہے۔ بجلی آسمان سے چمکتی ہے تو سبزہ ہرا ہوتا ہے۔ لوہے اور مقناطیس میں کیسا باہمی جذب ہے۔ آسمان ہمارے کرۂ ارض کو مرجبا کہہ رہا ہے ۔

آسمان گوید زمیں را مرجبا      با توام چوں آہن و آہن رہا  
آسمان زمیں کو کہتا ہے خوش آمدید! میں ترے ساتھ ہوں جس طرح لوہا اور مقناطیس ہے۔ (۴۱۸/۳)

آسمان سے سورج کی گرمی زمین کو فائدے پہنچا رہی ہے۔ اس پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ زمین سے بہت سی

جاندار چیزیں پیدا ہوتی ہیں، گویا آسمان مرد ہے اور زمین عورت ہے ۔

آسمان مرد و زمین زن در خرد ہرچہ آں انداخت ایں می پرورد  
آسمان مرد ہے اور زمین عورت ہے، جو آسمان ڈالتا ہے وہ زمین پرورش کرتی ہے۔ (۴۱۸/۳)

وین زمین کدبانویہا می کند بر ولادات و رضاعش می تند  
عقلاً یہ زمین بیوی کا کام کرتی ہے، جننے اور اس کو دودھ پلانے میں لگی رہتی ہے۔ (۴۱۹/۳)

سورج کی گرمی سے بہت سے کام نکلتے ہیں، سورج کی گرمی ایک طاقت ہے جو زمین کو متواتر مل رہی ہے۔ ہوا بھی آسمان سے بادلوں کے ذریعے سمندر کے پانی کو لے کر چلتی ہے اور جہاں جہاں حکم الہی ہو یعنی جہاں ضرورت ہو برستا ہے۔

چوں نماوند گریش بفرستد او چوں نماوند تری و غم بدہد او  
جب اس (زمین) میں گرمی نہیں رہتی تو (آسمان) اس کو بھیجتا ہے، جب تری اور نمی نہیں رہتی تو وہ عطا کرتا ہے۔ (۴۱۸/۳)

میل ہر جزوے بجزوے ہم نہد ز اتحاد ہر دو تولیدے جہد  
ہر جزو میں دوسرے جزو کی طرف میلان رکھا ہے، دونوں کے اکٹھے ہونے سے تولید ہوتی ہے۔ (۴۱۹/۳)

ہر یکے خواہاں دگر را ہجو خویش از پئے تکمیل فعل و کار خویش  
ہر ایک دوسرے کو اپنی (جان کی) طرح چاہتا ہے، اپنے فعل اور کام کے مکمل کرنے کے لئے۔ (۴۱۹/۳)

### عاشق میں محبت ہے، خوف نہیں

عارف روئی یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ زاہد عابد ہر دم خوف و ہراس میں رہتے ہیں اور عاشق لوگوں پر خوف طاری نہیں ہوتا، اس لئے وہ زاہد کی نسبت خدا تک جلد پہنچ جاتے ہیں۔ عارف روئی زاہد اور عاشق میں فرق بیان کرنے کے لئے ایک مثال دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ ایک عورت کے گھر میں ایک خوبصورت کنیز تھی، جس کو اس عورت کا خاوند بہت پسند کرتا تھا مگر وہ عورت ان دونوں کو ملنے نہیں دیتی تھی۔ ایک دن وہ عورت غسل کے لئے شہر کے حمام میں گئی تو کنیز کو بھی ساتھ لے گئی مگر چونکہ وہ گھر میں اپنا سنگار بکس بھول گئی تھی اس لئے کنیز کو بھیجا کہ جا اور سنگار ایکس لے آ۔ وہ کنیز خود بھی اس عورت کے خاوند سے ہمکنار ہونا چاہتی تھی، لہذا چشم زدن میں وہ گھر پہنچ گئی۔ کچھ دیر بعد عورت کو خیال آیا کہ اس نے یہ کیا ظلم کیا کہ ان دونوں کو یک جا ہونے کا موقع دے دیا، اس لئے اس نے فوراً غسل کیا اور اس خوف سے بھاگی کہ دونوں کوئی گڑبڑ نہ کریں۔ جب وہ عورت گھر پہنچی تو اس کے خاوند اور کنیز نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ اس مثال میں مولانا فرماتے ہیں کہ کنیز پر جذبہ عشق غالب تھا، اس کا عشق اس کو کشاں کشاں اپنے یار کے پاس لے گیا۔ دوسری طرف عورت پر خوف طاری تھا مگر خوف میں وہ بات کہاں جو عشق



والی کنیز پر طاری تھا۔

مذکورہ مثال دے کر مولانا فرماتے ہیں کہ خدا کی طرف جانے والے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک عاشق اور دوسرے وہ جن پر خوف خدا طاری ہوتا ہے۔ زاہد خوف سے راہ طے کرتا ہے مگر عاشق کو اس سے ہزار گنا زیادہ ترقی ہوتی ہے۔ اس راہ میں زاہد جو خوف سے راہ طے کرتا ہے، ایسی غلطی کر سکتا ہے جو اُد پر بیان ہوئی کیونکہ اس نے عبادت سے جذباتِ سفلی کو دبائے رکھا اور جذباتِ سفلی کو فنا نہ کیا مگر عاشق اپنے عشق سے تمام جذبات کو سوخت کر دیتا ہے۔ عشق میں بال برابر خوف نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اولیاء کے لئے قرآن نے فرمایا کہ

الَاَ اِنْ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ  
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس: ۶۲)

سنو! اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

کہا جاتا ہے ”خدا داری چہ غم داری“ یعنی اگر خدا رکھتے ہو تو پھر غم کس بات کا ہے۔ محبت میں وصف حق ہے اور خوف کو صفات حق میں کوئی دخل نہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی خوف نہیں) جب محبت حق ہو تو چونکہ محبت بھی صفت حق ہے اور اگر یہ بندے میں پیدا ہو جائے تو اس میں خوف کا کوئی شاہبہ نہیں رہتا۔ مولانا مثنوی میں فرماتے ہیں ۔

آں ز عشق جاں دوید و ایں ز بیم عشق سُو و بیم سُو فریقِ عظیم  
وہ رُوح کے عشق سے بھاگی اور دوسری خوف سے، عشق کہاں اور خوف کہاں دونوں میں بڑا فرق ہے۔ (۲۲۳/۵)

سیرِ عارف ہر دے تا تختِ شاہ سیرِ زاہد ہر ہے یک روزہ راہ  
عارف ہر دم خدا کے عرش کی سیر کرتا ہے اور زاہد کی سیر ہر ماہ میں ایک روز کا راستہ طے کرتی ہے۔ (۲۲۳/۵)

ترسِ موئے نیست اندر پیشِ عشق جملہ قربانند اندر کیشِ عشق  
عشق کے سامنے ایک بال برابر بھی خوف نہیں ہوتا، عشق کے مسلک میں ہر چیز قربان کر دی جاتی ہے۔ (۲۲۳/۵)

عشق وصفِ ایزد است اما کہ خوف وصفِ بندہ مبتلائے فرج و جوف  
عشق تو اللہ کی صفت ہے لیکن خوف شرم گاہ اور پیٹ میں مبتلا بندے کی صفت ہے۔ (۲۲۳/۵)

عشق را پانصد پر است و ہر پرے از فرازِ عرش تا تحتِ القری  
عشق کے پانچ سو پر ہوتے ہیں اور ہر پر تحتِ القری سے عرش تک پہنچتا ہے۔ (۲۲۳/۵)

زاہد با ترس می تازد بپا عاشقاں پراں تر از برق و ہوا  
خوف زدہ عارف پاؤں سے دوڑتا ہے اور عاشق لوگ بجلی اور ہوا سے بھی تیز چلتے ہیں۔ (۲۲۳/۵)

کے رسند ایں خائفاں در گردِ عشق کاسماں را فرشِ سازد دروِ عشق  
ڈرنے والے عاشق کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے کیونکہ عشق کا درد آسماں کو فرش بنا لیتا ہے۔ (۲۲۳/۵)

## عشق کتابوں سے نہیں بلکہ صحبت سے ملتا ہے

عارف رومیؒ نے بارہا اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ عشق کتابوں، فقہ، تفسیر اور حدیث کے درسوں سے نہیں آتا بلکہ یہ اولیائے کرام کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان کتابوں سے عشق حاصل کر لیتا ہے تو اس میں اصل بات مدرس کی روحانی قوت کا اثر ہوتا ہے لیکن چونکہ ایسے علماء بہت کم نظر آتے ہیں جو ولایت کا درجہ رکھتے ہوں، اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ ایسے مدرسوں اور کتابوں سے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہماری تصنیف ”اسلام و روحانیت اور فکر اقبالؒ“ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے تو اس بزرگ کی روح اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ یہ توجہ روحانی نوعیت کی چیز ہے۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن  
روئے دل را جانبِ دلدار کن  
سو کتابیں اور سو ورق نذر آتش کر دو اور اپنے دل کے چہرے کو کسی دل والے کی طرف کر دو۔ (غیر مشنوی)  
مولاناؒ نے یہ بات اس لئے کہی کہ مقلد کا دین کتابی اور روایتی ہوتا ہے لیکن محقق اور عارف کے روحانی حقائق اس کی ذات سے نور حاصل کئے ہوتے ہیں اور ذاتی تجربہ کے باعث ہوتے ہیں۔ اگر عشق کا علم درس و تدریس سے حاصل ہو سکتا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ جو بہت بڑے محدث، فقیہ اور محقق کا درجہ رکھتے تھے، اس کے متعلق ضرور لکھتے کہ عشق درسوں سے بھی پیدا ہوتا ہے انہوں نے کبھی عشق کا درس نہیں دیا۔

آں طرف کہ عشق می افزود در  
بوحنیفہؒ و شافعیؒ در سے نہ کرد  
جس طرح کہ عشق در دل میں اضافہ کرتا ہے، امام ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ نے درس نہیں دیا۔ (۳۶۶/۳)  
مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عاشق سمرقند و بخارا کی طرف جاتا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ وہ سبق پڑھنے کے لئے جا رہا ہے بلکہ وہ تو ایک ایسے دوست کی تلاش میں ہے کہ جو اسے عشق الہی کی باتیں بتلائے۔ اس حالت میں استاد اور کتب فقہ اس کے لئے دوست کا کام دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ طریقت میں صحبت کا بہت اُونچا مقام ہے۔

گرچہ ایں عاشق بخارا می رود  
نے بہ درس و نے اُستامی رود  
اگرچہ ایک عاشق بخارا کی طرف جاتا ہے، وہ نہ تو درس کے لئے جاتا ہے اور نہ اُستاد کے لئے۔ (۳۶۷/۳)  
عاشقاں را شد مدرس حسن دوست  
دفتر و درس و سبق شاں روئے اوست  
عاشقوں کا مدرس تو حسن دوست ہے، اس کی کتابیں، درس اور سبق اس کے دوست کا چہرہ ہے۔ (۳۶۷/۳)  
درس شاں آشوب و چرخ و زلزلہ  
نے زیادات ست و باب و سلسلہ  
اس کا درس شور و رقص اور جوش ہے، اس کا مقصد نہ تو زیادات اور نہ کسی سلسلہ یا باب کی کتابوں کے لئے ہوتا ہے۔  
(زیادات امام محمدؒ کی فقہ کی مشہور کتاب ہے) (۳۶۷/۳)



”زیادات“ امام محمد کی فقہ کی کتاب میں فقہ کے ابواب ہیں اور اس میں جزوؤں کا ایک دوسرے پر موقوف ہو کر موجود ہونا ہوتا ہے، جیسے اثبات سلسلہ حدیث۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ محدث تو راویوں کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کے چکر میں الجھے رہتے ہیں، حالانکہ ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہوتا، روحانی وجدان تو براہ راست خدائے زندہ کا فیضان ہے۔ ”بحر العلوم“ میں ہے کہ ۷

تَأْخُذُونَ الْعِلْمَ عَنْ مَيِّتٍ وَتَقُولُونَ  
حَدَّثَنَا قُلَانٌ. وَإِذَا قِيلَ لَكُمْ أَيْنَ هُوَ؟  
قُلْتُمْ قَدْ مَاتَ وَنَحْنُ نَأْخُذُ مِنَ الْحَيِّ  
الَّذِي لَا يَمُوتُ (بحر العلوم)

(تم مردوں سے علم حاصل کرتے ہو اور کہتے ہو کہ فلاں نے یہ بات بیان کی اور جب پوچھا جائے کہ وہ کہاں ہے؟ تو تم کہتے ہو کہ وہ وفات پا چکا ہے اور ہم (تو علم کو) الْحَيِّ وَلَا يَمُوتُ (یعنی اللہ تعالیٰ) سے حاصل کرتے ہیں۔)

اس سلسلے میں کہ اللہ کے خاص بندے براہ راست اللہ سے حدیث سنتے ہیں، ایک نہایت خوبصورت واقعہ یاد آتا ہے کہ ایک دن ایک شخص حضرت ابوبکر الکتانیؒ کے پاس گیا اور کہا کہ ”تم خانہ کعبہ کے پرنا لے کے نیچے بیٹھے رہتے ہو اور فلاں عالم کے درس حدیث میں کیوں نہیں جاتے، جو خانہ کعبہ کی عمارت کے فلاں حصے میں بیٹھ کر درس دیتا ہے۔“ حضرت الکتانیؒ نے پوچھا کہ ”وہ کس کی روایت سے حدیث بیان کرتے ہیں۔“ اس شخص نے کہا کہ ”وہ عبدالرزاق اور فلاں فلاں کی روایت سے حدیث کہتے ہیں۔“ حضرت ابوبکر الکتانیؒ نے کہا کہ ”مجھے وہاں جانے کی ضرورت نہیں، مجھے تو وہ روایات یہیں بیٹھے بیٹھے مل جاتی ہیں۔“ پوچھا! ”آپ سے کون حدیث بیان کرتا ہے؟“ فرمایا ”حَدَّثَنِي قَلْبِي عَنْ رَبِّي يَعْنِي خُذَا تَعَالَى مِرْءِ دَلْ پَر حَدِيثَ بِيَانِ كَرْتَا هِي۔“ اس پر اس شخص نے کہا کہ ”اس کا کیا ثبوت ہے کہ خدا تمہارے دل پر حدیث بیان کرتا ہے۔“ الکتانیؒ نے کہا کہ ”اس کا ثبوت یہ ہے کہ تم خضر علیہ السلام ہو۔“ حضرت خضر علیہ السلام ان کی اس بات سے بہت حیران ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ”زُوئے زَمِينِ پَر كُوْنِي وَلِي ايسَا نِهِيں كِه جِس ميں نِهِيں جَانْتَا لِيَكِن يِه عَجِيب بَات هِي كِه الَكْتَانِيؒ كُو ميں نِهِيں جَانْتَا تَهَا اُور اس سِي زِيَادَه تَعَجِب اس بَات پَر هِي كِه انہوں نے مجھے پہچان ليا۔“ حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ نے فرمایا ہے ۷

تا کہ با زیارت مقابر عمر گذارنی اے فردہ یک گریہ زندہ پیش عارف بہتر ز ہزار شیر مردہ اس حالت میں قبروں کی زیارت کرنے میں تمہاری عمر گزارنے پر افسوس ہے کہ ایک عارف کے سامنے زندہ لومڑی کا ہونا ہزار مردہ شیروں سے بہتر ہے۔ (غیر مشغولی) مردہ شیروں سے مراد عام قبریں ہیں نہ کہ کامل بزرگوں کی قبریں۔ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جو شخص ایک معمولی زندہ ولی کی زیارت نہیں کرتا، وہ اگر بڑے بڑے بزرگوں

کی قبور کی بلا مشاہدہ زیارت کرے تو اس پر افسوس ہے، خواہ اس دُنیا کی بات ہو یا رُوحانی دُنیا کی، انسان کو یقین دید سے پیدا ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے ”شنیدہ کے بود مانند دیدہ“ (یعنی دیکھی بات سنی ہوئی بات کے برابر کیسے ہو سکتی ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مشاہدہ کا درجہ اہل مجاہدہ سے بہت بلند ہے۔ اہل مجاہدہ تو مقام تفریق میں ہوتے ہیں اور اہل مشاہدہ مقام جمع میں۔ روایات میں ہے کہ ایک بار حضرت بوعلی سینا حضرت ابوسعید ابوالخیرؓ کے پاس آئے اور اپنے حقائقِ فلاسفہ تین گھنٹے تک حضرت ابوالخیرؓ کو سناتے رہے لیکن یہ سب کچھ سننے کے بعد حضرت ابوالخیرؓ نے فرمایا: ”آچہ تو دانی من می یزنم“، یعنی جو کچھ تم جانتے ہو میں اس کا مشاہدہ بھی کرتا ہوں۔ (رابطہ شیخ)

ہم اپنی تصنیف ”چند بابائید“ میں ایک کافی طویل واقعہ کشف المحجوب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں مگر اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ اس جگہ روایت کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابومسلم حضرت ابوالخیرؓ کی زیارت کے لئے بہت طویل سفر کرنے کے بعد ان کی قیام گاہ پر پہنچے تو سفر کی وجہ سے نہایت تھک چکے تھے اور اُن کے بدن کے کپڑے بوسیدہ حالت میں تھے، دیکھا کہ حضرت ابوالخیرؓ تخت پوش پر سفید لباس میں ملبوس سو رہے ہیں، ایک تکیہ آپ کے سر کے نیچے ایک دائیں طرف اور ایک پاؤں کے نیچے تھا۔ یہ نقشہ دیکھ کر انہوں نے دل میں کہا کہ جس کی زیارت کے لئے میں یہاں آیا ہوں، اس سے زیادہ مجاہد اور عابد تو میں خود ہی ہوں، مجھے ان کی زیارت سے کیا فائدہ ہوگا۔ کچھ دیر بعد حضرت ابوالخیرؓ بیدار ہوئے تو ابومسلم کو مخاطب کر کے کہا: ”اے ابومسلم! تم نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ تکبر کرنے والا ولی اللہ بھی ہو سکتا ہے۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہم کو مقام مشاہدہ میں رکھا ہے اور تم ابھی مقام مجاہدہ میں ہو۔ مقام مجاہدہ سے مقام مشاہدہ بہت بلند ہوتا ہے۔ یہ گفتگو سن کر ابومسلم بہت شرمندہ ہوئے اور معافی کی درخواست کے بعد عرض کرنے لگے کہ وہ یہاں تین چار دن گزارنے کی نیت سے آئے تھے لیکن اب آپ کی بات سن کر مجھ میں یہاں رہنے کی تاب نہیں رہی۔ مجھے اجازت عنایت فرمائیں کہ میں واپس چلا جاؤں۔

یہ دُنیا چونکہ لوگوں کو نظر آتی ہے اس لئے وہ اس پر مرتے ہیں

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ آخرت کو دیکھ لیں تو اس دُنیا کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ فرماتے ہیں کہ نبی، ولی اور عارف دید سے فیضیاب ہوتے ہیں، اس لئے ان کو استدلال اور کتابی دانش کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایمانِ غیب تو بیرونِ در لوگوں کے لئے ہوتا ہے، جس کو خدا سے خلوت نصیب ہوگئی تو ہر چیز اس کے لئے حاضر ہے، اس کا سینہ کھول دیا جاتا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ دُنیاوی حسن اور اشیاء پر لوگ اس لئے مرتے ہیں کہ ان کو اس دنیا کی چیزوں کی دید حاصل ہو جاتی ہے جب کہ دینی حقائق ان کے لئے شنید کا درجہ رکھتے ہیں اس لئے اس طرف دھیان نہیں کرتے۔ وہ دُنیا کو نقد اور دین کو اُدھار سمجھتے ہیں۔

ہر کہ در خلوت بہ بینش یافت راہ او ز دانش با نہ جوید دستگاہ

جس نے خلوت میں بصیرت کا راستہ پا لیا، وہ علوم میں مہارت کا طلب گار نہیں ہوتا۔ (۳۶۸/۳)



با جمالی جاں چو شد ہم کاسہ باشد ز اخبار و دانش تاسہ  
جو روح کے حسن کا ہم پیالہ بن گیا، اس کو خبروں اور علم سے نفرت ہوتی ہے۔ (۳۶۸/۳)

دید بردانش بود غالب فزا زان ہی دنیا بچر بد عامہ را  
آنکھوں سے دیکھ لینا عقل پر غالب ہوتا ہے، اسی لئے یہ دُنیا عوام پر چھا جاتی ہے۔ (۳۶۸/۳)

زانکہ دنیا را ہی بیند عین وآں جہانے را ہی داند دین  
کیونکہ وہ دُنیا کو اصل اور حقیقت سمجھتے ہیں اور اس عالم کو اُدھار سمجھتے ہیں۔ (۳۶۸/۳)

مولانا فرماتے ہیں کہ لوگ دُنیا کی نعمتوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے مگر یہ بات ضرور ہے کہ اس دُنیا کی نعمتیں محض باطل اور عبث نہیں کیونکہ دُنیا کی نعمتوں کو اسلام نے حرام قرار نہیں دیا۔ اس دُنیا کی نعمتیں عالم رُوحانی کے باغ کے مقابلے میں ایک قفس کی طرح ہیں، اس پتھر کے کا آب و دانہ بھی کھلی فضا کا حصہ ہے۔ انبیاء اس قفسِ غصری میں رہتے ہوئے بھی اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ یہ عالم بالا کے باغ سے آ رہا ہے۔ جب اس پتھر سے پرندے رہا ہوتے ہیں تو اصلی باغ کی طرف خوش خوش پرواز کرتے ہیں۔

اُو نہ داند کو رطوباتے کہ ہست آں مدد از عالم بیرونی است  
وہ نہیں سمجھتا کہ جو رطوبتیں ہیں وہ بیرونی دُنیا کی مدد سے ہیں۔ (۳۷۸/۳)

آں چناں کہ چار عنصر در جہاں صد مدد دارد ز شہر لامکاں  
جس طرح دُنیا میں چاروں عنصر لامکاں کے شہر سے سینکڑوں مددیں پاتے ہیں۔ (۳۷۸/۳)

آب و دانہ در قفس گر یافتہ است آں زباغ و عرصہ در تافتہ است  
اگر پتھر میں پانی اور دانہ موجود ہو تو وہ باغ اور میدان سے رُونما ہوا ہے۔ (۳۷۸/۳)

جان ہائے انبیاء بیند باغ زیں قفس در وقتِ نقلاں و فراغ  
انبیاء کی جانیں باغ کو دیکھتی ہیں، اس پتھر سے منتقل اور فارغ ہوتے وقت۔ (۳۷۹/۳)

علامہ اقبالؒ نے بھی عشق پر بہت اشعار لکھے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

صحت از علم کتابی خوشتر است صحبت مردانِ خُ آدم گر است  
علم کتابی سے صحبت زیادہ خوش آئند ہے، آزاد مردوں کی صحبت آدم گری کرتی ہے۔ (اقبالؒ)

می نہ روید تخم دل از آب و گل بے نگاہے از خداوندانِ دل  
دل کا بیج مٹی اور پانی سے نہیں کھلتا، خداوندانِ دل کے بغیر نہیں کھلتا۔ (اقبالؒ)

اندر ایں عالم نیرزی با نخسے تانیاویزی بہ دامنِ کسے  
اس دُنیا میں تمہاری قیمت ایک تنکے جتنی بھی نہیں، جب تک تو کسی اللہ کے بندے کے دامن سے نہ چپک جائے۔ (اقبالؒ)

## عشق اُو پیدا و معشوقش نہاں

(اُس کا عشق ظاہر ہے اور معشوق پوشیدہ ہے)

مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ ہر روز سورج کا جلوہ دکھاتا ہے اور وہی سورج اس کے چہرے کا نقاب بھی ہے۔ اس کو تلاش کرنے کے لئے سر اور دھڑکی بازی نہیں لگائی جاتی بلکہ تن، من اور دھن لگانا ہوتا ہے۔ خدا کا ظاہر ہونا، اُس کی دُنیا کی ہر چیز پر اس کے تصرف سے عیاں ہونے والی ہر چیز سے نمودار ہوتا ہے، جو دُنیا میں باقاعدہ دیکھا جاتا ہے۔ کون سی جگہ ہے جہاں اللہ کے جلوے بکھرے ہوئے نظر نہیں آتے، جب وہ زمین اور آسمانوں کا نورِ ضمیرا تو کون سی چیز ہے جہاں اس کی جلوہ ریزیاں نظر نہیں آتیں، اس کا نور اور اس کی ذات کے مخفی انوار بھی ہر چیز میں محسوس کئے جاتے ہیں۔ جب ہم وضو کریں تو ہمیں اس کے ظاہری عمل سے ظاہر کی صفائی نظر آتی ہے مگر وضو کے عمل کے بعد ہمیں ایک رُوحانی مسرت محسوس ہوتی ہے، وہ اس کا باطنی اثر ہے۔ یہی مسرت ہے جس سے اس عمل کے باطنی اثرات کا علم ہوتا ہے۔ یہ باطنی انوار اُسی خدا کے باطنی جلوے ہی تو ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ خدا کا ایک ظاہر ہے لیکن وہ خود پوشیدہ ہے۔ ایسے عشق میں ایک ایسی کھڑکی بنائی جاتی ہے جس کے باعث دوست کے حُسن کی روشنی سے اس کا سینہ روشن ہو جائے۔ اس کھڑکی سے ہمہ وقت اپنے محبوب کا چہرہ دیکھتے رہو اور یہ کوئی مشکل بات نہیں، اگر کوشش کرو گے تو پالو گے۔

عشق ورزی آں دریچہ کردن ست      کز جمالِ دوست سینہ روشن ست  
عشق کرنا وہ کھڑکی بنانا ہے جس کے باعث دوست کے حسن سے سینہ روشن ہوتا ہے۔ (۲۹۸/۶)



پس ہمارے روئے معشوقہ نگر  
پس ہمیشہ معشوقہ کا رخ دیکھتا رہ، اے بیٹا! سن لے کہ یہ تیرے قبضہ میں ہے۔  
(۳۹۹/۶)

دیو اگر عاشق شود ہم گوے برد  
جبریلے گشت و آں دیوے ببرد  
شیطان اگر عاشق ہو گیا تو اس نے بھی بازی جیت لی، وہ جبرائیل بن گیا اور اس کا وہ شیطان مر گیا۔  
(۳۹۹/۶)

یار آمد عشق را روز آفتاب  
آفتاب آں روے را پہچوں نقاب  
عشق کے لئے دن میں، یار سورج کی طرح ہے اور سورج اس چہرے کا نقاب بھی ہے۔  
(۳۸۸/۶)

با دو پا در عشق نتواں تاختن  
با یکے سر عشق نتواں باختن  
عشق میں دو پاؤں سے نہیں دوڑا جاسکتا، ایک سر سے عشق کی بازی نہیں کھیلی جاسکتی۔  
(۳۴۲/۶)

عشق او پیدا و معشوقش نہاں  
یار بیرون فتنہ او در جہاں  
اس کا عشق ظاہر ہے اور معشوق پوشیدہ ہے، یار (کائنات سے) باہر ہے اور اس کا جہاں میں فتنہ ہے۔  
(۷۷/۲)

عاشق دنیا اور آخرت کے لئے عبادت نہیں کرتا اور نہ خوف سے تقویٰ اختیار کرتا ہے  
جو عبادت دنیا یا آخرت کے لئے کی جائے یا آخرت کے عذاب کے خوف سے جو تقویٰ اختیار کیا جائے تو ایسی  
عبادت اور تقویٰ سے انسان کو معمولی فائدہ ضرور پہنچتا ہے مگر وہ ٹھلی سطح تک رہتا ہے۔ روحانی ترقی تو اس حالت  
میں ہوتی ہے کہ جب عمل بے غرض ہو۔

جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے

حور و خیام سے گذر بادہ و جام سے گذر

مولانا نے ایک عاشق الہی کا واقعہ لکھا ہے کہ اللہ نے اس کو عبادت کے اجر میں کونین کے خزانے دینے کی  
خوشخبری دی مگر اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو فقط تیرا طالب ہوں اگر میں نے جنت کے شوق میں یا جہنم کے  
خوف سے عبادت کی ہے تو میں فاسق ہوں، میں لذت پرست اور سلامت جو مومن نہیں ہوں۔

کنج ہائے خاک تا ہفتم طبق  
عرضہ کردہ بود پیش شیخ حق  
خدا نے زمین سے ساتویں آسمان تک کے خزانے شیخ حق کے سامنے پیش کئے تھے۔  
(۲۷۱/۵)

شیخ گفتا خالقا من عاشقم  
در بجویم غیر تو من فاسقم  
شیخ نے کہا کہ اے خالق میں تیرا عاشق ہوں، اگر میں ترے سوا کچھ طلب کروں تو میں فاسق ہوں۔  
(۲۷۱/۵)

ہشت جنت گر در آرم در نظر  
ورکنم خدمت من از خوف ستر  
اگر میں آٹھوں جنتوں کو نظر میں لاؤں اور میں جہنم کے خوف سے عبادت کروں تو بھی فاسق ہوں۔  
(۲۷۱/۵)

مومن باشم سلامت جوئے من  
زانکہ ایں ہر دو بود حظ بدن  
میں سلامتی کا طالب ہوں (اس لئے) ایک مومن بنوں گا کیونکہ یہ دونوں چیزیں (جنت اور جہنم) بدن کے لئے

ہیں۔ (۲۷/۵)

مولانا فرماتے ہیں کہ عاشق کے لئے سب سے بڑی نعمت خدا کا عشق ہے اور اس کے مقابلے میں بدن اور لذات گھاس پھوس کے برابر ہیں۔ عاشق خدا ہو اور عبادت اور خدمت کی اجرت مانگے تو یہ ایسی نامعقول بات ہے کہ جیسے جبرائیل امین جیسی ہستی ہو اور چور بھی بن جائے۔

عاشقے کز عشق یزاداں خورد قوت صد بدن پیش نیرزد ترہ قوت  
وہ عاشق جس نے خدا کے عشق کی خوراک کو حاصل کیا، اس کے آگے سینکڑوں بدن شہوت کے پتوں کی قیمت بھی نہیں رکھتے۔ (۲۷/۵)

عاشق عشق خدا وانگاہ مزد جبرائیل مومن آنگاہ دزد  
عشق خدا کا عاشق اور پھر مزدوری کرے؟ یہ ایسے ہی ہے کہ امانت دار جبرائیل اور پھر چور بھی ہو۔ (۲۷/۵)  
عاشق دُنیا کی ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔ قیس عامری کو لیلیٰ کے سوا کچھ کام نہ تھا، وہ دشت کے درندوں سے بھی نہ ڈرتا تھا کیونکہ عاشق تھا اگر درندے کو اس کا علم بھی ہو جاتا ہے تو اس کا احترام کرتا ہے۔ دونوں جہانوں کی نعمتیں تو اس کے لئے عشق کی چوچ میں ایک دانے کی حیثیت سے زیادہ نہیں۔ عاشق ان کی لپیٹ میں کیسے آ سکتا ہے۔ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ دانہ مرغ کو کھائے اور گھاس گھوڑے کو کھالے۔

ہرچہ جز عشق است شد ماکول عشق دو جہاں یک دانہ پیش نول عشق  
جو عشق کے سوا ہے وہ عشق کی غذا ہے، عشق کی چوچ کے لئے دونوں جہاں ایک دانہ ہیں۔ (۲۷/۵)  
دانہ مرغ مرغ را ہرگز خورد کاہداں مر اسپ را ہرگز چرد  
دانہ مرغ کو کبھی کھاتا ہے؟ گھاس (آخور) کبھی گھوڑے کو کھاتا ہے؟  
عاشق کا بدن بھی بدن نہیں بلکہ نور بن جاتا ہے، حق کے عالم میں بدن کا کیا کام اور مادی جنت و دوزخ کا کیا مقام ہے۔

انبیاء و اولیاء کے عشق سے تمام دُنیا متاثر ہے

عارف روئی فرماتے ہیں کہ ایک مرد مومن کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر طاقت عطا کی ہے کہ اس کے اثر سے اس دُنیا کی ہر چیز متاثر ہو سکتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”سَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ“ (لقمان: ۲۰) (تمہارے لئے زمین اور آسمان کی ہر چیز مسخر کر دی ہے) تو دُنیا کی یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں اس کے سامنے کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بارش کو اُن اولیائے کرام کے صدقے برساتا ہے اور زمیں پر سبزہ ان ہی کے طفیل اُگتا ہے (بِهِمْ یُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ یُرْزَقُوْنَ) مولانا روئی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پھول کے گوش میں کچھ بات کہی تو وہ خنداں ہو گیا۔ ایک سرکنڈے میں شکر بھر کر اسے نیشکر بنا دیا۔ فرماتے



ہیں کہ جس نے سرو کے درخت کو سیدھا کیا، جس نے نرگس و نسرین میں رنگ و بو اور جمال کی جنت پیدا کر دی، جس نے خاک سے گل و گلزار بنائے، جس نے زبان میں جادو کی تاثیر پیدا کی، جس نے کان میں سونے اور جواہرات کی آفرینش کی، کیا وہ کسی عاشق کے اندر عشق اور ذوق دیدار پیدا کرنے سے عاجز ہے، کیا وہ انسانوں میں اعلیٰ اور بلند درجے کا عرفان پیدا نہیں کر سکتا؟ آپ نبی آخر زماں ﷺ کو دیکھیں کہ جن کی صحبت کرم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی بے مثال ہستیوں کو رہتی دنیا تک ایک ناقابلِ فراموش انسان بنا دیا اور جن کی برکت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آج بھی آسمانِ دنیا میں ستارے بن کر چمک رہے ہیں، ایسی ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کا کرتا دھرتا اور مالک بنا دیا۔ اس بیان کی تفصیل بہت طویل ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے تصرف کی حکایات اس کتاب میں کئی مقامات پر بیان ہو چکی ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

چوں دھانم خورد از حلوائے او چشم روشن گشتم و بینائے او  
جب کہ میرامنہ اس کا حلوہ کھا چکا ہے تو میں روشن چشم اور اس کو دیکھنے والا بن گیا ہوں۔ (۳۹۳/۳)

آنچه گل را گفت حق خندانش کرد با دل من گفت صد چندانش کرد  
جو کچھ اللہ نے پھول سے کہا اور اس کو شگفتہ کر دیا، میرے دل سے کچھ کہا اور اس کو سو گنا کر دیا۔ (۳۹۳/۳)

آنچه زد بر سرو و قدش راست کرد و آنچه از وے نرگس و نسرین بخورد  
وہ بات جو سرو پہ نازل کی اور اس کا قد سیدھا کر دیا اور وہ جو اس سے نرگس اور نسرین نے حاصل کی۔ (۳۹۳/۳)

مر زباں را داد صد افسوں گری و آنکہ کان را داد زَر جعفری  
جس نے زبان کو سو جادو سکھائے، جس نے کان کو جعفری سونا عطا کیا۔ (۳۹۳/۳)

بردم زد تیر و سودائش کرد عاشق شکر و شکر خائش کرد  
اس نے میرے دل پر تیر مارا اور اس کو مجنوں بنا دیا، شکر اور شکر خوری کا عاشق کر دیا۔ (۳۹۳/۳)

انبیائے کرام علیہم السلام چٹانوں کی طرح ہر مشکل اور مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور ان کے سامنے لوگ مٹی کے ڈھیلے ہوتے ہیں۔ پھر میں سختی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی اور اینٹوں کو اگرچہ انسان نے بنایا مگر ان کی تقدیر ہر مردِ مومن کے سامنے بچ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی اُستواری کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خدا ان کا پشت پناہ ہوتا ہے۔ ایک مجاہد بے دھڑک بادشاہوں سے ٹکرا جاتا ہے (جیسے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اکبر اور جہانگیر جیسے بادشاہوں کا مقابلہ کیا) شہنشاہِ زمانہ ان کے سامنے بھیڑوں کی طرح ہوتے ہیں اور بکروں کو خواہ وہ کتنے ہی ہوں، ذبح کرنے سے کون سا قصائی گھبراتا ہے ۔

ہر پیہر سخت زو بد در جہاں یک سوارہ کوفت بر چیش شہاں  
ہر پیہر دنیا بھر میں بہادر ہوا، اس نے بادشاہوں کے لشکروں کو تنہا شکست دی ہے۔ (۳۹۳/۳)

رُو نگرانید از ترس و غمے یک تنہا یزد بر عالمے  
 اس نے کسی غم اور خوف سے منہ نہیں موڑا، تنہا ہی وہ پورے عالم پر ٹوٹ پڑا۔ (۳۹۴/۳)  
 سنگ باشد سخت رُو و چشم شوخ او نترسد از جہان پُر کلوخ  
 پتھر سخت رو اور نڈر ہوتا ہے، وہ جہان بھر کے ڈھیلوں سے نہیں ڈرتا۔ (۳۹۴/۳)  
 گوسفنداں گر بُروں اند از حساب زانہے شاں کے بترسد آں قصاب  
 بکریاں اگرچہ شمار سے باہر ہوں، قصائی ان کی کثرت سے کب ڈرتا ہے۔ (۳۹۴/۳)  
 کاں کلوخ از خشت زن یک لخت شد سنگ از صنعِ خدائی سخت شد  
 ڈھیلا اینٹ پاتھنے والے سے مجسم بنا ہے، پتھر خدائی کاری گری سے سخت ہوا ہے۔ (۳۹۴/۳)

### جس دل میں عشق ہو وہاں حقیقی دین ہے

خُشک زاہدوں کی سی عبادت جس میں عشقِ خدائے تعالیٰ اور رسول ﷺ نہ ہو، وہ عبادتِ بارگاہِ الہی میں بہت معمولی مقام رکھتی ہے۔ عاشقانِ الہی اور عاشقانِ رسول ﷺ والی عبادت کا ذکر اس کتاب میں متعدد بار ہو چکا ہے۔ مولانا رومیؒ کے مطابق عشق ہی سرچشمہٴ صداقت ہے۔ جہاں عشق ہو وہاں دین کی حقیقت موجود ہوتی ہے اور اگر عشق نہیں تو دین محض تقلید و روایت ہے، جس سے انسان کے باطن کو فیض نہیں پہنچتا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ایک شریعت وہ ہے جو خاص و عام سب کے لئے ہے، دوسری شریعت وہ ہے کہ جس کو عاشق خود اپنے لئے وضع کرتا ہے۔ اسی لئے مولاناؒ نے فرمایا کہ ”ملت عشق از ہمہ ملت جداست“ (یعنی عشق کا مذہب تمام ادیان سے جدا ہے) وہ سمجھ جو عاشق کے لئے روا ہے وہ غیر عاشق کے لئے جائز نہیں۔ محبِ خدا، خدا کا عاشق اور معشوق ہوتا ہے۔ معشوق کے منہ سے گالی بھی پیاری لگتی ہے۔ حافظؒ نے فرمایا ہے ۛ

بدم گفتی و خورسندم، عفاک اللہ کو گفتی جواب تلخ می زبید لب لعلِ شکر خارا  
 تُو نے بُری بات کی تو میں خوش ہوں، اللہ تجھے معاف کرے خوب اچھی بات کی، لعل جیسے لبوں سے تلخ کلامی شکر کی طرح اچھی لگتی ہے۔ (حافظؒ)

شیخ سعدیؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے ۛ

حکایت از لبِ شیریں دہاں سیم اندام تفاوتے نہ کند گر دعا است و دشنام  
 نازک اندام کے ہونٹوں سے حکایت کا سننا اچھا لگتا ہے، وہ دعا دے یا گالی اس میں کوئی فرق نہیں۔ (سعدیؒ)  
 صائب کا شعر بھی ایسا ہی ہے، فرماتے ہیں ۛ

دشنام یار جانِ دگر می دہد مرا ایں زہرِ پرورش بہ شکر می دہد مرا  
 محبوب کی گالی مجھے نئی جان دیتی ہے، یہ زہر جو وہ مجھ کو دیتا ہے شکر میں پلا ہوا ہے۔ (صائبؒ)



کاملے گر خاک گیر دزر شود

(کامل اگر خاک بھی پکڑ لے تو سونا بن جاتا ہے)

مولانا روئی فرماتے ہیں کہ اہل عشق اگر کفر کو بھی ہاتھ ڈالے گا تو اس کو بھی ملتِ اسلامیہ میں تبدیل کر دے گا اور اگر کوئی بے دین شخص اچھی چیز کو پکڑے گا تو اس کو بھی بے دینی میں تبدیل کر دے گا۔

جہل آید پیش او دانش شود جہل شد علے کہ در ناقص رود  
عاشق کے سامنے جہالت کی بات آئے تو وہ عقل کی بات ہو جاتی ہے، وہ علم جہالت بن جاتا ہے جو ناقص کے پاس جائے۔ (۱۸۵/۱)

ہر چہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کاملے ملت شود  
بیمار جس چیز کو پکڑے، بیماری بن جاتی ہے، کامل شخص کفر اختیار کرتا ہے تو بھی وہ دین بن جاتا ہے۔ (۱۸۴/۱)  
مرد عارف کفر کی بات کو جب عشق کی آگ پر ڈالتا ہے تو اس کو خالص کر دیتا ہے اور جب وہ بظاہر کوئی فقہ کے علاوہ بات کرتا ہے تو اس میں بھی فقہ کی بو آتی ہے۔

کاملے گر خاک گیرد زر شود ناقص ار زر برد خاکستر شود  
کامل شخص اگر خاک کو پکڑے گا تو سونا بنا دے گا، ناقص شخص اگر سونا پکڑے گا تو اس کو بھی خاک بنا دے گا۔ (۱۸۴/۱)  
ہر چہ گوید مرد عاشق بوئے عشق از دہانش می جہد در کوئے عشق  
عاشق انسان جو کچھ عشق کے بارے میں کہتا ہے، خوشبو عشق کے کوچہ میں اس کے منہ سے مہک جاتی ہے۔ (۳۰۳/۱)  
گر بگوید فقہ فقر آید ہمہ بوئے فقر آید ازاں خوش ددمہ  
اگر وہ فقہ کی بات کرتا ہے تو وہ سب فقر ہوتا ہے، اس کی خوش گفتاری سے فقر کی خوشبو آتی ہے۔ (۳۰۳/۱)

در بگوید کفر آید بوئے دیں آید از گفت شکش بوئے یقین  
اگر وہ کفر کی بات کہتا ہے تو دین کی خوشبو آتی ہے، اس کے شک کی بات (الہام) سے بھی یقین کی خوشبو آتی ہے۔ (۳۰۳/۱)

مرزا غالب نے فرمایا ہے۔

دولت بہ غلط نہ رسد از سعی پشیمان نہ شو کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو  
دولت غلط جگہ نہیں جاتی، کوشش سے پشیمان نہ ہو جاؤ اگر کافر نہیں بن سکتے تو لامحالہ مسلمان بن جاؤ۔ (غالب)  
کف کثر کن بحر صافی خاست است اصل صاف آں فرع را آراست است  
پاؤں میڑھا نظر آنا صاف پانی کا خاصہ ہے، صاف ہونے کی اصل نے اس فرع کو آراستہ کر دیا۔ (۳۰۳/۱)

آں کفش را صافی و محقوق داں بچو دشنام لب معشوق داں  
میڑھے نظر آنے والے پاؤں کو صحیح اور محقوق سمجھ، محبوب کے منہ کی گالی کی طرح میٹھا سمجھ۔ (۳۰۳/۱)

گشتِ ایں دشنام نامطلوب اُو خوش زہرِ عارضِ محبوب او  
یہ گالی اس کی مطلوب نہیں ہوتی مگر محبوب کے چہرے کی وجہ سے عاشق خوش ہوتا ہے۔ (۳۰۳/۱)

عارفِ روئی فرماتے ہیں کہ اگر کسی مردِ مومن کو کہیں سونے کا بت مل جائے تو وہ اس کو کسی بت پرست کے لئے نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کو آگ میں ڈال کر صاف ستھرا کرنے کے بعد کسی اچھے مصرف میں لائے گا۔

گر بتِ زرّیں بہ یابد مومن کے ہلد اورا پئے سجدہ کنے  
اگر کوئی مومن سونے کا بت پالے تو اس کو سجدہ کرنے والے کے لئے کب چھوڑے گا۔ (۳۰۳/۱)

بلکہ گیرد اندر آتش افگند صورتِ عاریش را بر کند  
بلکہ اس کو لے کر آگ میں ڈال دے گا، اس کی عارضی ہیئت کو توڑ دے گا۔ (۳۰۳/۱)

ذاتِ زرش دادِ ربانیت ست نقشِ بت بر نقدِ زرِ عاریت است  
اس کا اصل سونا ہونا خدا کا دین ہے، نقد سونے پر بت کی تصویر عارضی ہے۔ (۳۰۴/۱)

مولانا فرماتے ہیں کہ جب باغ میں موسمِ خزاں آجائے تو کانٹے خوش ہوتے ہیں کہ اب ان کو حقیر سمجھنے والے پھول باقی نہیں رہے یا یوں سمجھئے کہ دنیا ایک ظلمت کدہ ہے۔ بدکار آدمی تو یہی خواہش کرے گا کہ ہمیشہ اندھیرا ہی رہے تاکہ حسین اور بد شکل میں تمیز نہ ہو سکے۔ اندھیرے میں سب برابر ہوتے ہیں مگر جب قیامت آئے گی تو اندھیرے دور ہو جائیں گے اور حقیقت آشکار ہو جائے گی، نیک اور بد میں تمیز ہو جائے گی، بدکاروں کو الگ کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

”وَأَمَّا زُورُ الْيَوْمِ أَیُّهَا الْمُجْرِمُونَ“ (یس: ۵۹) اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ۔

اس دنیا کی خزاں کے بعد قیامت کے روز بہار آئے گی اور پھولوں اور کانٹوں میں فرق واضح ہو جائے گا۔ اچھے اور بدکار میں فرق واضح ہو جائے گا۔ اس دن مسلمانوں کے اعمال پہچانے جائیں گے۔ ایسی قیامت کا خواہاں مومن خوش کردار ہی ہوگا۔

پس قیامت روزِ عرضِ اکبر است عرضِ او خواہد کہ بازیب و فراست  
قیامت (کا دن) بڑی پیشی کا دن ہے، پیشی وہ چاہے گا جو شان و شوکت والا ہے۔ (۳۰۶/۱)

چوں نہ دارد روئے ہچوں آفتاب چوں نہ خواہد جز شبِ ہچوں نقاب  
جو شخص آفتاب جیسا چہرہ نہ رکھتا ہو، وہ نقاب کی طرح رات کے سوا کچھ نہ چاہے گا۔ (۳۰۶/۱)

خار بے معنی خزاں خواہد خزاں تا زند پہلوئے خود با گلستان  
بے حقیقت کا نٹا خزاں ہی خزاں چاہتا ہے تاکہ گلستان سے وہ پہلو تہی کر سکے۔ (۳۰۶/۱)

پس خزاں او را بہار است و حیات یک نماید سنگ و یاقوت زکات  
اس کے لئے خزاں، بہار اور زندگی ہے جو پتھر اور قیمتی یاقوت کو یکساں دکھاتی ہے۔ (۳۰۶/۱)



## حصہ سوئم

## سترہواں باب

## شیخ نورانی زراہ آگہ کند

(شیخ نورانی راہوں سے آگاہ کرتا ہے)

## اولیاء کا فیضانِ صحبت، احترام اور پیروی

زیرِ نظر کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اولیائے کرامؑ کا گروہ اسلام کو عام لوگوں میں رائج کرتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ مولانا رومؒ کی خواہش ہے کہ اولیائے کرامؑ طریقت میں دلچسپی رکھنے والے خواص کو بھی ولایت کے نہایت بلند مقام پر لا کھڑا کریں۔ آپ اس بات کا تاثر دیتے ہیں کہ جو لوگ اولیائے کرامؑ سے روحانی روشنی اخذ کرتے ہیں اور ان کی صحبت میں کچھ وقت گزارتے ہیں وہ اس قدر علم حاصل کر لیتے ہیں کہ اپنی تمام مشکلات اور مصائب کا حل وہ خود تلاش کر سکتے ہیں اور یہ لوگ ”اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ“ (سنو! بیشک اولیاء اللہ کو نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یونس: ۶۲) کے زمرے میں شامل ہو جاتے ہیں۔

”مثنوی معنوی“ میں بیعت کا کسی کامل، مکمل اور اکمل شیخ سے حاصل کرنا واجب قرار دیا گیا ہے کیونکہ شیخ طریقت ان تمام امور کی تربیت دیتا ہے جو اسلام میں فرائض یا واجبات کا حکم رکھتے ہیں، اس لئے ان کا طریقہ سیکھنا بھی واجب ہے جو بیعت میں سکھایا جاتا ہے۔

کسی شیخ کی بیعت اختیار کر کے سالک طریقت کو ان تمام قوانین الہی کا علم حاصل ہو جاتا ہے، جس سے انسان دنیا اور آخرت میں امن اور سکون کی زندگی گزار سکتا ہے۔ مولانا رومؒ نے اس حقیقت کو اپنے اشعار میں بہت دلچسپ رنگ میں پیش کیا ہے کہ اولیائے کرامؑ ان اختیارات اور قوتوں کا اظہار کس طرح کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی بیان

کرتے ہیں کہ اولیائے کرامؑ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر قوت عطا فرمائی ہے کہ وہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس لا سکتے ہیں۔ آپ اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ زندگی کا سفر بغیر پیر و مرشد کی رہنمائی کے طے نہیں ہو سکتا۔ ان کے ساتھ جو بھی مسلک ہو گیا وہ سنگِ خارا ہوتے ہوئے بھی لعل و زمرد بن جاتا ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لا کھڑا کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ پیر طریقت وہ ہوتا ہے جو خود بھی احکامِ شریعت کا پابند ہو اور جو ان کے ساتھ مسلک ہو جائے وہ بھی اس مقام پر آ جائے۔ کوئی شخص پیر و مرشد کی رہنمائی کے بغیر طریقت کا سفر شروع نہیں کر سکتا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آج تک کوئی شخص ان بزرگوں کی صحبت کے بغیر ولایتِ مطلوبہ کے رُتے تک پہنچ نہیں سکا۔ فرماتے ہیں پیر روشن ضمیر اس وقت سے موجود ہیں جب یہ دُنیا نہ تھی۔ رسول ﷺ اس دُنیا میں آنے سے پہلے بھی رسول تھے۔

حضرت مولاناؒ رومؒ کا یہ فرمان ہے کہ ایسے عاقل اور کامل پیر کے سائے میں آ جاؤ، جس کی صحبت میں رہ کر تم راہِ راست سے پھر نہ جاؤ۔ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ اللہ کا خاص بندہ (مرشد) تمہاری دنگیری کرتا ہے اور تمہیں بارگاہِ الہی میں حاضر ہونے کی سعادت کے ہمراہ کر دیتا ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ نے بھی یہ فرمایا ہے کہ پیر کامل وہ ہے جو مرید کو روٹی کی فکر سے آزاد کروا دے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے کے قابل بنا دے، اسی لئے آپ فرماتے ہیں کہ شیخ کا دامن جلد اور ہلاتا تمل پکڑ لو۔

مولاناؒ رومؒ فرماتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ اپنے وقت کے اسرافیل ہیں کیونکہ مردہ دل لوگوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ یہ اولیائے کرامؑ آسمان کی سیڑھی ہیں، جو روحانی ترقی کے مقام پر لے جا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کا بھی انکشاف کرتے ہیں کہ جیسے بغیر کمان کے تیر نہیں چل سکتا ایسے ہی بغیر اولیاء کے مرید آسمانِ طریقت پر کیسے جا سکتا ہے، لہذا مشائخ سے دُوریِ تباہی کا سبب بنتی ہے۔ مولاناؒ رومؒ نے مذکورہ بالا فوائد کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اگر تم ولایت کے مقام سے آشنائی حاصل کرنے کے بعد مشائخ کی مخالفت کرو گے تو ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔ شیخ کے پاس بیٹھنا بھی عبادت ہے بلکہ شیخ کی موجودگی میں نفلی عبادت کا کرنا بھی مستحسن نہیں کیونکہ شیخ کے چہرے کو دیکھنا بذاتِ خود ایک بہت بڑی عبادت ہے۔ ان کی صحبت سے بہتر فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص خدا کی ہم نشینی اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کو کہہ دو کہ وہ اولیائے کرامؑ کے پاس بیٹھے، اس طرح ان کو خدا کی ہم نشینی میسر ہو جائے گی۔ ان کے پاس بیٹھنے سے ہی مریدین کو اسباق ملتے ہیں۔ یہ قول بھی بہت مشہور ہے کہ اگرچہ پیر و مرشد کوئی کلام بھی نہ کرے تو بھی اس کے پاس بیٹھنا بہتر اور فائدہ مند ہے، کیونکہ اولیائے کرامؑ ایسے سبق بھی دیتے ہیں جن کا محض قلب سے تعلق ہے، گفتار سے نہیں۔ ایسے سبق کو وہ بے لُغتہ سبق کہتے ہیں، یعنی بغیر بات چیت کے سبق حاصل کرنا، جو مریدین ایک گھڑی کے لئے ان کی صحبت اختیار کرتے ہیں انہیں سینکڑوں سالوں کی بے ریا عبادت سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔



مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ کسی مردِ حکیم سے حکمت (یعنی طریقت) کو تلاش کرو کیونکہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ جس کو حکمت مل گئی تو سمجھ لو اس کو خیر کثیر مل گئی۔ ایسی صحبت سے عقل کے اندھے بھی بینا اور علیم ہو جاتے ہیں۔ اولیائے کرامؑ کے دل مسجد کی طرح ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ موجود ہے اور سب مخلوق اس کی طرف ہی سجدہ کرتی ہے۔ اس سے رجوع کرنا بہت بڑی بات ہے۔

مولاناؒ کا کہنا ہے کہ پیر ایسی ہستی ہے کہ جس کے تبرکات پاس رکھنے سے بھی مریدین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملتی ہے اور پیر جہاں بھی ہو، مریدین کی دُور سے بھی مدد کر سکتا ہے۔ وہ جب چاہے، جہاں چاہے پہنچ سکتا ہے اور اس کا ہاتھ بھی مریدوں سے دُور نہیں (بشرطیکہ پیر صحیح پیر ہو اور مرید بھی صحیح مرید ہو) حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنی ٹوپی میں موئے مبارک رکھ لیا تھا اور پھر ہر جنگ میں اس کی برکت سے فתיاب ہوئے۔ ایک بار دورانِ جنگ یہ ٹوپی کفار کے علاقے میں رہ گئی تو آپؐ نے دوبارہ حملہ کر کے ٹوپی حاصل کی، جس کی وجہ سے بہت سے صحابیؓ بھی شہید ہوئے۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ)۔ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے تبرک کے باعث (جو ایک خرقہ کی صورت محمود کو دیا تھا) سومنات کا مندر فتح ہوا۔ ایسی لاکھوں روایات ہیں جو تنگیِ قرطاس کی وجہ سے بیان نہیں کی جاسکتیں۔

رُوحانیت اور تصوّف کا مضمون ایسا ہے کہ جو آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ ہی معرضِ وجود میں آ گیا تھا۔ خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن میں درج ہے، جو ایک رُوحانی علم کی نشان دہی کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے حکم کے تابع چلے، اسی طرح تم بھی اپنے مرشد کے تابع بن کر رہو۔ بہت سی مستند کتابوں میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ پہلی بار جب حج کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک بزرگ کے ہاں قیام کیا۔ اس بزرگ نے پوچھا کہ اے بایزیدؒ کس کام کے لئے گھر سے نکلے ہو تو آپؒ نے حج کا ذکر کیا۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ کتنے پیسے ساتھ لائے ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ دو سو درہم ہیں۔ فرمایا: تم اس وقت حج کے قابل نہیں ہو۔ لاؤ یہ رقم مجھے دے دو اور میرے گرد سات چکر کاٹ لو تو تمہارا حج ہو جائے گا۔ آپؒ نے ایسا ہی کیا اور کہا کہ واقعی میں اس وقت حج کے قابل نہ تھا اور اس شیخ سے مجھے بہت فائدہ پہنچا۔ حضرت مولاناؒ رومؒ نے فرمایا کہ جو لوگ مشائخ کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ اپنی ہلاکت کو دعوت دیتے ہیں۔ ایک مقام پر مکرین طریقت کے متعلق آپؒ نے سخت کلام لکھا ہے اور ان کو کہا ہے کہ تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو جو اتنی بڑی بڑی ہستیوں سے ٹکر لینا چاہتے ہو۔ تم تو ایمانِ شیخ کے معاملے میں کافر ہو اور تمہاری حیثیت ایک معمولی کانٹے سے بھی بدتر ہوگی۔ اگر تم جنت میں جاؤ تو وہاں تمہیں اپنے علاوہ ذلیل کانٹا کوئی بھی نہیں ملے گا۔

مولانا روٹیؒ نے مثنوی میں رُوحانی، وجدانی اور فلسفیانہ انداز میں تصوّف کے تمام موضوعات کو مستند طریقے سے واضح کیا ہے اور آپؒ کا اندازِ تحریر اس قدر خوب صورت اور وجدانگیز ہے کہ عشاق اس کو پڑھ کر سر دھنستے ہیں۔ علامہ اقبالؒ بذاتِ خود مولانا رومؒ کے عاشق تھے اور ان کو اپنا مرشد تسلیم کرتے تھے۔ راقم الحروف ان دونوں کو اپنے

پیشوائے طریقت سے کم تصور نہیں کرتا بلکہ میرے پیشوا بھی ان کو اور تمام صوفی شاعروں کو اپنا پیشوائے ذوق تسلیم کرتے ہیں۔ مولانا رومؒ کی خدمات پر ایک مضمون ہماری ایک عنقریب چھپنے والی تصنیف ”سرمایہ ملت“ میں شامل کیا گیا ہے۔ شائقین حضرات اس کے مطالعہ سے یقیناً لطف اندوز ہوں گے۔ اس کے علاوہ ہماری ایک اور تصنیف ”اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال“ کے نام سے عنقریب چھپنے والی ہے، جس میں تصوف اور اس کے مختلف موضوعات پر اچھی خاصی تفصیل دی گئی ہے۔ اس کتاب میں مولانا رومؒ کا کافی کلام شامل کیا گیا ہے۔ مذکورہ دونوں کتابوں سے قارئین کو اچھا خاصا مواد حاصل ہو سکتا ہے۔ آخر میں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ مولانا رومؒ کا کلام جو چھ جلدوں پر پھیلا ہوا ہے اس کا احاطہ کرنا زیر نظر مختصری تحریر میں ممکن نہ تھا، اس لئے آئندہ صفحات میں صرف ان اشعار کو شامل کیا گیا ہے جو بہت مشہور ہیں اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بن چکے ہیں۔ یہ اختصار اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ ایک چھوٹی سی تحریر میں طالبانِ طریقت کی دلچسپی اور گرمی طبع کا سامان مہیا ہو سکے۔

جہاں تک تصوف اور روحانی دنیا کا تعلق ہے کچھ لوگوں میں چند منکرینِ طریقت کے باعث یہ تاثر پھیل چکا ہے کہ آج کل تصوف وغیرہ کی انسان کو ضرورت نہیں۔ یہ صوفیوں نے خواہ مخواہ ایک اضافی مضمون بنا لیا ہے۔ ایسے لوگ تو شاید مذہب کو بھی ایک اضافی مضمون سمجھ کر مذہب کے عملاً منکر ہیں، چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو چند بزرگانِ اسلام کے اقوال کے مطابق مُردہ اور نامراد ہیں۔ اگر ہم اوّل زمانہ اسلام سے آج تک انسانی زندگی پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اولیائے کرامؑ میں سے کسی نے بھی تصوف کو بے فائدہ مضمون نہیں سمجھا بلکہ لاکھوں اولیائے عظامؑ اس تصوف کے ساتھ ہر زمانے میں منسلک رہے ہیں۔ اگر ان لوگوں کے ناموں کو شمار کیا جائے تو ایک اچھی خاصی تحریر بن جائے گی، چنانچہ اگر کوئی شخص ان اولیائے کرامؑ کا منکر ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ان لوگوں سے اعراض کئے ہوئے ہے۔ جہاں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت معین الدین چشتیؒ، حضرت شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ اور مختلف سلاسل کے دیگر بزرگ طریقت پر عمل پیرا رہے، جن کے مقامات اس قدر بلند تھے کہ ان کے سامنے منکرینِ طریقت گھاس کے تنکے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ مولانا ایسے لوگوں کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جیسے کسی شیر کی دُم کے ساتھ کوئی چوہا کھیل رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان کے اس انکار کے عمل سے شیر جسے انسان کی زندگی پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے حصے میں نیک سعادت اور خوش بختی لکھی جا چکی ہے وہ عملِ طریقت کو اپنا رہے ہیں، باقی لوگ ازلی محرومی اور بد بختی میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے خیالات سے دُور رہنے کی سعادت عطا فرمائے اور اپنے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے درویشانہ طریقوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

راہبرِ راہِ شریعت آں بود

(راہبرِ راہِ شریعت وہ ہوتا ہے)

مثنوی میں روحانی دنیا کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ تو ایک طویل مضمون ہے، لیکن اختصار کی خاطر یہ کہہ دینا



کافی ہے کہ پیروں کے وجود کو ثابت کرنے اور روحانی زندگی کی افادیت کے دلائل کے سلسلے میں مولانا روٹی کے درج ذیل اشعار عقیدت مندوں کے لئے کافی ہیں۔ انسانوں پر نازل ہونے والے مصائب اور پریشانیوں کا ذکر الگ مضمون میں شامل کیا جا چکا ہے اور یہ بیان بھی ہو چکا ہے کہ مصائب انسانوں کے کرتوتوں کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فیضان نیک انسانوں پر ان کے نیک اعمال کے باعث نازل ہوتا ہے۔ انسانوں کی زندگیاں بالعموم غموں اور مصائب سے دوچار رہتی ہیں اور اس دُنیوی زندگی کے علاوہ اُخروی زندگی کا دُرست ہونا انسانوں کے اعمال پر انحصار کرتا ہے۔ ایسی حالت میں انسانوں کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ اپنی دُنیوی زندگیوں کو ٹھیک حالت میں گزار کر دونوں جہانوں کی مشکلات سے نجات حاصل کریں۔ مولانا روٹی کا خیال ہے اگر انسان خود کو کسی شیخِ کامل کے حوالے کر دے تو مشکلات کی درستی متصور ہو سکتی ہے۔ آپ اس حقیقت پر دلائل پیش کرتے ہیں کہ ایک راہبر کسی انسان کی زندگی کو مطلوبہ کامیابیوں سے ہمکنار کر سکتا ہے اور اس کے دونوں جہانوں کی نعمتوں کا ضامن بن سکتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں ۔

شیخ نورانی زہ آگہ گُند      بائخُن ہم نور را ہرہ گُند  
(۲۵۳/۵)      شیخ نورانی اللہ کی راہ سے آگاہ کرتا ہے، اپنے کلام کے ساتھ نور کو بھی ہمراہ کر دیتا ہے۔

از حدیث شیخ جمعیت رسد      تفرقہ آرد دم اہلِ حد  
(۳۴۶/۲)      شیخ کی باتوں سے سکون ملتا ہے، جب کہ اہلِ حد کے کلام سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔

چونکہ دستِ خود بہ دستِ او نہی      پس زدستِ آکلاں پیروں جہی  
(۸۳/۵)      جب تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتا ہے تو گمراہوں کے پنجے سے نکل جاتا ہے۔

راہبر راہِ طریقت آں بود      کو بہ احکامِ شریعت می رود  
(مثنوی حصہ دوم)      راہِ طریقت کا راہبر وہ ہوتا ہے جو خود بھی طریقت کی راہ پر چلتا ہے۔

گر نباشد در عمل ثابت قدم      چوں رہاند خلق را از دستِ غم  
(حصہ دوم)      اگر وہ عمل میں ثابت قدم نہ ہو تو مخلوق کو غم سے رہائی کیسے دلا سکتا ہے۔

دستِ زن در دامنِ ہر کو ولی ست      خواہ از نسلِ عمرِ خواہ از علی ست  
(حصہ دوم)      جو بھی ولی اللہ ہو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دو، خواہ حضرت عمرؓ کی نسل سے ہو یا حضرت علیؓ کی نسل سے۔

گر تو گوئی نیست پیرے آشکار      تو طلب کن در ہزار اندر ہزار  
(حصہ دوم)      اگر تو کہتا ہے کہ کوئی پیر نظر ہی نہیں آتا، تو تو اس کو لاکھوں میں تلاش کر۔

زانکہ گر پیرے نہ باشد در جہاں      نے زمیں بر جائے ماند نے مکاں  
(حصہ دوم)      یہ اس لئے کہ اگر دُنیا میں کوئی پیر نہ رہے تو یہ زمین اور آسمان اپنی جگہ پر نہیں رہ سکتے۔

دست گیر و بندہ خاص الہ طالبان الہی کو بارگاہ الہی میں پیش کرتے ہیں۔ (۳۱۱/۱)

گر تو سنگِ خارا و مرمر شوی چوں بہ صاحبِ دل رسی گوہر شوی  
اگر تو سخت پتھر اور سنگِ مرمر بھی ہو تو جب کسی صاحبِ دل پیر کے پاس پہنچے گا تو گوہر بن جائے گا۔ (۱۰۱/۱)

چوں شدی دور از حضورِ اولیاء در حقیقت کشیدہ دور از خدا  
جب تو پیروں کی حاضری سے دُور ہو گیا تو حقیقتاً تو خدا سے دُور ہو گیا۔ (۲۱۳/۲)

آنکہ واقفِ گشت بر اسرارِ ہُو بر مخلوقات چہ بود پیش او  
جب شیخ خدا کے اسرار سے واقف ہو تو پھر مخلوق کے راز اس کے سامنے کیا ہیں۔ (۱۳۸/۲)

### اشعار کی تشریح

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کا تعلق اللہ سے ہونے کی وجہ سے مرید کا تعلق بھی نورانی راستے سے ان کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ شیخ اپنے کلام کے ساتھ ساتھ اپنی گفتگو کے الفاظ میں بھی ایک نور روانہ کر دیتا ہے، اس لئے مریدوں پر اس کے الفاظ کے علاوہ اس کا نور بھی اثر کرتا ہے جو کہ عام لوگوں کے کلام میں نہیں ہوتا، لہذا پیر کی بات اوروں سے سراسر مختلف ہو جاتی ہے۔ اس نور کی وجہ سے شیخ کی بات کا اثر مرید کے دل میں سکون کی شکل میں نمودار ہوتا ہے جب کہ عام دنیا داری کی بات میں انتشار اور بے سکونی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں جب تم نے اپنا ہاتھ پیر کے ہاتھ میں دے دیا تو سمجھ لو کہ گمراہ لوگوں کے چنگل سے نکل گئے ہو اور ان کے شر سے محفوظ ہو گئے ہو۔ فرماتے ہیں کہ رہبرِ شریعت وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلتا ہے اور عملِ شریعت سے اس کے نور میں اور بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے (کلمہ لا الہ کے پڑھنے سے ایک کافر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور مسلمان اگر اس کو بار بار پڑھے تو ہر بار پڑھنے سے اس کے درجات بلند ہوتے ہیں) فرماتے ہیں کہ اگر وہ عملِ شریعت کی راہ پر نہ چلے تو وہ مقبولِ بارگاہِ الہی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرامؑ کی دعاؤں سے مخلوقات کو رنج و غم سے نجات ملتی ہے۔ اگر پیر مقبولِ الہی نہ ہو تو ان سے ملنے والوں کو عذابِ جہنم سے نجات ملنے کا کام بھی نہیں ہو سکتا (اگر کچھ لوگوں کے دُنیاوی کام نہیں ہوتے تو یہ ان کے اعتقاد کی کمزوری اور پیر کے احکامات کو نہ ماننے کی وجہ سے ہے) مذکورہ بالا حقائق کا مطالعہ کرنے کے بعد ضروری ہے کہ انسان کسی ولی اللہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دے (شرط یہ ہے کہ وہ پابندِ شریعت ہو اور جعلی پیر نہ ہو)۔ نیک بندہ خواہ کسی نسل سے ہو اس کو ولی اللہ سمجھو۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں تو آج تک کوئی پیر نہیں ملا تو آپ یہ فرماتے ہیں کہ پیر نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے کسی پیر کی تلاش ہی نہیں کی (دیکھیے ہماری تصنیف ”نشانِ منزل“ کی ابتدا میں امام غزالیؒ کا قول ”کہ کسی کو ہدایت کیوں نہیں ملتی“)۔ ایسے شخص کو کہیں کہ وہ لاکھوں کروڑوں میں سے پیر کو تلاش کرے، پیر ضرور مل جائے گا کیونکہ اگر کوئی پیر نہ



رہے تو یہ دنیا اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکتی، گویا یہ دنیا پیروں کے دم سے ہی چل رہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قدموں کی برکت سے بارش نازل کرتا ہے اور انہیں کی وجہ سے زمین سبزہ اُگاتی ہے۔ (مشکوٰۃ) مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء بندوں کی دستگیری کرتے ہیں (یعنی جب بیعت کرتے ہیں) تو ان کو اللہ کی بارگاہ میں لاکھڑا کرتے ہیں اور مرید وصل الہی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ ان اولیاء کرامؒ میں اتنی روحانی قوت ہوتی ہے کہ خواہ کوئی کتنا ہی سنگدل اور گنہگار کیوں نہ ہو، پیر اسے توبہ کروا کر اللہ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پتھر دل کو گوہر بنا دیتے ہیں۔ یہ داستان بہت طویل ہے کہ ایسے ویسے لوگ کیسے کیسے بزرگ بن گئے بلکہ جو لوگ ان باتوں کے قائل نہیں (جیسے کہ اس زمانے میں بہت سے منکرینِ اولیاء کہا کرتے ہیں) تو ایسے لوگ پیروں سے دُور رہنے کے باعث خدا سے دُور رہتے ہیں اور ایسے منکرینِ اہل اللہ کے فیض سے تمام عمر محروم رہتے ہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے ۔

ہر کہ شد محرم دل در حرم یار بماند      ہر کہ ایں کار نہ دانت در انکار بماند  
جو شخص اپنے دل کا محرم ہو جاتا ہے وہ اپنے یار کے حرم میں رہتا ہے اور جو اس کام کو نہیں جانتا وہ اپنے انکار کی وجہ سے ہی مارا جاتا ہے۔

مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ جب اولیاء اللہ خدا کے رموز و اسرار اور قوانینِ الہی سے واقفیت رکھتے ہیں تو پھر مخلوقات کے کام ان کے سامنے کیا مشکل ہیں؟ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ جو آسمانوں پر پرواز کر سکتا ہے اس کے لئے زمین پر چلنا کیا مشکل ہے۔ مولانا روئیؒ کے درج ذیل شعر کا مطلب یہی ہے ۔

آنکہ بر افلاک رفتارش بود      بر زمیں رفتن چہ دشوارش بود  
جو آسمانوں پر چھو پرواز ہے زمین کی مسافتیں اس کے سامنے کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ (۱۳۸/۲)

ایک مقام پر مولاناؒ فرماتے ہیں کہ چڑیا کے پیٹ میں کتنی انتزاعیاں اور کتنا مال موجود ہے، یہ علم تو ایک باز کے سامنے ایک معمولی معمولات میں شامل ہے۔ مذکور بالا بحث سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان کے لئے ایک مرشدِ کامل ہونے کی سخت ضرورت ہے۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر  
(پیر کو پکڑو کہ یہ سفر بے پیر طے نہیں ہو سکتا ہے)

مولانا روئیؒ نے مثنوی میں اس بات کا اظہار فرمایا ہے کہ طریقت کا راستہ کسی پیر کے بغیر طے نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی یہ کوشش کرے بھی تو اُسے اس راہ میں بہت سی آفتوں اور خوف و خطر کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں ۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر      ہست بس پُر آفت و خوف و خطر  
طریقت کا سفر طے کرنے کے لئے کسی پیر کا توسل اختیار کرو کیونکہ اس کے بغیر (سلوک اور طریقت کا) سفر (نفس

اور شیطان کی) بڑی آفات اور خوف و خطر سے لبریز ہے۔

مولانا روٹی نے فرمایا ہے کہ اول تو یہ راستہ آج تک کسی نے پیر کی رہنمائی کے بغیر طے ہی نہیں کیا اور اگر کسی نے کوئی منزل حاصل کی ہو تو وہ پیرانِ عظام میں سے کسی کی توجہ کے بغیر طے نہیں ہو سکتی۔ فرماتے ہیں ۷

ہر کہ تنہا ناور ایں رہ برید ہم بعونِ ہمت مرداں رسید  
ایسا کم ہے کہ کسی نے اس راہ کو تنہا طے کیا ہو اور اگر کیا ہوگا تو وہ بھی بزرگوں کی توجہ (مدد) سے ہی پہنچا ہوگا۔ (۳۱۲/۱)  
ہماری تصنیف ”بیعت کی تکمیل“ میں دائمی حضور کا مضمون مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ طویل مدت کے بعد ایسے مشائخ آتے ہیں جو کہ اپنے زمانے کے لوگوں کی دستگیری کرتے ہیں، بشرطیکہ وہ ان مشائخ کے متعلق ٹھیک عقیدہ رکھتے ہوں۔ کچھ لوگ جو ان اولیاء کے منکر نہیں ہیں ان کو بھی یہ اولیاء مدد دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسی طریقہ بھی موجود ہے، جس میں وصال یافتہ مشائخ غیبی طور پر معتقدین کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو بھی ایسی سلسلے کے بزرگ ہی طریقت کے اسباق دیتے ہیں، اگر ایسا ہے تو پھر کوئی پیر کسی شخص کی رہنمائی کر کے اس کو کسی مقام پر کیوں نہیں پہنچا سکتا۔

مشائخِ عظام کا متفقہ طور پر یہ خیال ہے کہ راہِ طریقت کو طے کرنا کسی پیر و مرشد اور پیر راہدان کے بغیر بہت مشکل ہے اور ایسی بے راہ روی میں منزلوں کا طے کرنا نہایت پُر خوف اور پُر خطر ہے۔ حضرت امداد اللہ مہاجر کئی نے فرمایا ہے کہ خواہ کوئی کتنی ہی عبادت اور ریاضت کرے لیکن شیطان اس کو کسی بھی مقام پر پہنچنے سے پہلے گمراہ کر سکتا ہے اور اس کی گردن مروڑ سکتا ہے۔ میاں محمدؒ نے بھی فرمایا ہے کہ ۷

راہ دے راہ دے ہر کوئی آکھے تے میں دی آکھاں راہ دے  
بنا مرشدوں تینوں راہ نہیں لہنا مروے سین وچ راہ دے

**شیطان انسان کو کس طرح گمراہ کرتا ہے**

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا وہ قصہ بہت مشہور ہے کہ جس میں شیطان نے ان کو جب وہ طریقت کی انتہائی منزلوں پر پہنچ چلے تھے تو اس وقت شیطان نے حائل ہو کر گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر اللہ تعالیٰ اور ان کے مرشد کی توجہ نے انہیں بچا لیا۔ قصہ یوں ہے کہ آپؒ نے چالیس سالہ عبادت میں پچیس سال تک عشاء کے وضو کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی (یعنی اتنا عرصہ شب بیداری کے باوجود) اور سترہ (۱۷) سال تک سوائے ایامِ منوعہ کے پئے در پئے روزے رکھے۔ اس وقت جب کہ آپؒ ابھی صحرا میں ہی تھے تو ایک دن ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس گرم موسم میں ٹھنڈے پانی کا کوزہ اگر مل جائے تو آپؒ اپنی پیاس بجھائیں۔ یہ خیال دل میں آتے ہی آپؒ نے دیکھا کہ بادل چھا گئے اور ٹھنڈے پانی کا ایک کوزہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ دل میں خیال کیا کہ شاید یہ اللہ کی طرف سے میری ریاضتوں کا انعام ہے۔ ابھی پانی بیا ہی نہ تھا کہ بادلوں سے ایک نورانی چہرہ نظر آیا اور



فورا یہ بدا آئی کہ ”اے شیخ عبدالقادر جیلانی! تم نے عبادت کا حق ادا کر دیا ہے۔ ہم تمہاری ریاضت سے بہت خوش ہوئے ہیں، لہذا آج کے بعد ہم نے تمہارے لئے ہر قسم کی عبادت کو معاف کر دیا ہے۔“ حضرت نے یہ سوچا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس قدر عبادتوں کے بعد بھی عبادت معاف نہیں ہوئی تو مجھے عبادت معاف کرنے والا سوائے شیطان کے اور کون ہو سکتا ہے۔ آپ نے اسی وقت لاحول پڑھا تو وہ پانی کا کوزہ بادل اور نورانی چہرہ فوراً غائب ہو گیا، جو شیطان نے دھوکہ دینے کے لئے نمودار کیا تھا۔ ان سب چیزوں کے غائب ہونے کے بعد شیطان نے آواز دی کہ ”اے شیخ عبدالقادر جیلانی! تم اپنے علم کی وجہ سے بچ گئے ہو، ورنہ اس مقام سے میں نے بہت بڑے بڑے اولیائے کرام کو دھوکا دے کر گمراہ کر دیا ہے۔“ آپ نے فرمایا ”ادْفَعْ بِالْعِینِ“ (اے لعین دفع ہو جا!) مجھ کو میرے علم نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل نے تمہارے پھندے سے بچایا ہے۔ ہماری تصنیف ”سنن مبارکہ“ کے صفحہ نمبر ۲۲۸ پر علامہ اقبالؒ کے چند اشعار کی تشریح کی گئی ہے کہ شیطان نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا کہ الہی! اس انسان کی صحبت نے مجھے خراب کر دیا ہے، میں اسے جو بھی حکم دیتا ہوں اس کو میری تابعداری میں ذرہ برابر رکاوٹ نہیں رہتی بلکہ فوراً ہتھیار پھینک دیتا ہے۔ اس نے کہا اے بارِ خدا! میں اس انسان سے تنگ آ گیا ہوں۔ مجھے تو ایسے شخص درکار ہیں، جو مجھ سے مقابلہ کریں اور پھر ان کی شکست میں مجھے مزہ آئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تو اپنے مرشد اور خدا کی توجہ کے باعث بچ گئے مگر بہت سے لوگ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھے اور بہت سے ایسے ہوئے ہیں کہ شیطان کے کہنے سے پیغمبر یا نبی بننے کا دعویٰ کیا (کیونکہ شیطان نے ان کو بار بار کہا کہ تم ہی نبی ہو) بہت سے لوگ آج کل بھی شیطان کے بہکاوے میں آتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر عبادت کا حق ادا کر دیا جائے تو ”ولی سے عبادت اٹھ جاتی ہے۔“ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ عبادت صرف حضور قلب سے ہوتی ہے اور اگر دل اللہ کے حضور میں آ جائے تو پھر نماز روزہ وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ (معاذ اللہ)

پس بہر دستے نشاید داد دست

(پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے دینا چاہیے)

یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جہاں اچھے لوگ رہتے ہیں وہاں جعلی لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ بہت سے ڈاکٹر، حکیم، دکاندار اور پیر وغیرہ لیبرے بھی ہوتے ہیں، غرضیکہ ہر پیشہ میں دو نمبر بندے موجود رہتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دیہاتوں میں جب فصل گیہوں یا گنا وغیرہ پک جاتی ہے تو بیٹر پکڑنے والے کھیتوں میں جا کر ایک بہت لمبا رسا ڈال کر فصل کے بیروں کو ایک کونے کی طرف سے گھیر کر دوسرے کونے میں لے آتے ہیں، جہاں بیٹرباز بیٹروں کی آواز نکالتا ہے۔ کھیت میں موجود بیٹر اس بیٹرباز کی آواز سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ

ادھر کوئی بیٹر موجود ہے کیونکہ اس کی آواز اور اصل بیٹر کی آواز میں کچھ نمایاں فرق نہیں ہوتا۔ جب کھیت کے بیڑے آگے آتے ہیں تو بیڑ باز کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ عین اسی طرح جعلی پیر ایسی وضع قطع بنا لیتے ہیں کہ لوگ ان کے دھوکے میں آ کر ان سے بیعت ہو جاتے ہیں، یہ بات عام سننے میں آئی ہے کہ بڑے شہروں میں لوگ اپنے آشناؤں کو اپنے جعل پن کا اعتراف کرواتے ہیں اور ان کو بھی جعلی پیر بننے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہماری تصنیف ”بیعت کی تکمیل“ میں ایک باب ”پیرِ راہ دان کی پہچان“ کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ قارئین اس کی طرف رجوع فرمائیں۔ مولانا روٹی نے اس موضوع پر کافی کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ بیعت کرتے وقت اس بات کی تحقیق کر لیں کہ انہوں نے کسی جعلی پیر کے ہاتھ میں ہاتھ تو نہیں دے دیا ۔

چوں بے ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نشاید داد دست

چونکہ بہت سے ابلیس آدمی کی صورت (رکتے) ہیں، پس (بیعت کے لئے) ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے (مبادا کوئی ابلیس ہو) مطلب یہ ہے کہ اوپر مرشد سے بیعت کرنے کی ترغیب دی تھی، اب اس میں پیر کو اختیار کرنے میں احتیاط کی تاکید کرتے ہیں۔ (۶۲/۱)

زانکہ صیاد آورد بانگِ صفر تا فریبِ مرغِ را آں مرغِ گیر  
اس لئے کہ کبھی شکاری (بھی) پرندے کی سی آواز نکالا کرتا ہے، تاکہ وہ مرغِ گیر کسی پرندے کو دھوکا دے کر جال میں پھنسائے۔ (۶۳/۱)

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ صوفی نما شکاریوں سے چٹنا چاہیے، جن کا شیوہ بھولے بھالے لوگوں کو اپنے دامن میں پھنسانا ہے ۔

بشود آں مرغِ بانگِ جنسِ خویش از ہوا آید بیابد دام و نیش  
چٹناچہ (وہ پرندہ جب اپنے ہم جنس کی آواز سنتا ہے تو ہوا سے اتر آتا ہے) (آخر جال کے پھندے) اور (چھری کا) زخم برداشت کرتا ہے۔ (۶۳/۱)

چونکہ شریف اور سادہ لوح افراد ان لوگوں کی میٹھی میٹھی باتوں اور سبز باغوں میں پھنس جاتے ہیں اور ان صوفی نما پیروں کے دھوکے میں آ کر نقصان اٹھاتے ہیں۔

کارِ مرداںِ روشنی و گرمی ست کارِ دُوناںِ حیلہ و بے شرمی ست  
(مگر) مردانِ حق (آفتاب ہوتے ہیں جن) کا کام روشنی (ہدایت) اور گرمی (عشق) دینا ہے (اور مکار لوگ کینے ہیں تو کینوں کا کام فریب و بے حیائی ہے۔ (۶۳/۱)

مولانا رومؒ سچے مرشد اور جھوٹے پیر کی شناخت کے لئے ایک طریقہ بیان فرماتے ہیں اور وہ یہ کہ جس میں عشقِ الہی کی گرمی پائی جاتی ہو، وہ سچا پیر ہے۔ اس طرز کے پیروں کو دیکھ کر صاحبِ بصیرت اور اہلِ علم ہاشعور



لوگ ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور ان کی روشنی سے لوگ ہدایت پاتے ہیں، لہذا ایسا مرشد متقی و صالح اور قرآن و سنت کے علوم کا واقف اور صوم و صلوٰۃ اور احکام شرعی کا پابند ہوگا اور کامل اولیاء اللہ سے اس کو نسبت ہوگی۔ اس کے عقیدت مند اہل محبت لوگوں کی حالت روز بروز بہتر ہوتی جائے گی۔ اس لئے محبت حق کو شیخ کی پہچان مشکل نہیں ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جہنم میں خیمہ لگا کر بیٹھ رہنا آسان ہے، اس بات سے کہ شریعت کا ایک عمل معلوم کر کے اس پر عمل کیا جائے (کشف المحجوب)۔ اس کے برعکس پیہر باطل، زہر طلب اور زن طلب ہوتا ہے۔ ایسا مرشد جنت اور عیش و عشرت کی بات تو کرتا ہے مگر احکامات خداوندی کی نافرمانی کرتا ہے۔

تا غلاف اندر بود باقیمت ست  
چوں بڑوں شد سوختن را آلت است

جب تک (لکڑی کی تلوار) غلاف میں چھپی ہوتی ہے، قیمتی سمجھی جاتی ہے اور جب باہر آتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ جلانے کے کام کی چیز ہے۔ (۱۰۰/۱)

### آج بھی بہت سے گمراہ گن پیر موجود ہیں

اس زمانے میں بھی ایسے لوگ راقم الحروف سے ملے ہیں جو کہتے ہیں کہ ”نَعُوْذُ بِاللّٰهِ“ رسول اللہ ﷺ نے بھی صرف دل کی نماز ادا کی ہے، قیام و رکوع اور سجود والی نماز کہاں اور کب ادا فرمائی ہے۔ اس شخص کو راقم الحروف نے یہ کہا کہ پھر مسجد نبوی ﷺ اور دیگر مسجدوں کی کیا ضرورت تھی، یہ مسجدیں کس لئے بنیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جس طریقے سے نمازیں ادا کی ہیں، ان کا ثبوت احادیث اور کتب اسلامیہ سے ملتا ہے۔ تم کون ہو اور کس فرقے سے تعلق رکھتے ہو؟ افسوس ہے کہ بہت سے لوگ ان بے دینوں کی راہ پر لگ جاتے ہیں، حالانکہ ان سب کے عقائد قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تمام اولیائے کرامؒ جو آج تک گزر چکے ہیں، ایسا ہی کرتے مگر کسی ایک بزرگ نے بھی ان کی راہ اختیار نہیں کی۔ یہ لوگ مردود اور دین کے چور ہیں۔ کشف المحجوب میں بھی ان کے متعلق یہی کہا گیا ہے۔ ہمارے عوام میں بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ ان کو اگر کوئی دین میں آسانی دے دے تو فوراً اس دین کو قبول کر لیتے ہیں۔ میرے ایک بھتیجے نے جو بہت بڑا افسر ہے، مجھے کہا کہ چچا جان ایسا دین بنائیں جو ان کی مرضی کے مطابق آسان ہو۔ ان کو معلوم نہیں کہ قرآن کریم نے دین اسلام کو آسان دین کہا ہے۔

### علامہ اقبالؒ کی جعلی پیروں سے بیزاری

علامہ اقبالؒ نے انہی بے دینی عقائد کو دیکھ کر خانقاہی تصوف کو بُری طرح رد فرمایا ہے، کیونکہ ایسے عقائد خانقاہوں میں سکھائے جانے لگے تھے اور یہ سکھانے والے اپنے آپ کو پیر کہلاتے تھے۔ اپنی تصنیف ”تکھیل بیعت“ میں ہم نے یہ کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ دشمنان اسلام (یہود اور نصاریٰ وغیرہ) نے اسلام کو مٹانے کے لئے جعلی پیروں کا ڈھونگ رچا رکھا تھا تاکہ لوگ اس قسم کی طریقت کو دیکھ کر اسلام سے متفر ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج

لوگ بیعت کے نام سے بیزار ہیں اور لطف یہ ہے کہ کچھ ٹھیکیداران اسلام نے لکھ کر یہ فتوے دے دیئے ہیں کہ جب ہدایت قرآن اور حدیث کی صورت میں موجود ہے تو پھر بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ راقم الحروف کا ایک قریبی عزیز بھی یہی بات کہنے لگا۔ بڑی مشکل سے اس کو ان خیالات سے ہٹایا گیا اور اس کے سامنے بیعت کی ضرورت پر لیکچر دیا تو مطمئن ہو گیا اور پھر اس کو اپنے پیر صاحب سے ۱۹۹۴ء میں بیعت کروا دیا گیا۔ ہمارے یہ عزیز کسی غلط بندے کے زیر اثر تھے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کافروں اور عیسائیوں کو بھی ان کے نیک اعمال کا اجر ملے گا۔ کچھ بے سمجھ لوگ آج بھی یہ کہتے ہیں کہ آج کے عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی ہیں، اس لئے یہ دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ یاد رہے کہ حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد ان کو نہ ماننے والے لوگ مسلمان نہیں ہیں اور جو مسلمان نہیں ان سے نیک اعمال قبول نہیں کئے جائیں گے، البتہ ان کی نیکیوں کی وجہ سے ان کے عذاب جہنم میں کچھ تخفیف ضرور کر دی جائے گی۔ علامہ اقبالؒ اگرچہ جعلی پیروں کے سخت خلاف تھے مگر آپ نے اصلی پیروں کا بہت احترام کیا ہے اور فرمایا ہے ۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو  
یہ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں  
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی  
الہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں  
کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کے زور بازو کا  
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں  
ہر ذی عقل انسان یہ سمجھتا ہے کہ ان غلط پیروں نے جو کچھ اسلام میں رخنہ اندازیاں کی ہیں ان کی سزا جہنم کے سوا کچھ نہیں، تاوقتیکہ وہ توبہ کر کے صحیح راہ پر نہ آ جائیں مگر کچھ لوگ ابھی تک ان کی اتباع میں لگے ہوئے ہیں۔  
علامہ اقبالؒ نے ایسے لوگوں کی نشاندہی درج ذیل اشعار میں فرمائی ہے اور اس نظم کا نام ہے ”پنجابی مسلمان“ ۔

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت  
کر لے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد  
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا  
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد  
تاویل کا پھندہ کوئی صیاد لگا دے  
یہ شاخ نشین سے اُترتا ہے بہت جلد  
بیعت کرنے کی یہ داستان بہت طویل ہے کہ جس کے ذریعے غیر مسلموں نے اسلام کو تباہ کرنے کی اُنتھک  
کوشش کی اور یہ مسئلہ آج بھی بڑی شدت سے جاری ہے۔ مسلمان جان بوجھ کر دھوکہ کھائے جا رہے ہیں، حالانکہ  
اقوام مغرب اور شیطان کے حربے اتنے واضح ہیں کہ اگر کوئی ذرا سی بھی عقل رکھتا ہو تو ان سے بچ سکتا ہے۔ ان کی  
غلط روش نے علامہ اقبالؒ کو بہت کچھ کہنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کا اس سلسلے میں لکھا گیا پورا کلام تو یہاں پیش نہیں کیا  
جاسکتا، لیکن نیچے دیئے گئے کچھ اشعار سے آپ کے دل کا حال معلوم ہوتا ہے ۔

مومن است و پیشہ او ہنگری  
دین و عرفان سراپا کافری  
مومن ہیں مگر ان کا پیشہ بت گری ہے، ان کا دین و عرفان سراپا کافری ہے۔



محبت کا جنوں باقی نہیں ہے مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے  
 صوفی کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے  
 ہماری تصنیف ”شاہیں کا جہاں اور“ میں مُلا اور صوفی کی غلطیوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

ہیں مرو تنہا، زرہبر سر میچ

(خبردار تنہا نہ چلنا اور راہبر سے منہ نہ موڑنا)

مولانا روٹی کے درج ذیل اشعار کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ آج کل کچھ سڑکیں ایسی ہیں جن پر چلنے سے انسان منزل پر پہنچ جاتا ہے مگر ایسے راستے بھی ہیں جہاں منزل کا تعین نہیں ہے۔ ان راہوں پر تنہا چلنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔

آں رہے کہ بارہا تو رفتہ بے قلاوز اندر آں آشفتیہ  
 دیکھو! جس راہ پر تم بارہا چل چکے ہو، بسا اوقات اس میں رہبر کے نہ ہونے سے پریشانی اٹھا چکے ہو۔ (۳۰۸/۱)  
 پس رہے را کہ ندیدی تو میچ ہیں مرو تنہا زرہبر سر میچ  
 پس جس راستہ کو تم نے کبھی بھی نہ دیکھا ہو (اس پر)، تنہا ہرگز نہ چلنا (اور اپنے) راہبر سے انحراف نہ کرنا۔ (۳۰۸/۱)  
 ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد او زغولان گمرہ و در چاہ شد  
 جو شخص کسی مرشد کے (توسل) کے بغیر راہ سلوک پر چل پڑا، وہ اکثر شیاطین (کے اغوا) سے گمراہی کے کنوئیں میں گرا۔ (۳۰۸/۱)

مولانا روٹی مزید دلائل پیش کرتے ہیں کہ ایسے لوگ جو مرشد کے بغیر راہ طریقت کے قائل ہیں، وہ سب شیطان کے بہکاوے میں آچکے ہیں۔ ایسے شیاطین سے ہر شخص کو محفوظ رہنے کی ضرورت ہے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ بغیر مرشد کے تمہیں شیطان کی گونج پریشان رکھے گی۔

گر نباشد سایہ پیر اے فضول بس ترا سر گشتہ دارد بانگ غول  
 اے فضول آدمی! اگر تمہارے سر پر مرشد کی توجہ و تعلیم کا سایہ نہ ہو تو شیطان (کے خطرات و وسوسے) کی آواز (جو) تمہارے دل میں گونجتی رہے گی) تم کو بہت پریشان رکھے گی۔ (۳۰۹/۱)

غولت از رہ افگند اندر گزند از تو دہائی تر دریں رہ بس بدند  
 شیطان تم کو صراطِ مستقیم سے بہکا کر گزند (ہلاکت) میں ڈال دے گا۔ اس راستہ میں بہت سے لوگ تم سے بھی زیادہ ہوشیار گام پسا ہو چکے ہیں (جن کو شیاطین نے گمراہ و ہلاک کیا ہے)۔ (۳۰۹/۱)

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں صحیح راستے کا علم نہ ہو سکے تو جو نفس حکم دے اس کا اُلٹ کرو۔ شہنشاہ اورنگزیب کا علاج ایک ہندو نے کیا جو نفس کے کہنے کے خلاف عمل کرتا تھا۔ (چند اشعار کے بعد یہ واقعہ لکھ دیا گیا

ہے۔ عورتوں سے معذرت کے ساتھ مولانا روٹی نے لکھا ہے کہ عورتیں جو مشورہ دیں، ان سے مشورہ لے کر اس کا اُلٹ کریں۔ غالباً اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ عورتیں چونکہ جذباتی فیصلے کرتی ہیں تو جذباتی فیصلوں کی تائید کرنا مناسب نہیں ہوتا۔

گر ندانی رہ ہر انچہ خر بخواست عکس آں کن خود بود آں راہ راست  
اگر تم راستہ معلوم نہ کر سکو تو (یہ تدبیر مناسب ہے کہ) جو کچھ (یہ) خر (نفس) تقاضا کرے، اس کے خلاف کرو کہ وہی سیدھا راستہ ہے۔ (۳۰۹/۱)

شاورُوْهُنَّ پس آنگہ خَالِفُوا اِنْ مَنْ لَّمْ يَعْصِهِنَّ تَالِفُ  
پہلے عورتوں سے مشورہ کرو پھر اس مشورے کے خلاف کرو کیونکہ جو شخص ان کے خلاف نہ کرے گا وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ (۳۰۹/۱)

او چناں پیرست رکش آغاز نیست با چناں دُرّ یتیم انباز نیست  
(یوں تو) وہ ایسا پیر ہے کہ اس کا آغاز ہی نہیں اور ایسے یکتا موتی کا کوئی ثانی نہیں۔ (۳۰۸/۱)  
قرآن مجید میں ان لوگوں کا ذکر آیا ہے جو گمراہی کے راستے پر چلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں مبتلا کیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بے راہ لوگوں سے عبرت پکڑو۔

از بُنۂ ہشو ضلال رہرواں کہ چہ شاں کرد آں ابلیس بدرواں  
راہ (مذہب) پر چلنے والوں کی گمراہی (کا حال) قرآن سے معلوم کرو کہ بد ذات ابلیس نے ان کی کیا گت بنائی۔ (۳۰۹/۱)

صد ہزاراں سالہ رہ از جادہ دور بردشاں و کردشاں زادباہر عور  
(شیطان نے) ان کو راہ راست سے لاکھوں سال کی مسافت پر دُور جا ڈالا اور ان کو بدبختی کے ساتھ دولتِ ایمان سے ہٹا کر دیا۔ (۳۰۹/۱)

اُستخوانہا شاں بہیں و موئے شاں عبرتے گیر و مراں خر سوئے شاں  
تم ان کی ہڈیاں اور بال (وغیرہ نشاناتِ باقیات دیکھو) اور ان کے حیرت ناک انجام سے عبرت پکڑو اور گدھے (نفس) کو ان کی راہ پر نہ لے چلو۔ (۳۰۹/۱)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ“ (یعنی زمین پر چلو پھرو اور دیکھو پیغمبروں کے جھٹلانے والوں کا کیا کیا خراب انجام ہوا) (النحل: ۳۶)  
مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ نفس کا گدھا بھی انسان کو غلط راہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کو گدھے کی طرح کان سے پکڑ کر صحیح راستے کی طرف لے جاؤ اور جو یہ کہے اس کا اُلٹ کرو تو بچ جاؤ گے۔



حکایت شہنشاہ اورنگزیب کے زمانے میں ایک ہندو تھا، جو اپنے نفس کے ہر حکم سے اُلٹ چلتا تھا اور نفس کی اس لڑائی کی وجہ سے اس میں یہ طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ جب وہ بیمار کو دیکھتا تو بیمار تندرست ہو جاتا۔ ایک بار اورنگزیب بیمار ہوا تو شاہی حکیموں سے علاج کے باوجود ٹھیک نہ ہوا۔ آخر دربار والوں نے اس ہندو کو بلایا اور علاج کے لئے کہا۔ اس کے علاج سے اورنگزیب ٹھیک ہو گیا۔ جب اورنگزیب کو یہ قصہ معلوم ہوا تو اُس نے ہندو کو بلا کر کہا کہ ہم تمہیں انعام دینا چاہتے ہیں اور سب سے بہتر انعام یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہندو نے کہا کہ میں ہرگز یہ انعام قبول نہ کروں گا۔ اورنگزیب نے کہا دیکھو تم ہمیشہ اپنی مرضی کے خلاف عمل کرتے ہو تو اپنی مرضی کے خلاف اسلام بھی قبول کرو، چنانچہ وہ شخص مسلمان ہو گیا۔ مولانا روئی فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو ۷

گردنِ خر گیر و سوئے راہ کش  
سوئے رہبانان و رہ دانانِ خوش  
(بلکہ اپنے) خر (نفس) کی گردن پکڑ کر اس کو سیدھے راستہ پر لے جاؤ، یعنی ان لوگوں کی طرف جو راہِ حق پر چلتے ہیں اور راہ سے خوب واقف ہیں۔  
(۳۰۹/۱)

ہیں مہلِ خر را و دست از وے مدار  
زانکہ عشقِ اوست سوئے سبزہ زار  
خبردار! (اس) نفس کو کھلا نہ چھوڑو اور اس سے ہاتھ نہ اٹھاؤ کیونکہ اس کا میلان لذاتِ نفسانیہ کے سبز زار کی طرف ہے۔  
(۳۰۹/۱)

گریکے دم تو بہ غفلت و اہلیش  
او رود فرسنگہا سوئے حشیش  
اگر تم اس کو غفلت کے ساتھ ایک لمحے کے لئے کھلا چھوڑ دو گے تو گھاس کی طرف کوسوں دُور نکل جائے گا۔  
(۳۰۹/۱)

دشمنِ راہ است خر مستِ علف  
اے بسا خر بندہ را کردہ تلف  
جو گدھا گھاس (کے شوق) کا مست ہو، وہ راستہ کا دشمن ہے (اس لئے وہ اس راستے پر ٹھیک طور سے نہیں چلتا) چنانچہ بہتیرے مطیعانِ خر کو اس نے ہلاک کیا ہے۔  
(۳۰۹/۱)

لیک بر شیریں مکن ہمِ اعتمد  
اندر آ در سایہ نخلِ امید  
لیکن اپنی شیر مردی پر ہی اعتماد نہ کرو، بلکہ کسی کامل اکمل اطہر کی صحبت میں آؤ۔  
(۳۱۰/۱)

ہر کسے گر طاعتِ پیش آورند  
بہرِ قربِ حضرتِ پیون و چند  
ہر شخص عبادتِ پیش کرے، بے مثال اور بے نظیر رب کے دربار کی قربت کے لیے۔  
(۳۱۰/۱)

تو تقرب جو بعقل و سرِ خویش  
نے چو ایشاں بر کمال و پَرِ خویش  
تو تم اپنی عقل (معرفت) اور کیفیتِ باطن (یعنی محبت) سے قُرب حاصل کرو، نہ کہ ان لوگوں کی طرح محض اپنے کمال (اعمال) اور نیکی پر بھروسہ کرو۔  
(۳۱۰/۱)

## پیر را بگزیں و عینِ راہ داں (پیر کو پکڑو اور اس کو عینِ راہدان سمجھو)

درج ذیل اشعار میں مولانا روٹی پھر انہی دلائل کا اعادہ کر رہے ہیں، یعنی جو لوگ پیر کی بتائی ہوئی راہ پر نہیں چلتے وہ اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل نہیں کر سکتے۔

بر نویس احوالِ پیر راہ داں      پیر را بگزیں و عینِ راہ داں  
مرشد واقفِ طریقت کا حال لکھو اور لوگوں کو ہدایت کرو کہ پیر کی بیعت کرو اور اس کو عین (راہِ سلوک) سمجھو۔ (۳۰۸/۱)  
راہِ سلوک کی منازل طے کرنے میں پیر کامل کا توسل اس قدر موثر ہے کہ گویا پیر کی معیت اختیار کر لینا ہی راستہ پالینا ہے۔ ایک طالبِ تائوقیکہ کسی پیر و مرشد کو راہبر نہ بنا لے، خواہ کتنی ہی عبادت کرے اور کتنی ہی اشغال و اعمال میں منہمک رہے، عموماً منزلِ مقصود سے دُور رہتا ہے، جیسے کہ وہ طریقت کے راستے پر آیا ہی نہیں۔

پیر تائبستان و خلقاں تیر ماہ      خلق مانندِ شب اند و پیر ماہ  
کامل پیر کی مثال موسمِ گرما (یعنی ایامِ بہار کی سی ہے) اور باقی مخلوق کی مثال موسمِ خزاں کی سی ہے، مخلوق گویا (کالی) رات ہے اور پیر چاند۔ (۳۰۸/۱)

جس طرح موسمِ بہار، خزاں کی بربادی و بے رونقی کو سرسبزی و شادابی سے بدل دیتا ہے اور چاند رات میں تاریکی کے بعد روشنی پھیلا دیتا ہے، اسی طرح پیر کامل بھی لوگوں کے اخلاقی اور روحانی زلیغ و اعوجاج (کھوٹ اور ٹیڑھا پن) کو استقامت و راستی سے بدل دیتا ہے۔

کردہ ام بختِ جوان را نام پیر      گو زحق پیرست نہ از ایام پیر  
میں بختِ جوان کو پیر کہہ رہا ہوں کیونکہ وہ (پیر) حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، نہ کہ سن و سال (عمر) کے لحاظ سے۔ (۳۰۸/۱)

چونکہ پیر کے معنی فارسی میں بڑھے اور عمر رسیدہ کے ہیں، چنانچہ پیری اور شیخیت دونوں عموماً مشترک المعنی ہیں، یعنی مشائخ طریقت اکثر عمر رسیدہ ہوتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عمر بھر مجاہدات اور اشغال و اعمال میں مصروف رہ کر آخر عمر میں کمالِ مطلوب پر فائز ہوتے ہیں یا اگر وسط عمر میں بھی فائز بکمال ہوتے ہیں تو بھی عموماً ہر شیخ طریقت کو پیر کہتے ہیں۔

اندر آ در سایہ آں عاقلے

(اس عارفِ کامل کے سائے میں آ جاؤ)

یہ حقیقت بیان کرنے کے بعد کہ شیخِ کامل سے انسان کو کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟ مولانا روٹی فرماتے ہیں



کہ ایسے عارف اور صاحبِ اوصاف پیر کے سائے میں آ جانا بہت سودمند ہے تاکہ انسان ایسے کامل مرشد کے عطا ہونے والے فیوض و برکات سے محروم نہ رہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کو ان کا قرب حاصل کرنا چاہیے اور ان کی اطاعت سے منہ نہیں پھیرنا چاہیے کیونکہ وہ انسانی زندگی کے ہر کانٹے کو پھول میں تبدیل کر سکتے ہیں اور اندھوں کی آنکھوں کو نور عطا کر سکتے ہیں۔ اُن کا سایہ ہمہ گیر فوائد مرتب کرتا ہے اور اُن کی روح نہایت بلند پرواز ہے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ مریدوں کی دستگیری کرتے ہیں اور طالبانِ راہ طریقت کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کر دیتے ہیں۔ ان میں اس قدر خوبیاں موجود ہیں جو بیان میں نہیں آ سکتیں۔

تو در آ در سایہ آں عاقلے کش فتاند برد از راہ ناقلے  
تم اس عارفِ کامل کے سائے میں آ جاؤ، جس کو راہِ راست سے پھیرنے کی روایت نہیں ملتی۔ (۳۱۰/۱)  
مطلب یہ ہے کہ وہ اہل کمال اپنی تمکین و تحقیق کی بدولت اپنے عقائد و اعمال پر ایسے مستقیم و مستقل ہیں کہ کوئی شیطان ان کو اغوا اور گمراہ نہیں کر سکتا اور ایسی کوئی روایت نہیں مل سکتی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر اُس کے کرم سے صبر و تحمل اور استقامت سے ثابت قدم رہتے ہیں۔

پس تقرب جو بدو سوئے الہ سر میچ از طاعت او پیچ گاہ  
پس اس کے ویلے سے حق تعالیٰ کی طرف تقرب تلاش کرو، اس کی اطاعت سے کسی وقت پہلو تہی نہ کرو۔ (۳۱۰/۱)  
زانکہ او ہر خار را گلشن کند دیدہ ہر کور را روشن کند  
کیونکہ وہ مشکلاتِ راہ طریقت کے ہر کانٹے کو (کامیابی کا) باغ بنا سکتا ہے، ہر آندھے (گمراہ کے دل کی آنکھوں کو بصیرت و ہدایت کے نور سے) روشن کر سکتا ہے۔ (۳۱۰/۱)

ظلی او اندر زمیں چوں کوہ قاف روح او سیرغ بس عالی طواف  
اس کا سایہ زمین میں کوہ قاف کے سایہ کی طرح ہمہ گیری کے ساتھ پڑتا ہے، اس کی روح نہایت بلند چکر لگانے والا سیرغ ہے۔ (۳۱۱/۱)

مطلب یہ ہے کہ اسی طرح اہل اللہ کا سایہ اہل جہاں پر غالب اور محیط ہے بلکہ کوہ قاف اور اس کے سایہ کا محیط عام ہونا تو ایک شاعرانہ تخیل ہے، لیکن اولیاء کا سایہ فی الواقع تمام عالم کے لئے پناہ یا حصار اور حمایت ہے بلکہ پوری کائنات کے لیے باعثِ فخر اور باعثِ رحمت ہے۔

دستگیر و بندہ خاص الہ

(اللہ کا بندہ خاص دستگیری کرتا ہے)

کسی چیز کی حقیقت تو چھپی رہ سکتی ہے مگر کسی شخص کے ظاہر کا علم ہونا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ اسی طرح

پیرِ روشن ضمیر کی کیفیت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اصل پیر کی باتیں اور فضائل رفتہ رفتہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ محض ظاہری صورت پر ہی فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے بلکہ اس کے معنی تلاش کرنا ضروری ہے کیونکہ معنی صورت کے لئے پر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک اچھے پیر کی صفات خود بخود عیاں ہو جاتی ہیں۔

دِگِیَر دِ بندۂ خاصِ اِلہ طالبانِ رَا می پرد تا پیشگاہ  
وہ (طالبانِ رشد و ہدایت) کا دِگِیَر ہے، اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ ہے جو طالبوں کو (خدا کی) درگاہ تک پہنچا سکتا ہے۔  
(۳۱۱/۱)

گر بگویم تا قیامت نعتِ او پیچ آں را غایت و مقطعِ مجو  
اگر میں اس کی مدح و ستائش کے گیت قیامت تک بھی گاتا رہوں تو اس کے اختتام اور اتمام کی کبھی اُمید نہ رکھو۔  
(۳۱۱/۱)

مطلب یہ ہے کہ چونکہ انسانِ کامل کے معارف و حالات برابر بدلتے رہتے ہیں اور مومن مسلمان ہر لمحہ ترقی کرتا رہتا ہے اس لئے شیخِ کامل کے درجات عام ولیوں سے بھی زیادہ بلند ہوتے رہتے ہیں، لہذا پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ حقیقی مرشد کی کیا صفات ہوتی ہیں۔ ایک پیرِ کامل میں جو باتیں پائی جاتی ہیں ان میں شریعت کی پابندی، شکل اور صورت میں اور اعمالِ فقہ میں بھی اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ پیر کی نیت کیا ہے؟ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کیا وہ مال جمع کرنا چاہتا ہے یا نہیں؟ ایک اچھے پیر کے ہر عمل سے اس کا نیک ہونا ظاہر ہو جاتا ہے، عموماً لوگ یہ باتیں نہیں دیکھتے۔ اسی طرح کسی دوست کو بیعت ہوتے ہوئے دیکھ کر دوسرے ساتھیوں کو بھی ساتھ ہی بیعت نہیں کر لینا چاہیے، عموماً لوگ تقلید کرتے ہیں اور بغیر تفتیش کے بیعت ہو جاتے ہیں۔ ہماری تصنیف ”بیعت کی تفہیم اور تربیت“ کے آخری حصہ میں ”مرشدِ راہداں کی تلاش“ کے عنوان سے ایک اچھے پیر کی علامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

بِرّ پنهان ست اندر صد غلاف ظاہرِش باشت و باطن بر خلاف  
راز تو صد غلاف میں چھپا ہوا ہوتا ہے، اس کا ظاہر تیرے ساتھ ہوتا ہے اور باطن برخلاف یعنی نظر نہیں آتا۔ (۶۵/۱)  
گفت، جانم از مُہاں دور نیست لیک بیروں آمدن دستور نیست  
بولا، میری جان دوستوں سے دور نہیں لیکن باہر نکلنے کی (خدا کی طرف سے) اجازت نہیں ہے۔ (۸۶/۱)

آنچہ با معنی ست خوش پیدا شود وآنچہ بمعنی ست خود رُسا شود  
جو با معنی ہے وہ اچھا ہو جاتا ہے اور جو بے معنی ہے وہ خود رُسا ہو جاتا ہے۔ (۱۰۰/۱)

رو بمعنی کوش اے صورت پرست زانکہ معنی بر تن صورت پرست  
اے صورت پرست جا، معنی کی کوشش کر، کیونکہ معنی صورت کے لئے بمنزلہ پر کے ہیں۔ (۱۰۰/۱)



اے مبارک خندہ اش کو از دہاں می نماید دل چو دُر از دُرِجِ جاں  
(اے مخاطب) اس شخص کی خندہ روئی مبارک ہے، جو ہنس مکھ صورت سے اپنا موتی کا سادل جان کے صندوقچے سے  
نمایاں کر رہا ہے۔ (۱۰۰/۱)

مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا میں تم کو تم میں سے اچھے لوگوں کا پتہ نہ بتاؤں؟“ تو صحابہ کرام  
رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: ”کیوں نہیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں بہت اچھے لوگ وہ ہیں کہ جب  
ان کا دیدار کیا جائے تو اللہ یاد آجائے۔“

روح کو تیغِ آبدار کی طرح صفاتِ حسنہ کے ساتھ صیقل اور چمکدار بنانا مطلوب ہے۔ اس کا سامان اولیاء اللہ کے  
پاس ہے ان کی صحبت کو اکسیر جانو ۛ

تیغ در زرد خانہ اولیاء ست دیدنِ ایشان ثنا را کیما ست  
جو تلوار تجھے چاہیے، وہ اولیاء اللہ کے اسلحہ خانہ میں موجود ہے، ان (اولیاء) کی زیارت تمہارے حق میں کیما ہے۔ (۱۰۱/۱)  
مطلب یہ ہے کہ روح کو تیغِ آبدار کی طرح صفاتِ حسنہ کے ساتھ صیقل اور چمکدار بنانا مطلوب ہے تو اس کا  
سامان اولیاء اللہ کے پاس ہے، ان کی صحبت کو اکسیر سمجھو۔

جملہ دانایاں ہمیں گفتہ ہمیں ہست دانا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ  
گر انارے میخری خنداں بخر تا دہد خندہ زدانہ او خبر  
تمام دانائوں نے بس یہی ارشاد فرمایا ہے، دانا (فی الواقع) اہلِ عالم کے لئے (بمنزلہ) رحمت ہے۔ (یہ سمجھ لو کہ) تو  
انار خریدے تو کھلا ہوا لے کیونکہ کھانا اس کے دانے کی (شرابی کی) علامت ہے۔ (۱۰۱/۱)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح انار شیریں اپنے دانوں کو نمایاں کر دیتا ہے، اسی طرح جو بزرگ باکمال اور اللہ  
کے سچے بندے ہوتے ہیں ان کے باطنی کمالات اور قلبی انوار ان کے ظاہری آثار سے نمایاں ہوتے ہیں، مثلاً ان  
میں پیغمبری اخلاق پائے جاتے ہیں، ان کی صحبت سے دل کو سکون و طمانیت حاصل ہوتی ہے، ان کی گفتار و کردار  
سے اخلاص و حقانیت نکلتی ہے اور ان کی باتوں سے تابعین (مریدین) کے دلوں میں محبتِ الہی اور بے رغبتیِ دُنیا پیدا  
ہوتی ہے وغیرہ، پس ایسے بزرگوں کو اپنا ہادیٰ رہنما، مقتدا اور پیشوا بنانا چاہیے ۛ

انار خنداں باغ را خنداں کند صحبتِ مردانت از مرداں کند  
تروتازہ انار (سارے) باغ کو تروتازہ بنا دیتا ہے۔ مردانِ حق کی صحبت تم کو مرد بنا دے گی۔ (۱۰۱/۱)

دامن او گیر زوتر بے گماں  
(شیخ کا دامن بلا تا مل پکڑ لو)

مولانا روئی فرماتے ہیں کہ مرشدِ آسمان کی سیڑھی ہے، اگر تم رُوحانی دُنیا میں جانا چاہتے ہو تو اس سیڑھی سے

چڑھ جاؤ۔ تیر چلانے کے لئے کمان کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ مرشد کی سیڑھی بھی کمان ہی کی طرح ہے۔ خدا کا خاص بندہ یعنی مرشد خدا کا سایہ ہوتا ہے، جو اس جہان کے اعتبار سے مردہ ہوتا ہے اور خدا کے ساتھ تعلق کے اعتبار سے زندہ ہوتا ہے۔ مشہور قول ہے کہ ”مُؤْمِنُوا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا“ یعنی مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ۔ چنانچہ مرشد اس دنیا میں ہی مر چکا ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے پیر کی کمان کے بغیر تیر کیسے چل سکتا ہے۔

پیر باشد نردبان آسمان تیر پداں از کہ گردد؟ از کماں  
آسمان کی سیڑھی پیر ہے، تیر کس سے چلتا ہے؟ کمان سے۔ (۳۹۵/۶)

سایہ یزداں بود بندہ خدا مردہ ایں عالم و زندہ خدا  
خدا کا (خاص) بندہ (یعنی مرشد کامل) خدا کا سایہ ہوتا ہے، جو اس جہان (کے تعلقات) سے مردہ اور خدا کے تعلقات سے زندہ ہوتا ہے۔ (۷۳/۱)

دامن او گیر زو تر بے گماں تا رہی از آفتِ آخر زماں  
جلدی اور ہلا تا مل اس (مرشد) کا دامن پکڑ لے، تاکہ آخری زمانے کی آفت سے نجات پالے۔ (۷۳/۱)  
مولانا روٹی فرماتے ہیں آخری زمانے سے اگر عمر کی آخری ساعت مراد ہے تو اس کی آفت سکرانہ موت اور فتنہ ابلیس ہے، اگر قرب قیامت مراد ہے تو اس کی آفت دجال اور یاجوج و ماجوج ہیں اور اگر محشر مراد ہے تو اس کی آفت میزان اور حساب و کتاب ہے۔ تینوں جگہ مرشد کامل کا فیض مومن و مخلص مرید کی دھگیری کرے گا۔ موت کے وقت کلمہ توحید زبان پر جاری ہو جائے گا، قرب قیامت میں دجال وغیرہ کے سامنے وہ توحید پر قائم رہے گا اور محشر میں مرشد کی شفاعت سے نجات ہو جائے گی۔ اپنے شیخ سے اعتقاد مستقل کرنا چاہیے، ورنہ شیطان تباہ کر دیتا ہے۔

چیت توحید خدا آموختن خویشتن را پیش واحد سوختن  
بتاؤ! توحید حق عمل میں لانے کی کیا صورت ہے؟ (لو ہم سے سنو) اپنے آپ کو واحد کے آگے فنا کر دینا (توحید ہے)۔ (۳۱۵/۱)

مطلب یہ ہے کہ جب تک انسان کو اپنے وجود کا احساس ہے، وہ جَمَالِ لَمْ يَزَلْ کی دولتِ مشاہدہ سے بہرہ ور نہیں ہوتا، یعنی حقیقی توحید کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اگر تم چاہو کہ دن کی طرح روشن ہو جاؤ تو اپنی ہستی کو جو رات کی طرح (تاریک) ہے، فنا کر دو، اپنی ہستی کو اس ہستی نواز کی ہستی میں اس طرح گھلا دو جس طرح تانبا کیمیا میں ڈھل جاتا ہے۔

تم نے اس کا دامن مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ یہ ساری خرابی دو ہستیوں پر (نظر) کرنے سے ہے۔ مطلب یہ کہ تم جو اپنی شخصیت و ذات کے احساس اور اپنے کمالِ دعویٰ میں گرفتارِ انانیت ہو تو اسی وجہ سے لذتِ توحید کے



اصلی و حقیقی ذوق سے محروم ہو اور اس ساری خرابی کی بنیاد یہ ہے کہ تم نے خدا کی ہستی کے ساتھ اپنی بھی ہستی مان رکھی ہے، اگر خدا کی عظمت اور جلال تمہاری نظر پر غالب ہو جاتا تو تم کو اپنے وجود کا احساس اور خود بینی کا خیال ہی نہ رہتا۔

گر ہی خواہی کہ بفروزی چو روز ہستیء بچوں شب خود را بسوز  
اگر تو چاہتا ہے کہ دن کی طرح منور ہو جائے تو اپنی رات جیسی ہستی کو جلا ڈال۔ (۳۱۵/۱)

علامہ اقبالؒ نے بھی اس بات کو انوکھے انداز میں فرمایا ہے۔  
آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہ وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام  
ہستیت در ہستی آں ہستی نواز ہم چو مس در کیمیا اندر گداز  
وجود عطا کرنے والے کے وجود میں اپنے وجود کو تانے کی طرح کیمیا میں پگھلا دے۔ (۳۱۵/۱)

در من و ما سخت کردتی تو دست ہست ایں جملہ خرابی از دو ہست  
من و ما یعنی ”ہم اور تم“ کو تو نے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے، ان وجودوں کی وجہ سے یہ ساری خرابی ہے۔ (۳۱۵/۱)  
عرفا فرماتے ہیں! ”لَا تَصْحَبْ مَنْ يَقُولُ قَصْعَيْنِ أَوْ نَعْلَيْنِ“ (اس شخص کی صحبت میں مت رہو جو کہے، میرا پیالہ یا میری جوتی) کیونکہ ان الفاظ میں ”آنا“ کی بو موجود ہے۔ (الکواکب الدریہ للنناوی)

ہر کہ باشد شیر اسرار و امیر او بداند ہرچہ اندیشد ضمیر  
جو شخص اسرار کے میدان کا شیر اور سردار ہوتا ہے (یعنی مرشد کامل) وہ دل کی بات تاڑ لیتا ہے۔ (۳۱۷/۱)  
یہاں سے اس مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ اہل حق اپنے صفائے باطن سے دوسرے کے مافی الضمیر کو معلوم کر لیتے ہیں، لہذا ان کے حضور میں دل کو شکوک و وسوس اور سوء ظن سے پاک رکھنا چاہیے۔

ہیں نگہدار اے دلی اندیشہ خو دل زاندیشہ بدی در پیش او  
اے دل جو وسوس کا عادی ہے، خبردار! اس کے آگے بُرا خیال کرنے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ۔ (۳۱۷/۱)  
مولاناؒ فرماتے ہیں کہ جنگل کا شیر جب کسی جانور کو بے ادبی کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کی کھال کھینچ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسے بے ادب کا مر جانا ہی بہتر ہے، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ کوئی بندہ اس کی ذات میں فنا نہیں ہوتا تو اس انسان کی ہستی کی ارتقاء کا دعویٰ فضول سمجھا جاتا ہے۔ درج ذیل اشعار شیر کی مثال دے کر لکھے گئے ہیں۔

چوں ندیش مغز و تدبیرش رشید درسیاست پوستش از سرکشید  
شیر نے جب اس میں (قابلیت کا) مغز اور تدبیر صالح نہ پائی تو سیاست (سزا) میں اس کی کھال کھینچ لی۔ (۳۱۸/۱)  
گفت چوں دید منت از خود نبرد ایں پنہیں جاں را باید زار مُرد  
(اور) کہا جب میرے دیدار سے بھی تیری خودی نہ گئی تو ایسی جان کو ذلیل ہو کر مرنا چاہیے۔ (۳۱۸/۱)

ایک برتر و اعلیٰ و افضل ہستی کے سامنے اپنی ہستی کا دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے؟ جب محبوب حقیقی جلوہ گر ہو تو اپنی ہستی کو فنا کر دینا چاہیے۔

چوں نکشتی فانی اندر پیش من فرض آمد مر ترا گردن زدن  
(۳۱۸/۱) جب تو میرے حضور میں محو (و بے خود) نہ ہوا تو تیری گردن مارنا میرا فرض تھا۔

گرچہ غالب دارم اندر بذل فضل گاہ گاہے ہم کنم از عدل فضل  
میں نے اگرچہ عنایت فرمائی، میں فضل و کرم کو غالب رکھتا ہوں لیکن کبھی کبھی انصاف کو بھی فضیلت دیتا ہوں۔ (۳۱۹/۱)  
مطلب یہ ہے کہ میں اپنے فضل و کرم سے اکثر گنہگاروں کو بخش دیتا ہوں مگر کبھی کبھی مصلحت اس کی بھی متقاضی ہو جاتی ہے کہ عدل و انصاف کے ساتھ مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے (فقہ میں بعض اوقات قاضی کو کسی مجرم کے قتل کا اختیار دیا گیا ہے)۔

کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ جز وجه او چوں نہ در وجه او ہستی مجو  
(اس خالق کائنات) کی ذات پاک کے سوا باقی ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، جب تم (فنا ہو کر) اس کی ذات میں  
(شامل) نہیں (ہوئے) تو ہستی کی اُمید نہ رکھو۔ (۳۱۹/۱)

مولانا نے رومؒ فرماتے ہیں کہ تمام موجودات اس کی ذات پاک میں فنا و محو ہے اور ہستی حقیقی سے بہرہ ور وہی ہے جو اس میں فنا ہو جائے، جس کو بقا باللہ کہتے ہیں، لیکن جو اس میں فنا نہ ہو اس کا دعویٰ ہستی فضول و لغو ہے۔

### حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلوار چلانے کا ڈھنگ

کشف المحجوب میں ہے کہ حضرت جنیدؒ کے پاس ایک شخص آیا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھا۔ حضرت نے دریافت کیا کہ تمہارے جد امجد دو قسم کی تلوار چلاتے تھے، ایک تو کافروں پر اور دوسری نفس کے خلاف، بناؤ تم کون سی تلوار چلاتے ہو تو یہ سن کر وہ شخص بے ہوش ہو گیا۔ آپ نے اس شخص کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا وصف اور شعار مولانا رومیؒ نے درج ذیل اشعار میں بیان کیا ہے۔ چند اشعار دیئے جا رہے ہیں۔

بخل من لله عطا لله و بس جملہ لله ام نیم من آن کس  
(پس) میرا بخل بھی اللہ ہی کے لئے ہے اور عطا بھی اللہ ہی کے لئے ہے، غرض میں سب کا سب اللہ ہی کے لئے  
ہوں اور کسی کا تابع نہیں ہوں۔ (۳۸۶/۱)

لله آنچه می کنم تقلید نیست نیست تحفیل و گماں، جو دید نیست  
جو کچھ میں اللہ کے لئے کرتا ہوں وہ تقلید نہیں ہے اور محض خیال و ظن بھی نہیں ہے (کہ قوت نظریہ سے استدلال کر کے عمل کرتا ہوں) بلکہ یہ آنکھوں دیکھی بات ہے۔ (۳۸۷/۱)



گر ہی پڑم ہی پنم مطار در ہی گرم ہی پنم مدار  
(پس) اگر میں اوپر اُڑتا ہوں تو مجھے پرواز کی جگہ نظر آتی ہے اور اگر کبھی ایک ہی جگہ گھومتا ہوں تو مجھے گھومنے کی  
جگہ نظر آتی ہے۔  
حق کے ساتھ کامل ہونے کی بدولت مجھے اعلیٰ درجہ کا نور بصیرت حاصل ہے اور تمام حقائق مجھ پر منکشف  
ہوتے رہتے ہیں۔

دَر کشم بارے بدانم تا کجا ما ہم و خورشید پیشم پیشوا  
اور اگر کبھی کوئی بوجھ اٹھا کر چلتا ہوں تو یقیناً جانتا ہوں کہ کہاں تک (لے جانا ہوگا)، میں بمنزلہ چاند ہوں اور آفتاب  
(فیض حق) کو اپنا پیشوا دیکھتا ہوں۔  
بارکشی سے اعمال و اشغال کو برداشت کرنا مراد ہے یعنی میں اپنے احوال کے تبدل اور اعمال کے تخیل میں یہ  
بخوبی جانتا ہوں کہ کون سا حال اور کون سا عمل مناسب ہے۔

گر یکے را سر بیژد از بدن صد ہزاراں سر برآرد در زمن  
اگر وہ (مرشد کامل لذات جسمانیہ کے) ایک سر کو بدن سے کاٹ ڈالتا ہے تو اس کے عوض فوراً لذات روحانیہ کے  
لاکھوں سر پیدا کر دیتا ہے۔

دانه مردن مرا شیریں شدست بلْ هُمْ اَحْيَاءُ پے من آمدست  
موت کا دانہ میرے لئے شیریں بنایا گیا ہے۔ یہ دانہ شیریں حیات جاوید کا ذریعہ ہے اور بلْ هُمْ اَحْيَاءُ (یعنی وہ زندہ  
جاوید ہیں، یہ دصف میرے حق میں آیا ہے)۔

**پیر روشن ضمیر اس وقت سے ہیں، جب یہ دُنیا نہ تھی**

رسول اللہ ﷺ کا پیدائش سے پہلے نبی ہونا حدیثِ جاہل سے ثابت ہے، رُوحوں کا دُنیا سے پہلے موجود ہونے کا  
بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ پیدائش سے پہلے بھی رسول ﷺ نبوت پر فائز تھے، اسی لئے اولیاء کا پیدائش سے پہلے ولی  
ہونا کوئی بہت بڑی بات نہیں۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ پیر روشن ضمیر اس وقت سے ہیں، جب یہ دُنیا قائم نہ تھی۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے  
کہ اب لوگوں نے ان کو پیر بنا دیا ہے بلکہ یہ اس وقت سے چلے آ رہے ہیں جب یہ عالم نہ تھا اور ان کی ارواح  
دریائے معرفت میں غرق تھیں۔ اقلیمِ طریقت کے لاکھوں بڑے بڑے پیر ہیں جو اُس عالمِ بالا میں ہی منصبِ ولایت  
پر سرفراز تھے۔ ان کے نام رشکِ حق کی وجہ سے مخفی رہے ہیں۔ کوئی درویش اور کوئی اہل اللہ بھی ان کے ناموں کو  
ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”إِنَّ أَوْلِيَاءِي تَحْتَ قَبَائِي لَا يَغْرِفُونَهُمْ غَيْرِي“ ترجمہ:  
بے شک میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں، انہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔)

اس موضوع پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آج بھی اولیائے کرامؑ کے اسمائے مبارک کو لوگوں سے چھپائے رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک الگ مضمون ہماری تصنیف ”اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبالؒ“ میں بھی دیا گیا ہے۔ یہ چھپانا اس لیے ہے کہ ولایت کی شرط ہی کتمان (چھپائے جانے) پر رکھی گئی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں مکتوب نمبر ۱۲۳ (دفتر سوئم، حصہ دوم) میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی پیدائش سے پہلے ہی اس رُتبے پر فائز تھے، جو وہ دنیا میں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فیض جو روحانی دنیا میں تقسیم کیا جاتا ہے، اس کی ابتدا رسول اللہ ﷺ سے ہوتی ہے اور قرب ولایت کے بزرگوں کے منیع فیض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے دونوں قدم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک سر (کندھوں) پر ہیں اور حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرات حسینؑ اس مقام میں ان کے شریک ہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس کو بھی فیض و ہدایت راہِ قرب سے پہنچی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ سے پہنچی کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم منصب ترتیب وار حضرات حسینؑ کے سپرد ہوا اور ان کے بعد یہی منصب آئمہ اثنا عشرہ میں سے ہر ایک کو ترتیب وار ملا۔ جس کو بھی فیض ملا، ان کے ذریعے ملا، یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچی۔ ان کے بعد مجدد وقت تک یہ منصب پہنچتا ہے، جیسے چاند سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ (”الْقَمَرُ مُسْتَفِیضٌ مِّنَ الشَّمْسِ“ یعنی چاند سورج سے مستفید ہوتا ہے)۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یہ قول بالتفصیل ہماری تصنیف ”اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبالؒ“ میں دے دیا گیا ہے، جس میں روحانی فیضان کے دو راستوں کا ذکر آتا ہے۔ یہ کتاب جلد ہی زیور طباعت سے آراستہ ہونے والی ہے۔ ان دو طریقوں میں پہلا راستہ اللہ سے براہِ راست فیض حاصل کرنے سے متعلق ہے، جس میں انبیاء کرامؑ اور ان کے طفیل سے ان کے چند ایک اصحاب شامل ہوتے ہیں اور دوسرا راستہ اولیائے کرامؑ کی راہ کے ذریعہ باقاعدہ بیعت کرنے سے منسلک ہے، جس میں شیخ کا واسطہ موجود ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس بات پر بھی گفتگو کی ہے کہ چند ارواح ایسی بھی ہیں جنہوں نے اپنی پیدائش سے پہلے ہی کچھ کام انجام دیئے ہیں۔ مثلاً حضرت بابا آبریزؒ کا قول ہے کہ جب آدم علیہ السلام کے جدِ خاکی کے لئے مٹی گوندھی جا رہی تھی تو اس میں پانی ڈالنے کا کام انہی کے سپرد کیا گیا تھا۔ حضرت امام غزالیؒ کی پیدائش سے قبل ان کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوئی۔ ان کی یہ گفتگو رسول اللہ ﷺ کی معراج سے واپسی پر چھٹے آسمان پر رسول اکرم ﷺ کی موجودگی میں ہوئی (جواہر البحار)۔ اس ملاقات میں ایک حدیث پر گفتگو ہوئی جس میں حضور ﷺ کی اُمت کے بعض دیوں کا درجہ بنی اسرائیل کے نبیوں کے ہم پلہ ہونے کا ذکر ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں۔“ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں، جس میں اپنی پیدائش سے پہلے کچھ اولیائے کرامؑ کے افعال کا ذکر ہے۔ ان روایات سے معلوم



ہوتا ہے کہ اولیائے کرامؑ کا وجود اس دُنیا میں آنے سے پہلے ہی موجود تھا۔ ارواح کا پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا بھی روایات میں آیا ہے (مکتوبات ربانی)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بھی اس پر گواہ ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ ”سُكُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ“ (ترمذی شریف) مولانا روئیؒ فرماتے ہیں ۷

پیر ایشانند کایں عالم نبود جان ایشان بود در دریائے خود  
یہ اس وقت سے پیر (روشن ضمیر چلے آتے) ہیں جب کہ یہ عالم نہ تھا، (اور) ان کی روح دریائے معرفت میں (غرق) تھی۔ (۹۸/۲)

صد ہزاراں پادشاہان مہاں سرفرازانند زان سوئے جہاں  
لاکھوں بڑے بڑے شاہ طریقت بھی ہیں کہ جو اس عالم کی جانب سے سرفراز ہیں۔ (۹۸/۲)  
نام شاں از رشکِ حق پنہاں بماند ہر گدائے نام شاں را بر خواند  
ان کا نام رشکِ حق کی وجہ سے مخفی رہا ہے، کوئی درویشِ اہل اللہ بھی ان کا نام ظاہر (کرنے کی جرأت) نہیں کر سکتا۔ (۹۸/۲)

حق آں نور و حق نورانیاں کاندراں بحر اند، ہچمو ماہیاں  
قسم ہے اس نور کی اور قسم ہے ان نورانی بزرگوں کی، جو اس بحر (نور) کی گویا مچھلیاں ہیں۔ (۹۹/۲)  
مثنوی میں مولاناؒ اس سلسلے میں بہت سے رموز کو آشکار کرتے ہیں۔ (اس کے لئے مثنوی سے رجوع کریں)۔  
یا بگلین وصل کن ایں خارا وصل کن با نار نور یار را  
یا اپنے اس خار (وجود) کو (باغِ عرفان کے) بوٹے (یعنی شیخِ کامل) سے ملا لو، (اور اپنی) آتش (وجود) کے نور کو یار سے ملا لو۔ (۱۲۷/۲)

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ پیر پیدائش سے پہلے باخبر تھے۔ ان کا اس دُنیا میں آ کر تمہاری ہر بات سے خبردار ہونا اور اینٹ میں بھی حقائقِ خفیہ کو دیکھ لینا اس طرح ہے، جس طرح تم آئینے میں دیکھ لیتے ہو۔  
آنچہ تو در آئینہ بنی عیاں پیر اندر خشت بیند پیش ازاں  
جو کچھ تم آئینے میں (اس کے صیقل ہونے کے بعد) نمایاں دیکھتے ہو، پیر اس کو اینٹ میں (یا لوہے کی صیقل شدہ پلیٹ میں) اس سے پہلے (کہ وہ صیقل ہو یا اس سے پہلے کہ تم دیکھو) دیکھ لیتا ہے۔ (۳۰/۲)

شیخ نورانی زراہ آگہ کند

(شیخ نورانی راہ سے آگاہ کرتا ہے)

مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ کامل شیخ مریدوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والی راہ سے آگاہ کرتا ہے اور مریدوں

کے سوالات کا جواب اس طرح دیتا ہے کہ جواب کے الفاظ میں اپنی رُوحانیت کا نور بھی شامل کر دیتا ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ مرید کے دل کو تسلی ہو جاتی ہے اور مرید کی رُوحانی کیفیت میں تبدیلی آ جاتی ہے بلکہ اس کو ایسی نئی نئی باتیں بتلاتا ہے کہ اس کی رُوح کا بیدار ہو جانا ممکن ہو جاتا ہے اور مرید رُوح کی تازگی حاصل کرتا ہے۔ شیخ کے الفاظ میں جو نور پایا جاتا ہے وہ اور لوگوں کی باتوں میں ہرگز نہیں مل سکتا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جب ایسا موقع شیخ فراہم کر دے تو پھر تم بھی کوشش کرو کہ اس کی باتوں کو دل میں جگہ دو کہ ایسی کیفیت کے ملتے ہی تمہیں بھی ایسی گویائی حاصل ہو جائے اور تم دوسرے لوگوں پر اثر انداز ہو کر ان کی اصلاح کے قابل ہو جاؤ۔ جو چیز دوشاب میں انگور یا چھوہارے کے رس میں جوشائی جائے اس میں دوشاب کا رنگ محسوس ہوتا ہے۔ اُونچی جگہ سے اچھے اثرات ہی مرتب ہوتے ہیں۔ آسمان سے بارش اور نور کی بارش ہوتی ہے، نہ کہ مٹی کی۔ گنداپانی جو پرنالے سے آتا ہے وہ کسی کام کا نہیں ہوتا۔ شیخ کی باتوں سے اپنے دل کو مزین کرو تا کہ تم ہر شیخ سے اسرارِ قلبی اور رُوحانیت حاصل کر سکو۔ مولانا ایک حدیث کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ شیخ اپنے وقت میں نبی کا ہم نشین ہوتا ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ سے نبوت کا نور حاصل کیا ہوتا ہے اور وہ صاحبِ حکمت اور باخبر ہوتا ہے جیسا کہ ”سُبْحِ الْقَوٰی“ اور ”لَطَافِ الْقَوٰی“ ص ۱۳۰ میں دیا گیا ہے کہ ”الشَّيْخُ فِي قَوْمِهِ كَالنَّبِيِّ فِي أُمَّتِهِ“ (ایک کامل آدمی کا وجود اس طرح ہوتا ہے، جیسے نبی اپنی اُمت میں ہوتا ہے)۔ یہاں مولانا کے کچھ اور اشعار یاد آتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ شیخ رفتہ پیش چوں نبی باشد میان قوم خولیش  
نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شیخ پیشرو اپنی امت کے اندر مثل نبی کے ہوتا ہے۔ (۱۷۸/۳)

شیخ نورانی زراہ آگہ کند باخُن ہم نور را ہمراہ کند  
(انوارِ کمال سے) نورانی (بن جانے والا) شیخ (ہی) راہ (وصول) سے آگاہ کرتا ہے، وہ اپنے جواب کے الفاظ میں (سوال کرنے والے کے لیے) نور کو شامل کر دیتا ہے۔ (۲۵۳/۵)

جہد کن تا مست و نورانی شوی تاحدیث را شود نورش روی  
کوشش کرو کہ تم (شیخ) نورانی کے (شوق) میں مست ہو جاؤ تا کہ تمہاری تقریر کے ساتھ اس کا نور جاری ہو جائے۔ (۲۵۳/۵)

از جزر، وز سیب، و بہ وز گردگان لذت دوشاب یابی تو ازاں  
گا جر اور سیب اور بہی اور اخروٹ میں سے، (جو چیز دوشاب یعنی انگور کے رس میں جوشائی گئی ہو) اس سے تم دوشاب کی لذت پاؤ گے۔ (۲۵۴/۵)

ہرچہ گوئی باشد آنہم نور پاک کاساں ہرگز نبارو غیر پاک  
(پھر) جو کچھ کہو گے وہ بھی نور پاک ہوگا، کیونکہ (تمہاری طبیعت میں بلندی پیدا ہو جائے گی) اور بلند آسمان نور



برساتا ہے۔ (۲۵۴/۵)

آسمان شو، ابر شو، باراں بار  
ناوداں بارش کند، نبود بکار  
پس تم بلندی طبع اور فیض رسانی میں آسمان بن جاؤ، بادل بن جاؤ، مینہ برساؤ (مینہ بھی وہ جو پاک اور طاہر ہو) ورنہ  
پرناہ بھی تو پانی برساتا ہے اور وہ کسی کام کا نہیں ہوتا۔ (۲۵۴/۵)

چوں بدادی دست خود در دست پیر  
پیر حکمت کو حکیم ست و خیر  
جب تم اپنا ہاتھ (مرشد) کمال کے ہاتھ میں دے دو گے تو (دیکھ لو گے کہ) وہ پیر حکمت و دانائی کا (معلم) ہے  
کیونکہ وہ صاحب حکمت ہے اور باخبر ہے۔ (۸۳/۵)

پس مصفا کن درون خویش را  
تا بدانی سرِ ہر درویش را  
پس تم اپنے باطن کو صاف کرو، تاکہ ہر درویش کے رازِ دل کو معلوم کر سکو۔ (۲۸۶/۵)

کو نبیء وقت خویش ست اے مرید  
زاں کہ زو نور نبی آمد پدید  
کیونکہ اے مرید وہ (مرشدِ کمال) اپنے عہد کا نبی ہے، اس لئے کہ اس سے صاف طور پر نبی کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ (۸۳/۵)

مرده پیش او کشی زندہ شود  
چرک در پالیز رویندہ شود  
اے منکر یا مرید بے اخلاص! اگر اپنا مال جو مثل مردہ ہے، اخلاص کے ساتھ اس کے حضور میں پیش کر دو گے تو وہ  
زندہ ہو جائے گا، جس طرح گندگی باغ کے اندر کھاد کی صورت میں پڑ کر سبزہ اُگاتی ہے۔ (۲۳۹/۵)

فقر خواہی آں بہ صحبت قائم است

(طریقت چاہتے ہو تو وہ صحبت سے آتی ہے)

علم کا تعلق اقوال اور کتابی باتوں سے ہے مگر طریقت اور فقر کا تعلق صحبت سے ہے۔ دانش ایک روحانی چیز ہے  
جو مرشد کی روح سے مرید کی روح کو ملتی ہے۔ صنعت و حرفت کا سیکھنا فعلی یعنی عملی کام کرنے سے آتا ہے۔

علم آموزی طریقش قوی است  
حرف آموزی طریقش فعلی است  
اگر تم علم سیکھو تو اس کا طریقہ زبانی تقریر کا ہے، جو استاد سے سُن کر سمجھا اور یاد کیا جاتا ہے۔ اگر تم کوئی حرفت کا  
پیشہ سیکھو تو اس کا طریقہ عملی ہے کیونکہ وہ تکرارِ عمل سے حاصل ہوتا ہے۔ (۱۱۲/۵)

فقر خواہی آن بصحبت قائم است  
اگر تم درویشی سیکھنا چاہو تو وہ شیخ کی صحبت پر موقوف ہے، یہاں نہ زبان کام آتی ہے نہ ہاتھ یعنی یہاں قوی و فعلی  
دونوں قسم کی تعلیم بے کار ہے۔ (۱۱۲/۵)

دانش آں را ستاند جاں زجاں  
نے زراہ دفتر و نے از زباں  
اس مشرب کے علم کو مرید کی روح مرشد کی روح سے سینہ بہ سینہ حاصل کرتی ہے، وہ کتاب اور زبان سے حاصل

نہیں ہوتا۔

(۱۱۳/۵)

دانش انوار ست در جانِ رجال  
نے ز راہِ دفتر و نے قیل و قال  
فقر و سلوک کی دانش (ایک قسم کے) انوار ہیں، (جو) مردانِ حق کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں، یہ باتوں اور  
تقریروں سے حاصل نہیں ہو سکتے۔  
(۱۱۳/۵)

دست را مہار جز در دستِ پیر

(پیرِ کامل کے سوا کسی کو اپنا ہاتھ نہ دو)

مولانا روئی فرماتے ہیں کے ایسے پیرِ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دو جس کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا  
ہے۔ اس میں اس حدیثِ قدسی کا حوالہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ جب فرائض کی ادائیگی کے بعد  
نوافل کی کثرت سے میرا قرب حاصل کر لے تو میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے، اس کے پیر  
بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے وغیرہ (یہ حدیث طویل ہے) جب کوئی شخص ایسے پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دے تو  
اللہ تعالیٰ نے اسے حفاظت کی ضمانت دی ہے تو پھر تم شیاطین کے پھندوں سے باہر آ جاؤ گے۔ یہ اس لئے ضروری  
ہے کہ انسان کی عقل نے بچوں کی طرح کی عادتیں اختیار کر رکھی ہوتی ہیں، جو پیر کی رہنمائی سے ٹھیک ہو سکتی ہیں۔  
ہیں گریز از جوقِ اکالِ غلیظ  
سوئے او کہ گفت ہستیم حفظ

خبردار! زیادہ کھانے والوں سے بھاگو، اس کی طرف آؤ کہ جس نے کہہ دیا ہے کہ ہم تمہاری حفاظت کرنے والے  
ہیں۔  
(۸۲/۵)

یا بسوئے آنکہ او ایں حفظ یافت  
گر نتانی سوئے آں حافظ شتافت

یا اس (مردِ کامل) کی طرف (رجوع کرو) جس نے (خدا کی عنایت سے) یہ (توت) حفاظت حاصل کر لی ہے،  
اگر تم اس حافظِ (حقیقی) کی طرف نہیں جا سکتے تو اس بزرگ کا وسیلہ ہی غنیمت سمجھو۔  
(۸۲/۵)

دست را مہار جز در دستِ پیر  
حق شد است آں دست او را دگیر  
اس شعر کی ترکیب دو طرح ہو سکتی ہے۔

۱۔ اپنا ہاتھ پیرِ کامل کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہ دو، کیونکہ پیر کا ہاتھ خدا کا ہاتھ بن جاتا ہے۔

۲۔ اپنے ہاتھ کو کسی کامل پیر کے ہاتھ کے سوا کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہ دو، کیونکہ پیر کے ہاتھ کا خدا دگیر ہے۔

(۸۳/۵)

پیر عقلت کودکی خو کردہ است  
از بخوارِ نفس کاندہ پردہ است

تمہاری عقل کے پیر نے بچگانہ عادت ڈال رکھی ہے، اس نفس کے پڑوس کی وجہ سے جو پردے میں ہے۔ (۸۳/۵)



عقل کامل را قریں کن با خرد      تاکہ باز آید خرد زان خوئے بد  
(۸۳/۱) عقل کامل کو اپنی عقل کا ساتھی بنالے تاکہ عقل اپنی بُری عادت سے باز آجائے۔

مطلب یہ ہے کہ مرشد کامل کی عقل کو (اپنی) عقل کے ساتھ شامل کر لو، تاکہ (تمہاری) عقل اس بچپن کی  
خوئے بد سے باز آئے۔ اپنی عقل کی رہنمائی پر بھروسہ نہ کرو بلکہ کسی بزرگ سے بیعت کر کے راہِ ہدایت حاصل کرو۔

دست تو از اہل آں بیعت شود      کہ یذ اللہ فوق اَیْدِیْہِم بود  
(پھر) تمہارا ہاتھ ان بیعت (رضوان) کرنے والوں میں سے ہو جائے گا جن کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہونا کہا  
(۸۳/۱) گیا ہے۔

چوں کہ دست خود بدست او دہی      پس زدست آکلاں بیروں جہی  
جب تم اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ (بیعت کے لئے) دے دو گے، (اور اس کی ہدایات پر عمل بھی کرو گے) تو پھر تم  
(شیطان، نفسِ امارہ اور وسوس و خواطر وغیرہ کے) درندوں سے صاف بچ جاؤ گے۔  
(۸۳/۱)

بر در حق کوفتن حلقہ وجود

(نماز اللہ کے دروازے پر مراد مندی کی کنڈی کھٹکھٹانا ہے)

فرماتے ہیں کہ سجدے اور رکوع میں بار بار جانے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر کنڈی  
کھٹکھٹاتا ہے اور آخر نماز اس کے لئے اقبال مندی کا سر نکالتی ہے، اس لئے کنڈی کھٹکھٹاتی ہی رہنا چاہیے، جو کوئی  
شخص ایسا کرتا رہے گا وہ بزرگی کو پہنچ جائے گا، اس لئے کھانے پینے میں اسراف سے منع کیا گیا ہے مگر محنت،  
عبادت اور عاجزی کے لئے ممانعت نہیں کیونکہ خیر کی باتوں میں اسراف ہوتا ہی نہیں ہے۔

گفت پیغمبر رکوع ست و سجود      بر در حق کوفتن حلقہ وجود  
پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ رکوع و سجود کرنا حق تعالیٰ کے دروازے پر مراد مندی کی کنڈی کھٹکھٹانا ہے۔  
(۲۰۹/۵)

حلقہ آں در ہر آنکو می زند      بہر او دولت سرے بیروں کند  
جو شخص اس دروازے کی کنڈی کھٹکھٹاتا ہے، اس کے لئے دولت یعنی اقبال مندی سر نکالتی ہے۔  
(۲۰۹/۵)

کار میکن کوش ماں از بہر آب      اندک اندک دور کن خاک و تراب  
کام کیے جاؤ، کوشش کرتے رہو، پانی کے لئے کان لگائے رہو اور زمین کی تھوڑی تھوڑی مٹی دُور کرو (تاکہ اندر سے  
پانی نکل آئے۔)  
(۲۰۹/۵)

ہر کہ رنج دید گنج شد پدید      ہر کہ جدے کرد در جدے رسید  
جس شخص نے سچی محنت سے تکلیف اٹھائی اس کے لئے خزانہ ظاہر ہو گیا، جس شخص نے کوشش کی وہ بزرگی کو پہنچ گیا۔  
(۲۰۹/۵)

نان خورے را گفت حق لا تُسْرِفُوا  
نور خوردن را تلفت ست اِکْثَفُوا  
روٹی کھانے والے کو تو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسراف نہ کرو، مگر نور (کی غذا) کھانے کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ بس کرو۔ (۲۷۵/۵)

مراد یہ ہے کہ اسراف میں خیر نہیں ہوتی اور خیر میں تو کوئی اسراف ہی نہیں۔

رستی گر بایت خنجر بگیر

(اگر رستم بننا چاہتے ہو تو خنجر پکڑ لو)

جو لوگ بلند یوں پر جانا چاہتے ہیں ان کو نیکی کے کاموں کی طرف آنا چاہئے۔ خنجر وہ لوگ پکڑتے ہیں جو رستم بننا چاہیں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر وہ چادر اوڑھ کر ذلت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر عادت نیکی کی طرف مائل نہیں تو سلوک والی زندگی کی رفتہ رفتہ عادت ڈالو کیونکہ عادت کو جس طرح بنانا چاہو بن جاتی ہے۔

رستی گر بایت خنجر بگیر در بیزی مالکی چادر بگیر

اگر تجھ کو رستم بننے کی آرزو ہے تو خنجر پکڑ لے اور اگر تو بیجوا بننے کی طرف مائل ہے تو چادر اوڑھ لے۔ (۲۷۷/۵)

یکدو گامے رو تکلف ساز خوش تا ترا عشقش کشد اندر برش

(راہ سلوک کی محرومی پر) ایک دو قدم چلو (اگر باآسانی نہیں چل سکتے تو) خوب تکلف سے کام لو تا کہ رفتہ رفتہ بخوبی چلنے لگو اور اس کا عشق تم کو اپنی گود میں لے لے۔ (۲۷۷/۵)

تا کے از جامہ زناں ہنچوں زناں در صف مرداں درآ ہنچوں سناں

کب تک عورتوں کی طرح پہننے اور کھانے سے (تعلق رکھو گے) نیزہ کی ساتھ (اب) مردوں کی صف میں بھی آؤ۔ (۲۷۷/۵)

مطرب آں خانقاہ گو تا کہ تفت دف زند کہ خر برفت و خر برفت

اس خانقاہ کا مطرب کہاں ہے (جس کے صوفیوں نے ایک مسافر صوفی کا گدھا بیچ کھایا تھا) تا کہ وہ سرگرمی کے ساتھ دف بجا بجا کر گائے کہ ”گدھا گیا گدھا گیا۔“ (۲۷۷/۵)

مولانا نے ایک صوفی کا قصہ بیان کیا ہے کہ جس نے اپنے گدھے کو ایک خانقاہ میں رات بسر کرنے کے لئے باندھ دیا تھا، خانقاہ کے ایک صوفی نے اس گدھے کو بازار لے جا کر فروخت کر دیا اور خوب کھانا کھایا اور پھر قوالی منعقد کروائی۔ قوال نے ازراہ مذاق یہ مصرعہ کہا ”خر برفت و خر برفت“ صوفی کے نوکر کو جب گدھے کے چوری ہونے کا علم ہوا تو اس نے قوالی کی مجلس میں آ کر اپنے مالک کے سامنے شور کیا کہ ”خر برفت“۔ اس وقت صوفی جو گدھے کا مالک تھا، وہ بھی قوال کے ساتھ گارہا تھا کہ ”خر برفت، خر برفت“ نوکر نے سمجھا کہ گدھے والے کو معلوم



ہے کہ گدھا چلا گیا ہے، چنانچہ وہ خاموش ہو گیا۔ تو اب ختم ہو گئی، سب صوفی چلے گئے تو اس کے بعد صوفی کو علم ہوا کہ اس کا گدھا چوری ہو گیا ہے مگر اس وقت جب سب جا چکے تھے، وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مولانا کہتے ہیں کہ صوفی تو ابوں کی تقلید میں کہتا رہا کہ ”خر برفت، خر برفت“ اس طرح وہ بیچارا مارا گیا۔ فرماتے ہیں کہ نفس اور شیطان کی تقلید سے بچو، ورنہ تم بھی نقصان اٹھاؤ گے۔

## زندگی انسان کے اعمال سے متاثر ہوتی ہے

اس سے پہلے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ پیر راہدان کی کیا صفات ہیں اور وہ مریدوں کے مصائب کو کس طرح دفع کرتا ہے، قارئین کے لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ مصائب کس طرح نازل ہوتے ہیں اور ان کا روحانی علاج کیا ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں بہت سے مشکل مقامات آتے ہیں، ان میں سے کچھ تو دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ روحانی دنیا میں نمودار ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ دنیاوی مصائب اور مشکلات کے لئے سرگرداں رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے دنیاوی مصائب دفع ہو جائیں۔ ان مصائب کو دفع کرنے کے لئے لوگ صبح سے شام تک سرتوڑ کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں مگر اس کے برعکس روحانی طور پر ان پریشانیوں کے دور کرنے کے لئے کوئی شخص (إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ) پریشان نظر نہیں آتا کیونکہ روحانی پریشانیوں کے علاج کو وہ ضروری خیال نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ روحانی معاملات انسان کی توجہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ لوگ یہ محسوس نہیں کرتے کہ روحانی بیماریوں کو دور کرنا بھی انسان کی دنیاوی اور اخروی بیماریوں کے لئے بہت ضروری ہیں۔ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ کوئی بیماری جو انسان کو لاحق ہوتی ہے اس کا حملہ پہلے روح پر ہوتا ہے اور پھر اس کے کچھ دیر بعد جسم بھی متاثر ہو جاتا ہے یعنی روح کے بعد بیماری جسم پر بھی حملہ کر دیتی ہے۔ کچھ روحانی بیماریاں انسانی اخلاق کو خراب کر دیتی ہیں اور یہ اخلاقی بیماریاں ان کو جہنم میں لے جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی بیماریاں اور اخروی بیماریاں سب روح کے ذریعے انسانوں پر نازل ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے انسان دنیا اور آخرت میں پریشانیوں سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ نیکیوں اور فیضانِ الہی کا اثر بھی انسانی زندگی پر روح کے ذریعے سے ہوتا ہے، حتیٰ کہ جو فیضان اور رحمتوں کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ بھی روح کے ذریعے سے انسانوں پر ہوتا ہے اور پھر جسموں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

مصائب کے نازل ہونے کی اصل وجوہات انسان کے اعمال کی نوعیت پر انحصار کرتی ہیں۔ اگر عمل اچھے ہیں تو اس سے بُرے اثرات مرتب نہیں ہوتے اور اگر کچھ مصائب اس کے باوجود نازل ہوں تو ان کا نازل ہونا انسان کے درجات کو بلند کر دیتا ہے۔ عام تکالیف بد اعمالیوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ (اس فلسفہ کی شرح بہت طویل ہے)۔ ہماری تصنیف ”اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال“ کے ایک باب میں اِنْ شَاءَ اللہ بد اعمالیوں کے نازل ہونے کی وجوہات اور ان کو دفع کرنے کے ذرائع بیان کیے جائیں گے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ  
أَيْدِي النَّاسِ. (الرؤم: ۴۱)  
سمندروں اور خشکیوں میں (جو) فساد ظاہر ہوتا ہے  
(وہ) انسانوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔

مذکورہ آیت کے برعکس قرآن اس بات کا بھی اعلان کرتا ہے کہ اگر تم اچھے کام کرو گے تو اس کا فائدہ بھی تم ہی کو ہوگا۔ (دیکھئے سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۷)

## اسرائیل وقت اندائیں اولیاء (اولیاء اللہ اپنے وقت کے اسرائیل ہیں)

آج وہ زمانہ ہے کہ ہر طرف گمراہی کا دور دورہ ہے اور اگر قدرے نیکی کے آثار نظر آتے ہیں تو یہ سب اولیائے کرامؑ کے قدموں کی برکت سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے اس کام کے لئے پیغمبروں کو ارسال کیا اور ان کے بعد یہ کام اولیائے کرامؑ کے سپرد کیا گیا۔ وہ لوگوں کو کمر سے پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے نکال کر جنت کی طرف لے جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایسی مثالیں آئی ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولیائے کرامؑ بندوں کو عصیاء کی زندگی سے نکال کر ایک نئی زندگی عطا کر دیتے ہیں۔ اس وقت ہمارے ذہن میں شریفور شریف کے واقعات میں سے چند واقعات ذہن میں آ رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔ دیگر بزرگوں کے متعلق بھی ایسی بہت سی روایات کتابوں میں ملتی ہیں۔

**پہلا واقعہ:** پہلا واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے زمانے میں ایک انگریز نژاد مسلمان جو سگریٹ کا ایجنٹ تھا، میاں شیر محمد شریقپوری کے دربار میں آیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں تو اس شخص نے نئی قسم کے سگریٹ آپ کے آگے پیش کئے اور کہا کہ آپ بھی یہ سگریٹ پیئیں اور لوگوں کو بھی پینے کے لئے کہا کریں۔ حضرت میاں صاحبؒ نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، جس سے اس کی ہیٹ اور سگریٹ دور جا گرے۔ وہ شخص اٹھ کر چلا گیا اور پھر تین سال کے بعد آیا تو اس نے سادہ اسلامی لباس پہنا ہوا تھا اور اس کے منہ پر لمبی داڑھی تھی۔ جب آپ (میاں صاحبؒ) نے دریافت فرمایا کہ یہ کون صاحب ہیں تو اس نے اپنا سگریٹ والا واقعہ سنایا اور عرض کیا: ”پہلے آپ نے مجھے ایک تھپڑ مارا تھا تو میری زندگی بدل گئی اب ایک اور تھپڑ دوسری طرف بھی ماریں تاکہ میری آخرت بھی سنور جائے۔“

**دوسرا واقعہ:** اسلامیہ کالج لاہور کے ایک پروفیسر صاحب جو دہریہ تھے، ان کو میرے ایک دوست صوفی برکت علی افسر ہیلٹھ ڈیپارٹمنٹ لاہور نے کہا کہ آج اتوار ہے، چلو! آپ کو شریفور شریف میں حضرت میاں شیر محمدؒ جو ایک بہت بڑے بزرگ ہیں، سے ملائیں۔ اس نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تو ایسے ہر شخص کو، حتیٰ کہ اسلام کو بھی نہیں مانتا (ایسے لوگ آج بھی موجود ہیں جو مسلمان کے گھر پیدا ہوئے اور خدا کو نہیں مانتے) کہنے لگے کہ زیارت کو میں مانتا نہیں مگر ہاں چلو تمہارے ساتھ گاؤں کی زندگی کا کچھ لطف ہی اٹھانے کے لیے چلے جائیں گے۔



وہاں پہنچے تو میاں صاحبؒ سے ان کی کوئی بات نہ ہوئی۔ فقط میاں صاحبؒ کے کمرے میں بیٹھے رہے لیکن کچھ دیر بعد عصر کی نماز پڑھی جانے لگی تو وہ بھی شرم کے مارے نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جب شرقپور شریف سے واپسی پر بس میں بیٹھے تو مغرب کی نماز سے پہلے پروفیسر صاحب بس کے ڈرائیور کو کہنے لگے کہ یہاں کوئی مناسب جگہ ملے تو بس کو روک لینا اور جب تک سب لوگ نماز پڑھ نہ لیں، اس وقت تک بس آگے نہیں چلے گی۔

**تیسرا واقعہ:** تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دہریہ علامہ اقبالؒ سے خدا کے نہ ہونے پر تین دن تک بحث کرتا رہا تو آخر علامہ اقبالؒ نے اسے کہا کہ چلو تمہیں ایک مردِ قلندر سے ملائیں، وہ تمہیں شاید خدا کے بارے میں کوئی ثبوت دیں۔ چنانچہ جب میاں صاحبؒ کے آستانے میں داخل ہوئے تو میاں صاحبؒ نے بغیر کسی گفتگو کے اس فلسفی دہریہ کی کمر پر ہاتھ مارا اور کہا: ”کیوں بھی بیلیا رب ہیگا کہ نہیں“ وہ دہریہ بے ساختہ بول اٹھا کہ ”ہاں جی میں مانتا ہوں کہ خدا ہے۔“ کہتے ہیں کہ اس پر علامہ اقبالؒ نے یہ شعر کہا ۛ

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا  
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں  
میاں صاحبؒ کے اور بہت سے واقعات مطالعہ میں آئے ہیں، جن کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔ مولانا رومؒ نے کئی ایسے واقعات کی تحقیق کے بعد فرمایا ہے ۛ

ہیں کہ اسرافیل وقت اند اولیاء مردہ را زیشاں حیات ست و نما  
یاد رکھو کہ اولیاء اسرافیل زمانہ ہیں (کیونکہ) مردہ (دلوں) کو ان سے زندگی اور نشوونما حاصل ہوتی ہے۔ (۲۱۲/۱)  
جانہائے مردہ اندر گورِ تن بر جہد ز آوازِ شاں اندر کفن  
بدنوں کی قبر میں مردہ (دارِ عالمِ تمہاری جان بے حس پڑی ہوئی) رُوحیں ان (اولیاء) کی آواز (یعنی فیضِ تعلیم کے اثر) سے کفن (یعنی حجابِ غفلت) کے اندر حرکت کرنے لگتی ہیں۔ (۲۱۲/۱)

ان اشعار کے بعد مولانا رومؒ نے اور بھی بہت سے اشعار لکھے ہیں جو جلد اول (مطبوعہ الفیصل بک ڈپو) کے ترجمہ میں صفحہ نمبر ۲۱۳ پر پڑھے جاسکتے ہیں۔

از حضورِ اولیاء گر بکسلی

(اگر مشائخ سے تو دُور رہے گا)

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر کسی میں کوئی برائی ہے تو اولیائے کرام سے دُوری کے باعث ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی درخت خشک ہو گیا ہو تو اس کی خشکی انفاسِ طیبہ سے دُوری کی وجہ سے ہوگی۔ (مکہ کا بے آب و گیاہ صحرا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی برکتوں سے سرسبز ہو گیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی درخت ذکرِ بند کر دے تو اس پر آرا چلا دیا جاتا ہے، جو انسان ان بزرگوں سے فوائد حاصل نہ کر سکا تو یہ اس کی بدقسمتی ہے اور ان سے دُوری کی وجہ سے بہت

سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی کی عقل ناقص ہے تو کوئی کامل العقل نیک مرشد تلاش کر لے تو اس کا جزو (ایک حصہ) اس کے ساتھ ملنے سے کل کی شکل اختیار کر لے گا۔

گر درخت خشک باشد در مکاں عیبِ آں از بادِ جاں افزاید آں  
اگر کسی جگہ کوئی درخت خشک ہو جاتا ہے تو اس کا وہ عیب روحانی ہوا سے (دوری کے سبب) بڑھ جاتا ہے۔ (۲۲۳/۱)  
بادِ کارِ خویش کرد و بروزید آنکہ جانے داشت بر جانِش گزید  
(انفاسِ اولیاء کی) ہوانے اپنا کام کیا اور چلی گئی، جس شخص میں (استعداد کی) جان (اور صلاحیت کی روح) تھی اس نے اس کو (اپنی) جان پر (بھی) ترجیح دی۔ (۲۲۳/۱)

آنکہ جامد بود خود واقف نشد وائے او جانے کہ او عارف نشد  
اور جو ٹھوس (طبیعت کا آدمی) پتھر تھا، اس کو خبر بھی نہ ہوئی، اس (تاریک) جان پر افسوس ہے جس کو نورِ معرفت حاصل نہ ہوا۔ (۲۲۳/۱)  
مرشد کو تلاش کرنے سے یہ مقصود ہے کہ وہ نفسانی خامیوں کو دور اور ناقص عقل کو حلیہ کمال سے مزین کر دے گا۔

گر ثرا عقلے ست جزوی در نہاں کامل العقلے بجو اندر جہاں  
اگر تمہارے اندر عقل ناقص (و خام) ہے تو دنیا میں کوئی (مرشد، ہادی یا پیشوا) کامل العقل اور باکمال تلاش کرو۔ (۲۲۵/۱)

از حضور اولیاء گر بکسی تو ہلاکی زانکہ جزوی نے کلی  
اگر تو اولیاء کی حاضری سے علیحدہ رہے گا تو تُو برباد رہے گا کیونکہ تو جزو ہے کُل نہیں۔ (۲۰۹/۲)  
جزو تو از کُلن او کُلّی شود عقل کُل بر نفس چوں غلّے شود  
تیری کمی اس کے کمال کی بدولت پوری ہو جائے گی، کامل عقل نفس (کو قابو میں رکھنے) کے لئے طوق کا کام دے گی۔ (۲۲۵/۱)

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم اللہ سے اور پیر سے کتنا ہی دُور ہو جاؤ تب بھی ان کی طرف اپنا دھیان رکھو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی غلط فہمی سے مرشد خاموش ہو جائے تب بھی اپنا دھیان اس کی طرف مرکوز رکھو۔ اگر تم پیغمبر یا بزرگ نہیں ہو تو اس راستے کے مسافر بن کر راستہ طے کرو کہ کسی منزل تک پہنچ جاؤ۔ اگر تم بادشاہ بھی ہو تو کسی شیخ کی ملکیت بن کر چلو تاکہ تم گمراہی سے نکل کر کسی مرتبے تک پہنچ جاؤ۔ کسی کی اتباع میں لگے رہو گے تو آخر کار منزل پر پہنچ ہی جاؤ گے۔



گر چہ دُوری دور می جنبان تو دُم حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجْهَكُمْ  
اگر تم ان سے دُور ہو تو دُور ہی سے اپنی دُم ہلاتے (یعنی اظہارِ محبت کرتے) رہو، جہاں (بھی) تم رہو (وہیں سے)  
ان کی طرف اپنا رخ رکھو۔ (۳۱۵/۲)

چوں شوی دور از حضور اولیاء در حقیقت گشتہ دور از خدا  
جب تُو اولیاء کی حاضری سے دُور ہو گیا، گویا حقیقتاً تُو خدا سے بھی دُور ہو گیا۔ (۲۱۳/۲)

طریقت کا یہ قاعدہ ہے کہ حصولِ فیض کے لئے بعدِ مکانی کچھ مانع نہیں۔ عقیدت و ارادت شرط ہے، خواہ تم  
کہیں بھی ہو۔ اپنی ارادت ان بزرگوں سے متعلق اور اپنا دل ان کی طرف متوجہ رکھو، اس طرح بھی کام بنتا ہے۔  
دُم ہلانے کے استعارہ میں مرید کو کتے سے تشبیہ دی ہے اور اپنے پیرِ طریقت کے کوچے کا کتا ہونا بھی مایہِ صدفِ آثار  
ہے۔ دوسرے مصرعے میں کعبہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ سورہ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۴۴ میں  
ہے کہ ”(اے مسلمانو) جہاں کہیں تم ہو، پھیر لیا کرو اپنے منہ اس (قبلہ) کی طرف“ پیرِ طریقت بھی قبلہ ہے اور اس  
کی جانب روئے ارادت رکھنے کے لئے یہ استعارہ کوئی مبالغہ نہیں۔

چوں پیبرِ نیستی پس رو براہ

(جب تم رہنما نہیں ہو تو کسی کے تابع بن جاؤ)

مولانا روئی فرماتے ہیں کہ اگر تم خود راہبر نہیں تو کسی راہبر کی اتباع اختیار کرو، اگر تم خود کامل نہیں ہو تو اکیلے  
میں دکان نہ کھولو، اگر کوئی آزاد بندہ ہونے کے قابل نہیں ہے تو کسی آزاد مرد کی غلامی کرے۔

چوں پیبرِ نیستی پس رو براہ تا رسی از چاہ روزے صوئے چاہ  
جب تم پیغمبر (اور رہنما) نہیں ہو تو (راہرو بن کر کسی کی اتباع میں) راستہ طے کیا کرو تاکہ تم ایک دن (گمراہی  
کے) کنویں سے (نکل کر) عزت والے مرتبہ (ارشاد و مشیت) تک پہنچ جاؤ۔ (۳۲۳/۲)

تو رعیت باش چوں سلطان نہء تگ مراں چوں مردِ کشنیاں نہء  
جب تُو بادشاہ نہیں ہے تو رعیت ہی بن جا، جب تُو (ماہر) جہازراں نہیں ہے تو (کشتی کو) گہرائی میں نہ چلا۔ (۳۲۳/۲)  
جب مرشد ہونے کی قابلیت نہ ہو تو مرید ہی بن جانا چاہیے، اگر مشکلاتِ طریق سے آگاہی اور ان سے بچنے  
کی استعداد نہیں ہے تو نہایت احتیاط سے راہِ سلوک طے کرنا چاہیے۔

چوں نہء کامل دکانِ تنہا مکیر دستِ خوش می باش تا گرویِ خمیر  
جب تُو کامل نہیں ہے تو اکیلا دکان نہ کھول، بلکہ کسی دیگر کا تختہ مشق بن جا تاکہ اس کی تربیت سے تو خمیر بن  
جائے۔ (۳۲۳/۲)

جب تم میں کوئی کمال پیدا نہیں ہوا تو ابھی سے اپنے آپ کو کمال سمجھ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہ بناؤ بلکہ ہمیشہ شیخ کی اتباع کرو اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرو کہ تربیت کی کھالی میں وہ جس طرح چاہے تم کو پکھلائے اور جس سانچے میں چاہے ڈھال دے۔ تمہارے اندر کالمین میں شامل ہونے کی استعداد اس طرح پیدا ہو جائے گی جس طرح آٹے میں خمیر ہو کر روٹی کی صورت اختیار کرنے کی صلاحیت آ جاتی ہے۔

چونکہ آزادیت ناید بندہ باش ہیں پوش اطلس پرو درژندہ باش  
جب تجھ میں آزادی (و حریت کی قابلیت) نہیں تو (کیوں خواہ مخواہ اصرارِ نامدار کی ریس پر مرتا ہے۔ غلام بن کر رہے، ارے! (امرا کی ریس میں) اطلس مت پہن! جاگدڑی میں (گزر اوقات کر)۔ (۳۲۴/۲)

ور گبوی مشکل استفسار گو با شہنشاہاں تو مسکین وار گو  
اگر تم کوئی مشکل (اُن سے) کہنے لگو تو (بطور) استفسار کہو (اور ان) شہنشاہوں کے ساتھ مسکین کی طرح بولو۔ (۳۲۴/۲)

ایک مسکین کو بادشاہ کے ساتھ بے تکلف اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی جرأت نہیں ہوتی بلکہ خاص ضرورت اور مجبوری کے وقت سوال کیا کرتا ہے، وہ بھی نہایت ادب و عزت سے اور ڈرتے ڈرتے۔ پس ان سلاطینِ اقلیمِ دلایت سے بات چیت کرنے میں مرید کو بھی یہی انداز اختیار کرنا لازم ہے، تکبر نہ کرنا چاہیئے بلکہ اپنے آپ کو کسی دوسرے بڑے انسان کا تابع رکھنا چاہیئے۔

خدمت اکسیر کن مس وار تو جو میکش اے دل از دلدار تو  
(پس لازم ہے کہ) تاجے کی طرح اکسیر کی خدمت کرو (اور سونا بن جاؤ) اے دل! دلدار کی سختی برداشت کر تو بھی دولت وصال سے بہرہ مند ہو جائے گا۔ (۳۲۶/۲)

کیست دلدار؟ اہل دل نیکو بداں کو چو روز و شب جہائست از جہاں  
دلدار کون ہے؟ اہل دل خوب یاد رکھو، جو دن اور رات کی طرح دُنیا سے گریز کرتا رہے۔ (۳۲۶/۲)  
دن کا رات سے پہلے رخصت ہو جانا اور دن سے پہلے رات کا چلے جانا، گویا دُنیا کو خیر باد کہہ جانا ہے۔ اسی طرح اولیاءِ کرامؒ دل سے دُنیا اور دُنیا کے ساز و سامان کو ترک کر دیتے ہیں۔

عیب کم گو بندۂ اللہ را مہتمم کم کن ہزدی شاہ را  
اللہ کے (مخلص بندے کی عیب جوئی مت کرو اور بادشاہ پر چوری کی تہمت مت لگاؤ)، ورنہ تم تمام ناچیز لوگوں میں ناچیز سے ناچیز بن جاؤ گے اور ہر شیطان ذلیل کے تابع ہو جاؤ گے۔ (۳۲۶/۲)

### ایک دل برداشتہ فقیر کی پکار

منشوی میں ایک دل برداشتہ فقیر کا واقعہ لکھا گیا ہے، اسے نیچے بیان کیا جا رہا ہے لیکن کشف المحجوب میں یہ



روایت بہت دلکش انداز میں لکھی گئی ہے جو ہم اپنی تصنیف ”حسن نماز“ کے صفحہ نمبر ۹۹ پر دعا کے باب میں لکھ چکے ہیں۔ اس واقعہ کو حضرت ذوالنون مصریؒ نے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک کشتی میں سوار ہوا تو اس کشتی میں ایک نہایت خوبصورت جواں بھی بیٹھا ہوا تھا، اس کے چہرے پر عبادت کے اثرات اس قدر زیادہ تھے کہ میں اس سے بات کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ کشتی میں کسی کا موتی چوری ہو گیا ہے اور لوگ اس درویش کی تلاشی لینا چاہتے ہیں تو میں نے بھی اس درویش سے تلاشی لینے کی بات کی۔ اس نے کھڑے ہو کر کچھ اشعار پڑھے جو ہماری تصنیف ”حسن نماز“ میں اور نیچے بھی لکھے گئے ہیں۔ اشعار کے پڑھتے ہی یکایک سمندر سے لاتعداد مچھلیاں نمودار ہوئیں، جن میں سے ہر ایک کے منہ میں ایک ایک موتی تھا۔ اس درویش نے ایک موتی لے کر کشتی والوں کو دے دیا۔ جب یہ واقعہ دیکھا تو اہل کشتی نے اس درویش سے اظہار عقیدت کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ درویش کشتی سے باہر سمندر میں پھر رکھ کر سمندر کی سطح پر چلنے لگا اور لوگ دیکھتے رہ گئے۔

مثنوی میں یہ قصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک درویش کشتی کے اندر تھا، جس نے سامانِ مردمی کو اپنا پشت پناہ بنا رکھا تھا۔ کسی شخص کی اشرفیوں کی تھیلی گم ہو گئی۔ وہ درویش سو رہا تھا۔ سب کی تلاشی لی گئی مگر پتہ نہ چلا۔ اشرفیوں کے مالک نے وہ درویش بھی لوگوں کو دکھایا تاکہ وہ اس سونے والے فقیر کی بھی تلاشی لیں، کشتی کے مالک نے اُسے جگا دیا اور کہا کہ اس کشتی میں نقدی کی ایک بھری ہوئی تھیلی گم ہو گئی ہے۔ ہم نے سب کی تلاشی لے لی ہے اور تم بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ مہربانی فرما کر گدڑی اُتارو اور ننگے ہو جاؤ تاکہ لوگوں کے شکوک تم سے رفع ہو جائیں۔ یہ سُن کر بزرگ جوش میں آ گیا اور دُعا کی کہ اے الہی! یہ کینے لوگ تیرے غلام پر ٹہمت لگاتے ہیں تو کوئی مناسب حکم بھیج۔ یہ دُعا فارسی اور عربی میں تھی اور اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

گفت یارب بر غلامت را خساں متہم کردند حکم در رساں  
درویش نے کہا: یا الہی! ان کینوں نے تیرے غلام پر ٹہمت لگائی ہے، تو ان پر اپنا حکم بھیج۔ (۳۲۷/۲)

يَا غِيَاثِي عِنْدَ كُلِّ كَرْبَةٍ يَا مُعَاذِي عِنْدَ كُلِّ شِدَّةٍ  
اے ہر مصیبت کے وقت میرے فریاد رس! اے ہر مصیبت کے وقت میری پناہ! (۳۲۷/۲)

يَا مُجِيبِي عِنْدَ كُلِّ دَعْوَةٍ يَا مُلَاذِي عِنْدَ كُلِّ مَحْنَةٍ  
اے میری ہر دُعا کے قبول کرنے والے! اے ہر مشقت کے وقت میرے بلال! (۳۲۷/۲)

جب اس تہمت سے درویش کے دل کو دکھ پہنچا تو فوراً اس گہرے دریا میں سے لاکھوں مچھلیوں نے ہر طرف سے سر نکالے، بحالیکہ ہر ایک کے منہ میں ایک ایک موتی اپنی گراںبہائی میں ایک سلطنت کی آمدنی کے برابر قیمتی، موجود تھا کیونکہ وہ خدا کی طرف سے تھا جو شرک سے پاک ہے۔ اس بزرگ نے چند موتی مچھلیوں سے لے کر کشتی میں ڈال دیئے اور پھر جست لگا کر ہوا کی کرسی بنائی اور اس پر بیٹھ گئے۔ کشتی والے یہ کرامت دیکھ کہ نہایت متحیر ہوئے اور

پکارنے لگے کہ یا حضرت! یہ اعلیٰ مقام آپ کو کیونکر بخشا گیا۔ انہوں نے طنزاً کہا کہ فقیر پر جھوٹی تہمت لگانے اور حقیر چیز کے لئے حق تعالیٰ کو ناراض کرنے سے۔ ایک مقام پر مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ پیر خواہ کسی وقت میں بھی تم کو نظر آئے، اس سے استفادہ کرو بلکہ اگر شیخ بوڑھا ہو تو پرانی شراب کی طرح وہ زیادہ طاقتور ہوتا ہے، لہذا پیر کی تلاش میں ہر وقت لگے رہو۔

خود قوی ترمی بود خمر کہن

(فیضانِ حق بڑھاپے میں سبقت لے جایا کرتا ہے)

مولانا فرماتے ہیں کہ جب بھی کسی پیر کا فیض ملے تو اس کو حاصل کرو۔ بڑھاپے میں اللہ کا فیض سبقت لے جاتا ہے۔ جب بھی فیض ملے تو اسے ہوشیار ہو کر حاصل کرنا چاہیے۔ بڑھاپے میں جسم اگرچہ کمزور ہو جائے مگر روحانیت زیادہ ترقی پر ہوتی ہے، اس لیے مولانا نے ایک جگہ فرمایا ”پیر بڑھا ہونا چاہیے بڑھا“۔

خواہ نور از اولیں بستاں بجائ  
خواہ از نورِ لپسین فرقتے مداں  
خواہ پہلے (چراغ) کا نور (دل) جان سے حاصل کر یا پچھلے (چراغ) کا، اس میں کوئی فرق نہ سمجھ۔ (۲۱۳/۱)  
گفت پیغمبر کہ فتنہائے حق  
اندریں ایام می آرد سبق  
پیغمبر (علیہ السلام) نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیض ان ایام (عمر) یعنی بڑھاپے میں سبقت لے جایا کرتے ہیں۔ (۲۱۵/۱)

گوشِ ہش دارید ایں اوقات را  
در ربانید ایں چنین نجات را  
پس ان اوقات میں ہوش کر کے کان لگائے رکھو اور اس قسم کی معطر ہواؤں یعنی ہدایت کی دعوتوں کو قبول کرتے رہو۔ (۲۱۵/۱)

نغمہ آمد شمارا دید و رفت  
ایک خوشبو (پیغمبر کی تعلیم شریعت) کا زمانہ تو آیا اور تم کو دیکھ کر چلا گیا، جس نے اس کو طلب کیا اس کو وہ (ابدی) زندگی بخش کر گزر گیا۔ (۲۱۵/۱)

نغمہ دیگر رسید آگاہ باش  
تا ازیں ہم و انمانی خواجہ تاش  
اب دوسری خوشبو (یعنی اولیاء اللہ کا عشق آموز عہد) آ گیا ہے، اے پیر بھائی! ہوشیار رہنا تاکہ تم اس سے بھی محروم نہ رہو۔ (۲۱۵/۱)

او چناں پیرست کش آغاز نیست  
باچناں دُرِ یتیم انباز نیست  
وہ ایسا پیر ہے کہ اس کا آغاز ہی نہیں اور ایسے دُرِ یتیم کا کوئی ثانی نہیں۔ (۳۰۸/۱)



چونکہ پیر کی شان اس شان پیغمبری کا ایک پرتو ہے کہ ”کُنْتُ نَبِيًّا وَاذْمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ“ یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم (علیہ السلام) پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ کلیدِ مشنوی میں تحریر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پیر قدیم الوجود ہے بلکہ مدعا یہ ہے کہ اللہ کے علم میں سب کا سعید و متقی ہونا ازل سے موجود ہے۔ پس سعادت معلومہ بعلم قدیم ازل کے اعتبار سے اسے قدیم کہہ دیا، گو پیر قدیم نہیں مگر اس کی سعادت قدیمی ہے۔

خود قوی تری بود خمرِ کہن  
خاصہ آں خمریکہ باشد مِنْ لَدُنْ

شراب جتنی پرانی ہو وہ اور بھی طاقتور ہو جاتی ہے، خاص کر وہ شراب (معرفت) جو حق تعالیٰ کی طرف سے ہو۔

(۳۰۸/۱)

**مطلب:** پیر اگر بوڑھا ہے تو اس کے ضعفِ جسمانی سے ضعفِ روحانی کا شبہ نہ کرو کیونکہ اضمحلالِ جسم تو اور بھی تقویتِ روح کا باعث ہوتا ہے، جس طرح شراب پرانی ہو کر زیادہ مؤثر اور قوی ہو جاتی ہے۔

خود قوی تری شود خمرِ قدیم  
آں کہن تری بہتر اے شیخِ علیم

اے شیخِ دانا! پرانی شراب تو بڑی طاقتور ہوتی ہے اس لئے وہ جتنی پرانی ہو اتنی ہی اچھی ہے۔

(۳۰۸/۱)

**مطلب:** چونکہ بڑھاپے میں تجربہ اور تابعین کے حالات کے متعلق بصیرت زیادہ ہو جاتی ہے، لہذا بڑھاپے میں قوتِ روحانی منزل نہیں بلکہ ترقی کرتی ہے۔

**شیخ کا سبق بغیر آلہ زبان بھی ہوتا ہے**

مولانا روٹی کو اس بات کا یقین ہے کہ شیخ اپنے مریدوں کو بغیر کسی آلہ سماعت کے جسے وہ ”بے گفتہ سبق“ کا نام دیتے ہیں، روحانی اسباق دے سکتے ہیں۔ اس موضوع پر مصنف کی کتاب ”رابطہ شیخ“ (صفحہ ۱۲۸) میں بے گفتہ سبق کے نام سے ایک مضمون ہے، جس کا مطالعہ زیادہ تفصیل مہیا کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ شیخ نور حق کی نظر سے دیکھتا ہے۔ مشائخ پہلے ہونے والے اور بعد میں آنے والے بہت سے واقعات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تجربہ کار شکاری کا تجربہ یوں ہوتا ہے کہ وہ صحرا میں چند گام (قدم) ہرن کے پاؤں کے نشانات پر چلتا ہے اور پھر اپنی طاقتِ مشام (سنگھنے کی طاقت) سے کام لیتا ہے اور ہرن کو تلاش کر کے اس کا شکار کر لیتا ہے۔

اولیائے کرام کا قول ہے کہ جب انسان کا دل بیدار ہو جائے تو اس کو مشاہدہ کی قوت مل جاتی ہے اور اس قوت سے وہ بہت سے کام لیتا ہے اور ہر چیز کو دیکھ سکتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ جب ایک سفر کے دوران خرقان کی سرزمین پر پہنچے تو وہاں ایک جگہ پر بیٹھ گئے اور اپنے مریدوں سے فرمانے لگے کہ مجھے یہاں سے ایک مردِ کامل کی خوشبو آ رہی ہے، جو اس شہر میں آج سے تین سو سال کے بعد پیدا ہوگا اور جس کا نام ابوالحسن ہوگا اور اُن کے مقام اور اوصاف کے متعلق بہت تفصیل سے بیان فرمایا۔ پھر واقعی تین سو سال کے بعد ان کا ظہور ہوا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جن اولیائے کرام کے دل بیدار ہوں ان کے لئے بعدِ زمانی اور مکانی کچھ معنی نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا کہ

صحابہ کبارؓ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بیداریِ دل کی صفت عطا فرمائی تھی، اسی لئے آپ کو بہت سے علوم بھی دیئے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر امت میں ایک محدث ہوتا ہے اور میری امت کے محدث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ صحابہ کرامؓ اور خاص طور پر صحابہ اربعہ کے بہت سے مشاہدات کا ذکر مستند کتابوں میں آیا ہے، جو ان کی قلبی بیداری کی علامت ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس سلسلے میں جو اشعار لکھے ہیں، ان میں سے چند ملاحظہ فرمائیے۔

دل بیدار فاروقی، دل بیدار کراوی  
مشمام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشان اس کا  
دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک  
مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری  
ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری  
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری  
(ب۔ج۔۳۲۹)

علامہ اقبالؒ کا یہ فرمان کہ صحرا میں آہوئے تاتاری (ہرن) کا نشان اس وقت تک نہیں ملتا جب تک مشام تیز یعنی "Strong smelling power" نہ ہو۔ یہ طاقت اولیائے کرامؓ کو دل کی بیداری سے ہی ملتی ہے۔

نیچے جو اشعار مولانا روٹیؒ نے ارشاد فرمائے ہیں ان کے معنی بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ مولانا روٹیؒ فرماتے ہیں۔  
فقر را از چشم و از سیمای او  
دید ہر چشمے کہ دید از نور ہو  
جس نے نور حق کی آنکھ سے نظر کی ہے اس نے درویشی کا ان کی (یعنی حضرت صلاح الدینؒ کی) آنکھ اور پیشانی سے مشاہدہ کر لیا۔  
(۱۳۴/۲)

شیخ فعال ست بے آلت چو حق  
با مریداں دادہ بے گفتے سبق  
شیخ آلہ (کلام و سماعت) کے (استعمال کے) بغیر تعلیمی اثر ڈال سکتا ہے، جیسے حق تعالیٰ (بلا آلات یا وسائط موثر و متصرف ہے) وہ مریدوں کو بلا تکلم سبق دیتا ہے۔  
(۱۳۴/۲)

دل بدست او چو موم نرم رام  
مہر او کہ نگ سازد گاہ نام  
(مرید کا) دل اس کے دست تصرف میں نرم موم کی طرح مسخر ہو جاتا ہے۔ اس (پیر) کی مہر کبھی اس پر قبض (ناگوار نقش) بناتی ہے کبھی ببط (پسندیدہ شہرت والا نقش)۔  
(۱۳۵/۲)

مہر موش حاکی انگشتری ست  
باز آں نقش نکلیں حاکی کیست؟  
وہ (نقش رنگیں انگوٹھی بنانے والے) زرگر کے تخیل کا عکس یعنی (حاکی) ہے، جس کی ایک ایک کڑی دوسری میں پیوست ہے، مراد یہ کہ یہ نقش کس کا عکس ہے۔  
(۱۳۵/۲)

حاکی اندیشہ آں زر گریست  
سلسلہ ہر حلقہ اندر دیگرست  
(وہ نقش) سار کے خیال کا عکس ہے، ہر حلقہ کا سلسلہ دوسرے میں (جڑا ہوا) ہے۔  
(۱۳۵/۲)



آپ کے کلام سے یہ مراد ہے کہ مرید کے دل پر پیر کے تصرفات کا اثر پڑتا ہے اور پیر کے تصرفات منجانب اللہ ہیں۔

ایں صدا در کوہ دلہا بانگ کیست؟  
 کہ پُر است از بانگ کہ گاہے تہی ست  
 دلوں کے پہاڑ میں یہ گونج کس کی آواز سے ہے؟ کہ اس آواز سے کبھی یہ پہاڑ پُر ہیں اور کبھی خالی۔ (۱۳۵/۲)  
 ہر کجا ہست او حکیم ست استاد  
 بانگ او زیں کوہ دل خالی مباد  
 (یہ آواز غیب) جہاں بھی ہو (یعنی جس دل میں بھی ہو) وہ (دل) حکیم و استاد ہے، خدا کرے کہ حق تعالیٰ شانہ کی آواز اس دل کے پہاڑ سے جُدا نہ ہو۔ (۱۳۵/۲)

جاں پذیرفت و خرد اجزائے کوہ  
 ما کم از سنگم آخر اے گروہ؟  
 افسوس کہ پہاڑ کے اجزا تو جان اور عمل قبول کر لیں، کیا آخر ہم پتھروں سے بھی ناکارہ ہو گئے؟ (کہ ہم پر آثارِ فیضان نمودار نہیں ہوتے)۔ (۱۳۵/۲)

ہر کہ دید آل مرہم از زخم ایمن ست  
 ہر بدے کایں حُسن دید او محسن ست  
 جس نے وہ مرہم پایا وہ زخم سے محفوظ ہے، جس بُرے آدمی نے بھی یہ حسن (اعمال) حاصل کر لیا، وہ نیکوکار بن گیا۔ (۱۳۶/۲)

اے تنِ آلودہ بگردِ حوضِ گرد  
 پاک کے گردد درونِ حوضِ مرد  
 اے (الائش عصیاں سے اپنے) وجود کو آلودہ رکھنے والے! حوض (یعنی پیرِ طریقت) کے پاس آمدورفت رکھو (جو تیری اس آلائش کو دھو ڈالے) بھلا حوض سے باہر (رہنے والا) آدمی کب پاک ہو سکتا ہے؟ (۱۳۸/۲)

زانکہ دل حوضِ ست لیکن در کہیں  
 سوئے دریا راہِ پنہاں دارد ایں  
 کیونکہ (شیخ کا) دل (گو بظاہر) ایک حوض ہے لیکن خفیہ طور پر، یہ (حوض اپنے اندر) دریائے (احدیت) کی طرف ایک چھپی موری رکھتا ہے۔ (۱۳۸/۲)

جس طرح ایک چشمہ والی جھیل جو اندرونِ ارض بے پایاں پانی سے مدد پاتی ہے اور اس سے ندی نالے بہہ نکلتے ہیں، اپنے غیر محدود پانی کے سبب کسی قسم کی آمیزش سے متغیر نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح شیخ کے دل کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے، چنانچہ وہ ظاہری و باطنی نجاسات سے متغیر نہیں ہو سکتا، یعنی شیخ کی پاکیزگی بے پایاں ہوتی ہے اس لئے وہ زائل نہیں ہوتی۔

دزدی کن از دُر و سمرجانِ جاں  
 اے کم از سگ از درونِ عارِ جاں  
 جان کا موتی اور موتگا پُرا لے عارفوں کے دل میں سے، اے عارفوں میں کتے سے کمتر۔ (۱۳۳/۲)  
 (وہ شخص جو فضائلِ اخلاق سے بے بہرہ ہونے میں) کتے سے بھی کم (ہے) اُسے (یہ موقع غنیمت سمجھ کر)

عارف لوگوں کے باطن سے روحانی زرو جواہرات اخذ کرنے چاہئیں، یعنی اخلاق کے پاکیزہ موتی چراؤ اور جب تم کوئی بوجھ اٹھاتے ہو تو کوئی نہیں بوجھ اٹھاؤ۔

در درون دل درآید چوں خیال پیش شاں مکشوف باشد سر حال  
(کسی کے) دل کے اندر جب کوئی خیال آتا ہے تو ان (اہل اللہ) کے سامنے کل حالت کا بھید منکشف ہو جاتا ہے۔  
(۱۳۸/۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو موقع و ضرورت کے مطابق ان کو مخفی بات معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔

### خدا کا فیض عام ہے لیکن قبول فیض بقدر استعداد ہے

اس طویل و عریض بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کا فیض تو ہر جگہ ہے کیونکہ اس کی رحمت ہر شے پر محیط ہے لیکن اس قرب کے نتائج مختلف ہوتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء کو یہ قرب، وحی اور عشق پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے۔ (النور: ۳۵) یہ نور خدا تو ہر طرف پھیلا ہوا ہے مگر کچھ لوگ اس سے فیض حاصل کرتے ہیں اور کچھ لوگ موقع ضائع کر دیتے ہیں۔ پہاڑوں پر سورج چمکتا ہے تو اس سے کوئلہ بنتا ہے اور کہیں سونا اور لعل بنتے ہیں۔ سورج کی روشنی سے درختوں کی نشوونما ہوتی ہے اور ہری شاخیں اس قرب سے پھل پھول پیدا کرتی ہیں اور سوکھی ٹہنیاں مزید سوکھ کر ایندھن کا کام دیتی ہیں۔

قرب حق و رزق بر جملہ است عام قرب وحی و عشق دارند این کرام  
خدا کا قرب اور رزق سب پر عام ہے، وحی اور عشق کا قرب اہل کرم انبیاء اور اولیاء کرام پر ہوتا ہے۔ (۷۶/۳)  
قرب بر انواع باشد اے پدر می زند خورشید بر کھسار و زر  
اے بزرگ والد! قرب بہت انواع کا ہوتا ہے، سورج پہاڑوں پر چمکتا ہے اور سونے پر بھی چمکتا ہے۔ (۷۶/۳)  
لیک قرب ہست با زر شید را کہ ازاں نبود خبر مر بید را  
لیکن سونے کے ساتھ سورج کا قرب بھی ہے، بید کے درخت کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ (۷۶/۳)

شاخ خشک و تر قریب آفتاب آفتاب از ہر دو کے دارد حجاب  
درخت کی خشک اور تر شاخ سورج کے قریب ہوتی ہے، سورج ان دونوں سے حجاب نہیں رکھتا۔ (۷۶/۳)

لیک کو آں قربت شاخ طری کہ شمار پختہ ازوے می خوری  
لیکن کہاں طری والی شاخ کی یہ قربت کہ تو اس سے کچے ہوئے پھل کھاتا ہے۔ (۷۶/۳)

بگر این کاں شاخ خشک از قرب خور غیر خشکی می برد چیزے دگر  
دیکھ کہ شاخ خشک نے سورج کی شعاع سے سوائے خشکی کے کیا چیز حاصل کی۔ (۷۶/۳)



اگر بغور معائنہ کیا جائے تو بڑی بڑی گدیوں پر بیس سے پچاس لاکھ (۲۰ سے ۵۰ لاکھ) مرید بیعت ہوتے ہیں لیکن ان لاکھوں مریدوں میں سے دس یا بیس (۱۰ یا ۲۰) مرید ہی ایسے دکھائی دیتے ہیں جن میں روحانیت کا کمال کسی حد تک قابلِ قدر معیار پر نظر آتا ہے، باقی سب عام قابلیت کے مالک ہوتے ہیں۔ قابلیت یا قبولِ فیضان کی استعداد کا حساب ایسے ہی ہوتا ہے، جیسے عام لوگ ایک ٹکون کا اکثر حصہ ہوتے ہیں۔ ٹکون کے اوپر والے سرے میں چند اشخاص ہوتے ہیں اور ٹکون کی Base پر بنیادی سطح سے کم استعداد والے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ دفاتر میں سالانہ رپورٹوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ خاص معیاری (out standing) لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور متوسط اور نچلے درجے (Average) میں آنے والے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پیر یا شیخ تو ایک ہی ہے مگر قابل اور اہل استعداد مرید کوئی کوئی ہوتے ہیں کیونکہ ہر مرید کی استعداد ایک جیسی نہیں ہوتی۔ محنتی لوگ عبادت اور اذکار میں زیادہ توجہ دیتے ہیں، اس لیے ان کا نام دُنیا بھر میں چمک جاتا ہے۔ ایسے لوگ ریاضت اور عبادت میں بھی بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں، اس لیے ان پر اللہ تعالیٰ کا کرم بھی خاص ہو جاتا ہے۔ محنت نہ کرنے والے لوگ دعاؤں اور تعویذوں پر ہی نظر رکھتے ہیں اور کام یا محنت بالکل نہیں کرتے۔ ایسے لوگ کچھ نتیجہ برآمد نہیں کر سکتے۔ دعا کے ساتھ کوشش کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی کو ایسی دعا کرتے نہیں دیکھا کہ انہیں روٹی اور سالن بغیر آگ اور دیگر سامان کے پکا پکایا مل جائے۔

### پاک لوگوں کو اپنے جیسا نہ سمجھو

مشہور ہے کہ جو کوئی جیسا ہوتا ہے، اوروں کو بھی دیا ہی سمجھتا ہے۔ اس بات کو واضح کرنے کے لئے مولانا ردیؒ نے ایک بقال (سبزی اور کریانے والے) کی کہانی لکھی ہے کہ اس نے اپنی دکان پر ایک طوطا پال رکھا تھا جو بہت ذہین تھا اور لوگوں سے باتیں بھی کرتا تھا۔ جب مالک دکان سے گھر جاتا تو طوطا دکان کی حفاظت کرتا اور لوگوں کو کہتا کہ مالک یہاں نہیں ہے، چیزوں کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بلی چوہے کے پیچھے بھاگی تو طوطا اپنی جان بچانے کے لئے اوپر اڑا اور بادام روغن کی شیشیاں گرا دیں۔ جب مالک آیا تو اسے بہت غصہ آیا اور اس نے اس کو کسی ایسی چیز سے مارا جس سے وہ گنجا ہو گیا اور اس صدمے میں طوطے نے بولنا ترک کر دیا۔ مالک طوطے کو بہت پیار کرتا رہا مگر وہ راضی نہ ہوا، کبھی وہ طوطے کو لوگوں کے سامنے کرتا کہ شاید لوگوں سے ہی کچھ بات کرے مگر اس کی ناراضگی ختم ہونے کو نہ آئی۔ ایک دن اس دکان کے سامنے سے ایک فقیر گزرا جس کا سر گنجا تھا۔ اس کو دیکھ کر طوطا بول اُٹھا کہ اے بابا کیا تُو نے بھی کسی کا روغن گرا دیا تھا، جس کی سزا میں تجھے بھی گنجا کر دیا گیا۔ طوطے کی بات کو سُن کر دکان پر موجود لوگ ہنسنے لگے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو بھی ایسے ہی خیالات آتے ہیں اور کسی کے ظاہر کو دیکھ کر فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ دیکھنے میں شیر اور شیر ایک ہی طرح کے الفاظ نظر آتے ہیں

مگر ان دونوں میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ بھڑ اور شہد کی مکھی پھولوں کا رس چوستے ہیں مگر بھڑ میں زہر پیدا ہوتا ہے اور مکھی میں شہد پیدا ہوتا ہے۔ دو قسم کے ہرن ایک قسم کا گھاس کھاتے ہیں لیکن ایک بیگنیاں بناتا ہے اور دوسرا کستوری۔ کھارا پانی اور میٹھا پانی دیکھنے کو ایک جیسے ہی نظر آتے ہیں مگر دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ انسان ظاہری اعمال کی ہم صورتی کے باعث غلط فیصلہ کر لیتے ہیں اور پاک لوگوں کو بھی اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ مولاناؒ فرماتے ہیں ۔

کارِ پا کاں را قیاس از خود مکیر  
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر  
پاک لوگوں کے کام کو اپنے پر قیاس نہ کر، اگرچہ لکھنے میں شیر (درندہ) اور شیر (دودھ) یکساں ہیں۔ (۵۸/۱)  
شیر آں باشد کہ مرد اورا خورد  
شیر (دودھ) تو وہ ہے جس کو آدمی پیتا ہے اور شیر وہ ہے جو آدمیوں کو پھاڑتا ہے۔ (۵۸/۱)

نملہ عالم زیں سب گمراہ شد  
کم کے زابدال حق آگاہ شد  
اس وجہ سے پورا عالم گمراہ ہو گیا، بہت کم کوئی خدا کے ابدال سے واقف ہوا۔ (۵۸/۱)

ہمیری با انبیاء برداشتند  
اولیاء را ہم چو خود پنداشتند  
انہوں نے نبیوں کے ساتھ برابری کا دعویٰ کر دیا اور اولیاء کو اپنے جیسا سمجھ لیا۔ (۵۸/۱)

گفتہ ایک ما بشر ایشاں بشر  
ما و ایشاں بستہ خوانیم و خور  
یہ کہا کہ ہم بھی انسان ہیں اور وہ بھی انسان ہیں، ہم اور وہ سونے اور کھانے کے پابند ہیں۔ (۵۸/۱)

ایں ندانستند ایشاں از علی  
ہست فرقی درمیاں بے منتہی  
اندھے پن سے وہ یہ نہ سمجھے بلکہ ان دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔ (۵۸/۱)

ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب  
زیں یکے سرگیں شد و زان مشکِ ناب  
دونوں قسم کے ہرنوں نے گھاس اور پانی کھایا پیا، اس ایک کا گوبر بنا اور دوسرے کا خالص مشک۔ (۵۸/۱)

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست  
آب تلخ و آب شیریں را صفا است  
دونوں صورتیں اگر ایک جیسی ہیں تو ٹھیک ہے، نمکین اور شیریں پانی میں صفائی موجود ہے۔ (۵۷/۱)

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ فرعون کے جادوگروں کے کرتب اور موسیٰؑ کے معجزے دیکھنے میں لوگوں کو ایک جیسے لگتے تھے مگر ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ مولاناؒ نے بہت طویل کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہی ہے کہ عام طور پر مومن اور منافق ایک جیسے ہی لگتے ہیں، عام آدمی اور ولی میں ظاہری طور پر تمیز کرنا مشکل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اولیائے کرامؑ کو اللہ نے لوگوں سے اپنی چادر کے نیچے چھپا کر رکھا ہے، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ خدا کو تو پہچاننا بہت آسان ہے مگر اولیاء اللہ کو پہچاننا زیادہ مشکل ہے کیونکہ خدا تو اپنی کارکردگی سے پہچانا جاتا ہے مگر ولی کو کوئی کیسے



پہچان سکتا ہے، جو کہ دیکھنے میں تمہارے ہی جیسا ہے۔

ایک صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”نیک کام وہ ہے کہ جس پر تیرے نفس کو اطمینان ہو اور تیرے دل کو تسلی ہو اور بُرا کام وہ ہے جو تیرے نفس میں کھٹکے اور ترے سینے میں تردد ڈالے، اگرچہ لوگ تجھے اس کے کرنے کا فتویٰ دیں۔“ اس کے بعد مولانا روٹیؒ نے ایک مثال اور دی ہے کہ اگر کھانے کے لقمے میں کوئی تنکا آ جائے تو زبان اسے محسوس کر کے رد کر دیتی ہے۔ اسی طرح حسِ روحانی اگر زندہ ہو تو معمولی سے شر کا شائبہ بھی محسوس کر لیتی ہے۔

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

((اولیاء اللہ کو) کوئی خوف اور غم نہیں ہوتا)

قرآن کریم نے نجات یافتہ، خدا رسیدہ اولیاء اللہ کی یہ صفت بار بار دہرائی ہے کہ یہ لوگ خوف و حزن سے بالاتر ہوتے ہیں، نہ وہ کسی چیز سے ڈرتے ہیں اور نہ مبتلائے غم ہوتے ہیں۔ انبیائے کرامؑ اور اولیاء کرامؑ اگرچہ اس دنیا میں ہر حالت میں خوف و حزن سے دور نہیں رہتے کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء جامعہ بشریت میں بشری تقاضوں سے بری نہیں ہوتے۔ عام لوگوں جیسا غم البتہ ان کو نہیں ہوتا، مثلاً مال کے گم ہونے کا غم، دنیا کے سامنے ذلیل ہونے کا خوف۔ عام لوگ اس بات پر شاکي ہوتے ہیں کہ ان کو ایسا غم کیوں ہوا۔ کسی ولی اللہ کو اس کے بچے کے فوت ہونے کا غم تو ضرور ہوتا ہے کیونکہ یہ بات فطری تقاضا ہے مگر اولیاء دنیا داروں کی طرح ماتم نہیں کرتے اور غمزدہ نہیں ہوتے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان ولیوں کو کسی دُشواری میں مبتلا دیکھو کہ وہ تمہاری طرح بیچ و تاب کھا رہے ہیں تو جان لو کہ ان کا غم تو ایسے ہوتا ہے جیسے پہاڑوں میں آواز گونجتی ہے اور گذر جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ ۔

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر	شریکِ زمرہ لائحہِ نوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں	میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر
کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے	مومن کہ یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اولیا اللہ کی حالت ہر وقت ایک جیسی نہیں ہوتی، کبھی عارضی طور پر میلانِ بشریت میں حقیقتِ رُپوش ہو جاتی ہے اور کبھی انشراحِ صدر میں زمین و آسمان کے حقائق آشکار ہوتے ہیں۔ کبھی حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے کنویں میں گرانے کا ظاہری علم نہیں ہوتا اور کبھی ان کے گرتے کی خوشبو دُور سے سونگھ کر اعلان کر دیتے ہیں کہ مجھے اس کے گرتے کی خوشبو آ رہی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حالت کا علم تو ہوتا ہے مگر ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم  
 کبھی تو میں عرشِ اعلیٰ کی بلندیوں پر ہوتا ہوں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ (سعدی)  
 ایک روایت میں ہے کہ کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کبھی تو آپ کو اپنے فرزند کو  
 کنویں میں ڈالنے کا علم نہ تھا اور کبھی گرتے کی خوشبو دور سے سونگھ کر بتا دیتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر ہر وقت ہم ایک ہی  
 حالت میں رہیں تو عالمِ بشریت سے پاک ہو جائیں مگر تقاضائے مشیت یہ نہیں ہے۔

یکے پُرسید ازاں گم کردہ فرزند کہ اے روشن گہر چرخِ خرد مند  
 ایک شخص نے ان سے پوچھا، جس نے اپنا بیٹا گم کر دیا تھا کہ اے روشن حال والے عقلمند چرخ۔ (غیر منثوی)  
 زمصرش بوئے پیراہن شمدی چرا در چاہ کنعاش ندیدی  
 تو نے مصر سے اپنے بیٹے کے گرتے کی خوشبو تو سونگھ لی، مگر اس کو کنعان کے کنویں میں گراتے ہوئے کیوں نہ دیکھا۔  
 (غیر منثوی)

گفت احوال ما برقی جہاں است بومے پیدا دگر نہاں است  
 کہا کہ ہمارے احوال دنیا کی بجلی کی طرح ہوتے ہیں، ایک لمحہ میں ظاہر ہوتے ہیں اور دوسرے میں غائب۔  
 (غیر منثوی)

اگر درویش بر حالے بماندے سر دست از دو عالم برفشان دے  
 اگر درویش ایک حالت پر ہی رہے تو وہ فوراً دونوں عالموں (بشریت اور نورانیت) سے باہر نکل جائے۔ (غیر منثوی)  
 اولیاء اطفال حق انداے پسر

(اے بیٹے! اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کا کتبہ ہی سمجھو)

اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کے بیٹے سمجھنے سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کوئی بیٹا چن لیا ہے بلکہ اس سے  
 مراد یہ ہے کہ جس طرح کسی کے بیٹوں کا احترام کیا جاتا ہے، ان کا بھی اسی طرح احترام کرنا لازم ہے۔ پیروں کے  
 مرید بھی پیروں کی روحانی اولاد ہی تسلیم کی جاتی ہے۔

مولانا رومیؒ نے منثوی میں ایک داستان لکھی ہے کہ کچھ لوگ لمبے سفر پر تھے، ان کے پاس کھانے پینے کا سامان  
 نہ تھا، وہ درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرتے رہے۔ آخر وہ ایک ایسی جگہ پر آئے جہاں ہاتھی بہت زیادہ پائے  
 جاتے تھے۔ وہاں کے لوگوں نے ان کو بتایا کہ جب تم اس شہر سے نکلو گے تو جنگل میں تمہیں بہت سے ہاتھیوں کے  
 بچے پھرتے ہوئے نظر آئیں گے مگر تم کبھی ایسا نہ کرنا کہ ان بچوں میں سے کسی کو پکڑ کر اپنے کھانے کے کام میں  
 لے آؤ کیونکہ ان بچوں کے باپ اور دیگر ہزاروں ہاتھی اس بچے کو پکڑنے کے فوراً بعد تم پر یک جا حملہ کر دیں گے



اور تمہیں پاؤں کے تلے روند ڈالیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہاتھیوں نے ان سب کو پیروں میں روند ڈالا۔ اس کے بعد مولانا روٹی بات کو اس طرف لاتے ہیں کہ جس طرح ہاتھی اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح ولیوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرتا ہے، گویا ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے کنبہ کی مثل سمجھتا ہے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام اللہ تعالیٰ کے اطفال کی مانند ہیں۔ چنانچہ جو ان سے برا سلوک کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

اولیاء اطفال حق اند اے پسر در حضور و غیبت آگاہ با خبر  
اے لڑکے! اولیاء، اللہ کا کنبہ ہیں، وہ ان کی موجودگی اور غیر حاضری میں ان سے باخبر ہے۔ (۲۲/۳)  
از برائے امتحان خوار و یتیم لیک اندر سر منم یار او ندیم  
وہ آزمائش کے لئے بے وقعت اور یتیم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں درپردہ ان کا ساتھی ہوں۔ (۲۳/۳)  
پشت دارِ جملہ عصمتہائے من گویا ہستند خود اجزائے من  
میری تمام حفاظتوں پر ان کا بھروسہ ہے، گویا وہ میرے ہی ٹکڑے ہیں۔ (۲۴/۳)  
مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ اگر خدا کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل کو پاک لوگوں کی طرف طعن کرنے پر مائل کر دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کی عیب پوشی کرنا چاہے تو بروں کے عیوب کو بھی ڈھانپ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں پر لوگوں کو تنگ کرنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے کہ وہ ان کو رسوا کریں، یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ کے ولی لوگوں سے چھپے رہیں، کہیں ان کو کوئی پہچان نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے ولی میری چادر کے نیچے چھپے ہوئے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد

(جب خدا کسی کی پردہ دری کرنا چاہتا ہے)

دُنیا میں کتنے ایسے واقعات رونما ہو چکے ہیں کہ لوگوں نے بزرگوں کی بے ادبی کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی گرفت کا عذاب نازل فرمایا۔ فرعون چالیس سال تک حضرت موسیٰؑ کی مخالفت پر کمر بستہ رہا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے اسے دریا میں غرق کر دیا اور رہتی دُنیا تک اسے نشانِ عبرت بنا کر لندن کے عجائب گھر میں اس کی لاش کو محفوظ کر دیا، لیکن لوگ پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جب ڈاکٹر مائیکل بوکاٹیل کو حکومت انگلستان نے فرعون کی لاش کو درست کرنے کا فریضہ سونپا تو اس نے فرعون کا قصہ سنا اور پھر قرآن کا خود مطالعہ کیا۔ اس کے بعد اس نے پورے قرآن کو غور سے پڑھا اور ایک کتاب لکھی جس کا نام ”بائبل، قرآن اور سائنس“ (Bible, Quran and Science) ہے۔ اس کتاب میں اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ قرآن میں جو باتیں لکھی ہیں ان کو کئی سو سالوں کے بعد سائنس دانوں نے درست تسلیم کر لیا ہے۔ (ہماری تصنیف ”نشانِ منزل“

میں صفحہ نمبر ۶۲ پر اس کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے) اس کے اس بیان سے اسلام کی حقانیت کا علم ہوتا ہے۔ ایسے واقعات تو ہزاروں کی تعداد میں ملیں گے مگر ایک واقعہ راقم الحروف کے دفتر کے قریب ہوا، جو جیل کی پرانی بلڈنگ سے منسلک ہے، قابل ذکر ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک درویش (مسلمان) لاہور جیل کی دیوار کے موڑ پر بیٹھا تھا۔ اس کو کھانسی آئی تو اس نے بلغم کو اپنے بائیں طرف پھینکا۔ اتفاق سے ایک ہندو شخص اپنی ٹوپیا ہٹا بیوی کے ساتھ کونے کی دوسری طرف سے نمودار ہوا اور وہ بلغم اس کی بیوی کی ساڑھی پر گرا۔ اس ہندو کو غصہ آیا، اُس نے درویش بابا کے منہ پر ایک تھپڑ مارا۔ وہ جوڑا ابھی جیل کی دیوار کے دوسرے کونے تک ہی پہنچا تھا کہ اس کی بیوی کو شدت گرمی سے Sun Stroke ہو گیا اور وہ زمین پر گر کر مر گئی۔ وہ ہندو اس درویش کے پاس آیا اور منت سماجت کرنے لگا کہ اس کی بیوی کو زندہ کر دیا جائے مگر درویش نے کہا، اے بھائی! تمہاری بیوی کی ساڑھی پر میں نے بلغم پھینکا تو تمہیں غصہ آ گیا اور تم نے مجھے ایک تھپڑ رسید کیا، اسی طرح تمہارے مارنے کا عمل ہمارے خدا کو بھی گوارا نہ ہوا تو اس نے تمہاری بیوی کو مار دیا۔ اس میں میرا تو کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

ہماری تصنیف ”جنید و بایزید“ کے محیر العقول واقعات کے باب میں ایک قصہ لکھا گیا ہے کہ خلیفہ وقت نے اپنی ایک نہایت خوبصورت لونڈی حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس اس لئے بھیجی کہ وہ معلوم کرے کہ جنید بغدادیؒ کس کردار کے انسان ہیں۔ وہ لونڈی بہت خوبصورت تھی اور سنگھار سے آراستہ تھی۔ حضرت جنیدؒ نے آنکھوں کو نیچے جھکا لیا اور پھر ایک لمبی سی سانس لے کر منہ کو اوپر اٹھایا اور لونڈی کی طرف دیکھا تو وہ فوراً مر گئی۔ ہماری مذکورہ کتاب سے معلوم ہوگا کہ (یہ قصہ بہت طویل ہے مگر مختصراً یہ کہ) جب خلیفہ وقت نے اپنی لونڈی کے مرنے کی خبر سنی تو حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس آ کر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تو آپؒ نے فرمایا ”خلیفہ صاحب! آپ نے یہ کیا کیا کہ اپنی لونڈی کو میرے پاس بھیجا اور میری عمر بھر کی کمائی کو تباہ کرنا چاہا۔“ پھر فرمایا کہ ”اس لونڈی کو میں نے نہیں مارا بلکہ خداوندِ قدوس کو یہ بات ناگوار گزری اور اس نے تمہاری لونڈی کی جان لے لی۔ میں اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ کسی کو مار سکوں۔“ یہ بات سُن کر خلیفہ واپس چلا گیا۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے فارسی کے کلام میں بوعلی قلندرؒ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ بوعلی قلندرؒ کا ایک مرید شراب عشق میں مست تھا اور کسی کام سے بازار گیا تو حاکم شہر کے کارندوں نے اس کو ہنٹر لگائے اور راستے سے ہٹا دیا کیونکہ بڑے حاکم کی سواری آ رہی تھی۔ جب مرید واپس آیا تو بوعلی قلندرؒ سے شکایت کی۔ آپ جلال میں آ گئے اور کاغذ و قلم منگو کر بادشاہ وقت کو خط لکھا کہ تمہارے عہد میں ہمارے درویش کو بلاوجہ زد و کوب کیا ہے، ان کے عمل پر کوئی گرفت کریں، ورنہ کل سورج نکلے ہی تمہاری حکومت کسی اور کے حوالے کر دی جائے گی۔ سلطان نے امیر خسرو کو بھیج کر معذرت کی، ایسا نہ کرنے پر اس کی گرفت ہو سکتی تھی۔

یہ تمام واقعات اس نوعیت کی مثالیں ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی رسوائی چاہتا ہے تو اولیاء کے طعن پر



اس کو مائل کر دیتا ہے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں ۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد  
میلش اندر طعنے پا کاں برد  
جب اللہ تعالیٰ کسی کی رسوائی چاہتا ہے، تو اس کو پاک لوگوں پر طعن کرنے کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ (۱۱۰/۱)  
جو شخص انبیاء و صحابہ کرامؓ اور اولیائے کرامؓ سے بغض رکھتا ہے تو اس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے اور کئی امراض اور  
پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کے ہر کام سے یعنی عمر، رزق، صحت اور آل اولاد سے خیر و برکات چھین لی  
جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے اپنی رحمت اور خیر و برکات چھین لیتا ہے اور وہ ذلیل و خوار ہو کر مرتا ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پوشد عیب کس  
کم زند در عیب معیوباں نفس  
جب خداوند تعالیٰ کسی شخص کی عیب پوشی چاہتا ہے تو وہ شخص معیوب لوگوں کے عیب میں بھی کلام نہیں کرتا۔ (۱۱۰/۱)  
یعنی لوگوں کے عیب و نقائص سے زبان بند رکھنا اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم کی علامت ہے۔ عقبہ بن عامرؓ کہتے  
ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص کسی کی شرمناک بات دیکھے پھر اس کی پردہ پوشی کرے تو اس کا اجر اس  
شخص کے برابر ہے جو ایک زندہ گاڑی ہوئی لڑکی کو نکال کر مرنے سے بچالے۔“

چوں خدا خواہد کہ ماں یاری کند  
میل مارا جانب زاری کند  
جب اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمانا چاہتا ہے تو عجز و انکساری پر ہم کو مائل کر دیتا ہے۔ (۱۱۰/۱)  
جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوتا ہے، وہ ہر وقت توبہ و استغفار اور عجز و انکساری اور احکامات شرعی پر گامزن  
ہوتا جاتا ہے۔

اے خنک چشمیکہ او گریان اوست  
وے ہمایوں دل کہ او بریان اوست  
اے (مخاطب) وہ آنکھ ٹھنڈی ہے جو اس (محبوب حقیقی کے لئے روتی ہے اور اے (مخاطب) وہ دل مبارک ہے جو  
اس کی سوزش عشق سے بریاں یعنی جل بھن رہا ہے۔ (۱۱۰/۱)  
اس سے مولانا کی مراد یہ ہے کہ جس شخص کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو جاری ہوں، اگرچہ کبھی  
کے سر کے برابر (چھوٹے چھوٹے) ہی ہوں اور وہ شخص پھر اپنے رُخسار پر کچھ تری پائے تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم  
کے ان حصوں کے لئے آتش دوزخ حرام کر دیتا ہے۔

مشائخ کی مخالفت میں ہلاکت ہے

پیغمبران خدا کی مخالفت حقیقتاً خدا کی مخالفت ہے اور اولیائے کرامؓ کی مخالفت پیغمبر خدا اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت  
ہے، کیونکہ ان کا سلسلہ حصول کب و کمال ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہے۔ جو لوگ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو مانتے ہیں  
اور مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ کو نہیں مانتے وہ کافر اور بے دین ہیں۔ خدا کو تو ہر مذہب والا تسلیم کرتا ہے، اس کے  
ساتھ ہی اگر وہ تثلیث کا حامی ہو یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلام کرے تو وہ اسلام سے خارج ہے۔

آپ ﷺ کی شان کے خلاف ایک حرف بھی کہنا تصبیح ایمان ہے۔ کچھ لوگ خدا کو بڑا دکھانے کے لئے رسولوں کو بہت نیچے کھینچ کر لے آتے ہیں۔ نعوذ باللہ خدا سے کسی انسان یا پیغمبر کا مقابلہ تو دیے ہی ناممکن ہے، چنانچہ یہ کہہ دینا ٹھیک نہیں کہ فلاں بات کہنے سے لوگ رسول اللہ ﷺ کو خدا سے بڑا بنا دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب خدا کی شان کی بلندی کسی کو نہیں معلوم تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ فلاں شخص نے رسول اللہ ﷺ کو خدا سے بڑا قرار دے دیا۔ رسول ﷺ کی جو چاہو تعریف کرو، تب بھی وہ خدا سے بڑے نہیں ہوں گے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کو ”رؤف اور رحیم“ کا نام دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ نام رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ: ۱۲۸ میں فرمایا ہے ”بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ“ کہ رسول اللہ ﷺ مؤمنین کے لئے رؤف اور الرحیم ہیں۔ حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ نے ”مدارج النبوۃ“ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے ساٹھ نام رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائے ہیں۔ انبیاء کرامؑ یا اولیاء کرامؑ کے متعلق غلط الفاظ کا استعمال کرنا اصل میں خدا یا اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنا ہے۔ اولیاء کرامؑ کے خلاف بات کرنا حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی مخالفت ہے اور کفر میں شامل ہے۔ مولانا روٹیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء کرامؑ اللہ تعالیٰ کے اطفال ہیں، چنانچہ جس نے ان سے برا سلوک کیا تو اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو جاتا ہے، جو لوگ اولیاء کرامؑ کی مخالفت کرتے ہیں وہ خود اپنے آپ کو اُن سے زیادہ عاقل اور زیرک خیال کرتے ہیں۔ مولانا روٹیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ خدا کے دریائے کمال کا ایک قطرہ بھی دیکھ لیں تو وہ اپنے ہنر اور کمال کے سب کو توڑ ڈالیں۔

ور بدیدے قطرہ از دجلہ خدا  
آں سیو را او فنا کردے فنا  
اگر کوئی شخص خدا کے دریائے (کمالات) کا ایک قطرہ بھی دیکھ لے تو اپنے (محدود فضل و ہنر کے) سیو کو توڑ پھوڑ کر نابود کر دے۔ (دجلہ یعنی دریا)

آنکہ دیدندش ہمیشہ بخودند  
بخودانہ بر سیو شکے زدند  
اور جن لوگوں نے اس کے (دریائے کمالات کے قطرہ) کو دیکھا ہے، وہ ہمیشہ بے خود ہیں، انہوں نے بے خودوں کی طرح (اپنی ہستی کے) گھڑے پر پتھر مارا ہے۔

مطلب: جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے کمالات کا انکشاف ہو گیا ہے وہ اپنی ہستی کے دعوے سے دست بردار ہو گئے ہیں اور انہوں نے ریاضت و مجاہدہ سے اپنے وجود کو ذوقاً و وجدان کے درجے پر پہنچا دیا ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد  
آنچہ در وہمت نیاید آں دہد  
وہ آدمی جان لیتا ہے تو سو جانیں دے بھی دیتا ہے، وہ (انعام) دے گا کہ تمہارے خیال میں بھی نہ آئے۔ (۵۶/۱)  
پشت دارِ جملہ عصمتہائے من  
گویا مستند خود اجزائے من  
میری تمام حفاظتوں پر ان کا بھروسہ ہے، گویا وہ میرے ہی ٹکڑے ہیں۔ (۲۳/۳)



مولانا روئی فرماتے ہیں کہ اگر خدا کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل کو پاک لوگوں کی طرف طعن کرنے پر مائل کر دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کی عیب پوشی کرنا چاہے تو برے لوگوں کے عیبوں کو بھی چھپا لیتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ شیر بھیڑیے اور لومڑی کے ساتھ شکار پر گیا تو شکار کے تقسیم کرنے پر بھیڑیے نے جھگڑا کیا۔ شیر نے کہا کہ میں تم کو نیست و نابود کر کے دنیا میں عبرت کا نشان بناؤں گا۔ آپ کی مراد یہ ہے کہ خاصانِ خدا کی گستاخی اور بدگمانی کرنا ایسا ہی موجبِ خسران ہے۔

دارہام چرخ را از تنگ تان تا بماند در جہاں ایں داستان  
میں (تم کو نیست و نابود کر کے) آسمان کو تمہاری ذلت سے نجات دلاؤں گا تاکہ یہ واقعہ دنیا میں (ایک عبرتِ ناک، حیرت انگیز) یادگار رہ جائے۔ (۳۱۷/۱)

شیر با ایں فکر میزد خندہ فاش بر تہسم ہائے شیر ایمن مباحش  
شیر اُن خیالات میں ظاہر (داری کے طور پر) ہنستا تھا، (مگر اے مخاطب) شیر کی مسکراہٹوں کو نہ بھولنا اور نڈر نہ ہو جانا۔ (۳۱۷/۱)

ایں چنین ظنِ نحسیانہ بمن مر شمارا بُود ننگانِ زمن  
کیا تم میرے حق میں اس قسم کے کینوں کا سا خیال رکھتے تھے، تم زمانہ بھر کے لئے باعثِ عار ہو۔ (۳۱۷/۱)  
ظَانِّینَ بِاللّٰهِ ظَنُّ السَّوِّءِ را گر نہ بُرَم سر بود عینِ خطا  
اگر میں اللہ کے حق میں بدگمانی کرنے والوں کا سر کاٹ کر نہ دھروں تو میری بڑی غلطی ہوگی۔ (۳۱۷/۱)

مطلب یہ ہے کہ خاصانِ خدا کی شان میں بدگمانی کرنا ایسا ہی موجبِ خسران ہے، جیسے حق تعالیٰ کی جناب میں، کیونکہ ان کے افعال بھی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، اگرچہ دقیق ہونے کے سبب عوام کی نظر ان کی حکمت کا ادراک نہ کر سکے یا عناد کی وجہ سے کوئی اس کو ادراک کرنے کی کوشش نہ کرے۔

دیدنِ دانا عبادتِ ایں بود

(اللہ کے ولی کی دید بھی عبادت ہے)

ابن ماجہ کی کتاب ”زہد“ میں ایک حدیث شریف نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اُن کی پہچان یہ ہے کہ اُن کو دیکھ کر خدا یاد آ جائے۔ وہ حدیث یہ ہے ”اَلَّذِينَ اِذَا رَاَوْاْ ذِكْرَ اللّٰهِ“ مولانا روئی فرماتے ہیں ایسے ولی اللہ کی دید بھی عبادت ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اولیائے کرامؒ کا قول لکھا ہے کہ

سایہ رہبر بہ است از ذکرِ حق

رہبر کا سایہ ذکرِ حق سے بہتر ہے۔

یہ قول ہماری تصنیف ”بیعت کی تکمیل“ میں حوالے کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ ایک خاتون نے راقم الحروف سے ٹیلیفون پر استفسار کیا کہ آپ نے یہ قول کیسے لکھ دیا۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ میرا قول نہیں بلکہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان سے پہلے بزرگوں کی طرف سے لکھا گیا ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ ذکر الہی بہت بڑی بات ہے مگر شیخ کے سامنے کوئی نقلی عبادت نہیں کی جاسکتی کیونکہ تمام نقلی عبادتوں سے پیر کے چہرے کو دیکھنا فائدے کے اعتبار سے بہتر ہے۔ اس کی وضاحت یوں بھی ہوتی ہے کہ ایک شخص نے ذکر کا طریقہ کسی شیخ سے اخذ نہیں کیا تو اس کے ذکر کا اتنا فائدہ نہیں جتنا کہ شیخ سے ذکر سیکھنے سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ شیخ کو دیکھنے سے (اس کے انوار حاصل کرنے سے) بھی فائدہ ہوتا ہے، پیر کو دیکھنے کی یہ بہتری فائدے کے اعتبار سے ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی پہچان بھی اُد پر بیان ہوئی ہے کہ جب ان کو دیکھو تو خدا یاد آ جاتا ہے، اگر خدا کی یاد انہیں دیکھنے سے ہی آ جائے تو اس کی صحبت سے کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا کو یاد کرنا ہی تو ذکر کی اصل ہے۔ روایات میں ہے کہ ایک شخص بیٹھا ذکر کر رہا تھا۔ حضرت بازید بسطامیؒ اس کے قریب سے گزرے تو فرمایا کہ یہ شخص کیا بک بک چنچن کر رہا ہے۔ اس کے بعد حضرت بازید بسطامیؒ نے اس کو ذکر سکھایا تو اس کو ذکر کی اہمیت کا علم ہوا۔ ہر ذکر کرنے والا ایک جیسا نہیں ہوتا۔ جو ذکر کسی شیخ سے اخذ کیا جائے اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ دونوں کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لیے اور بہت سی باتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے، لہذا طوالت کے خوف سے اس بات کو یہیں چھوڑا جا رہا ہے۔

ہر کہ اُو جہاد ناخوش سنتے      سُوئے اُو نفریں رَوَد ہر ساعتے  
جس شخص نے کوئی بُری رسم قائم کی، ہر وقت اس پر لعنت پڑتی رہتی ہے۔ (۱۰۳/۱)  
مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ صاحب عقل کے لئے یہ اصول ہونا چاہیے کہ وہ ہماری طرح مردانِ حق کے قدموں کی خاک بن جائے۔ مردانِ حق کی علامت یہ ہے کہ جن کو دیکھ کر خدا یاد آ جائے۔

خاک شو مردانِ حق را زِبر پا      خاک بر سرِ کنِ حَسَدِ را بچھو ما  
مردانِ خدا کے قدموں کی خاک ہو جاؤ (اور) ہماری طرح حسد پر مٹی ڈالو۔ (۷۵/۱)  
دیدن دانا عبادتِ ایں بود      فتحِ ابوابِ سعادتِ ایں بود  
عالم کو دیکھنا بھی ایک عبادت ہے، اس سے نیک بختی کے دروازے کھل جانا سعادت ہے۔ (۶۲/۱)

روئے ہر یک مے نگر میدار پاس      بوکہ گردی تو ز خدمتِ بُو شناس  
(مذکورہ دونوں قسم کے عارفوں میں سے) ہر ایک کا دیدار کرتے رہو یا ادب رکھو، شاید خدمت گزاری کی بدولت ہی عرفان کی راہ نکال لو۔ (۶۲/۱)



## یک زمانے صحبتے با اولیاء (کچھ دیر اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنا)

مثنوی مولانا رومؒ کا یہ شعر زباں زدِ خاص و عام ہے، جس میں مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ اولیائے کرامؒ کی مختصر صحبت صد سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ تم اگرچہ کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہو جب کسی صاحبِ دل کامل ولی کی صحبت میں آ جاؤ گے تو گوہرِ نایاب بن جاؤ گے۔ انسان کا دل دُنیا کی رنگینیوں اور دلفریبیوں کی طرف تو جاتا ہے مگر اولیاء کرامؒ کی طرف مائل نہیں ہوتا کہ اولیائے کرامؒ کی صحبت دارین کی سعادت عطا کرتی ہے، اس لئے اپنے دل کو ان کی طرف مائل رکھیں۔

صحبتِ اولیاء کے متعلق ہماری تصنیف ”بیعت کی تشکیل“ اور ”جنیدؒ و بایزیدؒ“ میں کافی تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ مذکورہ بالا کتب کے مطالعہ سے شیخ کی صحبت سے جو متعدد فوائد مرتب ہوتے ہیں، ان کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ صحبت ایک ایسی صفت ہے کہ جس سے صحابہ کرامؒ کو متصف کیا گیا ہے۔ کوئی شخص کتنی ہی زیادہ عبادت کرے مگر ایک صحابی کا درجہ اس سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے، بعد کے زمانے کے قطب اور ابدال وغیرہ ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق گستاخانہ کلام کرتے ہیں، ان کو صحابہ کرامؒ کی رفعت کا علم نہیں۔ فرمایا کہ حضرت امیر معاویہؓ تو ایک جلیل القدر صحابی تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک معمولی صحابی کے گھوڑے کے پاؤں کی خاک جو جہاد کی راہ میں جاتے وقت اُڑتی ہے، اس کا اتنا درجہ ہے کہ اگر وہ خاک مجھ پر پڑ جائے تو میں یہ سمجھوں گا کہ میری بخشش ہوگئی۔

صحبت کی خوبی اس قدر بلند ہے کہ اولیاء کی صحبت میں بیٹھنے والوں پر اولیائے کرامؒ کے جسم سے نکلنے والی شعاعوں کا فیض اثر کرتا ہے۔ ان اولیاء کی خاموشی میں بھی یہ شعاعیں مریدوں کے جسموں پر فیضان کا سمندر بہا دیتی ہیں بلکہ اگر شیخ مرید سے لاکھوں میل دور ہو تب بھی یہ شعاعیں بذریعہ انعکاس مرید تک پہنچ سکتی ہیں اور ان شعاعوں کا حصول بذریعہ مراقبہ ہوتا ہے۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ اولیائے کرامؒ کی صحبت میں بیٹھنے والوں کو اولیائے کرامؒ کی گفتگو سے وہ فائدہ پہنچتا ہے، جو کتابوں اور دیگر استادوں سے حاصل ہونا ممکن نہیں، لہذا مرید چند دنوں کی صحبت میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پیر کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کے ہمراہ ایک نور بھی ہوتا ہے اور اس کی باتوں میں ان کے تجربے سے حاصل کردہ علوم اس کے منہ سے نکلے ہوئے لفظوں میں مل جاتے ہیں۔ یہ الفاظ اسرارِ خداوندی ہوتے ہیں۔

یک زمانے صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت ہے ریا  
(کچھ دیر اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا سو برس کی بے ریا (یعنی خالص) اطاعت سے (فضیلت میں) بڑھ

(۱۰۱/۱)

کر ہے۔

گر تو سنگِ خارہ و مرمر بوی چوں بصاحبِ دل رسی گوہر شوی  
 اگرچہ تو سنگِ خارہ اور سنگِ مرمر ہے، مگر جب تو صاحبِ دل کے پاس پہنچے گا تو موتی بن جائے گا۔ (۱۰۱/۱)

مہرِ پا کاں درمیانِ جاں نشاں دلِ مندہِ اِلا بہرِ دل خوشاں  
 پاک لوگوں کی محبت (اپنی) جان میں جمالے (یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا سے بے غم ہیں) کسی کی محبت میں دل نہ دے،  
 اس حصولِ کمال کے لئے کسی باکمال کا ارادت مند بننا چاہیے، نہ کہ ناقص و نااہل کا۔ (۱۰۱/۱)

کوئےِ نو میدی مرو کامید ہاست سوئےِ تاریکی مرو خورشید ہاست  
 نا اُمیدی کے کوچہ میں نہ جا، اُمیدوں کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اندھیرے کی طرف نہ جا (ہدایت کے) سورج  
 درخشاں ہیں، طالبوں کو اُمید رکھنی چاہیے کہ خدا کے فضل سے کوئی نہ کوئی کامل اُن کی دُستگیری کے لئے نمودار  
 ہو جائے گا۔ (۱۰۱/۱)

دل ترا در کوئےِ اہلِ دل کشد تن ترا در حبسِ آب و گل کشد  
 دل تجھ کو اہلِ دل کے کوچے میں لے جانے کا متقاضی ہے، جسم تجھ کو علائقِ جسمانیہ کی قید میں ڈالنے کا متقاضی ہے۔  
 (۱۰۱/۱)

مولانا روم پہلے ہی یہ فرما چکے ہیں کہ تم کو روشن ضمیر لوگوں کی صحبت میں جانا چاہیے۔ اس کے بعد آپ  
 فرماتے ہیں کہ تمہارے اندر خود ایسے متضاد جذبات موجود ہیں، جن میں سے بعض کا میلان اہلِ اللہ کی صحبت کی  
 طرف ہے اور بعض کی کشش لذاتِ جسمانیہ کی طرف ہے۔ درج ذیل اشعار میں مولانا روم نے ایک سفیر کی  
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

دید آں مرشد کہ او ارشاد داشت تخمِ پاک اندرِ زمینِ پاک کاشت  
 مرشد (یعنی حضرت عمرؓ) نے دیکھا کہ وہ اپنی استعداد رکھتا ہے (اس لئے اس کے) پاک دل کی زمین میں  
 (اسرارِ معرفت کا) پاک بیج بودیا۔ (۱۶۹/۱)

مردِ گفتش کاے امیر المومنین جاں زبالا چوں در آمد بر زمین  
 اس شخص نے آپ سے سوال کیا ہے کہ اے امیر المومنین! روحِ عالمِ بالا (یعنی عالمِ امر سے زمین یعنی عالمِ خلق)  
 میں کیوں کر آگئی؟ (۱۶۹/۱)

مرغِ بے اندازہ چوں خُذ در قفسِ گفت حق بر جاں فسوں خواند و قصص  
 لاتعداد پرندے پنجرے میں کیسے آگئے، انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح پر افسوں اور افسانے پڑھ دیئے۔  
 (۱۶۹/۱)



موم و ہمیرم چوں فدائے نار خُند      ذاتِ ظلمانیٰ اُو اَنوار خُند  
 موم اور جلانے کی لکڑی جب آگ پر فدا ہو گئی، تو اس کی تاریک ذات (سراپا) اَنوار بن گئی۔ (۱۷۸/۱)  
 سَنگِ سُرْمہ چونکہ شد در دید گان      سَنگِ بینائی خُند اینجا دیدہ باں  
 سُرے کا پتھر جب آنکھوں میں پڑا تو یہاں (آ کر پتھر) بینائی بن گیا، (اور) بینائی کا پتھر آنکھوں کا محافظ ہو گیا۔  
 (۱۷۸/۱)

مطلب یہ ہے کہ کامل کی صحبت سے ناقص بھی کامل بن جاتا ہے۔  
 اے خنک آں مردِ کز خود رستہ شد      در وجودِ زندہ پیوستہ شد  
 اے مخاطبِ مبارک باد کے قابل ہے وہ آدمی، جو اپنے آپ سے نکل گیا ہو اور کسی زندہ دل یعنی مرشدِ کامل کا  
 شریکِ صحبت ہو گیا ہو۔ (۱۷۸/۱)

دستِ پیر از غائبانِ کوتاہ نیست

(پیر کا ہاتھ دُور والوں کے لئے کوتاہ نہیں ہوتا)

یہ مضمون کہ پیر کا ہاتھ دُور دراز رہنے والے لوگوں کے لئے کوتاہ (چھوٹا) نہیں، بہت مخصوص کمالات کی طرف  
 اشارہ کرتا ہے اور اس کے متعلق اولیائے کرامؒ کی زندگیوں کے لاتعداد واقعات شاہد ہیں۔ ایسے تمام واقعات کا قلمبند  
 کرنا طوالت کے خوف سے ممکن نہیں، البتہ چند ایک واقعات پر ہی اکتفا کیا جا رہا ہے۔

اولیائے کرامؒ کے لئے یہ بات تصدیق شدہ ہے کہ وہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں، خود بھی حاضر ہو سکتے ہیں  
 اور دُور دراز علاقوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی امداد بھی کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ  
 بات کہ آپ نے مسجد میں جمعۃ المبارک کے وعظ میں فوجی جرنیل حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی کہ ساریہ!  
 پہاڑی کی طرف دیکھو۔ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آواز سنی اور پہاڑی کے پیچھے کافروں کے لشکر کو دیکھا  
 اور انہیں حملہ کرنے سے روک دیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سینکڑوں میلوں سے اس لشکر کو ملاحظہ فرما  
 رہے تھے اور اس کی خبر ساریہؓ کو دے دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ شیخ کا ہاتھ دُور دراز بیٹھے ہوئے لوگوں سے کوتاہ  
 نہیں۔ تصوف کی دُنیا میں یہ بات بھی مُصدق ہے کہ اولیاءِ کرامؒ کے لئے مسافتیں اور فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے اور  
 زمانی بُعد بھی ان کے لئے کوئی بُعد نہیں۔ تصوف میں نزدیک اور دُور کوئی معنی نہیں رکھتے۔ زمان (یعنی وقت) پر بھی  
 ان کو دُسترس حاصل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوباتِ شریف میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں (یعنی بلند  
 مقام سے دیکھو تو) ماضی مستقبل اور حال ایک ہی صورت کے حامل نظر آتے ہیں، مثال کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے  
 کہ یہ تینوں نقطے ایک سیدھی لکیر میں حسبِ ذیل صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ماضی مستقبل کی طرف جا رہا ہے۔

ماضی      حال      مستقبل



اب سائنس نے بھی مان لیا ہے کہ اس دُنیا کے قطروں سے باہر جائیں تو بیک وقت ماضی حال اور مستقبل ایک جیسے ہی نظر آتے ہیں (اس کا مفصل ذکر ہماری تصنیف ”رابطہ شیخ“ میں دے دیا گیا ہے) لہذا موجودہ دور نے یہ واضح کر دیا ہے کہ نزدیک یا دُور اور زمانے کے اختلاف کی بات اولیاء کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

راقم الحروف کی تصنیف ”رابطہ شیخ“ میں کتاب کے آخر میں ایک باب ”اولیاء کی امداد حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی امداد ہوتی ہے“ کے نام سے شامل کر دیا گیا ہے۔ اس میں مستند کتابوں کے حوالے سے اولیائے کرامؑ کا اپنے مریدوں کی مدد کرنے پر بہت طویل عبارتیں لکھی گئی ہیں، جس کے مطالعہ سے زیر غور باب کا سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بخاری شریف میں موجود ایک حدیث قدسی کا حوالہ دینا بھی ضروری ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کا بندہ فرائض کی ادائیگی کرنے کے بعد نفلی عبادت میں زیادہ حصہ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے کا ہاتھ بن جاتا ہے، جس سے وہ کام کرتا ہے، اس کی زبان اللہ کی زبان اور اس کے قدم اللہ کے قدم بن جاتے ہیں۔ اس حدیث سے تو ظاہر ہو گیا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے فعل کا آلہ بن جاتا ہے تو پھر اس سے یہ بات بعید نہیں کہ وہ دُور اور نزدیک کی باتوں کو نہ سُن سکے اور دیکھنے کے ساتھ ساتھ مدد نہ کر سکے۔ اللہ کی اس مدد کو جو شیخ کو حاصل ہوتی ہے، مولانا رومیؒ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ ”دست اُو جُو قبضۃ اللہ نیست“ یعنی اس کا ہاتھ اللہ کی نصرت کے سوا کچھ نہیں۔

روایات میں ہے کہ جب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اولیائے کرامؑ کو فرمایا کہ ان کا پیر (قدم) تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے تو سب نے اسے تسلیم کیا مگر ایک شخص نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو کہا کہ تمہارا قدم میری گردن پر نہیں ہے تو آپؒ نے فرمایا کہ جاؤ تمہاری گردن پر سور کا قدم ہوگا۔ آخر ایسا ہی ہوا اور وہ ولایت سے معزول ہو گیا۔ قصہ یوں ہے کہ ایک دن وہ ایک یہودی لڑکی کی محبت میں یہودی مذہب قبول کرنے لگا تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ پہلے تو وہ ولایت سے معزول ہوا تھا اور اب وہ مذہب اسلام سے بھی خارج ہو رہا ہے۔ لوگوں نے حضرت شیخؒ سے عرض کی کہ آپ اس پر رحم فرمائیں اور اس کو اس آفت سے بچالیں۔ آپ اس وقت وضو فرما رہے تھے، پانی کا ایک چھینٹا اس کی طرف مارا، جہاں پر سینکڑوں میل کی مسافت پر وہ یہودیت کے مذہب کو قبول کرنے ہی والا تھا۔ جب اس نے چھینٹے کا اثر محسوس کیا تو فوراً یہودیوں کو چھوڑ کر بھاگ آیا اور اس طرح شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اس کو ایک طویل مسافت سے یہودی مذہب قبول کرنے سے بچالیا۔ ایسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں مگر ان کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ راقم الحروف کی اپنی بہت سی باتیں تجربے میں آئی ہیں، جن کا ذکر اس جگہ بیان کرنا مناسب نہیں کیونکہ اس میں خود پسندی کا شائبہ لازم آتا ہے۔ حال ہی کا ایک واقعہ محض تحدیشِ نعت کے طور پر لکھا جا رہا ہے کہ راقم الحروف کے ایک مرید (ذوالفقار علی) نے بتایا کہ ایک رات وہ گھر کی چھت پر سونے کے لئے لیٹا تو ایک جن اس کے سینے پر آ بیٹھا اور اس کی کوشش کے باوجود ایک انچ بھی نہ سرک سکا۔ مجبور ہو کر اس



نے راقم الحروف کو آواز دی تو اس نے دیکھا کہ راقم الحروف ایک منٹ سے پہلے ہی وہاں جا پہنچا۔ راقم الحروف کو دیکھ کر وہ جن نیچے اتر گیا اور کہنے لگا کہ تم کو میں ان کی خاطر چھوڑ رہا ہوں۔ راقم الحروف کو اس واقعہ کا بذات خود علم نہیں ہوا، جس کا مطلب یہ ہے کہ کئی کام مرشد کی رُوح خود پہنچ کر انجام دے سکتی ہے اور ان حالات میں مرشد کو علم بھی نہیں ہوتا۔ حضرت عبید اللہ احرار نے ایسے کئی واقعات بیان کئے ہیں جو مکتوبات شریف میں مطالعہ کئے جاسکتے ہیں۔ یہ جن والا واقعہ سینکڑوں لوگوں نے ذوالفقار علی سے خود سنا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سنی اور جب وہاں پہنچے تو اس کو اپنے ہاتھ پر رکھا۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ، اسماعیل شاہ صاحبؒ، مولانا قاسم موہڑویؒ اور دیگر بہت سے بزرگوں کی ایسی کرامات کتابوں میں مذکور ہیں۔ مولانا روٹیؒ فرماتے ہیں ۔

دستِ پیر از غائبان کوتاه نیست  
دستِ او جز قبضہ اللہ نیست  
مرشد کا ہاتھ دُور والوں سے کوتاه نہیں کیونکہ اس کا ہاتھ اللہ کی قدرت کے علاوہ کچھ نہیں۔ (۳۱۲/۱)

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایک صاحبِ صلاحیت پیر کی مرید کے لئے نسبت کافی سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مرید کو کچھ مدت تک پیر کی خدمت میں حاضر رہنے اور تصفیۂ باطن (تزکیۂ قلب) کے لئے اس کے زیرِ ہدایت اشغال و اعمال بجا لانے کا موقع میسر نہ ہوا تو بھی دُور ہی سے پیر کی توجہ اس کے باطن کی اصلاح کرتی ہے۔ انبیاء و اولیاء کا ہاتھ اللہ کے ہاتھ سے جدا نہیں تو جب اللہ کے دستِ قدرت کے لئے بعید و قریب سب یکساں ہیں تو اولیاء کرامؒ کا دستِ تصرف بعید والوں پر کیوں موثر نہ ہوگا۔

غائبان را چوں چنین خلعت دهند  
حاضراں از غائبان لاشک بہند  
جب وہ دُور والوں کو ایسی خلعت (فیضان) عطا فرماتے ہیں تو حاضرین بے شک غائبوں سے بہتر خلعت پانے والے ہیں۔ (۳۱۲/۱)

غائبان را چوں نوالہ مے دهند  
پیشِ مہماں تاچہ نعمتہا نہند  
جب وہ غیر حاضروں کو (فیضِ باطنی کا) لقمہ دیتے ہیں تو وہ اپنے پاس حاضر مہمانوں کے آگے (فیوضِ روحانیہ کی) کیا کیا نعمتیں نہ رکھتے ہوں گے، لہذا اہلِ کمال کے انتساب اور ان کی خدمت کی حاضری کو سعادتِ دارین کا وسیلہ سمجھنا چاہیے۔ (۳۱۲/۱)

کو کسے کو پیشِ شہ بند کمر  
با کسے کو ہست از بیرون در  
کہاں وہ شخص جو بادشاہ کے حضور میں کمرِ خدمت باندھ لے اور کہاں وہ جو دروازہ سے باہر کھڑا ہو۔ (۳۱۲/۱)  
اگر کوئی شخص اللہ کی طرف بغیر مرشد کے راہ اختیار کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی شیخ مدد کرتا ہے، خواہ وہ مرشد نزدیک ہو یا دُور۔ آپؒ فرماتے ہیں ۔

ہر کہ تنہا تا در ایں رہ را بُرید ہم بعونِ ہمت مرداں رسید  
جو شخص شاذ و نادر اس راہ سلوک کو تنہا ہی طے کر گیا ہے تو وہ بھی مردانِ حق کی دُعا اور توجہِ باطن کی مدد سے منزل  
(۳۱۲/۱) مقصود کو پہنچا ہے۔

## طالبِ حکمت شواہزِ مردِ حکیم

(کسی مردِ حکیم سے حکمت تلاش کرو)

علمائے کرام اور مشائخِ عظام یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کو دُنیاوی زندگی میں فضول اور لغو کاموں میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اپنی زندگی میں کی جانے والی نیکیاں ہی انسان کے لئے سرمایہٴ آخرت ہیں۔ اگر اس زندگی کو اس راہ پر لگا دیا جائے جو خدا اور رسول ﷺ کو پسند ہے تو انسان دُنیا اور آخرت میں کامیاب ہو سکتا ہے، ورنہ وہ دُنیا پر ایک بوجھ کی مانند اپنی عمر عزیز کو گنوا دے گا۔ زندگی کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے کسی دانا اور حکیم کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ انسان اپنی مراد کو پہنچے۔ اگر ایسا مردِ حکیم (یعنی جس کو اللہ نے حکمت عطا کی ہو) مل جائے تو انسان میں علمِ دین کے چشمے پھوٹ نکلیں گے اور طالبوں کو اس طرح ایک کامیاب ابدی زندگی ہاتھ آ جائے گی۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ۷

طالبِ حکمت شو از مردِ حکیم تا ازو گردی تو بینا و علیم  
مردِ حکیم سے حکمت طلب کرو، تاکہ تم اس سے صاحبِ بصیرت اور بڑے دانا بن جاؤ۔ (۱۳۳/۱)

آبِ عذب دیں ہی جوشد ازو طالبانِ را زانِ حیاتِ ست و نمو  
دین کا شیریں پانی اس سے پھوٹ کر نکلتا ہے، جس سے طالبوں کو (ابدی) زندگی اور پھلنا پھولنا نصیب ہوتا ہے۔ (۱۳۳/۱)

فرماتے ہیں کہ انسان دُنیا میں خواہ کتنا ہی کمال حاصل کر لے، وہ اس سے نہ تو یہ زندگی سنوار سکتا ہے اور نہ آخرت میں اس کو کچھ حاصل ہوگا۔ شیخِ کامل ہی ایسے مردانِ حق ہیں جو حصولِ علم اور حکمت کا سرچشمہ بن جاتے ہیں۔ دُنیا کے عاشق لوگ تو ایسے ہیں جیسے غلاف میں لکڑی کی تلوار ۷

در یکے گفتہ کہ استادے طلب عاقبتِ بنی نیابی در حسب  
ایک (دفتر) میں کہا کہ مرشد تلاش کر، (محض) ذاتی فضائل کی بدولت عاقبتِ بنی حاصل نہ ہوگی۔ (۸۰/۱)

ہم نشینِ اہلِ معنی باش تا ہم عطایابی و ہم باشی فقی  
اہلِ معنی کا ہم نشین ہو تاکہ (ان کے فیضِ صحبت سے فضائلِ اخلاق کا) انعام بھی پائے اور جو انمرد (عارف) بھی بن جائے۔ (۱۰۰/۱)



جان بے معنی دریں تن بے خلاف      ہست ہچوں تیغ چوہیں در غلاف  
(۱۰۰/۱) بے شک بے معنی جان اس بدن میں ایسی ہے، جیسے ایک لکڑی کی تلوار غلاف میں۔

مرد باش و سحرۂ مرداں مشو      رو سر خود گیر و سرگرداں مشو  
(۸۰/۱) مرد بن اور لوگوں کا بیگاری نہ بن جا، (اپنی ذاتی تحقیق سے) خود اپنی فکر کر اور پریشان نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اٹلی کا ایک سفیر آیا، جس نے آپؐ کی صحبت میں اسلام کی باتوں کا بغور مطالعہ کیا اور ان کی عظمت کا معتقد ہو گیا۔ فرماتے ہیں جو شخص مرد خدا نہیں، اس سے ایسے کام بعید از قیاس ہیں بلکہ وہ تو انسان کی قابلیتوں کو ختم کر دیتا ہے۔

غیر مرد حق چو ریگِ خشک داں      کابِ غمِرت را خورد او ہر زماں  
(۱۳۴/۱) جو شخص مرد خدا نہیں اس کو خشک ریت سمجھو، جو ہر دم تمہارے آپؐ عمر کو جذب کیے جا رہا ہے۔

منعِ حکمت شود حکمت طلب      فارغِ آید او تحصیل و سبب  
طالبِ حکمت، حکمت کا سرچشمہ بن جاتا ہے (اور وہ) تحصیل (کے درجہ طریق) اور حصولِ علم کے اسباب (ظاہری) سے فارغ ہو جاتا ہے۔  
(۱۳۴/۱)

شیخِ کامل بود و طالبِ مشتی      مرد چابک بود مرکب در گہی  
ادھر پیر یعنی حضرت عمرؓ کامل تھے۔ (ادھر) مرید (یعنی سفیر) ہمہ تن شوق تھا، مرد شہسوار چالاک اور سواری تیار تھی۔  
(۱۹۹/۱)

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اور جعلی پیروں میں بہت فرق ہے، اس لئے کوشش کرو کہ تم اپنے مقام پر پہنچ جاؤ، ورنہ پھر باہر ہی لٹکے رہو گے۔ جب تک اپنے شیخ کی سختیاں برداشت نہ کرو گے تو تمہارے دل کا آئینہ صیقل یعنی چمکدار نہیں ہو سکتا، اگر تم مرشد کی سخت و نرم گفتگو کو برداشت کرو گے تو ایک دن تم بھی یگانہ روزگار بن جاؤ گے۔

فرقِ بسیارست ناید در حساب      آں زاہلِ کشف و ایں زاہلِ حجاب  
(ان دونوں میں) بہت فرق ہے جو حساب میں نہیں آ سکتا، وہ اہلِ کشف میں سے ہے اور یہ اہلِ حجاب میں سے۔  
(۳۱۲/۱)

جہدِ آں کن تا رہے یابیِ دُروں      ورنہ مانیِ حلقہ وار از در بروں  
(اے طالب) کوشش کرو تا کہ تم کو اندر جانے کا راستہ مل جائے، ورنہ تم زنجیر کی طرح باہر کے باہر رہو گے۔  
(۳۱۲/۱)

چوں گزیدی پیرِ نازکِ دلِ مباحش      سست و ریزندہ چو آب و گلِ مباحش  
جب تم نے پیر بنا لیا تو نازکِ دل نہ رہو، گارے کی طرح سست اور بکھر جانے والا نہ ہو۔  
(۳۱۲/۱)

مطلب یہ کہ مرید کو چاہیے کہ متحمل مزاج اور صابر و شاکر اور جفاکش بن جائے، پیر جو کچھ حکم دے اس پر اپنا مال و جان، آل و اولاد قربان کر دے۔

نرم گوید سخت گوید خوش بگیر تا کند بر جملہ میرانت امیر  
وہ کوئی آسان (کام کا) حکم دے یا سخت (مجاہدہ کرنے کو) کہے، خوشی سے قبول کرو تا کہ تمہیں وہ سب بزرگوں کے سرداروں کا سردار بنا دے۔ (۳۱۲/۱)

ور بہر زخمی تو پُر کینہ شوی پس گجا بے صیقل آئینہ شوی  
اور اگر تم ہر مشقت (مجاہدہ) پر گھونٹنے لگو (تو اتنا سوچو) کہ صیقل ہوئے بغیر آئینہ کیونکر بن سکتے ہو۔ (۳۱۲/۱)  
مولانا روئی فرماتے ہیں کہ بے نور اور کھر درے لوہے نے سوہان کی متواتر خراش اور آلہ صیقل کی پیہم رگڑ کے صد مات سہہ کر یہ درجہ حاصل کیا ہے کہ وہ نور علی نور بن گیا۔ تم بھی اگر اپنے قلب کو مصفا اور روح کو منور بنانا چاہتے ہو تو صبر و تحمل کے ساتھ سوہان ریاضت اور مشکل مجاہدہ کے صد مات برداشت کرو۔ اس کے بغیر روح اور قلب آئینہ نہیں بن سکتے۔ ”اخلاقی جلالی“ میں لکھا ہے کہ بعض حکماء اوہاش لوگوں کو اس غرض سے نقد انعام دیتے تھے کہ وہ ان کو نہ ملا گالیاں دیا کریں تاکہ ان کا نفس ذلیل ہو۔

از حدیث اولیاء نرم و درشت تن پوشاں زانکہ دینت راست پشت  
اولیاء کرام کی نرم و سخت باتوں سے پہلو تہی نہ کر، کیونکہ وہ تمہارے دین کے پشت پناہ ہیں۔ (۲۲۵/۱)  
گرم گوید سرد گوید خوش بگیر تا زگرم و سرد نجبی و ز سیر  
(خواہ وہ) گرم فرمائیں یا سرد کہیں خوشی خوشی قبول کرو تا کہ تم (دنیا میں) مصائب و نوائب سے اور (آخرت میں) عذاب جہنم سے نجات پاؤ۔ (۲۲۵/۱)

مطلب یہ ہے کہ بزرگان دین کی ہر شیریں و تلخ بات کو گوشِ توجہ سے سُننا اور حُسن قبول کے ساتھ ذہن نشین کر لینا چاہیے تاکہ وہ تمہاری اصلاح کے لئے درسِ ہدایت بنے۔

گرم و سردش نو بہارِ زندگی ست مایہ صدق و یقین و بندگی ست  
ان کا گرم و سرد (کہنا) زندگی کی نو بہار ہے، (ان کا یہ کہنا) صدق و یقین اور بندگی کا سرمایہ ہے۔ (۲۲۵/۱)  
زانکہ زان بستانِ جانہا زندہ است زان جواہر بحرِ دل آگندہ است  
کیونکہ ان (کے ملفوظات) سے ارواح کے باغِ تر و تازہ ہوتے ہیں، ان جواہرات (کے گرانمایہ اقوال) سے دل کا دریائے ہو جاتا ہے۔ (۲۲۵/۱)

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا

(جو اللہ کی ہم نشینی چاہتا ہے)

مولانا روئی نے فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم نشین ہونا چاہتا ہے، اسے کہو کہ وہ اولیاء اللہ کے ساتھ بیٹھے۔



ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا ہے کہ ”اولیائے کرام کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔“ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں لکھا ہے کہ ”سایہ راہبر بہ است از ذکر حق“ (یعنی پیر کا سایہ ذکر حق سے بہتر ہے) آپؒ نے فرمایا ہے کہ مذکورہ مصرعے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو اولیائے کرام کے فیض اور صحبت سے محروم ہے، اسے ذکر حق سے وہ مراتب حاصل نہ ہوں گے جو فوائد کسی شیخ کی صحبت میں بیٹھنے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ گویا صحبت شیخ ایک اناڑی نا تجربہ کار انسان کے لئے فائدے کے اعتبار سے ذکر سے بہتر ہے۔ مولانا روئیؒ نے فرمایا کہ تمہارا فکر یا تصویر شیخ روح کی فکر ہے۔ تمہارا نقد کھوٹا ہے اور اس کا نقد کھرا ہے۔ تمہارا شیخ کے ساتھ اس قدر اتحاد ہونا چاہیے کہ اس میں اور تم میں کوئی فرق نہ رہے۔ ان کی خدمت میں لگے رہو، ورنہ تمہارا وہی حال ہوگا جیسے اژدھے کے منہ میں ریچھ کا حال، اگر مرد خدا اس کی مدد کو نہ پہنچتا تو یقیناً وہ ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح نفس کے پنجے سے نجات کا ملنا شیخ کی تعلیمات کے اثر سے ممکن ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”إِنَّ الشَّيْطَانَ ذَنْبُ الْإِنْسَانِ كَذَبُ الْغَنَمِ يَأْخُذُ لَشَاةٍ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاجِيَةَ“ یعنی شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جس طرح بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے۔ وہ الگ چرنے والی، دور رہ جانے والی اور کنارہ کشی کرنے والی بکری کو پکڑ کر لے جاتا ہے۔ (مسند احمد)

فکر تو نقش ست و فکرِ اوست جاں      نقد تو قلب ست و نقدِ اوست کاں  
تمہارا فکر تصویر ہے اور اس کا فکر روح ہے، تمہارا نقد کھوٹا ہے اور اس کا نقد مدنی (یعنی کھرا) ہے۔ (۱۹۳/۲)  
او توئی خود را بجو در اوائے او      کو و کو گو فاختہ شو موائے او  
(شیخ میں اور تم میں یہاں تک اتحاد ہو کہ گویا) وہ تم ہی ہو، پس اپنے آپ کو اس کی ہستی میں تلاش کرو اس کو اپنا نصب العین بنا کر فاختہ کی طرح کو کو بولا کرو۔ (۱۹۳/۲)  
در نخواہی خدمت ابنائے جنس      در دہان اژدہائی ہجو جنس  
اور اگر تم حضرات اہل اللہ کی خدمت کرنا نہ چاہو گے تو (یاد رکھو) تمہاری وہی مثال ہے جیسے اژدھے کے منہ میں ریچھ۔ (۱۹۳/۲)

پیر کی خدمت سے کنارہ کشی کرنے والا مرید شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔ مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا کے آلام اور غموں میں تمہارا سرخم نہ کیا جائے تو کسی بزرگ کے پاؤں میں آ جاؤ، اگرچہ تم بادشاہ ہو تب بھی اپنے مرتبے کا خیال نہ کرو اور ان کی ہم نشینی اختیار کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی میسر ہو۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا      گو نشیند در حضورِ اولیا  
جو شخص خداوند تعالیٰ کا ہم نشین بننا چاہے، اسے کہو کہ وہ اولیاء اللہ کے حضور میں بیٹھے۔ (۲۰۹/۲)

سر نخواہی کہ رود تو پائے باش در پناہ قطب صاحب رائے باش  
 اگر تم چاہتے ہو کہ سر نہ جائے تو ہم تن پاؤں بن جاؤ اور کسی قطب صحیح الرائے کی پناہ میں رہو۔ (۱۹۳/۲)  
 گرچہ شاہی خویش فوقی او مبیں گرچہ شہدی جز نبات او محیں  
 اگرچہ تم بادشاہ ہو مگر اپنے آپ کو اس (استاد یا شیخ) سے فائق نہ سمجھو، اگرچہ تم شہد ہو (مگر) اسی کے فیض کی شکر  
 چنتے رہو۔ (۱۹۳/۲)

تمہارا مرتبہ علم میں استاد سے اور کمالات باطن میں شیخ سے بڑھ جائے گا مگر اپنے آپ کو کبھی بھی اس پر ترجیح نہ  
 دو بلکہ اس کو اپنے آپ سے افضل سمجھو اور اس کی اتباع کرو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔  
 اے خدا ایں سنگدل را موم کن نالہء او را خوش و مرحوم کن!  
 الہی! اس سنگدل (مرید) کو رقت و نرمی میں مثل موم بنا دے! اس کے گریہ کو مبارک اور باعثِ رحمت بنا دے۔  
 (۱۹۳/۲)

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

(جو خدمت کرتا ہے، وہی مخدوم بنتا ہے)

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ طریقت میں بجز خدمتِ خلق اور کوئی چیز نہیں۔ اس میں عبادات کا مقصد یہی ہے  
 کہ بندہ خدمت کرنے کے قابل ہو جائے۔  
 طریقت بجز خدمتِ خلق نیست بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست  
 طریقت سوائے خدمتِ خلق کے اور کچھ نہیں اور یہ تسبیح، مصلیٰ اور گودڑی کا نام نہیں ہے۔  
 حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ عبادت اللہ کی ہوتی ہے اور خدمت اس کی مخلوق کی، اگرچہ یہ دونوں کام اللہ کے لئے  
 ہوتے ہیں مگر خدمت رائیگاں نہیں جاتی۔ عبادت کا معیار اس قدر بلند ہوتا ہے کہ کوئی بھی اس کے معیار پر پورا نہیں  
 اُتر سکتا۔ پھر بھی عبادت خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، ضائع ہو سکتی ہے۔ مگر خدمت خواہ کتنی ہی حقیر یا معمولی کیوں  
 نہ ہو، مقبول ہوتی ہے اور رد نہیں کی جاتی۔

خدمت کے مقام کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرامؑ کو خدمت کے لئے مامور  
 فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ”اے داؤد! جب تو میرے لئے کسی کو طالب دیکھے تو  
 اس کا خادم بن جا۔“ بَا دَاوُدْ اِذَا رَاَيْتَ لِيْ طَالِبًا مِّنْكَ لَكَ خَادِمًا (حدیثِ قدسی)  
 مولانا روٹی نے اس حدیث کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

ہر کرا بنی طالب اے پسر یار او شو پیش او انداز سر  
 اے بیٹے! اگر تو کسی کو میرا طالب دیکھے تو اس کا دوست بن جا اور اس کے سامنے اپنا سر رکھ دے۔



روایات میں ہے کہ حضرت علی فارمدیؓ مسجد میں آئے۔ اس وقت حضرت ابوالقاسم قشریؒ غسل خانے میں غسل فرما رہے تھے تو انہوں نے غسل خانے میں دو ڈول پانی کے ڈال دیئے۔ جب مسجد میں گئے تو حضرت ابوالقاسمؒ نے مصلیٰ پر بیٹھ کر دریافت فرمایا کہ غسل خانے میں پانی کس نے ڈالا تھا۔ حضرت ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں کہ میں پُپ رہا، حتیٰ کہ جب آپ نے تین بار پوچھا تو میں نے عرض کی کہ میں نے پانی ڈالا تھا۔ فرمایا کہ اتنی خدمت پر آپ نے ستر سال (۷۰) کی عبادت کا ثواب حاصل کر لیا ہے۔

مشائخ کا قول ہے کہ جو بھی خدمت کرتا ہے وہ مخدوم بن جاتا ہے پھر لوگ اس کی خدمت کرنے لگتے ہیں۔ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد آں کہ خود را دید او محروم شد جو بھی خدمت کرتا ہے وہ مخدوم بن جاتا ہے، جس نے اپنے آپ کو دیکھا تو وہ محروم رہ گیا۔ (مشائخ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ اور اسلام کی مال و منال سے اور دیگر طریقوں سے اس قدر خدمت کی کہ حضور ﷺ فرمایا کرتے کہ اگر کوئی دنیا میں چلتا پھرتا مردہ دیکھنا چاہتا ہے تو ابوبکر صدیقؓ کو دیکھ لے جو صدیقیت کی وجہ سے محشر میں لوگوں کے سردار ہوں گے۔ آپ کا ایمان اس قدر کامل تھا کہ پوری امت کے ایمان سے بڑھ کر آپ اکیلے شخص کا ایمان تھا۔ مولانا روٹیؒ فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد کو بہ بیند در زمیں مردہ را می رود ظاہر چہیں جو چاہے کہ زمین پر دیکھے مردے کو، جو بظاہر چل رہا ہے۔ (۸۷/۶) سر ابوبکر تقی را گو بہ ہیں شد ز صدیقی امیر الحشریں کہہ دو کہ وہ متقی ابوبکرؓ کو دیکھ لے، جو صدیقیت کی وجہ سے حشر والوں کے سردار ہوں گے۔ (۸۷/۶) اندر این نشاۃ نگر صدیق را تا ہشتر افزوں کنی تصدیق را تو اس زندگی میں صدیق کو دیکھ لے تاکہ حشر کی تصدیق میں اضافہ کر سکے۔ (۸۷/۶)

خواجگاں ایں بند گیہا کردہ اند

(آقاؤں نے درویشوں کی غلامیاں کی ہیں)

طریقت میں جو لوگ اولیائے کرامؒ کی خدمت کرتے ہیں تو ان کو اس بات پر فخر ہوتا ہے کہ یہ خدمت کا موقع انہیں نصیب ہوا ہے۔ ایک شخص کسی خلیفہ وقت کی مجلس میں حاضر ہوا تو دورانِ گفتگو خلیفہ نے کہا کہ تم بہت بداخلاق انسان ہو، تو اس نے کہا کہ میں بداخلاق کیسے ہو سکتا ہوں جب کہ مجھے حضرت جنیدؒ کی مجلس آدھے دن کے لئے حاصل کرنے کا موقع مل چکا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ جو شخص جنید بغدادیؒ کی مجلس میں رہا ہو وہ بداخلاق نہیں ہو سکتا۔ روایات میں ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ شریف کے قرب و جوار میں ہی تھے تو ایک جگہ لوگوں کا ہجوم ہو گیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے اور لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ

یہی ہیں۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا احساس ہوا تو آپ پنکھا لے کر حضور ﷺ کو جھلنے لگے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ آپ تو اُن کے خادم ہیں۔ (رسول عربی سیرت کی کتاب)

بزرگوں نے اسی طرح اپنے بزرگوں کی خدمت کی تاکہ ان کو خدمت یا غلامی کا شرف حاصل ہو جائے۔

خواجگاں ایں بندگیہا کردہ اند تا گماں آید کہ ایشان بردہ اند  
(اسی طرح سلسلہ طریقت یا درویشی میں) آقاؤں نے فقیروں کی غلامیاں کی ہیں، تاکہ (دیکھنے والوں کو) یہ گمان ہو کہ (یہ حضرات) غلام ہیں۔ (۱۳۹/۲)

مولانا روئی کے اس قول سے یہ مراد ہے کہ جو فی الحقیقت آقا ہوئے ہیں انہیں خاکساری کا طریقہ آتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے ہوئے ہیں اور بندے سے بندگی کے سوا اور کچھ وقوع میں نہیں آتا۔ اس کے بعد مولانا روئی فرماتے ہیں کہ اگر تم بھی کمال لازوال کے خواہاں ہو تو پختہ ہو جاؤ، پھر تم بھی خالی سے دور رہو گے اور حضرت برہان الدین محقق کی طرح سراپا نور بن جاؤ گے۔ اگر تم اپنے آپ سے نکل گئے تو خود کو دیکھنے سے بچ جاؤ گے اور برہان الدین ثانی یا پھر صلاح الدین زرکوب بن جاؤ گے۔

پنج انگورے دگر غورہ نشد پنج میوہ پختہ باگورہ نشد  
کوئی انگور (پک چکنے کے بعد) دوبارہ کچا نہیں بن سکتا، کوئی میوہ دوبارہ خام نہیں ہو سکتا۔ (۱۳۴/۲)

پختہ گرد و از تغیر دور شو ردو چو برہان محقق نور شو  
اگر تم بھی کمال لازوال کے خواہاں ہو تو پختہ ہو جاؤ اور پھر تغیر (خالی) سے دور ہو جاؤ گے، جاؤ حضرت برہان الدین محقق کی طرح (سراپا) نور بن جاؤ (جس پر دوبارہ ظلمت کی دسترس نہیں ہو سکتی)۔ (۱۳۴/۲)

چوں زخود رتی ہمہ برہاں شدی چونکہ گفتی بندہ ام سلطان شدی  
جب تم اپنی خودی سے چھوٹ جاؤ گے تو مجسم برہان الدین (ثانی) بن جاؤ گے جب تم (کمال عبودیت پر فائز ہونے کے بعد) کہو گے کہ میں بندہ ہوں تو اس وقت تم (اقلیم ولایت کے) سلطان ہو جاؤ گے۔ (۱۳۴/۲)

ور عیاں خواہی صلاح الدین نمود دیدہا را کرد پینا و کشود  
اگر علانیہ (اس کا ثبوت) چاہتے ہو تو شیخ صلاح الدین (زرکوب) نے دکھا دیا ہے کہ انہوں نے آنکھوں کو پینا کر دیا ہے۔ (۱۳۴/۲)

در تن کنجشک چہ بود برگ و ساز

(چڑیا کے پوٹے میں کون سی بڑی چیز ہے)

ایک بزرگ کے سامنے عام لوگوں کی کیا حیثیت ہے، ایک بڑا عالم فاضل انسان جو آسمان پر چل سکتا ہے اس کے لئے مخلوقات کے بھید معلوم کرنا کیا مشکل ہے؟ اس حقیقت پر احادیث بھی وارد ہیں۔ کہا گیا ہے کہ جب



اولیاء کرامؑ کے پاس جاؤ تو دل میں ایسی کوئی بُری بات لے کر نہ جاؤ کیونکہ وہ دل کی بات کو بھی جانتے ہیں (مشائخ کا قول ہے کہ ”إِنَّهُمْ جَوَاسِبُ الْقُلُوبِ“ اولیاء دلوں کے جاسوس ہیں)۔ مولانا روئیؒ فرماتے ہیں ۛ

درتنِ گنجشک چہ بود برگ و ساز کہ شود پوشیدہ آں بر عقلِ باز

چڑیا کے بدن میں کہاں کا (بے پایاں) ساز و سامان ہوتا ہے، جو باز کی عقل سے پوشیدہ رہے۔ (۱۳۸/۲)

اولیاء حضرات بہ منزلہ شہباز ہیں اور عوام گویا چڑیا ہیں۔ باز جس چڑیا کو چاہے چیر پھاڑ کر اس کے اندر کا سب دانا دُکا معلوم کر سکتا ہے۔ اس کے لئے یہ معاملہ کیا مشکل ہے۔ اسی طرح یہ حضرات اولیاء، لوگوں کے خواطر اور ضمائر معلوم کر سکتے ہیں۔

آنکہ واقفِ گشت بر اسرارِ ہو سرِ مخلوقات چہ بود پیشِ او

جو (بزرگ) ذاتِ باری تعالیٰ کے اسرار سے واقف ہو جائے، اس کے سامنے مخلوقات کا بھید معلوم کرنا کیا (مشکل) ہے۔ (۱۳۸/۲)

آنکہ بر افلاک رفتارِ بود بر زمین رفتن چہ دشوارِ بود

جس (باکمال) کی رفتار آسمانوں پر ہو، اس کو زمین پر چلنا کیا مشکل ہے۔ (۱۳۸/۲)

مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ ان بزرگوں کی طاقت کا اندازہ عام انسان نہیں لگا سکتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اگرچہ انسان ہی تھے مگر ان کے ہاتھ میں لوہا بھی موم بن جاتا تھا۔ حضرت لقمان علیہ السلام اپنے دنیاوی آقا کا بڑا احترام کرتے تھے۔ خود مولانا روئیؒ اپنے مرید حسام الدینؒ کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ان کے اس احترام کے باعث بعض لوگ حسام الدین کو ہی پیر سمجھتے تھے، جب کہ حسام الدینؒ مولانا روئیؒ کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ سردی کی راتوں کو دو بجے بھی اگر وضو کرنا ہوتا تو اپنے گھر جا کر وضو کرتے، حالانکہ ان کا گھر مولانا کے گھر سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کے متعلق مولانا رومؒ کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں ۛ

در کفِ داؤد کاہنِ گشتِ موم چہ بود در کفِ او اے ظلوم

(جب) حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا بھی موم (کی طرح نرم) ہو گیا تو اے ظالم! اس ہٹ دھرم موم (کی) کیا (حقیقت) ہے، جو ان کے ہاتھ میں نرم نہ ہو۔ (۱۳۸/۲)

بود لقمان بندہ شکلِ خواجہ بندگی بر ظاہرِ دیباچہ

(غرض) حضرت لقمان خواجہ کی شکل میں غلام تھے، غلامی ان کے ظاہر (حال) کی صرف ایک عنوان تھی۔ (۱۳۹/۲)

مسجدے کاں اندرونِ اولیاء ست

(وہ مسجد جو اولیاء کے دل میں ہوتی ہے)

حضرت سلطان باہوؒ نے ایک عارف کے دل کے متعلق فرمایا ہے کہ اس میں سمندر سے بھی گہرا پانی ہے ۛ

دل دریا سمندروں دُوبنگے کون دلاں دیاں جانے ھو  
وچے بیڑے، وچے جھیڑے، وچے ونجھ موہانے ھو  
چوداں طبقِ دلے دے اندر تنبو وانگوں تانے ھو  
جو دلدا محرم ہوئے باہو سویو رب پچھانے ھو

ان اشعار کی تشریح تو بے حد طوالت طلب ہے، مگر مختصراً یہ ہے کہ دل کی باتوں کو سمجھنا کوئی آسان بات نہیں۔ اس میں بیڑے اور کشتیاں ہیں، جن میں سواری کی جاتی ہے اور کشتی میں بیٹھ کر قدرت کے مناظر کی بھی سیر ہوتی ہے۔ اس دل میں دُنیا کے فساد جھگڑے اور مصائب بھی نظر آتے ہیں اور ان مشکلات کو حل کرنے کے راستے بھی اس کے اندر ہی ہوتے ہیں۔ اس دل میں چودہ طبق (ناسوت، ملکوت، جبروت، لاهوت اور ھو کے علاوہ اور بھی بہت سے طبقات ہیں) جن کا عارف اپنے دل میں نظارہ کرتا ہے۔

دل دریا سمندروں ڈونگا غوطہ مار غواصی ھو  
جے دریا ونج نوش نہ کیئا رہ سی جان پیاسی ھو  
ہر دم نال اللہ دے رکھن ذکر فکر کچھ آسی ھو  
اس مرشد تھیں زن بہتر باہو جو فند فریب لباسی ھو

ان اشعار سے مراد یہ ہے کہ یہ چودہ طبقات دل میں شامیانوں کی طرح اُوپر نیچے پھیلے ہوئے ہیں اور جو لوگ دل کے محرم ہیں، وہی لوگ اپنے رب کے محرم اور اس کو پہچاننے والے ہیں۔

اُوپر دیے گئے اشعار میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ اس سمندر میں غوطہ لگا کر قدرت کے کارخانوں کی غواصی کرو، جس نے اس دریا سے پانی نہیں پیا اور غواصی نہیں کی تو وہ رُوح کے مناظرِ قدرت اور ملکوتِ سموات کے علم سے بے بہرہ رہے گا۔ جو گنہگار لوگ ہیں وہ ذکر و فکر نہیں کر سکتے اور وہ ان سمندروں کے خزانوں سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ یہ لوگ اس لئے بے بہرہ رہتے ہیں کہ ان کے پیر صرف لہادہ اوڑھے ہوئے ہیں اور ان کو ان کے اِسرار کی کچھ خبر نہیں دیتے۔

دلوں کی دُنیا کو سمجھنا بہت مشکل امر ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اولیائے کرامؒ جو کچھ دیکھتے ہیں، اپنے اندر (دل میں) ہی دیکھتے ہیں کیونکہ دلوں کی دُنیا میں ہر شے موجود ہے۔ انسان اگر اپنے اندر رُوحانی قوت اس حد تک پیدا کر لے تو اس کو اُنفس (انسانی دل میں نظر آنے والا ظاہر اور باطن) اور آفاق (یعنی کائنات میں جو کچھ ظاہر و باطن ہے) کی سیر ہو سکتی ہے اور ان سے بطریق کشف و شہود آگاہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ یہ عالم حقیقتِ انسانی کا ہی تفصیلی مظہر ہے، اس لئے جو آفاق میں تفصیلی طور پر موجود ہے وہ اُنفس میں اجمالی (یعنی مختصر طور پر) دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ تمام کائنات میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اسے اللہ تعالیٰ



نے مختصر خلاصے کی طرح انسان کے اندر بھی منعکس کر دیا ہے اور اگر بصیرت قلبی ہو تو اپنے اندر ہر اس چیز کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو آفاق میں موجود ہے اور جو اس اجمالی شے کا ملاحظہ کر سکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی قوتوں کو پہچاننے لگتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ زندگی سراسر اسی مجاہدے اور کوشش کا نام ہے۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ اولیاء کے دلوں کے اندر موجود ہے وہ ایک دنیاوی مسجد میں کہاں ہے۔ اولیائے کرامؒ کے دلوں میں ہر چیز موجود ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بھی موجود ہے اور تمام لوگ اسی خدا کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ وہ مسجد جس میں اللہ موجود ہے، وہ اولیائے کرامؒ کے دلوں میں موجود رہتی ہے۔

اہلہاں تعظیم مسجد میکند در جہائے اہل دل جد میکند  
بے وقوف لوگ مسجد کی تعظیم کرتے ہیں (کیونکہ یہ خانہ خدا ہے) اور اہل دل کو ستانے پر کمر بستہ ہیں۔ (۲/۲۹۳)  
جو لوگ ان اولیائے کرامؒ سے گستاخانہ انداز سے پیش آتے ہیں ان کو معلوم ہی نہیں کہ ان کے باطن میں کون بس رہا ہے اور کس کی تجلی سے ان کے انوار درخشاں ہیں، اگر وہ یہ جانتے تو ان کو یہ جرأت نہ ہوتی۔

آں مجاز ست ایں حقیقت اے خراں نیست مسجد جز درون سراں  
اے گدھو! وہ مجاز ہے، یہ حقیقت ہے، بزرگوں کے دل کے علاوہ اور کوئی مسجد نہیں ہے۔ (۲/۲۹۳)  
مسجدے کاں اندرون اولیاء ست سجدہ گاہ جملہ است آنجا خدا ست  
وہ مسجد جو اولیاء کے باطن میں ہے، تمام مخلوق کے لئے سجدہ گاہ ہے، (کیونکہ) وہاں خدا (کے انوار جلوہ گن) ہیں۔ (۲/۲۹۳)

اندرون اولیاء مسجد ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اولیاء کرامؒ کے قلوب کی یہ حیثیت ہے کہ اس کی ہر شے تابع ہوتی ہے، یہی کیفیت بعض مرتبہ بہ شکل سجدہ نظر آتی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کے قلوب تو وہ ہیں جن کے لئے تمام مخلوق کو تابع فرمان بنا دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم ظاہری بیت اللہ کی اس قدر عظمت کرتے ہیں اور دل کے اس حقیقی بیت اللہ کے ساتھ یہ افسوس ناک برتاؤ۔ افسوس صد افسوس ہوتا ہے۔ (کلید مشنوی)

کم نگردد فضل استاد از علو گر الف چیزے ندارد گوید او  
کسی استاد کی بزرگی (شاگرد کی) برتری سے کم نہیں ہو جاتی، اگرچہ وہ (کسی بچے کو پڑھاتے وقت) یہ کہے۔ الف خالی (ب کے نیچے ایک نقطہ اور ت کے اوپر دو نقطے) (۲/۳۱۲)

اگر ایک بچے کو سبق سمجھانے کے لئے ابتدا سے ہی فاضلانہ تقریریں شروع کر دیں تو بس وہ پڑھ چکا، بلکہ صحیح طریقہ تعلیم یہی ہے کہ بچے کو سبق پڑھاتے وقت تھوڑی دیر کے لئے خود بچہ بن جائیں اور اسی کی سی سادہ گفتگو، چھوٹے فقرے اور آسان بولی استعمال کی جائے۔

آں مُرید شیخ بد گویندہ را      آں بکفر و گمراہی آگندہ را  
گفت تو خود را مزن بر تیغ تیز      ہیں مکن با شاہ و با سلطان ستیز  
شیخ کے اس مرید نے اس معترض بدگو، لبریز کفر و گمراہی کو کہا تو اپنے آپ کو تیز تلوار سے نہ بھڑا (وہ کاٹ کر رکھ دے گی) خبردار! بادشاہ و سلطان سے جنگ نہ چھیڑ۔ (ورنہ پس جائے گا) (۳۱۲/۲)

حوض با دریا اگر پہلو زند      خویش را از تیغ ہستی بر کند  
یہ قاعدہ ہے کہ اگر حوض دریا سے ٹکرائے گا تو اپنی ہستی کو برباد کر لے گا (تو ایک حوض ہے اور وہ دریا ہے)۔ (۳۱۲/۲)  
نیست بحرے کو کراں دارد کہ تا      تیرہ گردد اُو زمردارِ شا  
مگر وہ ایسا دریا نہیں ہے جس کا کوئی کنارہ ہو، تاکہ تمہارے مردار سے اس کا پانی گدلا ہو جائے۔ (۳۱۲/۲)

کفر را حدست و اندازہ بدال      شیخ و نور شیخ را نبود کراں  
کفر کی ایک حد اور ایک انداز ہوتا ہے (مگر) سمجھ لے کہ شیخ اور شیخ کے نور کی کوئی انتہا نہیں۔ (۳۱۲/۲)

پیش بجد ہرچہ محدودست لاست      کُلّ شئی غیّر وَجہ اللہ فاست  
اس ذات (بے حد و غایت) کے سامنے ہر چیز محدود ہے، نابود ہے (یعنی) ہر چیز جو اللہ کے سوا ہے فانی ہے۔  
(۳۱۲/۲)

جب اس بندہ خاص کو حق تعالیٰ کے ساتھ اصطلاحاً اتحاد و عینیت حاصل ہو گئی اور وہ مخلق باخلاق اللہ ہو چکا تو جس طرح حق تعالیٰ کے سامنے ہر چیز فانی و نابود ہے، اس بندے کے لئے بھی تمام امور حتیٰ کہ معاصی بھی فانی و نابود ہیں۔ لہذا وہ ان کی وجہ سے عاصی نہیں کہلا سکتا اور نہ اس پر اس کے احکام ظاہر جاری ہو سکتے ہیں ”یاد رکھو ہر چیز اللہ کے سوا باطل ہے اور ہر نعمت ضرور زائل ہونے والی ہے۔“

کفر و ایمان نیست آنجائیکہ اوست      زانکہ اُو مغزست ایں دو رنگ و پوست  
جس مقام پر وہ (فائز) ہے وہاں کفر نہیں ہے کیونکہ وہ تو مغز ہے اور یہ دونوں (یعنی کفر و ایمان) رنگ اور پوست ہیں۔ (۳۱۲/۲)

پھل کا رنگ اور پوست باہر ہی باہر ہوتا ہے، مغز اندر سے صاف اور سفید نکلتا ہے۔ اسی طرح یہ حضرات جس مقام پر اس وقت ہیں، وہاں کفر و ایمان کا دخل نہیں یعنی کفر اور ایمان افعال عباد سے ہیں اور یہ بزرگ بوجہ عینیت ان افعال عباد سے بے تعلق ہو چکے ہیں بلکہ خود ان کے افعال بھی اصطلاحاً افعال حق قرار پا چکے ہیں، لہذا ان کو اس مرتبہ میں نہ کافر کہہ سکتے ہیں نہ مومن اور نہ ان پر احکام ظاہری جاری ہو سکتے ہیں۔ حضرت بلّھے شاہؒ نے اسی

لئے فرمایا تھا ”نہ میں مومن و نہ مسیتی، نہ میں کافر و نہ چلیتی“ مولاناؒ فرماتے ہیں ۔



آں امیر از بندگان شیخ بود شیخ را شناخت و سجدہ کرد زود  
وہ امیر شیخ کے غلاموں میں سے تھا (جو آپ کے ایام سلطنت میں آپ کا مملوک تھا) اس نے شیخ کو پہچان لیا اور فوراً  
شاہی آداب بجالایا۔ (۳۰۲/۲)

شیخ واقف گشت از اندیشہ اش شیخ چوں شیر ست و دلہا بیشہ اش  
شیخ بھی اس کے خیال سے آگاہ ہو گئے (کیونکہ) شیخ کامل شیر کی مانند (ہوتا) ہے اور لوگوں کے دل (گویا) اس  
کے جنگل ہیں کہ ان میں پھرتا اور ان کے خیالات سے آگاہ ہوتا رہتا ہے۔ (۳۰۳/۲)

چوں رجا و خوف در دلہا رواں نیست مخفی بر وئے اسرارِ نہاں  
(شیخ) اُمید و غم کی طرح (لوگوں کے) دلوں میں چلتا رہتا ہے، (حتیٰ کہ دلوں کے) چُھپے بھید بھی اس پر مخفی نہیں  
رہتے۔ (۳۰۳/۲)

شیخ کو لوگوں کے دلوں کا علم باعلام حق ہوتا ہے نہ کہ بالاستقلال، ورنہ ایسا عقیدہ مٹی پر کفر ہوگا۔ نیز شیخ کی یہ  
حالت احیاء ہوتی ہے نہ کہ دائماً اور بالاستمرار، ورنہ یہ عقیدہ بھی خلاف اسلام ہے۔

### دیدن آخر لقائے اصل بد

(آخری (مرشد) کو دیکھنا گویا اصل (حضور ﷺ) کو دیکھنا ہے)

ایک حدیث شریف میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ”خوشی کی خبر ہے اس شخص کے لئے، جس نے میری زیارت  
کی یا میرے صحابی یا تابعین یا تبع تابعین کی زیارت کی ہو۔“ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى  
”یعنی جس نے مجھے دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا“ (اکامل امام ابن عدی جلد ۴ ص ۱۵۵) ایک حدیث شریف میں  
یہ بھی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر کرتا ہے جس کا دل دُنیا سے خالی ہو اور پھر اس کی طرف جو اس شخص  
کے دل میں ہو اور پھر قرابت دار جو اس کے دل میں ہوں۔“

مشارح کرام اور مولانا روٹی کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ سلسلہ بیعت کچھ اس طرح سے ہوتا ہے کہ ایک شخص اگر کسی  
شیخ کی بیعت کرتا ہے تو شیخ کا ہاتھ بھی اس کے بیعت کرنے والے شیخ کے ہاتھ میں ہوتا ہے، حتیٰ کہ آخری شیخ کا  
ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں سلسلہ وار ہاتھ میں ہاتھ ہونے سے یہ مراد ہے کہ سلسلہ بیعت  
میں سب سے آخری شخص کا ہاتھ بھی گویا رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ مولانا روٹی نے مثال اس طرح  
دی ہے کہ ایک شمع سے اگر ایک چراغ جلایا جائے تو پھر اس طرح ہزاروں چراغ در چراغ جلائے جائیں تو آخری  
دیے میں پہلی شمع کی روشنی موجود ہوتی ہے۔ اس مثال سے یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ روشنی کی ابتدا ہی جب  
حضور ﷺ کی شمع سے ہوئی تو گویا سب سے آخری بیعت کرنے والے کے چراغ میں حضور ﷺ کی شمع کی روشنی  
موجود رہتی ہے۔

گفت طُوبٰی مَنْ رَآنِیْ مُصْطَفٰی ﷺ وَالَّذِیْ یُنْصِرُ لِمَنْ وَجْهَیْ یَرَاۤیْ  
حضرت مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”طُوبٰی مَنْ رَآنِیْ اَوْ رَاۤیْ مِنْ رَآنِیْ“ یعنی مبارک ہے وہ شخص جو میری زیارت کرے یا اس شخص کی زیارت کرے جس نے میری زیارت کی ہو۔ (۲۱۴/۱)

پُوں چراغے نورِ شمع را کشید ہر کہ دید اں را یقین آں شمع دید  
جب ایک چراغ نے کسی شمع سے نور حاصل کیا ہو تو جس نے اس (چراغ) کو دیکھا تو یقیناً اس نے پہلی شمع کو دیکھا۔ (۲۱۴/۱)

مطلب یہ ہے کہ اسی طرح اگر سو چراغوں تک بھی روشنی ایک دوسرے سے منتقل ہوتی جائے تو آخری (چراغ) کو دیکھنا سب سے پہلے چراغ کو دیکھنے کے برابر ہوگا۔

نکتہ! اسی طرح بیعت طریقت کے مشہور چاروں سلاسل میں سے کسی سلسلے کے بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کی تو گویا اس نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کے ساتھ ملایا کیونکہ اس نے اپنے پیر کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا ہے اور اس کے پیر نے اپنے پیر کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا تھا۔ اسی طرح یہ سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے، پس اس مرید نے ایسے ہاتھ کو چھوا ہے جو تواتر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کو چھونے کی فضیلت حاصل کر چکا ہے۔ ”فَاَیْنَمَا تَوَلَّوْا فَكُنْمْ وَجْهَ اللّٰهِ“ تم جہر منہ کرو گے اللہ کے چہرے کو ہی دیکھو گے۔ مراد یہ ہے کہ ”دید پیر دید کبریا“ یعنی پیر کو دیکھنا اللہ کو دیکھنا ہے کیونکہ بیعت کا منہا اللہ تعالیٰ پر ختم ہوتا ہے۔

بچیں تا صد چراغ از نقلِ خُدی دیدن آخر لقائے اصلِ بد  
اسی طرح اگر وہ (روشنی) سو چراغوں میں منتقل ہو تو آخری کا دیکھنا اصل کے دیکھنے کے برابر ہے۔ (۲۱۴/۱)

خواہ از نورِ پسین بستاں تو آں ، بچ فرقی نیست خواہ از شمع داں  
خواہ اس روشنی کو تم آخری (چراغ کے) نور سے حاصل کرو یا شمع سے دونوں صورتوں میں سمجھو، کوئی فرق نہیں۔ (۲۱۴/۱)

ہچو موسیٰؑ زیرِ حکمِ خضرؑ رو

(موسیٰؑ کی طرح خضرؑ کے حکم پر چلو)

ایک شعر میں مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے خضر علیہ السلام کے پاس حکمت اور رشد کی باتیں سننے کے لئے گئے تھے تو خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ ”تم ہماری باتوں کو سمجھ نہیں سکو گے۔“ فرمایا کہ ”اگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو میری باتوں میں سے کسی بات میں دخل نہ دینا، یہاں تک کہ میں خود ان باتوں کے متعلق تم کو بتاؤں۔“ موسیٰ علیہ السلام نے یہ شرط قبول کر لی مگر



تین واقعات میں سے تینوں پر وہ صبر نہ کر سکے اور تینوں باتوں پر سوالات کئے اور باوجود وعدہ کرنے کے صبر نہ کر سکے۔ تیسری بار حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ”آپ صبر نہ کر سکیں گے اس لئے آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ حقیقت یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اعتراضات اس لئے کئے تھے کہ وہ کام شریعت ظاہر کے خلاف تھے، پھر بھی کسی حکمت کے تحت وہ جائز بھی تھے یا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت وہ ٹھیک تھے۔ ان واقعات کا اظہار علامہ اقبالؒ نے یوں فرمایا ہے ۔

”کشتیء مسکین“ و ”جان پاک“ و ”دیوارِ یتیم“ علم موسیٰؑ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش  
حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کے لئے یہ تینوں واقعات باعثِ حیرت تھے مگر علم حاصل کرنے کے لئے آپ نے خضر علیہ السلام کی پیروی کو قبول کیا۔ اسی طرح مولانا روٹیؒ فرماتے ہیں کہ طریقت میں جب پیر پکڑو تو موسیٰؑ علیہ السلام کی طرح اس کے حکم کو بلا چوڑ و پُرا تسلیم کرو۔ مرشدِ کامل خواہ کچھ کرے اور اس کے اقوال و افعال گو بظاہر موردِ اعتراض ہی ہوں، مرید کو لازم ہے کہ ان پر معترض نہ ہو بلکہ اسے ان کی تاویل و توجیہ مرشد سے دریافت کر کے اپنے دل کو مطمئن کر لینا چاہیے کیونکہ بعید نہیں کہ ان افعال و اقوال کی تہ میں ایسی مصالح مضمر ہوں، جن کا نظر ظاہر سے ادراک نہیں ہو سکتا، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے غریب ملاحوں کی ایک کشتی توڑی اور آگے جا کر ایک معصوم بچے کو قتل کر ڈالا، گو حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی نظر میں ان کے یہ دونوں فعل بموجب شریعت موردِ اعتراض تھے مگر ان کی تہ میں عجیب حکمتیں پوشیدہ تھیں۔ کشتی کے توڑنے میں یہ حکمت تھی کہ اس وقت ایک ظالم بادشاہ کے حکم سے تمام ملاحوں کی کشتیاں جنگ کے لئے ضبط ہونے والی تھیں مگر جب ان غریب ملاحوں کی کشتی کو شاہی ملاح نے دیکھا تو اس کشتی کو شکستہ دیکھ کر چھوڑ گیا۔ بچے کو مار ڈالنے میں یہ نکتہ ملحوظ تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر ایک بدکار اور بد اعمال جوان بننے والا تھا اور اس کے والدین نیک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس فرزندِ ناخلف کے شر سے بچا لیا اور اس کی جگہ ایک نیک صالح فرزند عطا فرمایا۔ اسی طرح کاملین کا بھی ہر فعل کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس پر حیران اور بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔ لہذا اس واقعہ کو مولانا رومؒ اپنے اشعار میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن گرچہ طفلی را کشد تو مومن  
اگرچہ وہ کشتی کو توڑ ڈالنے والے ہوں تو تم دم نہ مارو، وہ کسی بچے کو مار ڈالنے والے ہوں تو تم رنج نہ کرو۔ (۳۱۱/۱)  
دستِ اورا حق چو دستِ خویش خواند تَائِدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہُمْ براند  
اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ کو (بواسطہ رسول اللہ ﷺ کے) اپنا ہاتھ فرما دیا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہونے کا حکم مترتب کیا۔ (۳۱۱/۱)

از ہمہ طاعات اینت لائق است سبقِ یابی بر ہر آں کو سابق ست  
یہ تمہارے لئے تمام طاعتوں سے زیادہ مناسب ہے کہ تم ہر پیش قدمی کرنے والے سے آگے بڑھ جاؤ گے۔ (۳۱۱/۱)

چوں گرفتگی پیر ہیں تسلیم شو ہچو موسیٰ ز پر حکمِ خضرِ رو  
جب تم کسی کے مرید ہو جاؤ تو ہم تن تسلیم بن جاؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت خضر علیہ السلام کے حکم میں چلو۔ (۳۱۱/۱)

صبر کن بر کارِ خضر اے بے نفاق تا نہ گوید خضر رو هذا فراق  
اے غلط! تم خضر (مرشد) کے کام پر صبر کرو تا کہ وہ یوں نہ کہہ دے کہ جاؤ اب تمہارا ہم سے فراق ہے۔ (۳۱۱/۱)  
گر خضر در بحر کشتی را شکست صد درستی در شکستِ خضر ہست  
اگر خضر علیہ السلام نے دریا میں کشتی کو توڑ ڈالا تھا (تو) خضر کے توڑ ڈالنے میں بھی سینکڑوں مرتبیں (خفی) ہیں۔ (۵۵/۱)  
وہم موسیٰ با ہمہ نور و ہنر خُدا ازاں محبوب تو بے پر ہنر  
(اس کا راز تم کیا سمجھو) خود موسیٰ کا نورانی اور خوبیوں بھرا خیال بھی اس کے سمجھنے میں در پردہ رہا، (پس) تم بے پر کی نہ اڑاؤ۔ (۵۵/۱)

جب قدرت کے مخفی اسرار کا یہ عالم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولو العزم پیغمبر اپنے سے کم رتبہ نبی خضر علیہ السلام کے فعل کی حکمت کو نہ سمجھ سکے تو تم کم رتبہ ہو کر بڑے لوگوں کے اسرار کا انکار کیوں کرتے ہو۔  
حضرت خضر علیہ السلام کے علم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم ظاہراً و باطناً افضل و اکمل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علمی نور و ہنر کی شان بمقابلہ حضرت خضر علیہ السلام کے بڑھ کر تھی اور جیسی تو ان کا اسرارِ خفییہ سے خالی الذہن ہونا باعثِ عبرت ہے، ورنہ اگر حضرت خضر علیہ السلام کا علم اعلیٰ یا واسع ہوتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ادنیٰ و اقل علم پر غالب آ جاتا تو ہمارے لئے کوئی مایہِ عبرت نہ تھا۔ یہ کہنا کہ مذکورہ روایت کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام علمِ باطن میں حضرت خضر علیہ السلام سے کم ثابت ہوئے، یہ محض سوء فہم ہے۔ جب شریعتِ علمِ ظاہر و باطن کا مجموعہ ٹھہری تو کوئی رسولِ اولو العزم جو صاحبِ شریعت ہو، جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، علمِ باطن میں کسی نبی سے پیچھے نہیں رہ سکتا لیکن قتل بھی اور شکستِ کشتی اور تعمیرِ جدار (دیوار) کی حکمتوں میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لاعلم رہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک رسولِ صاحبِ شریعت کے لئے یہ امر ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام جزئیات کی حکمتوں پر حاوی ہو۔  
حضرت خضر علیہ السلام بعض مجبوری حالات میں اصلاحِ الناس پر مامور تھے۔ بعض علماء صوفیہ اب بھی ایسے ہیں کہ جن کو منفرد واقعات کے متعلق خاص انکشافات و الہامات ہو جاتے ہیں اور یہ مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے رسولِ گرامیِ قدر و صاحبِ کتاب و عاملِ شریعت کے مقام سے افضل نہیں ہو سکتا۔

دستِ حق میرانشِ زندہش کند زندہ چہ بود جانِ پائیدہش کند

(تو اس بچے) کو اللہ کا ہاتھ ہی مارتا ہے (اور) اس کو زندہ کرتا ہے، زندہ کیا (بلکہ) اس کو ابدی زندگی بخشا ہے۔



ہجرت کے چھٹے سال آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ طہیت حج کرنے کی نیت سے مکہ معظمہ کا قصد کیا، چونکہ جنگ اور معرکہ کا ارادہ نہ تھا اس لئے کوئی سامان جنگ ساتھ نہ لیا بلکہ صرف قربانی کے اونٹ ہمراہ لئے اور سفر بھی ذیقعد کے مہینے میں کیا، جس میں عرب ہرگز جنگ نہیں کرتے تھے اور ہر ایک دشمن بلا مزاحمت کے میں آنے جانے کا مجاز سمجھا جاتا تھا۔ جب مکہ نو میل رہ گیا تو آپ ﷺ نے مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا اور حضرت عثمان بن عفانؓ کو سفیر بنا کر اہل مکہ کے پاس بھیجا کہ آپ کے آنے کی انہیں اطلاع پہنچائیں اور مکہ میں آنے کی ان سے اجازت حاصل کریں۔ حضرت عثمانؓ کے جانے کے بعد مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قریش نے ان کو قتل کر دیا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس بے سرو سامان جمعیت سے جان نثاری کی بیعت لی کہ اگر قریش سے لڑنا پڑے تو ثابت قدم رہیں گے۔ اس بیعت کا ذکر قرآن مجید میں سورہ الفتح میں آیا ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ”يَذَلِّلُ اللّٰهَ فَوْقَ اَيِّدِيْهِمْ“ کی رو سے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے، چونکہ حضرت خضر علیہ السلام پیغمبر تھے تو ان کا ہاتھ بھی اللہ کا ہاتھ ہوا، لہذا ان کا ایک بچے کو قتل کرنا گویا خود اللہ کا فعل ہے جو قابل اعتراض نہیں ہو سکتا، پھر فرماتے ہیں کہ ایسے ہاتھ سے قتل ہونا گویا جی اٹھنا ہے۔ راہ سلوک کے طے کرنے کے لئے کسی مرشد کامل کی رہنمائی ضروری ہے۔ صرف اپنی رائے و قیاس سے طریقت کو بجالانے کی کوشش کرنا اور کتب تصوف کا مطالعہ کر کے اشغال و اعمال سلوک میں مصروف ہونا غیر مفید بلکہ بعض اوقات مضر و مہلک ہوتا ہے۔

کامتحان کردیم مارا کے رسد امتحان تو اگر نبود حد  
جادوگروں نے کہہ دیا کہ حضرت! ہم نے آپ کی آزمائش کی تھی کہ آپ جادوگر ہیں یا نبی اور یہ غلطی ہم سے کم بخت  
حد نے کروائی، حد نہ ہوتا تو ہمیں آپ کی آزمائش سے کیا سروکار تھا۔ (۱۲۶/۳)

مجرم شاہیم و مارا عذر خواہ اے تو خاص الخاص درگاہ الہ  
(ہم شاہ حقیقی حق تعالیٰ شانہ) کے مجرم ہیں، آپ ہمارے لئے عذر خواہی فرمائیے، آپ تو درگاہ خدا کے خاص الخاص  
(مقرب) ہیں۔ (آپ کی سفارش کیوں نہ قبول ہوگی) (۱۲۶/۳)

عفو کرد و در زماں نیکو شدند پیشِ موسیٰ بر زمیں سر می زدند  
(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو) معاف کر دیا تو فوراً وہ اچھے ہو گئے (اور بطور عذر مزید) حضرت موسیٰ علیہ السلام  
کے آگے جھکے اور دوہرے ہونے لگے۔ (۱۲۶/۳)

در گزر از ما کہ ما کردیم بد اے ترا الطاف و فضل بے عدد  
اور کہتے تھے کہ یا حضرت! ہم سے درگزر فرمائیے، بے شک ہم نے بُرا کیا، آپ کی تو مہربانیاں اور بخششیں بے شمار  
ہیں۔ (۱۲۶/۳)

گفت موسیٰ عفو کردم اے کرام گشت بر دوزخ تن و جاں تاں حرام  
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے شریفو! میں نے معاف کیا، تمہارے جسم و جاں پر آگ حرام ہے۔ (۱۲۶/۳)  
موسیٰ و فرعون در ہستیء ثست باید ایں دو خصم را در خویش بُست  
موسیٰ اور فرعون خود تمہاری ہستی کے اندر موجود ہیں، ان دونوں حریف طاقتوں کو خود اپنے اندر تلاش کرو۔ (۱۲۷/۳)  
مولانا رومؒ فرماتے ہیں، چنانچہ تمہاری روح انسانی موسیٰ علیہ السلام ہے، عقل معاد ہارون ہے، قرآن مجید عصا ہے، نور توحید ید بیضا ہے، نفسِ امارہ فرعون ہے، عقلِ معاش ہامان ہے، فسق و فجور اور عصیان و طغیان کے خیالات جادوگر ہیں۔ اگر تم موسیٰ (روح) کا اتباع کرو گے تو عقل معاد کو مشیر بناؤ گے، عصا قرآن اور ید بیضا کو نور اور نور توحید کو برحق سمجھو گے اور فرعونِ نفس کی تحقیر و تذلیل کرو گے، عقلِ معاش کی گرویدگی سے بچو گے، فسق و فجور کے خیالات سے دل کو پاک رکھو گے تو حاصل باللہ ہو جاؤ گے اور اگر اس کے خلاف کرو گے تو تمہاری کشتیء نجات کا خدا حافظ ہے۔  
تا قیامت ہست از موسیٰ نتاج نور دیگر نیست دیگر خُذ سراج  
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس نور کا سلسلہ قیامت تک کے لئے چل رہا ہے۔ نور سب میں ایک ہے، دوسرا نہیں۔  
ہاں! چراغ دوسرا ہو جاتا ہے۔ (۱۲۷/۳)

مولانا رومیؒ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اژدھا کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ جادو کرنا حرام ہے لیکن اس جادو کے فعل سے دو جادوگر جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لئے بلائے تھے، اسلام کے شرف سے مشرف ہو گئے۔ ان کا قصہ بہت دلچسپ اور رُوحانی معیار کا حامل ہے مگر اس جگہ اس کا بیان کرنا ممکن نہیں۔  
دونوں جادوگروں کو معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں، لہذا توبہ کی اور اسلام قبول کر لیا، مولاناؒ فرماتے ہیں۔  
بعد ازاں خُذ اژدھا و حملہ کرد ہر دو آں بگریختند و روئے زد  
اس کے بعد (وہ لاشی) اژدھا بن گئی اور حملہ آور ہوئی، وہ دونوں بھاگ گئے اور اُن کے چہرے فق تھے۔ (۱۲۵/۳)  
رو در افتادن گرفتند از نہیب غلط غلطاں منہزم در ہر نشیب  
وہ ڈر کے مارے بھاگتے ہوئے لوٹ پوٹ ہو کر گڑھوں میں گرنے لگے۔ (۱۲۵/۳)

پس یقین شاں شد کہ ہست از آسماں زانکہ می دیدند حدّ ساحراں  
تب ان کو یقین ہو گیا کہ (یہ طاقت) عالمِ بالا سے ہے، کیونکہ وہ جادوگروں (کی طاقت کی حد کو دیکھتے) اور  
پہچانتے تھے۔ (۱۲۵/۳)

پس ازیں رو علم سحر آموختن نیست ممنوع و حرام مضمّن  
(مولانا رومیؒ فرماتے ہیں) پس اس پہلو سے (کہ جادوگروں کی طاقت و قدرت کا اندازہ لگانے کے لئے جادو کا علم  
سیکھنا ممنوع، حرام اور ذلیل کام نہیں) (ہاں اس کا غلط استعمال حرام ہے)۔ (۱۲۵/۳)



مولانا روئی کا یہ قول ایک فتویٰ کی صورت رکھتا ہے۔ فتاویٰ شامی جلد سوم باب المرتد میں لکھا ہے کہ جادو بلا اختلاف حرام ہے اور اس کو مباح سمجھنا کفر ہے۔ آگے چل کر لکھا ہے کہ جو جادوگر صرف تجربہ کے لئے جادو کرے اور اس کا معتقد نہ ہو وہ کافر نہیں۔ مشنوی بحر العلوم کی جلد اول میں لکھا ہے کہ جادو سیکھنا اہل حرب کے جادوگر کا مقابلہ کرنے کے لئے فرض کفایہ ہے اور میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے لئے حرام ہے۔

بہر تمیز حق از باطل نکوست سحر کردن شد حرام اے مرد دوست  
حق اور باطل میں تمیز کرنے کے لئے (جادو سیکھنا) اچھا ہے، ہاں اے دوست! جادو کرنا حرام (اور کرنے والا کافر اور واجب القتل ہے)۔  
(۱۲۶/۳)

بعد ازاں إطلاق و تپ شاں شد پدید کار شاں تانزع و جاں کندن رسید  
اس کے بعد ان دونوں جادوگروں کو دست لگ گئے اور بخار چڑھ گیا، (حتیٰ کہ) ان کی حالت نزع اور جان کنی تک پہنچ گئی۔  
(۱۲۶/۳)

پس فرستادند مردے در زماں سوئے موسیٰ از برائے عذر آں  
تب انہوں نے فوراً ایک آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اس کے عذر کے لئے بھیجا۔  
(۱۲۶/۳)

مولانا روئی ایک اور قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ کو اپنی کنیز سے بہت محبت تھی وہ اچانک بیمار ہو گئی اور بادشاہ بہت پریشان ہوا۔ بادشاہ اللہ کے سامنے گڑگڑایا تو اللہ نے اس کے پاس ایک طبیب بھیجا، جس نے معلوم کیا کہ وہ لڑکی ایک زرگر (سناں) سے محبت کرتی ہے۔ یہ بات اس نے لڑکی کی نبض سے پہچانی اور طبیب نے لڑکے کے شہر اور محلے کا پتہ کروایا۔ اس لڑکے کو بلایا گیا تو لڑکی ٹھیک ہو گئی۔ معلوم کیا گیا کہ یہ لڑکے کی کس چیز پر عاشق ہے؟ تو معلوم ہوا کہ وہ لڑکی اس کے بالوں پر عاشق ہے۔ لڑکے کے بال کٹوا دیئے گئے تو لڑکی نے اس سے نفرت کرنا شروع کر دی۔ اس کے بعد الہام خداوندی کے تحت اس طبیب نے لڑکے کو مردا دیا۔ یہ فیصلہ شہوت کے تحت نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے الہام سے ہوا۔ (قاضی کو شریعت نے اجازت دی ہے کہ کسی بُری بات کے مرتکب کو عام سزا دے یا پھانسی کا حکم دے)۔

گر نبودے کارش اِلہام اِلہ او سگے بُودے درانندہ نہ شاہ  
اگر اس (بادشاہ) کا کام الہام (پر مبنی) نہ ہوتا تو (فی الواقع) وہ ایک پھاڑ کھانے والا کتا ہوتا، نہ کہ بادشاہ۔ (۵۵/۱)

بادشاہ نے وہ خون نفسانی خواہش سے نہیں کیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تم سناں کے متعلق بدگمانی اور جھگڑا چھوڑ دو کہ وہ بادشاہ کی کنیز پر عاشق تھا اور پھر اس نے زرگر کو قتل کرا دیا، جو کنیز کا محبوب تھا۔ اس سے کہیں اس غلط فہمی میں نہ پڑ جانا کہ بادشاہ نے محض رقیبانہ حسد میں اپنی شہوت پرستی کے خیال سے زرگر کو ہلاک کیا کیونکہ بادشاہ تو ایک صالح اور مرد پاکباز تھا۔ اس پر ایسا گمان ہی بے جا ہے۔ باقی رہی نوعیت واقعہ، سویٹکنٹروں ایسے واقعات ہماری نظر

سے گزرتے ہیں کہ ہم ان کی ظاہری صورت سے کچھ قیاس کرتے ہیں مگر نفس الامر میں اس کا سلسلہ اسباب کچھ اور ہوتا ہے۔ انسان معمولی سے معمولی واقعات کی حقیقت نہی سے عاجز ہے تو وہ خدا کی بڑی بڑی حکمتوں کو کیا سمجھے، یعنی اگر زرگر کو محض اپنے نفس کی خاطر قتل کیا ہوتا تو اس کا یہ فعل اس کتے کے فعل سے مشابہ ہوتا جو کسی بے گناہ کو پھاڑ کھاتا ہے۔

پاک بود از شہوت و حرص و ہوا نیک کرد او لیک نیک بدناما  
وہ نفسانی خواہش اور حرص و ہوا سے پاک تھا، اس نے جو کچھ کیا اچھا کیا، لیکن ایسا اچھا جو (بظاہر) بُرا لگتا ہے۔  
(۵۵/۱)

گر تو اہل دل نہ بیدار باش

(اگر تو اہل دل نہیں تو دل کی بیداری حاصل کرو)

ایک حدیث مبارکہ میں یہ مفہوم دیا گیا ہے کہ انسان دُنیا داری کے کاموں میں لغو حرکات اور گفتگو میں مصروف رہتا ہے تو شیطان اس کے دل میں چوچ رکھ دیتا ہے اور اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتا ہے اور جب انسان ذکر الہی میں مصروف ہو جائے تو شیطان اپنی چوچ اس کے دل سے نکال لیتا ہے۔ ایسے دل کو جو ذکر الہی میں مصروف ہو ”دلی بیدار“ کہتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کا کلام پہلے بھی پیش کیا جا چکا ہے مگر مضمون کے اعتبار سے اس جگہ پھر نقل کیا جا رہا ہے۔ تفصیل کے لئے اس کتاب میں ہمارا مضمون ”انسانی زندگی انسان کے اعمال سے متاثر ہوتی ہے“ کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ شعر حسب ذیل ہیں۔

دل بیدار فاروقی ، دل بیدار کزاری مَسِ آدم کے حق میں کیا ہے دل کی بیداری  
مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشان اس کا ظن و تخمین سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری  
دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک نہ میری ضرب ہے کاری، نہ تیری ضرب ہے کاری  
(ب۔ج۔۳۲۹)

ان اشعار کی تشریح اس قدر خوبصورت ہے کہ اس میں رُوحانیت کے بہت سے معاملات اور کیفیات کا مزہ آتا ہے۔ علامہؒ نے فرمایا ہے کہ جب تک دلی بیدار پیدا نہ کیا جائے، اس وقت تک نہ تیری کوشش اور محنت کام آئے گی اور نہ ہی میری کوئی کوشش کام آسکتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک انسان خود اپنے چراغ دل کو نہیں بھڑکائے گا، اُس وقت تک اس پر رُوحانیت کا رنگ ہرگز نہیں چڑھ سکتا۔ راقم الحروف نے ایک دن علامہ اقبالؒ کے مزار پر کشف القبور کے ذریعے سے کچھ احوال معلوم کئے۔ علامہ اقبالؒ نے بیداری دل کے لئے ہمیں یہ نصیحت فرمائی کہ میرا شعر تمہارے چہرے کے سامنے میرے مزار کی دیوار پر لکھا ہوا ہے، اس پر عمل کریں، وہ آپ کے حال کے مطابق ہے۔ مراقبہ کے بعد جب دیکھا تو وہ شعر حسب ذیل تھا۔



چراغِ خویش برافروختم کہ دستِ کلیم  
در ایں زمانہ نہاں زیرِ آستین کردند  
میں نے اپنا چراغ (دل) خود ہی بھڑکایا ہے کہ اس زمانے میں دستِ کلیم (بزرگوں کا ہاتھ) آستین میں چھپا ہوا ہے۔  
(اقبال) (ز۔ع۔ ۵۱۸)

اس شعر سے بھی وہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ بزرگوں کا ہاتھ جب کسی زمانے میں مریدوں کے دلوں پر لگایا جاتا تھا تو ان کے قلوب جاری ہو جاتے تھے مگر اب بزرگوں کا یہ دستور نہیں رہا، چنانچہ علامہ کی بات پر عمل کیا تو کامیابی حاصل ہوئی۔ کبھی کسی زمانے میں یہ بھی ہوتا تھا کہ پیر و مرشد اگر ایک بار مرید کی طرف دیکھ لیتے تو ان کا معاملہ درست ہو جاتا۔ حافظ شیرازیؒ کا درج ذیل شعر بھی انہی معنوں کی غمازی کرتا ہے۔

آناں کہ خاک را بہ نظر کیسیا کنند  
آیا بود کہ گوشہ چشمے بہا کنند  
وہ لوگ جو اپنی ایک نظر سے خاک کو کیسیا بنا دیتے ہیں، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اپنی ایک نظر ہماری طرف کریں۔

(حافظ شیرازی)

روایات میں ہے کہ فخرالدین رازیؒ ایک دن روحانی کیفیت میں اپنے گھر سے باہر آئے تو دروازے کے سامنے ایک کتا بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کی ایک نظر اس پر پڑی تو وہ کتا سرمست ہو گیا اور جھومتا ہوا قبرستان کی طرف نکل پڑا۔ وہ کتا جدھر سے بھی گذرا، اس علاقے کے کتے اس کے پیچھے چلنا شروع ہو گئے۔ جب وہ کتا قبرستان میں جا کر بیٹھ گیا تو تمام کتے اس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ مولانا روٹی کے ایک شعر میں اس واقعہ کا بھی ذکر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں مذکورہ حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دل ایک نورانی چیز ہے، مگر گندے خیالات اور بُرے اعمال سے اس پر سیاہی کے دھبے لگ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، پھر ذکرِ الہی کی ضربیں لگانے سے اس کی سیاہی یا زنگ بالکل دور ہو جاتا ہے اور دل نورانی ہو جاتا ہے۔ یہی دلِ دلِ بیدار کہلاتا ہے۔ اس کے برعکس انسانی نفس جس کا مقام انسان کی ناف سے ذرا نیچے ہوتا ہے، اس کی اصل (اصلیت) نورانی نہیں بلکہ خباثت پر ہے اور خبث اس کی ذاتی صفت ہے۔ فرماتے ہیں نفس کو کسی طریقے سے ٹھیک نہیں کر سکتے کیونکہ اس کو جتنا رگڑو گے اس کے اندر سے خبث ہی نکلتا نظر آئے گا، البتہ اگر نفس کو ذکر کے ذریعے روح کے تابع کر دیا جائے تو پھر یہ اپنی سرکشی اور بغاوت سے باز آ جاتا ہے۔ طریقت میں ذکر اسی لئے کیا جاتا ہے کہ نفس روح کے ماتحت رہ کر عمل کرے۔ ذکر کا طریقہ جو شیخ اپنے مریدوں کو بتاتا ہے اس میں نفس کو روح کے تحت کرنے کا طریقہ بھی بتایا جاتا ہے۔ راقم الحروف نے نفس کے موضوع پر ”تہذیبِ نفس“ کے نام سے ایک ضخیم کتاب تحریر کی ہے، جو ان شاء اللہ جلد ہی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہی ہے اور ان شاء اللہ اس کتاب کے ساتھ ساتھ ہی شائع ہو جائے گی۔ بیداریِ دل پر مولاناؒ فرماتے ہیں۔

ور دلت بیدار شد میخپ خوش نیست غائب ناظرت از ہفت و شش  
اگر تمہارا دل بیدار ہو جائے تو مزے سے سوتے رہو پھر بحالت خواب بھی تمہاری نظر ہفت (افلاک) اور شش  
(جہات) سے غائب نہ ہوگی۔ (۱۲۵/۳)

گفت پیغمبر کہ خپد چشم من لیک کے خپد دلم اندر و سن  
روح کائنات و معلم کائنات حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن نیند میں میرا دل کب سوتا ہے۔  
(۱۲۵/۳)

حضور پاک ﷺ نے فرمایا ہے ”عَيْسَىٰ تَسْنَأُ مَن وَلَا يَنَامُ قَلْبِي عَنْ رَبِّي“ یعنی میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں  
مگر میرا دل پروردگار کی طرف سے غافل نہیں ہوتا ۔

شاہ بیدار ست و حارس خفته گیر جاں فدائے خفتگان دل بصیر  
فرض کرو کہ پہرہ دار سو گیا لیکن بادشاہ تو جاگتا ہے، (پھر کیا خطرہ ہے) ان سونے والوں پر جن کا دل بیدار ہوتا  
ہے، جان قربان کر دینی چاہیے۔ (۱۲۵/۳)

وصف بیداری دل اے معنوی می گنجید در ہزاراں مثنوی  
اے معنی دان! دل کی بیداری کا بیان ہزاروں مثنوی کی کتابوں میں بھی نہیں ساسکتا، (لہذا اس کو یہیں چھوڑ کر اصل  
قصہ چھیڑنا چاہیے)۔ (۱۲۵/۳)

چوں بدیدندش کہ خفت است او دراز بہر دزدیء عصا کردند ساز  
جب اُن دونوں (جادوگروں) نے انہیں دیکھا کہ وہ پاؤں پیارے سو رہے ہیں تو عصا کو چرانے کی تیاری کرنے  
لگے۔ (۱۲۵/۳)

ساحراں قصد عصا کردند زود کز پیش باید شدن واں را رُود  
جادوگروں نے جلدی عصا کا قصد کیا کہ ان کے پیچھے جانا چاہیے اور پھر (اسے) اڑالینا چاہیے۔ (۱۲۵/۳)

اندکے چوں پیشتر کردند ساز اندر آمد آں عصا در اہتراز  
جوں ہی تھوڑا سا آگے بڑھنے لگے تو وہ لاشی حرکت میں آگئی۔ (۱۲۵/۳)

آچنناں بر خود بلرزید آں عصا کاں دو بر جا خشک گشتند از وجا  
وہ لاشی اس طرح خود بخود جھرجھری لینے لگی کہ وہ دونوں مارے خوف کے وہیں ٹھک کر رہ گئے۔ (۱۲۵/۳)

ایں چراغ شمس کو روشن بود نز فیلہ و پنپہ و روشن بود  
دیکھو! یہ سورج کا چراغ جو روشن رہتا ہے، جی، روئی اور تیل سے (روشن) نہیں (بلکہ اُس کی روشنی من جانب اللہ  
ہے)۔ (۱۵/۳)



سقفِ گردوں کو چنیں دائم بود      نز طباب و استنہ قائم بود  
آسمان کی چھت جو یوں ہمیشہ سے (قائم) ہے، یہ رسی اور ستون سے قائم نہیں (بلکہ بامحق قائم ہے)۔ (۱۵/۳)  
قوتِ جبریل از مطبخِ نبود      بود از دیدارِ خلاقِ دود  
اسی طرح جبریل علیہ السلام کی یہ طاقت (کہ وہ لمحہ بھر میں آسمانوں کے اوپر سے دنیا پر وحی لے آتے تھے) کسی  
باورچی خانہ (کے گوناگوں کھانوں کے تناول) سے نہ تھی بلکہ روحانی قوت تھی (جو عالم کو پیدا کرنے والے اور  
مہربان خدا کے دیدار کی برکت سے حاصل ہوئی تھی)۔ (۱۵/۳)

جب قرآن پاک کے یہ کلمات نازل ہوئے کہ ”ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٌ“ (یعنی جبرائیل علیہ السلام  
طاقت ور ہے اور مالکِ عرش بریں یعنی خدا کی جناب میں اس کا بڑا درجہ ہے۔ (التکویر: ۲۰) آپ ﷺ نے جبریلؑ  
سے استفسار فرمایا کہ کائنات کی ہر شے کو میری رحمت سے حصہ ملا ہے، یہ بتاؤ کہ تمہیں میری رحمت سے کیا ملا ہے تو  
اس پر انہوں نے جواب دیا میں نے اپنے دونوں بازوؤں کے زور سے قوم لوط کا تختہ الٹ دیا تھا۔ اس شعر میں جو  
دیدارِ اخلاق کو قوتِ جبریلؑ کی علت قرار دیا ہے تو لفظ ”عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ“ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

انجمنیں ایں قوتِ ابدالِ حق      ہم زحقِ داں نز طعام و نز طبق  
اسی طرح ان اولیاء اللہ کی قوت (جن میں تم بھی شامل ہو) حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھو، نہ کہ طعام اور طعام سے  
لبریز تھا۔ (۱۶/۳)

جسمِ شانزا ہم ز نورِ اسرشتہ اند      تا ز روح و از ملکِ بگذشتہ اند  
ان کے جسم کو بھی نور سے بنایا گیا ہے، حتیٰ کہ وہ (انسانی) روح اور فرشتوں سے بھی آگے بڑھ گئے۔ (۱۶/۳)  
چونکہ موصوفی باوصافِ جلیل      ز آتشِ نمرودِ بگذر پوئلِ خلیل  
چونکہ تم مطلق باخلاق اللہ ہو، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ سے بچ کر نکل جاؤ۔  
(۱۶/۳)

ایں سفال و ایں فنیلہ دیگرست      لیک نورش نیست دیگرِ زانِ سرست  
خوب سمجھ لو کہ مٹی کا چراغ اور یہ بتی تو بدل جاتی ہے، لیکن اس کا نور نہیں بدلتا۔ (وہ) اپنی جانب سے (ایک ہی  
نور) ہے۔ (۱۶۸/۳)

چونکہ دنیا قیامت تک قائم رہے گی، قیامت تک کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے قدم بہ قدم چلنے والے پیدا ہوں  
گے اور یہ ولایتِ موسیٰؑ کے وارث ہوں گے (اس سے موجودہ بنی اسرائیل کی قوم مراد نہیں) کیونکہ ہر ولی کسی نہ  
کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے، پس وہ نورِ ولایت جو موسیٰؑ میں تھا، سلسلہ وار قائم ہے اور قائم رہے گا۔ قیامت تک  
کے لئے حضرت موسیٰؑ سے سبقِ نصیحت موجود ہے، انفس میں بھی اور آفاق میں بھی ۔

گر نظر در شیشہ داری گم شوی زانکہ از شیشہ است اعداد و دوی  
اگر تم نے نور کو مد نظر نہ رکھا بلکہ شیشہ میں نظر جمائے رہے تو گمراہ ہو جاؤ گے کیونکہ شیشہ سے تعداد اور دوی پیدا  
ہوتی ہے۔ (۱۲۸/۳)

وَرِ نظر بر نُور داری واری از دوی و اعدادِ جسم اے منتهی  
اگر تو نور پر نظر رکھے گا تو نجات پا جائے گا، اے باکمال! جسم کی دوی اور تعداد سے۔ (۱۲۸/۳)  
از نظر گاہ است اے مغز وجود اختلافِ مومن و کفر و نبھود  
اے خلاصہ کائنات! نقطہ نظر کی وجہ سے ہے، مومن، آتش پرست اور یہودی کا اختلاف۔ (۱۲۸/۳)

(یعنی اگر تم نور پر نظر رکھو گے تو اے باکمال! تم جسم کی اثنتِ دوی اور تعداد (کے بھگڑے) سے چھوٹ جاؤ  
گے۔ اے طالب (جو اپنے حسنِ لیاقت سے گویا خلاصہ مخلوقات ہے) مسلمانوں، آتش پرستوں اور یہودیوں کا  
(مذہبی) اختلاف ان کے نقطہ نظر ہی کے سبب سے تو ہے۔ حقیقت تو ایک ہے مگر اس کو ادراک کرنے والوں کی  
نگاہیں مختلف ہیں پھر طریقِ ادراک بھی مختلف ہے۔ وہ اپنے اپنے طریق سے اس حقیقتِ واحد کو مختلف انداز سے  
دیکھتے ہیں اور اس سے مختلف نتیجے نکالتے ہیں۔ پس یہی باعث ہے اختلافِ مذاہب کا۔

اے ضیاء الحق حُسام الدین بیار ایں سُم دفتر کہ سُنّت شد سہ بار  
اے ضیاء الحق حُسام الدین اب یہ تیسرا دفتر بھی چھیڑ دو، کیونکہ تین بار کلام کرنا سنت ہے۔ (۱۵/۳)  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باقی حکایت کو مولانا آگے بیان فرماتے ہیں ۔

جانِ بابا! چونکہ ساجر خواب مُد کار اُو بے رونق و بے آب شد  
جب وہ جانِ پدرِ جادوگر سو جاتا ہے تو اس کا کام بے رونق اور بے اثر ہو جاتا ہے (بخلاف اس کے معجزہ میں فرق  
نہیں آتا)۔ (۱۲۳/۳)

ہر دو از گوش رواں گشتند و تفت تا بمصر از بہرِ آلِ پیکار زفت  
(یہ منکر) دونوں اس کی قبر پر سے (اٹھ کر) فوراً اس سنگین معرکہ کے لئے مصر کو روانہ ہو گئے۔ (۱۲۳/۳)  
بہرِ نازش بستہ او دو چشمِ سر عرش و فرشِ جملہ در زیرِ نظر  
انہوں نے بطورِ (ناز) سر کی دونوں آنکھیں بند کر رکھی تھیں لیکن دل کی آنکھیں کھلی تھیں اور ان کی نظر میں عرش و فرش  
اور تمام کائنات تھی۔ (۱۲۳/۳)

مولانا رومؒ اس ضمن میں دو آدمیوں کا ذکر فرماتے ہیں، ایک وہ شخص جس کا دل سو رہا ہو اور آنکھیں بیدار ہوں،  
دوسرا وہ شخص جس کا دل بیدار ہو اور آنکھیں سوتی ہوں ۔



اے بسا بیدار چشم و ٹھٹھہ دل خود چہ بیند چشم اہل آب و گل  
ارے بہترے لوگ جاگتی آنکھ اور سوتے دل والے ہیں، بھلا آب و گل وغیرہ عناصر میں مقید رہنے والوں کی آنکھ  
کیا دیکھ سکتی ہے۔ (۱۳۴/۳)

واعلمہ دل بیدار دارد چشم سر گر بخشد بر کشاید صد بصر  
(اور بخلاف اس کے) جو شخص بیدار دل رکھتا ہے، اگر اس کے سر کی (ظاہری) آنکھیں سو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں،  
اس کی سو پینائیاں کھل جاتی ہیں۔ (۱۳۵/۳)

گر تو اہل دل نہ بیدار باش طالب دل باش و در پیکار باش  
اگر تم اہل دل نہیں ہو تو بیدار رہو، دل کے طالب بنو اور (نفس و شیطان سے) جنگ کرو۔ (۱۳۵/۳)

دل بیدار حاصل کرنے کے لئے عبادات و طاعات میں شب بیداری اختیار کرو اور نفس اور شیطان جو راحت طلبی  
اور شہوت پسندی کی ترغیب دیتے ہیں، ان کو ترک کرو اور نفس کو مجاہدات و ریاضات سے مغلوب کرو، پھر ان کا کیف  
کا نتیجہ راحت نکلے گا (یعنی دل بیدار ہو جائے گا)۔

رَو بجا اقبال را از مقبلہ

(جاؤ کسی مقبول بندے سے اقبال طلب کرو)

عزت اور اقبال مندی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے خزانوں سے ہی ملتی ہے اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ  
یہی ہے کہ اللہ والوں کا ادب کیا جائے۔ دل کی خوراک نورانی اسباق ہیں اور یہ کسی دل والے سے ہی ملیں گے۔  
مولانا روٹی نے لکھا ہے کہ کسی اللہ والے کا دامن تمام لو تا کہ تم اس کی بزرگی اور بلندی پاؤ، کیونکہ نیک آدمیوں کی  
صحبت سے تم نیک بن سکتے ہو اور اگر بُروں کی صحبت میں جاؤ گے تو بُرے بن جاؤ گے۔

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ انجیل میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف لکھی ہوئی ہے (اور اسی طرح قرآن، تورات اور  
زبور میں بھی) لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلی اُمتوں کے لوگ دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کے لئے آپ کا نام  
مبارک لے کر فتح طلب کرتے تھے مگر جب آپ مبعوث ہو گئے تو انہوں نے آپ کی مخالفت کی۔

طائفہ نصرانیاں بہرِ ثواب چوں رسیدندے بدال نام و خطاب  
عیسائیوں کی ایک جماعت ثواب کے لئے جب حضور ﷺ کے نام اور خطاب پر پہنچتے۔ (۱۰۲/۱)

بوسہ دادندے برآں نامِ شریف رُونہادندے بدال وصفِ لطیف  
اس مبارک نام کو بوسہ دیتے، اس پاک ذات کی تعریف پر بطور تعظیم منہ رکھ دیتے۔ (۱۰۲/۱)

مولانا فرماتے ہیں کہ ان کی نسلوں کے بڑھنے کے ساتھ نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ان کا ساتھی اور مددگار بن

گیا لیکن ان کا ایک دوسرا گروہ اس نام مبارک کی بے حرمتی کرنے لگا تو وہ ذلیل اور خوار ہو گیا۔ وہ خود بھی محروم ہو گیا اور مذہب کے آداب سے بھی محروم ہوا۔ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کا نام مبارک ہی اس قدر مبارک اور مدد کرنے والا ہو تو آپ ﷺ کے نور کا خود اندازہ کر لو۔

نام احمد چوں چنین یاری کند  
تا کہ نورش چوں مددگاری کند  
جب حضرت محمد ﷺ کا نام مبارک ہی ایسی مدد کرتا ہے تو خیال کرو کہ آپ ﷺ کا نور پاک کس قدر مدد کر سکتا ہے۔  
(۱۰۳/۱)

انجیل میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام مبارک درج تھا۔ اس میں آپ ﷺ کے اوصاف جسمانیہ اور شکل و شمائل کا ذکر بھی درج تھا اور آپ ﷺ کے جہاد کرنے اور روزہ رکھنے اور کھانے پینے کا حال بھی لکھا تھا۔ نام مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم کرنے والے لوگ فتنے اور خوف سے امن میں رہے۔ وہ لوگ احمد ﷺ کے نام پاک کی پناہ میں آ کر امیروں کی خانہ جنگی اور وزیروں کے شر سے امن میں رہے۔

رسول اللہ ﷺ کا نام پاک جو سریانی زبان میں انجیل کے اندر آیا ہے، اس کا ٹھیک ترجمہ احمد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو رسول اللہ ﷺ کے اسی نام مبارک کے ساتھ آپ کی آمد کی بشارت دی تھی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ”اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں (یہ کتاب) تورات جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے میں اس کی بھی تصدیق کرتا ہوں (ایک اور پیغمبر کی خوشخبری سناتا ہوں، جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہوگا۔“ (سورہ القف: ۶)

ہیں غذاے دل بدہ از ہمدلے  
رو نجو اقبال را از مقبلے  
ہاں! کسی دل والے سے لے کر دل کو خوراک دے، جا! کسی نصیبہ والے سے نصیبہ تلاش کر۔  
(۱۰۱/۱)

دست زن در ذیل صاحب دولتی  
تا زافشایی بیانی رفعتی  
کسی صاحب دولت کا دامن پکڑ، تاکہ اس کی بزرگی (کی بدولت) تو سر بلندی حاصل کرے۔  
(۱۰۲/۱)

صحبت صالح ترا صالح کند  
صحبت طالح ترا طالح کند  
نیک کی صحبت تجھ کو نیک بنا سکتی ہے، بد بخت کی صحبت تجھ کو بد بخت بنا سکتی ہے۔  
(۱۰۲/۱)

نسل ایشاں نیز ہم بسیار خند  
نور احمد ناصر آمد یار خند  
ان کی نسل بھی بڑھ گئی۔ حضرت احمد ﷺ کا نور مبارک (ان کا) مددگار ہوا (اور) ساتھی بن گیا۔  
(۱۰۲/۱)

طالب کمال کے لئے اخیار و ابرار کی صحبت میں رہنا اور ان سے ارادت و عقیدت رکھنا لازم ہے، یعنی جب رسول خدا ﷺ کے نام پاک کے ساتھ حسن اعتقاد رکھنے اور اس کی تعظیم بجالانے کی یہ برکت ہے کہ مفسدوں کے فساد اور مکاروں کے مکر سے امن رہتا ہے تو خود نام والے کی صحبت سے مستفیض ہونے اور اس کی تعظیم بجالانے



میں کیا کچھ برکات و کرامات نہ ہوں گی۔ جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام مبارک ہی حفاظت کے لئے مضبوط قلعہ ہے تو آپ ﷺ کی ذات مبارک کتنی محافظ ہوگی۔

### غلامی اولیاء

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کے احکام کا سختی سے پابند ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کے لئے ساری مخلوق اور زمین و آسمان کے درمیان کی ہر چیز غلام ہو جاتی ہے۔ قرآن میں لکھا ہے کہ ”اِنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ“ یعنی تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہے (لقمن: ۲۰) اس موضوع پر بے شمار آیات اور روایات شاہد ہیں کہ انسان کو جب اللہ تعالیٰ نیابت الہی کا تاج پہنا دیتا ہے تو اس کی ہر شے پر حکمرانی ہو جاتی ہے۔ جب آدم علیہ السلام کو جنت سے دُنیا میں بھیجا گیا تو جبریل علیہ السلام نے دُنیا پر اللہ کی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام کی اتباع تمام مخلوق پر واجب ہونے کا اعلان کیا اور ہر ایک نے اس کو تسلیم کیا۔ اس سلسلے میں یہ بھی ہے کہ آسمان کی تمام مخلوقات آپ ﷺ کی مطیع اور تابع ہیں۔

مولانا رومیؒ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہیں کہ انہیں آگ میں پھینکا گیا تو آگ نے آپ کو نہیں جلایا بلکہ روایات میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ نارِ نرود میں میرا جو وقت گزرا ہے، اس سے زیادہ آرام وہ وقت میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔

اے عناصر مر مزاجت را غلام  
گرد آتش بر تو ہم برد و سلام

(تو پھر) تم پر بھی آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے گی، (اے حسام الدین آگ، پانی وغیرہ) عناصر تمہارے مزاج کے غلام رہیں گے (سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۶۹ میں اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ذکر کیا ہے)۔ (۱۶/۳)

مولانا رومیؒ سورہ انبیاء کی مذکورہ آیت کو نقل فرماتے ہیں کہ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈک اور راحت بن جا۔ مزاج کے لئے عناصر کے غلام بن جانے سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کے مزاج میں آگ سے جل جانے اور پانی میں غرق ہونے کی خاصیت ہو، اس پر آگ اور پانی حرق و غرق کا اثر نہ پہنچائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اے حسام الدین جب تک تم عناصر میں محبوس ہو، اس وقت تک ان کی تاثیرات سے متاثر اور ان کے احکام کے تابع ہو لیکن جب تم عناصر سے بالاتر ہو گئے تو وہ تمہارے مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں گے بلکہ کائنات کی ہر چیز تمہاری تابع ہوگی۔ کشف السحوب میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ادھمؑ ایک مرتبہ ایک جنگل سے گزرے تو ان کو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ ایک مقام پر ایک چرواہا ملا تو آپؑ نے اس سے پانی طلب کیا تو اس نے کہا کہ یہاں تو دودھ ہے، پانی کہاں ہے۔ آپؑ نے پانی پر اسرار کیا تو چرواہا اٹھا اور ایک پتھر پر عصا مارا تو پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ ابراہیمؑ ادھمؑ یہ بات دیکھ کر بہت حیران ہوئے تو چرواہے نے ان کی حیرانگی دیکھ کر کہا کہ اس میں حیرانگی کی بات نہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہو تو ہر چیز اس کی تابعدار ہو جاتی ہے۔

اے دَرِیغَا عرصہٴ اَفہامِ خَلقِ سخت ننگ آمد ندارد خَلقِ خَلقِ  
ہائے افسوس! مخلوق کے فہموں کی وسعت سخت ننگ ہے (ان کو اسرار کیا سنائے جائیں) مخلوق کا خلق (رموز و اسرار  
کے لقمے) نگلنے کے قابل نہیں ہے۔ (۱۶/۳)

اِس مزاجت در جہانِ مُنہِطِ وصفِ وحدت را کنوں خُذ مُلَہِطِ  
تمہارا یہ مزاج اس وسیع عالمِ ارواح میں وحدت کے وصف کا جامع ہو رہا ہے۔ (۱۶/۳)  
اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ مزاج ایک کیفیت ہے، جو عناصر کی متضاد کیفیات سے مرکب ہے لیکن ارواح میں  
حیاتِ ذاتیہ ہے جو مزاج کے ساتھ مشروط نہیں۔ جب رُوحانیت غالب ہو جاتی ہے اور جسم لطیف ہو جاتا ہے تو  
کیفیات سے تضاد اُٹھ جاتا ہے۔ اس طرح مزاج کیفیتِ واحدہ ہو جاتا ہے اور جب ولی اللہ اس مقام پر پہنچ جاتا  
ہے تو وہ اَرُوْحًا اُجْسَادًا کا مصداق ہوتا ہے، پھر اکثر اولیاء اس مقام سے نزول کرتے ہیں اور بعض اس مقام پر  
مقیم رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت الیاس علیہ السلام اس مقام میں مستقر ہیں جو جسم کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کے  
جسم میں رُوحانیت کی صفت پیدا ہو چکی ہے۔ یہی مراد ”اِس مزاجت در جہانِ منہط“ سے ہے (بحر العلوم) اے  
حسام الدین تمہارا جسم عالمِ ارواح میں وحدت اختیار کر چکا ہے اور اس کے اجزائے تضاد مرتفع ہو گیا ہے۔

### بے بصری کے باعث اہل دل کو حقیر نہ سمجھو

اللہ والے دُنیاوی شان و شوکت اور امارت نہ ہونے کی وجہ سے معمولی انسان معلوم ہوتے ہیں مگر ان کو معمولی  
نہ سمجھنا چاہیے، یہ لوگ ذرّہ بے مقدار دکھائی دیتے ہیں اور دیکھنے میں یہ گھاس پھوس معلوم ہوتے ہیں مگر اس گھاس  
پھوس کے نیچے ایک دریا رواں ہے، جہاں تم نے ان کی تحقیر کی اور ان کو گھاس پھوس سمجھ کر پاؤں رکھا تو تم وہیں  
ڈوب جاؤ گے۔

اینٹ خورشید نہاں در ذرّہ شیرِ نر در پوشینِ بَرّہ  
یہ ایک ذرّے میں مخفی سورج ہیں، یہ بکری کے بچے کی کھال میں شیر (نر) ہیں۔ (۲۶۷/۱)

اینٹ دریائے نہاں در زیرِ کاهِ پا بر اِس کہ ہیں منہ باشتباہ  
یہ لوگ گھاس کے نیچے مخفی دریا کی طرح ہیں، کہیں شبہ میں ان پر پیر نہ رکھ دینا۔ (۲۶۷/۱)

### حضرت بایزیدؒ کو ایک شیخ کا کہنا کہ میرے گروہ سات چکر کاٹ لو

مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ ایک مرتبہ حج کے لئے روانہ ہوئے، آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ انہیں  
کوئی خطر وقت مل جائے۔ فرماتے ہیں کہ راستے میں انہیں ایک بزرگ ملے۔ اس بزرگ میں بہت سی خوبیاں  
دیکھیں۔ حضرت بایزیدؒ سمجھے کہ ان کا درجہ قطبِ وقت سے کسی طرح کم نہیں ہے اور ان سے تواضع اور ادب سے



پیش آئے۔ اس بزرگ نے آپ سے سفر کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اپنے ارادہ جج کا اظہار کیا۔ بزرگ نے دریافت کیا کہ آپ گھر سے جج کے لئے کتنا خرچ لے کر چلے ہیں تو حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ ان کے پاس چاندی کے دو سو درہم ہیں۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ ابھی تم جج کرنے کے قابل نہیں ہو، میرے گرد سات بار طواف کرو اور اس کو جج سے بہتر سمجھو۔ فرمایا کہ یہ درہم جو تم لائے ہو مجھے دے دو اور جان لو کہ تمہاری مراد پوری ہوگئی۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے (ایک حدیث کے مطابق) مجھے کعبے سے زیادہ فضیلت عطا فرمائی ہے۔

مذکورہ بالا بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو تو ایک بار میرا گھر کہا ہے اور مجھ کو ستر مرتبہ میرا بندہ کہا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ یہ بزرگ بہت نحیف اور غربت کی حالت میں تھے اور اس کے علاوہ کثیر العیال بھی تھے۔ آپ نے وہ رقم ان کو دے دی۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شیخ سے بہت فیض حاصل ہوا اور میں اس وقت واقعی جج کے قابل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ“ (یعنی میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک کرو) (البقرہ: ۱۲۵) چنانچہ حاجی کے دل کا گھر پاک ہونا چاہیے۔

بایزیدؒ اندر سفر جُستے بے تا بیاید خضر وقتِ خود کے  
(غرض) حضرت بایزیدؒ سفر میں بہت تلاش کرتے کہ کوئی (بزرگ) جو اپنے زمانہ کا خضرؒ (ثانی) ہو مل جائے۔  
(۲۱۶/۲)

دید پیرے باقدے ہچوں ہلال یافت در وے فر و گفتارِ رجال  
آخر انہوں نے ایک پیر (مرد) دیکھا جس کا قد ہلال کی طرح (جھک گیا) تھا (اور) اس میں (راہِ حق) کے مردوں کا جلال اور اُن کی سی گفتگو تھی۔  
(۲۱۶/۲)

دیدہ ناپینا و دل چوں آفتاب ہچو فیلے دیدہ ہندوستان بخواب  
(ظاہری) آنکھیں ناپینا تھیں اور دل (کی آنکھیں) سورج کی طرح روشن تھیں، اس ہاتھی کی طرح جس نے ہندوستان کو خواب میں (دیکھنے کے بعد اپنے اصل مقام کا) مشاہدہ کیا ہو (اس لئے مست و مسرور تھا)۔ (۲۱۶/۲)  
چشم بستہ خفتہ بیند صد طرب چوں کشاید آں بیند اے عجب  
سونے والا آنکھیں بند کئے ہوئے صد ہا عجائبات دیکھتا ہے، جب (آنکھیں) کھولتا ہے تو پھر ان کو نہیں دیکھ پاتا یہ عجب بات ہے۔  
(۲۱۶/۲)

بس عجب در خواب روشن میشود دل دُرونِ خواب روزن میشود  
(سونے والے پر) بہت سے عجائبات جو نمایاں ہو جاتے ہیں (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) دل حالتِ خواب میں (عالمِ غیب کی طرف) روشن دان بن جاتا ہے۔  
(۲۱۶/۲)

آنکہ بیدارست و بیند خواب خوش عارف ست او در دیدہ کش  
(مخلاف اس کے) جو (مرد حق) بیدار ہے اور (بحالتِ بیداری) اچھا خواب دیکھتا ہے تو وہ عارف ہے، اس (کے)  
پاؤں) کی خاک کو (سرمہ بنا کر) آنکھوں میں لگاؤ۔ (۲۱۶/۲)

بایزیدؒ اورا چو از اقطاب یافت مسکنت نمود و در خدمت شتافت  
بایزیدؒ نے جب ان (بزرگ) کو قطب پایا تو (ان کے سامنے) عاجزی کی اور (ان کی) خدمت (کی بجا آوری)  
میں سعی کرنے لگے۔ (۲۱۶/۲)

پیش او بنشست و سے پرسید حال یافتش درویش و ہم صاحب عیال  
(بایزیدؒ) اس کے سامنے بیٹھے اور حال پوچھا تو ان کو غریب اور عیال دار پایا۔ (۲۱۶/۲)

گفت عزم تو گجا اے بایزید رخت غربت را کجا خواہی کشید  
(اس بزرگ نے) پوچھا، اے بایزیدؒ! تمہارا قصد کہاں کا ہے؟ (اپنا) سامان سفر کہاں لے جاؤ گے۔ (۲۱۶/۲)

گفت عزم کعبہ دارم از ولہ گفت ہیں با خود چہ داری زاد رہ  
بایزیدؒ نے کہا (آج) شوق سے کعبہ کا قصد کر رہا ہوں، فرمایا: یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ راستے کا خرچ کیا کچھ ہے۔  
(۲۱۶/۲)

گفت دارم از درم فقرہ دویت نک بہ بستہ سخت بر گوشہ ردیت  
بایزیدؒ نے کہا، میرے پاس چاندی کے دوسو درہم ہیں، دیکھئے چادر کے کونے میں مضبوط بندھے ہوئے ہیں۔ (۲۱۶/۲)

گفت طوفی کن بگردم ہفت بار ویں نکو تر از طواف حج شمار  
(اس بزرگ نے کہا) تم میرے گرد سات بار طواف کرو اور اس کو طواف حج سے بہتر سمجھو۔ (۲۱۶/۲)

واں درم ہا پیش من نہ اے جواد داں کہ حج کردی و حاصل شد مراد  
اور (اے نخی) ان درہموں کو جو تمہارے پاس ہیں، میرے سامنے رکھ دو پھر سمجھ لو کہ تم نے حج کر لیا اور (تمہاری)  
مراد پوری ہو گئی۔ (۲۱۶/۲)

عمرہ کردی عمر باقی یافت صاف گشتی بر صفا بشافقی  
اگر تم میرا طواف کر لو (تو پھر گویا) تم نے عمرہ کر لیا اور اس کی بدولت لازوال عمر پالی اور تمام نفسانی آلائشوں سے  
پاک ہو گئے (اور گویا تم) کو وہ صفا پر (بھی) دوڑ لئے۔ (۲۱۷/۲)

حق آں حقیکہ جانت دیدہ است کہ مرا بر بیت خود بگزیدہ است  
(قسم ہے اس حق تعالیٰ کی جس کی تجلیات) کا تمہاری رُوح نے مشاہدہ کیا ہے کہ اس نے مجھے اپنے خانہ کعبہ پر  
فضیلت بخشی ہے۔ (۲۱۷/۱)



احادیث میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے کعبہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ بے شک حق تعالیٰ نے تجھے شرف بخشا ہے مگر ایک مومن کا خون تجھ سے زیادہ اشرف ہے۔ (ترمذی شریف)

دل بدست آور کہ حج اکبر ست      از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است  
خانہ کعبہ بھی بے شک مظہر تجلیات حق ہے مگر جو تجلیات انسانِ کامل پر وارد ہوتی ہیں وہ کعبہ پر نہیں ہوتیں۔  
(غیر منثوی)

پُوں مرا دیدی خدا را دیدہ      گرد کعبہ صدق بر گردیدہ!  
جب تم نے میری زیارت کر لی تو (بس گویا) خدا کو دیکھ لیا (اور) کعبہ مبارک کے گرد طواف کر لیا۔ (۲۱۷/۲)  
چونکہ مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ اصلی اتحاد حاصل ہے اس لئے میرا دیدار گویا حق تعالیٰ کا دیدار ہے اور میرا طواف ایک طرح حقیقی کعبہ کا طواف ہے۔

خدمت من طاعت و حمد خداست      تا نہ پنداری کہ حق از من جداست  
میری خدمت کرنا خداوند تعالیٰ کی اطاعت اور حمد (کے برابر) ہے، خبردار! یہ نہ سمجھنا کہ حق تعالیٰ مجھ سے جدا ہے۔  
(۲۱۷/۲)

چشم نیکو باز کن درمن بگر      تا بہ بنی نور حق اندر بشر  
اچھی طرح آنکھیں کھول کر مجھے دیکھو تا کہ تمہیں حق تعالیٰ کا نور انسان میں نظر آ جائے۔ (۲۱۷/۲)  
کعبہ را یکبار بیتی گفت یار      گفت یا عبدی مرا ہفتاد بار  
کعبہ کو تو (اس) محبوب حقیقی نے صرف ایک مرتبہ میرا گھر کہا ہے (اور) مجھ کو ستر مرتبہ میرا بندہ کہہ کر پکارا ہے۔  
(۲۱۷/۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وَعَهْدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ“ اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو، طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے۔ (البقرہ: ۱۲۵) مطلب یہ کہ کعبہ کو صرف ایک مرتبہ بیتی کہہ کر اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور مجھے ایک مرتبہ چھوڑ ستر مرتبہ عبدی کہہ کر یہ شرف بخشا گیا ہے، جو میرے کعبہ سے افضل ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔

بایزیداً کعبہ را دریافتی      صد بہا و عز و صد فر یافتی  
(پس) اے بایزید! تم کو کعبہ مل گیا (اب) تمہیں (من اللہ) سو سورتوں، عزت اور شوکت حاصل ہوئی۔ (۲۱۷/۲)  
بایزید آں نکتا را ہوش داشت      ہنچو زریں حلقہ اش در گوش داشت  
حضرت بایزیدؒ نے ان نکتوں کو (خوب) یاد رکھا (اور) سونے کی بالی کی طرح ان کو کان میں ڈال لیا۔ (۲۱۷/۲)

آمد از وے بایزیدؒ اندر مزید منتہی در منتہی آخر رسید  
اس (تعلیم) سے حضرت بایزیدؒ کو (پیش از پیش) ترقی حاصل ہوئی (اور) وہ آخری سے آخری (درجہ کمال) کو پہنچ گئے۔

حضرت بایزیدؒ پہلے بھی کامل تھے مگر اب ان بزرگ کے فیض صحبت سے اکمل الکاملین اور سلطان العارفین بن گئے، یہاں تک کہ آپ نے اولیاء اللہ کی خدمت و صحبت سے فیض حاصل کرنے کی تاکید کی تھی۔

بر نیائی با وے و استیز او رو بر یارے گبیر آمیز او  
اگر تم اس کے مقابل اور اس کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر کسی مرشد کے پاس جاؤ اور اس کی رفاقت اختیار کرو۔

اگر خود اتنی طاقت نہ ہو کہ نفس کے مکر و فریب کو سمجھ کر اس کی مخالفت کرو اور اس پر غالب آؤ تو پھر کسی محقق کامل کا اتباع اختیار کرو، جو طالبوں کو مکائد نفس و شیطان سے بچا کر صراطِ مستقیم پر چلانے کی ہمت رکھتا ہو۔

از بروں پیرست و در باطن صبی کیانند است آں ولی و آں بنی  
ظاہر میں وہ بوڑھا ہے اور باطن میں بچہ ہے (جانتے ہو) وہ کیا ہے؟ وہ ولی ہے، وہ نبی ہے۔

مولانا روٹی نے بڑھے کے لفظ سے پیر کو اور جگہوں پر بھی تعبیر کیا ہے، خواہ وہ عمر میں نوجوان ہی ہو۔ لفظ پیر ہر نبی اور ولی پر صادق آتا ہے۔ پیرانِ طریقت بڑھاپے کے باوجود متحمل مزاج ہوتے ہیں اور خدا کی طرف یکسوئی اختیار کئے ہوتے ہیں۔ پیروں کی مثال بچوں سے بھی دی جاتی ہے کیونکہ وہ کمالاتِ باطن میں نشوونما پاتے رہتے ہیں اور بچے کی ماں کی بجائے اللہ تعالیٰ ان کی کفالت کرتا ہے اور وہ بغض و کینہ سے پاک رہتے ہیں۔ وہ دنیا کی دلچسپیوں سے منسلک نہیں رہتے اور دنیا کی دیگر تمام خواہشات سے بے تعلق رہتے ہیں۔

### حضرت بایزیدؒ کی ایک بزرگ کی صحبت کے بعد حج کی کیفیات

حضرت بایزیدؒ بسطامیؒ نے مذکورہ بالا بیان کے مطابق اپنے حج کا زادراہ اس بزرگ کو دے دیا اور حج کے بغیر ہی واپس چلے گئے۔ اس بزرگ سے ان کو بہت روحانی فوائد حاصل ہوئے اور اس کے بعد آپ نے کئی حج کئے اور ان میں محسوس کی گئی کیفیات آپ نے متعدد بار بیان فرمائی ہیں۔

حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ میں تین مرتبہ حج پر گیا اور ہر بار ایک نئی کیفیت محسوس ہوئی، جس کا ذکر ہماری تصنیف ”جنید و بایزیدؒ“ میں کیا گیا ہے۔ یہاں مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے ایک مقام پر فرمایا کہ ”حرم وہ جگہ نہیں جہاں مجاہدہ ہوتا ہے بلکہ وہ جگہ ہے جہاں حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس کی تعظیم کی جاتی ہے۔“ آپ نے فرمایا ”وہ بندہ جس کے لئے جہان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قربت، محبت، اُلس اور خلوت کا باعث بنتی نظر نہیں آتی تو اس بندہ کو اللہ تعالیٰ کی دوستی کی ہوا بھی نہیں پہنچی اور جہاں بندے پر مکاشفے کا دروازہ کھل جائے تو اس کے دل کی



آنکھ بھی کھل جاتی ہے۔ ایسے شخص کے لئے تمام چیزیں حرم کعبہ بن جاتی ہیں۔“ فرماتے ہیں کہ ”جب بندہ حجاب میں ہوتا ہے، یعنی جب اس کے دل کی آنکھ بند ہو جائے تو اس وقت اس کے لئے حرم کعبہ میں سب سے زیادہ اندھیرا ہو جاتا ہے۔“ کسی شاعر نے کہا ہے ”أَظْلَمُ الْأَشْيَاءِ دَارُ الْحَبِيبِ بِالْحَبِيبِ“ (کشف السجوب) تمام چیزوں سے تاریک ترین چیز محبوب کا وہ گھر ہے جس میں محبوب نہ ہو۔ دوستی کے مقام میں دوست کا مشاہدہ اور اس کی رضا کی قدر و قیمت ہوتی ہے، نہ کہ عمارت کی۔

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں، عشاق اپنے حبیب کے پردوں میں گم رہتے ہیں کیونکہ محبت محبوب کے وجود کو ثابت کرتی ہے اور دوسرے وجود کا ہونا دوئی کا تقاضا کرتا ہے۔ اصل توحید دوئی کا وجود نہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں پہلی بار حج کو گیا تو صرف اللہ تعالیٰ کا گھر ہی نظر آیا اور گھر والا نظر نہیں آیا تو میں سمجھ گیا کہ حج مقبول نہیں ہوا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں یہ کہا کہ ایسے پھر تو میں نے کئی بار دیکھے ہیں۔ دوسری مرتبہ حج پر گیا تو اللہ کے گھر کو دیکھا اور گھر والے کو بھی دیکھا، میں سمجھ گیا کہ حقیقت توحید ابھی منکشف نہیں ہوئی کیونکہ قدیم (یعنی اللہ) کے ساتھ حادث (یعنی بیت اللہ) بھی نظر آ رہا ہے۔ فرمایا، تیسری بار گیا تو تمام کا تمام جلوہ خداوندی نظر آیا، نہ بیت اللہ تھا اور نہ کچھ اور، اس پر آواز آئی ”اے بایزید! اگر تو خود کو بھی نہ دیکھتا تو یہ شرک نہ ہوتا۔ اب جب کہ تو تمام عالم کو اپنے ساتھ دیکھ رہا ہے تو یہ شرک ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے توبہ کی اور توبہ کرنے سے بھی توبہ کی کیونکہ توبہ کرنے والا اپنے وجود کو مان کر توبہ کرتا ہے اور اپنا وجود ثابت کرنا شرک ہے۔ آپ نے ایک بار اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ آپ تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے تو جواب ملا، ”از خود گزشتی رسیدی“ یعنی تو اپنے آپ سے نکل گیا تو پہنچ جائے گا۔ معلوم ہوا کہ طریقت میں اپنے وجود کو ثابت کرنا شرک کی طرح ایک درجہ رکھتا ہے۔

پس ہلاکِ نار نورِ مومن است

(مومن کا نور جہنم کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے)

جب ذکر الہی کیا جاتا ہے تو مومن کے دل میں ایک ایسی حرارت پیدا ہوتی ہے جو جہنم کی آگ سے بھی سترگنا تیز ہے۔ اس دنیا کی آگ کا درجہ حرارت تقریباً ۱۸۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ ہے اور جہنم کی آگ کا اندازہ لگائیں کہ وہ اس آگ سے بھی سترگنا تیز ہے۔ اس بات کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے کہ مومن جب پل صراط سے گزرے گا تو جہنم اس کو کہے گی کہ اے مومن! جلدی گزر جاتا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں تیرا نور میری آگ کو بجھا دے۔ جس حدیث کا مولانا رومیؒ نے مثنوی میں اشارہ کیا ہے وہ یوں ہے کہ ۔

تَقُولُ النَّارُ لِلْمُؤْمِنِينَ جُزْيًا مُمْرِنًا فَقَدْ  
أَطْفَأْنَا زُكَّ لَهَبِي (امام سیوطی ج ۱ ص ۱۳۲)

آگ مومن سے کہے گی ”اے مومن گزر جا کیونکہ  
تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا۔“

مصطفیٰ فرمود از گفت جیم کو بہ مومن لاپہ گر گردد زیم حضور ﷺ نے دوزخ کا قول (نقل) فرمایا ہے کہ وہ اپنے سرد ہو جانے کے خوف سے مومن سے خوشامد کرے گی۔

(۱۲۸/۲)

گویش گذر زمن اے شاہ زود ہیں کہ نورت سوزِ نارم را ربود کہے گی اے شاہ! مجھ پر سے جلدی گذر جا، دیکھو کہ تمہارے نور نے میری آگ کے سوز کو اڑا دیا ہے۔ (۱۲۸/۲) اس دُنیا میں ہم کو C.G.S سسٹم (یعنی سینٹی گریڈ گرام اور سیکنڈ سسٹم) سے واسطہ ہوتا ہے اور جب روشنی (Light) کی رفتار کی جگہ نور کا سسٹم دیکھا جائے تو اس کی کیفیت اور دُنیا کی روشنی کے سسٹم کے اعداد و شمار میں بہت زیادہ فرق ہے۔ سورۃ المعارج میں ہے کہ ملائکہ زمین سے آسمان کا سفر ایک لمحہ میں طے کرتے ہیں، جب کہ یہ راستہ دُنیا کے اعتبار سے پچاس ہزار سال کی مسافت پر ہے۔ اس لئے نوری مسافت اور نوری اوقات دُنیا کی مسافت اور اوقات سے بالکل مختلف ہیں بلکہ ہر ستارے کے قائم میں بہت زیادہ فرق ہے۔ زمین کا ایک سال اگر ۳۶۵ دن کا ہے تو دُنیا کے سالوں کے اعداد و شمار کے حساب سے عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، سیٹرن، یورینس، نیپچون اور پلوٹو کا ایک سال بالترتیب ۸۸ دن، ۲۲۵ دن، ۳۶۵ دن، ۲۸۲ دن، ۸۱۱ سال، ۵۲۹ سال، ۸۴ سال، ۱۶۳ سال اور ۲۴۸ سال کے برابر ہیں۔ آئن سٹائن نے جو نور کی سپیڈ کا فارمولا پیش کیا ہے، اس نے کہا ہے کہ اگر ہم نور کے حساب سے یعنی نور کی رفتار سے زمین کے گرد چکر لگائیں تو اپنے مقام سے چلنے سے پہلے ہی واپس آ جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نور کی رفتار روشنی کی رفتار سے بے حد زیادہ ہے۔ اگر نور کے ذریعے زمین سے آسمان کا فاصلہ ایک لمحہ میں طے ہوتا ہے تو زمین کے گرد چکر لگانے کے لئے نور کے سسٹم سے ماپا ہی نہیں جاسکتا اور ایسے معلوم ہوگا کہ جیسے ہم چلنے سے پہلے ہی پہنچ گئے ہیں۔ رفتار، فاصلے وغیرہ کا نقشہ ہماری تصنیف ”نشان منزل“ صفحہ نمبر ۶۹ پر دیا گیا ہے۔ (روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ ہے جب کہ نور کی رفتار کا اندازہ نہیں لگایا جاسکا)۔

پس ہلاکِ نار نورِ مومن ست زانکہ بے ضد دفعِ ضد لایمکن ست پس آتش (ذمائم) کا بجھانا (مطلوب ہو تو) مومنِ کامل کا نور (اس کو بجھاتا) ہے کیونکہ ضد کے بغیر ضد کا دفع کرنا ممکن نہیں ہے۔ (۱۲۸/۳)

نارِ ضد نورِ باشد روزِ عدل کالِ زقہرِ ایچنتہ شد ویں فضل آگ کا نور کی ضد ہونا قیامت کے دن (ظاہر) ہوگا کیونکہ وہ قہر الہی سے بھڑکی ہوئی ہے اور یہ اس کے فضل سے پیدا ہوا ہے۔ (۱۲۸/۲)



گرہے خواہی تو دفع شرِ نار  
آبِ رحمت بر دلی آتشِ غمار  
اگر تم (موجبات) آتش کے شر کو دفع کرنا چاہتے ہو، تو (تعلقِ شیخ سے) آبِ رحمت کو (اس) آگ کے اندر ڈال دو، وہ بجھ جائے گی۔  
(۱۲۸/۲)

چشمہٴ آلِ آبِ رحمت مومن ست  
آبِ حیاں روحِ پاکِ محسن ست  
اس آبِ رحمت کا چشمہٴ مومن (یعنی پیرِ کامل) ہے (اور اس) محسن کی پاک روح (سراسر) آبِ حیات ہے (کہ انسان اس سے سیراب ہو کر زندہ و جاوید ہو جاتا ہے)۔  
(۱۲۸/۲)

حسن و فکر تو ہمہ از آتش ست  
حسنِ شیخ و فکرِ او نورِ خوش ست  
تیری جس اور تیرا فکر (شہواتِ نفسانیہ میں مصروف ہونے کے باعث) آتشِ دوزخ کے قبیل سے ہے، (بخلاف اس کے) شیخ کی جس اور اس کا فکر (ہدایت و ارشاد کا) عمدہ نور ہے۔  
(۱۲۸/۲)

آبِ نورِ او چو بر آتش چکد  
چک چک از آتش براید خوش جہد  
(اس مرشدِ کامل) کے نور کا پانی جو (اس) آتش (ذمائم) پر گرتا ہے تو آگ سے چڑچڑ کی (آواز) نکلتی ہے (اور) وہ آگ بالکل بجھ جاتی ہے۔  
(۱۲۸/۲)

چوں کند چک چک تو گولیشِ مرگ و درد  
تا شود ایں دوزخِ نفس تو سرد  
جب وہ آگ بجھتے وقت چڑچڑ کرنے لگے، تو اس کو کہہ (کہ تجھے) موت اور درد (نصیب ہو) تاکہ تیرے نفس کا یہ دوزخ ٹھنڈا ہو جائے۔  
(۱۲۸/۲)

پُونی اے عیسیٰ ز دیدارِ یہود  
پُونی اے یوسف ز اخوانِ خود  
(اے عیسیٰ) (نفسِ شیخ) یہود (صفتِ مرید) کے دیکھنے سے آپ کے مزاج کیسے ہیں؟ اے یوسف (کی طرح جمالی معنی سے متصف بزرگ) ان برادرانِ یوسف (جیسے بے وفا مریدوں کی بدسلوکی سے) آپ کا کیا حال ہے؟ (۱۸۳/۲)  
مولانا مریدوں کی بدسلوکی سے ہر شیخ کی دلجوئی کرتے ہیں۔ شیخ و مرید کا معاملہ خاصِ خدائی معاملہ ہے، جس کو نفس اور مقتضیاتِ نفس سے کوئی تعلق نہیں اور اس میں رنج و کدورت عناد و خصومت اور بغض و حسد کا کچھ دخل نہیں۔ بعض اوقات ایک شیخ کامل اور اس کے مرید باخلاص میں شکر رنجی ہو جاتی ہے۔ اس امکان کی بناء پر مولانا روٹی شیخ و مرید کی باہمی ناچاقی کا نقشہ کھینچ کر بیان کر رہے ہیں۔ شیخ کامل بھی معصوم عن الخطا نہیں ہوتا بلکہ کمالاتِ باطن کے باوجود بہ تقاضائے بشریت اس کا تنگ مزاج و زود رنج ہونا ممکن ہے۔ علاوہ اس کے شیطان جو بندے کا دشمن ہے، خصوصاً شیخ و مرید کے معاملے کو مکرر و ناخوشگوار کرنا اس کا مقصد اولین ہے، تاکہ بندے کو قربِ حق حاصل نہ ہو اور خود شیطان درگاہِ حق سے راندہ ہو چکا ہے۔ شیطان اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بندے کو بہکا کر کسی طرح قربِ حق سے محروم کر دے، اس لئے وہ شیخ اور مرید میں نفاق ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

اگر شیخ کامل و مکمل اور اخلاقی پیغمبری سے بہرہ مند ہو تو ایسے حالات میں وہ خود ازراہ شفقت و مروت اصلاح ذات کی کوشش کر کے مرید کو اس مصیبت سے بچا لیتا ہے۔

در نے تانی کعبہ لطف پر غرض کن بیچاری بر چارہ گر  
اگر تم اس پر عمل نہ کر سکو تو مہربانی کر کے کعبہ کی طرف پرواز کرو، (اپنی) بے چاری کو چارہ گر پر پیش کرو۔ (۱۹۰/۲)  
عاجزی کے ساتھ اس سے دعا کرو اگر ریاضات و مجاہدات کی طاقت و فرصت نہیں تو خیر، حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔

سامری وار آل ہنر در خود چو دید او زموی از تکبر سر کشید  
(اس مفرور کا حال) سامری کی طرح ہے، جس نے اپنے اندر (پچھڑا بنانے اور آواز پیدا کرنے کا) ہنر جو دیکھا تو ازراہ تکبر موسیٰ علیہ السلام سے سرکشی کی۔ (۱۹۲/۲)

سعادت مندی یہ ہے کہ اپنے آپ کو اپنے استاد اور مرشد کا ممنون احسان سمجھے، خواہ خود کمالات کے کسی درجے پر فائز ہو جائے مگر ان سے اپنا تعلق منقطع نہ کرے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ“ جو لوگوں کا شکر ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکر بھی نہیں کرتا، لہذا استاد و شیخ سے ہرگز قطع تعلق نہ کرے۔ اس کی بڑی نخواست پڑتی ہے۔ ایک ذرا سے ہنر کی بناء پر مرید اپنے آپ کو سامری جادوگر کی طرح شیخ سے مستغنی بلکہ ان سے برتر نہ سمجھے۔

کیست کافر؟ غافل از ایمان شیخ

(کافر کون ہے؟ شیخ کے ایمان سے غافل)

اس سلسلہ میں راقم الحروف سب سے پہلے یہ حقیقت پیش کرنا چاہتا ہے کہ مشائخ عظام کے نزدیک بیعت کرنا واجب ہے۔ اس پر بہت سے استدلال ہماری تصنیف ”تکلیل بیعت“ میں دیئے گئے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ واجبات کا درجہ فرائض کے بعد ہوتا ہے اور فرائض اور واجبات میں معمولی سا فرق ہے۔ واجب کا انکار کرنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا اور پھر جس پر اجماع امت (یعنی مومنوں کا اکثر حصہ متفق) ہو تو وہ غلط نہیں ہو سکتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس راہ پر رسول اللہ ﷺ نے خود عمل کیا اور یہ سنت مؤکدہ بھی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس راہ پر تمام کے تمام مشائخ نے بھی عمل کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے سے اب تک جس قدر مشائخ ہو چکے ہیں (جن میں شیخ عبدالقادر جیلانی، جنید و بایزید، امام شعرانی، معین الدین چشتی، فرید الدین گنج شکر، نظام الدین اولیاء، پیر مہر علی شاہ، مولانا قاسم موہڑوی اور میاں شیر محمد شریقی جیسی ہستیاں شامل ہیں) وہ سب بیعت کے عمل کو واجب سمجھتے رہے ہیں اور آج ایک غیر روحانی معمولی شخص کے کہنے سے یہ سلسلہ بیعت منقطع ہونے کی کوئی وجہ



نہیں ہو سکتی۔ قرآن کی آیات اور احادیث بیعت کے جواز پر موجود ہیں۔ اس بیعت سے انکار کرنے والا صرف دشمنانِ اسلام کا پٹھو ہو سکتا ہے۔ اس بات کی وضاحت ہم نے اپنی کتاب ”تکھیلِ بیعت“ میں مکمل طور پر کر دی ہے۔ اس قدر اہمیت والے عمل کو بُرا کہنے والا کوئی دیندار آدمی تو نہیں ہو سکتا، اس لئے مولانا نے فرمایا کہ پیر کی ہستی اور شیخ کی ذات کی بیعت کو نہ ماننے والا کافر سے کم نہیں اور شیخ کی زندگی سے بے خبر شخص مردہ ہے، زندہ نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ جو لوگ ان بزرگوں کو نہیں مانتے تو وہ خود نقصان اٹھاتے ہیں اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ ان کے فیض سے محروم اور عمر بھر رُوحانیت سے خالی رہتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ۷

ہر کہ شد محرم دل در حرم یار بماند      و آنکہ ایں کار نہ دانت در انکار بماند

جو بھی دل کا محرم ہو وہ اپنے یار کے حرم میں رہتا ہے اور جو اس کام کو نہ سمجھا وہ اپنے انکار میں مارا گیا۔

مولاناؒ کے کچھ اشعار نیچے دیئے جا رہے ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں ۷

کیست کافر؟ غافل از ایمانِ شیخ      کیست مُردہ؟ بیخبر از جانِ شیخ

کافر کون ہے؟ شیخ کے ایمان سے غافل! مردہ کون ہے؟ شیخ کی جان سے بے خبر۔ (۳۱۳/۲)

تن سے جسم اور جان سے رُوح مراد ہے یعنی لوگ اس حقیقی سر یعنی رُوح کو تو دیکھتے ہی نہیں صرف ظاہری سر یعنی دھڑیا جسم کو دیکھتے ہیں اور اسی پر حکم لگاتے ہیں، حالانکہ ان کے اس ظاہری سر میں اور اس سر میں بُعْدُ الْمَشْرِقَيْنِ ہے اور گویا یہ سر اس سر کے مقابلے میں لائقِ نفرت اور کافر ہے۔ نہیں، نہیں! بلکہ کافر وہ ہے جو شیخ کے کمالاتِ باطن سے غافل ہے اور مردہ وہ ہے جو شیخ کی حیاتِ طیبہ سے نابلد ہے۔ شیخ کامل ایمان و کفر دونوں سے بالاتر ہے، ان سے وہ موصوف نہیں ہو سکتا۔ اب یہ ارشاد ہے کہ شیخ کے ایمان سے غافل ہونے والا کافر ہے تو پھر شیخ ایمان سے کیونکر موصوف ہوا۔ یہاں شیخ کے ایمان سے مراد تصدیقِ عیانی ہے اور پیچھے جس ایمان کی نفی کی گئی تھی وہ ایمانِ تقلیدی تھا، جو عیان و شہود کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔

جان نباشد جو خبر در آزموں      ہر کرا افزوں خبر جانِ فزون

آزمائش میں علم حاصل نہ ہونے کے سوا اور کسی چیز سے جان ثابت نہیں ہوتی، جس کا علم بڑھا ہوا ہے اس کی جان بڑھی ہوئی ہے۔ (۳۱۳/۲)

جان ما از جانِ حیوان بیشتر      از چہ! زان رُو کہ فزون دارو خبر

دیکھو ہماری جان (چوپایہ) جانوروں کی جان سے بڑھ کر ہے، کیوں؟ اس لئے کہ ہماری جان زیادہ علم رکھتی ہے۔

(۳۱۳/۲)

حیوانات کو صرف جزئیات کا علم ہے اور انسان کو کلیات کا بھی علم ہے، جس طرح ایک انسان اپنے قوی دشمن سے کوئی چوٹ کھا کر فرار ہوتا ہے، اسی طرح ایک جانور بھی لٹھی کی ضرب کھا کر بھاگ جاتا ہے کیونکہ یہاں ایک

اور محسوس موثر ہے، جس سے متاثر ہونے میں انسان اور یہ (جانور) دونوں برابر ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جس طرح دُور سے لاشیٰ اٹھانا انسان کے لئے موجب خوف و حذر ہے اسی طرح حیوان کے لئے بھی باعث فرار ہے، کیونکہ یہاں ایک امر یعنی توقعِ اذیت موثر ہے اور اس میں بھی دونوں مساوی ہیں۔ جب چھت کے شہتیر کے ٹوٹنے کی آواز آئے تو انسان فوراً بھاگ جائے گا مگر چوپایہ کی طبیعت میں کوئی امر بھاگ جانے کا محرک نہ ہوگا، اس مقام پر خوف و حذر کا باعث ایک امرِ کل ہے اور وہ یہ ہے کہ جب چھت کا شہتیر ٹوٹتا ہے تو ضرور ساری چھت زمین پر آ گرتی ہے اور اس کے نیچے دب کر ہلاک ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ انسان مدرکِ کلیات ہے، اس نے اس امرِ کل کا ادراک کر لیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ چوپایہ مدرکِ کلیات نہیں، صرف محسوسات و فتوحات کا ادراک کر سکتا ہے اس لئے اسے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا اور کھڑا رہا۔ اس سے انسان کے علم کا حیوان کے علم سے بہ مدارج زیادہ ہونا ثابت ہوا۔ جب ہمارا علم ان کے علم سے بڑھ کر ہے تو ہماری زندگی بھی ان کی زندگی سے افضل و برتر ہوگی۔

اگرچہ بعض خاص اعتبارات سے انسان ملائکہ سے افضل ہے مگر علم اور احاطہ معلومات کے لحاظ سے عامہ بشر سے ملائکہ بڑھ کر ہیں کیونکہ انسان میں حسِ حیوانی ہے، حسِ ملکی نہیں جب کہ فرشتوں میں حسِ ملکی ہے، حیوانی نہیں اور حسِ ملکی ادراکِ حیات میں حسِ حیوانی سے بڑھ کر ہے۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ملائکہ انسان سے افضل ہیں یا انسان ملائکہ سے افضل ہیں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیدا فرمایا تو ملائکہ نے عرض کیا ”اے پروردگار! تو نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو کھاتے ہیں، پییتے ہیں، نکاح کرتے ہیں اور سوار ہوتے ہیں، پس ان کے لئے دُنیا مخصوص کر دے اور ہمارے لئے آخرت۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے جس کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس میں اپنی رُوح پھونکی ہے، اسے میں اس مخلوق کے برابر نہیں بناؤں گا جو صرف کن کے کہنے سے موجود ہوگئی (مشکوٰۃ) ابن الاعرابی کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ انسان اور ملائکہ کرامات اور قربت میں برابر نہیں ہیں بلکہ انسان کی بندگی بڑھ کر ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ)

### حضرت ابراہیم ابنِ ادہمؒ نے بادشاہت چھوڑ دی

حضرت ابراہیم ابنِ ادہمؒ نے بادشاہت چھوڑ کر فقیری اختیار کی۔ قصہ ان شاء اللہ کسی دوسرے مقام پر بیان کیا جائے گا۔ فقیری کے دنوں میں آپ دریا کے کنارے پر اپنی گودڑی سی رہے تھے کہ ادھر سے ان کی بادشاہی کے زمانے کا سینئر وزیر آیا اور انہیں اس حالت میں دیکھ کر دل میں کہا کہ یہ شخص بہت بڑی سلطنت کا مالک تھا مگر اس نے کیا کیا ہے کہ فقیروں کا سا حال بنا رکھا ہے۔ جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو حضرت ابراہیم ابنِ ادہمؒ نے اسے بلایا اور اس کے سامنے اپنی سوئی دریا میں پھینک دی اور پھر حکم دیا کہ میری سوئی لاؤ۔ اس پر بہت سی مچھلیاں سونے کی سوئیاں اپنے منہ میں لے کر حاضر ہوئیں مگر آپ نے فرمایا کہ میں اپنی لوہے کی سوئی چاہتا ہوں تو ایک مچھلی وہ سوئی لے کر حاضر ہوئی۔ وہ وزیر یہ معاملہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ اصل حکومت تو یہ ہے پہلی



حکومت تو اس کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی ۔

چوں نفاذِ امرِ شیخ آں میر دید زآمدِ مایِ شدش دجدے پدید  
جب اس امیر نے شیخ کا حکم (یہاں تک) چلتا دیکھا (کہ مچھلی ان کی سوئی لے کر حاضر ہوگئی) تو مچھلیوں کی آمد  
سے اس پر ایک وجد طاری ہو گیا۔ (۳۱۴/۲)

گفت آہ مایِ زپیراں آگہ است خُہ تنے را کو لعینِ درگہ است  
تب اس نے کہا (اللہ اکبر) مچھلیاں تو بیروں کو پہچانتی ہیں (آدی نہیں پہچانتے) افسوس ہے اس شخص پر جو (اس)  
درگاہ سے مردود ہوا۔ (۳۱۴/۲)

ماہیاں از پیر آگہ ما بعید ماضی زیں دولت و ایشاں سعید  
مچھلیاں (تو) پیر سے واقف (ہوں اور) ہم اس سے دور (ہوں) ہم تو اس دولت سے محروم ہوں اور یہ بہرہ ور  
ہوں۔ (۳۱۴/۲)

سجدہ کرد و رفت گریاں و خراب گشت دیوانہ ز عشقِ فتح باب  
(پھر) وہ شامی آداب بجالایا اور روتا ہوا (بحال) خراب چل دیا اور دروازہ (دل کے) کھلنے کے اشتیاق سے دیوانہ  
ہو گیا۔ (۳۱۴/۲)

پس تو اے ناشستہ رُو در چیستی؟ در نزاع و در حسد با کیستی؟  
پس اے ناپاک منہ والے! تو کس (خیال) میں ہے؟ (ذرا سوچ تو سہی کہ) تو کس کے ساتھ جھگڑنے اور حسد  
(کرنے) میں (لگا ہوا) ہے؟ (۳۱۴/۲)

باؤم شیرے تو بازی میکنی بر ملائک ترکنازی میکنی  
مولانا روم فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو شیخ کی ہستی کے منکر ہیں، اُن کا یہ عمل ایسا ہے جیسے کوئی چوہا شیر کی دم سے کھیل  
رہا ہے، (کیا تجھے اپنی عافیت درکار نہیں کہ) تو فرشتوں پر حملہ کر رہا ہے۔ (۳۱۴/۲)

بد چہ میگوئی تو خیر محض را ہیں ترفع کم شمر ایں خفص را  
تو اس مجسم نیکی کو برا کہہ رہا ہے، خبردار! اپنی اس پستی (خیال) کو بلندی نہ سمجھ۔ (۳۱۴/۲)

تو اپنی اعتراض بازی کو بڑا کمال سمجھ رہا ہے کہ میں نے فلاں بزرگ کو یہ سوال کیا، ان کو جواب نہ آیا۔ یہ محض  
خط ہے اور کوئی دلیل نہیں۔ خدا خواستہ اس فضول چھیڑ چھاڑ سے کسی بزرگ کو دکھ پہنچ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں  
گے۔ شیخ کو بد کہنا بالکل نازیبا ہے۔ پہلے تجھے شیخ اور بد میں تمیز کرنی چاہیے، جس سے ان دونوں میں تضاد معلوم ہو  
جائے گا۔ بد کی مثال تانے کی سی ہے جو اصلاح کا محتاج ہوتا ہے اور شیخ گویا کیمیا ہے جو خود مصلح ہے اور مصلح بھی  
وہ کہ جس کے کمالات غیر محدود ہیں۔ پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ بدی اور مشیخت ایک ذات میں مجتمع ہوں ۔

مس اگر از کیمیا قابل بند  
کیمیا از مس ہرگز مس نشد  
(۳۱۴/۲) تانا اگر کیمیا سے درست نہ ہو سکا (تو) کیمیا (بھی) تانے (کے قرب) سے تانا نہیں بنتا۔  
در رخ مہ عیب بینی مکنی  
در بہشت خار چینی مکنی  
(۳۱۵/۲) تو چاند کے چہرے میں عیب بینی کر رہا ہے، تو بہشت میں کانا تلاش کر رہا ہے۔  
گر بہشت اندر روی تو خار جو  
چرخ خار آنجا نیابی غیر تو  
(۳۱۵/۲) اگر تو بہشت میں کانا تلاش کرنے جائے گا تو اس میں اپنے سوا کوئی کانا نہ پائے گا۔  
بزرگان دین میں عیب کیا تلاش کرتے ہو، اگر ان میں عیب ہے تو یہی ہے کہ تم جیسے نالائقوں سے اُن کو پالا پڑ گیا۔  
عیبا از ردِ پیراں عیب شد  
غیبا از رشکِ پیراں غیب شد  
معیوب اشیاء پیروں کے رد کر دینے سے معیوب قرار پائیں (اور) اسرارِ غیب پیروں کی غیرت کی وجہ سے معرضِ خفا  
(۳۱۵/۲) میں رہے۔

اسرارِ غیب پیروں کے منع اظہار کی وجہ سے مخفی کے مخفی رہ گئے اور معیوب کام پیروں کی غیرت کی وجہ سے  
جوان کاموں کو گوارا نہیں کرتی، معیوب ہی سمجھے گئے یعنی عیوب پیروں کے زائل کر دینے سے نابود ہو گئے اور مخفی  
اوصاف (جو بظاہر کمال سمجھے جاتے تھے) پیروں کی غیرت سے عیب قرار پائے۔ چھپے ہوئے اوصاف پیروں کے  
ناپسند کر دینے سے عیب بن گئے اور پھر عیب پیروں کی غیرت کی وجہ سے نابود ہو گئے۔

گر مریدے امتحان کرد او خراست

(اگر مرید شیخ کا امتحان کرے گا تو گدھا ہے)

اپنے سے بڑے عالم کے علم کا امتحان کرنا ایک حماقت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو بہت بڑا عالم  
سمجھتا ہے تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”وَلَوْ كُنَّ كُلُّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمًا“ یعنی ہر علم والے سے اوپر  
علم والا ہے۔ (یوسف: ۷۶)

حضرت بایزید بسطامیؒ کا ایک واقعہ ہماری تصنیف ”جہید و بایزید“ میں بیان ہو چکا ہے کہ ایک بار آپ کے دل  
میں یہ معلوم کرنے کا خیال آیا کہ میرا مقام کتنا بلند ہے لیکن پھر آپ نے یہ محسوس کیا کہ یہ بات مناسب نہیں،  
چنانچہ یہ خیال اپنے دل سے نکال دیا، ایک بار آپ ایک سفر کے دوران اپنے گھوڑے کو باندھ کر ایک درخت کے  
نیچے لیٹ گئے، اتنے میں ایک اونٹ والا آیا تو آپ نے اونٹ کی طرف ایسی نظر ڈالی کہ اس کے پاؤں زمین میں  
دھنس گئے۔ اس اونٹ پر جو سوار تھا اس نے ٹیڑھی آنکھ کر کے حضرت کی طرف دیکھا اور کہا: ”اے بایزید! کیا تم  
چاہتے ہو کہ میں اپنی وہ آنکھ جو کھلی ہے اس کو بند کر لوں اور جو آنکھ بند ہے اسے کھول دوں اور بایزیدؒ سمیت تمام



بسطام شہر کو زمین میں غرق کر دوں۔“ حضرت بایزید بسطامیؒ گھبرا گئے اور سوچنے لگے کہ یہ شخص تو بہت اُدنی شان رکھتا ہے۔ آپ نے اس سے بڑی نرمی سے دریافت کیا کہ ”تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟“ اُوٹ والے نے کہا کہ ”جس دن تم اپنا مقام معلوم کرنا چاہتے تھے اس دن میں یہاں سے چار ہزار میل دُور تھا، تمہیں ایسی حرکتوں سے اجتناب کرنا چاہیے اور تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہر علم والے کے اُوپر ایک اور علم والا ہوتا ہے۔“

مولانا رومؒ نے مثنوی میں اپنے پیر کا امتحان کرنے کے متعلق یہ منطق پیش کی ہے کہ ایک ترازو (جو معمولی حیثیت رکھتا ہے) ایک پہاڑ کو کس طرح تول سکتا ہے۔ مرید کے مقابلے میں پیر کی مثال ایک پہاڑ کی طرح ہے۔ چنانچہ ایسا ترازو رکھنے والا پرلے درجے کا احمق ہے، جو پہاڑ کو یعنی اپنے پیر کو اس ترازو سے تولنا چاہتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ علم تھا یا یہ علم نہ تھا تو اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی یہ اوقات ہرگز نہیں ہو سکتی کہ اتنی بڑی ہستی کے متعلق ایسی بات کہے، جب کہ اس کو خود اپنی اوقات کا کچھ علم نہیں۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ مرید کا مرشد کو آزمانا سخت بے ادبی ہے اور مرید کے لئے سخت نقصان کا باعث ہے اور اس سے اس کی ترقی رُک جانے بلکہ کیفیاتِ حاصلہ کے سلب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ شیخ جو پیشوا اور رہبر ہوتا ہے اگر مریدِ طریقت میں اپنے پیر کے مرتبہ کمال کے متعلق امتحان کرے گا یا اس کے کمالات کا سراغ لگانے کی گستاخی کرے گا تو اس کی یاداش میں اپنی ابتدائی پونجی بھی کھو بیٹھے گا۔

مرشد کا امتحان کرنا یا اس کے کاموں میں تصرف کرنے کے متعلق یہ سمجھو کہ تم ایک شاہِ عالی جاہ پر تصرف کرنے کی جرأت کر رہے ہو۔ پیر ہی کے فیضان سے مرید کو کشف یا وجدان کا درجہ حاصل ہوا ہے۔ کیا اسی کشف سے وہ پیر کا امتحان لے رہا ہے؟ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرید مرشد کا امتحان کرے تو وہ گدھا ہے۔

شیخ را کہ پیشوا و رہبرست  
گر مریدے امتحان کرد او خُست  
(۴۷/۴)

شیخ جو پیشوا اور رہبر ہے اگر کوئی مرید اس کا امتحان کرے تو (بڑا) گدھا ہے۔  
امتحانِش گر کنی در راہِ دین  
ہم تو گردیِ ممتحنِ اے بے یقیں  
اگر تو (طریقت میں مرتبہ کمال کے متعلق) اس کا امتحان کرے گا تو اے بے اعتقاد! تو بھی شریعت میں سلامتی و ایمان کے متعلق آزمائش میں پڑ جائے گا۔  
(۴۷/۴)

جرأت و جہلت شود عُریاں و فاش  
او برہنہ کے شود زیں اقتباس  
(اس جرأت سے) خود تیری گستاخی اور جہالت بے پردہ اور فاش ہو جائے گی، وہ اس تفتیش سے ننگا کب ہوگا۔  
(۴۷/۴)

## اصحاب کہف (واقعہ کی روایت)

اصحاب کہف کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنے زمانے کے صوفی تھے۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں درج ذیل آیت میں آیا ہے:

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى  
لَّائِي اور ہم نے ان کے نورِ ہدایت میں اضافہ کر دیا۔  
(الکہف: ۱۳)

۲۲۸ء میں جب روما کی سلطنت پر دقیانوس (DECIUS) متمکن ہوا تو اس نے عیسائیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ ایشیاء کو چک کی سلطنت افسس (EPHESUS) میں آیا تو لوگوں کو پکڑ کر مارنے لگا، اسی وجہ سے اس سلطنت کے چند نوجوان وہاں سے بھاگ کر قریب ہی ایک پہاڑ کی غار میں جا چھپے۔ وہاں ان کو نیند آ گئی اور وہ تین سو سال سے زائد عرصہ سوئے رہے۔ ان کو سونے کی مدت معلوم نہ ہو سکی۔ بھوک سخت لگ چکی تھی۔ اس وقت تک دقیانوس کے بعد کئی حکمران بدل چکے تھے۔

جب وہ بیدار ہوئے تو اس وقت بُت پرستی ختم ہو چکی تھی اور دینِ حق کی اشاعت ہو چکی تھی۔ اصحاب کہف کو بھوک لگی تو ان کا ایک آدمی جو سب سے زیادہ ہوشیار اور دانا تھا، اس کا نام یملیخا تھا، اپنا بھیس بدل کر کھانا لانے کے لئے شہر گیا۔ پہلے تو شہر کی متغیر شدہ حالت دیکھ کر حیران ہوا کہ کل شام تک کیا حالت تھی اور اب کیا سے کیا ہو گئی ہے، پھر جب وہ کسی دکان سے کھانا خریدنے لگا اور دکاندار کو نقدی دی تو لوگ ان پر آنے سکوں کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ لوگوں میں ان پر آنے سکوں کا چرچا ہونے لگا۔ سب کہتے تھے، ارے! یہ دقیانوسی سکے ہے۔ (ہمارے محاورے میں جو پرانی چیز ہو اس کو دقیانوسی کہتے ہیں، وہ اسی واقعہ سے ماخوذ ہے) غرض لوگوں نے سمجھا کہ یہ کوئی اجنبی اور غیر ملکی آدمی ہے۔ لوگ اس شخص کے گلے میں صافہ ڈال کر کھینچتے گھسیٹتے حاکم وقت کے پاس لے گئے۔ یملیخا اپنی اس حالتِ زار پر روتا تھا اور خصوصاً اس تصور سے اس کا دل بیٹھا جاتا تھا کہ اب اس کو دقیانوس کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔ وہ ادھر سے ادھر دیکھتا جاتا تھا کہ شاید میرا باپ بھائی وغیرہ یا کوئی رشتہ دار آ کر مجھے چھڑائیں گے مگر اس کو معلوم نہ تھا کہ آج کہاں ہیں دقیانوس اور کہاں ہیں اس کے بھائی بند؟ حاکم وقت ایک متقی پرہیزگار آدمی تھا، پہلے تو وہ یملیخا کی باتوں سے متعجب ہوا اور اس کو جھوٹا سمجھ کر دھمکانے لگا مگر جب اس سے پتے کی باتیں سنیں اور خصوصاً غار کا حال معلوم ہوا تو سمجھا کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ پر یقین دلانے کے لئے ہم کو دکھایا ہے۔ بادشاہ اپنے خدم و حشم سمیت غار کی طرف گیا اور صورتِ حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو سجدۂ شکر بجا لایا۔ اصحاب کہف پھر اپنی غار میں لیٹ گئے اور بدستور ان پر نیند غالب ہو گئی۔ اب وہ قیامت کے روز جاگیں گے۔ ضیاء القرآن میں ہے کہ تفسیرِ مظہری کے مطابق ان کے نام یہ ہیں:

(۱) یملیخا (۲) مکسلمینا (۳) مرطونس (۴) بینونس (۵) سارپونس (۶) ذونواس (۷) کشفیظ طنونس اور



ان کے کتے کا نام قطیر ہے۔ (ضیاء القرآن) اصحاب کہف کے نام متبرک سمجھے جاتے ہیں۔ نظربد، آسیب، سایہ، جنات وغیرہ بلیات اور آفات سے محفوظ رہنے کے لئے ان اسماء کا نقش استعمال ہوتا ہے۔ یہ قصہ قرآن مجید کی سورۃ الکہف میں تفصیل سے مذکور ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور تم دیکھتے ہو کہ جب آفتاب نکلتا ہے تو وہ دائیں جانب سے نچ کر نکل جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو بائیں جانب کتراتا ہے۔ کائنات کا شمسی اور فلکی نظام، ارض و فلک کے افعال طالبان حق کے خلاف نہیں ہو سکے۔

خفگانے کز خدا بد کارِ شاں      میل کردے آفتاب از غارِ شاں  
وہ سونے والے (اصحاب کہف) جن کا معاملہ خاص خدا کے ساتھ تھا، آفتاب بھی ان کے غار سے نچ کر نکلتا ہے۔  
(۳۱۵/۱)

مطلب یہ ہے کہ مولانا رحمہ فرماتے ہیں اصحاب کہف ایسے مقبول حق ہوئے کہ آفتاب بھی ان کے لحاظ سے کئی کترا کر نکلنے لگا۔ اگر خرق عادت ہو تو ان کی مقبولیت کی غایت ظاہر ہے۔ اگر وضع غار ہی ایسی ہو تو مقبولیت کا یہ اثر ہوگا کہ ان کے قلب میں ایسے پُر امن غار میں پناہ گزین ہونا ہی الہام کے ذریعے تھا۔ (کلید) لہذا جب اصحاب کہف نے کفر و شرک کی تمام باتوں سے الگ ہو کر اپنے آپ کو حوالہ بخدا کر دیا تو خدا نے بھی ان کو تمام آفات سے بچا لیا اور آفتاب تک کو ان کی رعایت حال پر مامور کر دیا۔ کما قیل۔

خار جملہ لطف چوں گلِ مے شود      پیش جزوے کو سُوئے گلِ مے شود  
اس جزو مخلوق کے آگے جو (اپنے) گل (یعنی خالق) کی طرف رجوع کرتا ہے) کا ثنا بھی پھول کی طرح پُر لطف بن جاتا ہے، یعنی جو بندہ اپنے مالک کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کے لئے تمام تکالیف و مصائب عین راحت بن جاتی ہیں۔  
(۳۱۵/۱)

چست تعظیم خدا افراشتن      خویشتن را خوار و خاکی داشتن  
خدا کی تعظیم سیکھنا کیا ہے؟ اس کے نام کو بلند کرنا (اور) اپنے آپ کو خاک و خار کی طرح حقیر و ناچیز بنالینا ہے۔  
(۳۱۵/۱)

مطلب یہ ہے کہ خدا کی تعظیم یہی نہیں کہ زبان سے نعرہ نکیر لگا لیا۔ جلّ جلالہ اور عَمَّ نَوَالہ یا اللہ اکبر کہہ لیا اور بس، نہیں! بلکہ حقیقی تعظیم یہ ہے کہ اس کا جلال اور اس کی عظمت انسان کے جسم پر اور رُوح پر اس قدر چھا جائے کہ وہ خود ایک سردار اور بادشاہ یا جرنیل ہوتے ہوئے بھی حقیر و ناچیز دکھائی دے۔

ہر کہ مُرد اندر تن او نفسِ گہر      مرؤرا فرماں برد خورشید و آبر  
جس شخص کے جسم میں بے دین نفس مر گیا، سورج اور ابر اس کے فرماں بردار ہو جاتے ہیں۔  
(۳۱۵/۱)

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”مَسْخَرَ لَّكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ“ اور اس (اللہ) نے مسخر کر

دیا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (الجاثیہ: ۱۳)، یعنی سورج، چاند وغیرہ اور تمام کائنات بحکم خداوند ہمارے کام میں لگے ہوئے ہیں، اگرچہ یہ تسخیر عام ہے مگر مقبولانِ حق اس میں مقصود اور دوسرے لوگ تابع ہیں۔ جیسے اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب مقصود کائنات، رُوح کائنات، نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ طلب کرو مجھ کو اپنے ضعیفوں میں، اس لئے کہ جو رزق تم کو دیا جاتا ہے یا فرمایا تم کو جو دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی جاتی ہے وہ فقیروں، محتاجوں اور مظلوموں کی امداد و اعانت کی بدولت ہے۔ مراد یہ ہے کہ تمہارے ضعیفوں کی برکت سے یہ مدد دی جاتی ہے یا مظلوموں کی امداد سے میری رضا حاصل کرو اور ضعیفوں کی برکت، اس لئے فرمایا کہ ان میں اقطاب، اوتاد اور ابدال بھی ہوتے ہیں، جن کی بدولت بلاد و عباد کا نظم و نسق قائم ہے۔ (مظاہرِ حق)

چوں دلش آموخت صبر افروختن آفتاب اُورا نیارد سوختن  
جب اس کا دل صبر کا چراغ روشن کرنا سیکھ جاتا ہے تو سورج بھی اس کو جلا نہیں سکتا۔ (۱۳۱۵/۱)  
گفت حق در آفتاب ملتجم ذکر تزاوُر کذا عَنْ كَهْفِهِمْ  
چنانچہ (آفتاب) درخشاں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ”تَزَاوُرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقَرَّبُ إِلَهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ“ (تو وہ ہٹ کر گذرتا ہے ان کی غار سے دائیں جانب اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہوا ڈوبتا ہے)۔ (۱۳۱۵/۱)

شد بر شیرانِ عالم مجلہ پست پُوں سگِ اصحاب را دادند دست  
(جب کارکنانِ قضا و قدر نے) اصحابِ کہف کے گئے کو غلبہ (معنوی) عطا فرمایا تو تمام شیرانِ عالم کا سر اس کے آگے جھک گیا۔ (۱۳۲۰/۱)

چہ زیاستش ازاں نقشِ نفور چونکہ جانش غرق شد در بحرِ نور  
(بھلا) اس (اصحابِ کہف کے گئے) کو قابلِ نفرت صورت سے کیا نقصان ہے، جب کہ اس کی رُوح دریائے نور میں غرق ہو چکی۔ (۱۳۲۰/۱)

گفت پیغمبر کہ اے طالبِ جری ہاں مکن با ہیچ مطلوبے مری  
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے گستاخ مریدِ خبردار! کسی مرشد کی برابری نہ کرنا۔ (۱۸۴/۱)

گفت احمد گر نمی خواہی زل ہیں مکن با ہیچ مطلوبے جدل  
حضرت محمد ﷺ نے فرمایا! اگر تو ذلت نہیں چاہتا تو کسی مطلوب یعنی مرشد سے جھگڑا مت کر۔ (۱۸۴/۱)

ور تو نمرودی ست آتش در مرو رفت خواہی اذل ابراہیم شو  
تم میں ابھی نمرودی اوصاف موجود ہیں (اس لئے) آگ میں نہ جاؤ، (اگر) جانا ہی چاہو تو پہلے ابراہیم بن



(۱۸۴/۱)

جاؤ۔

خویش را رنجور ساز و زار زار تا ثرا بیرون کند از اشتہار  
 اپنے آپ کو (انکسار و تواضع سے) رنجور اور زار و زار بنا لو تا کہ تم کو جاہ و مال کی شہرت سے نکال دیں۔ (۱۷۸/۱)  
 جان حیوانی ندارد اتحاد تو مجو اس اتحاد از روح باد  
 حیوانی جان اتحاد نہیں رکھتی ہے، تو یہ اتحاد ہوائی روح میں نہ تلاش کر۔ (۵۲/۴)

مولانا روٹی روح انسانی کی تعریف فرماتے ہیں کہ تمام حیوانات جن میں انسان، درندے، چرندے، طیور و وحش وغیرہ شامل ہیں، شعور اور روح حیوانی میں مشترک ہیں۔ شعور کے معنی اپنے فائدے اور نقصان اور راحت و زحمت کا احساس ہے اور روح حیوانی وہ ہے جس سے جسم زندہ ہے اور اس کے تصرف سے وظائفِ جسم پورے ہو رہے ہیں، پس یہ دونوں چیزیں انسان اور غیر انسان میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ عمل اور روح انسانی خاص انسان میں پائی جاتی ہے، باقی حیوان اس سے بہرہ مند نہیں۔ عقل کے خواص میں سے ایک ادراکِ کلیات اور حصولِ معارف بھی ہے، جس سے باقی حیوانات کو مطلق تعلق نہیں۔ انبیاء و اولیاء کی روح و عقل اور بھی اعلیٰ پایہ کی ہوتی ہے، جو انوارِ الہیہ ہونے کے لحاظ سے باقی تمام انسانوں کی روح و عقل سے ممتاز ہے۔

مولانا روٹی فرماتے ہیں، شعور اور روح حیوانی اگرچہ انسان اور باقی تمام حیوانات میں موجود ہے لیکن وہ ذریعہ اتحاد نہیں، بلکہ روح انسانی اور عقل ذریعہ اتحاد ہے اور انبیاء اور اولیاء کی روح و عقل تو اثنیٰ تر ذریعہ اتحاد ہے، اس سے باہر عام انسان کی روح بھی متحد نہیں۔ روح حیوانی ایک جسمِ لطیف بخاری ہے کہ اس کی بقاء سانس اور ہوا پر موقوف ہے۔ روح انسانی اس سے الگ اور برتر چیز ہے جو خاص انسان میں پائی جاتی ہے، اس لئے روح حیوانی اتحاد نہیں رکھتی، اتحاد اگر ہے تو عقل اور روح انسانی میں ہے۔

باز غیر عقل و جان آدمی ہست جانے در ولی و در نبی  
 پھر انسان کی عقل اور جان کے علاوہ، ولی اور نبی میں جان ہے۔ (۵۲/۴)

نار شہوت می نیاراد بآب زانکہ دارد طبع دوزخ در عذاب  
 شہوت کی آگ پانی کے ساتھ تسکین نہیں پاتی کیونکہ وہ عذاب میں دوزخ کی طبیعت رکھتی ہے۔ (۳۷۶/۱)  
 آتش شہوت کو نارِ دوزخ کے ساتھ مشابہ ہونے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے ”حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ“  
 یعنی دوزخ شہواتِ نفس سے ڈھکا ہوا ہے۔ شیطان لاحول پڑھنے سے دفع ہو سکتا ہے مگر نفس شہوت پرست تو مایا ستین ہے، کسی تدبیر سے دفع کرنا آسان نہیں۔ ظاہری آگ تو پانی سے بجھ سکتی ہے مگر شہوت کی آگ دوزخ تک لے جاتی ہے۔ آتشِ مخلوق (شیطان) کے علاوہ یہ شہوت ایک اور آگ ہے جو انسان کے اندر گناہ اور لغزش کی اصل بناء ہے یا یوں کہو کہ اس آگ کے اندر گناہ و لغزش کی جڑ ہے۔

روح می بڑوت سوئے عرش بریں سوئے آب و گل خُدی در اسفلین  
روح تو تجھے عرش بریں کی طرف لے جاتی ہے لیکن تو پانی اور مٹی کی طرف نچلے درجوں میں آ گیا۔ (۸۴/۱)  
روح اگر چہ قید جسم میں مقید اور علائق جسمانیہ میں محصور نظر آتی ہے مگر اُس کا اصلی مقام اعلیٰ و ارفع ہے، اس لئے وہ ان علائق سے آزاد ہونے اور اپنی اصل کی طرف واصل ہونے کی متقاضی ہے مگر انسان نے اس کو بار علائق کے نیچے دبا رکھا ہے جو اس کے لئے مانع ترقی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انسان میں دو قوتیں ودیعت کی ہیں۔ ایک قوت ملکیہ یعنی فرشتوں کے ساتھ مناسبت رکھنے والی طاقت اور اس کے پیدا ہونے کی صورت یہ ہے کہ روح حیوانی جو بدن انسان میں سرایت کیے ہوئے ہے، روح انسانی سے فیض یاب ہو اور وہ اس کے فیض کو قبول کرے۔ قوت ملکیہ کے علاوہ قوت نفسانیہ ہے اور یہ قوت نفس حیوانی سے پیدا ہوتی ہے، جو تمام حیوانات میں مشترک ہے۔ یہ قوت روح طبعی کے قویٰ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ ان دونوں قوتوں میں کھینچا تانی اور مزاحمت ہوتی رہتی ہے۔ قوت ملکی عروج چاہتی ہے اور بلندی کی طرف لے جاتی ہے مگر قوت بھی تنزل کی متقاضی ہوتی ہے اور پستی کی طرف کھینچتی ہے۔ اگر قوت بھی غالب آ جائے تو قوت ملکی دب جاتی ہے اور اگر قوت ملکی کا غلبہ ہو جائے تو قوت بھی ہار کر رہ جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روم کے سفیر نے بھی یہی سوال کیا تھا۔

مرد گفتش کاے امیر المومنین جاں زبالا چوں در آمد بر زمین  
اس شخص نے آپ سے سوال کیا، اے امیر المومنین! روح عالم بالا (یعنی عالم امر) سے زمین (یعنی عالم خلق) میں کیوں آگئی؟ (۱۶۹/۱)

روح مجرد کو جسم مادی سے بلحاظ اصل کوئی نسبت نہیں، پھر ان دونوں میں ارتباط کیوں ہو گیا۔ چونکہ روح عالم امر سے ہے اور عالم امر مادہ سے منزہ ہے۔ سفیر نے پوچھا یہ روح کا طائر جسم کے پنجرے میں، جو مادی ہے کیوں کر داخل ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روح پر ”سُکن“ کا افسون و افسانہ پڑھ دیا، اس لئے وہ جسم میں داخل ہو گئی۔ جسم غصری کے ساتھ روح کا تعلق بحکم ”سُکن“ ہوا۔

روح صالح بر مثالِ اُشریت نفسِ گرہ مرورا چوں پئے بریت  
روح (جو مثل) صالح کے ہے۔ وہ شتر کی مثل (ایک چیز یعنی بدن) پر (سوار) ہے اور گمراہ (آدی) کا نفس اس کے پٹھے کاٹنے والا ہے۔ (۲۶۸/۱)

حضرت صالحؑ اور شمودؑ کی قوم کے قصے میں اشیاء کے ذاتی معاملات کو سرسری سمجھ لینا اور آخر خود اپنی اس غلطی کا شکار ہو جانا مذکور ہے۔ اب علماء ان واقعات کو مقبولان حق اور اُن کے منکروں کے حالات پر چسپاں فرماتے ہیں کہ جس طرح موزیان ناقہ قبر الہی سے نیست و نابود ہو گئے، اسی طرح خاصان حق کو ایذا دینے والے لوگ بھی تباہ



ہو جاتے ہیں۔ پس مقبولانِ الہی کی روح تو مثلِ صالحؑ کے ہوئی اور تن مثلِ ناقہ کے ہے۔ سو روح تو ہمیشہ وصل میں ہے کہ اس کو کوئی ہلاک نہیں کر سکتا لیکن تن فاقہ و غم میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ روح آفتوں کا اثر قبول کرنے والی نہیں، اگر آفت آئے بھی تو اس کا اثر جسم پر ہوگا، روح پر نہیں اور نہ ہی آزار کا اثر قبول کرنے والی ہے کیونکہ وہ نورِ الہی ہے اور اللہ کا نور کفار سے مغلوب نہیں ہو سکتا۔

جب روم کے سفیر نے یہ تروتازہ الفاظ سنے، جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالاتِ باطن کا ذکر تھا تو اس نے کہا کہ کہیں ایسا آدمی بھی دنیا میں دیکھا گیا ہے جو جہاں میں رہ کر اس سے جان کی طرح پوشیدہ ہو۔ حیرت ہے کہ دنیا میں ایسا شخص موجود ہے اور اس کا حال مخلوق سے روح کی طرح مخفی ہے، پھر وہ وزیرِ آپؐ کی زیارت کا اور بھی مشتاق ہو گیا۔ وہ سفیر برابر ان کو تلاش کرتا تھا۔ آخر تلاش کرنے والا مطلوب کو پا ہی لیتا ہے۔ چنانچہ ایک اعرابی عورت نے اس کو نووارد دیکھ کر بتایا کہ وہ دیکھ خلیفہ ظل اللہ لوگوں سے علیحدہ کجور کے درخت کے سائے میں سو رہے ہیں۔ وہ سفیر وہاں آیا اور آپؐ سے دُور ہی کھڑا ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے ہی کانپنے لگا۔ اپنے دل میں کہنے لگا مجھ پر دیگر بادشاہوں سے کبھی ہیبت اور خوف طاری نہیں ہوا مگر اس آدمی کی ہیبت نے میرے ہوش گم کر دیئے ہیں۔ میں اکثر شیر اور چیتے کے جنگل میں بھی گیا ہوں اور ان کے خوف سے میرے چہرے نے رنگ نہیں بدلا۔ کیا بات ہے یہ شخص تو ہتھیار کے بغیر زمین پر سو رہا ہے مگر میرا جوڑ جوڑ اس کے رعب سے کانپ رہا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا ۔

ہیبتِ حق ست ایں از خلق نیست  
ہیبتِ ایں مردِ صاحبِ دلق نیست  
(ہاں یہ) خدا کی ہیبت ہے، مخلوق کی ہیبت نہیں ہے، (یہ) اس (سونے والے) خرقة پوش آدمی کی ہیبت نہیں ہے۔  
(۱۶۷/۱)

یہ خوف، خدا کا خوف ہے، مخلوق کی ہیبت نہیں ہے، جو شخص خدا سے ڈرا اور پرہیز گاری اختیار کی تو اس سے جن اور انسان اور جو اس کو دیکھتا ہے، ڈرتا ہے۔

**خدمت بے لوٹ ہو کر کرو**

اسی باب میں ایک مضمون ”ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد“ کے عنوان سے گذر چکا ہے۔ یہاں خدمت کے موضوع پر مولانا روٹی کے مزید اشعار دیئے جا رہے ہیں۔ اس حقیقت کو جان لینا چاہیے کہ کسی کام میں مکر و حیلہ خلوص کو ختم کر دیتا ہے اس لئے اگر خدمت کی جائے تو خلوصِ نیت سے تاکہ انوارِ نبوت سے آپؐ کو بھی حصہ مل سکے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی خدمت بہتر جذبے کے ساتھ کی جائے تو اس کا اجر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ خدمت کرنے والا اپنے آپ کو کمترین اور خدمت گزار بنانے کے لئے خدمت کرے، فرعونیت والا خدمت کر ہی نہیں سکتا۔

بر خیال و حیلہ کم تن تار را کہ غنی رہ کم دہد مکار را  
(۵۷/۵) حیلہ کے خیال سے مکر و فریب کے تانے نہ تو، کیونکہ خداوند غنی مکار کو باز یاب نہیں کرتا۔

مکر گن در راہ نیکو خدمتے تا نبوت یابی اندر اُمّے  
(۵۷/۵) حسنِ خدمت کی راہ میں تدبیر کرو تا کہ تم اُمّتی ہو کر نبوت کے کمالات پاؤ۔

مکر گن تاواری از مکر خود مکر گن تا فرد گردی از حسد  
(۵۷/۵) تدبیر کرو تا کہ تم اپنے مکر سے چھوٹ جاؤ اور تم حسد سے دور رہو۔

مکر گن تا سکتیں بندہ شوی در کی اُفتی خداوندہ شوی  
(۵۷/۵) تدبیر کرو تا کہ تم سب سے کم رُتبہ غلام بن جاؤ، کی میں پڑ جاؤ تو آقا بن جاؤ گے۔

روہی و خدمت اے گرگ کہن بچ بر قصد خداوندی مکن  
اے پرانے بھیڑیے! تو جو خوشامد اور خدمت کرتا ہے تو بزرگ بننے کی نیت سے ہرگز نہ کر (بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور اللہ کے واسطے خدمت کر)۔  
(۵۷/۵)

اہل اللہ کی خدمت اس نیت سے نہ کریں کہ ہم بھی ان کی اجازت سے پیر بن جائیں، کیونکہ یہ نیت موجب حرمان ہے بلکہ ان کی خدمت بے غرضی اور خلوص سے کی جائے پھر بفضلہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ راقم الحروف نے ایک تبلیغی مجلس میں حاضرین سے کہا کہ طریقت کو اختیار کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ ہم تو اس راہ پر چلنے والوں کو مکمل تربیت دیتے ہیں اور کامیاب سالکین کو خلافت بھی دے دیتے ہیں۔ سامعین میں سے ایک شخص گھر چلا گیا اور دوبارہ اسی جگہ پر آکر اہل خانہ کو کہنے لگا کہ اگر تمہارے پیر صاحب مجھے خلافت دے دیں تو میں بیعت ہونے کو تیار ہوں۔ یہ شخص خود غرض لوگوں کی ایک مثال تھا۔

آں زصیدی حسن صیادی بدید ویں زصیادی غم صیدی کشید  
اس عقل کل والے نے شکار بن کر شکاری کی خوبی دیکھی اور اس نے شکاری پن سے شکار بن جانے والوں کا غم حاصل کیا۔  
(۵۷/۵)

آں زخدمت نازِ مخدومی بیافت ویں زمخدومی زراہِ عزت بیافت  
اس مردِ خدا نے خدمت کے ذریعہ مخدومی کی شان حاصل کی اور یہ دُنیا دار مخدومی کے غرور کے باعث عزت کی راہ سے پھر گیا۔  
(۵۷/۵)

آں زفرعونٰی اسیرِ آب شد وزاسیری سبط از ارباب شد  
فرعون فرعونیت کی وجہ سے پانی میں غرق ہو گیا اور اسرائیلی قیدی ہو جانے کے باعث مخدوموں میں سے ہو گیا۔  
(۵۷/۵)



لعبِ معکوس ست و فرزین بند سخت      حیلہ کم کن کارِ اقبال ست و بخت  
مخدومی حاصل کرنا اُلٹا کھیل ہے اور سخت گہری چال ہے، اس کے مقابلہ میں کوئی حیلہ نہ کرو کیونکہ یہ نصیبہ اقبال کا  
معاملہ ہے، جو اپنے اختیار سے باہر ہے۔ (۵۷/۵)

روزِ محشر ہر نہاں پیدا شود

(محشر کے دن ہر پوشیدہ چیز ظاہر ہو جائے گی)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجرموں کو الگ کر دے گا اور اس دن اُن کے جسم کے اعضا اپنے عمل کا خود بخود اقرار  
کریں گے اور اپنے خلاف خود گواہی دیں گے۔ سورہ یس آیت نمبر ۵۹ میں ہے ”وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ“  
آج کے دن مجرمو الگ ہو جاؤ۔

روزِ محشر ہر نہاں پیدا شود      ہم زخود ہر مجرمے رسوا شود  
قیامت کو ہر مخفی بات ظاہر ہو جائے گی، ہر گنہگار آپ سے آپ رسوا ہو جائے گا۔ (۲۲۵/۵)

دست گوید من چنیں دزدیدہ ام      لب گوید من چنیں بوسیدہ ام  
ہاتھ کہے گا میں نے یوں چوری کی ہے، لب کہے گا میں نے یوں بوسہ لیا ہے۔ (۲۲۶/۵)

پائے گوید من شدتم تائمی      فرج گوید من بکردتم زنا  
پاؤں کہے گا (ناجائز) مقاصد کی طرف گیا ہوں، شرم گاہ کہے گی میں نے زنا کیا ہے۔ (۲۲۶/۵)

چشم گوید کردہ ام غمزہ حرام      گوش گوید چیدہ ام سوء الکلام  
آنکھ کہے گی میں نے حرام (طرز سے) اشارہ کیا ہے، کان کہے گا میں نے بری بات سُنی ہے۔ (۲۲۶/۵)

## حصہ چہارم

اٹھارہواں باب

## نفس اور اس کی سرکشی

نفس کی آفات کا علاج اور اس کی سرکشی کو قابو میں لانے کا طریقہ تقریباً تمام مشائخ نے اپنی تصنیفات میں عوام کے سامنے لانے کی کوششیں کی ہیں، جن کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک جامع تحریر راقم الحروف نے اپنی ایک تصنیف ”تہذیبِ نفس“ میں اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ لکھ دی ہے۔ نفس کی تمثیل مولانا رومیؒ نے ایک سانپ کے ساتھ دی ہے اور کہا ہے کہ سانپ نہایت مودی جانور ہے جو انسان کو تھوڑی ہی دیر میں ہلاک کر دیتا ہے۔ اس سانپ کا بہترین تذکرہ یہ ہے کہ اس کو قابو میں لا کر اس کے دانت توڑ دیئے جائیں۔

”کشف المحجوب“ میں بھی نفس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ نفس ایک سرکش گھوڑے کی طرح ہے، جسے جنگلی گھوڑے کی طرح محنت اور مشقت میں مبتلا کر کے مہذب کیا جاتا ہے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ نفس کی بے شمار آفات ہیں، جو انسان پر مختلف پہلوؤں سے حملہ کرتی ہیں۔ انسان کی شہوات کا روٹا ہونا، بے شرمی اور بے غیرتی کے اعمال کا سرزد ہونا، چوری چکاری اور رشوت وغیرہ ایسی آفات ہیں کہ جو نفس کی شرارت سے ہی وجود میں آتی ہیں۔ نفس جب انسان پر غالب ہو جائے تو اس پر تمام اعمالِ حسنہ اور نیکیوں کے دروازے مسدود ہو جاتے ہیں۔ بے ایمانی، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، عورتوں کے ساتھ بے غیرتی پر آمادہ کرنا، سب نفس کی ریشہ دوانیوں میں شامل ہیں۔ ابلیس کو جو اختیارات دیئے گئے ہیں ان کے باعث وہ لوگوں کی اخلاقی، معاشرتی اور روحانی زندگی تباہ کرتا ہے۔ شیطان کے حملے جو دیکھنے میں آتے ہیں، ان کا ذکر ہماری مذکورہ کتاب ”تہذیبِ نفس“ میں کر دیا گیا



ہے۔ تفصیل کے لیے اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

## شیخ کی روحانی تربیت سے کیا ملتا ہے

شیخ سے توجہ باطنی ملے تو نفس کی اصلاح آسان ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں روح کی تقویت ہوتی ہے۔ نگاہ شیخ میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ بندہ افکار شیخ سے سرمست ہو جاتا ہے اور اس کا تعلق عالم جبروت اور ملکوت سے ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ے

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی  
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندِی

شیخ کی صحبت انسان کو نفسانیت سے دُور کرتی ہے اور اس سے مریدوں کی عقلوں اور رُوحوں پر شیخ کی رُوحانیت کا اثر ہوتا ہے۔ شیخ اپنے مریدوں کو اتباعِ شریعت کی تاکید کرتا ہے، جس سے مرید کی رُوح اور بدن کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس اتباع میں نماز کی پابندی، روزہ کی مشقت، جہاد کی طرف رغبت اور زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب سے نفس کی تربیت ہوتی ہے۔ تربیتِ شیخ میں شیخ ہوش در دم، نظر بر قدم، سفر در وطن، یاد کرد، بازگشت، نگاہ داشت، یادداشت، وقوف مکانی اور وقوف عددی کے اسباق سکھاتا ہے، جو انسان کے نفس کے لئے اکسیر ہیں۔ مرید اگر کہیں بھی ہو تو رابطہ کے ذریعے وہ شیخ کی رُوحانیت سے دور نہیں ہوتا۔ شیخ کے ساتھ تعلق ایسے ہوتا ہے کہ گویا کسی مرید نے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا ہے۔ مضبوط کڑا سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے تو اس سے مرید کی رسی پیر کے ساتھ مل جاتی ہے اور پیر اس کو جذب کر کے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور پھر خدا سے ملا دیتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا روٹی فرماتے ہیں ے

خاک شو مردانِ حق را زیرِ پا خاک بر سرِ گنِ خسد را ہجوم  
مردانِ حق کے قدموں کی خاک ہو جاؤ اور ہماری طرح خسد پر مٹی ڈالو۔  
(۷۵/۱)

مولانا فرماتے ہیں کہ چونکہ تم نے جہنمی نفس کو باغ بنا لیا ہے مگر شیخ اس میں وفا کا بیج بو دیتا ہے۔

## خدا اُسے ملتا ہے جو نفس سے عداوت رکھے

حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی کی گئی ”اَنَا وَدَّيْتُ فِي عَدَاوَةِ النَّفْسِ“ اے داؤد! میں شیطان کی مخالفت میں رکھا گیا ہوں“ (احیاء علوم الدین)۔ شیطان نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے بہت سے ہتھکنڈے تیار کیے ہیں جن سے وہ لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔ قرآن میں بھی اس عداوت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ”وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ“ (اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے) (البقرہ: ۲۰۸) اور ایک مقام پر آیا ہے کہ ”وہ شخص جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک

(اُس کا) جنت ہی ٹھکانا ہے۔ (الفرغۃ: ۴۰)

قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ہر بُرائی کا سرچشمہ نفس ہے اور انسان کی آزمائش نفس کا مقابلہ کرنے پر ہی موقوف ہے۔ نفس بُرائی کا حکم دیتا ہے اور جو اس بُرائی سے بچ گیا، وہی فلاح پانے والا ہے۔

## درجات کی بلندی نفس کی مخالفت میں ہے

راقم الحروف کا مضمون ”مقام آدم“ جو ہماری تصنیف ”اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال“ میں شامل کیا گیا ہے، اس میں اس بات کی عقدہ کشائی کی گئی ہے کہ انسانوں اور فرشتوں کی بلندی کس چیز پر انحصار کرتی ہے۔ فرشتے ہر وقت عبادت کرتے ہیں اور کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے مگر ان کے درجات بلند نہیں ہوتے۔ جو فرشتہ جس مقام پر پیدا کیا گیا ہے، وہ اسی مقام پر ہی تمام عمر گزار دیتا ہے کیونکہ ان کو نفس کی مزاحمت نہیں دی گئی۔ کسی فرشتے کی نہ تو بیوی ہے اور نہ بچے اور نہ اس نے کسی کے لیے روزی کمانا ہے اور نہ اس نے بیوی بچوں کی خاطر کچھ کام کرنا ہے۔ ایسی حالت میں نہ اس کو کسی سے سلوک کرنے کی ضرورت ہے اور نہ کوئی نوکری یا ملازمت کرنا ہوتی ہے، لہذا ایسی حالت میں ان کو نہ تو کسی چوری چکاری اور نہ ہی کوئی بُرائی کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ درجات کی بلندی تو انسان کے لیے رکھی گئی ہے، اگر کوئی انسان رشوت نہیں لیتا تو اس کا درجہ بلند ہو جاتا ہے اور وہ فرشتے جو زنا یا بدکاری کرنے پر قادر ہی نہیں تو ان کے درجے کیونکر بلند کیے جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ درجات اس وقت بلند ہوتے ہیں جب کسی بُری بات سے خود کو روکا جائے اور چونکہ یہ سعادت فرشتوں کو حاصل ہی نہیں تو ان کے درجات کس طرح بلند ہو سکتے ہیں۔ محنت کرنا، فقر و فاقہ برداشت کرنا تو انسان کے لیے ہے، اس لیے ان کے درجات بلند ہو سکتے ہیں۔ فرشتہ بیچارہ جس درجے پر پیدا ہوا اس ہی درجے پر تمام عمر رہے گا۔ انسان کی اس بلندی درجات پر فرشتے رشک کرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے فارسی کلام میں لکھا ہے کہ فقر و فاقہ، ہاؤو اور مصائب کا برداشت کرنا نہ تو خدا کے لئے ہے اور نہ ہی حور و فرشتہ کو اس کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

## نفس کا قلبِ انسانی سے تعلق

قلبِ انسانی ایک نورانی چیز ہے اور اس میں ایک فرشتہ متعین ہے جو انسان کو نیکی کے کاموں کے لئے راغب کرتا ہے، لیکن جب دل نفس کی ہمسائیگی سے زنگ آلود ہو جاتا ہے تو دل میں بُرے خیالات اور بُرے کام کرنے سے سیاہ دھبے لگتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ دل گناہوں کی وجہ سے بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اپنے دل کو صیقل کرنا چاہے تو اللہ کے ذکر کی ضرب لگاتا رہے جس سے ایک دن یہ دل بالکل سفید، شفاف اور چمکدار ہو جائے گا۔ نفس کا مقام انسانی ناف سے ذرا نیچے ہے اور نفس کی اصل خباثت پر قائم ہے اور قلب کی طرح ذکر کرنے سے نورانی نہیں ہوتا۔ نفس کی صفت خباثت پر رکھی گئی ہے اور اس کو جتنا بھی صاف کرنے کی کوشش کی جائے تب بھی یہ خبیث ہی



رہے گا۔ اس کا علاج بزرگوں نے اس بات پر رکھا ہے کہ نفس کو مشقت میں ڈالا جائے تو یہ تھک کر اپنی عادت کو بدل لیتا ہے اور انسان کی تابعداری میں آ جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغی اور سرکش گھوڑے کو سہاگے کی بھاری لکڑی کھینچنے کے لیے اس کے پیچھے باندھ دی جائے اور صبح سے شام تک اس کو بھگایا جائے تو کچھ دنوں کے بعد وہ گھوڑا تنگ آ جائے گا اور مالک کی تابعداری کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس آمادگی کے بعد مالک اس کی مزید تربیت کرتا ہے تو وہ مالک کے اشاروں پر بڑے بڑے کام کرنے لگتا ہے، مثلاً اونچی چھلانگ، لمبی چھلانگ اور زمین پر گرے ہوئے چابک کو اپنے منہ سے اٹھا کر مالک کو دینا وغیرہ۔ اسی طرح نفس کو اگر شریعت کے کاموں میں مبتلا کیا جائے تو نفس اس میں موجود مشقت سے بھی تابعدار ہو جاتا ہے اور انسان کو بڑی بڑی کرامات کا مالک بنا دیتا ہے۔ بزرگوں کے تصرفات بھی نفس کی اصلاح کے بعد ہی نظر آتے ہیں۔

اگر قلب کی صفاء ذکر کے انوار سے متجلی ہو تو نفس کی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ قلب کی طرف ایک نظر اٹھا کر بھی دیکھے۔ اگر قلب کی حالت زنگ آلودہ ہو تو نفس انسان کے دل پر شیر کی طرح غالب ہو جاتا ہے۔ اس لیے قلب کو ذکر الہی سے منزکی اور متجلی رکھنا ضروریات تصوف میں سے ہے۔

### روح اور نفس کا تعلق

ایک حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی انسان شیطان کی پیروی میں لگا رہے تو شیطان انسان کے دل میں اپنے پنجے گاڑے رکھتا ہے، اگر کوئی شخص دنیاوی عیش و عشرت میں غرق رہے یا غیر شرعی گفتگو میں الجھا رہے تو اس کے دل میں شیطان اپنی چونچ رکھ دیتا ہے، جس سے انسان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے آتے رہتے ہیں اور اگر کوئی شخص نیک گفتگو یا نیک کاموں میں لگا رہے تو شیطان اس کے دل سے اپنی چونچ نکال لیتا ہے۔

اگر کوئی انسان بُرے کاموں میں الجھا رہے تو اس کے بُرے اثرات اس کے دل پر مرتب ہوتے رہتے ہیں اور روح کمزور اور نحیف ہو جاتی ہے۔ شیطان کی مدافعت کرنا ایسی روح کے بس سے باہر کی بات ہے۔ جب گناہوں کی تعداد بڑھتی رہے تو روح ایسے مرض میں گرفتار ہو جاتی ہے، جس کو ہم روحانی بیماری کہتے ہیں۔ کوئی شخص بیمار ہو تو پہلے وہ بیماری اس کی روح کو لگتی ہے اور پھر جسم پر منتقل ہو جاتی ہے۔ انبیاء کا مزاج معتدل ہوتا ہے، اس لیے ان کو کوئی بیماری لاحق نہیں ہوتی، ماسوا اس کے کہ ان کا امتحان لینا مقصود ہو۔

روحانی دنیا کا ایک اور قانون ہے کہ روح اور بدن ایک دوسرے کی نفیض (الٹ) ہیں، جن کاموں کے کرنے سے بدن کمزور ہو جائے اُن سے روح طاقتور ہو جاتی ہے۔ روح کی طاقت نیک کاموں سے ہوتی ہے۔ بُرے کاموں سے روح کمزور اور بدن طاقتور ہو جاتا ہے، مثلاً روزہ رکھنے سے بدن کمزور ہوتا ہے تو روح کو طاقت ملتی ہے، اسی طرح زیادہ کھانے سے بدن طاقتور ہو جاتا ہے اور روح کمزور ہو جاتی ہے۔

## جہاں نفس سرکش ہوتا ہے، وہاں خدا کا نور نہیں ہوتا

مولانا روئی فرماتے ہیں کہ انسان کا نفس جب تک لذتوں کی طرف مائل ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس نے اُخروی نعمتوں کی لذت نہیں چکھی۔ جب انسان اپنے آپ کو دُنیوی کمال کی منزل پر دیکھتا ہے تو خود اس کا دُنیا کی آفات میں گھرا ہوا عمل اس کی حالت کی تکذیب کرتا ہے، کیونکہ اس نور الہی کے دیدار کی علامات یہ ہیں کہ دھوکے کے جہان سے انسان کا بچاؤ ہو۔ مولانا روئی فرماتے ہیں کہ عورت کی بے وقوفی کی وجہ یہ ہے کہ اس پر حیوانیت کا وصف غالب ہوتا ہے کیونکہ وہ رنگ و بو پر بھروسہ رکھتی ہے۔ حیوان کا شعور حیات تک محدود ہے۔ انسان کی جزوی عقل بھی اگر غالب ہو جائے تو وہ عقلِ نفس کے مادہ کی شرارت کو سلب کر دے گی اور عقل کُلی کا تو کیا ہی کہنا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ نفس انسان کی عقلِ جزوی پر غالب ہے۔ نفس امارہ کو عقل کُلی سلب کر لیتی ہے۔ نفس انتہائی بھوکا ہے اور صبر نہیں کر سکتا۔ مولانا روئی کا کلام بہت طویل ہے، لہذا تنگ قُرطاس کی بناء پر مزید کلام کا پیش کرنا مشکل ہے۔ ضرورت مند اصحاب ہماری تصنیف ”تہذیبِ نفس“ کا مطالعہ کریں، جس کی ضخامت چھ سو (۶۰۰) صفحات سے زائد ہے اور عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

نفس تو تا مستِ نقلِ ست و نَبید      دانکہ رُوحِ خوشہِ نَبیِ ندید  
تیرا نفس جب تک (دُنیا کی عیش اور) نقل و شراب سے مست ہے، یاد رکھ کہ تیری روح نے قُربِ حق کا نَبیِ خوشہ نہیں دیکھا۔

کہ علاماتِ ست زان دیدارِ ثور      التَّجَافُی مِنْكَ عَنْ دَارِ الْغُرُورِ  
کیونکہ اس نور کا دیدار کرنے کی نشانیاں یہ ہیں کہ تجھ سے دھوکے کے گھر (دُنیا) سے کنارہ کشی عمل میں آئے۔ (۲۵۰/۵)  
چوں بہ بیندِ ثورِ حق ایمن شود      ز اضطراباتِ شک او ساکن شود  
جب وہ حقیقت (اللہ) کا نور دیکھ لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے، وہ شک کی بے چینیوں سے سکون پا جاتا ہے۔ (۲۵۰/۵)

مولانا فرماتے ہیں کہ نفس کا گدھا کود اور پھاند رہا ہے، اس پر شریعت کا بوجھ ڈال کر اسے اعتدال پر لاؤ۔ یہ ریاضتِ انسان کے لیے بہتر ہے۔ فرماتے ہیں، بدنِ دوزخ کا ایندھن ہے، اس کو کم کرو اور کوئی نئی لذت اس میں پیدا ہو جائے تو اسے بھی اکھاڑ پھینکو۔

بارِ سنگیں برِ خرے کاں می جہد      زود بر نہ پیشِ ازاں گوبرِ نہد  
جو گدھا کود اور پھاند رہا ہے اس پر جلدی بھاری بوجھ رکھ دو (تاکہ وہ اعتدال پر رہے) جلدی رکھ دو، اس سے پہلے کہ وہ پھینکے۔ (۱۳۵/۵)



زہر تن را نافع ست و قند ند  
تن ہماں بہتر کہ باشد بے مند  
ریاضات کا زہر بدن کے لیے مفید اور عیش و تنعم کا قند مضر ہے، بدن کے لیے یہی بہتر ہے کہ اس کو مدد نہ ملے۔  
(۱۱۶/۵)

ہیزم دوزخ تن ست و کم کنش  
بدن دوزخ کا ایندھن ہے اس کو کم کرو اور اگر اس میں لذت جسمانی کی کوئی نئی شاخ اُگ پڑے تو اسے جڑ سے اکھاڑ دو۔  
(۱۱۶/۵)

### علم النفس

مثنوی (مولانا روئیؒ) میں علم نفس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، جس میں سے چند باتیں اس باب میں بیان کی جا رہی ہیں۔ ماہرین نفس اس دور میں تقریباً ان باتوں پر تحقیق کر رہے ہیں جو سائنسی حقائق مولانا روئیؒ نے کئی سو سال پہلے بیان فرمائے ہیں۔ مولاناؒ کے بیان کردہ حقائق آج بالکل درست ثابت ہو رہے ہیں۔ تحت اشعوری نفسیات کا ماہر فرائڈ کہتا ہے کہ ”انسان کے اندر سرچشمہ حیات شہوت ہے، جسے وہ ”لبیڈو“ کہتا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ شہوت کا رُخ بدل جائے تو اخلاق اور روحانیت پیدا ہوتی ہے۔“

مولانا روئیؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے کسی امیر سے ایک گھوڑا طلب کیا تو اس امیر نے کہا کہ وہ سفید گھوڑا لے لو، مگر اس شخص نے کہا کہ وہ یہ گھوڑا لینے کو تیار نہیں، کیونکہ اس کو آگے کی طرف چلاؤ تو یہ پیچھے کی طرف چلنے لگتا ہے۔ امیر نے کہا کہ اس حالت میں اگر اس کی دُم گھر کی طرف کر دو گے تو یہ تمہیں گھر پہنچا دے گا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ آدمی ارتقائے حیات میں (ترقی کے لیے) آگے بڑھنا چاہتا ہے مگر یہ نفس پیچھے کی طرف کھینچتا ہے، یہ رجعت اس کی فطرت ہے۔ فرماتے ہیں کہ شہوت کا رُخ بھی جسمانی سے عقل اور روحانیت کی طرف پھیر سکتے ہیں اور یہی قوت عقل میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ زندگی کی تخلیقی قوت شہوت ہے اور اس کا رُخ بدن سے بدل کر رُوح کی طرف کر سکتے ہیں، اگر ایسا ہو تو انسان شریف بن سکتا ہے اور اگر بدن کی طرف جائز حدود میں رہے تو کوئی حرج نہیں مگر ان حدود سے بڑھ جائے تو انسان کو ذلیل کر دیتی ہے۔ شہوت بذاتِ خود نہ شریف ہے نہ ذلیل، پس اگر گھوڑے کی طرح اس کا رُخ پلٹ دو تو منزلِ مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے۔ مولانا روئیؒ فرماتے ہیں ۔

آں یکے اپنے طلب کرد از امیر  
گفت رواں اسپ اشہب را بگیر  
ایک شخص نے کسی امیر سے ایک گھوڑا طلب کیا، اس نے کہا کہ جاؤ وہ سفید گھوڑا لے جاؤ۔  
(۱۱۲/۶)

گفت آں را من نہ خواہم گفت چوں  
گفت اُو واپس روست و بس حروں  
اس نے کہا کہ وہ اس گھوڑے کو لینا نہیں چاہتا، پوچھا کیوں؟ کہا کہ وہ پیچھے کی طرف آنے والا ہے۔  
(۱۱۲/۶)

سخت پس پس می رود اوسوئے بن      گفت دُمش را بُوئے خانہ گلن  
 وہ دُم کی جانب بہت ہی پیچھے کو ہٹتا ہے، اس نے کہا کہ اس کی دُم کو گھر کی طرف کر دو۔ (۱۲۲/۶)  
 دُم ایں استورِ نفست شہوتست      ز اں سبب پس پس رود آں خود پرست  
 تیرے اس جانور نفس کی دُم شہوت ہے، اس لیے وہ خود پرست واپسی کی طرف پلٹتا چلا جاتا ہے۔ (۱۲۲/۶)  
 شہوت اُورا کہ دُم آمد ز بن      اے مبدل شہوتِ عقلیش گلن  
 اس نفس کے گھوڑے کی شہوت کو جو اصل میں دُم میں اس طرح ہے، اے (مخاطب) اس کو آخرت کی شہوت میں  
 تبدیل کر دے۔ (۱۲۲/۶)

چوں بہ بندی شہوتش را از رغیف      سر کند آں شہوت از عقلِ شریف  
 جب تو اس کی شہوت کو روٹی کی جانب سے بند کر دے گا تو وہ شہوتِ عقلِ شریف میں سر اُبھارے گی۔ (۱۲۲/۶)  
 ہچو شاخے کش بہری از درخت      سر کند قوت ز شاخ اے نیک بخت  
 جس طرح کوئی درخت کی ایک شاخ کاٹ دے تو اے نیک بخت! اس کی قوت دوسری شاخوں سے ظاہر ہوتی ہے۔  
 (۱۲۲/۶)



## انسان کی رُوح کی قوت

حضرت مسیح علیہ السلام گدھے پر سوار ہوتے تھے۔ بہیمیت کے وقت انسان کا جسم بھی گدھے کی طرح ہوتا ہے، جس پر رُوح سوار ہوتی ہے۔ مسیح آشنا رُوح وہ ہے جو ترے جسم (یعنی جوف خر) کے اندر ہے اور تُو اپنے گدھے پن کی وجہ سے رُوح سے نا آشنا ہے۔ انسان جب اپنی رُوح کو پہچان لے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اس کے اندر ملائکہ اور مسیح بالقوی موجود ہیں۔ (جب انسان کے دل میں خدا سما سکتا ہے تو باقی چیزوں کا سامنا کیا مشکل ہے) اس لیے مولانا فرماتے ہیں کہ انسان نہیں جانتا کہ اس کی رُوح کے ذرے کے اندر ایک آفتاب مضمر ہے، اگر اس کی قوتیں آشکار ہو جائیں تو وہ ایسی ہیں کہ زمین و آسمان پاش پاش ہو جائیں (یہ قول بھی صوفیاء سے منسوب ہے کہ رُوح میں اس قدر طاقت ہے کہ اگر وہ چاہے تو زمین و آسمان کو ایک لقمہ میں نگل جائے) مادی ایٹم کا ذرہ جو ایٹم کی تاثیر رکھتا ہے، کس قدر تباہ کن ہے اور اگر اسی طرح رُوح کی قوتیں بھی ظاہر ہو جائیں تو اس کے سامنے تمام مظاہر لاشے ہیں۔

آفتابے در یکے ذرہ نہاں      ناگہاں آں ذرہ بکشايد دہاں  
انسان کی رُوح کے ایک ذرہ میں آفتاب مضمر ہے، اگر وہ ذرہ اچانک منہ کھول دے۔ (۴۴۰/۶)

ذرہ ذرہ گردد افلاک و زمیں      پیش آں خورشید چوں بخت از کیں  
آسمان اور زمین ذرہ ذرہ ہو جائے اُس سورج کے سامنے جب وہ کین گاہ سے نکلے۔ (۴۴۰/۶)

ایں چنین جانے چہ در خورد تن است  
ہیں بشو اے تن ازیں جاں ہر دو دست  
ایسی جان جسم کے کیا لائق ہے، خردار! اے جسم اس جان سے دونوں ہاتھ دھولے۔ (۴۴۰/۶)  
اے ہزاراں جبریل اندر بشر  
اے میجاں نہاں در جوہ خُ  
خردار! اس بشر میں تو ہزاروں جبریل ہیں، آگاہ ہو جا کہ گدھے کے پیٹ میں بہت سے مسج پوشیدہ ہیں۔ (۴۴۰/۶)  
**شہوات سے خلاصی مشکل ہے**

مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کی غلامی سے شہوات کی غلامی بدتر اور سخت تر ہے۔ آقا کبھی کسی کام سے خوش ہو جائے تو ایک لفظ آزادی کا کہہ کر اپنے غلام کو آزاد کر سکتا ہے مگر نفس کی غلامی سے نجات اتنی آسان نہیں۔ یہ نفس کی آزادی اس لیے مشکل ہے کہ انسان خود لذت کے کاموں میں نفس کی حکومت کو اور بھی زیادہ مضبوط بنا دیتا ہے اور گناہوں سے چھٹکارا نہیں چاہتا۔ جب وہ خود ہی اس کنوئیں میں گرا ہے اور نکلتا بھی نہیں چاہتا تو کون اسے نکالے؟  
بندۂ شہوت بتر نزدیک حق از غلام و بندگان مُسرق  
اللہ کے نزدیک نفسانی خواہش کا غلام زیادہ بُرا ہے رقیق (باریک) بنائے ہوئے غلاموں سے۔ (۳۸۷/۱)  
کایں بیک لفظی شود از خواجہ خُر  
واں زید شیریں و میرد سخت مُر  
اس لیے کہ وہ (غلام) آقا کے ایک لفظ سے آزاد ہو جاتا ہے مگر (نفس کا غلام) لذت میں جی کر سختی سے مرتا ہے۔ (۳۸۷/۱)

در چہ افتاد غورا غور نیست  
واں گناہ اوست جبر و جور نیست  
وہ ایسے کنوئیں میں گرا جس کی تھاہ نہیں ہے، وہ اس کی خطا ہے، ظلم و زبردستی نہیں ہے۔ (۳۸۷/۱)

### روح اور نفس کے تضادات

کچھ مشائخ کا بیان کشف المحجوب میں ملتا ہے کہ نفس کو مختلف شکلوں میں ہونے کا اختیار دیا گیا ہے۔ کسی نے نفس کو چوہے یا سانپ کی شکل میں دیکھا اور کسی نے لومڑی کی شکل میں دیکھا۔ ایک بزرگ نے نفس کی لومڑی کو پاؤں تلے کچل دیا لیکن جوں جوں اس کو کچلا جا رہا تھا وہ نفس اور بھی موٹا ہوتا جا رہا تھا۔ نفس نے کہا کہ میں اللہ کی مخلوق ہوں، تم مجھے ختم نہیں کر سکتے اور تمہارے کچلنے سے میں نہیں مروں گا، لہذا تم مجھے ختم کرنے کی کوشش نہ کرو۔  
مشائخ نے کہا ہے نفس کی عین کو بدلا نہیں جاسکتا، البتہ اس کو ذکر و اذکار کی محنت سے مہذب کیا جاسکتا ہے۔  
نفس کو جتنا رگڑنے کی کوشش کرو گے، اندر سے اس کی خباثت نکلتی رہے گی۔ اس لیے نفس کو عقل اور روح کے تابع کیا جاتا ہے اور اس نصب العین کو ذکر میں ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

روح اتنی عظیم چیز ہے کہ اس سے زیادہ عظیم چیز اللہ تعالیٰ نے نہیں بنائی، اگر روح چاہے تو تمام زمین اور



آسمان کو ایک لقمہ میں کھا جائے۔ اس کی صفت نوری ہے اور جتنا اس کو ذکر سے مصطفیٰ کرو گے اتنی ہی منزکی اور صیقل ہوتی جائے گی اور اس پر اگر بد اعمالیوں کی سیاہی چڑھ جائے تو تھوڑے سے ذکر سے ہی مصفا اور متجلی ہو جائے گی، روح کی خوراک نیک عمل اور عبادات ہیں۔ نفس ذکر اور ریاضت سے دُبلّا ہو جاتا ہے مگر روح عبادات سے طاقتور اور توانا ہو جاتی ہے۔

نار شہوت می نیارامد بآب زانکہ دارد طبع دوزخ در عذاب  
شہوت کی آگ پانی کے ساتھ تسکین نہیں پاتی کیونکہ وہ عذاب میں دوزخ کی طبیعت رکھتی ہے۔ (۳۷۶/۱)  
آتش شہوت کی نار دوزخ کے ساتھ مشابہ ہونے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے ”خُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ“  
یعنی دوزخ شہوات سے ڈھکا ہوا ہے۔ شیطان لاحول پڑھنے سے دفع ہو سکتا ہے مگر نفس شہوت پرست تو مارِ آستین ہے، اُسے کسی تدبیر سے دفع کرنا آسان نہیں۔ ظاہری آگ تو پانی سے بجھ سکتی ہے مگر شہوت کی آگ دوزخ تک لے جاتی ہے۔ اس آتش مخلوق شیطان کے علاوہ یہ ایک اور آگ ہے، جس سے شہوت کی آگ مراد ہے جو انسان کے اندر گناہ و لغزش کی اصل بنا ہے یا یوں کہو کہ اس آگ کے اندر گناہ و لغزش کی جڑ ہے۔

نفس ایک گھوڑے کی طرح ہے، اگر اس کو گھوڑے کی طرح مشقت سے سدھایا جائے تو تابعدار ہو جاتا ہے جب کہ روح نورانی ہے، اس لیے عبادات اور ریاضت سے اپنی اصلی نورانی شکل میں لوٹ آتی ہے۔ نفس کی اگر تربیت ہو جائے تو یہ بڑے بڑے کام کرتا ہے۔ اس کو سواری بنا کر جہاں چاہو لے جاؤ، یہ سرکشی نہیں کرے گا۔

### طہارت والے دل میں حرص اور مال کا کوئی مقام نہیں

قرآن مجید میں ہے کہ ”الْهَلْكُمْ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝“ غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے ہو۔ (الحاکم: ۲۰-۱) انسان بچپن سے لے کر لڑکپن، جوانی، کاروبار حیات کے ایام سے لے کر بڑھاپے تک اس مال کی حرص اور لالچ میں کھویا رہتا ہے، حتیٰ کہ وہ قبر تک جانے سے ایک لمحہ پہلے بھی اسی حال میں رہتا ہے کہ اس کو مال کی ہوس دامن گیر رہتی ہے۔

مذکورہ آیت کا مفہوم واضح ہے کہ انسان (إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ) زندگی کے تمام مراحل میں اس حرص و لالچ کی زد سے بچ نہیں سکتا۔ حرص ایک ایسی بیماری ہے، جس سے مرتے دم تک جان نہیں چھوڑتی۔ اس کا علاج قناعت ہی سے ہو سکتا ہے۔ نفس کی بیماری کا علاج شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے کہ اسے ”یا قناعت پُر می کند یا خاکِ گور“ (یعنی اس کو یا تو قناعت پُر کرتی ہے یا قبر کی مٹی)۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا پیٹ بھر جاتا ہے مگر نیت نہیں بھرتی۔ لوگ زیادہ کھانے سے قے کرتے ہیں یا اسہال میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس کے لیے کڑوی دوا بھی پینا ہوتی ہے۔ حکیم لوگ ایسی بیماریوں کے لیے پرہیز کی تلقین کرتے ہیں۔

ہنری فورڈ جس کی نئی کاروں کو ساخت کرنے کی ایک بہت بڑی فیکٹری تھی اور دُنیا کا سب سے زیادہ دولت مند انسان مانا جاتا تھا، اس نے اپنی سوانح میں لکھا ہے کہ مجھے اپنی ذات کی خاطر کبھی دولت کی حرص لاحق نہیں ہوئی۔ میں اگر دس محلات بھی تعمیر کر لوں تو ایک سے زیادہ کمرے استعمال نہیں کر سکتا۔ ایک بستر سے زیادہ میرے سونے کے لیے درکار نہیں۔ شریفانہ قسم کے چند کپڑوں کے جوڑے میرے لیے کافی ہیں۔ اپنی ذات کے لیے اضافہ دولت میرے کس کام آ سکتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اگر ایک کوزہ میں سمندروں کا پانی ڈال دیا جائے تو پھر کوزے میں بقدرِ ظرف یعنی ایک کوزے سے زیادہ پانی نہیں بھرے گا لیکن حریص آدمی کی آنکھ کا کوزہ کبھی نہیں بھرتا۔

کوزہ چشمِ حریصاں پُر نشد تا صدف قانع نشد پُر ذرِ نشد  
حریصوں کی آنکھ کا پیلا بھرتا نہیں ہے، جب تک سیپ نے قناعت نہ کی، موتی سے نہ بھرا۔ (۳۳/۱)

گوہر بننے کا فلسفہ پہلے پہل کسی نے اپنے خیالات کے مطابق لکھا تھا کہ بارش کا ایک قطرہ سیپ میں جائے تو وہ گوہر بنتا ہے لیکن اب سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ سیپ کے منہ میں ایک ریت کا ذرہ جاتا ہے اور سیپ کو اس ذرے کے باعث خلش یا خارش محسوس ہوتی ہے تو فطرت اس ذرے پر ایک لعاب کا غلاف چڑھا دیتی ہے اور مذکورہ خارش ختم ہو جاتی ہے اور یہی سیپ کا لعاب خشک ہو کر موتی بن جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ سیپ ایک قطرے یا ذرے پر قناعت کرتا ہے اور اگر وہ منہ کھلا ہی رکھتا تو موتی نہ بنتا۔

مولانا روٹی نے سیپ کی مثال کے علاوہ پانی کی مثال بھی دی ہے کہ کشتی کو چلانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے نیچے پانی ہو، اگر کشتی کے نیچے دس فٹ پانی ہو تو یہ کافی ہے اور اگر پانچ سو فٹ سے گہرا سمندر ہو تو وہ زیادہ پانی اس کے لیے قائلو ہے اور کشتی کو اس زائد پانی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ فرماتے ہیں کہ مال کا لالچ یا حرص اگر انسان کے دل میں داخل ہو جائے تو وہ زندگی کی خرابی کا باعث ہوتا ہے اور اگر پانی کشتی کے اندر چلا جائے تو کشتی کو ڈبو دیتا ہے۔ زندگی کے حقیقی اور فطری مقاصد کو پورا کرنے کے لیے بقدرِ ضرورت مال لازمی ہے۔ پیغمبروں اور اولیائے کرام کو بھی بقدرِ ضرورت مال کی حاجت رہتی ہے لیکن یہ مال ان کے لیے ذریعہِ خیر ہے اور مال بذاتِ خود مقصودِ زندگی نہیں۔ دل کے اندر مال کا کوئی مقام نہیں۔ مال صالح انسان کے لیے رحمت ہے مگر غیر صالح انسان کے لیے زحمت اور آفت ہے۔

مَالٌ رَاكِزٌ بِهَرِّ دِیْنِ بَاشِی حَمُولٌ نِعْمَ مَالٌ صَالِحٌ خَوَانِدَش رَسُولٌ  
وہ مال جو دین کے لئے بارِ بردار کا کام کرے، اس کو رسول ﷺ نے بہترین اچھا مال قرار دیا ہے۔ (۱۲۶/۱)

آبِ درِ کشتی ہلاکِ کشتی ست آبِ اندرِ زیرِ کشتی پُشتی ست  
کشتی میں پانی ہونا کشتی کی تباہی ہے، کشتی کے نیچے پانی ہونا کشتی کے لئے مددگار ہے۔ (۱۲۶/۱)

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر صفاتِ الہیہ کو اپنایا جائے، جیسا کہ فرمایا ہے ”تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ“ (یعنی اللہ کی



صفات کو اپناؤ) تو یہ بات غایت حیات بن جاتی ہے اور اس کا راستہ عشق الہی ہے، جو تمام ادنیٰ، سفلی اور آنی جانی تمناؤں کو سوخت کر دیتا ہے۔ عشق تمام بیماریوں کا علاج ہے۔

ہر کرا جامہ زعشے چاک شد  
او ز حرص و عیب گئی پاک شد  
جس کا جامہ عشق کی وجہ سے چاک ہو گیا، وہ حرص اور عیب سے بالکل پاک ہو گیا۔ (۳۳/۱)

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما  
اے طیبِ جملہ علت ہائے ما  
خوش رہ، ہمارے اچھے جنون والے عشق! اے ہماری تمام بیماریوں کے طیب۔ (۳۳/۱)

مقصودِ حیات بلند روحانی مقامات تک پرواز کرنا ہے، جیسا کہ مولاناؒ نے فرمایا ”منزلِ ما کبریاست“ یعنی ہماری منزل اللہ تعالیٰ کی بڑائی ہے۔ حرص و لالچ، حرصِ مال اور حبِ جاہ کی وجہ سے اس پرواز میں رکاوٹ اور محرومی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسے علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی  
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ عشقِ روح کی پرواز کے لیے کند ثابت ہوتا ہے۔ روح کے پر اور بال بھی یہی عشق ہے جو انسان کو اڑا کر کوئے یار میں پہنچا دیتا ہے۔

پڑ و بالِ ما کندِ عشقِ اوست  
موکشاش می کشد تا کوئے دوست  
ہمارے پر و بال اس کے عشق کی کند ہیں، اس کے بال کھینچتے ہوئے اس کو دوست کے کوچہ تک لے جاتے ہیں۔ (۳۴/۱)

زندگی کے ہر کام میں انسان کا امتحان ہے

(نفسانی خواہشات کا امتحان)

عارفِ رمیٰ بڑی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ زندگی کا عام قانون یہ ہے کہ وہ ہر کام میں انسان کا امتحان لیتی ہے۔ انسان کسی دوسرے کے دلکش کام کو دیکھتا ہے تو خود بھی اسی طرح کرنا چاہتا ہے۔ جب اس کام میں مشکل مراحل آئیں اور کچھ ناکامی دکھائی دے تو کم ہمت لوگ مایوس اور بیزار ہو کر اس کی طرف سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ غالب کا شعر ہے۔

دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا  
عشقِ نبرد پیشِ طلبِ گارِ مرد تھا

علامہ اقبالؒ نے بھی زندگی کی حقیقت کے متعلق فرہاد کی مثال پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کو شیریں

سے محبت تھی تو اس نے دودھ کی نہر نکالنے کے لیے سخت محنت شروع کی اور اس کی زندگی کا یہ تصور تھا کہ ”جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی“ ہماری تصنیف ”حسن نماز“ میں صفحہ ۶۴۹ پر علامہ کا فلسفہ خطر پسندی بھی ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ۷

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ  
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے  
زندگانی کی حقیقت کو یکن کے دل سے پوچھ  
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب  
جاوداں پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی  
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی  
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی  
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی  
علامہ اقبالؒ نے اپنی زندگی کا امتحان کرتے رہنے کے لیے فرمایا ہے۔ اس مضمون کو ہماری تصنیف ”حسن نماز“ کے صفحہ نمبر ۶۰۱ اور ۶۷۷ پر مطالعہ فرمائیں۔ مشہور ہے کہ باہمت لوگوں کا اصول یہ ہے کہ کوئی کام شروع کیا جائے تو پوری کوشش سے اس میں قدم رکھا جائے۔ ان کا قول ہے ”ہر چہ بادا باد، ماکشتی در آب انداختیم“ (جو ہونا ہے ہو جائے ہم نے کشتی دریا میں ڈال دی ہے)۔ مولانا روٹیؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص کسی عورت پر عاشق ہو گیا تو محبوبہ نے وصال سے قبل حق مہر کا مطالبہ شروع کر دیا اور دروازہ بند کر لیا کہ جب تک مہر ادا نہ کرو گے ہاتھ نہیں لگا سکو گے۔ عاشق صاحب وصل کو نقد سمجھتے تھے اور مہر کو ادھار مگر یہاں مطالبہ قبل از وصال شروع ہو گیا۔ یہ مہر اس بات کا استعارہ ہے کہ زندگی میں ہر مقصود کی کوئی نہ کوئی قیمت ہے اور یہ قیمت وفا و صبر اور رضا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں ۷

عاشق ہر پیشہ و ہر مطلبے  
حق بیالود اولیٰ کارش لے  
ہر مقصد اور ہر پیشہ کے عاشق کے ابتداء کار میں اللہ اس کے ہونٹ آلودہ کر دیتا ہے۔ (۱۷/۴)

چوں در افتادند اندر جُستجو  
بعد ازاں در بست و کاہیں جست او  
وہ جب جستجو میں تھک جاتا ہے تو اس کے بعد در بند کر دیتا ہے اور مہر کا مطالبہ کرتا ہے۔ (۱۷/۴)

ہر کسے را ہست امیدے برے  
کہ کشادندش دراں روزے درے  
ہر شخص کے لیے امید کا پھل ہوتا ہے، حتیٰ کہ اس معاملے میں ایک روز اس کے لیے دروازہ کھول دیتے ہیں۔ (۱۷/۴)

باز در بستمندش و آل در پرست  
بر ہماں امید آتش پا خُددست  
پھر اس کا دروازہ بند کر دیتے ہیں، وہ در کا پجاری اسی امید پر بے چین ہوتا ہے۔ (۱۷/۴)

آپ کا اشارہ اس طرف ہے کہ اگر کوئی کام شروع کرو تو پہلے اس کی آب و تاب اپنے اندر پیدا کر دو اور پھر اللہ کا نام لے کر شروع کر دو۔ انسانی نفس آرام کا طلبگار ہے اور عشق اور محبت الہی کا پیشہ مرد آہن کی کوشش اور استقامت چاہتا ہے۔ اگر لوگ روحانی زندگی کو شروع کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ان سے نفسانی خواہشات کا



امتحان لیا جاتا ہے۔ حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ اور داتا گنج بخشؒ نے جس قدر محنت، جانفشانی اور استقامت سے کام لیا ہے تو اس کی مثال ملنا مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ایسے لوگ دیکھنے میں کم ہی آئے ہیں۔ اگر آپ بھی اس بات کو دل میں بٹھالیں اور ہمت سے لگ جائیں تو کوئی مشکل بات نہیں کہ آپ کو بھی کوئی اچھا مقام مل جائے۔ اگر داتا گنج بخشؒ نہ بن سکے تو کچھ نہ کچھ ہاتھ پٹے نظر آئے گا۔

تو گو اندر جہاں یک بایزیدؒے بود و بس ہر کہ واصل شد ز جاناں بایزیدؒ دیگر است  
تم یہ نہ کہو کہ بایزیدؒ ایک ہی ہوا ہے اور بس، ہر وہ شخص جو محبوب سے واصل ہوا، وہ بھی ایک بایزیدؒ ہے۔ (غیر منثوی)  
رؤ بگو حق را و از دیگر مگو

(حق کو) (شیخِ کامل سے) طلب کرو، کسی اور سے طلب نہ کرو)

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ عقل اور نفس کی اصلاح شیخِ کامل سے طلب کرو کیونکہ یہ اصلاح ادھر سے ہی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء صفات سمیت انسانِ کامل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ شخصی عقل نے عقلِ کل (اللہ کی عقل) کو بدنام کر دیا ہے۔ جب تک آخرت کی کامیابی نہ ہو دنیا کی کامیابی عقلِ عیار و مکار کا کام ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ عقل عیار ہے، سو بھیس بنا لیتی ہے۔ عقل کو ذرا سا عقل کر لو تو یہی عقلِ سلیم بن جاتی ہے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ ۔

واگزین آئینہ کو اکنیس است اند کے صیقل گری اُورا بس ست  
وہ آئینہ اختیار کرو جو زیادہ زیرک ہے، اس کو تھوڑا سا صیقل کرنا ہی کافی ہے۔ (۵۶/۵)

ایں تفاوت عقل ہا را نیک دال در مراتب از زمین تا آسمان  
عقلوں کی اس تفاوت کو جو ان کے مراتب میں ہے زمین و آسمان تک خوب سمجھ لو۔ (۵۶/۵)

ہست عقلے ہجو قرص آفتاب ہست عقلے کمتر از زہرہ و شہاب  
ایک عقل روشنی کے لحاظ سے آفتاب کی مثل ہے اور ایک عقل زہرہ اور ٹوٹنے والے ستارے سے بھی کم تر ہے۔ (۵۶/۵)

ہست عقلے چوں چراغ سرخوشے ہست عقلے چوں ستارہ آتش  
ایک عقل مست چراغ کی سی ہے، ایک عقل آگ کے شعلے کی سی ہے۔ (۵۶/۵)

زانکہ ابر از پیش او چوں واجہد نور یزداں ہیں بژدہا بر دہد  
کیونکہ جب (ماسوا اللہ کا) بادل سامنے سے اٹھ جاتا ہے تو وہ آفتاب کی سی عقلیں اللہ کو دیکھنے والا نور برساتی ہیں۔ (۵۶/۵)

یہ انبیاء اور اولیاء کی ارواح مقدسہ کی عقل ہوتی ہے۔

عقل ہائے خلق عکسِ عقلِ اُو عقلِ او مُشکِ ست و عقلِ خَلقِ یُو  
مخلوق کی عقلیں اس کی عقل کی عکس ہیں، اس کی عقل مُشک ہے اور مخلوق کی عقل محض ایک خوشبو۔ (۵۶/۵)

عقلِ کُل و نفسِ کُل مردِ خدا ست عرش و کرسی را مداں کز وے جُداست  
عقلِ کُل اور نفسِ کُل خدا کا مرد ہے، عرش اور کرسی کو اس سے جدا نہ جانو۔ (۵۷/۵)

جو کچھ عقل میں ہے اس کی تفصیل نفسِ کُل میں ہے اور ان دونوں کا مظہر انسان کامل ہے۔

مظہرِ حق ست ذاتِ پاک اُو رو بجو حق را و از دیگر مُجُو  
اس پیر کی ذاتِ پاک حق کی مظہر ہے، حق کو اس سے طلب کرو اور کسی سے طلب نہ کرو۔ (۵۶/۵)

یعنی مردِ خدا جو انسان کامل ہے، مظہرِ حق ہے اس لیے کہ ذاتِ حق تمام اسماء و صفات سمیت انسان کامل میں ظاہر ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بیان عقلِ کُل اور نفسِ کُل کی صفت ہو یعنی عقلِ کُل اور نفسِ کُل مظہرِ حق ہیں۔

عقلِ جُزوی عقل را بدنام کرد کام دنیا مُرد را بے کام کرد  
شخصی عقل نے عقل (کُل) کو بدنام کر دیا ہے، دُنیا کی کامیابی نے اس کو (عقبی سے) ناکام رکھا۔ (۵۶/۵)



## دریائے ہوس اور نفسیاتی مریض

مولانا نے ہوس پرست انسان کی ایک مثال دی ہے کہ شکاری کبھی شکار کے سایہ پر ہی تیر چلاتا ہے یا کتا پانی میں اپنا عکس دیکھتا ہے کہ اس کی مثل ایک اور کتا منہ میں ہڈی لے کر کھڑا ہے تو غصہ میں اس کی ہڈی چھیننے کی کوشش کرتا ہے، ایسا کرنے سے اس کے اپنے منہ کی ہڈی بھی پانی میں گر جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ خود غرض اور ہوس کے اندھوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ عالم انسانی بے انتہا خواہشوں کا سمندر ہے اور اس میں حرص و ہوا کے بندے ڈوب جاتے ہیں، صرف وہ لوگ بچ سکتے ہیں جو اس سمندر میں اس گھڑے کی طرح ہیں جس میں ہوا بھری ہو اور منہ بند ہو۔ ایسے گھڑے تو فقراء کے نفوس ہوتے ہیں اور اس میں جو ہوا ہے، نفعیہ الہی کی ہوا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ بہانہ تراشی کرتے ہیں کہ ہم فلاں کام نہیں کر سکتے اور کوئی نہ کوئی عذر پیش کرتے رہتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ”إِنْ تَمَارَضْتُمْ لَدَيْنَا تَمْرَضُوا“ یعنی اگر تم جھوٹ موٹ بیمار ہو جاؤ تو واقعی بیمار ہو جاؤ گے۔ ماہرین نفسیات نے ہزار ہا انسانوں کا مشاہدہ کیا ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بعض انسانوں کے جسمانی عوارض حقیقتاً نفسیاتی عوارض ہوتے ہیں اور نفس کا عذر رنگ انسان کو واقعی لنگڑا بنا دیتا ہے۔

ہر کہ ماند از کاہلی بے شکر و صبر  
اُو ہی داند کہ گیرد پائے خیر

جو کاہلی کی وجہ سے بے شکر اور بے صبر رہا وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس نے جبر کا پایہ تھاما ہے۔ (۱۳۴/۱)

ہر کہ جبر آورد خود رنجور کرد تا ہماں رنجوریش در گور کرد  
جو جبر کا بہانہ لاتا ہے خود کو غمزدہ کر لیتا ہے، حتیٰ کہ اس کا غم اس کو قبر میں لے جاتا ہے۔ (۱۳۴/۱)

گفت پیغمبرؐ کہ رنجوری بہ لاغ رنج آورد تا بمیرد چوں چراغ  
پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ مذاق کی بیماری مرض پیدا کر دیتی ہے اور یہاں تک کہ اس رنج سے مریض چراغ کی طرح بجھ جاتا ہے۔ (۱۳۴/۱)

مولانا روئی فرماتے ہیں کہ جس طرح کوئی کاٹنا انسان کی جلد کے نیچے چلا جائے تو اس کا ٹکنا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح کچھ باریک کانٹے دل میں چبھ کر بے حد خلش اور بے چینی پیدا کر دیتے ہیں۔ چونکہ یہ دل کے کانٹے نظر سے اوجھل ہوتے ہیں اور تحت الشعور میں چلے جانے کی وجہ سے شعور کی دسترس سے باہر ہو جاتے ہیں، اس لئے انسان اضطراب میں جتنے ہاتھ پاؤں مارے یہ مرض بڑھتا ہی رہتا ہے، جب تک کہ کوئی زبردست علم اور تجربے والا نفس کا طبیب اپنے علاج سے اسے درست نہ کرے۔ مولاناؒ نے لکھا ہے کہ ایک شہنشاہ کی ایک کنیز سخت بیمار ہوئی اور کوئی طبیب اسے ٹھیک نہ کر سکا تو ایک طبیبِ نفسیات کو بلایا گیا۔ اس نے بہت سی باتیں دریافت کیں اور ساتھ ہی نبض کی حرکت کو بغور دیکھتا رہا۔ آخر اس نے دریافت کر لیا کہ یہ ایک لڑکے کے عشق میں گرفتار ہے، جو فلاں شہر کا فلاں نامی لڑکا ہے۔ پہلے تو اس نے شہروں کے نام لیے اور پھر نبض کا اثر دیکھتا رہا، پھر محلوں اور گھروں کے نام گنوائے اور بالآخر اس نے لڑکے کا نام تلاش کر لیا، جس کے عشق میں وہ گرفتار تھی۔

نرم نرمک گفت شہر تو کجاست کہ علاج اہل ہر شہرے جداست  
حکیم نے نرمی سے پوچھا کہ تیرا شہر کہاں ہے؟ کیونکہ ہر شہر والے کا علاج جدا ہوتا ہے۔ (۴۶/۱)

وندراں شہر از قرابت کیفیت خویشی و پیوستگی با حیستت  
اور اس شہر میں تیری قرابت کس سے ہے؟ کس کو اپنا سمجھتی ہے اور کس سے پیوستگی (تعلق) ہے۔ (۴۶/۱)

دست بر نبض نہاد و یک بیک باز می پرسید از جور فلک  
ہر بات پوچھ کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھتا تھا پھر پوچھتا تھا کہ تم پر کیا ستم ہوئے ہیں۔ (۴۶/۱)

اس کے بعد مولاناؒ نے بہت سی فلسفے کی باتیں اشعار میں لکھیں اور بیان کیا ہے کہ انہوں نے لڑکی سے پوچھا کہ اس کو اس لڑکے کی کون سی چیز پسند ہے۔ لڑکی نے بتلایا کہ اس کے بال مجھے بہت پسند ہیں۔ طبیبِ نفسیات نے بادشاہ کو کہا کہ اس لڑکے کے بال منڈوا دیے جائیں تو وہ لڑکی اس لڑکے سے نفرت کرنے لگے گی۔ یوں اس کا مکمل علاج ہو گیا۔ نفس کا علاج بھی کوئی حافظِ حکیم ہی کر سکتا ہے، جو امراضِ نفس کے علاج سے آگاہ ہو اور وہ طبیبِ شیخِ طریقت ہے، نفس کی اصلاح پر ہم اس کتاب میں ایک پورا باب لکھ چکے ہیں۔ مولانا روئیؒ نے یہ علاج بیان کیا ہے کہ ”دامنِ آسِ نفس کشِ راحت گیر“ یعنی اس نفس کو مارنے والے کا دامنِ مغبوطی سے تھام لو۔



## ذوق مدح آفت نفس ہے

آفات میں سے ایک بڑی آفت اپنی مدح سننے کا چسکا ہے۔ اس سے تکبر اور غرور پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کا میٹھا زہر ہے۔ یہ بھی نفس کا دھوکا ہے کہ بندہ جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی تعریف کا طلبگار نہیں ہے۔ کبھی بندہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ فلاں میری تعریف مجھے خوش کرنے کے لیے کر رہا ہے لیکن اگر کوئی برائی کرے تو انسان ناراض ہو جاتا ہے۔ اپنی تعریف سننے کا شوق رفتہ رفتہ رُوح میں سرایت کر جاتا ہے اور رُوحانی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے، اسی لیے کہتے ہیں پیر اپنی پوجا نہیں کرواتے بلکہ مرید اُن کی پوجا کرواتے ہیں ”پیراں نمی پرند و مریدان می پراندند“ (پیر خود نہیں اڑتے مرید انہیں اڑاتے ہیں) ۔

او چو بیند خلق را سر مست خویش  
از تکبر می رود از دست خویش  
وہ جب دیکھتا ہے کہ لوگ مجھ پر سر مست ہیں تو وہ اپنے ہاتھ سے تکبر میں چلا جاتا ہے۔ (۲۰۵/۱)  
او نداند کہ ہزاراں را چو او  
دیو افگند است اندر آب جو  
وہ نہیں جانتا کہ اس کی طرح ہزاروں کو شیطان نے نہر کے پانی میں پھینک دیا ہے۔ (۲۰۵/۱)  
اس سلسلے میں مولانا رومؒ کے اور بھی بہت اشعار موجود ہیں، لیکن اختصار کی خاطر اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

## افکار کا اثر زندگی پر

تن اور من دونوں کی صحت کا مدار افکار پر ہے۔ غمگین انسان فکر سے موم کی طرح پگھلتا ہے اور اچھے افکار سے روح اور جسم دونوں تر و تازہ رہتے ہیں۔ غیر صالح فکر خون کو پی جاتا ہے اور نیک افکار سے خون بڑھتا ہے۔ فکر صالح احوال بد کو بدل کر دل کو خوش کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ”اچھے اور بُرے خیالات سے مومن کو فائدہ پہنچتا ہے، جو نامساعد حالات پر صبر اور نعمت کے حصول پر شکر کرتا ہے اس کی نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔“ ایک مرد خدا سے پوچھا گیا کہ زہریلا سانپ آپ کے سامنے کیسے مسکین بن جاتا ہے؟ فرمایا ”محبت کا اثر جادو ہے، حیوانوں پر بھی چلتا ہے، میں نے اس پر محبت کی نظر ڈالی تو وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگا۔“ اسی لیے کہتے ہیں کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے تو ہر چیز اس سے ڈرتی ہے۔ دوسروں سے محبت کا مطالبہ نہ کرو بلکہ خود ان سے محبت کرو تو سچی محبت اثر کیے بغیر نہیں رہتی، مس خام کو کندن بنانا خوش فکری کا نتیجہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

آدی را فربہی ہست از خیال  
گر خیالاتش بوہ صاحب جمال  
خیالات کی وجہ سے آدمی کی فربہی ہے، اگر اس کے تصورات جمال کے حامل ہوں۔ (۶۷/۲)  
در خیالاتش نماید ناخوشے  
می گدازد بچو موم آتشے  
اگر اس کے خیالات ناخوشگوار ہیں تو آگ پر موم کی طرح پگھل جائے گا۔ (۶۷/۲)

درمیان مار و کثر دم گر ترا      با خیالاتِ خوشاں دارد خدا  
اگر تجھے سانپ اور بچھوؤں کے درمیان عمدہ تصورات کے ساتھ خدا رکھے۔ (۶۸/۲)

مار و کثر دم مر ترا مونس شود      کاں خیالتِ کیمائے مس شود  
سانپ اور بچھو تمہارے غمخوار ہو جائیں گے کیونکہ وہ تیرے خیالات کے تانبے کے لئے کیما ہو جائیں گے۔ (۶۸/۲)

صبر شیریں از خیال خوش شدست      کاں خیالاتِ فرح پیش آمد ست  
صبر بھی اچھے خیال سے شیریں ہو جاتا ہے کیونکہ خوشی وہاں تازگی پیدا کرتی ہے۔ (۶۸/۲)

آں فرح آید زایماں در ضمیر      ضعیفِ ایماں نا اُمیدی و زحیر  
ہر خوشی تمہارے ضمیر میں ایمان سے آتی ہے، ایمان کی کمزوری نا اُمیدی اور ناخوشی ہے۔ (۶۸/۲)

اے بندہ خاکی زمین کی طرح صبر کر

اور پستی سے افلاک کی طرف جا

دُنیا میں زمین پر طرح طرح کے حادثات، طوفان، سیلاب، زلزلے باد و باراں سے تباہی اور تہارتِ آفتاب کے علاوہ بہت سی آفات نازل ہوتی ہیں مگر یہ ان سب پر صبر کرتی ہے اور انسانوں، حیوانوں کو پالتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ انسان جو کہ دھرتی سے پیدا ہوا ہے، اس کو بھی چاہیے کہ اس سے سبق سیکھے۔

گر شود ذراتِ عالم حیلہ پیچ      بافضائے آسماں پیچ است پیچ  
اگر تمام دُنیا کے ذرے حیلہ گری کریں تو آسمان کے فیصلہ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ (۵۴/۳)

چوں گریزد ایں زمیں از آسماں      چوں کند او خویش را ازوے نہاں  
یہ زمین آسمان سے کیسے گریز کرے یہ اپنے آپ کو اس سے کیسے چھپائے۔ (۵۴/۳)

ہرچہ آید ز آسماں سُوئے زمیں      نے مفر دارد نہ چارہ نے کمیں  
جو کچھ آسمان سے زمین پر آتا ہے (اس سے) نہ مفر ہے، نہ کوئی تدبیر ہے، نہ چھپنے کی جگہ۔ (۵۴/۳)

آتش از خورشید می بارد برو      او بہ پیشِ آتشِ بہبادہ رُو  
سورج سے اس پر آگ برستی ہے، وہ اس کی آگ کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہے۔ (۵۴/۳)

او شدہ تسلیم او ایوب وار      کہ اسیرم ہرچہ می خواہی بیار  
وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح اپنے آپ کو اس کے سپرد کیے ہوئے ہے کہ میں قیدی ہوں، تو جو چاہے کر۔ (۵۴/۳)

اے کہ بُجو ایں زمینی سرکش      چونکہ بنی حکم یزداں در کش  
اے کہ تو زمین کا جزو ہے سرکشی نہ کر، جب تو خدا کا حکم (آتا) دیکھے تو دروازہ بند نہ کر۔ (۵۴/۳)



چوں خَلَقْنَاكُمْ سُنْدِي مِنْ تُرَابٍ خاک باشی بَست از تو رُو متاب  
جب کہ تو نے ”ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا“ سن لیا ہے، اس نے تجھ سے خاک بن جانا طلب کیا ہے (اس لیے)  
(۵۴/۳) رُو گردانی نہ کر۔

## انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور اس کی نسبتِ خاکی زمین کی طرف کھینچتی ہے

انسان کی ترکیب (بناوٹ) مٹی، آگ، ہوا اور پانی سے ہے۔ مٹی میں عاجزی ہے کیونکہ وہ سب کے قدموں کے نیچے آتی ہے۔ اس میں تین عناصر اور بھی شامل ہیں، اس لیے ان سب کی تاثیر جب ظاہر ہوتی ہے تو حرص، ہوس اور ہوئی کی شکل انسان میں ظاہر ہوتی ہے۔ ان چار عناصر مٹی، آگ، ہوا اور پانی کی تاثیر کے متعلق اگر بیان کیا جائے تو یہ ایک طویل داستان ہو جائے گی۔ اس جگہ محض یہ بات بیان کرنا مقصود ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد درج ذیل حدیث میں آیا ہے۔

الْهَوَى وَالْبَلَاءُ وَالشَّهْوَةُ مَعْجُونَةٌ بِطِينَةِ آدَمَ  
حرص، آزمائش اور شہوت حضرت آدمؑ کی طینت  
میں گوندھی گئی ہیں۔ (العلل المتناہیة لابن الجوزی، ج ۲، ص ۲۸۹)

حضرت مخدوم علی الجویریؒ فرماتے ہیں کہ ہر روز ہوئی کا کتا تین سو ساٹھ بار لباسِ اَلوہیت پہن کر بندے کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے۔ جب تک بندے کے باطن (قلب) میں معصیت (گناہ) کی جرأت نہ ہو تو معصیت ظاہر نہیں ہوتی اور ہوائے عصیاں ظاہر ہو جائے تو شیطان اسے اپنے جال میں لے کر مختلف قسم کے دل کو لہانے والے گناہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ گناہوں کی طرف لانے کے لیے شیطان بندے کے دل پر ظلمت (گناہ کی تاریکی) کی تکیا کرتا ہے اور اسی کو وسوسا کہتے ہیں (جس طرح قرآن نے فرمایا ”يُوسِسُ فِي صُلُوبِ النَّاسِ“ کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے) (الناس: ۵)۔

گناہ کی ابتدا ہوئی سے ہوتی ہے ”وَالْبَادِي أَظْلَمُ“ اور گناہ کی ابتداء کرنے والا بڑا ظالم ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن میں اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ شیطان نے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اب میں خدا کے بندوں کو اغوا کروں گا تو ارشاد ہوا کہ ”إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ“ یعنی تجھے میرے خالص بندوں پر کچھ غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ (الحجر: ۴۲) ثابت ہوا کہ شیطان درحقیقت نفس کے ذریعے بندے میں ہوس پیدا کرتا ہے اور نفس کا کم و بیش اثر انسانوں پر رہتا ہے، لہذا حضور ﷺ نے فرمایا ”مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ غَلَبَهُ الشَّيْطَانُ إِلَّا عَمَرَ فَإِنَّهُ غَلِبَ شَيْطَانُهُ“ یعنی تم میں سے نہیں کوئی مگر یقیناً شیطان اس پر غالب ہے اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ وہ شیطان پر یعنی اپنی ہوئی پر غالب ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ یاد رکھو کہ ترک ہوئی بندے کو امیر کرتی ہے اور اس کی اتباع اسیر بناتی ہے، جیسا کہ حضرت زینا نے اول ہوئی کے اتباع کا ارتکاب کیا تو امیر سے اسیر ہو گئی۔ یوسف علیہ السلام نے ترک ہوئی فرمایا اسیر تھے مگر امیر ہو گئے۔ حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا ”مَا الْوَصْلُ قَالَ تَرْكُ اِرْتِكَابِ الْهُوَى“ یعنی وصل کیا ہے تو فرمایا کہ ہوئی کا ترک کرنا اور جو اپنے آپ کو معظم و مکرم بنانا چاہے تو اسے کہہ دو کہ ہوائے تن کی مخالفت کرے۔ فرمایا کہ ناخن سے پہاڑ کو کھودنا آسان ہے اس سے کہ مخالفت ہوئی کرے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے دیکھا کہ ایک شخص ہوا میں اڑ رہا ہے جب اسے پوچھا کہ تم کو یہ درجہ کیسے حاصل ہوا تو کہنے لگا، ترک ہوئی سے۔ حضرت محمد بن فضل بلخیؒ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے اس بندے پر کہ جو ہوئی کا قبیح ہو اور جمالی جمیل حاصل کرنا چاہتا ہو۔ فرماتے ہیں کہ نفس کی ایک صفت شہوت ہے۔ شہوت ایسی صفت کا نام ہے، جو اجزائے جسم میں پراگندہ ہے اور تمام حواس اس کے ساتھ ہیں اور بندہ ان کی نگہبانی پر مکلف ہے۔ انسان ہر حس کے فعل کے ساتھ مسئول ہے (یعنی اس سے اس کی ہر حس کے متعلق سوال کیا جائے گا) آنکھ کی شہوت دیکھنا، کان کی شہوت سننا، جسم کی شہوت چھونا اور دل کی شہوت سوچنا ہے۔ طالب کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی ان شہوات پر نگہبان اور حاکم ہو تاکہ ہوئی کو بلانے والے حواس از خود منقطع ہو جائیں۔ جو شخص شہوت و ہوئی کی دلدل میں پھنس گیا وہ تمام جمال و وصال سے محروم ہو گیا۔ اس کو دور کرنے میں بہت محنت کرنا ہوتی ہے کیونکہ اجناس ہوئی و شہوت کا وارد ہونا متواتر ہوتا ہی رہتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوعلی سیاح مروزیؒ سے ایک روایت منقول ہے کہ وہ حمام میں سنت کے مطابق استرہ لے رہے تھے کہ انہوں نے دل میں کہا کہ یہ عضو قبیح شہوت ہے اور یہی تجھے آفتوں میں مبتلا رکھتا ہے۔ اسے اپنے سے جدا کر دے تاکہ شہوتوں سے آزادی ہو جائے تو ایک نبیؐ آواز نے کہا، اے ابوعلی! ہماری ملکیت میں تصرف تو کرتے ہو لیکن ہماری موزوں کی ہوئی دُنیا کے جسم میں کسی عضو سے دوسرا عضو ادنیٰ تر نہیں ہے۔ ہمیں ہماری عزت و جلال کی قسم! اگر تم نے یہ عضو اپنے سے جدا کیا تو تمہارے ہر بن مو میں اس موجود شہوت سے سو گنا شہوت اور ہوائے نفسانی پیدا کر دیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تبدیلی صفت میں بہ توفیق الہی انسان کو اختیار حاصل ہے۔ احکام کو تسلیم کرنا اور اپنی قوت ارادی سے بہتری حاصل کرنے کا انسان کو اختیار حاصل ہے۔ جب تسلیم امر کی توفیق ہو گئی تو عصمت حاصل ہو گئی۔ یہ عصمت الہی بندے کو حفظ اور فنا کے نزدیک تر کر دیتی ہے۔ جب تک منجانب اللہ بندے کو قوت عطا نہ ہو تو کوئی کوشش اس کے لئے سود مند نہیں۔ فرماتے ہیں یا تو انسان اتنی کوشش اور جدوجہد کرے کہ تقدیر الہی اس کے لئے بدل جائے یا خود تقدیر الہی کے خلاف کسی قوت کو حاصل کرے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ناممکن ہیں، یعنی کوشش سے اللہ کی توفیق کے بغیر تقدیر کا بدلنا ہرگز نہیں ہو سکتا اور کوئی کام بغیر تقدیر کے وجود میں نہیں آ سکتا۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت شبلیؒ بیمار ہوئے تو طبیب نے



کہا کہ پرہیز کریں، فرمایا: کس چیز سے پرہیز کروں؟ کیا اس چیز سے جو اللہ نے بندے کے لیے روزی میں مقدر فرمائی ہے یا اس چیز سے جو میری قسمت میں ہی نہیں لکھی گئی، جو قسمت میں ہے اس کو روکنے کے لئے مجھ میں قوت نہیں اور یا تو اس چیز سے پرہیز کرنا چاہتا ہے جو میری قسمت میں نہیں تو وہ مجھے پہلے ہی نہیں مل سکی۔ فرمایا "لَا تَلْزَمُ الْمَشَاهِدَ لَا يَجَاهِدُ" یعنی جس کو خدا نے مشاہدہ عطا فرمایا ہے وہ مجاہدہ نہیں کرتا۔

### شہوت سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے

انسان کو شہوت اس قدر اندھا کر دیتی ہے کہ وہ اپنا نفع نقصان بالکل بھول جاتا ہے۔ کوئی شخص کسی عورت سے ناجائز تعلقات رکھتے ہوئے بھی یہ سمجھتا ہے کہ کسی کو اس کی محبت کا علم نہیں، حالانکہ اس کے تعلقات دُنیا کے بہت سے لوگوں پر عیاں ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ۷

زمانے بھر میں رسوا ہوں مگر اے وائے نادانی

سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے راز داں تک ہے

مولانا رومیؒ نے عقل پر اس قسم کا پردہ پڑ جانے کی مثال دی ہے کہ ایک پہاڑی پر ایک جنگلی بکرا چر رہا تھا کہ اس کی نظر دوسری پہاڑی پر ایک بکری پر پڑی تو اس پر جنسی بھوک سوار ہو گئی۔ اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا اور سمجھنے لگا کہ ایک چھلانگ لگا کر وہ اس بکری پر قابو پا لے گا، حالانکہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ وہ کودا اور کھڈ میں جا گرا اور چور چور ہو گیا۔ شکاری (جو پہلے وہاں موجود تھے انہوں) نے اسے بھونا اور مزے سے کھایا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ جنسی مستی انسانوں کی عقل پر بھی اسی طرح پردہ ڈال دیتی ہے اور پھر وہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو انہیں قعرِ مذلت میں لے ڈوبتی ہیں۔ فرماتے ہیں شکاری لوگ جنگلی بکروں کو اسی فریب سے پکڑتے ہیں۔ پہاڑی بکرے کو پکڑنا عام حالت میں بہت مشکل ہوتا ہے اور وہ شہوت کے چکر میں آ کر احق ہو جاتے ہیں۔ انسان کو بھی شہوت کے ذریعے شیطان پکڑتا ہے، اسی طرح بڑے بڑے نامی گرامی پہلوان جو کسی سے بازی ہارنے کا خیال تک بھی نہیں لاتے مگر انہیں اپنی شہوت ہی چھاڑ دیتی ہے ۷

رستم ارچہ با سر و سبَلت بود      دام پا گیرش یقین شہوت بود

رستم خواہ مع سر اور مونچھوں کے ہو، یقیناً شہوت اس کے پاؤں کا جال ہوتی ہے۔ (۸۶/۳)

بکرے کے دھوکہ کھانے کے متعلق اشعار تنکیٰ قرطاس کے باعث اس جگہ شامل نہیں کیے جا رہے۔

### نفس بہانہ جو

ایک سپیرا سانپوں کی تلاش میں پہاڑ پر گیا تو وہاں برف سے ٹھٹھرا ہوا ایک اژدہا دیکھا۔ سپیرا اس کو مردہ سمجھ کر بغداد شہر میں لے آیا تاکہ وہ لوگوں کو بتائے کہ اس نے ایک بہت بھاری اژدہا مارا ہے۔ جب اژدہا کو دھوپ

سے گرمی پہنچی تو وہ حرکت کرنے لگ گیا یعنی اُس میں زندگی کے آثار نمودار ہو گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جب نفسِ امارہ کو اپنے اغراض پورا کرنے کا موقع نہیں ملتا تو وہ اژدھا کی طرح انسان کو دھوکا دیتا ہے کہ اب میں مر گیا ہوں، مجھ سے بُرے اعمال سرزد نہیں ہوتے اور انسان اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ نفس کو کبھی مُردہ نہ سمجھ لینا، یہ کبھی مُردہ نہیں ہوتا اگر اس نفس کو فرعون کا سا سامان اور اقتدار مل جائے تو پھر دیکھئے کہ یہ کیسے سینکڑوں موسیٰؑ اور ہارونؑ کا راستہ روکتا ہے۔

نفسِ اژدہا ست او کے مُردہ است      از غم بے آلتی افسردہ است  
تیرا نفس اژدہا ہے وہ مُردہ کہاں ہے، ذرائع نہ ہونے کے غم میں ٹھٹھرا ہوا ہے۔ (۱۰۸/۳)  
گر بیابد آلتِ فرعون او      کہ بامرِ او ہی رفت آید جو  
اگر وہ فرعون کے ذرائع پالے، جس کے حکم سے دریائے نیل کا پانی چلتا تھا۔ (۱۰۹/۳)  
آنگہ او بنیادِ فرعونى گند      راہِ ضدِ موسیٰ و ضدِ ہارون زند  
اس وقت وہ فرعونى بنیاد بنائے گا، سینکڑوں موسیٰؑ اور ہارونؑ کی راہزنی کرے گا۔ (۱۰۹/۳)  
مولانا فرماتے ہیں کہ جب موسم گرم ہو جائے تو اژدھا زندہ ہو جاتا ہے اور لوگوں کو اپنی دہشت سے ڈراتا ہے، اسی طرح نفسِ عارضی طور پر اگر سرد ہو جائے تو موقع ملتے ہی اپنی اصلی خباثت پر آ جاتا ہے سوائے اللہ کے بندوں کے۔



## طریقت میں تہذیبِ نفس

علم کسی بھی نوعیت کا ہو، استاد اور مرشد کی ضرورت رہتی ہے۔ اصلاحِ نفس کے بغیر علم بھی ظاہری علم کہلاتا ہے۔ استاد کے بغیر علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ کبر و ناز کو ترک کرنے کے بعد ہی صحیح علم حاصل ہوتا ہے۔ متکبر اور خود بین لوگ جہلِ مرکب میں مبتلا رہتے ہیں۔ انسان کا کمال اس کا بہترین لباس ہے، چنانچہ اگر کوئی لوہار یا چمڑا رنگنے والا پھٹے پرانے کپڑے پہن کر کام کرے تو کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ کمال حاصل کرنے کے لیے جامعہٴ افتخار اور استکبار کو اُتار دینا چاہیے اور یہ بغیر اصلاحِ نفس ممکن نہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ علمِ قولی، فعلی یا صناعی یعنی حرفت سے تعلق رکھتا ہے۔ علومِ قولی استاد سے اور کتابوں سے سیکھے جاتے ہیں، علومِ صناعی یا حرفت کسی ماہر کے ساتھ رہنے سے آتے ہیں، مثلاً فنِ زرگری کسی سنار کے پاس بیٹھ کر سیکھنے سے آئے گا، تیسرا علم درویشی یا علمِ فقر جو تزکیہٴ نفس سے تعلق رکھتا ہے، یہ کسی مرشد کے فیضان یا کسی اہلِ دل کی صحبت سے ہی حاصل ہوتا ہے اگر کسی شخص کو علم بھی حاصل ہو اور اعمال بھی صالح ہوں مگر اسے صحبت حاصل نہ ہوئی ہو تو اسے فقر کا کوئی اعلیٰ درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں ۷

پس لباسِ کبر بیروں گن زتن      ملبسِ ذل پوشِ درِ آموختن  
تو تکبر کا لباس جسم سے اُتار دے، سیکھنے میں ذلت کا لباس پہن لے۔  
(۱۱۲/۵)

علم آموزی طریقش قوی است      حرفت آموزی طریقش فعلی است

تو علم سیکھتا ہے تو اس کا طریقہ زبانی ہے، دستکاری سیکھتا ہے تو اس کا طریقہ عمل ہے۔ (۱۱۲/۵)

فقر خواہی آں بصحت قائم است      نے زبانت کاری آید نہ دست

فقر چاہتا ہے تو وہ صحت سے متعلق ہے، نہ تیری زبان کام آتی ہے نہ ہاتھ۔ (۱۱۳/۵)

دانش انوار است در جانِ رجال      نے زراہ دفتر و نے قیل و قال

انوار کا علم (سلوکِ اولیاء) لوگوں کے دل میں ہے، (وہ حاصل نہیں ہوتا ہے) نہ کتاب کے راستہ سے نہ گفتگو سے۔

(۱۱۳/۵)

تا دلش را شرح آں سازد ضیا      پس اَلَمْ نَشْرَحْ بِفَرَمَیْدِ خِدا

جب تک کہ اس کے دل کے لیے نور اس کی تشریح نہ کر دے، پھر خدا فرماتا ہے کیا ہم نے تیرا سینہ نہ کھول دیا۔

(۱۱۳/۵)

در نگر در شرحِ دلِ در اندرون      تا نیاید طعنہء لَا یُبْصِرُونَ

دل کی شرح کو باطن میں دیکھ لے تاکہ ”وہ نہیں دیکھتے ہیں“ کا طعنہ نہ دیا جائے۔ (۱۱۳/۵)

### عقل اور نفسِ امارہ

عقل حقیقت شناس اور نفسِ امارہ کی جنگ ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ مولانا نے اس مضمون کو بہت سی مثالوں سے ظاہر فرمایا ہے مگر مجنوں اور اس کی اونٹنی کی مثال لاجواب ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجنوں لیلیٰ کے شہر کی طرف جانے کے لیے اپنی اونٹنی پر سوار ہوا مگر اونٹنی کی توجہ تمام تر اپنے بچے کی طرف لگی تھی، جس بچے کو وہ مجنوں کے گھر میں پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ مجنوں کے ہاتھ سے اونٹنی کی لگام جب عشق کے نشے میں ذرا ڈھیلی ہوتی تو اونٹنی اپنے گھر کی طرف واپس چلنا شروع کر دیتی اور مجنوں کو جب معلوم ہوتا کہ اونٹنی گھر کی طرف جا رہی ہے تو وہ پھر سے اس کی لگام کھینچ کر لیلیٰ کے گھر کی طرف اس کا رخ کر دیتا۔ یہ واقعہ تین چار بار ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ عقل انسان کو راہِ راست پر لانا چاہتی ہے تاکہ انسان اپنی منزلی مقصود تک پہنچے مگر ذرا سی غفلت ہو جائے تو طے کیا ہوا راستہ دوبارہ طے کرنا پڑتا ہے اور ساری عمر کو لہو کے بیل کی طرح وہیں چکر کاٹتا رہتا ہے۔ نفسِ امارہ سے خدا تک کا راستہ دو قدم کی مسافت ہے مگر انسان مولیٰ کی قوم کی طرح برسوں بیابانوں میں گھومتا رہتا ہے۔ مجنوں نے تنگ آ کر یہ کیا کہ جب اس کی اونٹنی واپس آنے سے باز نہیں آئی تو اس نے اپنے آپ کو اونٹنی سے نیچے گرا دیا کہ اس سے بہتر ہے میں پیدل ہی چلا جاؤں گا۔ جب چھلانگ لگائی تو پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی تو اس نے کہا کہ میں گیند کی طرح ہی لڑھکتا ہوا پہنچ جاؤں گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ عشقِ لیلیٰ عشقِ مولیٰ سے تو کم تر ہے۔ عشقِ مولیٰ میں بھی انسان کو ہمت نہیں

ہارنی چاہیے ۷



میل مجنوں پیش آں لیلیٰ رواں  
میلِ ناقہ پس پئے گرہ اش رواں  
(۱۵۳/۴) مجنوں کی خواہش لیلیٰ کی طرف رواں ہے، اونٹنی کی خواہش پیچھے کو بچہ کے لئے دوڑتی ہے۔  
یک دم ار مجنوں زخود غافل بدے  
ناقہ گردیدے و واپس آمدے  
(۱۵۳/۴) اگر مجنوں تھوڑی دیر کے لئے اپنے سے غافل ہو جاتا تو اونٹنی لوٹ جاتی اور واپس آ جاتی۔  
لیک ناقہ بس مراقب بود و چست  
چوں بدیدے او مہار خویش ست  
(۱۵۳/۴) لیکن اونٹنی بہت نگران اور چست تھی جب وہ اپنی مہار کو ڈھیلا دیکھتی۔  
جاں زہجر عرش اندر فاقہ  
تن ریشخ خار بن چوں ناقہ  
(۱۵۳/۴) روح عرش کی جدائی میں فاقہ میں ہے، جسم جھاڑ کے عشق میں اونٹنی کی طرح ہے۔  
جاں کشاید موسیٰ بالا بالہا  
در زدہ تن در زمیں چنگاہا  
(۱۵۳/۴) جان اُد پر کی طرف بازو کھولتی ہے، جسم نے زمین میں پنچے گاڑ دیئے ہیں۔  
مولانا کی مراد یہ ہے کہ انسان کی روح اس کو آسمان کی طرف لے جانا چاہتی ہے مگر اس کا جسم زمین میں اپنے پنچے گاڑ دیتا ہے۔

وقت خشم و وقت شہوت مرد کو

(غصے اور شہوت کے موقع پر کون مرد ہے)

مولانا نے فرمایا کہ جب نہر میں پانی ہو تو وہ نہر کہلانے کی حقدار ہے اور اگر پانی نہ ہو تو یہ مٹی کا ایک گڑھا ہے۔ اسی طرح عام لوگ مرد کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں لیکن یہ مرد کہاں ہیں، یہ لوگ تو روٹی پر مرنے والے اور شہوت سے مغلوب انسان ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ایک شخص چراغ لے کر گھوم رہا تھا اور کہتا تھا کہ میں انسان کو ڈھونڈ رہا ہوں اور میں حیران ہوں کہ ایک انسان بھی مجھے نظر نہیں آ رہا۔ لوگوں نے کہا کہ آخر یہ بازار مردوں سے ہی تو بھرے پڑے ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ یہ لوگ انسان نہیں، میں تو غصہ، شہوت اور حرص کی راہوں پر نہ چلنے والے مرد چاہتا ہوں۔ ایسا مرد کون ہے جو غصے اور شہوت میں انسان ہو، ایسی دو حالتوں پر ثابت قدم رہنے والا کون ہے تاکہ میں اس پر اپنی جان قربان کر دوں۔ اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ خدا کو ہی فاعل سمجھتے ہوئے خود کو بیچ میں سے نکال لیتے ہیں اور یہ لوگ جبر یہ فرقتے سے تعلق رکھتے ہیں اور انسان کو مجبور سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص جبر پر ہے وہ بھی دریا پر جھاگ کو دیکھتا ہے اور خود کو بے گناہ سمجھتا ہے اور جو خود کو مسلوب الاختیار سمجھتا ہے، اس نے اللہ پر نظر کی اور مشاہدہ حاصل کیا۔ یہ بحث بہت طویل ہے۔

جو کہ آبلش ہست جو خود آں بود  
آدی آنت کو را جاں بود  
(۲۹۳/۵) جس نہر میں پانی ہے تو وہی نہر ہے، آدمی تو وہی ہے جس میں جان ہے۔

ایں نہ مردانہ لہجہ صورت اند  
یہ لوگ جن کے قلب نور سے خالی ہیں، مرد نہیں ہیں (بلکہ مٹی کی بے جان) سورتیاں ہیں، یہ لوگ روٹی پر جان دینے والے اور شہوت کے مارے ہوئے ہیں۔ (۲۹۳/۵)

آگے ایک حکایت کے ضمن میں بتاتے ہیں کہ دنیا میں ایسا آدمی نایاب ہے جو بمعنی حقیقی آدمی ہے۔  
گفت من بویائے انسان گشتہ ام  
می نیام پیچ و حیراں گشتہ ام  
اس نے کہا کہ میں انسان کو ڈھونڈ رہا ہوں اور حیران ہوں کہ مجھے کوئی انسان نہیں ملتا۔ (۲۹۴/۵)  
گفت مردے ہست ایں بازار پُر  
مردماند آخر اے دانائے خُر  
(یوافصول نے کہا) اے دانائے آزاد! آخر یہ بازار مردوں ہی سے تو بھرے پڑے ہیں۔ (۲۹۴/۵)

گفت خواہم مرد بر جادہ دورہ  
در رہ خشم و بہنگام شرہ  
درویش نے کہا: نہیں مجھے ایسے ویسے لوگ درکار نہیں بلکہ میں دو راہوں کی سڑک پر ثابت قدمی کے ساتھ چلنے والا جو امر د چاہتا ہوں، یعنی غصے کے راستے میں اور حرص کے وقت۔ (۲۹۴/۵)

وقت خشم و وقت شہوت مرد کو  
طالب مردے دوانم کو بکو  
غصے کے وقت اور شہوت کے وقت مرد کون ہے، میں ایسے مرد کی تلاش میں گلی گلی دوڑا پھرتا ہوں۔ (۲۹۴/۵)

گو دریں دو حال مردے در جہاں  
تا فدائے او کنم امروز جاں  
دنیا میں ان دو حالتوں کے اندر ثابت قدم رہنے والا مرد کہاں ہے تاکہ آج میں اس پر اپنی جان قربان کر دوں۔ (۲۹۴/۵)

## نفس کی ارتعاشات یا لہریں

سائنس دانوں کے مطابق ہر جامد اور غیر جاندار چیز سے مخصوص لہریں یا ارتعاشات نکلتی ہیں۔ ہر شخص کے گرد بہت سی ارتعاشات کا ایک ہالہ ہوتا ہے، جس کو حساس انسان دیکھ بھی سکتے ہیں اور جو لوگ ان ارتعاشات کو نہیں پہچانتے جب وہ کسی کو دیکھتے ہیں تو ان کو اس شخص میں سے یا تو کچھ محبت کی کشش محسوس ہوتی ہے یا نفرت محسوس ہوتی ہے۔ ہماری تصنیف ”حسن نماز“ میں ایک باب ”سائنسدانوں کے نزدیک عبادات کے اثرات“ پر لکھا گیا ہے، جس میں اس موضوع پر کافی تفصیل دی گئی ہے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ لہریں ہمارے جسم سے نکراتی ہیں تو خوشگوار یا ناخوشگوار محسوس ہوتی ہیں۔ ایک تجربہ کار اور حساس شخص جب کسی کو دیکھتا ہے تو اس کی سیرت کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ اولیائے کرامؒ میں بھی یہ بات موجود ہوتی ہے بلکہ کئی سو برس کے بعد پیدا ہونے والوں کی شکل و صورت اور سیرت کو بیان کر دیتے ہیں (جیسے حضرت بابزید بسطامیؒ نے حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے متعلق تمام احوال اور کوائف تین سو سال پہلے ہی بیان کر دیئے تھے۔ اس کا ذکر ہماری تصنیف ”جنید و بابزید“ میں موجود ہے) بزرگ



لوگ ہر شخص کی باتوں سے اس کی حرص و ہوس اور تکبر وغیرہ کی بوسنگھ لیتے ہیں، خواہ وہ انسان ان باتوں کی نفی کرتا رہے۔ اگر کوئی شخص پیاز کھاتا ہے تو اس کی بوسب لوگ محسوس کر لیتے ہیں۔

ہم بیابد لیک پوشاند زما      بوئے نیک و بد برآید بر سما  
ہمارے عیب وہ محسوس کر لیتے ہیں لیکن ہم سے چھپاتے ہیں۔ اچھی اور بُری بو ظاہر ہو جاتی ہے آسمان پر۔ (۲۹/۳)  
تو ہی تھی و بوئے آں حرام      می زند بر آسمان سبز فام  
تو سو جاتا ہے اور اس حرام کی بونینگوں آسمان پر پہنچتی ہے۔ (۲۹/۳)

ہمرہ انفاس زشت می شود      تا بہ بو گیران گردوں می رود  
وہ تیرے بُرے سانسوں کے ساتھ ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ آسمان کے خوشبو سونگھنے والوں (یعنی فرشتوں) تک پہنچ جاتی ہے۔ (۳۰/۳)

بوئے کبر و بوئے خشم و بوئے آز      در سخن گفتن بیاید چوں پیاز  
تکبر کی بو حرص کی بو اور لالچ کی بو زبان سے نکلتے ہی معلوم ہو جاتی ہے، پیاز کی بو کی طرح۔ (۳۰/۳)  
پس دعاہا رد شود از بوئے آں      آں دل کثر می نماید در زباں  
اس کی بو کی وجہ سے دعائیں رد کر دی جاتی ہیں، دل کی کچی زبان پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ (۳۰/۳)  
گر جنیں را کس بگفتے در رحم      ہست بیروں عالے بس منتظم  
اگر پیٹ کے بچے سے کوئی رحم میں کہتا ہے کہ باہر ایک بڑی منتظم دُنیا ہے۔ (۲۰/۳)

یک زمینِ نُرْمی با عرض و طول      اندرو بس نعمت و بے حد اکول  
ایک لمبی چوڑی دل کشا زمین ہے، اس میں بے شمار نعمتیں اور بے حد غذائیں ہیں۔ (۲۰/۳)  
آسمانے بس بلند و پُر ضیا      آفتاب و ماہتاب و صد سُہا  
بہت اونچا آسمان ہے اور منور آفتاب اور چاند اور سیکنزوں سُہا (ستارے) ہیں۔ (۲۰/۳)

در صفتِ ناید عجائب ہائے آں      تو دریں ظلمت چہ در امتحاں  
اس کے عجائب بیان نہیں ہو سکتے، تو اس اندھیرے کی آزمائش میں کیوں ہے۔ (۲۰/۳)  
اُو بجکمِ حالِ خود منکر بدے      زیں رسالتِ معرض و کافر شدے  
وہ اپنی حالت کے تقاضے سے منکر ہوتا، اس پیغام سے اعراض کرنے والا اور کافر ہوتا۔ (۲۰/۳)

جنس چیزے چوں ندید ادراک اُو      نشود ادراک منکر ناب اُو  
اس کے ادراک نے چونکہ اس چیز کی جنس نہیں دیکھی، اس کا انکار کرنے والا احساس (ان باتوں کو) نہیں سنتا ہے۔ (۲۰/۳)

ان تمام حلقوں کو مناسب غذا ملتی رہنی چاہیے۔ جس طرح غلط غذا سے جسم خراب ہو جاتا ہے، اسی طرح نفس اور عقل و دل بھی نامناسب غذاؤں سے بدبضی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنا وظیفہ حیات ادا نہیں کر سکتے۔

حلق عقل و دل چو شد خالی ز فکر یافت او بے ہضم معدہ رزق بیکر عقل اور دل کا حلق جب فکر سے خالی ہو گیا تو اس نے معدہ کے ہضم کے بغیر تازہ رزق پالیا۔ (۱۹/۳)

مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کی عمر میں اُس کی غذا میں تبدیلی آتی رہتی ہے، بچہ ماں کے پیٹ میں خون سے پلتا ہے، پھر دودھ چھڑانے کے بعد دوسری غذاؤں کو شروع کرتا ہے، حتیٰ کہ گوشت ترکاری وغیرہ کھاتا ہے۔ اس کے بعد جب اس کو عقل و حکمت کا چمکا پڑتا ہے تو بدلتے ہوئے لقموں سے وہ لقمان حکیم بن جاتا ہے۔

پس حیات ماست موقوف فظام اندک اندک جہد گن تم الکلام تو زندگی ہماری دودھ چھڑانے پر موقوف ہے، بتدریج کوشش کر، بات ختم ہوئی۔ (۱۹/۳)

چوں جنیں بود آدمی خونخوار بود بود اُورا بُود از خون تار و پود جب انسان ماں کے پیٹ میں خون کھانے والا تھا، اس کے وجود کا تانا بانا خون سے تھا۔ (۱۹/۳)

از فظام خون غذائش شیر شد وز فظام شیر لقمہ گیر شد خون چھڑانے سے اس کی غذا دودھ ہوئی اور دودھ چھڑانے سے وہ لقمہ کھانے والا ہو گیا۔ (۱۹/۳)

وز فظام لقمہ لقمانے شود طالب مطلوب پنہانے شود لقمہ چھڑانے سے وہ لقمان ہو جاتا ہے، ایک پوشیدہ مطلوب کا طالب بن جاتا ہے۔ (۱۹/۳)

مولانا فرماتے ہیں کہ آدمی عالم جسمانی اور شہوت حیوانی کو چھوڑ کر عالم روحانی میں داخل ہونے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کو معلوم نہیں ہے کہ روحانی عالم میں اس کو کیا کچھ ملتا ہے۔ اس کی مثال مولانا یوں دیتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں بچے کو پیٹ کے اندر کا جہاں ہی بھلا معلوم ہوتا ہے، اسی طرح انسان عالم دنیا سے عالم روحانی میں پیدائش (دوسری پیدائش) سے گھبراتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ یہاں سے گرا تو مرا۔ اسی طرح بچہ دنیا میں آنے پر بھی رضامند نہ ہوتا اور ضرور کافر اور منکر رہتا مگر فطرت اس کو جبراً کشادہ جہاں میں لے آتی ہے، جہاں آسمان، طرح طرح کے پھل، چاند و تارے اور پہاڑ و دریاؤں کی خوشنما دنیا آباد ہے، جو اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

جملہ عالم آکل و ماکول داں

(اس دُنیا کی ہر چیز کھانے والی یا کھائی جانے والی ہے)

اس دُنیا میں ہر چیز آکل (کھانے والی) اور ماکول (کھائی جانے والی) ہے۔ ایک چیز اگر کام دینے والی ہے تو وہ کام کرتی بھی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے اس دُنیا میں ہر ذرے کو حصولِ غذا کے لیے منہ کھولے ہوئے



دیکھا ہے۔ ہر جاندار کا ہر عضو اپنی اپنی مخصوص غذا مانگتا ہے۔ جسم کا ہر حصہ اپنی ضرورت شدت سے محسوس کرتا ہے، جو چیز کھائے جانے سے بچ جاتی ہے، خوش بخت و مقبل (باقابل) و مقبول ہو کر اس عالم سے ماورا ہو جاتی ہے۔

ذرہ ہا ویدم دہاں شاں جملہ باز  
گر بگویم خورد شاں گردو دراز  
میں نے ذرے دیکھے، جن کے منہ کھلے ہوئے تھے مگر میں ان کی خوراک بیان کروں تو بات بڑھ جائے گی۔ (۱۷/۳)

جملہ عالم آکل و ماکول داں  
باقیاں را مقبل و مقبول داں  
تمام عالم کو کھانے والا اور کھایا ہوا سمجھ، باقی رہنے والوں کو مقبول اور باقبال سمجھ۔ (۱۷/۳)

لقمہ بخشی آید از ہر گس بکس  
لقمہ دینا ہر شخص سے ہر شخص کے لئے ہو سکتا ہے، خلق بخشی صرف اللہ کا کام ہو سکتا ہے۔ (۱۶/۳)

خلق بخشد خاک را لطف خدا  
تا خورد خاک آب و روید صد گیا  
اللہ تعالیٰ کی مہربانی مٹی کو خلق عنایت کرتی ہے، یہاں تک کہ مٹی پانی پیتی ہے اور سینکڑوں گھاس اُگاتی ہے۔ (۱۷/۳)

باز حیواں را بہ بخشد خلق و لب  
پھر (اللہ تعالیٰ) حیوان کو خلق اور ہونٹ بخشی ہے، یہاں تک کہ وہ تلاش کر کے اس (خاک) کی گھاس کھاتا ہے۔ (۱۷/۳)

چوں گیاہش خورد و حیواں گشت زفت  
گشت حیواں لقمہء انسان و رفت  
جب اس (حیوان) نے اس (خاک) کی گھاس کھائی اور موٹا ہو گیا، پھر وہ حیوان انسان کا لقمہ بنا اور ختم ہو گیا۔ (۱۷/۳)

باز خاک آمد شد اکال بشر  
چوں جدا شد از بشر روح و بصر  
پھر مٹی آئی وہ انسان کو نگل جانے والی بنی، جب کہ انسان سے روح اور بینائی جدا ہو گئی۔ (۱۷/۳)

مولانا فرماتے ہیں کہ ہر عضو، جان، عقل و دل، بدن اور نفس کا بھی خلق ہے۔

فرعون و موسیٰ کا قصہ ہر نفس میں پایا جاتا ہے

مولانا روئی فرماتے ہیں کہ فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا تاریخی قصہ تو ایک الگ بات ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو فرعونیت کے آثار ہر شخص کے اندر پائے جاتے ہیں۔ فرعونیت نفس انسانی کا ایک مظہر ہے۔ فرعون کا قصہ سن کر

لوگ فرعون کو بُرا کہتے ہیں، حالانکہ لوگوں کے اندر فرعون کے اثر دھما موجود ہیں اور انسان بے سامان ہے۔ جو کچھ فرعون کو میسر تھا اگر تجھے دیا جائے تو دیکھ کہ تو کس طرح کا فرعون ہوتا ہے۔ کچھ لوگ دُزیرا عظیم اور بڑے افسر بننے

ہیں تو لوگ ان کی فرعونیت کو دیکھتے ہیں مگر وہ خود اپنے آپ کی فرعونیت پر غور نہیں کرتے۔ اگر کوئی ان وزیروں کی تعریف کرے تو یہ لوگ الاما شاء اللہ گردن اکڑا لیتے ہیں، یہ بھی تو فرعونیت ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ صرف فرعونیت ہی انسان میں موجود نہیں بلکہ موسیٰ بھی تمہارے اندر ہی ہے۔ خدا نے ان دونوں میلانات کو تمہارے سامنے رکھا ہے اور تمہیں اختیار دیا ہے کہ جس کو چاہو اختیار کر لو۔ موسیٰ علیہ السلام کے بد بیضایا قلب صافی میں نور تھا، وہی نور ہر انسان میں قابل افادہ و استفادہ ہے۔ انسان کو ان دونوں قسموں کو اپنے اندر معلوم کر لینا چاہیے۔

آنچه در فرعون بود اندر تو هست      لیک اثر دہات محبوس چہ است  
 جو کچھ فرعون میں تھا وہ تیرے اندر ہے لیکن تیرے اثر دہ کنویں میں قید ہیں۔ (۱۰۱/۳)

اے ذریعہ ایں جملہ احوال تو هست      تو برآں فرعون بر خواہش بست  
 ہائے افسوس! یہ سب تیرے احوال ہیں، تو ان کو فرعون سے وابستہ کرنا چاہتا ہے۔ (۱۰۱/۳)

موسیٰ و فرعون در ہستی ٹٹ      باید ایں دو خصم را در خویش جُست  
 موسیٰ اور فرعون تیرے وجود میں ہیں، ان دو مقابل شخصیتوں کو اپنے اندر تلاش کرنا چاہیے۔ (۱۲۷/۳)

تا قیامت هست از موسیٰ نتاج      نورِ دیگر نیست دیگر شد سراج  
 موسیٰ کا سلسلہ قیامت تک کے لئے ہے، روشنی دوسری نہیں ہے، چراغ دوسرا ہے۔ (۱۲۷/۳)

حیوانی نفس اور عقل کے تقاضے

انسان نے عورت کو بہت سی ذمہ داریاں سپرد کی ہیں اور ان کو پورا کرنے کے لیے اسے کچھ اخراجات کی ضرورت رہتی ہے، بعض اوقات عورتوں کو فضول طریقے سے اخراجات کرنے کی عادت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے اور گھر میں میاں بیوی کا تصادم رہتا ہے۔ اس مالی تنگی کی وجہ سے گھریلو جھگڑے دیگر خانگی امور پر بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ اکثر علماء، بعض صوفیاء اور اکثر اہل کمال لوگوں کی بیویاں ان کی زندگیوں کو ناخوشگوار بنا دیتی ہیں۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ عورت کا تقاضا کچھ اور ہے اور مرد کا ذوق کچھ اور ہے۔ ان دونوں کی دلچسپیاں یکساں نہیں رہ سکتیں۔ اس لیے ہمیشہ 99.9 فیصد جوڑوں میں جھگڑا اور فساد رہتا ہے۔ مولانا روٹی نے شیخ سعدیؒ کا ذکر کیا ہے کہ جب ایک دن وہ اپنے دوستوں کے ساتھ گھر آئے اور کھانا مانگا تو آپ کی بیوی نے سالن کی ہنڈیا ان کے سر پر دے ماری اور ہنڈیا کا طوق ان کے گلے میں آ گیا۔ وہ اسی حالت میں دوستوں کے پاس آ گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہوا تو فرمایا کہ شادی کی سنت پوری کرنے کے لیے میرے گلے میں یہ طوق ڈال دیا گیا ہے۔

”در گلویم سنت پیغبر یست“ میرے گلے میں سنت پیغبری ہے۔

کہتے ہیں کہ سقراط کی زندگی فلسفی بحثوں میں گذرتی اور وہ کئی کئی دن تک گھر نہ آتے۔ ایک دن وہ گھر آئے تو بیوی برس پڑی اور پھر ایک بالٹی پانی کی ان کے سر پر دے ماری۔ حکیم ہنس دینے اور کہا کہ گر بننے کے بعد برسا



ضروری تھا۔ ایک اور ولی اللہ کو ملنے کے لیے کوئی شخص ان کے گھر پر آیا تو ان کی بیوی نے اپنے خاوند کو برا بھلا کہا اور اس ملاقات کرنے والے کو کہا کہ تم ایسے شخص کے پاس کیا لینے آئے ہو؟ جب اس شخص نے اپنے پیر و مرشد کے سامنے ماجرا بیان کیا تو فرمایا کہ اس عورت کی تلخ بیانی پر صبر کرنے سے تو ہم کو ولی اللہ بنایا گیا ہے۔ ایک اور بہت بڑے ولی اللہ (حضرت بایزید بسطامیؒ) کے مرید کو بھی اس کی بیوی نے یہی سلواتیں سنائیں تو جب اس کو معلوم ہوا کہ ان کے مرشد جنگل سے لکڑیاں لینے گئے ہیں تو مرید نے دیکھا کہ ان کے مرشد جنگل میں ایک شیر پر لکڑیاں لا کر لا رہے ہیں۔ وہ مرید یہ دیکھ کر حیران ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بھئی میں بیوی کی بات کو سن کر برداشت کرتا ہوں تو یہ شیر میری بات مانتا ہے۔

مولانا روٹیؒ یہ مثالیں دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ عورتوں کے جھگڑے کی مثال ایسے ہے، جیسے نفس کا انسان کے ساتھ جھگڑا۔ یہ دونوں ایک ہی جسم میں رہتے ہیں اور ان کی سدا کشمکش رہتی ہے۔

ماجرائے مرد و زن افتاد عقل  
 ایں مثالِ نفسِ خود می دان و عقل  
 مرد اور عورت کا قصہ ایک مثال واقع ہوا ہے، اس کو اپنے نفس اور عقل کے جھگڑے کی مثال سمجھ۔ (۲۷۸/۱)

## انسان پر جذبات کا غلبہ

### غلبہ حال میں عقل رخصت ہو جاتی ہے

قوی جذبات کے ہيجان کے وقت انسانوں کی عقل اور دُور اندیشی جاتی رہتی ہے۔ مولاناؒ نے ایک شخص کی بیٹی کی شادی کا قصہ بیان کیا ہے کہ اس کی بیٹی کی شادی کے لیے مناسب رشتہ نہیں مل رہا تھا تو آخر اس نے ایک غریب لڑکے سے شادی کر دی اور بیٹی کو سمجھایا کہ اس لڑکے سے اولاد پیدا نہ ہونے دینا، کیونکہ اگر اولاد ہوگئی تو یہ اس کا خرچہ کہاں سے پورا کرے گا۔ باپ نے بتایا کہ جب انزال کا وقت آئے تو خاوند سے الگ ہو جایا کرو۔ بیٹی نے وعدہ کر لیا مگر پوچھا کہ حمل سے بچنے کے لیے مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ وہ انزال کی حالت میں آ گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کی نشانی یہ ہے کہ جب اس کی آنکھوں میں مستی کا رنگ آ جائے تو سمجھ لینا کہ انزال قریب ہے، مگر وہ لڑکا جوان اور نہایت خوبصورت تھا، لہذا جو فطرت کا تقاضا تھا وہی ہوا اور بچہ پیدا ہو گیا۔ پہلے تو انہوں نے بچے کو چھپائے رکھا مگر جب ظاہر ہو گیا تو باپ نے بیٹی کو بہت ڈانٹا۔ لڑکی نے کہا کہ میں اس کی آنکھوں کا رنگ کیا دیکھتی، کیونکہ اس کی آنکھوں کی حالت بدلنے سے پہلے ہی میری اپنی آنکھیں اندھی ہو جاتی تھیں۔ مولاناؒ نے یہ بتلایا کہ جب حرص، لالچ اور غصے کے وقت غلبہ حال ہو جائے تو عقل رخصت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نفسِ امارہ عقل پر غالب آ جاتا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ نفسِ امارہ کی ناجائز خواہشات کا قلع قمع ایسا ہی ہے جیسے کہ درخت کی کچھ شاخیں کاٹ دی جائیں تو درخت کی قوت باقی ماندہ دوسری شاخوں کی طرف رجوع کرتی ہے۔ مولاناؒ لڑکی کی بات



کو اشعار میں یوں رقمطراز کرتے ہیں ۔

در زمان حال و انزال و خوشی

خویشتن باید کہ ازوے در گشتی

خوشی اور انزال کی کیفیت کے وقت اپنے آپ کو اس سے جدا کر لینا چاہیے تھا۔ (۳۷۴/۵)

گفت کے دانم کہ انزالش کیست

ایں نہان ست و بغایت دُور دست

اس لڑکی نے کہا کہ انزال کے وقت کا مجھے کیسے علم ہوگا، کیونکہ یہ تو مخفی بات ہوتی ہے اور غایت سے دُور۔ (۳۷۴/۵)

گفت چوں چشمش کلاپیہ شود

فہم کن کاں وقتِ انزالش بود

کہا کہ جب اس کی آنکھوں میں مستی کا رنگ آجائے تو جان لینا کہ انزال کا وقت آگیا ہے۔ (۳۷۴/۵)

نیست ہر عقلِ حقیرے پاندار

وقتِ حرص و وقتِ جنگ و کارزار

ہر حقیر عقل مضبوط نہیں ہے، حرص کے وقت اور جنگ و کارزار کے وقت۔ (۳۷۴/۵)

مطلب یہ ہے کہ اگر غیض و غضب اور شہوتِ نفس و لالچ میں انسان اپنے اوپر قابو پالے تو یہی بہادری کی علامت ہے، شیر نر کو مارنا بہادری نہیں ہے۔ یہ مشہور حقیقت ہے۔

**مرد وزن میں غالب کون اور مغلوب کون ہوتا ہے**

مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی زینت کو مردوں کے لیے بنایا ہے (مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ جہاں بھی چاہیں اپنی زینت کو ظاہر کرتی رہیں، سوائے اپنے محرموں کے۔ سورہ نور: ۳۱) قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ عورتوں کو مردوں کے لیے باعثِ تسکین بنایا ہے، جیسے فرمایا ”وَجَعَلَ مِنْهَا زُجُجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا“ (اور اسی لیے اس کا جوڑا پیدا کیا تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔ الاعراف: ۱۸۹)۔ مرد عورت پر ظاہری غلبہ دینے جانے کے باوجود مرد اندر سے عورت کا مغلوب ہوتا ہے۔ بڑے بڑے فاتح اور حکماء اپنے تحکم اور اقتدار کو عورت کے سامنے بالائے طاق رکھ دیتے ہیں ۔

زَيْنَ لِلنَّاسِ حَقَّ آرَاسْتِ اسْت

زانکہ حق آراست چوں تاندرست

زَيْنَ لِلنَّاسِ کو خدا نے آراستہ کیا ہے، جس کو خدا نے آراستہ کیا اس سے چھکارا کیسے ہو سکتا ہے۔ (۲۶۰/۱)

چوں پئے يَسْكُنَ إِلَيْهَا شُ آفرید

کے تواند آدَمَ از حَوا برید

جب اس کو يَسْكُنَ إِلَيْهَا (یعنی مرد کے سکون) کے لئے پیدا فرمایا ہے تو آدَمَ حَوا سے کیسے جدا ہو سکتے ہیں۔ (۲۶۰/۱)

رُستم زال ار بود وَر حمزہ بیش

ہست در فرماں اسیرِ زالِ خویش

اگر رستم زال تھا (حضرت) حمزہؓ سے بھی بڑھا ہوا، وہ اپنی بوڑھی (بیوی) کے حکم کا قیدی تھا۔ (۲۶۰/۱)

آنکہ عالمِ مستِ گفتش آمدے

کَلِمَتِي يَا حَمِيرَا مِ زدے

وہ ذات جس کی گفتگو سے عالم مست ہو جاتا ہے، فرماتی تھی کہ اے حمیرا! مجھ سے بات کرو۔ (۲۶۰/۱)

مولاناؒ فرماتے ہیں جہاں آگ سر اٹھائے تو پانی اس کو بجھا دیتا ہے لیکن اگر پانی دہکی میں ڈال کر اُبالا جائے تو پانی آگ کو نہیں بجھا سکتا بلکہ پانی ہوا میں اڑتا رہے گا اور ختم ہو جائے گا، یعنی یہاں پانی مغلوب ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بظاہر مرد غالب ہے (جیسے پانی آگ کو بجھا دیتی ہے) اور عورت مغلوب ہے مگر باطن میں زن غالب اور مرد مغلوب ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مولاناؒ نے ایک حدیث سے ثابت کیا ہے کہ عورتیں عقلمند مردوں پر غالب آ جاتی ہیں۔ ”إِنَّهُنَّ يَغْلِبْنَ الْعَاقِلَ وَيَغْلِبُهُنَّ الْجَاهِلُ“، یعنی عورتیں عاقلوں پر غالب آ جاتی ہیں اور جاہل مرد عورتوں پر غالب آ جاتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ زن بر عاقلان غالب آید سخت بر صاحب دلاں  
پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ عورت عقلمندوں اور صاحب دل لوگوں پر بہت غالب ہے۔ (۲۶۱/۱)

باز بر زن جاہلان چیرہ شوند زانکہ ایشاں شد و بس خیرہ روند  
پھر جاہل لوگ عورت پر غالب ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بد مزاجی اور اکھڑ پن سے ملتے ہیں۔ (۲۶۱/۱)

کم بود شاں رقت و لطف و وداد زانکہ حیوانی ست غالب بر نہاد  
ان میں نرمی، مہربانی اور محبت کم ہوتی ہے کیونکہ ان کی طبیعت پر حیوانیت غالب ہے۔ (۲۶۱/۱)

مہر و رقت وصفِ انسانی بود خشم و شہوت وصفِ حیوانی بود  
محبت اور نرمی انسانی وصف ہوتا ہے، غصہ اور شہوت حیوانی وصف ہوتا ہے۔ (۲۶۱/۱)

عاقل پر عورت کیوں غالب آتی ہے اور مرد جاہل عورت پر کیوں غالب آ جاتا ہے؟ اس کی وجہ آپ بیان فرماتے ہیں کہ مرد عاقل سے یہ توقع ہے کہ وہ لطیف جذبات، عقل، عدل اور رحم رکھتا ہے، وہ احسان فراموش بھی نہیں ہوتا۔ عقل مند مرد عورت کو اس لیے بھی اچھا سمجھتا ہے کہ عورت نے اسے جتنا اور مصیبت سے پالا ہے۔ اچھی عورت سے آدمی اس لیے مرعوب ہوتا ہے کہ وہ بیوی کی محبت سے لذت اندوز ہوتا ہے اور وہ عورت اُس کے بچوں کو پالتی اور گھر کو سنبھالتی ہے۔ جاہل آدمی مردوں کی فوقیت کی وجہ سے سب کچھ بھول جاتا ہے اور معمولی باتوں پر مار و ہار شروع کر دیتا ہے (بزرگوں نے کہا کہ عورت کا منہ کھلتا ہے تو مرد کا ہاتھ کھل جاتا ہے)۔ یہاں عورت کا اچھا ہونا ضروری ہے۔ اچھی عورت ایسے کام نہیں کرتی، جس پر اسے مارا پیٹا جائے۔ عاقل آدمی عورت کی معمولی غلطیوں کو نظر انداز کرتا ہے اور عورت بھی مرد کی چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے جھگڑا نہیں کرتی اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو طول نہیں دیتی۔ جاہل مرد میں مہر و رقت اور لطف جو وصفِ انسانی ہیں، کی کمی ہوتی ہے اور اس پر حیوانیت غالب ہوتی ہے۔ مہذب زندگی (مرد عاقل کی زندگی) ایسی ہے، جیسے دہکی میں پانی ہو اس لیے وہ غصے یا اشتعال کی آگ سے مغلوب ہو جاتا ہے اور عقل و تہذیب کا تقاضا بھی یہی ہے۔

مولانا ایک بہت گہری بات فرماتے ہیں کہ عورت اس لیے محبوب ہے کہ وہ ظل اللہ یا پرتو حق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ



کی صفاتِ کاملہ مجازی طور پر عورت میں پائی جاتی ہیں۔ صفاتِ الہیہ میں سے خَلَق کی صفت عورت میں مرد سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ وہ ایک قطرہ منی سے شروع کر کے بچے کی پرورش تک تکلیف اٹھاتی ہے۔ عورت کا رحم ربوبیت کا محل ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ مخلوق بھی ہے اور خالق بھی۔ گو مردوں کے کارنامے بہت بڑی نوعیت کے ہیں مگر عورت کے اس کارنامے سے سب نیچے ہیں اور یہ کام کوئی مرد کسی حالت میں نہیں کر سکتا۔ ایک قطرے سے انسان بنانا، اولیاء و انبیاء پیدا کرنا عورت کا ہی کام ہے۔

پر تو حق است آں معشوق نیست خالق ست آں گویا مخلوق نیست  
وہ اللہ کا عکس ہے معشوق نہیں ہے، گویا وہ خالق ہے مخلوق نہیں ہے۔ (۲۶۱/۱)

عورت کو یہ شرف حاصل ہے (بشرطیکہ وہ عورت ٹھیک ہو) کہ مرد کی جاذبِ قلب ہے، بچے کی مولد اور مصور ہے، بچے کی مربی، شوہر کے لیے سکونِ قلب ہے اور وہ مصلحِ اُمورِ معیشت ہے اور یہ صفات کسی نہ کسی صفتِ الہیہ کا پرتو ہیں۔

### نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں تاخیر کرو

مولانا فرماتے ہیں کہ کسی خطا کار کی تادیب اور سزا میں جلدی نہ کرو، اسی طرح غصے میں انتقام کا شاہ نہ بنو۔ چاہیے۔ جو بُرا ہے اس کا بُرا حشر لازمی ہوگا مگر اس کو سزا دینے کے لیے اپنے نام کو دور رکھو اور اسے اللہ پر چھوڑ دو۔ اگر کوئی اچھا ہو تو اس کے ساتھ اچھائی کرنا بہتر ہے تاکہ تمہیں اس کا اجر ملے۔ کھانے کے وقت سے پہلے کچھ بھوک لگے تو اس کو اشتہائے کاذب کہتے ہیں، ایسی حالت میں جھٹ پٹ پیٹ بھرنا بُرا ہوتا ہے۔ شہواتِ نفسانیہ کا فوراً تقاضا پورا کرنا درست نہیں۔ اگر شہوتِ غلط نوعیت کی ہو تو وہ وقفہ دینے سے خود بخود رفع ہو جاتی ہے۔

آں ادب کہ باشد از بہر خدا اندراں مستغنی شود روا  
جو سزا خدا کے لئے ہوتی ہے، اس میں جلد بازی مناسب نہیں ہوتی۔ (۲۵۲/۶)

وانچہ باشد طبع و خشم عارضی می شنابد تا نگرود مرتضیٰ  
اور جو مزاج اور عارضی غصہ کی وجہ سے ہو، اس میں جلدی کرنا کہ رضا مندی نہ آجائے۔ (۲۵۲/۶)

اشتہا صادق بود تاخیر بہ تا گوارندہ شود آں بے گرہ  
جی بھوک ہو تو تاخیر بہتر ہے تاکہ بغیر کراہت کے خوب ہضم ہو جائے۔ (۲۵۳/۶)

مولانا فرماتے ہیں کہ کوئی چیز نہ اچھی ہے نہ بُری، نہ خیر مطلق نہ شر مطلق۔ کسی چیز کا خیر یا شر ہونا اس کے موقع کے مطابق ہوتا ہے۔ کسی کو تھپڑ مارنا بُری بات ہے لیکن اگر کسی کو تھپڑ مارنے سے اس کی اصلاح ہو جائے کہ وہ قتل جیسے جرم سے باز رہے تو درست ہے۔ سزا کا صحیح مقصد اصلاح ہے، انتقام نہیں۔ اگر مُدے سے گرد دُور کرنے کے لیے ڈنڈے سے مارنا پڑے تو یہ بُرا نہیں ہے۔

خیر مطلق نیست زینہا بیچ چیز      شر مطلق نیست زینہا بیچ نیز  
ان میں سے کوئی چیز مطلق خیر نہیں ہے، نیز ان میں سے مطلقاً کوئی چیز شر نہیں ہے۔ (۲۵۴/۶)

نفع و ضرر ہر یکے از موضع ست      علم زیں رُو واجب ست و نافع ست  
ہر ایک کا نفع اور نقصان ایک مقام سے ہے، اس اعتبار سے علم ضروری اور مفید ہے۔ (۲۵۴/۶)

زخم در معنی فند بر خوی بد      چوب بر گرد اوفند نے بر نمد  
چوٹ حقیقتاً بری عادت پر پڑتی ہے، لکڑی گرد پر پڑتی ہے نہ کہ نمد پر۔ (۲۵۴/۶)

### دُنیا دار احمقوں سے بھاگو

مولانا رومیؒ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ایک قصہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے دیکھا آپ کوہ و دشت کی طرف بھاگتے ہوئے جا رہے ہیں۔ پوچھا کہ آپ کو کسی موزی جانور یا ظالم شخص کا خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں احمقوں سے بچنے کے لیے بھاگ رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ کیا آپ وہی مسیح نہیں کہ جو اندھوں کو بینا اور مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ آپ چاہیں تو ان کی حماقت کی بیماری کو بھی ٹھیک کر سکتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ جسمانی عارضے تو عارضی ہوتے ہیں اور قابل علاج ہوتے ہیں لیکن جو شخص حماقت میں پختہ ہو گیا اور ”خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ“ کا مصداق ہے یعنی اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ (البقرة: ۷) فرمایا، یہ دل کے اندھے، گونگے اور بہرے میرے بس کے نہیں، ایسے احمقوں کی مجلس سے تو عقلمندوں کو بھی بچنا چاہیے کیونکہ ان کی صحبت میں عقل اس طرح جاتی ہے، جس طرح نادیدہ طور پر ہوا پانی کو اڑا کر لے جاتی ہے۔ یہ بات حضرت مسیح علیہ السلام نے اس شخص کو اس حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے بیان کی تھی۔

گفت رنج احمقی قہر خداست      رنج کوری نیست قہر آں ابتلاست  
فرمایا، بے وقوفی کی بیماری خدا کا عذاب ہے، اندھے پن کی بیماری عذاب نہیں وہ آزمائش ہے۔ (۲۵۰/۳)

ان احمقوں نے دل کو وہ داغ دیا ہے جیسے خدا کی طرف سے مہر لگا دی گئی ہو اور اب ٹوٹ نہیں سکتی۔  
انچہ داغ اوست مُہر او کردہ است      چارہ بروے نیارد برد دست  
یہ ایسا داغ ہے گویا اللہ نے مہر لگا دی ہے تو کوئی تدبیر اس پر قابو نہیں پاسکتی۔ (۲۵۱/۳)

راحقان بگریز چوں عیسیٰ گرینت      صحبت احمق بے خوں ہا کہ ریخت  
بے وقوفوں سے اس طرح بھاگو جس طرح حضرت عیسیٰؑ بھاگے، احمق کی صحبت نے بہت خون بہائے ہیں۔ (۲۵۱/۳)

اندک اندک آب را دزدد ہوا      واین چنین دزددم احمق از شا  
ہوا پانی کو تھوڑا تھوڑا چراتی ہے، اسی طرح بے وقوف تم میں سے (تم کو) چراتا ہے۔ (۲۵۱/۳)



آں گرینِ عیسویِ زبیم بُود ایمن ست اُو از پئے تعلیم بُود  
(حضرت) عیسیٰ کا بھاگنا خوف سے نہ تھا، وہ محفوظ تھے تعلیم دینے کے لئے۔ (۲۵۱/۳)

مولانا فرماتے ہیں اگرچہ لوگ اندھے بہرے اور گونگے ہیں۔ کوئی کم نقصان دہ اور کوئی زیادہ ہے لیکن ان کا لباسِ چست ہونے کی وجہ سے ان میں روحانی کمی کا احساس عام لوگوں کو نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں سب ایک بہت بارونق شہر تھا اور وہاں کے لوگ اچھے خاصے امیر تھے، مگر روحانی زندگی سے بالکل کورے تھے۔ ان کی مثال ایسے تھی کہ چیونٹی تو نظر آجائے مگر سلیمان نظر نہ آئے۔ اپنی روح کی حقیقت سے قطعاً نا آشنا تھے، اسی لئے تہرالمی کے موجب ٹھہرے۔ لباس تو طویل اور دراز ہو سکتا ہے لیکن لباسِ تقویٰ سے بالکل ننگے نہیں ہونا چاہیے۔ لوگوں کا یہ حال ہے کہ جس دیکھے پر وہ پکانا چاہتے ہیں اس کا پیندا ہی نہیں ہوتا۔ وہ نہیں جانتے کہ یہ سب کچھ شہوات کے پیدا کردہ فریب ہیں۔

مردِ دنیا مفلِس است و ترسناک بچ اورا نیست از دُزدانِش بَاک  
دُنیا دار انسان مفلِس ہے اور خوف زدہ ہے، اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے اس کو چوروں کا کیا ڈر۔ (۲۵۲/۳)  
اُو برہنہ آمد و عُریاں رود دزغَم دزدش جگر خو می شود  
وہ ننگا آیا اور ننگا جائے گا اور چور کے غم سے اس کا جگر خون ہوتا ہے۔ (۲۵۲/۳)

فرماتے ہیں کہ دُنیا دار دُنیا کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر اس طرح دُنیا سے چمٹتے ہیں، جیسے کہ ایک بچہ جس کی جھولی ٹھیکریوں سے بھری ہو اور وہ ڈرتا ہے کہ کوئی اس سے چھین نہ لے۔ اگر اس سے یہ ٹھیکریاں چھین لے تو رونے لگتا ہے اور واپس دے دے تو ہنسنے لگتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ مال کی محبت رکھنے والوں کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

## خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن

### عالم رُوحانی اور عالم مادی کے لوگ

انسان کی شکل و صورت جسمانی ہے مگر اس کی اصل ماہیت رُوحانی ہے۔ زمین و آسمان کی خبریں لینے والا، طرح طرح کے علوم کو جاننے والا اور حیرت انگیز ایجادات کرنے والا محض دوسرے کا مادی جسم ذراتِ خاکی کا مرکب ہی نہیں ہو سکتا۔ جسم سے وابستگی انسان کو دھوکے میں ڈال دیتی ہے اور مادہ پرست اسی دھوکے میں ہیں کہ کوئی چیز ہمیں تباہ و برباد نہیں کر سکتی ہے۔ ابلیس نے سب سے پہلے یہ دھوکا کھایا کہ آدم علیہ السلام محض خاک کا پتلا ہے۔ جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو علم دیا تو انسان کو مسجودِ ملائک کر دیا۔

انسان دو عالموں میں بیک وقت زندگی بسر کرتا ہے ایک عالم مادی اور ایک عالم رُوحانی۔ چوروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کے اندر بھی رُوحانی خوبیاں خوابیدہ حالت میں نظر آتی ہیں۔ مولاناؒ نے ایک مثال دی ہے کہ بٹخ کے انڈے کو اگر مرغی کے نیچے رکھ دیا جائے تو بٹخ کے نیچے ہی اس میں سے نکلیں گے۔ بٹخ فطری طور پر پانی کی طرف اچھا میلان رکھتی ہے اور مرغی جس نے انڈوں کو جنم دلویا، پانی سے دُور بھاگتی ہے کیونکہ یہ خشکی کا جانور ہے۔ انسان اگرچہ عالم خاکی میں جنم لیتا ہے لیکن اس کی اصل فطرت رُوحانیت کے دریا کی شنوری کرتی ہے۔ بٹخ کا بچہ، بے شک کوئی اسے روکے مگر وہ پانی میں ضرور جاتا ہے۔ انسان خود کو عالم جسمانی یعنی خشکی کا جانور سمجھتا ہے اور



روحانیت کے دریا کی طرف جانے کے لیے جھکتا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ وہ جسمانی اور روحانی عالم میں زندہ رہ سکتا ہے، جس طرح بلخ خشکی اور تری دونوں میں رہ سکتی ہے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں ۷

ختمِ بطنی گرچہ مرغِ خانہ ات کرد زیر پر چو دایہ تربیت  
تو بلخ کا اٹھ ہے، اگرچہ تجھے گھریلو مرغ نے پروں کے نیچے دایہ کی طرح پالا ہے۔ (۳۵۲/۲)

مادر تو بٹ آں دریا بدست دایہ ات خاکی بد و خشکی پرست  
تیری ماں تو اس دریا کی بلخ تھی، تیری دایہ خاکی اور خشکی پرست تھی۔ (۳۵۲/۲)

میلِ دریا کہ دل تو اندرست آں طبیعت جانت را از مادر ست  
دریا کی طرف جھکاؤ جو تیرے دل میں ہے، تری جان کا وہ مزاج ماں کی جانب سے ہے۔ (۳۵۲/۲)

دایہ را بگذار در خشک و براں اندر آ در بحرِ معنی چوں بٹاں  
دایہ کو خشکی پر چھوڑ دے اور دوڑ کر بٹوں کی طرح حقیقت کے سمندر میں آ جا۔ (۳۵۲/۲)

گر ترا دایہ بترساند ز آب تو مترس و سوئے دریا راں شباب  
اگر تجھے دایہ پانی سے ڈرائے تو نہ ڈر اور دریا کی جانب جلد (سواری) ہانک دے۔ (۳۵۲/۲)

تو بٹ بر خشک و برتر زندہ نے چو مرغِ خانہ خانہ کندہ  
تو ایسی بلخ ہے کہ خشکی اور تری پر تو زندہ ہے، نہ کہ گھر کے مرغ کی طرح تو نے گھر کو کریدا ہے۔ (۳۵۲/۲)

مولانا فرماتے ہیں کہ ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ“ (ہم نے بنی آدم کو فضیلت عطا کی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا۔ (بنی اسرائیل: ۷۰)) کی یہی تفسیر ہے۔ ملائکہ کو عام طور پر عالم جسمانی سے تعلق نہیں اور بہت سے حیوانات سمندری ہیں اور کچھ خشکی کے ہیں مگر انسان بحر و بر بلکہ ہوا کا بھی باشندہ اور عالم ارواح کے سمندر کی شناوری بھی کرتا ہے ۷

تو بہ تن حیوان، بہ جانے از ملک تا روی ہم بر زمیں ہم بر فلک  
تو جسم کے اعتبار سے حیوان ہے اور روح کے اعتبار سے فرشتہ، تاکہ تو زمیں پر بھی اور آسمان پر بھی جا سکے۔ (۳۵۳/۲)

تا بہ ظاہرِ مُسَلَّمٌ باشد بشرِ بادلِ یُوْحٰی اِلٰی دیدہ در  
اگرچہ ظاہری طور پر بشر ہے، یُوْحٰی اِلٰی کے دل کے اعتبار سے تو صاحب بصیرت ہے۔ (۳۵۳/۲)

قالبِ خاکی قتادہ بر زمیں روح او گرداں براں چرخ بریں  
تو ایک خاکی جسم ہے جو زمین پر پھینکا گیا ہے، جس کی روح بلند و بالا آسمان پر چکر کاٹتی ہے۔ (۳۵۳/۲)

ما ہمہ مرغایانیم اے غلام بحرِ می داند زبانِ ما خمام  
اے لڑکے! ہم سب مرغایاں (پانی کے پرندے) ہیں، سمندر ہماری زبان کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ (۳۵۳/۲)

انسان نے کیا معرکے مارے ہیں اور کیا کیا ہمتیاں پیدا ہوئی ہیں، یہ تمام داستانِ رُوحانی دُنیا جانتی ہے۔ ایک مشکل بات جو نظر آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانے میں بلخ کے بچے مرغی کے نیچے نکالے گئے ہیں اور ان کو تمام عمر سمندری شناوری سے بڑی کوششوں کے ساتھ بچایا جا رہا ہے کہ مسلمان کسی سمندر کی طرف رواں دواں نہ ہو جائیں۔ دشمن اپنی پالیسی میں مضبوط ہے مگر مسلمان (بطحوں کے بچے) ہر طرف سے گھرے ہوئے ہیں اور سمندر کی راہ نہیں پار ہے۔ اس مسئلے کا حل مطلوب ہے۔

علامہ اقبالؒ کی شاعری میں ایسے بہت سے اشعار ملتے ہیں، جن سے آپ کی مراد ہے کہ اگرچہ انسان خاکی ہے مگر اس کی پرواز بلند ہے۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

ہے اس کا نشین نہ بخارا، نہ بدخشاں  
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآں  
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان  
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند  
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن  
جبریلؑ و سرافیلؑ کا صیاد ہے مومن

ہمائیہ جبریلؑ امیں بندۂ خاکی  
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن  
بنتے ہیں مری کارگرِ فکر میں انجم  
فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہرِ ملکوتی  
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش  
چتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں

### رُوحانیت بُری چیز کو اعلیٰ بنا دیتی ہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ رُوحانی بزرگوں کی پاکیزگی کی بدولت ہستیٰ اسفل کے (بُڑے لوگ) بھی نورِ حق سے چمک جاتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ نے تمام رُوءِ زمین کو میرے لیے اور میری اُمت کے لیے مسجد بنا دیا ہے، جہاں خشک زمین موجود ہے وہی مسلمان کے لیے نماز ادا کرنے کی جائے نماز ہے۔ مسلمان کو عبادت کے لیے کلیسا و کنشت کی ضرورت نہیں ”جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا“ میرے لیے تمام زمین مسجد بنا دی گئی ہے۔ (مسند احمد، ج ۱، ص ۲۵۰) یہ محاورہ ہے ”چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک“ یعنی خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت ہے لیکن خاک کو عالم پاک بنانا، دین محمدی ﷺ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ اس دُنیا کو دین کی برکات کا حامل بنانے کا نام اسلام ہے۔ کوئی چیز اچھی ہے نہ بُری، اس کا مصرف (استعمال کرنا) اس کو اچھا یا بُرا بناتا ہے۔

درج ذیل اشعار میں مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ جہاں بھی جاتے ہیں ہر جگہ پر نماز ادا کر لیتے ہیں، حتیٰ کہ اس گھر میں بھی جس میں بچوں کے بول و براز ہونے میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں مصلیٰ ہو یا نہ ہو، آپ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ برگزیدہ بندوں کے لیے جس مقام کو پاک فرما دیتے ہیں۔“



عائشہؓ روزے بہ پیغمبرؐ گفت  
 یارسول اللہؐ تو پیدا و نہفت  
 حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک روز پیغمبرؐ سے کہا، یارسول اللہؐ آپ جمع اور تہائی میں۔ (۳۲۱/۲)  
 ہر کجا یا بی نمازے می کنی  
 می روی در خانہ ناپاک و ذنی  
 آپ جہاں بھی ہوں نماز پڑھ لیتے ہیں، حالانکہ آپ ناپاک اور پلید گھروں میں بھی جاتے ہیں۔ (۳۲۲/۲)  
 گرچہ می دانی کہ ہر طفلِ پلید  
 کرد مستعمل بہر جا کہ رسید  
 اگرچہ آپ جانتے ہیں کہ ہر ناپاک بچہ جہاں بھی جائے اس زمین کو مستعمل کر دیتا ہے۔ (۳۲۲/۲)  
 بے مصلیٰ می گذاری تو نماز  
 ہر کجا روئے زمیں، بکشائے راز  
 آپ بغیر مصلیٰ کے بھی نماز پڑھ لیتے ہیں جہاں بھی روئے زمین ہو، یہ راز بتائیے! (۳۲۲/۲)  
 گفت پیغمبرؐ کہ از بہرِ مہاں  
 حق نجس را پاک کرد ایں را بدار  
 پیغمبرؐ نے فرمایا کہ پاک لوگوں کے لئے اللہ نے نجس جگہ کو بھی پاک قرار دیا ہے، اس کو سمجھ لو۔ (۳۲۲/۲)  
 مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ نے ہر ادنیٰ چیز اور عمل کو روحانیت کی وجہ سے بلند مرتبت بنانے کا حکم دیا  
 ہے، چنانچہ مسجد کے فرش کو عرش بنا دیتا ہے بلکہ عرش اس زمین پر رشک کرتا ہے جہاں سجدہ کیا جائے۔ اس کتاب  
 میں اس بات کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ نیک آدمی کسی بُری چیز کو پکڑتا ہے تو اسے اچھا بنا دیتا ہے۔  
**نفس حیلہ ساز ہے اور کسی حجت کو نہیں مانتا**

مولانا رومیؒ نے فرمایا کہ نفسِ سوفسطائی ہے (یعنی بہانہ بنانے والا ہے)۔ سوفسطائی یونان میں معلمین کا کام  
 کرتے تھے۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو نے ان کے خلاف جہاد کیا۔ سوفسطائی کہتے تھے کہ صداقت مطلقہ کوئی چیز  
 نہیں، جس شخص کو جس چیز سے فائدہ پہنچے، وہی اس کے لیے خیر ہے اور جس سے اس کو نقصان پہنچے تو وہ اس  
 کے لیے شر ہے۔ کسی بات پر ان کا یقین اور ایمان نہ تھا۔ امراء کی اولاد کو مناظرے کا فن سکھاتے اور اس کا عظیم  
 معاوضہ مانگتے اور غلط بحث کے ہتھکنڈے ان کو سکھاتے۔ وہ کہتے تھے سیاست میں سچ کہنے کی ضرورت نہیں اور ہر  
 جائز و ناجائز طریقے سے اپنے مقصد کو ثابت کرنا ان کا طریقہ کار تھا۔ وہ ہر بین حقیقت کے خلاف دلیل گھڑ لیتے۔  
 مولاناؒ نے نفس کو سوفسطائی کہا ہے، جو عقل کو حیلہ ساز بنا لیتا ہے۔ نفس کے حیلے بہانے اس قدر تیز ہیں کہ اس نے  
 اپنی خواہشات کے لئے ہر دلیل اور حجت کو نہ ماننے کا پہلے ہی سے فیصلہ کر رکھا ہے۔

متہم نفس است نے عقل شریف  
 متہم حس است نے نورِ لطیف  
 متہم (یعنی جس پر تہمت لگائی جائے) نفس ہے، نہ کہ شریف عقل۔ متہم جس ہے، نہ کہ پاکیزہ نور۔ (۳۲۸/۲)  
 نفسِ سوفسطائی آمد می زنش  
 کش زدن سازد نہ حجت گفتنش  
 نفسِ سوفسطائی ہے، اس کی سرزنش کر کیونکہ مارنا ہی اس کے لائق ہے، نہ کہ اس سے دلیل بیان کرنا۔ (۳۲۸/۲)

یہ لوگ معجزے کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ محض خیال یا نظر کا فریب ہے ”هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ“ ان لوگوں کا ہی مقولہ ہے ۔

معجزہ بیند ، فروزد آں زماں بعد ازاں گوید خیالے بود آں  
سوفسطائی معجزہ دیکھتا ہے تو اس وقت منور ہوتا ہے، اس کے بعد کہہ دیتا ہے وہ خیال تھا۔ (۳۲۸/۲)  
در حقیقت بود آں دید عجب چوں مقیم چشم نادر روز و شب  
اگر یہ معجزہ حقیقت ہوتا تو مادی مظاہر کی طرح قائم اور دائم رہتا، اگر وہ عجیب نظارہ حقیقت تھا تو دن رات آنکھ میں  
کیوں نہ ٹھہرا۔ (۳۲۸/۲)

نفس کا بھی یہی حال ہے کہ جہاں اپنا مقصد پورا ہوتا ہوا نظر آئے تو واقعات کو ثبوت قطعی سمجھ لیتا ہے اور جو چیز اس کی خواہشات کے خلاف ہو تو ثبوت کے پہاڑ (قرآن اور حدیث) کو بھی نظر میں نہیں لاتا۔

وہ دعوے جو اپنی دلیل آپ ہوتے ہیں

مولانا ایک جگہ فرماتے ہیں کہ کئی دعوے ایسے ہیں جو محتاج دلیل نہیں، مثلاً یہ محاورہ ہے ”آفتاب آمد دلیل  
آفتاب“ (یعنی سورج اپنی دلیل آپ ہے) یہاں کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی بچہ ماں باپ کے پاس سویا ہے  
اور رات کو اندھیرے میں گھبرا جائے تو باپ یہ کہہ دے کہ بیٹا! گھبراؤ نہیں، میں تمہارے پاس ہوں۔ بچہ چونکہ باپ  
کی آواز کو پہچانتا ہے، وہ اس بات کی کوئی دلیل طلب نہیں کرتا کہ آواز دینے والا باپ ہے یا کوئی اور، کیونکہ وہ آواز  
پہچانتا ہے۔ ایک عربی بولنے والا کہتا ہے کہ میں عربی جانتا ہوں تو اس کا دعویٰ اس کی دلیل ہے۔ ایک کاتب اگر کوئی  
خط کسی کو لکھتا ہے کہ میں کاتب ہوں اور کہتا ہے مجھے کوئی کام دیں تو اس کا خط ہی اس کے دعوے کی دلیل ہے۔  
مولانا فرماتے ہیں کہ اسی طرح کوئی آدمی نبی یا ولی سے خوارق عادات یا معجزہ طلب نہیں کرے گا، بشرطیکہ اس کے  
دل میں کفر اور فسق و فجور نہ ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے حضور ﷺ سے معجزات طلب نہیں کئے۔  
نبی کی بات ہی خود دعویٰ بہ دلیل ہے اور جس کو خدا نے بصیرت اور عقل خالص عطا کی ہو، وہ اس کی آواز کو پر معنی  
سمجھ کر یقین کر لیتا ہے کیونکہ وہ اس آواز کے نور کو پہچانتا ہے۔ مولانا کافر اور جاہل کے لیے فرماتے ہیں ۔

پیش او دعویٰ بود گفتار او جہل او شد مایہ انکار او  
اس کے سامنے اس کا دعویٰ محض گفتار ہوگا، اس کا جہل اس کے انکار کا سرمایہ ہوگا۔ (۳۳۵/۲)

پیش زیرک کاندرویش نور ہاست عین ایں آواز معنی بود راست  
عقل مند کے سامنے، جس کے اندر نور ہے بعینہ یہ آواز حقیقت کا معنی رکھتی ہے۔ (۳۳۵/۲)

در دل ہر اُمتی کز حق مزہ است روئے و آوازِ پیبرِ معجزہ است  
ہر اُمتی کے دل میں حق کا ذائقہ ہے، پیغمبر کا چہرہ اور آواز معجزہ ہے۔ (۳۳۷/۲)



چوں پیہر از بروں بانگے زند  
جان اُمت در دروں سجدہ کند  
جب پیہر باہر سے پکارتا ہے تو اُمت کی روح اندر سجدہ کرتی ہے۔  
(۳۳۷/۲)

زانکہ جنس بانگ او اندر جہاں  
از کسے نشیدہ باشد گوش جاں  
اس لیے کہ اس کی آواز کی مانند دنیا میں رُوح کے کان نے کسی کی آواز نہیں سنی۔  
(۳۳۷/۲)

مولانا روٹی نے فرمایا ہے کہ حکمت مردِ مومن کا گم شدہ مال ہے۔ جہاں وہ حکمت کی بات سنتا ہے تو وہ اس کو مان لیتا ہے، جو لوگ حکمت کو نہیں مانتے وہ تجتیں کرتے ہیں اور کسی بات کو ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ مولانا فرماتے ہیں ایسے بندے کو اگر سخت پیاس لگی ہو تو اسے کوئی کہے کہ ادھر آؤ اس گھرے میں پانی ہے اور اپنی پیاس بجھا لو۔ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا منطقی کبھی نہیں دیکھا گیا جو یہ کہے کہ پہلے اس بات کا ثبوت دو کہ اس منکے میں پانی ہے اور اگر ثبوت نہ دو گے تو میں یہیں بیٹھا رہوں گا اور پیاس سے مرنے کو ترجیح دوں گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جب ماں بچے کو دودھ دینے کے لیے بلائے تو بچہ کبھی بھی دلیل طلب نہیں کرتا کہ تو واقعی میری ماں ہے۔ حکمت طلب اور ایمان طلب انسان کی رُوح حق کو پہچانتی ہے۔ جہاں صداقت نظر آئے تو بے تابانہ لپک کر آتی ہے۔

پس چو حکمت ضالہء مومن بود  
آں زہر کہ بشنود موقن شود  
پس چونکہ حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہوتی ہے اور جب وہ کسی سے سنتا ہے تو یقین کرنے والا ہو جاتا ہے، مومن بن جاتا ہے۔  
(۳۳۷/۲)

تشنہ را چوں بگوئی تو شتاب  
در قدح آب است و بستان زد آب  
پیاسے کو اگر کوئی کہے کہ دوڑ، منکے میں پانی ہے، جلد پانی لے لے۔  
(۳۳۷/۲)

بچ گوید تشنہ کیں دعویست رو  
از برم اے مدعی، مجبور شو  
کبھی کسی پیاسے نے نہیں کہا کہ یہ تو دعویٰ ہے، جا اے مدعی! مجھ سے دُور ہو جا۔  
(۳۳۷/۲)

یا گواہ و جتنے بنما کہ ایں  
جنس آب است و ازاں مائے معین  
یا یہ کہے کہ گواہ اور دلیل لا کہ یہ پانی کی جنس ہے اور شیریں پانی میں سے ہے۔  
(۳۳۷/۲)

**سلوک طے کرنے کا ایک طریقہ**

مولانا فرماتے ہیں کہ صوفی کا علم کتابی نہیں ہوتا بلکہ وہ کتابوں کے علاوہ تزکیہ نفس کرتا ہے۔ تزکیہ سے مضامین غیب کھلنا شروع ہو جاتے ہیں، وہ صرف حروف سے کام نہیں لیتا بلکہ دل سے بھی کام حاصل کرتا ہے۔

دفتر صوفی سواد و حرف نیست  
جز دل اسپد ہچوں برف نیست  
صوفی کا دفتر سیاہی اور حرف نہیں ہے، برف کی طرح سفید دل کے سوا کچھ نہیں ہے۔  
(۲۹/۲)

حضرت حبیب گنجی، اپنے استاد شیخ حسن بصریؒ کو کہا کرتے تھے کہ تم تو کاغذ کا لے کرتے ہو اور میں دل کو سفید

کرتا ہوں، یعنی تزکیہ نفس کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ صوفی کا زاہد راہ انوارِ قدسیہ ہیں، جن کی روشنی میں وہ راستہ طے کرتا ہے۔ مولانا ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ کچھ صیاد ایسے ہیں کہ وہ چند قدم تو ہرن کے قدموں کے نشان پر چلتے ہیں اور پھر ہرن کے نافہ کی خوشبو ان کی رہنمائی کرتی ہے۔

زاد دانشمند آثارِ قلم زادِ صوفی چیست؟ انوارِ قدم  
(۲۹/۲) علقند کا توشہ قلم کے نشانات ہیں، صوفی کا توشہ کیا ہے؟ انوارِ قدم یعنی اللہ کے انوار۔

رفتن یک منزل بر بوئے ناف بہتر از صد منزلِ گام و طواف  
(۳۰/۲) رفتن کی خوشبو پر ایک منزل چلنا چکر کی سو منزلوں سے بہتر ہے۔  
فرماتے ہیں کہ عارف کی بصیرت ایسی ہوتی ہے کہ جہاں تمہیں دیوار حائل نظر آتی ہے، وہاں ان کو ایک دریچہ (جھروکا) نظر آتا ہے۔ پردہ آہن بھی ان کے لیے حجاب نہیں۔

با تو دیوار است و با ایشاں در است با تو سنگ و با عزیزاں گوہر است  
(۳۰/۲) (وہ دل) تیرے لیے دیوار اور ان کے لئے دروازہ ہے، تیرے لیے پتھر ہے اور پیاروں کے لئے موتی ہے۔  
آنچه تو در آئینہ بنی عیاں پیر اندر خشت بند پیش ازاں  
(۳۰/۲) تو جو کچھ آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہے، پیر لوہے کے ٹکڑے میں اس سے پہلے دیکھ لیتا ہے۔

بچ کشد نفس را جو ظلِ پیر

(نفس کو شیخ کے سائے کے سوا کوئی چیز نہیں مار سکتی)

مولانا روٹی نے فرمایا ہے کہ انسان کا نفس سانپ کی طرح انسان کو ڈس لیتا ہے۔ اگر سانپ کے دانت اکھاڑ دیئے جائیں تو پھر اس کو پتھر مارنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس موضوع پر ایک مبسوط بیان ہماری تصنیف ”تہذیبِ نفس“ میں بطور ایک باب دیا گیا ہے، جس میں ان تمام باتوں کا ذکر کیا ہے کہ شیخ کا دامن کس طرح پکڑنا چاہیئے اور اس سے کیا فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ مرید اگر شیخ کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے تو اس کا نفس اس طرح ہو جائے گا، جیسے کہ سانپ کے دانت نکال دیئے ہوں لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ مرید ایسا نہ کرے کہ رکھی طور پر بیعت کرے اور بیعت کے لوازمات کا خیال نہ رکھے۔ پیر کا کامل ہونا بھی اس کی شرائط میں سے ہے۔ فرماتے ہیں ۔

بچ نہ کشد نفس را جو ظلِ پیر دامن آں نفس کش را سخت گیر  
(۲۳۲/۲) مرشد کے سایہ کے بغیر کسی شخص کا نفس نہیں مرتا، اس نفس کش کا دامن مضبوطی سے پکڑو۔

اگر مرید کا رابطہ اپنے مرشد سے استوار ہو اور مرشد اس کو روحانیت کے تمام دروس دیتا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ



مرید کی روح کی اصلاح نہ ہو اور اس کا نفس اپنی سرکشی سے باز نہ آجائے۔ شیخ ایسا ہو کہ جو مرید پر محنت کرنے کے بعد اس کو ضروریاتِ نفس کشی سکھائے، شیخ و مرشد کے پاس ایسے طریقے اور اسباق موجود رہتے ہیں، جن کی مدد سے مرید کا نفس تزکیہ اور تصفیہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے اور نفس اپنی مزاحمت سے باز آ جاتا ہے۔

صحبتِ شیخ سے شیخ کے انوار کا عکس مرید پر اثر انداز ہوتا ہے اور جب اس کے جسم سے شعاعیں مرید پر پڑتی ہیں تو یہ شعاعیں کیسا کام کرتی ہیں اور مرید پر اصلاحِ نفس کے اثرات نافذ ہو جاتے ہیں۔ یہ شعاعیں رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک سے آج بھی جاری ہوتی ہیں، جس کو شیخ کے قلب سے مرید حاصل کر سکتا ہے۔ انوار کا یہ عکس روحانی انعکاس کہلاتا ہے اور یہ مرید کے سینے میں انقلاب برپا کر دیتا ہے اور اس کے اثر سے مرید ایسا ہو جاتا ہے جیسے نفس کے سانپ کے دانت نکال دیئے گئے ہوں۔ سانپ کی نسبت سے کچھ نمنوں میں مذکور بالا شعر اس طرح بھی لکھا گیا ہے ۔

پہچ نکشد مار را جز ظنِ پیر      دامن آں نفس کش را سخت گیر  
(نفس کے) سانپ کو سایہ مرشد کے سوا کوئی چیز ہلاک نہیں کر سکتی، (لہذا) اس نفس کش کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔

نجاتِ ابدی کے لئے نفس کشی ضروری ہے، جب تم مرشد کے دامن کو مضبوط پکڑ لو تو وہ توفیقِ حق ہوگی اور یاد رکھو کہ تم میں جو قوتِ باطنی پیدا ہوگی وہ اس کی کشش سے ہوگی۔ جنگِ بدر کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشتِ خاک اٹھا کر کفار کی طرف پھینکی تو اللہ کی طرف سے کفار کو شکست ہوئی۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۴، ص ۴۷) مقصد یہ ہے کہ پیر کا فعل دراصل اللہ کا فعل ہوتا ہے، اسی کے حکم اور مشیت سے وہ وقوع پاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ مرید اگر صحیح مرید ہو تو مرشد سے فوائد اسی وقت ہی مرتب ہوتے ہیں۔

## نفس کا فریب اور مطالعہٴ رومیؒ

صد ہزاراں دام و دانہ ست اے خدا

(اے خدا ہمارے لیے ہزاروں جال اور دانے پھیلائے گئے ہیں)

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ہم دُنیا داروں کو بہت حرص و ہوس کے پھندوں میں پھنسا دیا گیا ہے اور ہمارے سامنے بہت سے دانے بکھیرے گئے ہیں تاکہ شیطان ہم کو اس جال میں پھانس کر اپنا شکار کرے اور ہم اس سے بچتے رہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم حریص پرندوں کی طرح اس میں گرفتار ہونے کو ہیں، چنانچہ اے خدا! تو ہی ہم کو اس فریب کار سے محفوظ فرما۔ درج ذیل شعر میں نفس کو شہوات میں الجھانے کا ذکر کیا جا رہا ہے، یعنی جدھر بھی جاتے ہیں ہمارے ارد گرد خواہشات کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ ہم جتنا بھی ان جالوں سے بچنا چاہیں، نہیں بچ سکتے، یا الہی! صرف تیرا فضل ہی ہے جو ہمیں اس جال سے بچالے۔ ہم بچنے کی کوشش تو کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسے گناہ کر بیٹھتے ہیں کہ ہماری وہ نیکیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ مولاناؒ فرماتے ہیں اس کا حل یہ ہے کہ اپنے دل کو شیطانی خیالات سے پاک کرو، اخلاقی کدورتوں سے شیشہٴ دل کو صاف کرو تو پھر اعمالِ صالحہ کی برکت دیکھو گے۔ نماز جس کے متعلق حدیثِ پاک ہے ”لَا صَلَوةَ إِلَّا بِحُضُورِ الْقَلْبِ“ یعنی حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ تو جان لیں کہ آدمی جب خدا کے حضور نماز کے لئے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے تو خاص خدا کی طرف دل کو



لگائے اور ایسا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی دوسرا خیال نہ آئے۔

عارف روٹی ایک لمبی داستان کے بعد اللہ سے عرض کرتے ہیں کہ شیطان ہر وقت ہماری کھوج میں لگا رہتا ہے اور ہم ہر وقت ایک نئے جال میں پھنسے رہتے ہیں۔ ہم اعمالِ صالحہ کرتے ہیں اور یہ ظالم ہمارے اعمال کو ضائع کر دیتا ہے، لہذا تو ہمیں اس لعین کے شر سے بچا۔

صد ہزاراں دام و دانہ ست اے خدا  
ما چو مرغانِ حریص و بے نوا  
الہی! لاکھوں جال اور دانے (ہمارے ارد گرد پھیلانے گئے) ہیں، ہم حریص اور بھوکے پرندوں کی طرح ان میں  
گرفتار ہونے کو ہیں۔ (۶۹/۱)

می رہانی ہر دے مارا و باز  
سوئے داسے می رویم اے بے نیاز  
تو ہمیں ہر وقت چھڑاتا ہے اور پھر ہم کسی جال کی طرف چل دیتے ہیں، اے بے نیاز!  
گر ہزاراں دام باشد ہر قدم  
چوں تو با مائی نباشد ہیج غم  
اگر ہر قدم پر ہزاروں جال ہوں جب تو ہمارے ساتھ ہے تو کچھ غم نہیں۔ (۷۰/۱)

چوں عنایتت شود با ما مقیم  
کے بود بیسے ازاں دزد لیتم  
جب تیری عنایتیں ہمارے ساتھ ہو جائیں گی تو اس کہنے چور (شیطان) کا ڈر کب ہو سکتا ہے۔ (۷۰/۱)

### انبیائے کرامؑ نفسانی غصہ سے پاک ہوتے ہیں

انبیائے کرام علیہم السلام نفسانی غصہ سے پاک ہوتے ہیں۔ ان کا غصہ لوجہ اللہ ہوتا ہے جو کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ”اے ابوذر! ایمان کا کون سا رشتہ زیادہ مضبوط ہے؟“ انہوں نے عرض کیا، ”اللہ اور اُس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے لیے لوگوں کے ساتھ معاونت کا برتاؤ رکھنا اور اللہ ہی کے لئے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھنا ہے۔“ (مشکوٰۃ)

ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں میں سے ایک شخص کا کچھ قرض جناب رسول خدا ﷺ کے ذمہ آتا تھا۔ اس نے تقاضا کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس وقت میرے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔“ وہ کہنے لگا کہ ”میں تو آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا، جب تک آپ میرا قرض ادا نہیں کریں گے۔“ فرمایا ”تو پھر بیٹھ جاؤ۔“ آپ ﷺ نے اسی جگہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھیں۔ اصحاب اس یہودی کو دھمکیاں دیتے رہے مگر وہ ٹلا نہیں۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو اصحاب کو اس سلوک سے منع فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! ایک یہودی آپ کو باندھے بیٹھا ہے۔“ فرمایا: ”اللہ نے مجھے غیر مسلم رعیت پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ روایت کے اتنے حصے سے آنحضرت ﷺ کا ”مغلوب خو“ ہونا معلوم ہو گیا کہ کس طرح تاجدارِ کونین و سرورِ دارین ﷺ نے

اپنی رعایا میں سے ایک عام آدمی جو کہ مسلمان نہیں بلکہ یہودی ہے، کے آگے اپنے آپ کو مجبور و مغلوب بنا لیا۔ اس مجبوری و مغلوبیت کی تہ میں کس قدر عظیم الشان غلبہ اور زبردست طاقت اپنا کام کر رہی تھی، جس سے مغلوب خو کا غالب ہونا ثابت ہو گیا یعنی جب دن چڑھا تو وہ یہودی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اس نے کہا: ”میں اپنا نصف مال اللہ کی راہ میں دیتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے جو کچھ کیا، اس لیے کیا کہ آپ کے ان حالات کی آزمائش کروں جو میں نے تورات میں پڑھے ہیں کہ آخری پیغمبر محمد ﷺ عبداللہ کے بیٹے مکہ میں پیدا ہوں گے، مدینہ میں ہجرت کر کے جائیں گے، ان کی حکومت شام تک ہوگی، وہ بدخو اور سنگدل نہ ہوں گے، نہ بازاروں میں غل مچانے والے، نہ بُرا کرنے اور نہ بُرا بولنے والے ہوں گے۔“ (سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۷، ص ۱۹)۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں ۷

ہر کہ باشد طالع او ز آں نجوم  
نفس او کفار سوزد در رجوم  
جس کا طالع ان ستاروں سے ہو، اس کا نفس رجوم کے وقت کفار کو جلا دینے والا ہوگا۔ (۱۰۴/۱)  
جو شخص ان نجوم سے فیض حاصل کرتا ہے وہ نفسِ امارہ کو مغلوب کرنے پر قادر ہوتا ہے، جس طرح شہابِ ثاقب شیطان کو مار بھگاتا ہے۔

خشمِ مریخی نباشد خشمِ او  
مُقلبِ رَوِ غالب و مغلوبِ خو  
اس کا غصہ نفسانی غصہ نہیں ہوتا (بلکہ بغضِ فی اللہ ہوتا ہے۔ وہ تواضعاً سر جھکا کر چلنے والا) اور منصورِ من اللہ ہونے کی وجہ سے) غالب (ہے) اور (کمالِ علم و عفو کے سبب) مغلوبِ خو (نظر آتا ہے) (مرخِ ستارہ جنگ جوئی کے اثرات ہیں)۔ (۱۰۴/۱)

عرض کن بر من شہادت را کہ من  
مر ترا دیدم سر افرازِ زمن  
پس حضور مجھ کو کلمہ شہادت پیش کیجئے کیونکہ میں آپ کو (اس وقت) تمام زمانہ میں افضل سمجھتا ہوں۔ (۴۰۳/۱)  
قُرب پنچہ کس ز خویش و قوم او  
عاشقانہ سوئے دیں کردند رَو  
(الغرض) تقریباً پچاس اشخاص اس کے اقربا و قبیلہ (قوم) میں سے کامل یقین کے ساتھ دینِ اسلام پر گامزن ہو گئے۔ (۴۰۳/۱)

**مضبوط ایمان والے ہی ضبطِ نفس کرتے ہیں**

فرمانِ نبوی ﷺ ہے ”تم میں سے کوئی ایمان دار نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں۔ (بخاری رقم الحدیث ۱۵) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آپ کے ساتھ ایسی ہی محبت تھی۔ محبت کے ترازو میں ایک طرف آپ کی ذات پاک ہو اور دوسری طرف انسان کے ماں باپ تو آپ کا درجہ اس قدر بلند تر ہوگا کہ انسان ماں باپ کو آپ پر قرباں کر دے۔ یہ ان حضرات کا کمالِ ایمان محبت و عشق تھا جو ہر مومن کے لئے مامور بہ ہے۔ مذکورہ یہودی نے کہا ہے۔



تو تبار و اصل خویشم بودہ تو فروغ شمع کیشم بودہ  
(میں اپنے خاندان کو چھوڑتا ہوں) آپ ہی میرے خاندان اور حقیقی قرابت دار ہیں اور میرے اس طریق دینداری  
کی شمع کا نور آپ ہی ہیں۔  
(۴۰۳/۱)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق ہو تو نفس سے نجات ہوتی ہے

نفسِ امارہ ہمیشہ بُرائی کی طرف راغب کرتا ہے، لہذا تم اس کے خلاف کرو کیونکہ دُنیا میں پیغمبروں سے اسی طرح  
وصیت آئی ہے۔ نفس سے نجات چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق قائم کر لو، کیونکہ (اس نفس  
کے) ہر سانس میں ایک مکر ہوتا ہے اور اس کے ہر مکر میں سینکڑوں فرعون اپنے تابعین کے ساتھ غرق ہو رہے ہیں۔  
اگر تم ان مکروں سے بچنا چاہتے ہو تو موسیٰؑ اور موسیٰؑ کے خدا کی پناہ میں آ جاؤ۔ اس موقع پر مولانا رومؒ کا کلام پیش  
کیا جا رہا ہے۔

ہر نفس مکرے و در ہر مکر زان غرق صد فرعون با فرعونیاں  
(اس نفس کے) ہر سانس میں ایک مکر ہوتا ہے اور اس کے ہر مکر میں سینکڑوں فرعون (جیسے شقی) مع اپنے تابعین کے  
غرق ہو رہے ہیں۔  
(۱۰۷/۱)

در خدائے موسیٰ و موسیٰ گریز آبِ ایماں را ز فرعونِ مریز  
(نفس کے مکر سے بچنا چاہو تو) تو موسیٰؑ اور موسیٰؑ کے خدا (کی پناہ) میں دوڑو، اپنے ایمان کی آبرو فرعونیت کے  
باعث نہ گراؤ۔  
(۱۰۷/۱)

دست را اندر احد و احمد بزن اے برادر وارہ از بوجہل تن  
بھائی! خداوند تعالیٰ اور رسول خدا ﷺ کے ساتھ تعلق پیدا کرو، بدن کے بوجہل (یعنی نفسِ امارہ) سے نجات حاصل  
کرو۔  
(۱۰۷/۱)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ضبطِ نفس کی وجہ سے کافر مسلمان ہو گئے

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ دشمن کو زیر کرنے کے لئے حلم کی تلوار زیادہ طاقتور ہوتی ہے، چنانچہ حضرت علی  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر اس وقت تیغِ آہن سے کام لیتے تو زیادہ سے زیادہ اس گہر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیتے،  
جن سے آپ کا مقابلہ ہوا لیکن آگے ان لوگوں کی اولاد کی اولاد پر تو اس ضربِ شمشیر کا اثر نہ ہوتا اور وہ بدستور کفر کی  
زندگی بسر کرتے لیکن تیغِ حلم کی یہ غیر محدود فتوحات ہیں کہ نہ صرف وہ خود مسلمان ہو گئے بلکہ ان کی اولاد قیامت  
تک حلقہِ بگوشِ اسلام رہے گی۔

تیغِ حلم از تیغِ آہن تیز تر بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر  
(واقعی) تیغِ آہنی سے حلم کی تلوار زیادہ تیز ہے بلکہ سینکڑوں لشکروں سے زیادہ موجبِ فتح و نصرت ہے۔  
(۴۰۳/۱)

گفت من ختم جفا می کاشتم      من ترا نوعی دگر پنداشتم  
 کہنے لگا کہ میں (آپ کے خلاف) ختم جفا بوتا تھا، میرا تو آپ کے متعلق کچھ اور ہی خیال تھا۔ (۴۰۳/۱)  
 اس کافر نے کہا کہ میں اس غلطی پر تھا کہ آپ لوگ محض حصولِ دولت اور فتحِ ممالک کی غرض سے جنگ و جہاد  
 کر رہے ہیں مگر یہاں تو معاملہ ہی اور ہے، جس کے انکشاف سے میں حیران رہ گیا ہوں۔

### حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ضبطِ نفس

مبارز کے سوال کا جو جواب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں، نیچے دیئے گئے شعر سے اصل جواب  
 شروع ہوتا ہے۔ یہاں علت کے لفظ سے اجمالاً اسبابِ عزم کا تعین کیا ہے۔ چونکہ ابو تراب کے نام میں جو ”تراب“  
 یعنی مٹی کا لفظ داخل ہے یہ اس لحاظ سے پُر لطف واقع ہوا ہے کہ مٹی سے بیل بوٹے اگتے ہیں اور پھل پھول پیدا  
 ہوتے ہیں۔ خدا کی بنائی ہوئی چیز کو خدا ہی کے حکم سے توڑ پھوڑ سکتے ہیں، یعنی قتلِ انسان صرف قصاص اور جہاد  
 وغیرہ ہی میں روا ہے، جہاں یہ فعل حکمِ الہی کے ماتحت وقوع پاتا ہے۔ اس کافر کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 نے جہاد کیا تو اس کو چت کر لیا، چونکہ اب جہاد کرنا ذاتی مفاد کی خاطر ہو گیا تھا کہ اس نے میرے چہرے پر تھوکا ہے،  
 اس لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اپنی ذات کی توہین دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا اور جذبہ انتقام جوشِ زن  
 ہو گیا جو اخلاص فی العمل کے منافی تھا۔

فرمایا روح کائنات علیہ السلام نے ”الْمَوَالَاةُ فِي اللَّهِ وَالْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ“ مطلب یہ ہے کہ محبت  
 اور بغض خالصتاً اللہ کے لئے ہونا چاہیے۔ اللہ کے لئے باہم معاونت کرنا، اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لئے کسی  
 سے بغض رکھنا منشاء اسلام ہے۔ ہم غصے کو اپنے قابو میں رکھتے ہیں اور طاقت ور شخص بھی وہ ہے جو غصہ کے وقت  
 اپنے آپ پر قابو رکھے، نہ کہ وہ شخص جو ہزار من کا پتھر اٹھا لے۔ حدیث نبوی علیہ السلام میں ہے کہ ”کشتی گیری میں  
 کمال رکھنے والا بہادر نہیں ہے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔“ (احیاء علوم الدین،  
 ج ۳، ص ۱۴۸)۔

خشم بر شاہاں شہ و مارا غلام      خشم را من بستہ ام زین و لگام  
 غصہ بادشاہوں پر حکمران ہے مگر ہمارا وہ غلام ہے، ہم نے غصے پر زین و لگام لگا رکھا ہے۔ (۳۸۶/۱)

گفت امیر المومنینؑ با آلِ جوان      کہ بہنگامِ نبرد اے پہلواں  
 چوں تو خیو انداختی بر روئے من      نفسِ جنید و تہ شد خوئے من  
 امیر المومنینؑ نے اس جوان سے فرمایا کہ اے پہلوان! جنگ کے وقت تو نے جب میرے چہرے پر تھوک دیا تو میرا  
 دل حرکت (غضب) میں آ گیا اور میرا خلق (حسن) بگڑنے لگا۔ (۴۰۲/۱)



تا أَحَبَّ لِلَّهِ آيِدٍ نَامٍ مِنْ      تاکہ أَبْغَضَ لِلَّهِ آيِدٍ كَامٍ مِنْ  
تاکہ میرا خالصاً لوجہ اللہ محبت کرنے والا نام قرار پائے، میرا مقصود خاص اللہ کی رضا کے لئے دشمنی کرنا ہو۔ (۳۸۶/۱)

تاکہ أَعْطَى لِلَّهِ آيِدٍ جَوْدٍ مِنْ      تاکہ أَمْسَكَ لِلَّهِ آيِدٍ بُؤْدٍ مِنْ  
تاکہ میری سخاوت اللہ کے لیے ہو جائے اور میری ہستی اللہ کے لیے روکنا ہو جائے۔ (۳۸۶/۱)

غَرِقَ نَوْرمِ گرچہ سَقَمِ خُردِ خراب      روضہ گشتمِ گرچہ ہستمِ بُو تراب  
میں (مرتبہ روح میں) سراپا غرق ہوں، اگرچہ ریاضت سے میرا جسم زار و نزار ہو گیا ہے، میں گلہائے معارف سے باغ ہو گیا ہوں، اگرچہ (نام) کی وجہ سے البو تراب (کہلاتا) ہوں۔ (۳۸۶/۱)

جُو بَبَادِ اَوْ نَجِبِدِ مَلِ مِنْ      نِستِ جُو عَشَقِ اَحَدِ سَرِخِلِ مِنْ  
(یعنی) اس کی ہوا کے بغیر میرا جھکاؤ نہیں ہوتا اور بجز عشقِ الہی کے میرا کوئی پیشرو نہیں۔ (۳۸۶/۱)

تَبِجِ حِلْمِ گردنِ خشمِ زِدست      خشمِ حقِ بر مَنْ ہمہ رحمتِ شدست  
میری تبجِ حلم نے میرے غصے کی گردن کاٹ ڈالی ہے (اور) خشمِ خداوندی (بھی) میرے حق میں سراپا رحمت بن گیا۔ (۳۸۶/۱)

چو در آمدِ علتِ اندرِ غزا      تبجِ را دیدمِ میاںِ کردنِ سزا  
(میرے) جہاد میں جب ایک (نفسانی) علت شامل ہونے لگی تو اس وقت میں نے تلوار کو میان میں ڈال لینا مناسب سمجھا۔ (۳۸۶/۱)

گبرِ ایں بشنید و نورے خُردِ پدید      در دلی اُو تاکہ زَنارشِ برید  
(اس) کافر (حریف) نے جو یہ بات سنی تو اس کے قلب میں نور (ایمان) ظاہر ہوا، جس سے اس نے اپنا زنا رکفر توڑ ڈالا۔ (۴۰۳/۱)

نِیمِ بہرِ حقِ شد و نیمِ ہوا      شرکتِ اندرِ کارِ حقِ نبودِ روا  
(پس میرا جہاد) کچھ تو اللہ کے واسطے رہ گیا اور کچھ (مقتضائے) خواہشِ نفسانی ہو گیا اور اللہ کے کام میں شرکت جائز نہیں۔ (۴۰۲/۱)

نقشِ حقِ را ہمِ بامرِ حقِ شکن      بر زُجاجہ دوستِ سنگِ دوستِ زن  
(تو حق کا بنایا ہوا ہے) اور حق کے بنائے ہوئے نقش کو (اگر توڑنا چاہو) تو حق تعالیٰ ہی کے حکم سے توڑ سکتے ہو۔ (نہ کہ اپنے نفس کے حکم سے) دوست کے شیشے پر دوست ہی کا پتھر مارنا چاہیے۔ (۴۰۲/۱)

بادِ کبرِ و بادِ عجبِ و بادِ خلم      بردِ اُورا کہ نہ بُودِ از اہلِ علم  
تکبر کی ہوا اور خود پسندی کی ہوا اور سبک سری کی ہوا ایسے شخص کو ہلا ڈالتی ہے جو صاحبِ علم نہیں ہوتا۔ (۳۸۶/۱)

کوہم و ہستیء من بُنِیادِ اُوست  
وَر شوم پُوں کاہ بادم بادِ اُوست  
میں حلم و وقار میں گویا کوہ (پہاڑ) ہوں اور میرا وجود (حلم و وقار) کی اصل ہے، (اس لیے جنبش نہیں کرتا) اور اگر  
میں کاہ (تیکا) بن جاتا ہوں تو (بھی نفس کی تحریک مجھ پر موثر نہیں ہوتی بلکہ) میری (حرک) ہوا اللہ کے حکم کی ہوا  
سے (محکم) ہے۔ (۳۸۶/۱)

### نفس کا علاج مجاہدات اور ترک لذات ہے

جس طرح مرغ بے ہنگام کو اس کی بانگ بے وقت کے باعث ذبح کر دیا جاتا ہے، اسی طرح فرعون کے  
دعویٰ بے ہنگام نے اس کو غرق دریا کرایا۔ غرق فرعون سے یہ درس عبرت ملتا ہے کہ دعویٰ خدائی ایک ناقابلِ عفو  
جُرم ہے اور پھر عبرت عام کے لئے اس کی لاش کو دریائے نیل سے نکلوا کر ایک اونچے نیلے پر ڈال دیا گیا۔ اسی طرح  
نفس کو ذبح کرنے کی بھی کوئی صورت ہے۔ نفس کو ریاضات و مجاہدات سے فنا کر سکتے ہیں تاکہ خود ہلاکتِ ابدی  
سے بچ جائیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی اس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ ”مگر جس نے توبہ کی اور  
ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان  
ہے۔“ (الفرقان ۶۳)

نفس کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے ”اَعْدَى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الْغِیَ بَيْنَ جَنَبِکَ“ یعنی تیرا  
بدترین دشمن تیرا نفس ہے، جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۴)

ہیں سگِ ایں نفسِ را زندہ مژواہ  
کُو عدو جانِ ثُبت از دیر گاہ  
خبردار! اپنے کتے نفس کی زندگی نہ بن جا کیونکہ وہ مدت سے تمہاری جان کا دشمن ہے۔ (۵۷/۲)

سر بُردن چیست؟ کشتن نفس را  
در جہاد و ترک گفتن نفس را  
(اب سوال پیدا ہوتا ہے) کہ نفس کو ذبح کرنے کی کیا تدبیر ہے، اس کو مغلوب کرنا ہے مجاہدات سے اور تمام  
لذاتِ نفسانیہ کو ترک کر دینے سے، جن سے وہ طاقت پاتا ہے۔ (۲۴۱/۲)

روایات میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک بار اپنے نفس کو مخاطب کر کے پوچھا کہ اے نفس! میں تجھے  
اس قدر لڑتا ہوں مگر تو پھر بھی اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا۔ نفس نے کہا کہ ہم کو آپ سے کچھ یا قوتی مل جاتی ہے،  
ہم اس کی وجہ سے طاقتور بن جاتے ہیں۔ پوچھا، کون سی یا قوتی؟ کہا کہ بس یہی کہ جب آپ بازار میں جاتے ہیں  
تو لوگ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور آپ کے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں تو اس میں ہمارا کام بن جاتا ہے۔ آپ  
نے فرمایا! اچھا اب میں تمہارا علاج کرتا ہوں، ایک دن رمضان کے مہینے میں آپ نے سر بازار ایک روٹی کا ٹکڑا منہ  
میں چبانا شروع کیا تو لوگ باتیں بناتے ہوئے آپ سے متفر ہو کر چلے گئے، حالانکہ آپ نے ٹکڑے کو کھایا نہیں،



فقط چبایا ہی تھا، اس طرح ان کے نفس کا علاج ہوا۔

### ابتداء میں ہی نفس کی خواہشات کو مار دو

نفس ہمیشہ انسان کو بُرائی پر آمادہ کرتا ہے، جب آدمی نفس کی ہر بات ماننے پر آمادہ رہتا ہے تو نفس کو ان باتوں کی عادت ہو جاتی ہے، پھر خود بخود اس کے دل میں اس قسم کی بُری خواہشات پیدا ہونے لگتی ہیں، جن میں بد نظری، شوقِ زنا، ظلم، ایذائے خلق، حرصِ طعام، خواہشِ ترفع و افتخار وغیرہ ہزاروں بُرائیاں ہیں۔ جب کوئی ناصح ان بُرائیوں سے اس کو منع کرتا ہے تو اس کو بُرا معلوم ہوتا ہے اور کسی کی اتباع اس کو پسند نہیں آتی۔ یہی تکبر ہے اور اسی سے ناصح و مانع سے بغض پیدا ہوتا ہے۔ جب عادت کی وجہ سے کوئی بُری خصلت چلتے ہو جائے تو جو شخص تم کو اس سے منع کرے اس پر تم کو غصہ آتا ہے۔

ابتدائے کبر و کین از شہوتِ ست  
رائیء شہوت از عادتِ ست  
تکبر اور بغض کی ابتداء خواہشِ نفسانی سے ہے اور تیری خواہشِ نفسانی کی پختگی (اتباعِ نفس کی) عادت سے ہے۔  
(۳۲۴/۲)

زانکہ خوئے بد بکشت استوار  
مورِ شہوت عُد ز عادتِ بچو مار  
کیونکہ بُری خصلت تم میں محکم ہو چکی ہے، خواہشاتِ نفسانیہ کی یہ چیونٹی عادت کی وجہ سے سانپ بن گئی ہے۔  
(۳۲۵/۲)

مارِ شہوت را بکش در ابتداء  
ورنہ ایک گشتہ مارت اژدہا  
اب بھی ہمت کرو اور خواہشاتِ نفسانیہ کے (اس) سانپ کو شروع ہی میں مار ڈالو، ورنہ دیکھنا تمہارا یہ سانپ اژدہا بن جائے گا۔  
(۳۲۶/۲)

مادرِ بُتہا بُتِ نفس شُما ست  
زانکہ آں بُت مار و ایں بت اژدہا ست  
تمہارا بُتِ نفس (سارے) بتوں کی ماں ہے کیونکہ وہ بُتِ سانپ ہے اور یہ اژدہا ہے۔  
(۱۰۶/۱)

نفس میخوابد کہ تا ویراں کند

(نفس دینی بنیاد کو ویران کرنا چاہتا ہے)

نفس ہمارا چھپا دشمن ہے، پس دشمن کے مشورے پر کیوں کر عمل کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے خلاف چلنا چاہیے، ہر چند کہ نفس کا مشورہ قابلِ عمل نہیں مگر وہ بھی فائدے سے خالی نہیں کیونکہ جب اس کے مشورہ کا اُلٹ کرنا مفید ہے تو اس طریقہ سے فائدہ کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے، بخلاف اس کے اگر نفس کا مشورہ نہ ہوتا تو تذبذب رہتا کہ یہ کام کریں یا نہ کریں۔ جب نفس مشورہ دیتا ہے تو اس کی مخالف جہت عمل کے لئے متعین ہو جاتی ہے اور تذبذب رفع

ہو جاتا ہے۔

نفسِ امارہ ہمیشہ بُرائی کی طرف مائل رہتا ہے۔ طاعات و عبادات میں اگرچہ یہاں مشقت ہے لیکن آخرت میں اجر و ثواب متوقع ہوتا ہے، اس لیے نفس اس کو ہرگز گوارا نہیں کرے گا بلکہ ان کو چھوڑ دینے کا مشورہ ہی دے گا، لہذا اس کی بات مت سنو۔ (شیخ سعدیؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ نفسِ امارہ جو کہے تم اس کے خلاف کرو، کیونکہ دنیا میں پیغمبروں سے اسی طرح وصیت آئی ہے، دیکھو وصیت کے مطابق معاملات میں مشورہ کرنا واجب ہوتا ہے تاکہ بلا مشورہ کام کرنے سے آخر میں پشیمانی نہ ہو۔ نفس جو کچھ کہتا ہے بطور مشورہ کہتا ہے اور مشورہ سننے اور ماننے کا تو بے شک حکم ہے اور مشورہ کرنا واجب ہے مگر نفس کا مشورہ قابلِ عمل نہیں بلکہ لائقِ مخالفت ہے) ۷

آنچه گوید نفس تو کایجا بدست  
مشوش چوں کار او ضد آمدست  
جو کچھ تمہارا نفس کہے کہ یہاں (یہ کام) بُرا ہے تو اس کی مت سنو کیونکہ اس کا کام (مصلحت کے) خلاف ہے۔  
(۲۱۹/۲)

نفس میخواید کہ تا ویراں کند  
خلق را گمراہ و سرگرداں کند  
کم بخت نفس (باغوائے شیطان) چاہتا ہے کہ (اس دینی بنیاد کو) تباہ کر دے (اور) مخلوق کو گمراہ اور سرگرداں کر دے۔  
(۲۱۹/۲)

مشورت با نفس خویش اندر فعال  
ہر چه گوید عکس آں باشد کمال  
مشورہ نفس کے ساتھ (ہر قسم کے) کاموں میں (کر سکتے ہو مگر) جو کچھ وہ کہے اس کے خلاف (کرنا شرط) کمال ہے۔  
(۲۱۹/۲)

رُوح در عین است و نفس اندر دلیل

(رُوح مشاہدہ میں ہے اور نفس دلیلوں میں ہے)

کافر بادشاہ (نمرود) آگ سے مخاطب ہوا اور بولا کہ اے بُندِ خدایا! تیری وہ جہان کو جلا دینے والی خصلت کہاں گئی، تو کیوں نہیں جلاتی؟ تو اپنی پرستش کرنے والے پر بھی رحم نہیں کرتی، پھر وہ شخص تجھ سے کیونکر نجات پا گیا جو تجھ کو پوجتا بھی نہیں؟ کسی چیز کے جلانے پر تو قادر ہے، تجھ پر کس نے جادو کر دیا ہے کہ تیرا اتنا بلند شعلہ جلاتا کیوں نہیں؟ آگ بولی: میں وہی آگ ہوں، تو ذرا اندر تو آتا کہ میری تپش کا مزہ چکھ لے۔ میں خدائی تلواریں ہوں اور اس کی اجازت ہی سے کاٹتی ہوں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ خیمے پر تیرے کمان والے لوگوں کے کتے مہمان کے آگے تو خوشامد کرتے اور دُور ہلاتے ہیں اور اگر خیمے کے پاس سے کوئی اجنبی صورت کا آدمی گزرتا ہے تو کتوں کو شیر کی طرح حملہ آور پاتا ہے۔ میں خدا کی غلامی میں کتے سے کم نہیں ہوں۔ مجھ پر زندگی میں ایک ترک سے کم خدا کا حق نہیں



جو وہ کتے پر رکھتا ہے۔ انسان کے جذبات طبع بھی جو باطنی آگ ہیں، اسی کے حکم کے تابع ہیں اور انسان کو کبھی مغموم اور کبھی مسرور اسی کے حکم سے بناتے ہیں۔

چوں سزائے آل بُتِ نفس او نداد از بُتِ نفسِ بتے دیگر بزا  
چونکہ اس (بادشاہ) نے (اپنے) اس بت یعنی نفس کو سزا دی تھی (اس لیے) اس کے نفس کے بت سے ایک اور بت پیدا ہو گیا۔ (۱۰۶/۱)

طبع من دیگر گشت و غُصْرَم تیغِ حقم ہم بدستوری بُرم  
میری طبیعت اور میری اصل نہیں بدلی، میں خدائی تلوار ہوں، (لیکن) اجازت ہی سے کاٹی ہوں۔ (۱۱۲/۱)  
نفسِ نمرود ست و عقل و جاں خلیل روح در عین ست و نفس اندر دلیل  
نفسِ نمرود ہے اور عقل اور روح (بمنزلہ) خلیل اللہ ہیں، (ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ) روح مشاہدہ (حق) میں (مستغرق) ہے اور نفس استدلال (کے چکر) میں (سرگرداں) ہے۔ (۱۱۲/۲)

نارِ پا کاں را ندارد خود زیاں کے زخاشا کے شود دریا نہاں  
پاک لوگوں کو آگ نقصان نہیں پہنچا سکتی، (دیکھو) دریا کوڑے کرکٹ میں کب چھپ سکتا ہے؟ (۱۱۲/۳)  
تازِ نارِ نفس چوں نمرود تو وا رہد ایں جسم ہچوں عودِ تو  
تاکہ تیرے اس نمرود (سرکش) نفس کی آگ سے تیرا یہ لکڑی کا جسم نجات پائے۔ (۱۱۲/۴)

چہ کشد ایں نار را نورِ خدا نورِ ابراہیم را ساز اوستا  
اس آگ کو کیا چیز بجھا سکتی ہے، نورِ عشق الہی بجھا سکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ (یعنی مرشدِ کامل) کے نور کو استاد بنا لو (پھر وہ نور حاصل ہو جائے گا)۔ (۱۱۲/۵)

نفسِ مکار است مکرے زایدت

(نفسِ مکار ہے، نماز کا حکم دے تو بھی مکار ہے)

جس چیز کی سرشت بُری ہو اس سے اگر کوئی اچھی بات بھی سرزد ہو جائے تو احتمال ہے کہ اس کی تہ میں کوئی نہ کوئی بُرائی ہوگی، جس طرح حضرت معاویہؓ کے متعلق منقول ہے کہ ایک مرتبہ ان کو صبح کی نماز میں دیر ہوگئی۔ شیطان آکر ان کے پاؤں دبانے لگا تاکہ جاگ کر نماز پڑھ لیں۔ حضرت امیر معاویہؓ کی آنکھ کھلی تو حیران ہوئے کہ ہائے شیطان! اور نماز کے لئے جگائے؟ شیطان بولا میرا مقصد آپ کو نماز کے لئے جگانا نہیں بلکہ آپ کو اس تضرع و ابہتال اور رجوعِ انابت سے باز رکھنا مقصود ہے، جو آپ سے نماز کے قضا ہو جانے کی صورت میں وقوع پاتی ہے اور اس سے آپ کے مدارجِ قرب میں اور ترقی ہوتی ہے، جو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ مولاناؒ کے بہت

سے اشعار ہیں مگر یہاں دو پر اکتفا کیا گیا ہے ۔

نفس خود را زن شناس از زن بتر  
زانکہ زن جزو ست نفست گلن شر  
اپنے نفس کو (بھی) عورت سمجھو (بلکہ) عورت سے بھی بدتر ہے کیونکہ عورت (میں) تو (شر کا) ایک حصہ ہے اور نفس سراپا شر ہے۔

گر نماز و روزہ می فرماید  
نفس مکارست مکرے زایدت  
اگر تجھ کو نماز و روزہ کی ترغیب دے تو بھی (یاد رکھو) نفس مکار ہے تم سے کوئی نہ کوئی مکر کھیل رہا ہے۔ (۲۱۹/۲)

نار شہوت را چہ چارہ نور دیں

(شہوت کی آگ دین کے نور سے بجھتی ہے)

یہ اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ ”جُزْیَا مُؤْمِنٌ فَقَدْ اُطْفِئَ نُورُکَ لَهْبِی“ یعنی اے مومن! جلدی آگے گزر جا کیونکہ تیرے نور سے میری آگ بجھ جائے گی۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی تحقیق نہیں۔ نورِ دین سے نورِ معرفت مراد ہے جو ریاضتِ مجاہدات اور مراقبات سے باطن میں پیدا ہو جاتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

نار شہوت را چہ چارہ نور دین  
نُورُکُمْ اُطْفِئَ نَارِ الْکُفْرِینِ  
(اچھا تو) اس آتشِ شہوت کا علاج کیا ہے۔ (اس کا علاج) دین کا نور ہے (جیسے کہ) تمہارا نور (ایمان) کافروں کی آگ (یعنی آتشِ دوزخ) کو تم پر ٹھنڈا کر دے گا۔ (۳۷۶/۱)

ہر کہ تریاقِ خدائے را بخورد  
گر خورد زہرے گولیش کو بُرد  
جس نے خدائی تریاق کھا لیا اگر وہ زہر بھی کھائے گا تو اس کو یہ نہ کہو کہ مر گیا۔ (۳۷۷/۱)  
مولاناؒ فرماتے ہیں کہ مضر اشیاء کا استعمال اور مباحات میں توسیع کا ملین کو مضر نہیں، ناقصین کے لئے موجب ضرر ہے۔

خود بینی کا انجام موت ہے

مولانا رومیؒ نے بڑے احسن انداز میں خود بینی نہ کرنے کی نصیحت فرماتے ہوئے ایک حکایت بیان کی ہے، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن شیر، بھیڑیا اور لومڑی اکٹھے تھے کہ ان کو شکار میں تین جانور مل گئے۔ ایک وحشی گائے، ایک بکری اور ایک خرگوش۔ شیر نے کہا: اے بھیڑیے اب تو تقسیم کر، جب بھیڑیا تقسیم کرنے لگا تو اس نے وحشی گائے کے متعلق شیر سے کہا کہ بادشاہ سلامت یہ آپ کی ہے کیونکہ آپ بڑے ہیں، بکری میری ہے کیونکہ میں آپ سے چھوٹا ہوں اور لومڑی سے بڑا ہوں اور خرگوش لومڑی کے لئے ہے کیونکہ وہ سب سے چھوٹی ہے۔ جب شیر



نے دیکھا کہ بھیڑیا اکڑنے لگا اور تُو تُو میں میں کر رہا ہے تو اس نے کہا: اے گستاخ! تُو میرے سامنے اپنی ہستی کا اظہار کر رہا ہے، تو کون ہے جو میرے آگے خود بینی کرتا ہے؟ آگے بڑھ تاکہ میں تجھے سبق سکھاؤں۔ بھیڑیا آگے بڑھا تو شیر نے اسے پنجہ مار کر پھاڑ ڈالا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ خود بینی کا نتیجہ کیا نکلا؟ موت! آپ فرماتے ہیں کہ جو آدمی اپنے نفس پر کنٹرول نہیں کرتا ہے تو اس کا نتیجہ بھی اس بھیڑیے جیسا ہی ہوگا، لہذا اس انجام سے پہلے اپنے نفس پر کنٹرول کرو اور خود بینی سے بچو۔ مولانا رومؒ کے شیر اور بھیڑیے کے متعلق چند اشعار ہیں، جو نیچے دیئے جا رہے ہیں۔

**گفت پیش آ اے خرے کو خود خرید**

**(کہا، اے گدھے تُو جو خود بینی کرتا ہے! ذرا سامنے آ)**

مولانا ایک شیر، بھیڑیے اور لومڑی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شیر نے شکار مارا اور بھیڑیے کو کہا کہ تم اس شکار کے حصے کر دو۔ بھیڑیے نے وحشی گائے کو شیر کے حصے میں جانے کو کہا اور بکری خود اپنے لیے منتخب کر لی اور لومڑی کو خرگوش دے دیا۔ جب شیر نے اس کی نیت بد کو بھانپ لیا تو بھیڑیا شیر سے بحث کرنے لگا، جس پر شیر کو غصہ آ گیا۔ مطلب یہ کہ نفس بھی انسان سے بحث کرتا ہے اور اس کو غلط بات کی طرف لے آتا ہے۔ اس بحث کی وجہ سے شیر نے بھیڑیے کو پنجہ مار کر ختم کر دیا۔

گفت شیر اے گرگ این را بخش کن      معدلت را نو کن اے گرگ کہن

شیر نے کہا: اے بھیڑیے! اسے تقسیم کر، اے خراٹ بھیڑیے! انصاف (کی رسم) تازہ کر۔ (۳۱۸/۱)

نائب من باش در قسمت گری      تا پدید آید کہ توچہ گوہری

تقسیم کرنے میں میرا قائم مقام بن جا تاکہ معلوم ہو جائے کہ تو کیسی اصل و نسل سے ہے۔ (۳۱۸/۱)

گفت اے شہ گاؤ وحشی بخش تست      آں بزرگ و تو بزرگ و زفت و پخت

بھیڑیے نے عرض کیا، حضور! گاؤ وحشی تو آپ کا حصہ ہے کیونکہ یہ بڑا مال ہے اور آپ بھی (ماشاء اللہ) بزرگ، عظیم

اور شہ زور ہیں۔ (۳۱۸/۱)

بُ مَرا کہ بز میانہ است و وسط      زوہبا! خرگوش بتاں بے غلط

بکری میری ہے کیونکہ بکری درمیانہ اور اوسط درجے کی ہے۔ اری لومڑی! خرگوش تو لے لے، ان کی تقسیم میں کوئی

غلطی (کا احتمال) نہیں۔ (۳۱۸/۱)

شیر گفت اے گرگ چوں گفتی بگو      چونکہ من باشم تو گوئی ما و تو

شیر نے (غضبناک ہو کر) کہا، ارے بھیڑیے! ہماری موجودگی میں تُو تُو میں میں کیا بک رہا ہے، ان کا جواب دے؟

(۳۱۸/۱)

گرگ خود چہ سگ بود کو خویش دید  
پیش چوں من شیر بے مثل و ندید  
بھڑیا کون کتا ہے جو خود کو دیکھے اور مجھ جیسے بے مثل و بے نظیر شیر کے آگے خود بینی کرے۔ (۳۱۸/۱)  
گفت پیش آ اے خرے کو خود خرید  
پیش آمد بچہ زد اورا درید  
پھر کہا! ارے بے وقوف گدھے تو جو خود بینی کرتا ہے ذرا آگے ہو (بھڑیا) اس کے پاس جو ہوا تو شیر نے بچہ مار کر  
اس کو چیر ڈالا۔ (۳۱۸/۱)

### معجزہ بیند فرزد آں زماں

(نفس معجزہ دیکھ کر مان جاتا ہے اور پھر اسے وہم قرار دیتا ہے)

نفس مکینہ کہتا ہے کہ معجزہ تو ایک خیالی و وہمی امر ہے، حقیقی اور واقع فی الخارج نہیں ہے۔ اگر اس میں واقعیت ہوتی تو اس کو ضرور بقا ہوتی اور اس کا وجود اب بھی اسی طرح ہماری نظر میں ہوتا مگر اسحق اتنا نہیں سمجھتا کہ معجزات تو وقتی ہوتے ہیں۔ جب طلب کئے گئے تو ان کا ظہور ہوا، پھر ختم ہو جاتے ہیں، جیسے شق القمر کا معجزہ کہ جب کفار نے شق القمر کی استدعا کی تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ جن کو انھوں نے مجسم خود دیکھا، پس مدعا پورا ہوا اور دونوں ٹکڑے باہم ہو گئے۔ سوفسطائی کی طرح نفس بھی کہتا ہے کہ اگر فی الواقع دو ٹکڑے ہوئے تھے تو وہ اسی طرح دو ہی قائم رہتے، پھر ان کے باہم مل جانے اور اصلی حالت پر آ جانے سے معلوم ہوا کہ وہ جدا ہی نہیں ہوئے بلکہ یہ ایک محض خیال ہے۔ نہیں، یہ خیال نہ تھا بلکہ وہ ایک امر واقعی ہے اور ہر وقت دکھائی دیتا ہے مگر پاک لوگوں کی نگاہ میں بسا ہوا ہے، انہی کو دکھائی دیتا ہے۔ حیوان لا یعقل مثل سوفسطائی کی آنکھ میں بسا ہوا نہیں۔

وہ حقیقت بود آں دید عجب  
چوں مقیم چشم نامد روز و شب  
اور اگر وہ عجیب نظارہ (واقعی اور) حقیقی ہوتا تو پھر رات دن اسی طرح برابر آنکھ میں سایا رہتا، یعنی آنکھ اس کو دیکھتی رہتی اور وہ غائب نہ ہوتا۔ (۳۲۸/۲)

معجزہ بیند فرزد آں زماں  
بعد ازاں گوید خیالے بود آں  
(نفس) معجزہ کو دیکھتا ہے تو اس وقت تو (نور اعتراف سے) منور ہو جاتا ہے (مگر) اس کے بعد (جب اپنی جبلت پر آ جاتا ہے تو) کہنے لگتا ہے وہ تو (محض) ایک خیال تھا۔ (۳۲۸/۲)

نفس سوفسطائیوں کا چیلہ ہے، زد و کوب کے بغیر صحیح نہیں ہوگا

یہ حضرات جو عقل شریف کے مالک ہیں وہ سراپا عقل ہیں اور نفس سے منزہ ہیں۔ حواس ظاہری کے مقتضیات سے بے نیاز اور انوار روحانیہ سے نور علی نور ہیں پھر ان پر تہمت کیسی؟ کیونکہ تہمت تو بندہ نفس اور پابند حواس پر ہی لگائی جاسکتی ہے۔ جس طرح علمائے کرام کے نزدیک سوفسطائیہ کا علاج زد و کوب اور خرق و غرق کے سوا اور کچھ



نہیں۔ ڈنڈا پیر اور اگنی دیوی اپنی حقیقتیں بآسانی منوا سکتے ہیں۔ اسی طرح نفس بھی سوفسطائیوں کا چیلہ ہے۔ یہ لاتوں کا بھوت باتوں سے ماننے والا نہیں، لہذا یہ بھی سزا کا مستوجب ہے اور جس کی صورت ریاضت و مجاہدات ہے۔ سوفسطائی فرقہ سوفسطائیہ سے منسوب فلاسفہ کا ایک توہم پرست فرقہ ہے، وہ حقائق اشیاء کا منکر ہے۔  
 مہتمم نفس ست نے عقل شریف  
 مہتمم جس ست نے نور لطیف  
 ٹہمت نفس پر ہے، نہ کہ عقل شریف پر (اور) تہمت جس (ظاہری) پر ہے، نہ کہ (روح کے) پاکیزہ نور پر۔

(۳۲۸/۲)

نفس سو فسطائی آمد میز نش  
 کس زدن سازد نہ حجت گفتنش  
 نفس (بھی) سوفسطائی (فرقہ والوں کی طرح حقائق کا منکر اور اپنے شک کا مقلد) ہے، لہذا اس کو (خوب) پیڑ  
 کیونکہ اس کے لیے مار پیٹ سازگار ہے، نہ کہ اس کے آگے دلیل پیش کرنا۔

(۳۲۸/۲)

### اگر نفس کی تصویر دیکھنا چاہو تو دوزخ کا حال پڑھ لو

دوزخ کے سات دروازے اس کے شرور و آفات کی کثرت پر دال ہیں۔ اسی طرح نفس بھی مجمع شرور و مفاسد ہے بلکہ دوزخ کے شرور نفس کے شرور کے نتائج ہیں۔ پتھر اور لوہا اپنی ذات کے اندر آگ رکھتے ہیں۔ ان کی آگ پر پانی کا گزر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نفس کے رذائل مخفی ہیں اور وہ سرسری تدابیر سے زائل نہیں ہو سکتے۔ باہر کی آگ تو نہر کے پانی سے بجھ سکتی ہے مگر وہ پانی پتھر اور لوہے کے اندر کیونکر جائے۔ جس طرح شرارے کی حرارت ظاہری ہے، اس لیے وہ پانی سے ساکن ہو سکتی ہے اور سنگ و آہن کا مادہ ناریہ ہے، جو اس کی ذات میں ہے لیکن اسے پانی سے ساکن نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح بت کا شر اس کی ذات کے ساتھ قائم نہیں بلکہ بت پرست کے فعل پر موقوف ہے اور نفس کا شر اس کی ذات میں ہے۔

صورت نفس ار بجوئی اے پیر  
 قصہ دوزخ بخواں با ہفت در  
 بیٹا! اگر نفس کی تصویر (دیکھنی) چاہو تو دوزخ کا حال پڑھ لو جس کے سات دروازے ہیں۔

(۱۰۷/۱)

آہن و سنگ ست نفس و بت شرار  
 آں شرار از آب می گیرد قرار  
 سنگ و آہن ز آب کے ساکن شود  
 آدمی با ایں دو کے ایمن شود

نفس (تو گویا) لوہا اور پتھر ہے (جن کے باہم ٹکرانے سے آگ جھڑتی ہے) اور بت (ان سے جھڑنے والی) چنگاری ہے۔ وہ چنگاری تو پانی سے بجھ سکتی ہے (مگر) پتھر اور لوہا پانی سے کب سکون پاتے ہیں اور (اگر ان کو پانی سے تر بھی کیا جائے تو) آدمی ان دونوں کے ہوتے ہوئے کب مطمئن ہو سکتا ہے (کہ یہ ٹکرائیں اور آگ نہ نکلے)

(۱۰۶/۱)

## پیش حق آتش ہمیشہ در قیام

(اللہ کے حضور آگ بھی عاشق کی طرح حاضر رہتی ہے)

لوہے اور پتھر کو ایک دوسرے سے نہ ٹکراؤ کیونکہ یہ دونوں مرد و زن کی طرح باہم مقرون ہو کر نتائجِ بد کا بچہ جنتے ہیں۔ سنگ و آہن کے ذکر میں ضمناً مولانا یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ کسی پر ظلم نہ کرو، اس سے بہت بُرے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ظلم سے نتائجِ بد پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس ایک گناہ کی وجہ سے ظالم کے سر پر اور بہت سے گناہوں کا بوجھ آن پڑتا ہے۔ بے شک لوہا اور پتھر آگ کا سبب ہیں کیونکہ اس سبب کو بھی اسی مسبب نے مہیا کیا ہے۔ کوئی مسبب بھلا آپ سے آپ سبب کب بن سکتا ہے؟ تمام موجوداتِ حادثہ کا وجود اسباب و علل کے سلسلہ سے وابستہ ہے کیونکہ ہر حادثہ کے لئے کسی محدث کا ہونا لازم ہے جو اس کا سبب ہے۔ کبھی اس سبب کا بھی کوئی اور سبب ہوتا ہے، اسی طرح دور تک سلسلہ چلا جاتا ہے اور اس سلسلہ اسباب کی انتہا کسی مسبب الاسباب قدیم تک ہونی ضروری ہے تاکہ تسلسل لازم نہ آئے جو باطل ہے اور وہ سبب قدیم اسماء و صفات الہیہ ہیں، جن سے عالم میں حادثہ پیدا ہوتے ہیں۔

پیش حق آتش ہمیشہ در قیام  
حق تعالیٰ کے حضور میں آگ ہمیشہ رات دن ایک عاشقِ ہیجان کی طرح (خدمت و اطاعت کے لیے حاضر) کھڑی رہتی ہے۔

سنگ بر آہن زنی آتش جہد  
تم لوہے پر پتھر مارتے ہو تو (اس سے) آگ نکلتی ہے، (یہ) بھی خدا کے حکم سے نکلتی ہے۔

(۱۱۲/۱)

کسی صاحبِ دل سے اپنے نفس کی اصلاح کراؤ  
انسان کو اپنا آپ محبوب ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنے اخلاقی مصائب کو جان نہیں سکتا۔ آنکھ خود اپنے عیب کو نہیں دیکھ سکتی، لہذا یہ مشکل یوں رفع ہو سکتی ہے کہ اپنی تفتیشِ عیوب کا کام کسی صاحبِ دل کے سپرد کر دو، وہی ان کی اصلاح بھی کر دے گا۔

لیک ہر کس مور بیند مارِ خویش  
لیکن (مشکل یہ ہے کہ) ہر شخص اپنے (خصائل کے) سانپ کو چیونٹی جیسا دیکھتا ہے (پس اس مشکل کا حل یہ ہے کہ) تم (کسی) صاحبِ دل سے اپنے (باطنی حال کے) متعلق سوال کرو۔

تانه زر مس نداند من مسم  
تا نہ خُذ شہ دل نداند مُفلسم  
تانا جب تک سونا نہ بن جائے وہ نہیں جانتا کہ میں تانا ہوں، (اسی طرح) دل جب تک بادشاہ نہ بن جائے وہ

(۳۲۶/۲)



نہیں سمجھتا کہ میں مفلس ہوں۔ (۳۲۶/۲)

نفس چوں با شیخ بند گام تو از بن دندان شود اُو رام تو  
نفس جب تیرا قدم شیخ کے ساتھ دیکھے گا تو مجبوراً تیرا فرمانبردار ہو جائے گا۔ (۳۲۶/۳)

### نفس عقلِ ناقص کو مغلوب کر دیتا ہے

خواہشاتِ نفسانی کے غلبہ میں عقل سے کام ہی نہیں لیا جاتا۔ خود عقل ناقص میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ نفس کے معاملات میں دخل دے کر اس کے مفاسد کے تار و پور کو بکھیر دے۔ اگر اس کمزور عقل کی کوئی دھیمی آواز بتلائے نفس انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور راہِ ثواب کی طرف مائل کرتی ہے تو مصاحبِ بد کی صحبت کا بد اثر پھر اس کو ہوائے نفسانی کے اتباع پر مائل اور عقل کی آواز کو مغلوب کر دیتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں :-

نفس چوں با نفس دیگر یار شد عقل جزوی عاطل و بیکار شد  
ایک نفس (بد) جب دوسرے نفس (بد) کے ساتھ مل جاتا ہے۔ تو (جس شخص کی) عقل ناقص ہوتی ہے، بے کار اور گنتی ہو جاتی ہے (اس کو بُرے نتائج پر تنبیہ نہیں کر سکتی)۔

### اپنی نگاہوں کو شہوات سے بچانے کے لیے بند رکھو

نیچے دیئے گئے شعر کے دوسرے مصرعے میں سورہ نور کی اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”اے پیغمبر ﷺ مسلمانوں سے کہو کہ اپنی آنکھوں کو (نامحرم عورتوں کو دیکھنے سے) بند رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو بدکاری سے محفوظ رکھیں۔ یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ بات ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ خوب جانتا ہے۔“ (دیکھیں سورہ النور آیت ۳۰) مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اپنے قوائےِ مدرکہ کو حفظ و ضبط میں رکھو اور ان کو ادراکاتِ فاحشہ کی طرف ملتفت نہ ہونے دو۔ آنکھ جو جسم کے سوراخوں میں سے ایک سوراخ ہے اس کو بند رکھو کہ دل کی خرابی اس راستے سے آتی ہے۔

لو لہا بر بند و پُر دارش زخم گفت غَضُّوا عَنْ هَوٰی اَبْصَارِکُمْ  
(اس کی) ٹونیاں (شہوات سے روک کر) بند کر دو اور ان کو ختم (مٹنے کے پانی) سے پُر رکھو (قرآن مجید) میں اللہ نے فرمایا ”يَغْضُوا مِنْ اَبْصَارِکُمْ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی نگاہوں کو شہوات سے بند رکھو۔ (النور: ۳۰)

آگ، مٹی، پانی اور ہوا سب اللہ کے غلام ہیں

(ہمارے لیے وہ مُردہ ہیں لیکن اللہ کے لیے زندہ ہیں)

ہوا، مٹی، پانی اور آگ اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلتے ہیں۔ ان میں بھی ادراک اور حس ہے، اگرچہ ہم کو ان کا

مذہب ہونا معلوم نہیں ہوتا، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے محدود و ناقص علم کی بناء پر چند خاص اوصاف کو آثارِ حیات سمجھ رکھا ہے۔ جن اشیاء میں وہ آثار ہم کو نظر آتے ہیں، ان کو زندہ سمجھتے ہیں اور جن میں نہیں، ان کو بے جان تصور کرتے ہیں، حالانکہ اللہ کا علم اور قدرت ہماری معلومات سے کہیں زیادہ وسیع ہے، جن چیزوں کو ہم بے جان سمجھتے ہیں اللہ کے علم و قدرت میں وہ زندہ ہیں۔ اللہ فرماتا ہے ”بے شک پتھروں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف کے مارے گر پڑتے ہیں۔“ (البقرة: ۷۴) سورہ الحشر کی آیت نمبر ۲۱ میں وارد ہے ”اگر ہم قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو اللہ کے خوف سے ڈرتا اور پاش پاش ہوتا دیکھتے۔“ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے کوہ اُحد نمودار ہوا تو فرمایا ”یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔“ (مشکوٰۃ رقم الحدیث ۲۷۴۵) قرآن و حدیث کے علاوہ اہل کشف کے نزدیک بھی جمادات کا زندہ ہونا مسلمہ ہے۔ صرف اہل فلسفہ اس کے منکر ہیں۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند  
بامن و تو مُردہ با حق زندہ اند  
ہوا، مٹی، پانی اور آگ (خدا کے) غلام ہیں، (گو) یہ ہمارے تمہارے آگے بے جان ہیں مگر اللہ کے آگے زندہ ہیں۔ (۱۱۲/۱)

## کسبِ فانی خواہد ت ایں نفسِ خس (نفسِ فانی چیزوں کی تاک میں رہتا ہے)

نفس ہمیشہ ذلیل و ناشائستہ مشاغل کی ترغیب دیتا ہے، پس ایسے مشاغل کو ترک کرتے رہو۔ نفس اگر کسی اچھے شغل کی ترغیب دے تو اس سے دھوکا نہ کھانا، اس میں بھی اس کا کوئی نہ کوئی فریب ہوتا ہے۔ نفس دُنیا کمانے پر مر مٹ رہا ہے جو کہ فانی ہے، حقیر ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دُنیا کی قدر اللہ کے نزدیک چھڑ کے پڑ کے برابر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کا فر کو اس سے ایک گھونٹ بھی نہ پینے دیتا (رقم الحدیث ۵۱۷۷، احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۱۸۱)۔ فرمایا کہ ”جس نے اپنی دُنیا کو محبوب رکھا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو محبوب رکھا اس نے اپنی دُنیا کو نقصان پہنچایا۔ پس تم باقی کو فانی پر ترجیح دو۔“ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۱۸۱)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شیطاں کی ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ شیطاں نے آکر ان کو جگایا کہ اٹھ کر نماز پڑھ لیجئے۔ انہوں نے کہا، سچ بتا تو نے طاعت کی ترغیب کیوں دی تیرا شیوہ یہ نہیں ہے۔ پہلے تو اس نے بہت کچھ نابل منول کی مگر چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کامل تھے اس کے پھندے میں نہ آئے۔ آخر اس نے اپنے مکر کا اقرار کیا۔ نفس کا ایک مکر ہوتا ہے۔ نفس اگر روزہ نماز کی ترغیب دے تو اس کا اصل مقصد نماز و روزہ کی تعلیم نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ نفس مطمئن نہ بن جائے۔ اس عبادت سے سالک کے اندر غفلت اور غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ خود کو



ریاضات و مجاہدات کی وجہ سے خود بے نیاز سمجھنے لگتا ہے جب یہ چیزیں پیدا ہو جائیں تو گرفتار معاصی کر دینا نفس کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔ یاد رکھو کہ نفس مکار ہوتا ہے، جو فیصلہ کرو اس ذلیل کمینے کے خلاف کرو۔ اُرے نفس! تو نے ہزاروں سوئے ہوئے فتنے جگائے ہیں، نمرود کا بھیجا بھی تیرے ہی سبب نکلا، تیری وجہ سے فرعون سا ہوشیار حکیم بھی عقل کا اندھا ہو گیا اور خدا کی شناخت سے بہرہ مند نہ ہوا۔

کسب فانی خواہداتِ ایں نفسِ خس  
چند کسبِ خس گنی بگذار و بس  
تیرا یہ کمینہ نفس فنا ہو جانے والی کمائی کرنا چاہتا ہے، اس کو چھوڑ دو، کب تک یہ ذلیل کمائی کرتے رہو گے۔ (۲/۲۴۸)  
خلق اطفالند جز مستِ خدا

(مخلوق سب سوائے مستِ الہی کے گویا بچے ہیں)

مولانا روم فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق بچے ہیں، یعنی بالغ نہیں ہیں۔ آپ نے تمام مخلوق میں سے مجذوب لوگوں اور محبوبانِ الہی (بندگانِ الہی) کو اس بات سے نکال دیا ہے، یعنی ان لوگوں کے علاوہ سب لوگ بچے ہیں۔ بالغ لوگ وہی ہیں جو نفسانی خواہشات سے جان چھڑا چکے ہیں۔ جو آدمی بالغ بننا چاہے یا اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے، اس لئے اس کو چاہیے کہ نفسانی خواہشات پر کنٹرول کرے، اگر اس نے خواہشاتِ نفس پر کنٹرول کر لیا تو وہ بھی بالغ لوگوں میں شامل ہو گیا۔

خلق اطفال اند جز مستِ خدا  
نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا  
مخلوق سب سوائے مستِ الہی کے گویا بچے ہیں، پس بالغ وہی ہے جو خواہشاتِ نفسانیہ سے بھٹوٹ گیا۔ (۱/۳۵۳)

## ادب سے نفس کی تادیب

از خدا جو نیم توفیقِ ادب

(ہم خدا سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں)

مولانا روٹی نے طریقت میں ادب پر بہت کلام کیا ہے۔ آپ کا کچھ کلام نیچے دیا جا رہا ہے۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ ”با ادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب“ فرماتے ہیں کہ بے ادب خدا کے لطف و کرم سے محروم رہتا ہے، اس لیے خدا سے ہمیشہ ادب کی توفیق کے لیے دعا کرنا چاہیے۔ مولانا نے فرمایا کہ بے ادب اپنی بے ادبی سے خود ہی بُرا نہیں ہوتا بلکہ اس کی بے ادبی کی آگ پورے عالم میں پھیل جاتی ہے۔ ایک بُرے آدمی کے ارد گرد تمام ماحول میں بُرائی پھیل جاتی ہے اور اس کی صحبت میں بیٹھنے والا بھی بے ادب ہو جاتا ہے۔ سورج گرہن پر سائنس والوں نے جو وضاحت کی ہے، وہ ایک طرف لیکن مولانا کا خیال ہے کہ یہ بھی لوگوں کی بے ادبی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ عزازیل (ابلیس) بھی بے ادبی کے باعث آدم کو سجدہ نہ کر سکا اور خدائی قہر کا نشانہ بنا، غرضیکہ بے ادب کا سایہ جہاں بھی پڑتا ہے وہاں کوئی نہ کوئی خرابی یا نحوست رُو پذیر ہوتی ہے۔ جہاں بے ادبی کی جگہ ادب لے لے، وہاں بلندی کے تاثرات پائے جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ آسمانِ ادب کی وجہ سے نورِ علی نور ہو گیا اور چاند سورج اور ستارے اس کی چمک سے چمکدار ہو گئے۔ اللہ کے ساتھ ادب کا برتاؤ کرنے کی وجہ سے ہی فرشتے معصوم



اور پاک بن گئے۔

مذکورہ خوبیوں کے باعث یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس کو بھی کچھ ملا ہے، وہ ادب کی پاسبانی میں ہی ملا ہے۔ روزِ الست جن رُوحوں نے وعدہ الست کو خوشی خوشی قبول کیا، وہ نیک رُوحیں بن گئیں اور جنہوں نے ”مِلّی“ تو کہا مگر بہت ناراضگی سے کہا، ان رُوحوں کو کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیا گیا۔ ادب کے ان فوائد کو دیکھتے ہوئے اولیائے کرامؒ نے خود کو مودب کر لیا۔ اللہ کے نیک بندے یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے انسان کو سب سے اعلیٰ مخلوق بنایا ہے اور بہت سی نعمتوں کا ان پر نزول فرمایا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہم پر اپنے انعامات نازل فرمائے ہیں تو پھر ہم خدا کی تمام نعمتوں کا شکر کیوں نہ کریں۔ وہ جانتے ہیں کہ خدا نے ان کو اپنی محبت کے لائق سمجھا ہے اور اٹھارہ ہزار مخلوق میں سے ان پر ہی اپنا کلام بھیجا ہے۔ یہ دیکھ کر اولیائے کرامؒ خود کو خدا کی عبادت پر باندھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ تو نے ہمیں اپنے حکم کے قابل سمجھا۔ اللہ کے بندے اس بندے کا سا سلوک نہیں کرتے کہ جو لاشی کے بغیر نہ چلے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ کی طرف سے کوئی وعدہ وعید (جزا و سزا) نہ ہوتا، تب بھی مالک کے ساتھ وفا کے سوا چارہ نہ تھا۔ اگر خدا سب کو دوزخ میں ڈالتا اور کہتا کہ میری عبادت کرو تو پھر بھی اس کی عبادت کے بغیر چارہ نہ تھا۔ (آج کل ۲۰۲۳ء میں عراق پر امریکہ حاوی ہو گیا ہے تو اکثر اوقات ایک امریکی سپاہی دس بیس عراقیوں کو الٹا کر کے زمین پر لیٹ جانے کا حکم دیتا ہے تو انہیں ان کے حکم کی اطاعت کیے بغیر چارہ نہیں ہے) جب بزرگوں نے یہ سوچا تو طبع کو نکال کر خدا کی اطاعت کرنے لگے۔

قرآن مجید میں سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۴ میں ہے کہ ”جب ہم کسی بستی کو اس کے گناہوں کے باعث ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے عیش کرنے والوں کو اپنا فطری حکم بھیج دیتے ہیں (تعداد اور سامان بھی بڑھا دیتے ہیں) اور پھر جب وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان کے ذمہ حجت پوری ہو جاتی ہے اور پھر انہیں ہم پوری تباہی کے ساتھ اکھاڑ پھینکتے ہیں۔“ علامہ اقبالؒ نے فرمایا :-

کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا

اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

جب مسلمان خداوند تعالیٰ کے احکام کو بھلا دیتے ہیں تو ان پر کوئی نہ کوئی ظالم اور جابر بادشاہ مسلط کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی اصلاح کرنا ہر مسلمان پر لازمی ہے کیونکہ اگر کوئی بُرائی سے منع نہیں کرتا اور خاموش رہتا ہے تو اس کا یہ سکوت بھی گناہ ہے۔ بُری بات کو بُرا نہ سمجھنے میں عدم ایمان کا اندیشہ ہے۔ جب بے ادب کی معصیت کا وبال پڑے گا تو دوسرے لوگ اور وحش و طیور بھی اس میں مبتلا ہوں گے۔ یہ بات ایک حدیث سے بھی واضح ہے کہ ”بُرائی سے منع نہ کرنے والوں کو بھی زندگی میں ہی عذاب دیا جاتا ہے۔“ چھوٹے الدین مکیؒ میں ہے کہ بے ادب سے مراد ہر عاصی و گنہگار ہے، جس میں نہ صرف تعظیم اکابر سے پہلو تپی کرنے والے شامل ہیں بلکہ مرتکب فواحش

اور وہابیات کام کرنے والے بھی داخل ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

از خدا جو کیم توفیقِ ادب      بے ادب محروم ماند از فضلِ رب  
ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں، بے ادب اللہ کی مہربانی سے محروم رہا۔ (۳۹/۱)  
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد      بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد  
بے ادب نے نہ صرف اپنے آپ کو خراب کیا بلکہ اطرافِ عالم میں (فتنہ و فساد کی) آگ لگا دی۔ (۴۰/۱)

از ادب پُر نور گشت است این فلک

(یہ آسمان ادب کے طفیل نور، علی نور ہو گیا ہے)

آسمان کے ادب پر قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ”اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حکم دیا کہ خوشی سے اطاعت گزار بنو گے یا جبر سے؟ عرض کی، ہم خوشی سے حاضر ہیں۔“ (حُمّ السجدة: ۱۱) وہ طریقِ ادب میں اس قدر پابند ہیں کہ ان کی گردش اور ستاروں کی سیر میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا اور فرشتوں کا ادب یہ ہے کہ جب اللہ نے ان سے اسماء کے متعلق امتحان لیا تو سب نے کہا کہ اے مولیٰ! ہم تو صرف اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو بہت علم والا اور حکمت والا ہے (البقرہ: ۳۲) فرشتوں نے ادب ملحوظ رکھا تو اسی لیے فرشتے معصوم اور پاک رہے اور ابلیس بے ادبی کی وجہ سے لعین بنا۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی برتری کا دعویٰ کیا، اس بے ادبی کی وجہ سے مردودِ ابدی بنا دیا گیا۔ جب لوگوں میں فقر و فجور اور احکامِ دین سے لاپرواہی بڑھ جاتی ہے تو اللہ کے حکم سے افلاک میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں تاکہ اس بات سے لوگ عبرت حاصل کریں اور اپنی سرکشی سے باز رہیں، اسی طرح جو شخص طریقِ سلوک میں گستاخی کرتا ہے تو وہ حیرت کی ندی میں ڈوب جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

از ادب پُر نور گشت ست این فلک      وز ادب معصوم و پاک آمد ملک  
یہ آسمان ادب کے طفیل (شمس و قمر اور کواکب سے) نور، علی نور ہو گیا اور فرشتے ادب کی بدولت معصوم اور پاک ہیں۔ (۴۱/۱)

بد ز گستاخی کسوفِ آفتاب      شد غزالیٰ ز جراتِ ردِّ باب  
سورج گرہن (جب ہوا تو لوگوں کی) گستاخی کے سبب ہوا، شیطان گستاخی کے سبب ہی راندہ درگاہ ہوا۔ (۴۱/۱)  
اگرچہ سائنس نے سورج گرہن کی تشریح سورج، زمین اور چاند کی منازل کی وجہ سے کی ہے مگر کسوف کی اصل وجہ لوگوں کی گستاخی کے سوا کچھ اور نہیں۔

اپنی تعریف پر خوش ہونا بھی ادب کے منافی ہے

مولانا فرماتے ہیں کہ انسان اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے بلکہ یہ اس کی فطرت میں شامل ہے۔ چونکہ انسان



کی تخلیق اللہ کی صورت پر ہوئی ہے، یعنی اللہ نے انسان کو اپنی شکل پر پیدا کیا ہے (الحدیث)۔ اسی لیے اس کی بعض صفات خدائی صفات سے ملتی جلتی ہیں اور منجملہ صفات میں سے ایک صفت مدح پسندی ہے۔ چونکہ خالق اکبر محمود و متکبر ہے، اسی لیے آدمی کو بھی مدح جوئی کی عادت ہے، جو اس کے لئے روانہ نہیں۔ حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ ”جب تم لوگوں کو دیکھو کہ تمہاری مدح کرتے ہیں تو ان کے منہ میں خاک ڈالو۔“ (مشکوٰۃ رقم الحدیث ۳۸۲۶) مدح سے تکبر اور غرور پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ جن کا باطن غیر مصطفیٰ ہے تو نفس امارہ ان پر غالب ہوتا ہے۔

پیش شاہ شعرے بہ از صد تنگ شعر خاصہ شاعر کو ٹھہر آرد ز قعر

(وہ اپنی مدح کے اس قدر شائق ہوتے ہیں کہ) ان کے نزدیک ایک قصیدہ شہینے کی سونگھریوں سے اچھا ہے (جو قصیدے کے عوض شاعر کو دی جائیں)، خصوصاً وہ شاعر جو دریائے تخیل کی گہرائی سے (نازک) موتی نکالے۔ (۱۲۲/۴)

### بزرگوں سے عاجزی ادب کا حصہ ہے

عجز و نیاز اچھی خصلت ہے۔ ناز و نخرے چھوڑ دو اور اپنی خوربوی نہ جتاؤ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح عاجزی اختیار کرو۔ دیکھو پتھر بہار کے موسم میں بھی سرسبز نہیں ہوتا، لہذا بہتر ہے کہ خاک بن جاؤ تاکہ رنگا رنگ پھول پیدا ہوں۔ اگر تم سنگدل رہو گے اور کسی کی متابعت نہ کرو گے تو فیضانِ کالمین سے محروم رہو گے۔

ساہا تو سنگ بودی دلخراش آزموں را یک زمانے خاک باش

تم برسوں دلخراش پتھر رہ چکے ہو (اور دیکھ لیا کہ کچھ حاصل نہ ہوا اب) بطور آزمائش تھوڑی دیر کے لئے خاک بن جاؤ (اور پھر نتیجہ دیکھو)۔ (۲۱۱/۱)

### طریقت سراسر ادب ہے

تمام صوفیائے کرام اس بات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ جب تک مرید کے دل میں اپنے شیخ کے لیے مناسب ادب کے جذبات موجود نہ ہوں، اس وقت تک عبادات اور مجاہدات اپنا پورا اثر نہیں دکھاتے۔ ان اولیاء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تصوف سارے کا سارا ادب ہی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ تصوف کا مدار عشق پر ہے اور عشق میں اول تا آخر ادب کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ عشق جو ادب نہ سکھائے تو وہ عشق ہی نہیں۔ صاحب ہوش کے لیے ادب کے بغیر چارہ نہیں۔ سورۃ الحجرات میں ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ انسان کے لیے تصوف ایک زینت اور جمال ہے اور ادب تصوف کی روح رواں ہے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں ادب پر بہت طویل کلام لکھا ہے اور فرماتے ہیں ”بے ادب محروم ماند از فضل رب“ یعنی بے ادب اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بے ادب نہ صرف اپنی روحانی دنیا کو خراب کرتا ہے بلکہ پورے عالم میں فساد کی آگ لگا دیتا ہے۔ ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ عبادت سے آدمی جنت تک پہنچ جاتا ہے مگر اطاعتِ الہی میں ادب بجالانے سے اللہ تک پہنچ جاتا

ہے۔ ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص بادشاہ کی محفل میں بے ادب بیٹھے گا تو اس کی جہالت اسے قتل کروا دے گی۔ ابن معاذؒ فرماتے ہیں کہ سمجھ لو بے ادب عنقریب ہلاک ہو جائے گا۔ جو لوگ ہلاکت میں گرفتار ہیں، ادب کے مارے ہوئے ہیں۔ زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلہ میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ خدمت کے دائرے میں رہ کر ادب کا لحاظ رکھنا خدمت سے بھی بالاتر ہے بلکہ صوفیاء کے نزدیک عبادت سے بھی بالاتر ہے، کیونکہ عبادت خواہ کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو رد ہو سکتی ہے مگر خدمت اور ادب خواہ کتنے ہی معمولی نوعیت کے ہوں ضائع نہیں ہو سکتے۔

### ادب پر مشائخ کبار کی چند مثالیں

حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے وصیت فرمائی کہ ان کی قبر حضرت بایزید بسطامیؒ کی قبر سے تیس فٹ گہری کھودی جائے تاکہ بایزیدؒ کی قبر سے اونچی نہ رہے۔ مولانا حسام الدینؒ، مولانا رومؒ کے خاص مرید تھے اور مولانا ان سے مثنوی کے اشعار لکھواتے تھے۔ تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ حسام الدینؒ اپنے پیر کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ ان کے گھر میں بول و براز تو کیا وضو کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ اگر کبھی آدھی رات کے وقت بھی حسام الدینؒ کو وضو کی حاجت ہو جاتی تو اپنے گھر جا کر وضو کرتے، حالانکہ آپ کا گھر مولانا رومؒ کے گھر سے دو میل کے فاصلے پر تھا اور کبھی برف باری کی وجہ سے راستہ نہایت تکلیف دہ ثابت ہوتا۔ اس بات سے ان کے ادب کا اندازہ ہوتا ہے۔ غالباً اس ادب کی وجہ سے مولانا بھی حسام الدینؒ کا اس قدر ادب کرتے کہ جس طرح کوئی اپنے پیر کا ادب کرتا ہے۔

ابوعلی دقاقؒ جب اپنے شیخ نصر آبادیؒ کے پاس جاتے تو پہلے غسل کرتے مگر آپ کے مرید ابوالقاسم قشیریؒ جب ابوعلی دقاقؒ کے پاس جاتے تو پہلے روزہ رکھتے پھر غسل کرتے، عطر لگاتے اور پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ اپنے پیر کے دروازے پر پہنچ کر شرم و حیا کی وجہ سے دروازے سے ہی لوٹ آتے اور اگر مدرسے کے اندر داخل ہو بھی جاتے تو بدن پر سنسی سی طاری ہو جاتی۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں ان کی مجلس میں بیٹھ بھی جاتا تو سوال کرنے کی جرأت نہ ہوتی، پھر فرماتے ہیں اگر اللہ کوئی نبی بھیج بھی دیتا تو میں اس کا اپنے شیخ سے بڑھ کر ادب نہ کر سکتا۔ فرماتے ہیں کہ اگرچہ میرا ان کے ساتھ بہت زیادہ قرب تھا مگر یہ مجال نہ تھی کہ کبھی ان پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کا خیال تک بھی میرے دل میں آیا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے، اس قدر قربت مصطفیٰ ﷺ رکھنے کے باوجود اپنے شیخ و استاد حضرت زید بن ثابتؓ کی رکاب تھامتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کے سامنے بڑی نرمی سے کتاب کے صفحات پلٹتا تھا تاکہ انہیں آواز نہ پہنچے۔ حضرت ربیعؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کبھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ میں پانی پیوں اور امام شافعیؒ دیکھ رہے ہوں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے



اپنے استاد کے گھر کی جانب کبھی پاؤں نہ پھیلانے، حالانکہ آپ اور آپ کے استاد کے گھر کے درمیان سات گلیوں کا فاصلہ تھا۔ (رسالۃ المسترشدين مع تعليقات البوعدة ص ۲۰۲، ۲۰۳)

ابن عطارؒ فرماتے ہیں کہ جو اپنے نفس کو بے ادبی پر قائم رہنے دیتا ہے اور اس کی مخالفت نہیں کرتا تو اس کا نفس مطلق العنان اور سرکش بن جاتا ہے۔ جس کے ظاہر میں ادب نہیں، وہ باطنی حسن ادب سے محروم ہوتا ہے۔ ادب ایک ایسی چیز ہے جو انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مریدین جن میں ادب نہیں پایا جاتا، ان کا طریقت کی اعلیٰ منزلوں پر فائز ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ ادب کے سلسلے میں ہماری تصنیف ”بیعت کی تشکیل اور تربیت“ میں ایک باب لکھ دیا گیا ہے جس کا مطالعہ اچھے نتائج برآمد کرتا ہے، بشرطیکہ مرید واقعی مرید ہو نہ کہ صرف نام کا مرید ہو۔

### مرید کی اپنی کوئی خواہش نہیں ہوتی

کہا جاتا ہے کہ ”الْمُرِيدُ لَا يُرِيدُ“ یعنی مرید وہ ہے جو خود کچھ نہیں چاہتا۔ ایسا مرید خدا کی رضا کو اپنی رضا سمجھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتا ہے۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ استاد وہ ہے جس سے کسی نے کتاب اللہ کی خواہ ایک ہی آیت کیوں نہ لکھی ہو۔ فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہیے کہ اپنے استاد کو رُسا نہ کرے اور غلطی سے بھی اپنے آپ کو اس پر ترجیح نہ دے، جو ایسا کرتے ہیں وہ اسلام سے ایک رشتے کو توڑ لیتے ہیں۔ حضرت ابوعلی فارمدیؒ کو حضرت ابو القاسم گرگانیؒ نے فرمایا کہ مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کے سامنے ”کیوں“ کا لفظ بھی استعمال نہ کرے کیونکہ اس لفظ میں اعتراض کی گنجائش ہوتی ہے۔

### ادب سے دین ملتا ہے اور مُراد بھی

حضرت بایزید بسطامیؒ ابتدائی ایام میں حضرت جعفر صادقؒ کی صحبت میں رہے (یعنی ان کے اولیٰ تھے)۔ ایک روز حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ طاق سے فلاں کتاب اٹھا لاؤ۔ آپ نے عرض کیا کون سے طاق سے، فرمایا! اتنا عرصہ تمہیں یہاں آتے ہو گیا ہے اور ابھی تک تمہیں طاق کا پتہ بھی نہیں چلا۔ عرض کیا کہ مجھے اس سے کیا غرض کہ میں ادھر ادھر سر کو اٹھا کر دیکھوں، میں تو صرف آپ کی صحبت کے لیے آتا ہوں اور آپ کی طرف ہی متوجہ رہتا ہوں۔ حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ اچھا اگر ایسا معاملہ ہے تو واپس بسطام چلے جاؤ، تمہارا کام ختم ہو گیا ہے، یعنی تم نے ادب حاصل کر کے تمام رُوحانی منزلوں کو طے کر لیا ہے اور اب مزید تربیت کی ضرورت نہیں۔ (غالباً یہ بات آپ کے اولیٰ احوال کے دوران ہوئی ہوگی کیونکہ دونوں کا زمانہ ایک نہ تھا)۔

صوفیائے کرام کا قول ہے کہ طریقت میں جو گستاخی کرے وہ ہمیشہ کے لیے راندہ طریقت اور نامراد رہتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اولیائے کرام کے غضب سے بچائے، کیونکہ





شیخ کے پاس بیٹھ کر تسبیح یا وظیفہ پڑھنا، حتیٰ کہ درود شریف بھی پڑھنا نہیں چاہیے۔ اس کے علاوہ کوئی کتاب یا اخبار پڑھنا انتہائی بے ادبی کی دلیل ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ”سایہ پیر بہ است از ذکر حق“ یعنی پیر کے سایہ میں بیٹھنا ذکر حق سے بہتر ہے۔ پیر کی مجلس میں بیٹھ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنا ہی سب سے بڑی نفلی عبادت ہے۔ شیخ کے سامنے نوافل کا پڑھنا بھی سوئے ادب میں شامل ہے۔ اپنے شیخ کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے پیر یا عالم کو بڑا خیال نہ کرے۔ ”مکتوبات لطیف“ اور ہماری تصنیف ”اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال“ میں ادب کے موضوع پر لکھی گئی تحریروں کا مطالعہ فرمائیں، جس میں ادب پر زیادہ مفصل بیان شامل کر دیا گیا ہے۔

### جو زخم کی درد برداشت نہیں کر سکتا، وہ نفس کے زخم کیسے برداشت کرے گا

پہلے زمانے میں اور آج کل (انگلینڈ اور امریکہ میں بھی) بہت سے لوگ اپنے جسموں پر کچھ نہ کچھ تصویریں یا اپنے مطلب کے تحصیل کی کوشش میں کچھ حروف یا نقوش گدواتے ہیں۔ مولانا رومیؒ نے ایک قزوینی کا قصہ بیان کیا ہے کہ ایک پہلوان صورت آدمی تھا مگر ہمت اور بہادری میں حقیقتِ حال یہ تھی کہ وہ بالکل صفر تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے کندھے پر ایک خونخوار شیر کی شکل بنائی جائے تاکہ اس کے حریف اس شیر کی صورت سے ہیبت زدہ ہو جائیں، حقیقتاً وہ پہلوان بہت ڈرپوک تھا۔ وہ قزوینی ایک نائی کے پاس گیا اور اپنا ارادہ اسے بتایا۔ نائی نے گودنے والی مشین پکڑی اور اس سے پوچھا کہ یہ تصویر اس کے جسم پر کہاں بنائی جائے۔ اس نے کہا کہ میرے کندھے پر شیر کی تصویر بنا دو۔ نائی جب شیر کی تصویر بنانے لگا تو ایک جگہ پر اپنی مشین کی سوئی رکھی۔ تصویر گدوانے کے لیے معمولی سا درد ہوا مگر وہ پہلوان صاحب اتنے کمزور دل تھے کہ اس سوئی کی چیخیں برداشت نہ کر سکے اور نائی سے کہنے لگے کہ ذرا رک جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ ابھی اس سوئی سے شیر کا کون سا حصہ بنانے لگے ہو۔ میں تو سوئی کے درد سے مرا جا رہا ہوں۔ نائی نے کہا، شیر کا کان بنانے لگا ہوں۔ پہلوان نے پوچھا کہ کیا کان کے بغیر شیر نہیں ہوتا تو نائی نے کہا کہ ہاں کان کے بغیر بھی شیر ہو سکتا ہے۔ پہلوان نے کہا کہ یار پھر رہنے دو تم تصویر میں کان نہ بناؤ۔ نائی نے دوسری جگہ سوئی رکھی تو پہلوان پھر تڑپنے لگا اور آہ و زاری کرنے لگا اور پوچھا کہ اب کیا بنا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ شیر کی دم بنا رہا ہوں۔ اس پہلوان نے پھر پوچھا کہ کیا دم کے بغیر شیر نہیں ہوتے۔ نائی نے کہا کہ ہاں ہوتے تو ہیں۔ پہلوان نے کہا کہ یار! پھر شیر کی دم بھی نہ بناؤ، حتیٰ کہ نوبت ٹانگ، دھڑ، سر، آنکھیں، پیٹ پر پہنچی تو پہلوان نے ایک ایک کر کے شیر کے ہر حصے کے لئے کہا کہ یہ بھی رہنے دو۔ آخر نائی نے مشین زمین پر رکھ دی اور کہا کہ میں نے آج تک ایسا شیر نہیں دیکھا کہ جس کا نہ کان ہو، نہ سر، نہ پیڑ، نہ ٹانگیں، نہ دھڑ، نہ پیٹ اور نہ دم ہو اور جیسا شیر تم بنانا چاہتے ہو ایسا شیر اللہ نے آج تک نہیں بنایا۔ نائی نے کہا کہ جب تمہارے اندر سوئی کا زخم برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے تو پھر ایسے بانگے شیر بنانے کا دم نہ مارو۔

اس کے بعد مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسی ڈیگیں مارتے ہیں اور ایسی صفات کا اظہار کرتے ہیں جو ان میں موجود نہیں ہوتیں، اگر ان کی ان غلط خواہشات کی تعریف نہ کی جائے تو وہ اپنے نفس کے زخموں کو محسوس کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تم اپنے زخموں کے درد پر صبر کرو تا کہ تم اپنے نفس کے زخم سے محفوظ رہو، جو لوگ اس درد کو برداشت کر لیتے ہیں تو آسمان، چاند اور سورج ان کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ مولانا روٹی کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بر تن و دست و کتہا بے درنگ      میزند از صورت شیر و پلنگ  
یہ لوگ جسم، ہاتھ اور کندھوں پر شیر اور چیتے کی تصویریں بنا کر دگدگواتے ہیں۔ (۳۱۳/۱)

بر چناں صورت پیا پے بے گزند      از سر سوزن کبودیہا زند  
اس قسم کی تصویریں (بنانے کی جگہ) پر تکلیف ظاہر کئے بغیر سوئی کی نوک سے پے در پے گودتے ہیں۔ (۳۱۳/۱)

سوئے دلا کے بشد قزوینیئے      کہ کبودم زن ستاں شیرینئے  
(اسی طرح) ایک قزوینی کسی نائی کے پاس گیا کہ میرے جسم پر تصویر بنا دے (اور اپنے معاوضے کی) شربینی لے لے۔ (۳۱۳/۱)

گفت چه صورت زخم اے پہلوان      گفت بر زن صورت شیرِ ثیاں  
اس نے پوچھا، اے پہلوان! کون سی تصویر بناؤں، اس نے کہا، (ایک) غضبناک شیر کی تصویر بناؤ۔ (۳۱۳/۱)

طالعہ شیرست و نقش شیر زن      جہد گن رنگ کبودی شیر زن  
میرا ستارہ اسد ہے اور تم شیر ہی کی تصویر بنا دو، کوشش کرو دل کھول کر گودو۔ (۳۱۳/۱)

گفت بر چه موضعت صورت زخم      گفت بر شانہ گہم زن آں رقم  
(پوچھا آپ کے جسم) پر کس جگہ تصویر بناؤں، وہ بولا، میرے کندھے پر وہ نقش منقش کر دو۔ (۳۱۳/۱)

تا شود پشت قوی در رزم و بزم      با چنین شیرِ ثیاں در عزم و حزم  
تاکہ میں اس بہادر شیر کی بدولت ہمت اور ارادہ کی رُو سے رزم و بزم میں قوی پشت رہوں۔ (۳۱۳/۱)

چونکہ او سوزن فرو بردن گرفت      درو آں در شانہ گہ مسکن گرفت  
جب اس نائی نے سوئی چھوئی شروع کی تو اس کا درد شانے میں ہونے لگا۔ (۳۱۳/۱)

پہلوان در نالہ آمد کائے سنی      مر مرا کشتی چه صورت می زنی  
پہلوان چلا اٹھا کہ اے بھلے مانس! تو تصویر کیا بناتا ہے تو نے تو مجھے ماری ڈالا۔ (۳۱۳/۱)

گفت آخر شیر فرمودی مرا      گفت از چه غصو کردی ابتدا  
(نائی نے کہا) تم نے آخر مجھ کو شیر بنانے کا حکم دیا ہے، قزوینی نے پوچھا، کس عضو سے بنانا شروع کیا ہے۔ (۳۱۳/۱)



- گفت از دُمگاه آغازیدہ ام      گفت دُم بگزار اے دو دیدہ ام  
(۳۱۳/۱) اس نے جواب دیا، دُم سے شروع کیا ہے، اس نے کہا، اے نور چشم! دُم کو چھوڑ دے۔
- از دُم و دُمگاہ شیرم دم گرفت      دُم گہ او دُم گہم محکم گرفت  
(۳۱۳/۱) اس شیر کی دُم اور دُم گاہ سے میرا ناک میں دُم آ گیا، اس کی دُم گاہ نے میری سانس لینے کی جگہ کو ختم کر ڈالا۔
- شیرے بے دُم باش گو اے شیر ساز      کہ دلم سستی گرفت از زخم گاز  
(۳۱۳/۱) اے شیر بنانے والے یہ شیر بے دُم سہی کیونکہ اوزار کے زخم سے میرا دل نڈھال ہو گیا ہے۔
- جانب دیگر گرفت آں شخص زخم      بے محابا و مواساتے و رحم  
(۳۱۳/۱) پھر وہ شخص دوسری طرف سے بے دھڑک اور بے رحمی و بے پرواہی کے ساتھ چرے کے لگانے لگا۔
- بانگ زد او کایں چہ اندام ست ازو      گفت او گوش ست ایں اے مرد نکو  
(۳۱۳/۱) (ادھر آ) اس نے آواز دی کہ یہ کون سا حصہ بن رہا ہے؟ اس نے جواب دیا، اے مہربان! یہ کان ہے۔
- گفت تا گوشش نباشد اے ہمام      گوش را بگذار و کوتہ کن کلام  
(۳۱۳/۱) (قزوینی نے) کہا، حضرت خیر کان نہ سہی اس کان کو چھوڑو اور قصہ مختصر کرو۔
- جانب دیگر خلش آغاز کرد      باز قزوینی فغان را ساز کرد  
(۳۱۳/۱) (پھر نائی نے) دوسری طرف سوئی چھوٹی شروع کی، قزوینی پھر چلانے لگا۔
- کایں سُم جانب چہ اندام ست نیز      گفت اینست اشکم شیر اے عزیز  
(۳۱۳/۱) کہ یہ تیسری جانب کون سا عضو بن رہا ہے، اس نے کہا اے عزیز! یہ شیر کا پیٹ ہے۔
- گفت تا اشکم نباشد شیر را      خود چہ اشکم می باید شیر را  
(۳۱۳/۱) بولا، شیر کا پیٹ بھی نہ سہی، اس بد بخت (تصویر) کو پیٹ کی کیا ضرورت ہے۔
- گشت افزوں درد کم زن زخمیا      اشکمے چہ شیر را بہر خدا  
(۳۱۳/۱) تکلیف بڑھ گئی ہے زخم کم لگاؤ، خدا کے لئے شیر کا پیٹ کیا ہوا (میرے لیے تو عذاب بن گیا)
- خیرہ خُند دَلّاک بس حیراں بماند      تا بدیر انگشت در دندان بماند  
(۳۱۳/۱) (اب تو بے چارہ) نائی متعجب ہوا اور نہایت حیران رہ گیا اور دیر تک دانتوں میں انگلی دبائے کھڑا رہا۔
- بر زمین زد سوزن آندم استاد      گفت در عالم کسے را ایں فدا!  
(۳۱۳/۱) اس وقت استاد نائی نے سوئی زمین پر دے ماری اور کہنے لگا، بھلا دُنیا میں کسی کو ایسا معاملہ بھی پیش آیا ہوگا۔
- شیر بے دُم و سر و اشکم کہ دید      از پُچیں شیرے خدا خود نافرید  
(۳۱۳/۱) بے دُم، بے سر اور بے شکم شیر کس نے دیکھا؟ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا۔

چوں نداری طاقتِ سوزن زون از پچیں شیرِ ثیاں بس دم مزن  
(پھر قزوینی سے مخاطب ہو کر بولا) جب تم میں سوئی کا زخم برداشت کرنے کی طاقت نہیں تو پھر ایسے بانگے شیر کی  
تصویر بنوانے کا بھی دم نہ مارو۔ (۳۱۴/۱)

مطلب:- یعنی جو شخص تیغ و سنان چھوڑ سوئی کا زخم برداشت کرنے کی بھی ہمت نہیں رکھتا اس کو کیا حق ہے کہ شیر  
جیسی خون خوار اور ہیبت ناک ہستی کی تصویر اپنے جسم پر بنوا کر اپنی شجاعت و بہادری کا اظہار کرے۔

اے برادر صبر کن بردردِ نیش تا رہی از نیشِ نفسِ گیر خویش  
اے بھائی! زخم کے درد پر صبر کرو تا کہ تم اپنے نفسِ بے دین کے زخم سے محفوظ رہو۔ (۳۱۴/۱)

کاں گروہیکہ رہیدند از وجوہ چرخ و مہر و ماہ شاں آرد سجود  
کیونکہ جو لوگ اپنے وجود سے آزاد ہو گئے، آسمان اور سورج اور چاندان کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ (۳۱۵/۱)

مطلب:- یعنی جو لوگ اپنی ہستی کو فنا کر لیتے ہیں (جو ریاضت و مجاہدات کا ثمرہ ہے) تو تمام اجرامِ فلکیہ ان  
کے مسخر و مطیع ہو جاتے ہیں۔



## بھوک سے نفس کی اصلاح

اسلام میں بھوک کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور بھوک کو اس قدر برداشت کرنا صرف اسی لیے ہے کہ اس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ تقویٰ پیدا کرنے میں بھوک کا بہت بڑا کردار ہے اور نفس کشی اسی سے متعلق ہے اور اسی لیے اسلام نے سال میں ایک ماہ کے روزے رکھنے کا حکم فرض کی حیثیت سے جاری کیا ہے۔ ہماری تصنیف ”تہذیبِ نفس“ میں بھوک پر ایک پورا باب لکھا گیا ہے لیکن قارئین کی سہولت کے لیے اس باب کا ایک خلاصہ بھی تیار کیا گیا ہے، جو اس کتاب میں عوام کی معلومات کی غرض سے نیچے دیا جا رہا ہے۔

### ماؤرن زمانہ میں بھوک کا مسئلہ

بھوک برداشت کرنے پر جو فوائد مرتب ہوتے ہیں، ان مضامین کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ آج کے مسلمان ان باتوں پر عمل کرنا تو کیا ان حقیقتوں سے قطعاً کوئی آشنائی بھی نہیں۔ عام مسلمان کی بات تو ایک طرف ہمارے زمانے میں مسلکِ تصوف پر چلنے والے صوفیوں کے لیے بھی بھوک کو برداشت کرنے کی باتیں بعید از قیاس اور ان کے عمل کی سطح سے کہیں بلند نظر آتی ہیں۔ قارئین کی سہولت کے لیے راقم الحروف نے اس بات کو مناسب سمجھا ہے کہ جو کچھ مذکورہ کتاب ”تہذیبِ نفس“ میں بیان کیا گیا ہے، اس کے خلاصے کو یہاں مختصر اور آسان حروف میں پیش کر دیا جائے تاکہ بھوک میں بیان کردہ تمام خوبیوں کا جامع نقشہ ذہن نشین ہو جائے اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے کے آسان نکات چن لئے جائیں۔

بھوک کا عمل اختیار کرنے پر جو فوائد مرتب ہوئے اور جس طرح ہمارے اسلاف نے بھوک کی سختیاں برداشت کیں، اس کے ایک سرسری مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی سختیاں برداشت کرنا تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، جنید بغدادیؒ، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم جیسے بزرگوں کا ہی کام ہے۔ احادیث نبوی ﷺ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مومن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے پیٹ کو بھوکا رکھے، جگر کو پیاسا رکھے، جسم کو زائد از ضرورت کپڑوں سے ننگا رکھے اور اپنی اُمیدوں کو کوتاہا رکھے تاکہ وہ اس قابل ہو جائے کہ اللہ کے نور کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ (کشف المحجوب، احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۷۴) یہی وجہ تھی کہ ایک طبیب جو مدینہ شریف میں مسلمانوں کا علاج کرنے کے لیے حضور ﷺ کی اجازت کے ساتھ آیا تو اس نے اس بات کی شکایت کی کہ یہ مسلمان تو بہت کم بیمار ہوتے ہیں اور وہ مدینے کے لوگوں کا علاج کرنے کی بجائے فارغ بیٹھا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے اس طبیب سے فرمایا ”ہم ایسی قوم ہیں جو کھانا اس وقت تک نہیں کھاتے جب تک بھوک نہ ہو اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔ (الحديث)“ فرمایا یہ ہی راز ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اچھی صحت کا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ ”ابلیس انسان کو پیٹ کے ذریعے گمراہ کرتا ہے اور غلط راستوں پر لے جاتا ہے۔“ (احیاء علوم الدین، ج ۳ ص ۷۵) شریعت کی اتباع بھی مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کیونکہ نفس کو اس کی بغاوت سے روکنے کے لیے اتباع شریعت سے بہتر کوئی کام نہیں۔ ماہ رمضان کے روزے اسی لیے سودمند ہیں کہ روزہ انسان کے نفس کو مہذب بنا دیتا ہے اور مسلمان کو اس کا انعام تقویٰ کی شکل میں دیا جاتا ہے۔

### طریقت میں بھوک ضروری ہے

طریقت میں نفس کی تادیب کرنا سب سے اہم مرحلہ ہے۔ اس میں شکم سیری سے منع کیا جاتا ہے تاکہ نفس کی سرزنش ہو سکے اور مشائخ کا اصول ہے کہ جو سالک بھوک برداشت نہیں کرتا اس کو طریقت کے دُمرے سے نکال دیا جاتا ہے اور اسے کہہ دیتے ہیں کہ تجھے طریقت قبول نہیں کرتی۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ مجھے ۳۰ سال کی سخت ریاضت اور مجاہدات سے صرف یقین کی دولت میسر ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ بھوک کو مجاہدات میں امتیازی حیثیت حاصل ہے کیونکہ اس میں نفس کی تادیب ہے۔ احادیث میں ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی رگوں میں گردش کرتا ہے اور حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اس کی گردش کو بھوک کے ذریعے بند کر دو۔ (احیاء علوم الدین، ج ۳ ص ۷۵) بھوک دشمن خدا کے لیے قہر ہے۔ پیٹ بھر کر کھانا شہوات کا منبع اور مرکز ہے۔ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دلوں کو بھوک کے ذریعے منور کرو اور اس کے توسط سے جنت کا دروازہ کھلکھلاتے رہو۔ (احیاء علوم الدین، ج ۳ ص ۸۰) بھوکا رہنے والا مجاہد کا درجہ رکھتا ہے اور خدا کے نزدیک بھوک سے بہتر کوئی عمل نہیں۔ حضور ﷺ کا ایک اور بھی فرمان ہے کہ ”آسمان کے فرشتے اس انسان کے پاس بالکل نہیں آتے جس نے اپنا پیٹ بھر کر عبادت کا مزہ کھو دیا۔“ پیٹ کو بھوکا رکھنا تمام بزرگان دین کا شعار ہے۔



حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب سے ایمان لایا ہوں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تاکہ میں اپنے رب کی عبادت کا مزہ حاصل کر سکوں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ کے دیدار کے شوق کی وجہ سے کبھی سیر ہو کر پانی نہیں پیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا معمول تھا کہ آپ چھ دن فاقہ سے رہتے تھے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ ”دلوں کو زیادہ کھانے پینے سے ہلاک نہ کرو۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جس طرح زیادہ پانی سے کھیتیاں تباہ ہو جاتی ہیں، اسی طرح زیادہ کھانے سے دل کا سوز اور گداز ختم ہو جاتا ہے۔“ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۷۷) کہتے ہیں اگر فرعون بھوکا رہتا تو ہرگز خدائی کا دعویٰ نہ کرتا۔

### بھوک سے جہاد

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۵۵ میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ لوگوں کو خوف، بھوک اور مال و جان اور پھلوں کی کمی سے آزماتا ہے اور جو لوگ ان باتوں میں صبر سے کام لیتے ہیں، وہی فلاح پاتے ہیں۔“

بھوک کی اہمیت اسی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ بھوک نفس میں خضوع پیدا کرتی اور دل میں عجز و نیاز بڑھاتی ہے۔ قوت نفسانی بھوک سے گھٹتی ہے۔ بھوک سے جسم میں کمزوری ہوتی ہے مگر دل میں روشنی، جان میں صفائی اور سر میں حق کا مواد حاصل ہوتا ہے۔ صوفیاء کا قول ہے کہ سالکین راہ طریقت کے لیے تین حکم ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ غلبہٴ نیند ہو تو سوئے، ضرورت سے زیادہ کلام نہ کرے اور کھانا فاقے کے بعد کھائے۔ اس کے ساتھ اگر درویش میں کھانا کم کھانے کی طاقت ہو تو وہ قرب الہی کے مرتبے کے لائق ہوتا ہے۔ کم کھانا شہوات کی موت ہے۔ زیادہ کھانے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور اس کا نور چلا جاتا ہے۔ حکمت کا نور بھوک کی وجہ سے ہوتا ہے اور سیرابی انسان کو اللہ تعالیٰ سے دُور کر دیتی ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ”اپنے نفسوں سے بھوک اور پیاس کے ساتھ جہاد کرو۔ اس کا بھی وہی ثواب ہے جو کفار سے جہاد کرنے میں ہے۔“ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۷۷) جس کا پیٹ بھرا ہوا ہو اس کو ملکوتِ آسمانی کی طرف راہ نہیں سوجھتی۔ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۷۷)

حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو دوست نہیں بنایا، سوائے اس کے کہ جو بھوکا رہا ہو اور ہوا میں کوئی نہیں اڑا مگر جو بھوکا رہا اور زمین کو طے کرنے کا شرف بھی بھوکے کو ہی ملتا رہا ہے۔ حضرت معروف کرہؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم روزہ افطار کرو تو پھر دیکھو کہ کس کے پاس افطار کر رہے ہو کیونکہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک خراب لقمہ سے دل کی کیفیت خراب ہو جاتی ہے اور پھر ساری عمر وہ اپنی اصلی حالت پر نہیں آ سکتا، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک خراب لقمہ کھانے سے انسان ایک سال کے لیے نماز تہجد سے محروم ہو جاتا ہے اور کبھی ایک دفعہ کی بد نظری سے بندہ ایک عرصہ تک تلاوتِ قرآن سے محروم ہو جاتا ہے۔ پیٹ بھرنے سے دل اندھا ہو جاتا ہے، بخاراتِ دل کو چڑھتے ہیں اور اس سے آدمی گند ذہن ہو جاتا ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ”پیٹ بھر کر کھانے سے دل سے نورِ معرفت ختم ہو جاتا ہے۔“ جو شخص اپنے اور حق تعالیٰ کے درمیان پیٹ بھر کر ذکر و مناجات کی لذت

چاہتا ہے تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔

مشائخ کرام کا قول ہے کہ سرکش جانور (نفس بھی) اس وقت تک سیدھا نہیں رہتا جب تک اسے بھوکا نہ رکھیں۔ شہوتِ شکم سیری سے جنم لیتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے کہ اسلام میں حضور ﷺ کے بعد سب سے پہلی بدعت جو ظہور میں آئی وہ یہ تھی کہ قوم نے سیر ہو کر کھانا شروع کر دیا اور ان کا نفس بغاوت پر آمادہ ہونے لگا۔ (احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۷۸) شہوتِ فرج کم خوری سے سرد پڑ جاتی ہے۔ ایک سال تک سوکھی اور کم روٹی کھانے سے عورت کا خیال دل میں نہیں آتا، اسی لیے جس کی شادی نہ ہو تو اسے روزے رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ زیادہ کھانے سے احتلام کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اولیائے کرام کم خوری کو اس لیے بھی پسند فرماتے تھے کہ اس میں خرچ کم ہوتا ہے اور عبادت کے لیے وقت بھی زیادہ مل جاتا ہے۔ کم خوری سے انسان غسل خانے میں بار بار جانے سے بچ جاتا ہے اور بار بار وضو کرنے سے بھی بچ جاتا ہے۔ بھوک سے صحت بہتر رہتی ہے اور دواؤں کا خرچ اور ہسپتالوں کے چکروں سے بھی انسان بچ جاتا ہے۔ بھوک سے حرام پر نظر نہیں جاتی اور ایسے حلال رزق والا انسان یقیناً مردِ فقیہ ہوتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ”مجھے اگر قرض کی ضرورت ہو تو میں لوگوں سے نہیں کہتا بلکہ اپنے پیٹ سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی خواہش کو ترک کر دے۔“

### بھوک میں ملنے والے درجات

صدیقین کا درجہ یہ ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کرتے۔ بھوکا آدمی کمزوری کے باعث اگر بیٹھ کر بھی نماز پڑھے تو یہ شکم سیر کی کھڑے ہو کر پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے۔ بھوک رکھنے کی علامت یہ ہے کہ اتنی بھوک رہے کہ اس کا روکھی روٹی کھانے کے لیے بھی دل تڑپ رہا ہو۔ اگر سالن کی طلب ہو تو یہ سچی بھوک نہیں بلکہ عیاشی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ حال تھا کہ کئی کئی دن تک بھوکے رہتے اور جنگِ بدر میں تو دو صحابہ کی دن بھر کی خوراک ایک کھجور ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا پیٹ کمر کے ساتھ ملا رہتا تھا اور آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر مجھے ترس آ جاتا تھا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”بھوک تمام نیک اعمال کی سردار ہے، پرانا کپڑا پہننا اور آدھا پیٹ خالی رکھنا جزوِ پیغمبری ہے۔“ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۷۴) حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ”تفکر نصف عبادت ہے، جب کہ بھوک مکمل عبادت ہے۔“ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۷۴)

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ صوفیائے کرام کی جماعت پر رحمتِ الہی کا نزول تین وقتوں میں ہوتا ہے۔ ایک کھانے کے وقت کیونکہ وہ نہیں کھاتے مگر فاقے کے وقت، دوسرے ہمنشینی اور مکالمہ کے وقت کیونکہ اس وقت یہ انبیاء اور صدیقین کے مقامات میں ان کے قائم مقام ہو کر کلام کرتے ہیں اور تیسرے ریح کے وقت کیونکہ اس وقت وہ خدا کے شہود اور وجد میں ہوتے ہیں۔ مشائخ کا یہ قول ہے کہ جب غذاؤں سے پرہیز ہو تو خواہشات ضعیف



ہو جاتی ہیں، عقل بڑھ جاتی ہے، نفس کا زور ٹوٹ جاتا ہے، خواہشات فنا ہونے لگتی ہیں اور مرید کی تمام مرادیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جنت کا دروازہ مسلسل کھٹکھٹاتے رہو یہاں تک کہ وہ تمہارے لیے کھل جائے۔“ جب پوچھا گیا کہ دروازہ کھٹکھٹانا کیسے ممکن ہے تو فرمایا ”بھوک اور پیاس سے ہی یہ ممکن ہو سکتا ہے۔“ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۷۵) حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو اعتدال کا راستہ بتایا کہ وہ ایک دن گوشت، ایک دن دودھ، ایک دن روغن کے ساتھ، ایک دن روکی روٹی اور ایک دن سرکہ سے کھانا کھائے تاکہ نفس سرکش نہ کرے۔

### بھوک کے مسئلہ کا حل

مذکورہ تمام گفتگو کا مطالعہ کرنے کے بعد پہلا مسئلہ تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آج کا آزاد نوجوان بلکہ آج کا مبتدی اور متوسط صوفی بھی ان تمام منزلوں سے کیسے گذر سکے گا، جس طرح ہمارے بڑے بڑے بزرگوں نے اپنی زندگیوں میں اللہ کے لئے مجاہدات کی سختیاں برداشت کیں اور ہمارے لیے ایسی قابل تقلید مثالیں چھوڑی ہیں، جس پر عمل کرنا موجودہ نسل کے لئے ممکن نہیں اب تو اس نازک زمانے کے مسلمانوں کے لیے یہ مسئلہ حل کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ یہ مسئلہ اس لیے بھی مشکل ہو گیا ہے کہ ہمارے زمانے میں لوگوں کے لیے ایسی تربیت گاہیں بہت کم نظر آتی ہیں، جہاں ان باتوں کا سبق دیا جاتا ہو۔ آج کی پود کے (بقول علامہ اقبالؒ) ماں باپ بذات خود روحانی طرز کی زندگی سے بالکل کورے نظر آتے ہیں اور علمی درسگاہوں میں دینی امور میں کامل استاد بھی نہیں ملتے تو کہاں سے آئے گی صدا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“۔

اس کے بعد دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا ماحول کچھ اس طرز میں ڈھل چکا ہے کہ اب اتنی گہری روحانی باتیں تو کہاں دیکھنے میں آئیں گی، یہاں تو سیدھی سادی روحانی باتیں نہ تو سنانے والے ہیں اور نہ سننے والے اور اگر ہیں تو لوگوں کو ان کی باتوں کو سننے کی توفیق ہی کہاں ملتی ہے جو اپنی رنگین محفلوں کو چھوڑ کر دینی باتوں کو سنیں۔ دینی باتیں سنانے والے بھی شعلہ فشاں بزرگ نہیں رہے، جن کی بات کو سن کر لوگوں کے سینوں میں دین کی طرف آنے کی آگ بھڑک اٹھے۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو زمانہ حال کی مغربیت یا نشہ چرس کا ذوق اس قدر بڑھ گیا ہے کہ وہ اب اس مغربیت کو چھوڑ نہیں سکتے، تاوقتیکہ کوئی علامہ اقبالؒ کے فلسفہ عشق کی آگ ان کے سینوں میں پھونک دے۔ یہی دنیا کے عشق کی آگ اگر روحانی یا حقیقی عشق کی طرف موڑ دی جائے تو پھر یہ لوگ روحانی دنیا میں بھی کمال حاصل کر سکتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ ۔

اقبالؒ تیرے عشق نے سب بل دیئے نکال  
مدت سے آرزو تھی کہ سیدھا کرے کوئی

راقم الحروف اس بات کا قائل ہے اور اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ اگر شیخ کامل میسر ہو جائے تو دنیا بدل جاتی ہے۔

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جانوں میں

نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

مذکورہ تین باتوں کا علاج اُدپر بیان کردہ حروف میں ہی چھپا ہوا ہے کہ کوئی اس پر عمل پیرا ہو تو منزل ضرور مل جاتی ہے۔ یاد رہے کہ مذکورہ منزل ایک دو دن میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کی سچی طلب اگر دل میں پیدا ہو جائے تو یہ کوئی بڑی بات بھی نہیں، بس کسی مردِ کامل کی تلاش ضروری ہے تاکہ سچی طلب دل میں پیدا ہو، پھر اللہ منزل تک پہنچانے کی ذمہ داری خود لے لیتا ہے۔ اس میں بس استقامت کی ضرورت ہے۔

بڑے بڑے مشائخ نے جو مجاہدات کیے ہیں وہ ہمارا نوجوان نہیں کر سکتا، البتہ کوئی رفتہ رفتہ اس میدان میں آنے کی کوشش جاری رکھے تو کام بن جاتا ہے۔ یہ یاد رکھیں کہ اس خطرناک زمانے میں جہاں ہر طرف بے دینی کا رنگ پھیل چکا ہے، وہاں اللہ نے اپنے گنہگار بندوں کے لیے نرمی کی روش اختیار کر رکھی ہے۔ ایسے زمانے میں تھوڑا سا عمل بھی کرو گے تو اللہ پچھلے زمانے کے بڑے بڑے بزرگوں کے اعمال سے زیادہ مہربانی فرمائے گا یعنی تھوڑی محنت پر زیادہ اجر دے گا، لہذا نفس کی سرزنش کے لیے جو اُدپر بیان ہوا ہے، اس کے مطابق درجہ بدرجہ عمل کرنا شروع کر دیں اور بزرگوں کی کتابوں اور علامہ اقبالؒ کے کلام سے ہمت اور حوصلہ حاصل کرتے رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ پر بھی اللہ کا وہی فضل و کرم ہو جائے جو مشائخ پر ہو چکا ہے، اگر کسی کو اس طرف آنے کی لگن ہی نہ ہو تو پھر کیا ہو سکتا ہے۔

اند کے صرفہ بکن از خواب و خور

(کھانے اور نیند میں کسی قدر کمی گوارا کرو)

مولانا رومیؒ درگاہِ حق میں ہدیہ لے جانے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ تھوڑا سونا اور تھوڑا کھانا چاہیے تاکہ طاعات و عبادات بہ احسن وجہ انجام پذیر ہوں۔ فرماتے ہیں یہ چیز محبوبِ حقیقی کی درگاہ میں پیش کرنے کے لئے بہترین ہدیہ اور اس کے مقامِ قرب میں باریاب ہونے کا سب سے اچھا وسیلہ ہے۔ خواب و خور (سونا اور کھانا) اس ہدیہ کی رسائی اور وسیلہ بننے کے حصول سے مانع ہیں۔

زیادہ کھانے سے جسم میں ثقل و کسل پیدا ہو جاتا ہے، دل سے نشاط و تازگی زائل ہو جاتی ہے اور وہ ذوقِ عبادت و لطفِ مناجات سے محظوظ نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ سے انسان عبادت کو ترک کرنے یا ناقص صورت میں بجا لانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جب ضرورت سے زیادہ نیند غلبہ کرتی ہے تو اوقاتِ عبادت کم بلکہ فوت ہوتے رہتے ہیں، کبھی کثرتِ طعام سے معدہ اور جگر کے فعل میں خلل آ جاتا ہے تو عروضِ امراض کے سبب سے ہفتوں یا مہینوں



کے لئے بالکل ہی طاعات و عبادت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ اگر تکفیل غذا اختیار کی جائے تو اس سے تکفیل نوم کی مصلحت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے، یعنی قلتِ طعام سے نیند خود بخود معتدل ہو جاتی ہے۔ پھر فرائض و سنن میں کسی قسم کی غفلت و کوتاہی وقوع میں نہیں آتی، چنانچہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تکفیل غذا آثارِ ایمان میں سے ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی بہت سا کھانا کھا جایا کرتا تھا، پھر جب وہ مسلمان ہو گیا تو تھوڑا کھانے لگا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”مومن ایک آنت سے کھانا کھاتا ہے اور کافرسات آنتوں سے کھانا کھاتا ہے۔“ یہ روایت بخاری شریف کی ہے اور مسلم شریف کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص کے لئے بکری دوہنے کا حکم دیا۔ وہ بکری دوہی گئی تو وہ شخص اس کا سارا دودھ پی گیا، حتیٰ کہ سات بکریوں کا دودھ نوش کر گیا۔ پھر وہ صبح کے وقت مسلمان ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے بکری دوہنے کا حکم فرمایا، چنانچہ بکری دوہی گئی تو اس نے اس کا دودھ پی لیا۔ پھر دوسری بکری کو دوہنے کا حکم دیا تو یہ دودھ وہ سارا نہ پی سکا، پس رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ”مومن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافرسات آنتوں میں پی جاتا ہے۔“ (مشکوٰۃ شریف رقم الحدیث ۴۱۷۶)

حضرت شاہ ولی اللہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ کافر کا مقصود پیٹ ہی پیٹ ہے اور مومن کا نصب العین آخرت ہے اور مومن کے لئے مناسب یہ ہے کہ کھانا کم کھائے اور اس کا کم کھانا ایمان کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے اور طعام کی حرص کفر کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے۔ (حجتہ اللہ البالغہ)

شَوْ قَلِيلُ النُّومِ مِمَّا يَهْجَعُونَ      باش در اسحار از یَسْتَغْفِرُونَ

سوتے وقت تھوڑی نیند لو (اور) آخر شب میں (خداوند غفور و رحیم سے) بخشش مانگو۔ (۳۳۱/۱)

تکفیل خواب کی فضیلت بیان کرنے کے لئے ان آیات سے اقتباس کیا ہے ”كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ وَلَا سَحَارٍ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“ یعنی یہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور صبح کو استغفار کرتے تھے۔ (الذاریات: ۱۷-۱۸) غرض یہ کہ تھوڑا سونا نزولِ برکات اور حصولِ سعادت کا ذریعہ ہے اور دعا و مناجات اور توبہ استغفار کے لئے نیم شب اور صبح دونوں اوقات زیادہ موزوں ہیں۔

چاشنے داں تو حالِ خواب را      پیش محمولی حالِ اولیاء

خواب کی حالت کو تو اولیاء کی حالتِ محمولیت کے آگے ادنیٰ نمونہ سمجھ۔ (۳۳۲/۱)

اولیاء کرامؑ کی محمولی یہ ہے کہ وہ اپنے اختیار و ارادہ کو بالکل ترک کر کے مرضی حق کے تابع محض اور منقاد خالص ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ ان کے نزدیک تکلفِ فعل اور تجسمِ عمل کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا اور یہ امر ان کے لیے بمنزلِ امرِ طبعی بن جاتا ہے اور یہ محمولی خواب کی محمولی سے اکمل ہے۔ محمولی اولیاء کی کیفیت اصحابِ کھف کی سی ہے، جو غار میں بے خود لیٹے پڑے ہیں۔ انہیں دنیا جہان کی کچھ خبر نہیں۔ اصحابِ کھف کی طرح ان کی کروٹ بھی اللہ بدلتا ہے۔

اسی طرح اولیاء کرام بھی بیٹھے اٹھتے چلتے پھرتے ہر حالت میں عشق الہی کے استغراق میں مست و بے خود ہیں ۔

گر شود پُذُورِ روزن یا سَرا ۔ تو مَذاں روشن مگر خورشید را

اگر کوئی روشندان یا گھر روشن ہو تو تم صرف سورج کو (بالذات) روشن سمجھو (نہ کہ اس گھر یا روشندان کو)۔ (۳۳۸/۱)  
مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ کوئی گھر اگرچہ اپنے اندر نور پاتا ہے مگر وہ آس پاس والے روشن گھر سے جگمگا رہا ہے۔ یہ علم و حکمت جو تمہارے قلب کے اندر نزول کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہ اولیاء اللہ کی برکت سے ہے۔ تم شکر کرو اور اس کو اپنا کمال سمجھ کر مغرور مت ہو اور صحبتِ پیر سے مستفید ہوتے رہنے سے انکار نہ کرو اور ہرگز خود بینی نہ کرو۔ اس علم و کمال نے مغرور لوگوں کو امتِ مرحومہ سے خارج کر دیا ہے۔ اگر دروازہ یا دیوار دعویٰ کرے کہ میں خود روشن ہوں اور کسی کا پرتو مجھ پر نہیں، دیکھ لو میں خود روشن ہوں تو سورج کہہ سکتا ہے کہ اے خطاکار! جب میں چھپ جاؤں گا تو اصلی راز کھل جائے گا۔

بدن اپنی خوبصورتی اور جمال پر نازاں ہے اور روح نے اپنی شان و شکوہ اور ساز و سامان چھپا رکھے ہیں۔ روح بدن کو کہتی ہے اے گندگی کے ڈھیر! تو ہے کیا؟ خیر میرے پرتو حیات سے تو نے ایک دو روز زندگی حاصل کر لی۔ میں ذرا تجھ سے علیحدہ ہو جاؤں پھر دیکھنا تیرے دوست تیرے لیے ایک قبر کھودیں گے۔ جب تیرے ہمدرد تجھ کو قبر میں دفن کر کے چل دیں گے پھر جب تو گل سڑ جائے گا تو سب تیری بدبو سے ناک بند کریں گے، پس جس طرح جان کا پرتو جسم پر ہوتا ہے اسی طرح علم و کمالات میں اولیاء کا پرتو میری اور تمہاری روح پر ہے۔ اگر وہ روح یعنی مرشدِ کامل اپنا قدم ہماری روح سے پیچھے ہٹا لے تو ہماری روح ایسی بے کمال رہ جائے جیسے جسم بے جان۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ۔

اند کے صرفہ بکن از خواب و خور ارغواں بہر ملاقاتش نیر

اپنی نیند اور خوراک میں کسی قدر کمی گوارا کرو اور اس محبوبِ حقیقی کی ملاقات کے لیے (ایمان اور اعمالِ نیک کی) سوغات لے جاؤ۔ (۳۳۱/۱)

جوعِ رزقِ جانِ خاصانِ خداست

(بھوکِ خاصانِ خدا کی رُوح کی غذا ہے)

مولانا فرماتے ہیں کہ بھوک تمام بیماریوں کی دوا ہے اور سب دواؤں سے بڑھ کر دوا ہے۔ اس کو ایسی ویسی چیز

نہ سمجھو، یہ تو اللہ کے خاص بندوں کو دی جاتی ہے۔ بھوک میں سینکڑوں فضل و ہنر ہیں۔ زندگی کو موت کی لذت چکھا

دینے والی بھوک زندگی سے بہتر ہے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں ۔

جوعِ خود سلطانِ داروہاست ہیں جوعِ درِ جاں نہ چینِ خوارش میں

جان لو کہ بھوک تو تمام دواؤں کی سردار ہے، بھوک کو جان کے ساتھ رکھو اس کو ایسی ناچیز نہ سمجھو۔ (۲۸۷/۵)



رُجْ بُجُوعَ از رُجْمَا پاکیزہ تر خاصہ ذر بُجُوعِ ست صد نفع و ہنر  
بھوک کی تکلیف بیماریوں سے بہت اچھی ہے، خصوصاً (اس لحاظ سے کہ) بھوک میں سینکڑوں فضل و ہنر ہیں۔  
(۲۸۷/۵)

بُجُوعِ مر خاصانِ حق را دادہ اند تاشوند از بُجُوعِ شیر و زور مند  
بھوک کی فضیلت صرف اللہ کے خاص بندوں کو عطا کی گئی ہے تاکہ وہ بھوک کی بدولت شیر کی طرح طاقت ور اور  
روحانی قوم بن جائیں۔  
(۲۸۸/۵)

جوع ہر جلفِ گدا را کے دہند چوں علفِ کم نیست پیش او مہند  
(بھوک کی فضیلت) ہر کمینے بھکاری کو کب دی جاتی ہے، جب کہ دنیا میں لُذائذ کی گھاس کی کمی نہیں اس لیے یہ  
گھاس اس کے آگے رکھ دی جاتی ہے۔  
(۲۸۸/۵)

نبود اندر دل ثرا جُو فکرِ ناں ناید اندر خاطرِ جُو ذکرِ ناں  
تیرے دماغ میں سوائے روٹی کی فکر کے اور کچھ (متصور) نہیں ہوتا، تیرے دل میں سوائے روٹی کے ذکر کے اور کچھ  
نہیں آتا۔  
(۲۸۸/۵)

بعد چندیں سال حاصل چستت جوع مردن بہ بود زیں زیستت  
اتنے برسوں کے بعد (شکم پُری) سے تجھے کیا ملا (سوائے اس کے کہ کھالیا اور گہ دیا)، تیری اس (حرصِ طعام کی)  
زندگی سے موت کی لذت چکھا دینے والی (بھوک اچھی)۔  
(۲۸۸/۵)

دانہ کمتر خور مکن چندیں رفو چوں گُھُؤا خواندی بخواں لاثرِ فُوَا  
خوراک تھوڑی کھاؤ اس قدر رفو نہ کرو، جب تم نے قرآن مجید میں یہ حکم پڑھا ہے کہ کھاؤ تو اس کے ساتھ یہ  
بھی پڑھو کہ اسراف نہ کرو۔  
(۱۳۷/۵)

تاخوری دانہ نیفتی تو بدام ایں گند علم و قناعت و السلام  
تاکہ تم دانہ کھاؤ اور جال میں نہ پڑو، قناعت کا علم یہی تلقین کرتا ہے، والسلام۔  
(۱۳۷/۵)

نعمت از دنیا خورد عاقل نہ غم جاہلان محروم ماندہ ذر ندم  
عقل مند آدمی دنیا کے رزقِ قلیل سے بقائے حیات و ادائے طاعات کا فائدہ اٹھاتا ہے (جمع مال و حصولِ جاہ کا) غم  
نہیں (مول لیتا مگر) جاہل لوگ ندامت کے ساتھ (اس فائدہ عظیم سے محروم رہ گئے)۔  
(۱۳۸/۵)

بھوک اور کم خوری پر مولانا رومؒ کے اور بھی بہت سے اشعار مثنوی میں درج ہیں لیکن اختصار کی خاطر اسی پر  
اکتفا کیا جا رہا ہے۔

## ستائیسواں باب

### تشبیہات کا استعمال مثنوی کا خاصہ ہے

ہر شاعر اپنے کلام میں تشبیہات کا استعمال کرتا ہے۔ شاعر جتنا بلند ہو اس کی تشبیہات بھی اسی انداز سے بلند پایہ ہوتی ہیں، جس کی وضاحت اس باب میں کی جا رہی ہے تاکہ قارئین مثنوی میں استعمال کردہ تشبیہات سے لطف اندوز ہو سکیں۔

### تشبیہات و تمثیلات کیوں استعمال کی جاتی ہیں؟

اس دنیا میں بہت سی اشیاء موجود ہیں اور حادثات (واقعات) بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ اس کثرت میں بھی وحدت پائی جاتی ہے، مثلاً اگر ہم کہیں کہ دنیا میں ان گنت اشیاء موجود ہیں تو اس سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحدت کا ظہور مختلف اشیاء میں کثرت کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ فطرت کے قوانین میں انفرادیت ہے اور اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ

فطرت ایک ہے ہر شے کی نوری ہو یا ناری ہو

لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

اس مثال سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ اشیاء کی لامحدود کثرت پائی جاتی ہے یعنی لاتعداد انسانوں کی شکلیں مختلف ہیں لیکن ہر انسان کے اندر رائج نظام یا سسٹم ایک جیسا ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ فطرت کثرت آفرین ہونے کے باوجود اس کی ہر چیز میں چھپی ہوئی ایک حقیقت وحدانی ہے، لہذا تمام قسموں (انواع) میں وحدت بھی جلوہ گر ہے۔



جب کوئی شخص اشیاء کی کثرت میں وحدت کو تلاش کر لیتا ہے تو ان میں موجود مشابہت کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے تشبیہ دیتا ہے۔ اشعار میں جو جادو پیدا ہوتا ہے وہ اسی تشبیہ کا مرہون منت ہے، جیسا کہ علامہ اقبالؒ کے مذکور بالا شعر میں نظامِ شمسی کو ایک ذرے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نظامِ شمسی میں ایک سورج اور کچھ سیارے اس کے گرد گھومتے ہیں تو یہی وحدتِ افکار کے مطابق ایک ایٹم (Atom) کے گردا گرد بھی الیکٹرونز (Electrons) گھوم رہے ہیں۔ ہر ایٹم کے الیکٹرون اگرچہ مختلف ہوں لیکن فطرت کا قانون ان سب میں ایک ہی نوعیت کا رائج ہے، جس کو الیکٹرونز کی تھیوری (Electronic theory) ثابت کرتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ جس کی حق بات میں اگر سوز نہ ہو تو وہ اندازِ حکمت ہے کہ جس کے دل میں گرمی پیدا نہیں ہوتی اور جب حکمت میں دل کا سوز شامل ہو جائے تو یہ شعر بن جاتی ہے اور یہ شعر دل و روح کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ اچھا شعر وہی ہو سکتا ہے، جس میں حکمت اور سوزِ قلب کے باوجود تشبیہ موجود ہو۔ علامہ اقبالؒ کے درج ذیل شعر میں یہ تینوں چیزیں موجود ہیں ۔

حق اگر سوزے نہ دارد حکمت است  
شعر می گردد چو سوز از دل گرفت  
حق اگر سوز نہ رکھے تو یہ اندازِ حکمت ہے، جب یہ سوز دل حاصل کر لیتا ہے تو شعر بن جاتا ہے۔  
بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم  
دستِ رویِ پردہٗ محمل گرفت  
بوعلی سینا اوٹنی کے غبار میں کھو گیا اور روی کے ہاتھ نے بڑھ کر محمل کا پردہ پکڑ لیا۔

مذکور بالا اشعار میں لیلیٰ کے محمل سے مراد حقیقتِ مطلقہ سے تشبیہ رکھنا ہے، غبارِ ناقہ سے ہستی کے بیابان بے پایاں کو تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک حکیم یعنی (بوعلی) اور ایک صوفی (مولانا رویؒ) اس اوٹنی کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ گرد و غبار کے معقولات میں حقیقتِ رُوپوش ہو جاتی ہے اور محمل تک پہنچنا محال نظر آتا ہے۔ استدلال اور فلسفہ کا حامی اس کے گرد و غبار میں کھو جاتا ہے اور صوفی دوسری راہ اختیار کرتا ہے اور جرأتِ مندانہ انداز میں محمل کا پردہ تھام لیتا ہے اور محمل نشین یعنی حقیقتِ مطلقہ (خدائے تعالیٰ) کے دیدار سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اگر یہ تشبیہ نہ لاتے تو حکمت اور پُرسوز شعر کا فرق ظاہر نہ ہوتا۔

نفسی کیفیات کو بیان کرنا ہو تو اس میں بھی ایک اور طرز کی تشبیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کا تعلق عالمِ انفس سے بھی ہے اور عالمِ آفاق سے بھی۔ انسان کا نفس عالمِ انفسی کہلاتا ہے، جو اس کائنات کے اندر موجود ہے اور وہ اس کے اندر اجمالی نقشے کی صورت رکھتا ہے (یعنی Universe in Miniature) جو آفاق میں بالتفصیل موجود ہے وہ انفس میں اجمالی (مختصر) طور پر موجود ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ نفس کی کیفیات (Qualities) تو ہیں مگر کمیتیں (Quantities) نہیں ہوتی۔ انسان جب نفسی کیفیت کو بیان کرتا ہے تو اس میں مکانیت استعمال نہیں ہوتی لیکن اس کی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے مکانیت کی اصطلاحیں تلاش کرنا پڑتی ہیں جو تشبیہات کہلاتی ہیں، مثلاً

محبت ایک کیفیت ہے، جس کے لیے کہا جاتا ہے کہ مجھے اس سے گہری محبت ہے تو اس کے لیے مادی تشبیہ استعمال نہیں ہو سکتی لیکن تشبیہ دینے کے لیے مادی تشبیہ ڈھونڈنا پڑتی ہے۔ کبھی انسان اس کے اظہار کے لیے کہتا ہے کہ وہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے یا کبھی محبت کو آگ سے تشبیہ دیتا ہے۔ انگریزی کی ایک نظم میں ہے: Love is the fire in the heart ever burning یعنی محبت دل میں وہ آگ ہے جو ہمیشہ جلتی رہتی ہے۔ شیفٹ نے اسی چیز کو اس طرح بیان کیا ہے۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفٹ  
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

ایک صوفی اس عشق کی آگ کے لیے کہتا ہے ”الْعُشْقُ نَارٌ يُحْرِقُ مَا سِوَى الْمَحْبُوبِ“ (یعنی عشق وہ آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے) اسی طرح مرزا غالب نے ذوق وصال اور دردِ فراق کو درج ذیل شعر میں بیان کیا ہے۔

کاذا و سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ  
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

مرزا غالب نے اپنی تنہائی کی سختی کو اس طرح بیان کیا ہے، جیسے پہاڑوں سے دودھ کی نہر نکالنا ہو اور یہ تشبیہ ہے۔ نفسِ انسان اپنے لیے کوئی ایسی زبان وضع نہ کر سکا جس سے نفسی کیفیات کا اظہار ہو سکتا ہے، اس لیے جسمانی عالم میں مادی چیزوں کی اصطلاح کا سہارا لیا جاتا ہے اور اس کو تشبیہ کہا جاتا ہے۔ ایک شاعر نے اپنی اسی بے بسی یعنی زبانِ حال یا اپنی کیفیت کا اظہار درج ذیل اشعار میں کیا ہے۔

ہم اور زبانِ حال کسی دم بہم نہیں  
ہم ہیں تو بے سخن ہیں، سخن ہے تو ہم نہیں

عنقا کے پر لگے ہیں ہمارے خیال کو  
گذرے ہیں مثل سایہ کہ نقشِ قدم نہیں

اسی بے زبانی کی کیفیت کو عارفِ روئے نے بڑی حسرت سے اس طرح بیان کیا ہے کہ حقیقی ہستی کی زبان نہیں ہوتی۔ کاش! اس کی بھی کوئی زبان ہوتی تو مستِ شرابِ عشق بھی اپنا حال بیان کر سکتے، کیونکہ ہستی لامکانیت سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں مکانیت کا دخل نہیں، ہماری زبان اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتی۔ وہ خدا سے یہ التجا کرتے ہیں کہ الہی! ہماری ایسے مقام کی طرف رہنمائی کر، جہاں الفاظ کی بے چارگی یا کوتاہی کے بغیر کلام ممکن



کاشکے ہستی زبانے داشتے      تا ز مستان پردہ ہا      برواشتے  
کاش! عشق کوئی زبان رکھتا تاکہ عاشقوں کے پردے اٹھا دیتا۔  
(۴۴/۳)

اے خدا جاں را تو جہاں آں مقام      کاندرو بے حرف می روید کلام  
اے خدا! تو ہماری روح کو وہ مقام عطا کر کہ جس میں بغیر حروف کے کلام کیا جاسکے۔  
(۳۲۳/۱)

کیفیات کی زبان نہ ہونے کی وجہ سے عشق مجازی ہو یا عشق حقیقی اس کو ایک میخانہ قرار دیا گیا ہے۔ حسن  
نے عشق پر جو حملے کیے ہیں اس نے عاشقوں کو غریب لہوئی پر مجبور کر دیا ہے، جہاں معشوق کے ناز و ادا کی بات ہوتی  
ہے تو وہاں تیر و شمشیر اور دشمن و خنجر سے معشوقوں پر حملہ ہوتا ہے۔ مرزا غالب نے کہا ہے کہ اگر معرفت الہی کی بات  
کرنا ہو تو بات کا بغیر ساغر و مینا کے ہونا ممکن نہیں۔

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو  
بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر

صائب نے کہا ہے کہ حق سے آشنائی اسی حالت میں ہو سکتی ہے جب دل و دماغ سے ہر قسم کے خیالات کو  
نکال دیا جائے لیکن وہ کہتے ہیں کہ صہبائے معرفت شراب بے شیشہ ہے یعنی یہاں بھی وہ صہبا، شیشہ و شراب کی  
مدد لیتے ہیں۔

حق را ز دل خالی از اندیشہ طلب کن      از شیشہ بے مے شیشہ طلب کن  
خدا کو فارغ دل سے اور بے اندیشہ طلب کرو، معرفت کے لیے مے شیشہ سے شیشے والی شراب طلب کرو۔ (صائب)  
انگریز شاعر ٹینیسن نے کہا ہے کہ حقیقت مطلق (خدا) کا وجدان تو ہو سکتا ہے لیکن اسے بیان نہیں کیا جا  
سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا کی چیزیں مظاہر حقیقت کے سائے ہیں اور الفاظ ان اشیائے مظاہر کے سائے ہیں، یعنی  
الفاظ مذکورہ سائے کے سائے ہیں۔ اگر معاملہ ایسا ہو تو حقیقت کا بیان کرنا کب ممکن ہو سکتا ہے؟ اصل بات تو یہ  
ہے کہ ایسی حالت میں تشبیہ سے کام لے بغیر چارہ نہیں، جہاں جذبات کی بات کی جائے تو سمجھ لیں کہ جذبات کی  
زبان تشبیہ ہوتی ہے۔ شاعری میں تمام تر جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے، اس لیے موثر شعروہی ہوتا ہے جس میں  
کوئی خوبصورت تشبیہ دی جائے۔ دل کا پیمانہ کسی تشبیہ میں ہی چھلکتا ہے۔ خوشی ہو یا غم شاعرانہ زبان اس کا اظہار  
کرتی ہے۔

### مولانا رومی کی تشبیہات

عارف رومی کا پورا کلام حکمت اور عرفان کا ایک گہرا سمندر ہے۔ ان کے لیے کہا گیا ہے کہ مولوی رومی کی  
مثنوی، معنوی طرز میں قرآن حکیم کو فارسی زبان میں بیان کرتی ہے۔ اپنے کلام میں وہ منطقی استدلال (فلسفی دلائل)  
کو کسی تشبیہ یا مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں۔ آپ کے استدلال میں آپ کا ذاتی وجدان شامل ہے۔ وہ حقیقی

صوفی ہیں، نہ کہ بنے ہوئے صوفی۔ وہ حقیقی شاعر ہیں، نہ کہ بنے ہوئے جعلی شاعر۔ جو بات ان کے دل میں آتی ہے وہ اس کو اپنے جذبات کے ساتھ کہہ جاتے ہیں، خواہ کوئی اس کو بے فن شاعر کہے لیکن اللہ نے ان کو یہ خوبی دی ہے کہ ہر باریک بات کے لیے ان کے دماغ میں کوئی دلنشین تشبیہ موجود ہے، جس سے سننے والے کو یقین بھی آ جاتا ہے اور وجد بھی طاری ہو جاتا ہے۔ دنیا بھر کے ادیبوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن اور حدیث کے بعد علم روحانیت اور معرفت کا کوئی دفتر مثنوی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ زیر نظر کتاب کو تحریر کرنے کا واحد مقصد بھی یہی ہے کہ مثنوی تصوف کی بہترین کتاب ہے، اس لیے اس کو عام لوگوں کے لیے عام فہم لفظوں میں لکھ دینا ضروری ہے۔ جو لوگ عملی لحاظ سے مستحکم نہیں ہیں یا جو لوگ روحانیت کی طرف آنے کی کوشش ہی نہیں کرتے اور جن کا علم معمولی سطح تک محدود ہے، ایسے مسلمان اس کو سمجھ کر روحانیت کے سمندر میں غوطہ لگائیں اور اس میں موجود معانی کو معلوم کرنے کے بعد وجدانی اور روحانی کیفیت محسوس کریں۔

ضروری ہے کہ ”كَلِمَتُوا النَّاسَ عَلَى قَدْرِ غَفْوِهِمْ“ (یعنی لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کرو) اس اصول کے مطابق یہ ضروری ہے کہ بات ایسی کی جائے جسے حکمت پسندوں کے علاوہ عام انسان بھی سمجھ سکیں۔ راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ وہ علماء مشکل الفاظ اور مشکل ترکیبیں صرف اس لیے لکھتے ہیں کہ لوگ ان کی تحریری قابلیت کی داد دیں مگر ان کی ایسی زبان استعمال کرنے سے کیا فائدہ کہ جس سے ۹۹ فیصد لوگ کتاب سے فائدہ حاصل نہ کر سکیں، چونکہ ہماری آبادی میں علمائے عالی فہم کی تعداد ایک فیصد سے بھی کہیں کم ہے اور ۹۹ فیصد لوگ تو کم علم اور کم فہم ہیں اور اگر لوگوں کی بھاری اکثریت کسی تحریر کو نہ سمجھ سکیں تو کتاب لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ راقم الحروف عام مسلمانوں کی علمی سطح بہت کم ہونے کی وجہ یہی سمجھتا ہے کہ عام علمائے اسلام کی کتابیں عوام کی سمجھ میں آنے والی نہیں ہوتیں۔ علماء سے استدعا ہے کہ خدا کے لیے اپنی قابلیت کے گوہر بکھیرنے کی بجائے عام فہم کتابیں لکھیں اور مشکل لفظ اگر لکھنا ناگزیر ہو تو بریکٹ میں یا حاشیہ میں اس کی تشریح کر دی جائے۔ مولانا رومیؒ کے کلام میں یہ بات موجود ہے کہ وہ ایسی سلیس زبان استعمال کرتے ہیں کہ عام فارسی جاننے والا ان کی بات کو سمجھ سکتا ہے اور ایک مشکل بات کو سمجھانے کے لیے وہ ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ جس سے ہر کوئی ذہن نشین کر لیتا ہے۔ نیچے کچھ مثالیں دی جا رہی ہیں۔

عارف رومیؒ نے مثنوی کا آغاز ہی ایک تشبیہ سے کیا ہے۔ وہ اپنی بانسری کی مثال میں یہ بات سمجھانا چاہتے ہیں کہ میں کون ہوں، کیا ہوں، یہ زندگی کیا ہے، کدھر سے آئی ہے اور کدھر کو جاتی ہے، خالق اور مخلوق کا باہمی تعلق کس قسم کا ہے؟ ان سوالات کا جواب فلسفی، اہل دانش اور اہل دین ڈھونڈتے ہیں لیکن کوئی کہاں تک پہنچا ہے، اس بات کو اہل علم جانتے ہیں اور ہر گروہ ان حقائق کا مکمل جواب نہیں دے سکتا۔ عارف رومیؒ ان سوالات کا جواب اپنی بانسری کی مثال سے دیتے ہیں۔ ہر کتاب کا لُٹ لُباب اس کا دیباچہ ہوتا ہے۔ مثنوی کے دیباچے میں بانسری کے



اشعار ہیں، جن میں وہ رُوح کی ماہیت اور اس کے مقصود و میلان کو دلچسپ اور دلوسز طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ ان کا یہ مضمون تمام مثنوی اور تصوف کا لب لباب ہے، جس طرح سورۃ فاتحہ کو تمام قرآن کا نچوڑ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح مثنوی کے اولین اشعار کو مثنوی کی تمہید کہا جاسکتا ہے۔

مثنوی میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس کی طرز اور اس میں موجود ترنم اسی طرح ہے جس طرح کہ اصل موسیقی وردانگیز اور سوز و گداز سے لبریز ہوتی ہے۔ حکماء، صوفیاء و ماہرینِ نفسیات کا یہ خیال ہے کہ موسیقی میں وہ خاصیت موجود ہے کہ جس کے ذریعے انسانی رُوح اپنی ماہیت (اصل) بلکہ اصل حیات و کائنات میں غوطہ زن ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے شروع سے ہی بال سری کی موسیقی سے مدد لی ہے۔ موسیقی میں جو عرفان ہے وہ نہ تو عقلی استدلال سے حاصل ہوتا ہے اور نہ محسوسات سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ تمام چیزیں ہستی کے حجاب و نقاب ہیں اور مولانا رومی کے مطابق یہ پردے بھی ساز کے پردے بن جاتے ہیں۔ غالب نے فرمایا :-

محرم نہیں ہے تُو ہی نواہائے راز کا

یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا

انسان کی ظاہری صورت عالم جسمانی اور مادی سے متعلق ہے لیکن پاکیزہ موسیقی انسان کو جسمانی واسطے سے رُوحانی عالم میں پہنچا دیتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے قوالی یعنی سماع کے ذریعے نوے (۹۰) لاکھ کافروں کو مسلمان کیا۔

اس کتاب کی تصنیف ہم نے امریکہ میں شروع کی مگر آج سے چار سال پہلے جب ہم اپنے ایک مرید ڈاکٹر شہزاد کے پاس نیو پال (نیو یارک کے نزدیک) تبلیغی سرگرمیوں کے سلسلے میں گئے تو وہاں سلسلہ وار تقریروں کے بعد مسجد کے تہہ خانے میں ہی دی گئی ایک پارٹی میں بہت سے سامعین حاضر تھے۔ وہاں ایک ایسے مسلمان امریکن سے ملاقات ہوئی جو صرف قرآن کے ترنم سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا تھا۔ ڈاکٹر شہزاد فرماتے ہیں کہ ہم دونوں پروفیسر ہیں اور ایک دن ہم دونوں اپنے کالج سے پچیس (۲۵) میل دور گھر کی طرف جا رہے تھے تو میں نے اپنے امریکن ساتھی سے کہا کہ میں تو راستے کی ایک مسجد میں نماز پڑھوں گا اور اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو چلے جائیں، ورنہ کچھ دیر مسجد میں ٹھہر جائیں تاکہ ہم اکٹھے گھر کی طرف روانہ ہو سکیں۔ وہ پروفیسر مسجد کے اندر ہی ایک برآمدے میں ٹھہر گیا اور نماز میں پڑھی جانے والی آیاتِ قرآنی کے ترنم کی وجہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ جب ڈاکٹر صاحب باہر آئے تو اسے زار و قطار روتا ہوا پایا اور بنا بریں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ امریکن پروفیسر صاحب کھانے کے موقع پر راقم الحروف سے بحث میں الجھ پڑے کہ آپ مسلمان موسیقی کو حرام کیوں قرار دیتے ہیں، حالانکہ میں قرآن کی موسیقی کو سن کر متاثر ہوا ہوں اور اس موسیقی نے مجھے مسلمان کر دیا، لہذا بات اس پر ختم ہوئی کہ موسیقی کی دو

قسمیں ہیں، ایک تو لچر پچر موسیقی ہے جس میں واہیات ساز ہوتے ہیں اور ایسی موسیقی والوں کا کلام بھی واہیات ہوتا ہے بلکہ پوری محفل ہی واہیات ہوتی ہے۔ اس قسم کی موسیقی سننے کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ دوسری موسیقی جس کو بعض علماء بھی صحیح مانتے ہیں اور اس موسیقی کی مثالیں قرآن کی قرأت، پاکیزہ مجلس سماع (جو بعض شرائط کے تحت جائز ہے) فطرت کی پیش کردہ موسیقی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی ثنا خوانی یا مثنوی کا ترنم سے پڑھا جانا یہ سب حلال اور جائز ہیں۔

مذکورہ حقیقت کو عارف روئے نے اس انداز میں پیش کیا ہے بلکہ خود بھی حیرت کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں رباب کو دیکھو اس کے تار بھی مادی، اس کی لکڑی بھی مادی، اس پر منڈھا ہوا پوست (چمڑہ) بھی مادی ہے لیکن جہاں مضرب نے اس میں ارتعاش پیدا کیا تو فوراً رُوح انسانی کے ازلی دوست (یعنی خدا) کی دلنواز آواز کیے آنے لگی۔

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست  
از کجا می آید ایں آوازِ دوست  
رباب کا خشک تار، خشک لکڑی اور خشک چمڑہ ہے لیکن اس کے ساز میں دوست کی آواز کیے آنے لگی۔ (مثنوی)  
سَر پنهان است اندر زیر و بم  
فاش اگر گویم جہاں برہم زخم  
اس کی آواز کے آثار چڑھاؤ میں جو راز مخفی ہے اگر اسے ظاہر کر دوں تو جہاں برہم ہو جائے۔ (۳۴/۱)  
عامیانه ساز جو ہمارے بڑا عظم کے علاقوں میں مروج ہے، ان کو ہندو مذہب بھی مانتا ہے لیکن بانسری کی موسیقی میں وہ بات نہیں، جو لغو موسیقی میں ہوتی ہے اور جس سے جذباتِ اسفل مشتعل ہوتے ہیں۔ بانسری کے ترنم سے مولانا یہ معنی اخذ کرتے ہیں کہ تمام رُوحوں کا تعلق رُوح الارواح یعنی اللہ سے ہے۔ اگر رُوح کو ”نئے“ سے تشبیہ دی جائے تو عالمِ ارواح ایک نیتان (بانسوں کا جنگل) بن جاتا ہے۔ رُوحیں اللہ کے قُرب سے جدا ہوئی ہیں، جس کی بظاہر کوئی وجہ نہیں لیکن صوفیاء کے نزدیک یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے (کہ رُوحیں عالمِ بالا سے نیچے آئی ہیں) رُوح اپنے وطن سے یعنی عالمِ ارواح سے آئی ہے۔ وہ اپنی ”نئے“ سے اپنے وطن سے جدائی یا فراق کا نالہ گا رہی ہے۔ رُوح انسانی اپنے اصلی وطن یعنی اپنے ماخذ کی طرف عود (رجوع) کرنا چاہتی ہے، جب تک اس کو دوبارہ وصال حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی شکایت (نالہ) درد انگیز طریقے سے بیان ہوتی رہے گی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند  
وز جدائی با شکایت می کند  
بانسری سے سُن کیا بیان کرتی ہے اور جدائیوں کی کیا شکایت کرتی ہے؟ (۳۱/۱)  
کز نیتان تا مرا ببریدہ اند  
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند  
کہ جب سے مجھے بانس کے جنگل سے کاٹا ہے، میرے نالے سے مرد و عورت (سب) روتے ہیں۔ (۳۱/۱)



ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش باز جوید روزگار وصلِ خویش  
جو کوئی اپنی اصل سے دور ہو جاتا ہے، وہ اپنے وصل کا زمانہ پھر تلاش کرتا ہے۔ (۳۱/۱)

مذکور بالا قصہء حیات بیان کرنے کے لیے بانسری جو نالہ کرتی ہے وہ اس حقیقت کو بیان کرتی ہے جو آنکھ اور زبان کا نور بیان نہیں کر سکتا (کیونکہ انسان کی جان تو تن میں ہے اور وہ محسوسات کو بیان نہیں کر سکتی) لیکن سِرِ ازلی کو ظاہر کرنے کی کوشش میں رُوحِ انسانی ”نئے“ کی تہہ میں غوطہ زن ہوتی ہے اور اپنے رازِ جدائی بیان کرنا چاہتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بانسری میں اگرچہ ہوا گردش کرتی ہے مگر یہ ہوا نہیں، آتشِ عشق کے شعلے ہیں۔

آتشِ عشقِ است کاندہ نئے فدا  
(نئے میں عشق کی آگ لگی ہوئی ہے)

مولانا فرماتے ہیں جس میں یہ آگ نہیں اس کی ہستی تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ فرماتے ہیں کہ (بانسری) کے دو منہ ہوتے ہیں۔ ایک منہ تو بانسری نواز کے منہ میں ہوتا ہے اور دوسرے منہ سے آواز نکلتی ہے۔ رُوحِ انسانی کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اس کا ایک منہ ”منہ ازلی نئے نواز“ (اللہ) کی جانب ہے اور دوسرا منہ وہ ہے جس سے تمام مظاہر میں آواز پیدا ہوتی ہے۔ رُوح کی بانسری جو خدا کا وصال چاہتی ہے، حقیقتاً فراق دینے والی بھی وہی ہستی ہے اور نالہء فراق کی وجہ بھی وہی ہے۔ کسی نے مولانا کے اشعار کا حسبِ ذیل ترجمہ کیا ہے۔

بانسری سے سُن کیا بیان کرتی ہے	اور جدائیوں کی کیا شکایت کرتی ہے
کہ جب سے مجھے جنگل سے کاٹا ہے	میرے نالہ سے مرد و عورت سب روتے ہیں
میں ایسا سینہ چاہتی ہوں جو جدائی سے پارہ پارہ ہو	تا کہ میں عشق کے درد کی تفصیل سناؤں
جو کوئی اپنی اصل سے دور ہو جاتا ہے	وہ اپنے وصل کا زمانہ پھر تلاش کرتا ہے
میں ہر مجمع میں روئی	خوش اوقات اور بد احوال لوگوں کے ساتھ رہی
ہر شخص اپنے خیال کے مطابق میرا یار بنا	مگر میرے اندر سے میرے رازوں کی جستجو نہ کی

بانسری کی خوبی یہ ہے کہ اس کا سینہ چاک چاک ہوتا ہے، جو بات منہ سے نہیں نکل سکتی وہ سینے کے سوراخوں سے پھوٹنے لگتی ہے اور شرح درد میں سینہ بھی پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

سینہ خواہم شرح شرح از فراق تا بگویم شرح دردِ اشتیاق  
میں ایسا سینہ چاہتی ہوں جو جدائی سے پارہ پارہ ہو تا کہ میں عشق کے درد کی تفصیل سناؤں۔ (۳۱/۱)

رُوحانیت میں تشبیہ و تمثیل ہے مگر یہ جہلا کے لیے گمراہ کن ہے  
کوئی بات اگر آسانی سے سمجھ نہ آئے تو وہاں تمثیل سے کام لیا جاتا ہے تاکہ بات سننے والے کی سمجھ میں آ جائے۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ کسی کو کوئی بات سمجھ نہ آئے تو اسے ٹیڑھی طرح سے کہا جاتا ہے تاکہ ٹیڑھا

بندہ بات سمجھ لے۔ اگر کوئی سیدھی مثال کو نہیں سمجھتا تو اس کو کچھ ٹیڑھی قسم کی بات بتاتے ہیں تاکہ اس کے فہم میں آجائے۔

”پائے کج راکش می بالیست کج“ (ٹیڑھے پاؤں کے لیے ٹیڑھا جوتا بنانا پڑتا ہے) عوام بھی بچوں کی طرح ہیں، ان کے لیے کئی قصے گھڑنے پڑتے ہیں تاکہ انہیں بات سمجھ آجائے۔

بر دروغاں جمع می آید دروغ      لِلْخَيِّنَاتِ الْخَيْثُونِ زِدْ فِرْعَوْنَ  
جھوٹوں کے لیے جھوٹ جمع ہو جاتا ہے، اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ خبیث عورتوں کے لیے خبیث مرد ہوتے ہیں۔  
(۳۳۰/۲)

ہر کہ اُد جنسِ دروغ است اے پرستِ پیشِ اُو نباشد مُعْتَبَر  
اے بیٹے! جو جھوٹ کا ہم جنس ہے اور اس کے لیے سچ معتبر نہیں ہوتا۔  
(۳۳۱/۲)  
مولانا فرماتے ہیں کہ جس شخص کی چشم بصیرت کھل جائے اور عقل کے دانت آجائیں تو وہ خالص روحانی غذا کو ہضم کر لیتا ہے۔

ہر کرا دندانِ صدقے رُستہ شد      از دروغ و از خباثت رُستہ شد  
جس کے سچائی کے دانت نکل آئے ہیں وہ جھوٹ اور خباثت سے آزاد ہو گیا۔  
(۳۳۱/۲)

مولانا روٹی نے تمثیل کی بات سمجھانے کے لیے کسی زمانے کا ایک قصہ لکھا ہے اور جس کا ذکر فردوسی نے شاہنامہ میں بھی کیا ہے۔ وہ یہ کہ حکیم برزد نے نوشیروان سے کہا کہ اس نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ ہندوستان میں ایک درخت ہے، جسے کھانے سے مردہ بھی زندہ ہو جاتا ہے۔ نوشیروان نے کہا کہ جاؤ اور ہندوستان سے اسے تلاش کر کے لاؤ۔ حکیم برزد قنوج کے مہاراجہ کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ ایسی بوٹی یہاں کوئی نہیں، چلو کسی بڑے رشی یا سنیاسی کے پاس جاتے ہیں۔ اس رشی نے کہا کہ یہ راز کی بات ہے اور فلاں راجہ کے پاس ایک کتاب ہے، جس میں یہ بات لکھی گئی ہے۔ برزد ادھر بھی گیا۔ اس راجہ نے اسے پڑھنے کی اجازت دی اور نقل کرنے سے منع کر دیا۔ برزد نے وہ کتاب زبانی پڑھی اور حفظ کر لی پھر نوشیروان نے اس کا پہلوی زبان میں ترجمہ کروایا۔ بعد میں عربی میں اور پھر ابن احمد سامانی نے اس کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ مولانا نے یہ قصہ ان اشعار سے شروع کیا ہے۔

گفت دانائے برائے داستان      کہ درختے ہست در ہندوستان  
ایک عقلمند نے داستان کے طور پر کہا ہے کہ ہندوستان میں ایک ایسا درخت موجود ہے۔  
(۳۳۱/۲)

ہر کسے کز میوہ اُو خورد و بُرد      نے شود اُو پیرو نے ہرگز ببرد  
جس کسی نے اس کا میوہ کھا لیا اور پالیا تو وہ نہ بوڑھا ہوا اور نہ کبھی مرا۔  
(۳۳۱/۲)

آخر وہ حکیم ایک جوگی کے پاس گیا اور درخت کا پتا کیا تو وہ سن کر ہنس پڑا اور کہا کہ ارے بھولے! یہ زمین پر



اُگنے والا ہونا نہیں بلکہ معرفت کا درخت ہے اور حیات بخش چیز کو کوئی درخت کہتا ہے تو کوئی آفتاب اور کوئی اسے سمندر کہتا ہے تو کوئی ابرِ رحمت لیکن تم زیادہ تشبیہات اور مثالوں میں نہ جاؤ، بس اتنی بات سمجھ لو کہ بقائے حیات اس کے کم ترین آثار میں سے ہے۔

شیخ خندید و بگفتش اے سلیم  
ایں درختِ علم باشد درِ علیم  
(۳۴۳/۲) شیخ ہذا اور اس سے کہا، اے عقل مند! یہ درختِ علم کا ہے عالم کے اندر۔

پس بلند و بس شگرف و بس بسیط  
آپ حیوانے زدریائے محیط  
(۳۴۳/۲) جو بہت بلند اور بہت عجیب اور بہت پھیلا ہوا ہے، محیطِ سمندر کا آپ حیات ہے۔

گرچہ فردست او اثر دارد ہزار  
آں یکے را نام شاید بے شمار  
(۳۴۳/۲) اگرچہ وہ ایک ہے، ہزاروں نتیجے رکھتا ہے، اس ایک کے لئے بے شمار نام مناسب ہیں۔  
مذکورہ گفتگو تشبیہات کی مثالیں ہیں، جن سے تشبیہات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور اس مطالعہ کے بعد مولانا نے ان تشبیہات کو اپنے کلام میں کیوں استعمال کیا، واضح ہو جاتا ہے۔

آخر میں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ مولانا روٹی نے مثالوں کے طور پر مثنوی میں کچھ ایسے واقعات بیان کئے کہ جسے بعض لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایسے واقعات محض لوگوں کے مذاق کے مطابق لکھے گئے ہیں تاکہ وہ بات فوراً سمجھ میں آجائے۔ افسوس ہے کہ معترض حضرات کے بیٹے اور بیٹیاں اپنی کتابوں اور ٹی وی میں عجیب پرانگندہ باتیں پڑھتے اور دیکھتے ہیں مگر ان پر وہ اعتراض نہیں کرتے اور نہ ہی اجتناب کرتے ہیں۔ مولانا روٹی کی ایسی مثالوں سے بہت سے جھلّا گمراہ ہو جاتے ہیں۔

## اٹھائیسواں باب

### کردار کے معاون اور مہالک

اخلاقِ حمیدہ اور اخلاقِ رذیلہ پر مولانا روٹی نے بہت کلام کیا ہے اور مثنوی میں صدق و صفا، زہد و تقویٰ، ہوس و ہوئی، حسد اور حرص وغیرہ کے متعلق کافی سیر حاصل کلام موجود ہے۔ اس سلسلے میں ہماری تصنیف ”اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال“ جو ان شاء اللہ کچھ عرصے بعد شائع ہو جائے گی، قابلِ مطالعہ ہے۔ یہاں پر مولانا کے چند اشعار پر کفایت کی جائے گی۔

### زہد و تقویٰ فضلِ الہی کا محراب ہے

اسلام کے قوانین کے مطابق دنیاوی نسبتیں آخرت میں کام آنے والی نہیں ہیں اور اگر کوئی نسبت کام آئے گی تو وہ صرف حضور ﷺ کی نسبت ہے۔ ابلیس نے کچھ کام ایسے کیے جس کی وجہ سے اسے معلم الملوک بنا دیا گیا مگر اپنے اس مقام سے اس میں تکبر پیدا ہو گیا اور اپنے متعلق اس کی سوچ غلط ثابت ہوئی۔

ایک قول مشہور ہے کہ ”أَوَّلُ مَنْ قَاسَ ابْنُ لَيْسَ“ جس نے سب سے پہلے قیاس کیا، وہ شیطان ہے (الاولئل للسیوطی ص ۲۰) شیطان نے کہا: میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور آدمؑ مٹی سے اور چونکہ آگ مٹی سے افضل ہے اس لیے میں انسان سے افضل ہوں مگر اللہ نے ارشاد فرمایا ”إِنَّ أَخْرَجَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقِئَكُمْ“ یعنی تم میں اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑھ کر پرہیزگار ہے (الحجرات: ۱۳)۔ یہ فضیلت کوئی دنیوی میراث نہیں، یہ انبیاء کی میراث ہے اور اس کی وارث پرہیزگار لوگوں کی رُو ہیں ۔



گفت حق نے بلکہ لا انساب شد زہد و تقویٰ فضل را محراب شد  
اللہ نے فرمایا (یہ بات) نہیں (بلکہ ہمارے نزدیک) نسب کا اعتبار ہی نہیں، ہمارے فضل کا محراب (صرف) زہد و  
تقویٰ کا مقام ہے۔ (۳۵۱/۱)

مولانا روٹی مثنوی شریف میں بیان فرماتے ہیں کہ اعمال کا مرتکب قیامت کو اپنے اعمال اپنے پاس موجود پائے  
گا۔ حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر شخص  
کے ساتھ اس کا پروردگار کلام کرے گا۔ اس کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان یا پردہ نہ ہوگا جو اس کے  
آگے آڑ ہو، پھر وہ اپنے دائیں طرف نظر کرے گا تو اس کو اپنے عمل ہی نظر آئیں گے جو وہ پہلے کر چکا ہے اور اپنے  
بائیں نظر کرے گا تو ادھر بھی اس کو اپنے عمل ہی نظر آئیں گے جو وہ کر چکا ہے اور اپنے سامنے دیکھے گا تو اس کو  
دوزخ دکھائی دے گی، پس بچو دوزخ سے اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ۔“ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے  
روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ)

مولانا فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی زندگی جن اخلاق و اطوار اور جن حالات و مشاغل میں گزرتی ہے، انہی کی  
مناسب صورت میں وہ اُٹھے گا۔ اسی طرح مولانا شاہ ولی اللہ کا قول ہے کہ عالم مثال میں بعض ایسی مناسبات ہیں  
جن پر احکام بنی ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت جبریلؑ کا خاص حضرت وحیہ کبریٰ کی صورت میں متشکل ہونا کسی خاص معنی  
پر مبنی تھا اور ان مناسبات کو عارف جان لیتا ہے کہ فلاں عمل کی جزا کس صورت میں ہوئی، اس طرح تعبیر خواب کو  
عارف جانتا ہے کہ خواب میں دیکھی ہوئی صورت کے کیا معنی ہیں۔ غرض اس طریقے سے نبی اکرم ﷺ فرماتے  
ہیں کہ ”جو شخص علم کو چھپائے اور تعلیم کی ضرورت کے وقت اس سے جی چرائے، اس کو آگ کی لگام سے عذاب دیا  
جائے گا، جو شخص مال کو نہایت عزیز رکھے اور ہمیشہ اس کی محبت میں مگن رہے اس کے گلے میں گنجا سانپ ہار بنا کر  
ڈالا جائے گا، جو شخص درہم و دینار کی حفاظت جان کے برابر کرے اور خدا کی راہ میں ان کو خرچ نہ کرے تو اس کو  
اپنی چیزوں سے داغ دے دے کر عذاب دیا جائے گا، جو شخص اپنے آپ کو دنیا میں تیز چیز یا زہر وغیرہ سے عذاب  
دے تو قیامت کے دن اسی سے اس کو عذاب دیا جائے گا، جو شخص کسی محتاج کو کپڑا پہنائے تو قیامت میں اس کو  
جنت کی اعلیٰ پوشاک دی جائے گی اور جو کسی غلام کو آزاد کر دے تو قیامت میں اس کا ایک ایک عضو آگ سے آزاد  
کر دیا جائے گا۔“ (حجۃ اللہ البالغہ)

پیشہا و خلقہا ہجوں جہیز سوئے خصم آئند روز رستخیز  
تمام پیشے اور اخلاق سامان سفر کی طرح قیامت کے روز اپنے مالک کی طرف آئیں گے۔ (۱۹۱/۱)  
صورتے کال بر نہادت غالب ست ہم براں تصویر حشرت واجب ست  
دنیا میں جو صورت تمہارے وجود پر غالب ہے، اس صورت میں (قیامت کو) تمہارا حشر ہونا واجب ہے۔ (۱۹۱/۱)

پیشہا و خلتہا از بعد خواب واپس آید ہم بخصم خود شتاب  
سو چکنے کے بعد پیٹے اور خصلتیں فوراً اپنے مالک کے پاس واپس آ جاتی ہیں (چنانچہ سنار، لوہار وغیرہ سویرے اٹھتے  
ہی اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔ (۱۹۱/۱)

پیشہا و اندیشہا در وقت صبح ہم بلا نجا شد کہ بود آں حسن و قبح  
پیٹے اور اندیشے سویرا ہوتے ہی اسی جگہ جاتے ہیں جہاں پہلے وہ خوبی یا بُرائی کے سبب تھے۔ (۱۹۱/۱)

چوں کبوتر ہائے پیک از شہرہا سوئے شہر خویش آرد بہرہا  
جیسے کہ نامہ بر کے کبوتر دوسرے شہروں سے اپنے شہر کی طرف (اپنے اپنے مکتوب الہیم کے لئے) نامہ و پیام کے  
حصے لاتے ہیں۔ (۱۹۱/۱)

ہرچہ بنی سوئے اصل خود رود جزو سوئے گلن خود راجع شود  
جو چیز تم دیکھتے ہو اپنے اصل کی طرف جاتی ہے، جزو اپنے گل کی طرف لوٹتا ہے۔ (۱۹۱/۱)

در پناہ لطف حق باید گریخت

(دُنیا کو چھوڑ کر اللہ کی پناہ میں آنا چاہیے)

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ جو شخص کامیابی کی راہ پر گامزن ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ مخلوق کی دوستی چھوڑ کر  
خالق سے دوستی کرے، جس کی وجہ سے یہ آب و آتش وغیرہ سب اس کے مددگار اور غلام بن سکتے ہیں۔ جس طرح  
حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہو گئی اور جس طرح ہارون، موسیٰ اور نوحؑ کو دریا نے راستہ دیا، لہذا اس  
ہستی کی محبت دل میں بسا لو، جس کی وجہ سے دُنیا کی تمام مخلوق کے دل میں تمہاری محبت ڈال دی جائے گی۔  
مولانا فرماتے ہیں ۔

در پناہ لطف حق باید گریخت کو ہزاراں لطف بر ارواح ریخت

(مخلوق کی دوستی کو چھوڑ کر) خداوند تعالیٰ کی مہربانی کی پناہ میں آ جانا چاہیے جس نے (اپنے بندوں کی جانوں پر)  
ہزاروں مہربانیاں مبذول فرمائی ہیں۔ (۲۰۴/۱)

آنکہ غافل بود از رکشت بہار

(جو بہار میں فصل سے غافل ہوا وہ وقت کی قدر کیا جانے)

مولانا رومؒ وقت کی قدر و قیمت بیان فرماتے ہوئے ایک مثال دیتے ہیں کہ کاشت کار لوگ ہی جانتے ہیں کہ  
بج بونے کے ایام کتنے اہم ہوتے ہیں، جب کہ چند دنوں کی محنت سال بھر کے رزق کے لئے اطمینان و لا دیتی  
ہے، اگر ان دنوں میں غفلت کی جائے تو سال بھر فقر و فاقہ برداشت کرنا پڑتا ہے ”الدُّنْيَا مَزْرَعَةٌ الْآخِرَةُ“ (دُنیا



آخرت کی کھیتی ہے) گویا دنیوی زندگی اعمال کے بیج بونے کا موسم ہے جس کی پیداوار آخرت میں کام آئے گی، لہذا فضول مصروفیات کو ترک کر کے اس قیمتی وقت کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

آنکہ غافل بود از کشت بہار  
اوپچہ داند قیمتِ ایں روزگار  
جو شخص (عین) موسم پر (بیج) بونے سے غافل ہے، وہ اس وقت کی قدر کیا جانے۔  
(۲۰۴/۱)

گر نبودے نوح را از حق یدے

(اگر نوح کو طوفان میں اللہ کی تائید حاصل نہ ہوتی)

حضرت نوح علیہ السلام کی ظاہری حالت ایسی تھی کہ لوگ آپ کے وعظ و نصیحت کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ ان کی بنائی ہوئی کشتی کا تسخیر اڑاتے تھے، لیکن جب ان کی دعا سے طوفان آیا تو بڑے بڑے پہاڑوں کو بہا کر لے گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک آدمی میں لاکھوں شہروں کی طاقت موجود ہوتی ہے۔ بندگانِ خدا کو تائیدِ الہی حاصل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے یہ لوگ مخالفین کی قوت و شان و شوکت سے مرعوب نہیں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور کوئی غیبی طاقت ہے جو ان کی زبان سے اظہارِ حق کرواتی ہے۔

گر نبودے نوح را از حق یدے  
پس جہانے را چساں برہم زدے  
(چنانچہ) اگر حضرت نوح کو تائیدِ الہی کا سہارا نہ ہوتا تو وہ سارے جہان کو (طوفان کے ساتھ) کیونکر تہ و بالا کر سکتے۔  
(۳۲۶/۱)

چوں بمردم از حواسِ بشر

(جو بشری حواس سے فانی ہو جائے تو خدا اس کا مددگار ہوتا ہے)

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ ”اے سرکشو! میں اپنی ہستی کو فنا کر کے محبوبِ حقیقی کے ساتھ جی رہا ہوں، میں اپنی رائے سے کچھ نہیں کہہ رہا۔“ چنانچہ حدیثِ قدسی ہے ”جو بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب چاہتا ہے تو میں اس کی قوتِ سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، حتیٰ کہ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے“ یعنی اس کے ہر کام میں اللہ کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔ چونکہ پیغمبرِ ذاتِ حق میں فنا ہوتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے بایمانِ حق کہتا ہے، نہ کہ بتقاضائے نفس ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“ (یعنی آنحضور ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے مگر جو کچھ وحی کیا جاتا ہے، بیان کرتے ہیں۔ النجم: ۴۳)۔

چوں بمردم از حواسِ بشر  
حق مزا شد سمع و ادراک و بصر  
جب میں حواسِ بشریہ سے فنا ہو گیا تو پس حق تعالیٰ میری سمع و بصر اور ادراک بن گیا۔  
(۳۲۶/۱)

## شیر و صید شیر خود آں شہاست

(سیدھی راہ والے کے لیے شیر بھی ہے اور اس کا شکار بھی)

اس شعر میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ صراطِ مستقیم کو اپنانے اور نفس کی خواہشات کو ترک کرنے سے آدمی کو وہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ ایک درندہ یعنی شیر جس کا کام چیر پھاڑ کرنا ہے وہ بھی غلام بن جاتا ہے اور دنیا اور آخرت کی ہر ظاہری اور باطنی نعمت اس کو مل جاتی ہے، پھر یہ تمام نعمتیں اللہ نے اپنے بندوں ہی کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو تمام نعمتوں سے بے نیاز ہے، لہذا بندے کو چاہیے کہ وہ تمام تر نفسانی خیالات کو ترک کر کے اس خالقِ حقیقی کی غلامی میں آجائے۔

پُوں فقیر آئید اندر راہِ راست      شیر و صید شیر خود آں شہاست  
جب فقیر صراطِ مستقیم پر آکر (خیالاتِ نفسانیہ سے) خالی ہو جاتا ہے (تو اس کو معیتِ حق حاصل ہو جاتی ہے) اس طرح شیر اور شیر کا شکار بھی تمہارا مال ہو جاتا ہے۔  
(۳۲۷/۱)

ہر کہ باشد شیرِ اسرار و امیر

(جو اسرارِ حق جانتا ہے، وہ دل کی بات تاڑ لیتا ہے)

اہلِ حق اپنے صفائے باطن سے دوسرے کے مافی الضمیر کو معلوم کر لیتے ہیں، لہذا ان کے حضور اپنے دل میں شکوک و شبہات لانے سے گریز کرنا چاہیے۔ یہ لوگ میدانِ اسرار کے شیر اور سردار ہوتے ہیں۔ خبردار! ان کے حضور سوء ظن سے بچو اور اگر ان سے فیض نہ حاصل کر سکو تو اپنا نقصان بھی نہ کرو۔

ہر کہ باشد شیرِ اسرار و امیر      او بداند ہر چہ اندیشہ ضمیر  
جو شخص (میدانِ اسرار کا شیر اور سردار ہوتا ہے،) (یعنی مرشدِ کامل) وہ دل کی بات تاڑ لیتا ہے۔  
(۳۱۷/۱)

مولانا رومؒ یہاں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب تو خود بینی کرے گا تو بادشاہ پر تیری گردن مارنا فرض ہو جائے گا۔ اگرچہ بتقاضائے رحم و کرم اکثر مجرموں کی خطائیں بخش دی جاتی ہیں لیکن کبھی مصلحت اس کی بھی متقاضی ہوتی ہے کہ مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ ایک شیر، بھیڑیا اور لومڑی کا واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان تینوں نے مل کر تین جانور شکار کیے تو بھیڑیے نے کہا ہر ایک کے حصہ میں ایک ایک جانور آتا ہے لیکن لومڑی نے کہا، حضور! یہ تینوں تمہارے ہیں مگر بھیڑیے نے گائے شیر کے لئے، بکری اپنے لئے اور خرگوش کو لومڑی کے لئے تقسیم کرنے کی رائے دی۔ شیر نے بھیڑیے کی خود بینی پر اس کو سزا دی اور اس کو پنجہ مار کر ختم کر دیا مگر لومڑی کی خودی پر اس کو تینوں جانور دے دیئے گئے۔ بادشاہی شیر کا حق ہے، اس کو بادشاہِ حق تسلیم کرو، لہذا بڑائی اس خالقِ حقیقی کی ہے، اپنے آپ کو اسی کے سامنے فنا کر دو پھر مقامِ ادلیٰ سے نوازے جاؤ گے۔ شیر نے بھیڑیے کو کہا۔



چوں نکشتی فانی اندر پیش من  
فرض آمد مر ترا گردن زدن  
(۳۱۸/۱) جب تو میرے حضور میں محو (و بے خود) نہ ہوا تو تیری گردن مارنا میرا فرض تھا۔

باھوئی و آرزو کم باش دوست  
(آرزو اور ہوئی کی غلامی نہ کرو)

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ حسد ایک ایسی رذیل چیز ہے جو بہت سے رذائل کا سرچشمہ ہے۔ حسد کا مطلب ہے کسی کی بہتری پر جلنا، جس طرح شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کی قدر و منزلت دیکھ کر ان سے حسد کیا اور کہا کہ مجھے آگ سے پیدا کیا اور انسان کو مٹی سے پیدا کیا (الاعراف-۱۲) ”خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَ خَلَقْتَ مِنْ طِينٍ“ کہہ کر حسد کا اظہار کیا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ حسد خود انسان کے باطن کا مرض ہے۔ جب حسد کا مرض دل پر اثر کرتا ہے تو حواس، فکر اور عقل وغیرہ یعنی تمام دماغی و قلبی خاندان اس میں مبتلا ہو جاتا ہے، یعنی یہ تمام طاقتیں بجائے کوئی اچھا عمل کرنے کے حسد کے ماتحت کام کرنے لگتی ہیں۔ راہ سلوک پر چلنے والے کے لئے بھی یہ دُشوار گزار گھاٹی ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں وہ شخص خوش نصیب ہے جو حسد سے بچا ہوا ہے۔ حسد کے بارے میں حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ”حسد سے بچو! حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔“ اگر حسد سے بچنا چاہو تو کسی کامل مرد کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ، اسی طرح نفسانی خواہشات سے بھی بچو۔ کیونکہ جو ہوئی کا بندہ ہو (اپنی ذاتی خواہش کی پیروی کرتا ہو) تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے یعنی خدا کی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ اس ہوائے نفسانی کو دُنیا کی کوئی طاقت زائل نہیں کر سکتی لیکن مرشدِ کامل کے وسیلے سے اس ہوائے نفسانی کو زائل کیا جاسکتا ہے، پس جس شخص کو حسد و ہوئی سے بچنا ہے وہ کسی شیخِ کامل کا دامن پکڑ لے تو وہ حسد و ہوئی سے بچ جائے گا۔

بچے دیئے گئے شعروں میں مولاناؒ بیان فرماتے ہیں کہ انسان کو نفسانی خواہش کے تابع نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ تمہیں اللہ کی راہ سے گمراہ کرتی ہے اور جس نے نفسانی خواہشات پر قابو پالیا تو وہ شخص کامیاب ہوا۔ ہوائے نفسانی پر قابو پانے کے لئے کسی کامل کے سائے میں پناہ لو (شیطانی وسوسے امن میں رہو گے) مولاناؒ فرماتے ہیں ۷

باھوئی و آرزو کم باش دوست  
چوں یُضِلُّکَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اُوسَت

(غرض) نفسانی خواہش اور قضائے فضول کے تابع نہ ہو، جو کہ تم کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کرتی ہے۔ (۳۰۹/۱) آپ کی مراد اس شعر سے یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے: یعنی اے داؤدؑ ہم نے تم کو دُنیا میں خلیفہ بنایا ہے، پس لوگوں کو راہِ حق کی تبلیغ کرو اور اپنی ذاتی خواہش کی پیروی نہ کرو، ورنہ وہ تم کو راہِ خدا سے گمراہ کر دے گی، بے شک جو لوگ راہِ خدا سے گمراہ ہو جاتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ (ص: ۲۶)

ایں ہوا را نشکند اندر جہاں  
بچ چیزے بچو سایہ ہرماں

آرزو (اور) اس ہوائے نفسانی کو دُنیا میں کوئی چیز رفقائے طریق یعنی مرشدانِ کامل کے بغیر زائل نہیں کر سکتی۔ (۳۰۹/۱)

گفت پیغمبر علیؑ را کائے علیؑ شیرِ هُی پہلوانی پُر دلی  
جنابِ رُوحِ دو عالم، رُوحِ کائنات ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے علیؑ! تم اللہ کے شیر ہو، بہادر  
ہو، دلیر ہو۔ (۳۱۰/۱)

(اہلِ ہند گشتی لڑنے والوں کو پہلوان کہتے ہیں)۔

آفتابِ رُوح نے آں فلک کہ زورِش زندہ اند انس و ملک  
وہ رُوحانی سورج ہے، آسمان سے منسوب (ہونے والا سورج) نہیں، اس کے نور سے انسان اور فرشتے زندہ ہیں۔  
(۳۱۱/۱)

در بشر روپوش گشت است آفتاب فہم کُن وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ  
وہ رُوحانیت کا آفتاب (ایک) بشر کے جسم میں پنہاں ہو رہا ہے، اس نکتے کو سمجھ لو اور اللہ بہتر جانتا ہے۔ (۳۱۱/۱)  
(مراد یہ کہ کسی کامل، اکمل، مکمل و اطہر مرشد سے توسل پیدا کرو)

یاعلیٰؑ از جملہ طاعاتِ راہ بر گزین تو سایہ خاصِ الہ  
اے علیؑ! راہِ (حق) کی تمام طاعتوں میں سے خاصانِ خدا کے سایہ (صحبت میں رہنے) کو ترجیح دو۔ (۳۱۱/۱)  
ہر کے در طاعتے بگریختند خویشتن را مخلصے انگشتند  
ہر شخص ایک (نہ ایک) طاعت میں پناہ لے رہا ہے (اور) اپنے لیے نجات کی صورت نکال رہا ہے۔ (۳۱۱/۱)  
تو برو در سایہ عاقل گریز تا رہی زان دشمن پنہاں ستیز  
تم مگر کامل کے سایہ میں پناہ لو تاکہ اس میں چھپے وار کرنے والے دشمن (یعنی نفس و شیطان) سے امن میں رہو۔  
(۳۱۱/۱)

### تحتُ الشعور میں خوابیدہ شہوات اور سفلی معاملات

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ جب انسان یہ معلوم کر لے کہ ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے تو یہ اس کی ترقی کا پہلا قدم ہے  
اور جہاں کوئی خود کو کامل بزرگ سمجھ لے تو سمجھ لو کہ اس کی ترقی رُک گئی۔ زندگی یا آگے بڑھتی ہے یا پیچھے کی طرف۔  
ابلیس نے کہا: ”اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ“ میں انسان سے بہتر ہوں (سورۃ الاعراف: آیت ۱۲) تو وہ شیطان قرار دیا گیا۔  
مولاناؒ ایک اور مثال دیتے ہیں کہ ندی یا تالاب کا پانی ساکن ہو تو صاف معلوم ہوتا ہے اور اگر کسی جنبش سے  
اس کی تہہ کی مٹی ہل گئی تو یہ مٹی پانی کو گدلا کر دیتی ہے۔ یہی حال انسان کا ہے کہ آزمائش اور نفس کے ارتعاش سے  
اگر یہ خوابیدہ خباثتیں بیدار ہو جائیں تو انسان لوگوں کے لیے تماشہ بن جاتا ہے۔

علتے بدتر ز پندارِ کمال نیست اندرِ جانت اے مغرورِ ضال  
کمال کے گھمنڈ سے زیادہ بدتر بیماری تیری روح میں اور کچھ نہیں ہے، اے گمراہ مغرور!  
(۳۳۴/۱)



علتِ ابلیس ”اَنَا خَيْرٌ“ بدست  
 ویں مرض در نفس ہر مخلوق ہست  
 ابلیس کی بیماری کہ ”میں اچھا ہوں“ بُری تھی، یہ مرض ہر مخلوق کے نفس میں موجود ہے۔ (۳۳۴/۱)  
 گرچہ خود را بس شکستہ بیند او  
 آب صافی داں و سرگیں زیرِ بُو  
 اگرچہ وہ خود کو کتنا ہی متواضع خیال کرے یہ بُرائی تو نہر کے صاف پانی کے نیچے گندگی کی طرح ہے۔ (۳۳۴/۱)  
 چوں بشورانی دُرا در امتحان  
 آب سرگیں رنگِ گرد در زماں  
 جب تو اس کو بطور امتحان ہلائے گا فوراً پانی گوہر کے رنگ کا ہو جائے گا۔ (۳۳۴/۱)  
 نفس کے ان میلانات کا خود اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ نہر خود اپنی صفائی نہیں کر سکتی۔ تلوار خود اپنا دستہ نہیں  
 سکتی، اس روحانی مرض کے لیے کسی مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔

حسد

ریزہ ریزہ صدق ہر روزہ چرا

(ہر روز کا ذرا ذرا سا صدق ہمارے اعمال نامے میں کیوں جمع نہیں ہوتا)

احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان نیکیوں کی گٹھری جمع کرتا ہے اور مرنے کے بعد جب اس کے  
 اعمال نامہ کی گٹھری کھولی جاتی ہے تو اس میں بہت کم اعمال کا وزن موجود ہوتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے  
 کہ کچھ لوگ نیک اعمال تو بہت کرتے ہیں مگر غیبت، چغلی، بد خوئی اور اعمالِ بد کی وجہ سے وہ نیکیاں کاٹ لی جاتی  
ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت کم نیک اعمال اس کے نیکی کے پلڑے میں باقی رہ جاتے ہیں۔ اس حدیث سے  
ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنی نیکیوں کی بقاء کے لیے نیکیوں کو ضائع کرنے والے اعمال سے گریز کرنا چاہیے۔

مولانا رومیؒ کے درج ذیل شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے نفس کے اندر ضرور روحانی چور یعنی شیطان  
 موجود ہے، چنانچہ احادیث میں وارد ہے ”إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ“ (بلوغ المرام) بے شک  
 شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا ہے، یہی چور ہے جو ذخیرہ اعمال کو تباہ کر دیتا ہے، ورنہ حشر کے  
 دن تک اس ذخیرہ میں کچھ تو جمع ہوتا۔ چور خزانہ پر گھات لگایا ہی کرتا ہے لیکن چوکیدار کا کام ہے کہ اس کو دفع کرتا  
 رہے۔ شیطانی خطرات و وساوس سے دل کو بالکل منزہ رکھنا مستحب ہے اور یہ کام ملین کا کام ہے جو محبوبِ حقیقی کے لئے  
 منزلِ دل کو ہر شے سے خالی کر سکتے ہیں، حتیٰ کہ جان سے بھی موذی اعمال کو دُور رکھے ہوئے ہیں۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ آہنِ دل جب عبادتِ الہی سے لالو لال ہو جاتا ہے اور اس سے انوارِ غیب کے شرارے  
 جھڑنے لگتے ہیں، جن سے عرفان و ایقان کی روشنی متصور ہے تو دزدِ شیطان جو انسان کے پہلو میں چھپا ہوتا ہے،  
 چپکے سے ان انوار کو بجھاتا ہے اور اس عبادت گزار کے حالات و واقعات کو منور نہیں ہونے دیتا۔ اللہ اس دزدِ لئیم

سے پناہ دے۔ فرماتے ہیں ۔

ریزہ ریزہ صدق ہر روزہ چرا جمع می ناید دریں انبار ما  
(زیادہ انبار نہ سہی) ریزہ ریزہ صدق و اخلاص کا ہر روز ہمارے اس ذخیرے میں جمع کیوں نہیں ہوتا؟ (۶۹/۱)

کز حسد آلود گرد و خاندان

(حسد میں گھرانے کا گھرانہ مبتلا ہو جاتا ہے)

مولانا فرماتے ہیں کہ حسد انسان کے باطن کا مرض ہے، حسد سے بچو۔ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے، جیسے آگ ایندھن کو۔ حسد کے تباہ کن نقصانات سے بچنے کے لئے کسی مرشدِ کامل کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ تاکہ حسد جیسے موذی مرض سے چھٹکارا حاصل کر سکو۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں خاص طور پر اللہ والوں یعنی بزرگوں سے حسد کرنے سے گریز کرو کیونکہ یہ عمل شیطان کا ہے، اس نے ہی سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے مرتبے کی وجہ سے حسد کیا۔ اگر تم بزرگوں سے حسد کرو گے تو اس سے ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا لیکن اس حسد کی وجہ سے تمہارا اپنا دل ہی تاریک ہوگا، لہذا اولیائے کرامؒ کے قدموں کی خاک بن جاؤ اور حسد پر مٹی ڈال دو۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

ایں جسد خانہ حسد آمد بدال کز حسد آلودہ گردد خاندان  
یہ جسم حسد کا گھر ہے، یہ بھی یاد رہے کہ حسد میں گھرانے کا گھرانہ مبتلا ہو جاتا ہے۔ (۷۴/۱)

چوں کنی با بے حسد مکر و حسد زان حسد دل را سیاہیہا رسد  
جب تو (کسی) بے حسد (بزرگ) کے ساتھ مکر و حسد کرے گا (تو اس کا کچھ نہیں بگڑے گا)، اس حسد سے تیرے ہی دل پر تاریکیاں چھا جائیں گی۔ (۷۴/۱)

حشر پُر حرص سگ مردار خوار

(حریص اور مردار خور گتے کا حشر قیامت کو سورا جیسا ہوگا)

مولانا فرماتے ہیں جس طرح دوسرے مجرموں کا حشر ان کے اعمالِ بد کے مناسب ہوگا، اسی طرح حرام کاری کرنے والوں کی شرمگاہیں اس قدر بدبو دار ہوں گی کہ اہل محشر تنگ آجائیں گے اور شراب پینے والوں کے منہ سے بھی سخت بدبو آئے گی، اسی طرح حرص کرنے والے آدمی کا حشر قیامت کے دن سور کی شکل میں ہوگا۔ اخلاقی بد اور عاداتِ قبیحہ دنیا میں محض کیفیاتِ نفسانیہ ہیں جو محسوس بخواسِ ظاہر نہیں ہو سکتیں مگر قیامت میں وہ خاص خاص شکلوں میں نمودار ہو کر اپنے مرتکبین کے لیے باعثِ عذاب ہوں گی، جو خصلت تمہارے وجود میں تمام خصائل پر غالب ہے اسی کے مطابق حشر میں تمہاری صورت کا ہونا واجب ہے، مثلاً سود خور کی شکل سور جیسی ہوگی۔ حدیث شریف میں آیا ہے ”يُسَعَّتُ النَّاسُ عَلَى بَيَاتِهِمْ“ یعنی قیامت میں لوگ اپنی اپنی نیت کے موافق اٹھائے جائیں گے



اور دوسری حدیث شریف میں ہے ”يُنْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلَى مَمَاتٍ عَلَيْهِ“ یعنی ہر بندہ قیامت کو ان اعمال کی شکل میں اٹھایا جائے گا، جن میں اس نے وفات پائی تھی ۔

حشر پُر حرص سب مُردار خوار صورتِ خُو کے بود روزِ شمار  
(جس طرح ایک) حریص مُردار کھانے والے کتے کا حشر قیامت کے دن سور کی شکل میں ہوگا۔ (۱۴۲/۲)

آں حسد از عشق خیزد نہ از جُود

(یہ سجدہ نہ کرنے کا حسد بھی عشق سے پیدا ہوا نہ کہ انکار سے)

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ شیطان نے جب سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ شیطان کو بزعم خویش خداوند تعالیٰ سے عشق تھا، اس لیے اس نے گوارا نہ کیا کہ آدمؑ کو خدا کی بارگاہ میں اس سے زیادہ تقرب حاصل ہو۔ اب اس کو خواہ حسد کہو یا رقابت، بہر کیف عاشقوں کے نزدیک ہم چشتی سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں بلکہ غیرتِ عشق تو قتل ہونے میں بھی کسی کی شرکت گوارا نہیں کر سکتی اور اس قسم کا حسد تو یقیناً انتہا کی محبت سے پیدا ہوتا ہے، جہاں کوئی غیر شخص دوست کے ساتھ ہم نشین ہو۔ شیطان کا خیال کہ اسے خدا سے محبت یا عشق تھا تو یہ ایک غلط بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ عاشق کا کام سر تسلیم خم کرنا ہے نہ کہ محبوب کے ساتھ گستاخی کا مرتکب ہونا۔ روایات میں ہے کہ حضرت جنیدؒ کو ابلیس سے ملنے کی خواہش تھی تو ایک دن جب ابلیس ان کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اے لعین! تمہیں خدا کے حکم سے رُوگردانی کی جرأت کیسے ہوئی۔ ابلیس نے کہا کہ جنید! کیا تم سمجھتے ہو کہ میں خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرتا؟ اس کے اس جواب سے آپ کو حیرت ہوئی کہ بات تو یہ ٹھیک کہتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسی وقت اللہ نے میرے دل میں یہ بات القا فرمائی کہ اسے کہہ دو کہ اگر تم نے خدا کو خدا سمجھ لیا تھا تو اس کے حکم سے انکار کیوں کیا؟ جونہی میرے دل میں یہ القا ہوا تو ابلیس دم دبا کر بھاگ گیا اور کہنے لگا اے جنید! تم نے تو مجھ کو جلا دیا ہے ۔

ترک سجدہ از حسد گیرم کہ بود آں حسد از عشق خیزد نہ از جُود  
میں مانتا ہوں کہ (میں نے) آدمؑ کے آگے سجدہ نہیں کیا تھا، یہ حسد عشق کی وجہ سے تھا نہ کہ انکار سے۔ (۲۵۱/۲)  
اس کے بعد مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ جو سورج کا حاسد ہو وہ سورج کے وجود سے ہی اندھا ہو جاتا ہے۔ آفتاب کا وجود ایسا ہے کہ جو چیز تاریکی شب میں دکھائی نہیں دیتی وہ نظر آنے لگتی ہے لیکن جس شخص کو آفتاب نہیں بھاتا، اس شخص کے لئے اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔ وہ اس سے روشنی حاصل کرنے کی بجائے اُلٹا اندھا ہو جاتا ہے، جس طرح کوئی شخص کسی باکمال بزرگ سے حسد کرتا ہے تو اس سے فیض حاصل کرنے کی بجائے اُلٹا نقصان اُٹھاتا ہے۔ حاسد کو حسد عموماً دوسرے کی خوشحالی اور فارغ البالی سے ہوتا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ خوشحالی کے ساتھ

منکسر المزاج بھی ہے تو وہ جل اٹھتا ہے۔ اسی طرح نہ لوگوں کے لئے اللہ کی نعمتوں کا خاتمہ ہوگا اور نہ ہی وہ زندگی بھر حسد سے نجات پائے گا۔ حسد ایک ایسی بلائے بد ہے کہ جو انسان اس آفت میں ملوث ہو وہ تمام برکات سے محروم رہتا ہے، اگرچہ وہ خود تمہارا مرشد ہی کیوں نہ ہو۔ اس حسد کا نجس ترین دھبہ اس کے تقدس و بزرگی میں بھی چھپ نہیں سکتا۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

آنکہ او باشد حسد آفتاب کور می گردد ز بود آفتاب

جو کہ سورج کا حاسد ہوتا ہے وہ سورج کے وجود سے اندھا ہو جاتا ہے۔ (۱۱۶/۲)

ایں حسد در فعل از گرگاں گذشت

(یہ حسد اپنے فعل میں بھیڑیوں سے بڑھا ہوا ہے)

درج ذیل شعر میں بھیڑیے سے مراد باطنی حسد ہے جو اصلی بھیڑیوں سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ یوسفؑ کے بھائیوں نے یہ بہانہ کیا کہ ان کے بھائی کو بھیڑیے نے کھا لیا، درحقیقت وہ کنوئیں میں ڈالے گئے تھے اور یہ فعل باطنی حسد کو ظاہر کرتا ہے۔ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا اور یہ کام کوئی بھیڑیا نہ کر سکتا تھا۔ روز قیامت حاسدوں کی شکل بھیڑیوں کی صورت میں ہوگی۔

گرگ ظاہر گردد یوسفؑ خود نکشت

ایں حسد در فعل از گرگاں گذشت

سچ بچ کا بھیڑیا تو یوسفؑ کے پاس بھی نہیں پھنکا (جو کچھ ہوا وہ حسد کے باطنی بھیڑیے کا فعل تھا) حسد (باطنی بھیڑیا) اپنے فعل میں سچ بچ کے بھیڑیوں سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ (۱۴۲/۲)



## حصہ پنجم

انیسواں باب

## مثنوی اور قرآن

(مثنوی میں اشارات قرآن)

مثنوی مولانا رومؒ ایک ایسی کتاب ہے، جس میں مولاناؒ نے تمام روحانی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور اس کو روحانی کتب پر سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ بعض مشائخ مثنوی کو روحانیت پر سب سے بڑی تحریر خیال کرتے ہیں۔ مولانا جامیؒ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ مولانا رومیؒ کی مثنوی فارسی زبان میں قرآن کی ترجمانی کرتی ہے۔

مثنوی معنوی مولوی ہست قرآن در زبان پہلوی

(مولانا رومیؒ کی مثنوی معنوی حقیقتاً فارسی زبان میں قرآن ہے)

مولانا رومیؒ نے قرآن کی بہت سی آیات کی کچھ روایتوں کی مدد سے تفسیر کرنے کے بعد ان آیات کی وضاحت میں مطابقت پیش کی ہے، جس سے آیات قرآنی آسانی سے عوام کے ذہنوں پر اُجاگر ہو جاتی ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے مجنوں کے متعلق ایک حکایت یوں بیان کی ہے کہ کسی نے مجنوں کو صحرا میں انتہائی استغراق کی حالت میں اس طرح دیکھا کہ وہ زمین پر کچھ حروف لکھ رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجنوں کسی کو خط لکھ رہا ہے۔ جب مجنوں سے اُس کے متعلق استفسار کیا گیا تو اس نے یہ جواب دیا کہ وہ خط نہیں لکھ رہا تھا بلکہ لیلیٰ کے نام کو بار بار زمین پر لکھنے سے اپنے دل کو تسلی دے رہا تھا۔

خاطرِ دل را تسلی میدہم

گفت مشق نام لیلیٰ میکنم

مجنوں نے کہا کہ میں لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اس طرح میرے دل کو تسلی ہوتی ہے۔

اس مثال سے آپ نے قرآن کی آیت ”اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ“ (یعنی یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) (الرعد: ۲۸) کی دلچسپ تشریح کی ہے اور بتایا ہے کہ جن کو اللہ سے محبت ہو ان کے دل اس کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح آپ جو بھی مثال بیان کرتے ہیں اس میں قرآن اور حدیث کا حوالہ ملتا ہے۔ قرآن کے مضامین کی وضاحت آپ نے مختلف مقامات پر کی ہے، جن میں سے چند ایک بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں۔

## قرآن کے معانی کا سمجھنا محض قرأت سے افضل ہے

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ الفاظ قرآن کا یاد کرنا بھی عبادت ہے مگر اس کے معانی پر غور کرنا اور ان کو سمجھنا زیادہ افضل ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن مجید کے اسرار و حکم سمجھنے اور ان پر غور کرنے میں اس قدر منہمک رہتے تھے کہ قرآن مجید کے الفاظ حفظ کرنے کی ان کو فرصت نہ تھی، حالانکہ الفاظ قرآن کا یاد کرنا بھی عبادت ہے مگر چونکہ معنی پر غور کرنا الفاظ کے یاد کرنے سے افضل ہے اس لیے وہ افضلیت کی طرف زیادہ متوجہ رہتے تھے، پس افضل کے مقابلے میں غیر افضل کو چھوڑ دیا جاتا ہے، خواہ وہ فی نفسہ امر حسن ہی کیوں نہ ہو۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ پھر امر حسن کے مقابلے میں امر فحیح کو کیوں نہیں چھوڑنا چاہیے جو بے ہودہ کام اور فضول خیالات ہیں، غرض جس صحابی کو قرآن مجید کا چوتھا حصہ بھی حفظ ہو جاتا وہ اپنے حق میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ کلمات سنتا کہ یہ تو ہم سے بہت بڑھ گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ خدا نخواستہ صحابہ کی قوت حافظہ ضعیف تھی بلکہ جیسے کہ صاحب شریعت الاسلام نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دس آیات پڑھتے تھے اور جب تک ان کے پورے پورے اسرار و نکات اور احکام و مسائل نہ سیکھ لیتے، آگے نہ بڑھتے تھے۔ ابن عطاء کہتے ہیں کہ میں پہلے دن رات میں دو مرتبہ قرآن ختم کر لیتا تھا لیکن اب یہ حال ہے کہ چودہ سال سے میں نے قرآن کا پڑھنا شروع کر رکھا ہے اور بمشکل سورۃ الانفال تک پہنچا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے کہ پہلے میں غفلت میں اور غرور سے پڑھتا تھا اور اب بصیرت و انتباہ سے پڑھتا ہوں (منہج)۔ آگے ارشاد ہے کہ اصحاب رسول ﷺ کا اتنا قرآن حفظ کر لینا بھی بڑی بات تھی۔ قرآن عالی شان بادشاہ کے سوا اور کسی کے لئے ممکن نہیں اور یہ صحابہ ہی کی شان ہے اس لیے کہ محبت حق کی ایسی مستی میں حفظ قرآن کے ادب کی رعایت رکھنا ممکن نہیں ہوتا اور اگر ہو تو موجب تعجب ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح قرآن کے آثار و معانی میں کامل انہماک کے ساتھ حفظ الفاظ کا اہتمام مشکل امر تھا مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جلالت شان کے آگے وہ آسان ہو گیا۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ لوگ سارا قرآن حفظ کرنے کو تو کر لیتے ہیں مگر ان کا حفظ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حفظ قرآن سے کیا مناسبت رکھتا ہے؟ فرماتے ہیں جس طرح لاشیٰ اندھوں کو محبوب ہوتی ہے، اسی طرح دل کے



اندھے الفاظ یاد کرنے کے دلدادہ ہوتے ہیں، یعنی اندھا قرآن کے الفاظ اپنے اندر بھر لینے کے لئے قرآن کا صندوق بن جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اندھوں کے لئے لاشی سہارا ہوتی ہے تو دل کے اندھوں کے لئے قرآن کے الفاظ سہارا ہیں، انہی کی بدولت وہ کماتے کھاتے ہیں، نماز میں بھی اس کے سہارے کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر الفاظ میں غلطی ہو جائے تو نماز ٹوٹ جائے، بخلاف اس کے جو لوگ اس کے معانی میں مست ہیں، وہ نہ دنیا کمانے کی پرواہ رکھتے ہیں اور نہ ان کی نماز باطل ہوتی ہے کیونکہ مست و مجنون مکلف ہی نہیں ہوتے اور جس طرح صندوق میں سیم و زر اور مال و متاع محفوظ رکھا جاتا ہے اسی طرح ان دل کے اندھوں کا سینہ قرآن کے الفاظ کا صندوق ہے، جس سے وہ مال و زر کما کر کھاتے ہیں۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ خالی الفاظ کو رٹنے والے حافظ قرآن بہر حال ان لوگوں سے بہتر ہیں جو حفظ قرآن سے محروم ہیں۔ اسی طرح مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ ایسا صندوق جو خالی ہے وہ اس صندوق سے بہتر ہے جو چوہوں اور سانپوں سے بھرا ہوا ہے۔ مذکورہ بالا گفتگو سے مولانا نے یہ واضح فرمایا کہ قرآن مجید کو خالی الفاظ سے ہی نہ یاد کرو بلکہ اس کے معانی و اسرار کو بھی سمجھو اور پھر یہ فرمایا کہ قرآن مجید کے الفاظ کو یاد کرنا بھی عبادت ہے مگر معانی کو سمجھنا اس سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس کو کچھ بھی نہ یاد ہو اس سے الفاظ یاد کرنے والا افضل ہے اور جس کا سینہ خالی ہے وہ اس شخص سے بہتر ہے جس کا سینہ شرور و مفاسد سے بھرا ہوا ہے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں ۔

در صحابہ کم بدے حافظ کے  
گرچہ شوقے بود جاں شاں را بے  
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حافظ قرآن کم ہوتے تھے، اگرچہ ان کی جان کو اس کا شوق بہت تھا۔ (۱۳۹/۳)  
ربیع قرآن ہر کرا محفوظ بود  
جَلَّ فِیْنَا از صحابہ میشود  
جس صحابی کو قرآن مجید کا چوتھا حصہ بھی حفظ ہو جاتا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ سنتا کہ یہ تو ہم میں بڑھ گیا۔ (۱۴۰/۳)

جمع صورت با چین معنی ژرف  
نیست ممکن جو زسلطانے شگرف  
(قرآن کے) ایسے گہرے معنی کے ساتھ الفاظ کا جمع ہونا ایک عالی شان بادشاہ کے سوا اور کسی کے لئے ممکن نہیں۔ (۱۴۰/۳)

در چین مستی مراعاتِ ادب  
خود نباشد وَر بود باشد عجب  
محبت حق کی ایسی مستی میں (حفظ قرآن کے) ادب کی رعایت رکھنا ہونہیں سکتا اور اگر ہو تو (موجب) تعجب ہے۔ (۱۴۰/۳)

جمع ضدین از نیاز افقاد و ناز  
باز در وقت تحیر امتیاز  
(اور جیسے) نیاز و ناز (کے اکٹھا ہونے) سے جمع ضدین واقع ہوتا ہے اور پھر (جیسے) حیرت کی حالت میں تمیز (کا

باقی رہنا جمع ضدین ہے۔) (۱۴۰/۳)

چوں عصا معشوقِ غمیاں میثود کور خود صندوقِ قرآن میثود  
جس طرح لالھی اندھوں کو محبوب ہوتی ہے (اسی طرح دل کے اندھے الفاظ یاد کرنے کے دل دادہ ہوتے ہیں)  
اندھا (قرآن کے الفاظ اپنے اندر بھر لینے کے لئے) قرآن کا صندوق بن جاتا ہے۔ (۱۴۰/۳)

عجائباتِ قرآن پر بہت سے اور مضامین بھی ہیں جو ہم اپنی دیگر کتب میں بیان کر چکے ہیں۔  
گفت کوراں خود ضادیق اند پُر از حروف و مصحف و ذکر و نذر  
(کسی بزرگ نے ٹھیک) کہا ہے کہ (دل کے) اندھے کیا ہیں؟ حدیث، قرآن، ذکرِ حق اور خوف (دلانے والی نصیحتوں) سے بھرے ہوئے صندوق ہیں۔ (۱۴۱/۳)

باز صندوق پُر از قرآن بہ است زانکہ صندوقتے بود خالی بدست  
پھر ایک صندوقِ قرآن سے بھرا ہوا، اس صندوق سے بہتر ہے جو ہاتھ میں خالی ہو۔ (۱۴۱/۳)

باز صندوقتے کہ خالی شد زبار بہ ز صندوقتے کہ پُر موش ست و مار  
پھر وہ صندوق جو اسباب سے خالی ہے، ایسے صندوق سے بہتر ہے جو صندوق چوہوں اور سانپوں سے پُر ہے۔ (۱۴۱/۳)

برہوی تاویلِ قرآن میکنی

(قرآن کی تاویل اپنی خواہش کے مطابق کرتے ہو؟)

مولانا روئے نے مثنوی شریف میں قرآن مجید کی تفسیر ہارائے کرنے کا مسئلہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے معنی میں اپنی رائے و عقل کو دخل کا موقع دینا ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے ”مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ فَقَدْ كَفَرَ“ یعنی جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی، وہ کافر ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”اتَّقُوا الْحَدِيثَ عَنِّي إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَّبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَمَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ“ یعنی میرے نام سے (ہر ایسی ویسی) حدیث روایت کرنے سے بچو، مگر وہ جو تم جانتے ہو (کہ صحیح ہے)، پس جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ لگائے تو اس کو چاہیے کہ وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا سمجھے اور جو شخص قرآن مجید کے معانی میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو اس کو بھی چاہیے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا سمجھے (ترمذی)، لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے کہ کوئی کتاب و سنت کا عالم، قواعدِ کلام کا ماہر، اسلوبِ عربیت کا واقف، مصالحِ شرح و اصولِ دین کو سمجھنے والا نیک نیتی سے بلا کسی غرضِ نفسانی کے کوئی معنی بطور احتمال کے بیان کرے تو اس کی مشروعیت پر تمام اُمت متفق ہے۔



حضرت حارث الاعور رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں سے گزرا تو دیکھا کہ لوگ احادیث میں بحث و تکرار کر رہے ہیں۔ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو ان کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے فرمایا: کیا وہ ایسا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ یاد رکھو عنقریب فتنہ برپا ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس سے نجات دلانے والی کیا چیز ہے؟ فرمایا: قرآن مجید، اس میں تم سے پہلے گزرنے والی امتوں کے حالات ہیں اور تم سے پیچھے آنے والے واقعات کی خبر ہے اور تمہاری موجودہ ضروریات کے احکام ہیں۔ وہ کتابی فیصلہ ہے، ہزل (مذاق) نہیں، جو کسی ظالم کے ڈر سے اسے چھوڑے گا اللہ اس کو توڑ ڈالے گا اور جو شخص اس کے سوا کسی اور کتاب سے ہدایت طلب کرے گا اللہ اس کو گمراہ کرے گا اور وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ وہ حکمت والا ذکر ہے، وہ سیدھا راستہ ہے۔ یہ وہ ہے جس سے خواہشات میں کجی نہیں آسکتی اور نہ اس سے زبانیں تھک سکتی ہیں اور نہ علماء اس سے سیر ہو سکتے ہیں اور نہ وہ بار بار دہرانے سے پرانا ہوتا ہے اور نہ اس کے عجائبات ختم ہوتے ہیں۔ یہ وہ ہے کہ جب اس کو جنات نے سنا تو وہ یہ بات کہنے سے باز نہ رہ سکے کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو راست روی کی طرف ہدایت کرتا ہے، پس ہم اس پر ایمان لائے، جو اس کا قائل ہوا وہ سچا ہے، جس نے اس پر عمل کیا اس نے اجر پایا اور جس نے اس کے ساتھ حکم دیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف دعوت دی اس نے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت پائی۔ (ترمذی)

سوال :- مولاناؒ کے قول میں مطلق تاویل کی تردید پائی جاتی ہے، حالانکہ علماء متاخرین نے قرآن مجید کی بہت سی آیات میں تاویل کی ہے، خصوصاً ان آیاتِ صفات کی جن میں ایسے کلمات آگئے ہیں جو جسمانیات کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ مثلاً ”الَّذِينَ هُمْ عَلَى الْعَرْشِ مُتَّوْنُونَ“ (طہ)۔ وہ رحمن ہے جو عرش کے اوپر قائم ہے۔ يَذُ اللّٰهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (فتح) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔ ”اَيُّسْمًا تَوَلَّوْا فَنَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ“ (البقرہ) تم جدھر منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔ ”يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ“ (صورہ قلم) جس روز کھولی جائے پنڈلی وغیرہ وغیرہ، چونکہ اللہ جسم اور جسمانیات سے منزہ ہے اس لیے علماء نے ان آیات میں استوئی، ید، وجہ اور ساق کے کلمات کی تاویل کی ہے۔ کیا مولاناؒ کے قول میں ایسی تاویل کی بھی تردید ہے؟

جواب :- یہ تاویلات علمائے حقانین نے اصول شرعیہ اور قواعد عربیہ کو ملحوظ رکھ کر استحالة نقلی و عقلی کے دفع کرنے اور تعارض کے رفع کرنے کے لئے کی ہیں، جو محض ایک شرعی و دینی مقصد ہے اور ان کا یہ کام غرضِ نفسانی سے پاک ہے اور اہل حق نے خلفاء عن سلف اس کو اختیار کیا ہے، لہذا اس قسم کی تاویلات کا رد مولاناؒ کا مقصود نہیں بلکہ یہاں اس تاویلِ باطل کا رد کرنا مدنظر ہے، جو اہل ہوا اور مبتدعین کا شیوہ ہے اور جس کو وہ کسی دینی مصلحت سے نہیں بلکہ محض نفسانی و شیطانی اغراض کے لئے اختیار کرتے ہیں اور وہ ان کو کسی شرعی اصول کے تحت نہیں لاتے بلکہ محض اپنے عقلی قیاس سے کام لیتے ہیں، جیسا کہ بعض گمراہ فرقے معجزاتِ انبیاء اور رفعِ عیسیٰ کی تاویل کرتے ہیں

اور اکثر فلاسفہ حشر و نشر، صراط و میزان اور بہشت و دوزخ کی مختلف تاویلات کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جنت اور دوزخ محض اچھے اور بُرے احوال سے عبارت ہے، اس میں حقیقت نہیں۔ معاذ اللہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

کردہ تاویل حرفِ بکر را خویش را تاویل کن نے ذکر را  
تم نے (قرآن مجید کے) محفوظ حرف کی تاویل کی ہے، اگر کرتے ہو تو خود اپنے آپ کا تغیر و تبدل کرو، نہ کہ قرآن کی تاویل۔ (۱۳۵/۱)

قرآن مجید کو بکر اس لیے کہا کہ بکر، محفوظ دستِ ناریسیدہ کو کہتے ہیں اور قرآن پر بھی باطل کی دسترس نہیں۔ اللہ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ (الحجر: ۹) ”خویش را تاویل کن“ کے یہ معنی ہیں کہ تم جہل و نادانی میں مبتلا ہو، اپنے دل کے قفل ہوا کو توڑ کر علوم و معارف حاصل کرو تاکہ تمہاری حالت جہل بدل جائے۔ مولانا رومؒ نے تاویل قرآن کے بارے میں فرمایا ہے کہ ۔

فکرِ تو تاویل کردہ ذکر را ذکرِ را مان و بگرداں فکر را  
تمہاری قوتِ فکر نے قرآنی آیت کی تاویل کی ہے، قرآن کو (اس کی حالت پر) رہنے دو اور اپنی قوتِ فکر کو بدلو۔ (۱۳۵/۱)

بر ہوا تاویلِ قرآنِ مکیٰ پست و کثر شد از تو معنیٰ سنی  
تم محض اپنی ہوائے نفسانی کے مطابق قرآن مجید کی تاویل کرتے ہو (اور) تمہاری (غلط تاویل کی) وجہ سے (قرآن مجید کے ظاہر اور) روشن معنی پست اور کج ہو جاتے ہیں۔ (۱۳۵/۱)

علامہ اقبالؒ نے بھی قرآن کی تاویل کرنے والوں کی تادیب کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں ۔  
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق  
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق  
مسلمانوں کی جرأت و بے باکی کے متعلق علامہؒ فرماتے ہیں ۔

قرآن کو بازیچہ تاویل بنا کر چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد  
ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشا اسلام ہے مجبوس، مسلمان ہے آزاد  
علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ کچھ کم ظرف انسانوں نے قرآن کی تاویلات کرنا شروع کر دی ہیں، اس لیے ہمارے لیے دین پر چلنا مشکل ہو گیا ہے۔ بعض کم علم لوگ ایسی تاویلیں کرنے والوں کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں ۔



تنگ برما را ہگذار دیں شد است ہر لیمے رازدار دیں شد است

ہم پر دین کی راہ دُشوار ہوگئی، ہر کمینہ انسان دین کا رازدار بن بیٹھا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے قرآن کے متعلق بہت سے اشعار لکھے ہیں، جن کا پیش کرنا اس تحریر میں ممکن نہیں۔ البتہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے ایک کتاب ”اقبال اور قرآن“ کے نام سے لکھی ہے اور اس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال کے بیشتر اشعار قرآن اور حدیث کی تشریح کرتے ہیں۔

### اہل بصیرت قرآن کے نور کو سمجھ لیتے ہیں

نورِ گوہر نورِ چشمے ما شدے ہم سوال و ہم جواب ما بدے

اگر ہم کو بصیرت حاصل ہوتی تو مضامین قرآن کے گوہر کا نور ہماری چشم (حق) کا نور بن جاتا (پھر) جو سوال ہمارے دل سے پیدا ہوتا اس کا جواب بھی ہمارے اپنے دل سے ہی مل جاتا۔ (۹۰/۲)

مطلب:- اپنے نورِ بصیرت کی بدولت قرآنی ہدایات سے اس قدر ایقان و اذعان حاصل ہو جاتا ہے کہ پھر دل میں کوئی شبہ ہی پیدا نہیں ہوتا، اگر پیدا ہوتا ہے تو اپنے آپ دفع ہو جاتا ہے، پس جب لوگ قرآن مجید کے باوجود حق و باطل میں تمیز کرنے کی توفیق نہیں رکھتے تو صاف ظاہر ہے کہ یہ انہی کی بصیرت کا نقص ہے۔ قرآن مجید میں حق و باطل میں تمیز کر دینے میں کوئی کمی نہیں۔ مولاناؒ نے دیگر اشعار میں اس بات پر زور دیا ہے کہ چونکہ قرآن کو فرقان بھی کہا جاتا ہے، اس لئے یہ ہر اچھی اور بُری بات میں فرق کو واضح کر دیتا ہے۔ (دیکھئے ۹۰/۲)

### قرآن کریم کی تحقیر کرنے کا انجام

قرآن مجید کو افسانہ کہنے والے خود عذاب الہی سے تباہ و برباد ہو کر افسانہ بن گئے بلکہ قرآن مجید کے علاوہ تمام شعائر اللہ کی بے ادبی کرنے والوں کا یہ تعیل یا بہ تاخیر یہی حشر ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اسی طرح مشہور واقعہ قرآن مجید کی سورۃ الفیل میں ہے، جس میں کعبہ کی بے ادبی کرنے والے کے انجام کو بیان کیا گیا ہے۔ ابراہیم بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے کعبہ شریف کو گرانے کی جرأت کی تو نیست و نابود ہو گئے، الغرض قرآن کو غلط سمجھنا اور طعن دینا بہت بُرا عمل ہے، جس کی وجہ سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ مولانا رومیؒ مثنوی میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اے سگِ طاعن تو عمو عمو مکنی طعنِ قرآن را بروں شو مکنی

اے طعنہ زنی کرنے والے کتے! تو فضول بھونک رہا ہے، کیا طعنِ قرآن کے (الزام) سے رستگاری پانے کی توقع کرتا ہے۔ (۴۰۸/۳)

ایں نہ آں شیرست کز وہ جاں بری یا ز پنجہ قہر او ایمان بری

یہ وہ شیر نہیں جس سے تو جان سلامت لے جائے یا اس کے پنجہ قہر سے اپنا ایمان بچا کر لے جائے۔ (۴۰۸/۳)

تا قیامت میزند قرآنِ بَدا اے گروہِ جہل را گشتہ فدا  
قیامت تک کے لئے قرآن یہ ندا کر رہا ہے کہ اے نادانی پر فدا ہونے والے گروہ۔ (۴۰۸/۳)

مر مرا افسانہ سے پنداشتید تخمِ طعن و کافری سے کاشتید  
تم لوگوں نے مجھے افسانہ اور داستان کا مجموعہ سمجھا ہے، تم طعن اور کفر کا بیج بوتے رہے ہو۔ (۴۰۸/۳)

خود بدیدید ائے خسیانِ زمن کہ شما بودید افسانہ زمن  
اے زمانہ بھر کے کینے لوگو! تم نے دیکھ لیا کہ میری بے ادبی کرنے کی وجہ سے تم ہلاک ہو کر خود عبرتناک افسانہ بن گئے۔ (۴۰۸/۳)

خود بدیدید آنکہ طعنہ می زدید کہ شما فانی و افسانہ بدید  
حتیٰ کہ اے طعنہ مارنے والو! تم نے دیکھ لیا کہ تم خود فانی اور افسانہ ہو گئے۔ (۴۰۸/۳)

من کلامِ هَمِّ و قائم بذات قوتِ جانِ جان و یاقوتِ زکات  
میں حق تعالیٰ کا کلام ہوں اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوں، روح کے لئے بمنزلہ غذا ہوں اور مصفٰی اور پاکیزہ یاقوت ہوں۔ (۴۰۸/۳)

نور خورشیدم فتادہ بر شما لیک از خورشید ناگشتہ جدا  
میں آفتابِ حق کا نور ہوں جو تم پر برس رہا ہے لیکن آفتاب سے جدا نہیں ہوا۔ (۴۰۸/۳)

نک منم یَبْرُحِ آلِ آبِ حیات تا رہانم عاشقاں را زیں مِمات  
دیکھو! آبِ حیات کا سرچشمہ ہوں میں تاکہ عاشقوں کو موت سے بچاؤں۔ (۴۰۸/۳)

## جہاد کی فضیلت

جہاد کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، قرآن پاک میں بھی کئی مقامات پر جہاد پر زور دیا گیا ہے۔ سورۃ الحج آیت نمبر ۷۸ میں فرمایا گیا ہے ”وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ط“ یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔ لفظ جہاد کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں۔ الْجِهَادُ وَالْمُجَاهَدَةُ اسْتِفْرَاحُ الْوُسْعِ فِي مُدَافَعَةِ الْعَدُوِّ۔ دشمن کا مقابلہ کرنے میں اپنی ہر امکانی قوت صرف کر دینے کو جہاد اور مجاہدہ کہتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں جہاد کی تین قسمیں ہیں:

- ۱۔ مُجَاهَدَةُ الْعَدُوِّ الظَّاهِرِ ظاہری دشمن سے جہاد
  - ۲۔ وَمُجَاهَدَةُ الشَّيْطَانِ اور شیطان سے جہاد
  - ۳۔ وَمُجَاهَدَةُ النَّفْسِ اور اپنے نفس کے خلاف جہاد
- مذکورہ آیت میں ان تینوں قسم کے جہاد شامل ہیں۔



ارشاد نبوی ﷺ ہے، ”جَاهِدُوا اَهْوَانَكُمْ كَمَا تَجَاهِدُوا اَعْدَانَكُمْ“ (یعنی جس طرح تم اپنے ظاہری دشمنوں سے جہاد کرتے ہو، اسی طرح تم اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کرو)۔ ایک اور روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک جہاد سے واپس آئے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آ گئے ہیں یعنی آپ ﷺ نے جہاد یا نفس کو جہاد اکبر کا نام دیا ہے۔ مولانا نے فرمایا ہے ۔

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں      ماند خصمے زان تر در اندروں

اے بزرگو! ہم نے ظاہری دشمن کو تو مار لیا مگر ایک اس سے زیادہ بڑا دشمن باطن میں رہ گیا ہے۔ (۱۶۳/۱)

قَدْ رَجَعْنَا مِنْ جِهَادِ الْأَصْغَرِ      بَا نَبِيْ اَنْدَرِ جِهَادِ الْاَكْبَرِ

بے شک جہاد اصغر سے ہم لوٹ آئے، اب نبی کے ساتھ جہاد اکبر میں مشغول ہیں۔ (۱۶۴/۱)

(اس قول کا حوالہ کنوز الحقائق، ص ۹ اور احیاء العلوم، ج ۳، ص ۶ میں درج ذیل حدیث میں موجود ہے)۔

”قَدِمْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ مُجَاهِدَةً الْعَبْدِ هَوَاةً“

(تمہیں خوش آمدید ہو کہ تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہو، وہ جہاد اکبر یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات

کے ساتھ جہاد کرے)۔

آخر میں مولانا رومیؒ لکھتے ہیں کہ جہاد ہاتھ سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی، جس طرح حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”جَاهِدُوا الْكُفَّارَ بِأَيْدِيكُمْ وَالسَّيِّئَاتِ بِكَلَامِكُمْ“ کفار کا مقابلہ زور بازو کے ساتھ بھی کرو اور زبان سے بھی (مفردات)۔

گویا دشمن کے مقابل میں سر دھڑ کی بازی لگا دینا لفظ جہاد کے مفہوم میں داخل ہے، امکانی وسائل مہیا کرنے میں جنگی تدابیر میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے میں اگر کسی قسم کی غفلت برتی جائے تو ایسی ادھوری کوشش کو قرآنی اصطلاح میں جہاد کا نام دینا زیادتی ہوگی۔ جَاهِدُوا کے یہ معنی ذہن نشین کرنے کے بعد آگے بڑھیے، ارشاد ہے ”فِی السَّلَهِ“ یعنی تمہاری یہ ساری تنگ و دو عدیم الظہیر جانثاری اور فدایت اور یہ بے مثال صبر و استقامت کسی ذاتی یا دنیوی مقصد کی تکمیل کے لئے نہ ہو بلکہ محض اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے ہونی چاہیے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس کے باعث امت مسلمہ کی جنگ دوسری قوموں کی جنگوں سے غایت و مقصد کے لحاظ سے بالکل ممتاز ہو جاتی ہے۔ خود مسلمان بھی اگر اس مقصد کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے آمادہٴ پیکار ہوں گے تو اسے قرآنی اصطلاح میں جہاد نہیں کہا جائے گا۔

پھر فرمایا ”حَقِّ جِهَادِهِ“ کہ جہاد کرو تو پھر اس کا حق ادا کرو۔ اللہ کے نام کو بلند کرنے کی خاطر خون کے دریا بہتے ہیں تو انہیں بہنے دو، اگر کشتوں کے پشتے لگ رہے ہیں تو ذرا پرواہ نہ کرو، رنگ رنگیلی جوانیاں قربان ہو رہی ہیں تو انہیں بلاتامل قربان ہونے دو، جب تک تمہاری جان میں جان ہے اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔ حضرت

جعفرؑ کی طرح ایک ہاتھ کٹ گیا ہے تو جھٹ دوسرے ہاتھ میں جھنڈا تھام لو اور اگر دوسرا بازو بھی کٹ گیا تو اپنے  
دانتوں سے پکڑ لو۔ تمہارا جسم اگر تیر و سنان کے چڑکوں سے چھلنی ہو گیا ہے تو کیا ہوا اسلام کی عظمت و ناموس کو اگر تم  
نے اپنی جان دے کر بچا لیا تو تم سے زیادہ سُرخرو اور کون ہوگا؟

جس طرح قوتِ ارادی، عزم اور قربانی کی ضرورت ایمان کے ظاہری دشمنوں کے مقابلے کے لئے ہے، اسی  
طرح شیطان اور نفس کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی ان صفات کا مظاہرہ ضروری ہے بلکہ یہاں پہلے سے بھی زیادہ  
ہوشیار اور چوکس ہونے کی ضرورت ہے۔ ظاہری دشمن تو دشمن کا لباس پہن کر آیا تھا، یہ ایسے دشمن ہیں جو اپنے کو  
مخلص ترین دوست ظاہر کرتے ہیں مگر ان کی چالیں بڑی باریک ہوتی ہیں اور ان کا دام فریب تب نظر آتا ہے،  
جب انسان اس میں پھنس کر پھڑپھڑانے لگتا ہے۔

من نمیکردم غزا از بہرِ آں  
(میں ملک و مال کی خاطر جہاد نہیں کرتا)

مولانا رومیؒ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ پیغمبروں اور پیغمبروں کے جانشینوں کا جنگ اور جہاد سکندر کی طرح  
ملک گیری اور چنگیز خان کی طرح خونریزی کی غرض سے نہیں ہوتا کیونکہ ملک فقر و غنا کے تاجدار کو دنیوی ملک و دولت  
کی کیا ضرورت؟ اور دنیا میں پیامِ امن لانے والے کو خونریزی سے کیا تعلق؟ بلکہ ان کا جہاد صرف اس غرض پر مبنی  
ہوتا ہے کہ ملک و قوم سے اس مفسد مادہ کو نابود کر دیا جائے، جس کا ضرر متعدی خلق کی خرابیِ اخلاق اور فسادِ عقائد کا  
باعث ہے۔ جس طرح ایک جراح کا کسی مہلک پھوڑے کو نشتر کے ساتھ چیر ڈالنا بیمار کے ساتھ بدسلوکی نہیں بلکہ اس  
کی زندگی کو خطرے سے بچانے کے لحاظ سے عین شفقت ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نشتر اس  
وقت استعمال کرتا ہے جب مسلمان عیاشی میں سرگرداں ہو جائیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ۔

کرتی ہے ملکیت اندازِ جنوں پیدا      اللہ کے نشتر ہیں، تیمور ہو یا چنگیز  
اسی طرح نبی کا جنگ و جہاد، قید و حبس اور قتل و قصاص کے ذریعہ سے مفسدانِ ملک کا خاتمہ کر دینا تمام خلق  
کے لئے تمہیدِ امن ہے ۔

من نمیکردم غزا از بہرِ آں      تا ظفرِ یابم فردِ گیرم جہاں  
میں اس غرض سے جنگ نہیں کرتا تھا کہ فتیاب ہو کر جہاں کو مسخر کر لوں۔ (۴۳۱/۳)

کایں جہاں جفہ است و مردارِ رنجیں      بر چنہیں مردارِ چوں باشم حریص  
یہ جہاں تو سڑی ہوئی لاش، مردار اور ارزاں چیز ہے، ایسے مردار کے لئے میں لالچ کیوں کروں؟ (۴۳۱/۳)

زاں ہی کردم صفوفِ جنگ چاک      تا رہانم مر شمارا از ہلاک  
میں نے جنگ کی صفوں کو اس لیے چیرا ہے کہ تم کو ہلاک ہونے سے بچاؤں۔ (۴۳۲/۳)



زاں نمی بُرم گلوہائے بشر تا مرا باشد کرو فَر و حشر  
میں لوگوں کے گلے اس غرض سے نہیں کاٹتا کہ میں شان و شوکت اور رجوع عام حاصل کروں۔ (۴۳۲/۳)

از در افتادن در آتش با دو دست

(میں تمہیں آگ میں گرنے سے دونوں ہاتھوں سے بچاتا ہوں)

مولانا فرماتے ہیں کہ چند مفسدوں کے گلے اس لیے نہیں کاٹے جاتے کہ ان کو قتل کرنا مقصود ہے بلکہ اس لیے کاٹے جاتے ہیں تاکہ ان کے فساد سے سارا جہان نجات پائے۔ جنگ و جہاد کا یہ مقصد نہیں کہ لوگوں کو اپنی گرفت میں لیا جائے بلکہ جہاد کا مقصد یہ ہے کہ لوگ مست لوگوں کی طرح آگ (دوزخ) کی طرف بڑھ رہے ہیں اور ان لوگوں کو اسی آگ سے بچانے کی خاطر جہاد کیا جاتا ہے۔

زاں ہی بُرم گلوے چندتا زاں گلوہا عالمے یابد رہا  
میں چند (مفسدوں کے) گلے اس لیے کاٹتا ہوں تاکہ ان (کٹے ہوئے) گلوں (کی عبرت) سے سارا جہاں (مفسدوں کے ہاتھ سے) نجات پا جائے۔ (۴۳۲/۳)

من ہی رانم شمارا ہچو مست از در افتادن در آتش با دو دست  
میں ایک مست کی طرح تم کو آگ میں دونوں ہاتھوں کے ساتھ پڑنے سے بچاتا ہوں۔ (۴۳۲/۳)

سعی ابرار و جہاد مومنان

(نیک لوگوں کی کوشش اور مومنوں کا جہاد شروع سے چلا آ رہا ہے)

جہاد کرنا قضا کا مقابلہ نہیں کیونکہ جہاد کو بھی ہم پر قضا ہی نے مقرر کیا ہے۔ اسی طرح انبیاء اور اولیاء نے بھی جہاد کیا ہے۔ یہ کوئی قضا کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ قضا کی اتباع ہے، جو سعی و کوشش کی جاتی ہے بلکہ تقدیر میں لکھی ہوتی ہے۔ اطاعت و عبادت میں سعی یا کوشش کرنا کسی صورت میں باعث نقصان نہیں، پھر کیوں نہ کوشش کی جائے مگر جس نے سعی و کوشش سے دُنیا کی تلاش کی اس نے باطل و بے حقیقت چیز کی تلاش کی اور جس نے آخرت کی تلاش کی اس نے حق اور حقیقت کی تلاش کی۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے، سب نے اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور یہی لوگ ہیں، جن کے لئے خوبیاں ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (توبہ ع ۱۰)۔ اسی طرح جن مومنوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو اللہ نے ان کی ایسی فوجوں سے مدد فرمائی کہ جن کو عام لوگ دیکھ نہیں سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی تمام تدبیریں پُر لطف ثابت ہوئیں۔ یہ صرف اور صرف کوشش اور جہاد کا نتیجہ تھا۔

مولانا روئی فرماتے ہیں ۛ

سعی اُبرار و جہادِ مومنوں  
تائیدیں ساعتِ زآغازِ جہاں  
نیک لوگوں کی کوشش، مومنوں کا جہادِ ابتدائے عالم سے اب تک (دعوت میں آیا ہے)۔ (۱۲۵/۱)  
جہدِ میکن تا توانی اے کیا  
در طریقِ انبیاء و اولیاء  
اے دانا آدمی! انبیاء اور اولیاء کے طریقے پر مقدور بھر کوشش کرو۔ (۱۲۵/۱)

### مسلمان کافروں پر بھاری ہوتے ہیں

مولانا روئی قرآن کی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ نے مومنوں کے ساتھ فرشتوں کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے اور مومن ویسے بھی کفار پر شدید (یعنی بھاری) ہوتے ہیں اور آپس میں رحم دل ہوتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ مومن ہمیشہ کافروں پر غالب رہے، یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں نورِ ایمان اور جہاد کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

زُو اَشِدَّاءُ عَلٰی الْکُفَّارِ باش  
خاک بر دلداری اغیار باش  
جاؤ! کافروں پر سخت (اور بھاری) ہو کر رہو، ان کے (حق سے) بیگانہ رہنے والوں کی دلداری پر خاک ڈالو۔



## مثنوی کے چند روحانی متفرقات

عارفِ رومیؒ کو جن موضوعات سے خصوصی شغف تھا، ان پر تو آپ نے مثنوی میں جی کھول کر کلام کیا ہے لیکن آپ نے انسانی زندگی کا کوئی ایسا پہلو فرو گذاشت نہیں کیا، جس پر اپنے خیالات کا قرآن اور حدیث کی روشنی میں اظہار نہ کیا ہو۔ قرآن کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ہر اچھی اور بُری بات میں فرق ظاہر فرما دیا ہے۔ اس لیے مولانا رومیؒ نے بھی اپنی مثنوی میں ان متفرقات کے متعلق کافی تفصیلات فراہم کی ہیں۔ مثنوی میں ایسے متفرقات کی تعداد کافی وسیع ہے، جن کا اس کتاب میں بیان کرنا ضروری تھا لیکن اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے اس حصے میں ان متفرقات میں سے چند ایک کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

جن موضوعات کے متعلق اس حصہ میں کچھ تفصیل بیان کی جا رہی ہے اُن کا تعلق انسانی روح، صحبت کا مقام، فلسفہ بقا اور ارتقاء، دانش اور بینش، تحقیق و تقلید اور جبر و قدر وغیرہ سے ہے، اس کے علاوہ عبادات، ذکرِ الہی، نماز و روزہ، عقل کے نظریات، اصحابِ کہف اور علم کی افادیت سے تعلق رکھنے والے مولانا کے کچھ کلام کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ مولانا رومیؒ کا فلسفہ آہ و زاری، توکل، دعا اور وعدہ پر لکھے گئے چند اشعار پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ قارئین کو عارفِ رومیؒ کے عمیق افکار کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

زیرِ غور موضوعات پر اگرچہ مثنوی میں مختلف مقامات پر طویل اور عریض گفتگو کی گئی ہے جس کا اس مختصر اور تعارفی تحریر میں سمونا ممکن نہ تھا، چنانچہ ہر موضوع پر چند اشعار پیش کرنے پر کفایت کی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین

اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوں گے اور جو احباب اب تک مثنوی کا مطالعہ نہیں کر سکے ان کے علم کے لیے یہ تحریر ایک خوشنما اور دلچسپ اضافے کا باعث بنے گی۔

## انسان کی روح

انسان کی روح کے متعلق کفار مکہ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ روح کیا چیز ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں اس کا جواب یہ فرمایا کہ ”آپ فرما دیجئے کہ یہ روح میرے رب کی طرف سے ایک امر ہے اور تم کو اس کا علم نہیں دیا گیا مگر قلیل“ (بنی اسرائیل: ۸۵)۔ سورہ یس آیت نمبر ۸۲ میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کا امر تو یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔“ دونوں قسم کی صورتوں میں ”أَمْرُ اللَّهِ“ کا لفظ آیا ہے یعنی روح کو فرمایا کہ یہ ”أَمْرُ اللَّهِ“ ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے بھی یہی فرمایا ”إِنَّمَا أَمْرُهُ“ یعنی اللہ کا جب امر (حکم) ہو جائے تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب اللہ کا حکم (أَمْرُ اللَّهِ) ہو جائے تو تخلیق ہو جاتی ہے اور انسان کی روح بھی (جو کہ أَمْرُ اللَّهِ ہے) جب حرکت میں آ جائے تو بھی تخلیق ہو سکتی ہے، چنانچہ جب اللہ کے بندوں کی روح حرکت میں آ جائے تو اس سے بھی تخلیق ہو جاتی ہے یعنی اگر کسی نیک بندے کی روح کچھ کرنا چاہے تو وہ اس کے سامنے حاضر ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ روح بھی ”کُن“ کی کنجی ہے۔ بنا بریں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ قوت دی ہے کہ انسان کی روح جو چاہتی ہے، وہ ہو سکتا ہے۔ مشائخ کا کہنا ہے کہ روح میں وہ طاقت ہے کہ وہ جو کچھ چاہے ہو جاتا ہے اور روح اگر چاہے تو زمین اور آسمان کو ایک لقمہ میں ہڑپ کر جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ روح سے زیادہ طاقت و رکوئی چیز اللہ تعالیٰ نے نہیں بنائی۔ اس پر اقوال اور احادیث وارد ہیں۔

روح کی بہت سی قسمیں ہیں۔ روح حیوانی جو ہر جاندار میں ہوتی ہے اور روح سیرانی یا روح انسانی صرف انسان ہی میں ہوتی ہے اور سونے کے وقت یہ انسان سے جدا ہو کر مختلف مقامات کی سیر کرتی ہے، اسی لئے اسے روح سیرانی کہا جاتا ہے۔ روح کے متعلق یہ بات قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کی روح کو اللہ تعالیٰ اپنے قبضے میں لے لیتا ہے تو اس پر نیند طاری ہو جاتی ہے اور جب روح کو واپس نہ کیا جائے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ (الزمر: ۴۲) اس حقیقت کو مولانا روئیؒ نے نیچے دیئے گئے اشعار میں بھی بیان کیا ہے۔

روح کا ایک بہت بڑا مضمون ہماری تصنیف ”اسلام و روحانیت اور فکر اقبال“ میں (جس کی اشاعت ابھی تک نہیں ہوئی) بیان کیا گیا ہے اور کچھ مختصر سا بیان ہماری تصنیف ”نشان منزل“ میں (صفحہ نمبر ۱۱۰، ۱۱۱) پر بھی دیا گیا ہے۔ عارف روئیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عشق میں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، اگرچہ دو شخصوں کے جسم الگ الگ ہوں، دونوں میں مکانی بعد نہیں ہوتا۔ وہ اس کی مثال یوں دیتے ہیں کہ اگر ایک کمرے میں دو شیعیں روشن ہوں تو ان کی روشنیاں ایک دوسرے سے ملی ہوتی ہیں اور وہ ناقابل تقسیم ہوتی ہیں۔ اگر عشق نفسانی نہ ہو تو جس طرح



عاشق معشوق کا طالب ہوتا ہے، اسی طرح معشوق بھی عاشق کا جویا ہوتا ہے۔ مولانا روئی فرماتے ہیں ۷

کہ زدل تا دل یقین روزان یُد  
نے جُدا و دُور چوں دو تن یُد  
اس لئے کہ یقیناً ایک دل دوسرے کے لئے جبر و کہ بنتا ہے، وہ دو جسموں کی طرح الگ اور دُور نہیں ہوتے۔ (۴۱۷/۳)

محصّل نہ یُد سِفالِ دو چراغ  
نورِ شاں مزوج باشد درِ مَساغ  
دو چراغوں کی بتیاں ملی جلی نہیں ہوتیں، ان کی روشنی پھیلاؤ میں ملی جلی ہوتی ہے۔ (۴۱۷/۳)

پچ عاشق خود نباشد وصل جو  
کہ نہ معشوق یُد جویائے او  
کوئی عاشق کسی کے وصل کا خود بخود (طالب) نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کا معشوق اس کا طالب نہ ہو۔ (۴۱۷/۳)

مولانا روئی فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے دل میں خدا کی محبت پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ یقیناً خدا کے ہاں بھی تمہاری محبت موجود ہے ۷

در دل تو مہرِ حق چوں شد دو تو  
ہست حق را بے گماں مہرے بتو  
اگر تیرے دل میں خدا کی محبت دو گئی ہو گئی تو بے شک خدا کو بھی تم سے محبت ہو جائے گی۔ (۴۱۸/۳)

مولانا روئی کے مطابق روح کے خصائص

مولانا روئی فرماتے ہیں کہ بھیڑیوں اور کتوں کی روحیں اور ہیں مگر شیرانِ خدا یعنی اولیائے کرام کی روحیں ان سب سے اور دیگر انسانوں سے بھی اولیٰ ہیں۔ روح کے لئے لازم ہے کہ وہ خیر اور شر کو پہچانے اور اللہ کی ناراضگی سے ڈرے اور گریہ و زاری کرے۔ انسان سوتا ہے مگر اس کی روح آفتاب کی طرح آسمان اور زمین کے گرد چکر لگاتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ عام انسان تو کھانے پینے اور سونے میں مشغول رہتا ہے مگر جب وہ ایمان، اسلام اور اخلاص سے مشرف ہو جائے تو وہ ایک چیز دگر بن جاتا ہے اور ملائک سے بھی بہتر ہو جاتا ہے۔ روح کے کمالات کو اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا ہے، اس لئے اس کے لئے جو بھی مثال بیان کی جائے وہ بے معنی ہوگی۔ آپ نے فرمایا ۷

جانِ گرگاں و سگاں ہر یک جداست  
متحد جانہائے شیرانِ خداست  
کتے اور بھیڑیوں کی روحوں میں اختلاف ہے، مگر شیرانِ خدا کی ارواح سب متحد ہیں۔ (۵۲/۴)

جاں چہ باشد باخبر از خیر و شر  
شاد با احسان و گریاں از ضرر  
روح کی تعریف یہ ہے کہ وہ خیر و شر سے باخبر ہو، نیکی سے خوش ہو اور بُرائی سے غمگین اور خدا کے حضور رونے والی ہو۔ (۲۸/۶)

مرد خفته روح او چوں آفتاب  
در فلک تاباں و تن در جامہ خواب  
مرد سویا ہوتا ہے مگر اس کی روح مثل آفتاب آسمان پر تاباں ہوتی ہے اور جسم لباس خواب میں ہوتا ہے۔ (۳۱۸/۶)

مرد اول بستہ خواب و خور ست آخر الامر از ملائک بہتر ست  
 انسان پہلے صرف کھانا اور سونا چاہتا ہے لیکن ایمان، اسلام اور اخلاص سے مشرف ہو کر ملائک سے بازی لے جاتا ہے۔ (۳۱۸/۴)

روح چوں مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ مخفی ست ہر مثالیکہ بگویم مُنْشِیْ است  
 ہماری روح ”امر ربی“ کے لفظ سے مخفی ہے، اس کے لئے جو بھی مثال ہوگی وہ بے معنی اور غیر حقیقی ہوگی۔ (۳۱۸/۶)

روح بے قالب نتاند کار کرد  
 (بغیر جسم کے روح کام نہیں کر سکتی)

اللہ تعالیٰ نے رُوح اور جسم کو اس طرح پیوست کر دیا ہے کہ دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ شریعت میں رُوح ایک خاص ہستی انسان کے ظاہری وجود کے اندر ہے، گویا انسان کے اندر ایک اور جسم ہے جو اس کے جسم کے برابر (ہر حال اور کیفیت میں) ہو بہو وہی ہے۔ اگر کوئی انسان روح کو دیکھ سکتا ہے تو اس کے لئے روح اور جسم کو الگ الگ امتیاز کرنا مشکل ہو جائے گا۔

صوفیہ کے خیال میں یہ جسم ایک مثالی جسم ہے اور روح اس سے برتر ایک اور ہستی ہے۔ قصائی لوگ گردن، پٹھ، شانہ، سینہ اور ران کی شناخت کرتے ہیں۔ چنانچہ گاہک جو چیز مانگتا ہے اسے وہی چیز دیتے ہیں مگر روح اور جسم کے درمیان ایک ایسا ارتباط ہے کہ ان میں اب یہ تقسیم ناممکن ہے ۔

روح بے قالب نتاند کار کرد  
 روح بے جان فُردہ بُود و سرود  
 روح قالب کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی، قالب بے جان، بے کار اور ٹھنڈا ہوتا ہے۔ (مگر اولیائے کرام کی رو میں لطیف جسم کے ساتھ اس دنیا میں اور اگلے جہان میں حاضر ہو سکتیں ہیں) (۳۴۴/۵)

رُوح کے متعلق چار سوال

رُوح کے متعلق عام طور پر چار سوال کئے جاتے ہیں:

نمبر ۱ رُوح نورانی کا خاکہ جسمانی سے اجتماع کیونکر ہوا؟ نمبر ۲ اس اجتماع کے بعد وہ ایک مدت معین تک کیسے رہتے ہیں؟ نمبر ۳ جسم کو کمتر ہونے کے باوجود ظہور میں نظر آنے کی فضیلت کیوں بخشی گئی اور روح کو افضل ہونے کے باوجود مخفی حالت میں کیوں رکھا گیا؟ نمبر ۴ انسان صرف روح کا نام ہے یا جسم اور روح کا مجموعہ۔  
 مولانا رومؒ ان چاروں کا جواب دیتے ہیں ۔

ہر دو او باشد و لیک از ریح و زرع دانہ باشد اصل وال کہ ہست فرع  
 انسان روح اور جسم دونوں کا مجموعہ ہے لیکن پیداوار کھیتی میں سے دانہ اصل ہوتا ہے اور بھوسہ اس کی فرع ہے۔ (۳۴۴/۵)



حکماء کہتے ہیں انسان کا مصداق صرف روح ہے، جسم اس کا ایک آلہ کار ہے۔ جس طرح سوار صرف گھوڑے پر بیٹھنے والے کو کہتے ہیں، گھوڑا اس کا مرکب ہے۔ سوار کے مفہوم میں گھوڑا داخل نہیں، چنانچہ انسان روح ہے۔ یہ دلیل چوتھے سوال کا جواب ہے یعنی انسان جسم اور روح کا نام ہے۔

حکمت ایں اضداد را باہم بہ بست  
اے قصاب ایں گردراں باگردن ست  
حکمت نے ان دونوں چیزوں کو باہم کر دیا ہے، اے قصابی یہ ران کا حصہ گردن کے ساتھ پیوستہ ہے۔ (۳۴۴/۵)  
قالب بے جاں کم از خاک ست دوست  
روح چوں مغز ست و قالب بچو پوست  
اے دوست! جسم بے روح خاک سے بھی کم رتبہ ہے، روح گویا مغز ہے اور جسم مثل پوست (اور پوست مغز کے بغیر نکلا ہے)۔ (۳۴۴/۵)

تیسرے سوال کا جواب اس شعر میں ہے، یعنی روح اپنی نفاست کی وجہ سے مغز کی مانند ہے اور جسم اپنی کثافت کی وجہ سے مثل پوست ہے اور مغز ہمیشہ پوست میں مخفی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جسم ظاہر ہے (پوست) اور روح مغز ہونے کی وجہ سے مخفی ہے۔ جسم کا تعلق عالم ناسوت یا عالم شہادت سے ہے (جو اس دنیا کی چیز ہے) اور روح کا تعلق عالم ارواح سے ہے۔ اس دنیا کے آلات اس دنیا کی چیزیں ہیں یعنی جسم کو جسمانی حواس ہی محسوس کر سکتے ہیں اور روح چونکہ عالم ارواح سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے جسمانی آلات حواس اس کو محسوس نہیں کر سکتے۔ انسان کے کسب اعمال کا مقام دنیا ہے، اس لئے انسان کا اس دنیا میں مباشر و معالج ہونا ضروری ہے۔ اس اعتبار سے جسم کا ظاہر ہونا لازمی تھا کیونکہ اس کے بغیر کسب اعمال کا ہونا ممکن نہیں۔ روح چونکہ مباشر بالذات نہیں، اس لئے اس کا ظہور یا بروز لازمی نہیں۔ اس کے بعد مولانا رومی ان سوالوں کی تصدیق میں بہت سے ثبوت دیتے ہیں۔

جسم اور روح کے متعلق دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (یعنی روح اور جسم کو) اس لئے اکٹھا رکھا کہ یہ ایک مدت معین تک مل کر کام کریں، ورنہ تو نہ ہی روح کوئی کام کر سکتی ہے اور نہ ہی کوئی جسم بلا روح کے کسی جس و حرکت کے قابل ہے۔

مذکور بالا شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جسم اگرچہ ظاہر ہے اور روح مخفی، لیکن دونوں کے اجتماع سے دنیا کے کاروبار چلتے ہیں۔ یہ پہلے سوال کا جواب ہے کہ روح اور جسم کا اجتماع کیوں ہوا۔ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے روح اور جسم کے اجتماع میں یہ حکمت رکھی ہے کہ انسان کو مرغوب اشیاء کی طلب ہو اور غیر مرغوب اشیاء کو دفع کرنے میں مدد حاصل ہو۔

حکمت کہ بود حق را ز ازدواج  
گشت حاصل از نیاز و از لجاج  
حق تعالیٰ نے اس اجتماع (روح اور جسم) سے جو حکمت ظاہر فرمائی وہ انسان کے طلب (مرغوبات) اور دفع (غیر مرغوبات) سے حاصل ہو گئی۔ (۳۴۵/۵)

## موت اور نیند کی حالت میں رُوح کا قبض ہونا

قرآن کی ”سورة الزمر“ کی آیت نمبر ۴۲ میں درج ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی رُوحوں کو جسم سے نکال لیتا ہے اور پھر داخل کر دیتا ہے اور جن کو موت آئے تو ان کی رُوح کو دوبارہ داخل نہیں کیا جاتا۔ مولانا رومیؒ نے مثنوی شریف میں ایک عنوان قائم کیا ہے ۔

”اللَّهُ يُتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا“

تمثیل مرد عارف و تفسیر آیت

مرد عارف کی مثال اور آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔ (۷۰/۱)  
شمس زیں حال عارف و انمود خلق را ہم خواب جسی در رُود  
عارف کے حال کا کچھ نمونہ (خدا نے حیات کے ذریعہ سے) ظاہر کر دیا ہے، چنانچہ مخلوق کو بھی یہ نیند عارض ہوئی جو ظاہری ہے (سکرو بے خودی مراد نہیں)۔ (۷۰/۱)

عنوان بالا میں ”سورة الزمر“ کی آیت نمبر ۴۲ کا اقتباس درج ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ہی موت کے وقت رُوحوں کو قبض کرتا ہے اور جو مرتے نہیں اُن کی رُوحوں کو خواب میں قبضے میں کر لیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم ہو چکتا ہے تو اُن کو روک رکھتا ہے اور دوسروں کو چھوڑ دیتا ہے ایک مقررہ وقت تک، بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ نیند بھی موت کی بہن ہے یعنی موت اور نیند کی دونوں صورتوں میں ذی رُوح کے جسم سے اس کی جان نکل جاتی ہے، پھر جس پر موت کا حکم صادر ہو جاتا ہے اس کی رُوح تو واپس جسم میں آتی نہیں اور جس پر نیند طاری کی جاتی ہے اس کی جان واپس بدن میں ڈال دی جاتی ہے۔ تفسیر مدارک میں لکھا ہے کہ ہر شخص کے دو نفس ہیں، ایک نفس حیات جو موت کے وقت جسم سے نکل جاتا ہے اور دوسرا نفس تمیز جو خواب کے وقت جسم سے نکلتا ہے۔

جس طرح ارواح کو ایک وقت خاص میں قید جسم سے آزادی بخش کر بار تکالیف سے سبکدوش کر دیا جاتا ہے، اسی طرح ہم کو بھی اگر باطنی خطرات کے پھندے سے آزادی دلائی جائے تو کیا بات ہے۔ خواب میں ارواح جسم سے نکلتی نہیں، صرف اتنا ہوتا ہے کہ رُوح حواس و قوی کے واسطے سے جو تصرف جسم میں کرتی ہے وہ تصرف موقوف ہو جاتا ہے، اس کو رُوح کی آزادی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ روحیں ہر شب اس (غضری) پنجرے سے چھوٹ جاتی ہیں اور فارغ البال بغیر کسی افسری و ماتحتی کے پھرتی ہیں۔

می رہانی می گنی اُلواح را

ہر شبے از دام تن ارواح را

(الہی) تو ہر شب رُوحوں کو بدن (کے مضبوط) جال سے آزاد کر دیتا ہے (اور نفس بدن کی) تختیاں (اور کواڑ) کھول دیتا ہے (تاکہ روحیں آزاد ہو جائیں)۔ (۷۰/۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابن آدم میں ایک نفس ہوتا ہے اور ایک رُوح، ان دونوں



کے درمیان شعاع شمس کی طرح ایک شعاع ہوتی ہے۔ نفس میں عقل و تمیز ہوتی ہے اور روح میں تنفس اور تحرک ہوتا ہے پھر جب بندہ سوتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے، روح کو قبض نہیں کرتا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خواب میں زندوں اور مردوں کی ارواح باہم ملتی ہیں، پس جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے، باہم ملاقات و تعارف کرتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اس روح کو روک رکھتا ہے جس پر موت صادر ہو چکی ہے اور دوسری کو اس کے جسم میں واپس بھیج دیتا ہے۔

کلیدِ مثنوی میں لکھا ہے کہ اہل کشف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو جسم عطا فرمائے ہیں۔ ایک جسمِ عنصری کہ دنیا میں رہتا ہے اور آخرت میں محسوس ہوگا اور اسی پر ثواب و عذاب ہوگا۔ دوسرا جسمِ مثالی کہ عالمِ مثال میں موجود ہے اور خواب میں نظر آتا ہے اور روحِ حقیقی جو ایک امرِ ربی ہے، دونوں جسموں سے تعلق رکھتی ہے اور اس سے روحِ طبعی مراد نہیں، اس کا تعلق صرف جسمِ عنصری سے ہے، پس روح کے بدن سے نکلنے اور عالمِ مثال میں جانے سے مراد یہ ہے کہ جسمِ عنصری سے اس کا تعلق ضعیف ہو کر جسمِ مثالی سے تعلق بڑھ جاتا ہے اور عالمِ مثالی سے بدن میں آنے سے مراد یہ ہے کہ جسمِ مثالی سے تعلق کم ہو کر جسمِ عنصری کے ساتھ زیادہ ہو جاتا ہے، الغرض خواب کے اندر جسم سے روح نکلتی ہو یا نفس اور اس کی سیر و حرکت مجرداً ہو یا بہ تعلق جسمِ مثالی، بہر کیف یہ حالت موت کے ساتھ ملتی جلتی ہے، اسی لئے فرمایا گیا ہے: ”إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُفَكِّرُونَ“ یعنی کیفیتِ خواب میں غور کرنے والوں کے لئے عبرت و استبصار کا سامان ہے تاکہ وہ اس پر قیاس کر کے موت کو یاد رکھیں اور فکرِ عاقبت کریں۔ مولانا یہاں خواب کی کیفیت بیان فرماتے ہیں اور چونکہ یہ بیان آیت کے مضمون کے مطابق ہے، اس لئے اس بیان کو آیت کی تفسیر کہہ دیا گیا ہے اور یہ بیان عارف کے حال کی تمثیل ہے یعنی جو حالت خواب والوں کی ہوتی ہے وہی عارف کی ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ میں نہیں ہوتا۔

كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ نَقْشِ اُولِيَّاسَ      كُو دِلِيلِ نُوْرٍ خَوْرَشِيْدِ خِدَاسِ

کیف مد الظل (میں جو سایہ کا اشارہ ہے اس سے مراد) اولیاء کرام کا وجود مبارک ہے، جو خورشیدِ حق کی طرف رہنما ہے۔

مطلب :- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلْنٰهُ سَاكِئًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ ذَلِيْلًا“

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ کیا تم اپنے رب کی طرف نہیں دیکھتے کہ اس نے کس طرح سایہ کو دراز کیا اور اگر چاہے تو اس کو ساکن کر دے، پھر ہم نے آفتاب کو اس پر دلیل بنایا (الفرقان: ۴۵) مولانا فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو سایہ ظاہری کا حکم آیا ہے، یہی مثال اولیاء اللہ کی ہے کہ جس طرح سایہ ظاہری سے سورج اور اس کی رفتار کا پتہ چلتا ہے اسی طرح اولیاء اللہ کی ذاتِ بابرکات سے ظلُّ اللہ میں آفتابِ حق یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی

ہے۔ کچھ لوگوں نے اس آیت سے مراد یہ لی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارواح کو دنیا میں کیسے بھیجتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جیسے سایہ دراز ہوتا ہے اسی طرح ایک روح عالم ارواح سے آتی ہے اور وہ کسی مرد کی صلب میں کسی پھل یا سبزی کے ذریعے آتی ہے اور پھر رحم مادر میں منتقل ہو جاتی ہے۔

### روح انسان کو آسمان کی طرف کھینچتی ہے اور نفس زمین کی طرف

روح اگرچہ جسم میں مقید اور علاقہ جسمانیہ میں محصور نظر آتی ہے مگر اس کا اصلی مقام اعلیٰ و ارفع ہے اس لئے وہ ان علاقے سے آزاد ہونے اور اپنی اصل کی طرف واصل ہونے کی متقاضی ہے۔ انسان روح کو بارِ علاقہ کے نیچے دبائے رکھتا ہے جو اس کے لئے مانع ترقی ہیں اور پرواز سے روکتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انسان میں دو قوتیں ودیعت کی ہیں۔ ایک قوتِ ملکیہ یعنی فرشتوں کے ساتھ مناسبت رکھنے والی طاقت اور اس کے پیدا ہونے کی صورت یہ ہے کہ روح حیوانی جو بدن انسان میں سرایت کئے ہوئے ہے روح انسانی سے فیض یاب ہو اور وہ اس کے فیض کو قبول کر لے اور اس سے مغلوب ہو جائے۔ دوسری قوتِ بہیمیہ یعنی چوپایوں سے مناسبت رکھنے والی قوت اور یہ نفس حیوانی سے پیدا ہوتی ہے، جو تمام حیوانات میں مشترک ہے اور یہ قوت روح طبعی کے قویٰ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ ان دونوں قوتوں میں کھینچا تانی اور مزاحمت ہوتی رہتی ہے۔ قوتِ ملکی عروج چاہتی ہے اور بلندی کی طرف لے جاتی ہے۔ اگر قوتِ بہیمی غالب آ جائے تو قوتِ ملکی دب جاتی ہے اور اگر قوتِ ملکی کا غلبہ ہو جائے تو قوتِ بہیمی ہار کر رہ جاتی ہے۔ (حجتہ اللہ البالغہ)

روح می بردت سوائے عرش بریں  
سوائے آب و گل شدی در اسفلین

روح تو تجھے عرش بریں کی طرف لے جاتی (لیکن) تو پانی اور مٹی کی طرف نچلے درجوں میں آ گیا۔ (۸۴/۱)

### انسان کی روح حیوانوں اور دیگر مخلوق سے برتر ہے

مولانا روٹی نے علم کی مثال دے کر یہ بات ثابت کی ہے کہ انسان کا علم چونکہ زیادہ ہے، اس لئے وہ حیوانات کی روح سے افضل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حیوانات کو صرف جزئیات کا علم ہے اور انسان کو کلیات کا بھی علم ہے، جس طرح ایک انسان اپنے قوی دشمن سے کوئی چوٹ کھا کر فرار ہوتا ہے، اسی طرح ایک جانور بھی لاشی کی ضرب کھا کر بھاگ جاتا ہے۔ یہاں ایک امر محسوس موثر ہے جس سے متاثر ہونے میں انسان اور جانور دونوں برابر ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جس طرح دور سے لاشی اٹھانا انسان کے لئے موجب خوف و حذر ہے، اسی طرح حیوان کے لئے بھی باعث فرار ہے کیونکہ یہاں ایک امر متوہم یعنی توقعِ اذیت موثر ہے اور اس میں بھی دونوں مساوی ہیں، اگر فرض کریں کہ کسی مکان میں ایک انسان اور ایک چوپایہ موجود ہوں اور چھت کا شہتیر ٹوٹنے کی آواز آئے تو انسان فوراً بھاگ جائے گا مگر چوپایہ کی طبیعت میں کوئی امر بھاگ جانے کا محرک نہ ہوگا کیونکہ اس مقام پر خوف و حذر کا باعث ایک امر نکلی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب چھت کا شہتیر ٹوٹتا ہے تو ضرور ساری چھت زمین پر آ گرتی ہے اور اس



کے نیچے دب کر ہلاک ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ انسانِ مد رک کلیات ہے، اس نے اس امر کل کو ادراک کر لیا اور بھاگ کھڑا ہوا، چوپایہ مد رک کلیات نہیں، صرف محسوسات کا ادراک کر سکتا ہے اس لئے اسے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا اور کھڑا رہا۔ اس سے انسان کے علم کا حیوان کے علم سے بہ مدارج زیادہ ہونا ثابت ہوا۔ جب ہمارا علم ان کے علم سے بڑھ کر ہے تو ہماری زندگی بھی ان کی زندگی سے افضل و برتر ہوگی۔

بعض خاص اعتبارات سے انسان ملائکہ سے افضل ہے مگر علم اور احاطہ معلومات کے لحاظ سے عامہ بشر سے ملائکہ بڑھ کر ہیں کیونکہ انسان میں حس حیوانی ہے، حس ملکی نہیں جب کہ فرشتوں میں حس ملکی ہے، حیوانی نہیں اور حس ملکی ادراک مغیبات میں حس حیوانی سے بڑھ کر ہے۔ واضح رہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ملائکہ انسان سے افضل ہیں یا انسان ملائکہ سے افضل ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیدا فرمایا تو ملائکہ نے عرض کیا: اے پروردگار! تو نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو کھاتے ہیں، پیتے ہیں، نکاح کرتے ہیں اور سوار ہوتے ہیں، پس ان کے لئے دنیا مخصوص کر دے اور ہمارے لئے آخرت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے جس کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے اسے میں اس مخلوق کے برابر نہیں بناؤں گا جو صرف لفظ کن کے کہنے سے موجود ہوگئی۔“ (مشکوٰۃ) ابن العربی کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ انسان اور ملائکہ کرامات اور قربت میں برابر نہیں ہیں بلکہ انسان کی بندگی بڑھ کر ہے (حاشیہ مشکوٰۃ)

جان ما از جانِ حیواں بیشتر  
از چہ! زانِ رُوکہ فزوں دارد خبر  
دیکھو! ہماری جان چوپایہ کی جان سے بڑھ کر ہے، کیوں؟ اس لئے کہ ہماری جان زیادہ علم رکھتی ہے۔ (۳۱۳/۲)  
جان نباشد جو خبر در آرموں  
ہر کہ را افزوں خبر جانش فزوں  
آزمائش میں علم حاصل نہ ہونے کے سوا اور کسی چیز سے جان ثابت نہیں ہوتی، جس کا علم بڑھا ہوا ہے اس کی جان بڑھی ہوئی ہے۔ (۳۱۳/۲)

### انسانوں اور حیوانوں کی رُوح میں فرق

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ حیوانات اور انسان کی رُوح میں بہت فرق ہے اور اسی طرح انبیاء اور اولیاء کی رُوحوں میں بھی فرق ہے۔ مولانا رومیؒ رُوح انسانی کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ تمام حیوانات جن میں انسان، درندے، پرندے، طیور اور وحش وغیرہ شامل ہیں، شعور اور رُوح حیوانی میں مشترک ہیں۔ شعور کے معنی ہیں اپنے فائدے اور نقصان اور راحت و زحمت کا احساس کرنا اور رُوح حیوانی وہ ہے جس سے جسم زندہ ہے اور اس کے تشرف سے وظائف جسم پورے ہو رہے ہیں، پس یہ دونوں چیزیں انسان اور غیر انسان میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ عقل اور رُوح انسانی خاص انسان میں پائی جاتی ہے، باقی حیوان اس سے بہرہ مند نہیں۔ عقل کے خواص میں

سے ایک اور اک کلیات اور حصولِ معارف بھی ہے جس سے باقی حیوانات کو مطلق تعلق نہیں، پھر انبیاء اور اولیاء کی روح و عقل اور بھی اعلیٰ پایہ کی ہوتی ہے، جو انوارِ الہیہ ہونے کے لحاظ سے باقی تمام انسانوں کی روح و عقل سے ممتاز ہوتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں شعور اور روح حیوانی اگرچہ انسان یا غیر انسان یعنی باقی تمام حیوانات میں موجود ہو تو وہ ذریعہ اتحاد نہیں بلکہ روحِ انسانی اور عقل ذریعہ اتحاد ہے اور انبیاء و اولیاء کی روح و عقل واثق ترین ذریعہ اتحاد ہے۔ اس سے باہر عام انسان کی ارواح بھی متحد نہیں۔ روح حیوانی ایک جسم لطیف بخاری ہے جو غذاؤں سے مُوَلَّد ہوتا ہے اور اسی کو مولانا نے یہاں روحِ باد کہا ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس کی بقاء سانس اور ہوا پر موقوف ہے۔ روحِ انسانی اس سے الگ اور برتر چیز ہے جو خاص انسان میں پائی جاتی ہے، اس لئے روحِ حیوانی اتحاد نہیں رکھتی، اتحاد اگر ہے تو روحِ انسانی میں ہے۔ مولانا روئی فرماتے ہیں ۷

جانِ حیوانی ندارد اتحاد  
تو مجو ایں اتحاد از روحِ باد  
حیوانی جان اتحاد نہیں رکھتی ہے، تو یہ اتحاد ہوائی روح میں نہ تلاش کر۔ (۵۲/۴)  
باز غیر عقل و جانِ آدمی  
ہست جانے در دل و در نبی  
پھر انسان کی عقل اور جان کے علاوہ ولی اور نبی میں اور جان ہے۔ (۵۲/۴)

### خاصانِ الہی کو تنگ کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں

مولانا رومؒ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے واقعہ سے ثابت کرتے ہیں کہ قوم کی اذیتوں کا اثر خود کفار پر ہی نازل ہوتا ہے اور انبیائے کرامؑ ان کی شرارتوں سے متاثر نہیں ہوتے۔ حضرت صالح علیہ السلام اور قومِ ثمودؑ کے قصے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اشتیاء کا خدائی معاملات کو سرسری سمجھ لینا اور آخر خود اپنی اس غلطی کے سبب عذابِ الہی کا شکار ہو جانا اصولِ خدائی ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح موزیاں ناقہ قہرِ الہی سے نیست و نابود ہوئے، اسی طرح خاصانِ حق کو ایذا دینے والے لوگ بھی تباہ ہو جاتے ہیں، پس مقبولانِ الہی کی روح مثلِ صالحؑ کے ہوئی اور تن مثلِ ناقہ کے ہے۔ روح تو ہمیشہ وصل میں ہوتی ہے کہ اس کو کوئی ہلاک نہیں کر سکتا مگر تن فاقہ و غم میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

روح آفتوں کا اثر قبول کرنے والی نہیں اگر کوئی آفت آئے تو اس کا اثر جسم پر ہوگا، روح پر نہیں اور نہ ہی یہ آزار کا اثر قبول کرنے والی ہے کیونکہ وہ نورِ الہی ہے اور اللہ کا نور کفار سے مغلوب نہیں ہو سکتا۔ کچھ مشائخ کا قول ہے کہ کسی بیماری یا بلا کا اثر اگرچہ پہلے روح پر ہوتا ہے مگر فوراً یہ جسم پر منتقل ہو جاتا ہے۔

روح صالح بر مثلِ اشریت  
نفسِ گرہ مرد را چوں پئے بریست  
روح (جوش) صالح (کے ہے وہ) شتر کی مثل (ایک چیز یعنی بدن پر سوار) ہے اور گمراہ (آدمی) کا نفس اس کے پٹھے کاٹنے والا ہے۔ (۲۶۸/۱)



## صحبت کا مقام

(نفر خواہی آں بہ صحبت قائم است)

سالکین راہ طریقت کے لئے سب سے زیادہ ضرورت صحبت شیخ کی محسوس کی جاتی ہے کیونکہ صحبت کا طریقہ رسول اکرم ﷺ سے اب تک اہل طریقت کا شعار چلا آ رہا ہے۔ مولانا نے نہایت وضاحت سے اس بات کو سالکین راہ طریقت کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ علم تو کتابوں اور دیگر ذرائع سے بھی حاصل ہو سکتا ہے مگر طریقت یا فقر کے معاملات مرشد کامل کی صحبت کے بغیر ذہن نشین نہیں ہوتے کیونکہ علم تو کتابی شے ہے اور طریقت یا فقر کا تعلق محض صحبت سے ہوتا ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نمازی، حاجی، غازی، صوم و صلوٰۃ کے پابند اور تمام عبادات کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے تھے لیکن صرف صحبت کے اعتبار سے ان کو صحابی کہا گیا ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام عبادات میں سے صحبت کے اثرات زیادہ موثر اور مقدم سمجھے جاتے ہیں۔ مولانا کے درج ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ سالکین راہ طریقت کے لئے صحبت کا لزوم کس قدر ضروری ہے۔

مولانا نے ایک مثال دی ہے کہ کسی اہل دل کی صحبت میں اپنے آپ کو جذب کرنے سے اُسی طرح صفات میں تبدیلی آتی ہے، جس طرح تلخی کا ذائقہ رکھنے والا ہلیلہ (ہریڑ) قند کے مرتبان میں ڈال دیا جائے تو اس کے ذائقے کی تلخی بہت کم ہو جاتی ہے کیونکہ ایک مدت تک دونوں کو باہم رکھنے سے ہلیلہ کے رگ و پے میں شکر سما جاتی ہے۔ یہ ہلیلہ دیکھنے کو تو بعد میں بھی ویسا ہی لگتا ہے مگر اس کی صفات بدل چکی ہوتی ہیں۔ اس نظریے کے تحت کہا جاتا ہے

کہ جس چیز کا چاہو مرہ بنا لو۔ یہ کہات اب بھی مشہور ہے کہ ”مرہ بیار و مرہ بخور“ یعنی کسی مرہ بنانے والے کو لاؤ اور مرہ کھاؤ۔ اگر کسی شخص کو روحانی مُربی مل جائے تو وہ بھی مرید کی سیرت میں اخلاقی شیرینی پیدا کر دیتا ہے۔

چوں اولیں از خویش فانی گشت بود  
آں زمینی آسمانی گشت بود  
جب اولیں اپنے آپ سے فانی ہو گئے تھے تو وہ زمین کے رہنے والا آسمانی بن گیا۔ (۱۷۹/۴)

آں ہلیلہ پروریدہ در شکر  
چاشنی تلخیش نبود دگر  
وہ ہریز جو شکر میں مرہ بنی ہو، اس میں پھر تلخی کا مزا نہیں ہوتا۔ (۱۷۹/۴)

آں کے کز خود بگلی در گذشت  
ایں منی و مائی خود در نوشت  
وہ شخص جو خودی سے پوری طرح گذر گیا، اس نے خودی اور انانیت کو لپیٹ دیا ہے یعنی اپنی انانیت کو تہہ کر کے اس سے بڑی ہو گیا۔ (۱۷۹/۴)

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دُنیاوی علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اقوال اور کتابوں کی ضرورت رہتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص طریقت یا فکر کا طالب ہو تو اس کے لئے پیر و مرشد اور کامل شیخ کی صحبت از بس ضروری ہے۔ دانش ایک روحانی چیز ہے جو مرشد کی روح سے مرید کی روح کو ملتی ہے۔ فقر اور سلوک کا علم نور ہے جو مردانِ حق کی صحبت سے ہی مل سکتا ہے، باتوں اور تقریروں سے حاصل نہیں ہوتا۔

## یک زمانے صحبتے با اولیاء

(کچھ دیر اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنا)

مولانا کا یہ شعر بہت مشہور ہے کہ اولیاء کے حضور میں گذرا ہوا مختصر وقت سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔  
یک زمانے صحبتے با اولیاء  
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا  
تھوڑی سی دیر اولیاء کی ہم نشینی سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ (۱۰۱/۱)

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ بے جان روٹی انسان کی صحبت میں رہ کر انسان کا جزو بن جاتی ہے اور بے جان چیزوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ ایندھن کی ظلمت (تیرگی) آگ میں جانے سے انوار میں تبدیل ہو جاتی ہے اور مشعل مشہور ہے کہ ”ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد“ یعنی جو نمک کی کان میں گیا تو وہ بھی نمک بن گیا۔

ہیزم تیرہ حریفِ نار شد  
تیرگی رفت و ہمہ انوار شد  
تاریک ایندھن آگ کا حریف بن جاتا ہے، اس کی تاریکی چلی جاتی ہے اور مجسم نور بن جاتا ہے۔ (۱۳۶/۲)  
در نمکسار از خرِ مُردہ فقاد  
آں خرق و مردگی یکسو نہاد  
نمک کی کان میں اگر مردہ گدھا گرا، اس نے گدھا پن اور مُردار پن کو علیحدہ کر دیا۔ (۱۳۶/۲)

مولانا فرماتے ہیں کہ انسان اپنے پالتو جانوروں کو بہت سے کرتب سکھاتا ہے، مثلاً گھوڑوں کا سدھانا، رچھ کا ناچنا، کتوں کا گلے کی پاسبانی کرنا، بکروں کا مجمعے کو سلام کرنا وغیرہ تو کیا انسان مشائخ سے کچھ بھی نہیں سیکھ سکتا۔ کیا وہ



کتوں سے بھی گیا گذرا ہے؟

بلکہ خود از آدمی در گاو و خر  
لیکن انسان سے خود ہی گائے اور گدھے میں دانائی اور علم و ہنر پہنچ جاتے ہیں۔  
(۱۴۳/۲)

اسپ سسک می شود رہوار و رام  
خس بازی می کند بزم سلام  
کم رفتار گھوڑا تیز رفتار اور فرمانبردار ہو جاتا ہے، ریکھ ناچتا ہے اور بکری بھی سلام کرتی ہے۔  
(۱۴۳/۲)

رفت در سگ ز آدمی حرص و ہوس  
یا شاہاں شد یا شکاری یا حرس  
انسان سے حرص و ہوس کتے میں بچنی اور وہ چرواہا، شکاری یا محافظ بنتا ہے۔  
(۱۴۳/۲)

آئینہ کز زنگ و آلائش جداست

(وہ آئینہ دل جو زنگ اور آلائش سے جدا ہو)

تمام کائنات انسان کے دل میں منعکس ہے لیکن یہ انعکاس اس وقت ہی محسوس ہو سکتا ہے کہ جب آئینہ دل  
حرص و ہوس اور دنیا داری کے تردد سے صاف ہو۔ جب ”حُبُّ الشَّهَوَاتِ“ یعنی شہوات کی خواہش انسان کے دل  
کے آئینے کو مکدر اور آلودہ کر دیتی ہیں اس لیے عرفان حقائق حاصل نہیں ہو سکتا۔ عام انسانوں کے دل زنگ آلود  
ہونے کی وجہ سے حقیقت کو پہچاننے والے نہیں ہوتے۔

آئینہ ات دانی چرا غماز نیست  
ز آنکہ زنگار از رخسار نیست  
تم جانتے ہو کہ تمہارا آئینہ حقیقت کا غماز کیوں نہیں ہے، کیونکہ اس کے چہرے سے زنگار الگ نہیں ہوا ہے۔  
(۳۵/۱)

آئینہ کز زنگ و آلائش جداست  
پُر شعاع نور خورشید خداست  
وہ آئینہ جو آلائش اور زنگ سے جدا ہے، وہ خدا کے نور کے آفتاب کی شعاعوں سے بھرا ہے۔  
(۳۵/۱)

رو تو زنگار از رخ او پاک گن  
بعد ازاں آن نور را ادراک گن  
جاؤ تم دل کے چہرے سے زنگ پاک کرو، اس کے بعد خدا کے نور کا ادراک کرو۔  
(۳۵/۱)

اہل عقل کہتے ہیں کہ علم کا ذریعہ یا تو محسوسات ہیں یا معقولات ہیں (یعنی فلسفہ اور حکمت کے علوم سے)  
انسان تجربے اور مشاہدے سے خارج کی چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے مگر روحانی لوگوں کا خیال ہے کہ حقیقی علم خارج  
کی معلومات سے نہیں، باطن سے بذریعہ تصفیہ قلب پیدا ہوتا ہے۔ ان کا اصول ہے کہ اس آئینے کو چمکاؤ یعنی جیسے کہا  
گیا ہے ”صیقلی کن، صیقلی کن صیقلی“ (یعنی چمکاؤ، چمکاؤ اور خوب چمکاؤ)۔ انسان علت اور معلول کی کڑیاں جوڑتا  
ہے اور زندگی کی اضداد خیال میں شک پیدا کر دیتی ہیں، اس لئے استدلالی حکمت (دلائل پر قائم حکمت) شک و شبہ  
کے دائرے سے باہر نہیں جاتی، خارجی معلومات کا انبار لگانے کی بجائے اگر انسان دل کو چمکائے تو علم یقین، عین  
الیقین اور حق الیقین پیدا ہو جاتے ہیں۔

مولانا نے رومی اور چینوں کے فن کی مثال پیش کی ہے کہ جب رومیوں اور چینوں کے ہنر کے فن کا مقابلہ ہوا

تو روم کے فنکار ایک دیوار پر نقش و نگار بناتے رہے اور چینیوں نے اپنی دیوار کو شیشے کی طرح صاف اور چمکدار کر دیا جب بوقتِ مقابلہ دونوں دیواروں کے درمیان سے پردہ ہٹایا گیا تو رومیوں کا فن چینیوں کی شیشہ کی طرح صاف اور چمکتی دیوار میں منعکس ہوا اور رومیوں کے فن سے زیادہ خوشنما نظر آیا۔ کائنات کی ہر چیز خدا کا پتا دیتی ہے، جس طرح کسی چیز کا سایہ نظر آئے تو آفتاب کا پتا چلتا ہے۔ آفتاب خود دلیلِ آفتاب ہے ۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب      گر دلیلت باید از وے رو متاب

آفتاب کی دلیل خود آفتاب ہے، اگر تجھے دلیل درکار ہے تو اس حقیقت سے منہ نہ موڑ۔ (۴۳/۱)  
لوگوں کو سائے سے اتنا فائدہ نہیں جتنا سورج سے ہوتا ہے، اس لئے دنیا شمسِ ازلی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی محتاج ہے۔ موجودات میں گھرا رہنے سے فائدہ نہیں ہوتا، اگر کوئی سایہ میں بیٹھا رہے تو نیند غالب آ جاتی ہے اور مقصدِ حیات تو بیداری ہے۔

سایہ خواب آرد ترا بھجوں سمر      چوں بر آید شمس انشقَ القمر  
سایہ قصہ گوئی کی طرح تجھے سُلاتا ہے، سورج ٹکلتا ہے، چاند شق ہو جاتا ہے۔ (۴۳/۱)  
ہر چیز سورج کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے، حتیٰ کہ چاند بھی معدوم ہو جاتا ہے۔ آفتابِ ازلی یعنی خدا کی تو کوئی مثل نہیں۔

آں خیالات کہ دامِ اولیاء ست      عکسِ مہ رویان بتانِ خداست  
وہ خیالات جو اولیاء کے لئے جال ہیں، خدا کے باغ کے حسینوں کا عکس ہیں۔ (۴۳/۱)

### وحی اور الہام

مولانا فرماتے ہیں کہ وحی اور الہام میں کون خطاب کرتا ہے اور مخاطب کون ہے؟ تمام ارواح، روح الارواح یعنی ذاتِ باری تعالیٰ سے صادر ہوئی ہیں۔ انسان کے اوپر کئی پردے چڑھے ہوئے ہیں۔ اگر یہ پردے دور ہو جائیں تو پھر روح اپنے مصدر (اللہ) سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔ انسان پر جو کچھ القا ہوتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا کچھ کہہ رہا ہے، لیکن مولانا فرماتے ہیں کہ یہاں دوسرا کوئی نہیں، انسان کی اپنی روح کی گہرائیوں سے وہ آواز نکلتی ہے کیونکہ خدا تو ہماری شہ رگ سے نزدیک ہے، جو ہماری روح کی گہرائی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ روحِ انسانی کی گہرائیاں اتھار ہیں۔ شیطان بھی اندر سے بولتا ہے، خدا بھی انسان کے اندر سے ہی خطاب فرماتا ہے۔ لوگ بحثوں سے بچنے کے لئے اس کو وحیِ دل کہتے ہیں۔

طوطی کا یہ زوی آوازِ او      پیش ز آغایِ وجود آغایِ او  
وہ طوطی (روح) جس کی آواز وحی سے ہے، وجود کی ابتداء سے پہلے اس کی ابتداء ہے۔ (۱۹۳/۱)

از بچے روپوش عامہ در بیاں      وحیِ دل گویند آں را صوفیاں  
عوام سے روپوشی کے لئے بیان میں، اس کو صوفی دل کی وحی کہہ دیتے ہیں۔ (۱۸۱/۴)



## بتیسواں باب

### فلسفہ بقا و ارتقاء

مولانا رومیؒ کا فلسفہ بقا اور ارتقاء بیان کرنے سے پہلے بقا اور ارتقاء کے لغوی معنوں کا علم ہونا ضروری ہے، لہذا سرِ دلبراں اور کتاب التمع میں دیئے گئے معنی ملاحظہ فرمائیں۔

#### ارتقاء

تصوف میں ارتقاء سے مراد ارتقائے نفسِ ناطقہ (یعنی انسانی مراتبِ عالیہ) کے ہیں۔ دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ طفلِ شیرخوار شیرِ مادر سے پرورش پاتا ہے اور اپنی ماں کے پاس گہوارہ میں محبوس (مقید) رہتا ہے۔ جب بڑا ہوتا ہے تو پھر ماں سے جدا ہو کر باپ کی تربیت میں آتا ہے اور سفرِ اختیار کر کے تحصیلِ علوم میں منہمک ہو جاتا ہے اور مراتبِ عالیہ پر فائز ہوتا ہے پھر کسبِ امورِ صوری اور معنوی میں مشغول ہوتا ہے۔ تحصیلِ حقائق کے بعد مادرِ طبیعت سے اس کا بُعد ہو جاتا ہے اور پدرِ علوی سے اسے قُرب حاصل ہوتا ہے پھر وہ مراتبِ عالیہ پر فائز ہوتا ہے۔

عناصرِ اربعہ مرتبہٴ سفلی رکھتے ہیں اور مثلِ ماں کے ہیں اور افلاکِ علوی باپ سے مشابہت رکھتے ہیں، ان دونوں کے ازدواج سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ اس ارتقاء میں نسبِ مجازی کوئی چیز نہیں۔

بندہٴ عشق شوی ترکِ نسب کن جامی کہ در ایں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست  
اے جامی! تو عشق کا بندہ بن اور نسب کو ترک کر دے کیونکہ اس راہ میں فلاں کا بیٹا فلاں کوئی معنی نہیں رکھتا۔

وہ نسبت جو شہوت سے ہو بجز کبر و نخوت (تکبر اور غرور) کے اور کچھ پیدا نہیں کر سکتی۔ ایسے انسانوں میں مقید

رہنا کمال انسانی پر پہنچنے سے مانع ہوتا ہے کیونکہ کمال انسانی مجرد اور مقام اطلاق سے متعلق ہے، انسان کا مقصد اصلی معرفت الہی ہے، جس کا حصول حجاب خودی دور ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ سورہ المؤمنین میں ہے کہ ”جب صور پھونکا جائے گا اس دن انسانوں میں کوئی نسب قائم نہیں رہے گا اور نہ ہی اس کے متعلق کوئی پوچھ گچھ ہوگی۔“ (یعنی دین کا نسب ہی قائم رہے گا)۔

مولانا کا فرمان ہے کہ کائنات کی ہر شے ایک دوسرے میں تحلیل ہوتی رہتی ہے اور بالآخر انسان میں تحلیل ہو کر معرفت کی قابلیت پیدا کرتی ہے۔ بخارات اٹھتے ہیں، بادل بنتے ہیں اور اوپر جا کر قطرے بن کر بارش برساتے ہیں۔ بارش زمین پر آتی ہے تو سبزہ زار اُگتا ہے اور نبات کا نام اختیار کرتے ہیں۔ یہ نبات جانوروں کی غذا بنتی ہے اور حیوان کا حصہ بن جاتی ہے اور بالآخر انسان جانوروں کو کھاتا ہے اور اس کے ہاں اولاد پیدا ہوتی ہے جو عمر صوری کے بعد مبداء سے جا ملتی ہے، یہی ارتقاء ہے۔

اسی طرح روحانی طفل شیرخوار (مرید) جس نے نفس ناسوتی سے خلاصی نہیں پائی، شیر مالوفات طبع (روحانی طبع کا دودھ) اور مادر اسفل السافلین یعنی عناصر کی گود میں اور بدن کے گہوارے میں محبوس رہتا ہے۔ جب بالغ ہوتا ہے یعنی جب آثار رشد (ارشاد و ہدایت) اس میں نمودار ہوتے ہیں اور نیک و بد کی تمیز اس میں پیدا ہو جاتی ہے تو وہ سفر معنوی اختیار کرتا ہے۔

### فنا اور بقا

فنائیت عدم شعور کو کہتے ہیں، ذات احد میں اس درجہ استغراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے، فنا کہلاتا ہے۔ بے خودی بھی یہی ہے کہ اپنی خودی کا ہوش نہ رہے۔ کتاب التلویع میں ہے کہ فنا بندے کا اللہ کے ساتھ قائم ہونا ہے اور بندے کے افعال کی جگہ اللہ کی صفات اور افعال کا قائم ہو جانا بقا ہے۔ اس کی تشریح ہماری عنقریب شائع ہونے والی تصنیف ”اسلام و روحانیت اور فکر اقبال“ میں دے دی گئی ہے، یہاں اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

### بقا

وہ بقا جو فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے، اس بقا کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہر ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ اپنا وجود قائم رکھنے کے لیے ہے اور ان میں سے ہر ایک کا مقصد یہ ہے کہ اس کو بقا حاصل ہو سکے، جس کو انگریزی میں (Survival of the Fittest) کہتے ہیں۔

### مولانا کے فلسفہ ارتقاء کا مفہوم

انسانی زندگی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فطرت نے بقاء اور ارتقاء کے اصولوں کو اس دنیا میں اُجاگر کیا ہے۔ ہر شخص اور ہر شے اپنی بقا کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے اور اسی وجہ سے جو سب سے زیادہ قوی ہوتے



ہیں وہ اس بقا کی جنگ میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر شے میں اپنی ذات کا ارتقاء بھی اس لئے ضروری ہے کہ وہ زمانے کی گردش میں کامیاب رہنے کے قابل ہو سکے اور اپنے مقاصد زندگی کو بخوبی حاصل کر سکے۔ یہ مضمون بہت طوالت طلب ہے، اس لئے یہاں مولانا روٹی کے چند اشعار ہی پیش کئے جائیں گے۔

آنکہ از پستی بہالا بر رود

(انسان جو پستی سے رفعتِ افلاک پر پہنچتا ہے)

مولانا روٹی جہاں یہ فرماتے ہیں کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے ”فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ“ (بے شک ہم نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے) (الحج: ۵) وہاں آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی روح عالم مادی کی پیداوار نہیں، وہ عالم بالا سے مادی دنیا کی پستی کی طرف اس لئے بھیجی گئی ہے کہ رُجْعۃً اِلٰی اللّٰہ کی سعی دراز سے اپنے ممکنات حیات کو مستحکم بنا سکے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرنے کی سعی کو حقیقت بنائے اور جب یہ کہا کہ ہم نے تم کو مٹی سے بنایا تو اس سے تم اپنی ہستی کو پستی کا مادہ نہ سمجھو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ درخت کے بیج کو جب مٹی میں بویا جاتا ہے تو ذوقِ نمو اور شوقِ ارتقاء اس کو سر بلند درخت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عام انسان تو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان خاک سے نکلا اور پھر خاک میں چلا جائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کو خاک سے ابھر کر کائنات کی کار فرما قوتوں کا سردار بننا ہے۔

میں کہ اندر خاک ٹخے کا شتم      گردِ خاکی و منشِ افرا شتم  
دیکھ لے میں نے مٹی میں بیج بویا، وہ خاکی بنا اور میں نے اس کو بلند کیا۔ (۵۵/۳)

حملہ دیگر تو خاکی پیشہ گیر      تا گنم بر جملہ میلنت امیر  
دوسری بار تو خاکی ہونا اختیار کر، تاکہ میں تجھے تمام سرداروں کا سردار بنا دوں۔ (۵۵/۳)

آب از بالا بہ پستی در رود      آنکہ از پستی بہالا بر رود  
پانی بلندی سے پستی کی طرف جاتا ہے، لیکن وہ پستی سے بلندی کی طرف جاتا ہے۔ (۵۵/۳)

دانہ ہر میوہ چوں گردد دَفسِ      بعد ازاں سر ہا بر آرد از زمیں  
ہر میوے کا بیج زمین میں آتا ہے، اس کے بعد زمین سے بہت سے سر نکلتے ہیں۔ (۵۵/۳)

اصل نعمت ہا ز گردوں تابناک      زیر آمد شد غذائے جانِ پاک  
تمام نعمتوں کی اصل آسمان سے مٹی تک نیچے آئی تو پاک جان کی غذائی۔ (۵۵/۳)

پس صفاتِ آدمی شد آں جماد      بر فرازِ عرش پڑاں گشت شاد  
تو وہ بے جان آدمی کی صفات سے (موصوف) ہو گیا اور خوش ہو کر آسمان کی بلندی پر اڑ گیا۔ (۵۵/۳)

جملہ اجزا در تحرک در سکون ناطقان کہ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ  
تمام اجزا حرکت اور سکون میں کہتے ہیں کہ ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ (۵۵/۳)  
اشعار بالا کے ترجمے سے مولانا کا مفہوم واضح ہوتا ہے اور علامہ اقبالؒ نے ان کے خیالات کے مطابق بہت  
سے اشعار لکھے ہیں، جن کا بیان یہاں ممکن نہیں، البتہ چند اشعار شائقین کے ذوق کے لئے دیئے جا رہے ہیں۔  
علامہ ضرب کلیم میں فرماتے ہیں ۷

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم	رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش	خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
چچے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں	جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

(ض۔ک۔۵۰۷)

ہمسایہ جبریلؑ میں بندہ خاکی	ہے اس کا نشین نہ بخارا نہ بدخشاں
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن	قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے	دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم	دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
فطرت کا سرود ازلِ اس کے شب و روز	آہنگ میں یکتا صفتِ سورہٴ رحمن
بننے ہیں مری کارگرہ فکر میں انجم	لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

(ض۔ک۔۵۲۲)

ایں بقا ہا از فنا ہا یافتی

(تو نے یہ بقائیں فناؤں سے ہی حاصل کی ہیں)

مولانا روٹی ارتقائی صوفی اور حکیم ہوئے ہیں۔ آپ تمام مسلمان حکماء و صوفیا میں امتیازی مقام رکھتے ہیں،  
فلسفہ ارتقاء کو آپ نے کئی مقامات پر مثنوی میں بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ انسان چار عناصر (آتش و باد  
آب اور خاک کی منزل میں تھا اور اگر زندگی میں میلان ارتقاء (ترقی کرنے کا میلان) نہ ہوتا تو وہ اس سے آگے  
قدم نہ اٹھا سکتا۔ غور سے دیکھا جائے تو انسان کئی مراحل طے کرتا ہے اور ایک وقت ایسا تھا کہ وہ کوئی قابل ذکر  
چیز نہ تھا۔ ”هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئاً مَّذْكُوراً“ (بے شک آدمی پر ایک وقت وہ بھی  
گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا) (الدھر:۱) اللہ تعالیٰ محض ایک ”خلاق“ نہیں بلکہ مبدل ہستی ہے۔ اس کی  
ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ زندگی بہتر سے بہتر صورتوں میں بدلتی رہتی ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اس حالت تک



انسان نے ہزارہا صورتیں بدلی ہیں، اس حال میں کہ پہلی صورت سے بعد میں آنے والی صورت بہتر تھی۔ تمام کائنات میں فنا و بقا کا قانون جاری و ساری ہے۔ ایک صورت کے فنا ہونے کے بعد ہی دوسری صورت ظہور میں آسکتی ہے۔ زندگی کا مقصد افزونی و حیات ہے اور کسی ایک حالت پر اس کا قیام اس کا مقصد نہیں ہے۔

تو ازاں روزے کہ در ہست آمدی آتش یا خاک یا بادے بدی  
تو جس دن سے وجود میں آیا ہے، آگ یا خاک یا ہوا تھا۔ (۸۸/۵)

گر بداں حالت ترا بودے بقا کہ رسیدے مر ترا ایں ارتقا  
اگر اسی حالت پر تیرا بقا ہوتا تو تجھے یہ ترقی کب حاصل ہوتی؟ (۸۸/۵)

از مُبدِل ہستیءِ اوّل نہ ماند ہستیءِ دیگر بجائے او نشاند  
تبدیل کرنے والے کی وجہ سے پہلا وجود نہ رہا، اس نے دوسرا وجود اس کی بجائے قائم کر دیا۔ (۸۸/۵)

بچیں تا صد ہزاراں ہستیا بعد یک دیگر دوم بہ زابتدا  
جسمیں تا صد ہزاراں ہستیا بعد ایک دیگر دوم بہ زابتدا (۸۸/۵)

ایں بقا از فنا یافتی از فنایش رُو پُرا بر تافتی  
تو نے یہ بقائیں فناؤں سے حاصل کی ہیں، اس کی فنا سے تو نے کیوں منہ موڑا ہے۔ (۸۸/۵)

صد ہزاراں حشر دیدی اے عنود تاکنون ہر لحظہ از بدو وجود  
اے سرکش! تو نے لاکھوں حشر دیکھے ہیں، ہر لمحہ وجود کی ابتداء سے اب تک۔ (۸۹/۵)

از جمادی بے خبر سوی نما وزما سوئے حیات و ابتلا  
بے خبری میں جمادیت سے نشوونما کی جانب اور نشوونما سے زندگی اور آزمائش کی جانب رواں دواں ہوں۔ (۸۹/۵)

زانکہ او از اصل بے پرواز بود واں دگر پرندہ و پر باز بود  
کیونکہ وہ اصل سے بغیر اڑان کے تھا، وہ دوسرا اڑنے والا اور کھلے پروں کا تھا۔ (۹۰/۵)

اگر زندگی کا اصل میلان ارتقائی ہے تو پھر ایک حالت پر قائم ہو جانا اور تبدیلی ہیئت کی تمنا نہ کرنا موت کے برابر ہے۔ علامہ اقبالؒ کا شعر ہے ۔

دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا زندگی موت ہے کھو دیتی ہے جب ذوق خراش

فقط ذوق پرواز ہے زندگی

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی

حدیث شریف میں آیا ہے :

قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِرْزَحُمُوا  
ثَلَاثًا عَزِيزٌ قَوْمٌ ذُلٌّ، وَغَنِيٌّ قَوْمٌ  
اِفْتَقَرُوا وَغَالِمًا لِمَا يَلْعَبُ بِهِ الْجُهَالُ  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”تین قسم کے اشخاص پر رحم کرو۔  
ایک وہ جو اپنی قوم میں سرداری و اقتدار رکھتا تھا (لیکن  
انقلاب روزگار سے) وہ ذلیل ہو گیا۔ دوسرا وہ جو کبھی امیر تھا  
لیکن اب افلاس میں گرفتار ہے۔ تیسرا وہ عالم جو جاہلوں کے  
بچ میں گھر گیا اور علم سے تہی دامن اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کا بھی یہی حال ہے، ابنِ آدم اَحْسَنَ تَقْوِيمٍ سے اَسْفَلُ السَّافِلِينَ میں گر رہا  
ہے مگر بعض اہل بصیرت نے اپنے پہلے ازلی مقام کو فراموش نہیں کیا۔ وہ اپنے مسجود ملائک ہونے کی حالت کو نہیں  
بھولے۔ آدم علیہ السلام اپنی اصلی حالت میں نیابتِ الہی اور سردارِ عالم بھی تھے، غنی بھی تھے اور وَعَلَّمَ اَدمَ الْاَسْمَاءَ  
كُلَّهَا (یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم الاسماء عطا فرمایا) (البقرہ: ۳۱)، اس کی بدولت وہ عالم بھی تھے۔ عام انسان  
اب ان تینوں حیثیتوں کو بھول گیا ہے ۔

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش باز جوید روزگار وصلِ خویش  
جو کوئی اپنی اصل سے دور ہو جاتا ہے، وہ اپنے وصل کا زمانہ پھر تلاش کرتا ہے۔ (۳۱/۱)

ویسے بھی کہا جاتا ہے ”كُلُّ شَيْءٍ يُرْجَعُ اِلَى اَصْلِهِ“ (ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے) اپنی ماہیت میں  
انسان اللہ تعالیٰ سے اس طرح وابستہ تھا کہ جس طرح شاخ درخت کے تنے اور اس کی جڑ سے وابستہ ہوتی ہے یا  
ایک زندہ عضو ایک زندہ جسم سے رابطہ رکھتا ہے۔ عضو کٹ جائے تو وہ مر جاتا ہے، جو لوگ درجہٴ اسفل تک خدا سے  
گٹ کر دنیا سے وابستہ ہو گئے تو اُن کی حالت ان کتوں کی طرح ہوتی ہے، جن کو مردہ گوشت لذیذ محسوس ہوتا ہے  
”الدُّنْيَا جِيفَةٌ وَطَالِبُهَا كِلَابٌ“ یعنی دُنیا مُردار ہے اور اس کا طالب کتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ۔

آنکہ او بعد از عزیزی خوار شد  
واں تو نگر ہم کہ بے دینار شد  
وہ جو عزت کے بعد ذلیل ہو گیا ہو، وہ مالدار بھی جو بے زر ہو گیا ہو۔ (۹۱/۵)

واں سوم آں عالے کاندر جہاں  
مبتلا گردد میانِ ابلہاں  
تیسرے وہ عالم جو دنیا میں، بے وقوفوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ (۹۱/۵)

زانکہ از عزت بخواری آمدن  
ہچو قطع عضو باشد از بدن  
کیونکہ عزت سے ذلت میں آ جانا، جسم سے عضو کٹ جانے کی طرح ہے۔ (۹۱/۵)

عضو گردد مردہ کرتن وا بُرید  
نو بُریدہ جُنبدِ امانا نے مُدید  
جو عضو بدن سے کٹ گیا وہ مردہ ہو جاتا ہے، نیا کٹا ہوا تڑپتا ہے لیکن زیادہ دیر نہیں۔ (۹۱/۵)



ہر کہ از جامِ اُلت اُو خورد پار ہستش اِسمال آفت رنج و خمار  
جس نے گذشتہ سال جامِ اُلت سے پیا ہو، اس کو اس سال رنج اور اعضاء شکنی کی مصیبت ہوگی۔ (۹۱/۵)  
وانکہ پُوسِ سگ ز اصل گُہدانی بُود کے مرأورا حرصِ سلطانی بُود وہ جو کتے کی طرح اصل سنڈاس کا ہو، اس کو بادشاہت کا لالچ کب ہوتا ہے۔ (۹۱/۵)

مولانا فرماتے ہیں کہ مومن اس دنیا میں ایسے ہی ہے جیسے کوئی شکاری کسی غزال رعنا (مشک والا ہرن) کو گائے اور بھینسوں کے طویلے میں بند کر دے تو وہ وہاں کے ماحول سے سخت پریشان ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اسلام دنیا میں آیا تو اجنبی تھا اور آخرت میں بھی اجنبی ہو جائے گا۔ مبارک ہو ایسے کسمپرس اجنبیوں کے لئے جو غرباء تھے (بِذَاءِ الْاِسْلَامِ غَرِيبًا وَسَيَعُوْذُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ) (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹۰)

مولانا فرماتے ہیں کہ ہرن میں مشکِ نافہ ہوتا ہے اور اس کی غذا سنبل و لالہ جیسے پودے، اسی لیے بے چارہ گاؤں کے طویلے میں پریشان حال رہتا اور اکثر ہی بیمار رہتا تھا۔ ایک دن ایک گدھا بھی بیمار ہو گیا تو اس نے اپنا کھانا ہرن کو پیش کیا مگر اس نے نہ کھایا۔ گدھا کہنے لگا کہ تم خود کو بوا معزز اور ہمیں ذلیل سمجھتے ہو کہ ہماری ضیافت قبول نہیں کرتے، ہرن نے کہا کہ تم اسے ضیافت سمجھتے ہو مگر میرے لئے تو یہ آفت ہے۔ گدھے نے کہا کہ آپ گیس ہانکنے کیونکہ دوسرے ملک میں جا کر مسافر گپ لگا سکتا ہے۔ دنیا دار بھی مومن کو اسی طرح نشانہ ہدف بناتے ہیں۔

موجوداتِ عالم کو چار قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے : جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان لیکن ان کے مسئلہ آفرینش کے متعلق حکماء میں اختلاف رائے ہے۔ عام رائے یہ ہے کہ یہ چاروں اپنے وجود میں مستقل ہیں، یعنی فطرت نے ان کو ابتدا ہی سے اس صورت میں پیدا کیا ہے۔ دوسرے فریق یعنی ڈارون کا خیال ہے کہ اصل میں صرف ایک چیز تھی، وہی ترقی کرتے کرتے اخیر درجہ یعنی انسان تک پہنچی۔ اس کا خیال تھا کہ انسان پہلے جمادات، پھر نبات، پھر حیوان اور پھر انسان بنا۔ یہ سلسلہ ارتقاء خود ان انواع میں بھی جاری ہے، مثلاً قاختہ، قمری، کبوتر جداگانہ نوعیں نہیں ہیں بلکہ اصل میں ایک ہی پرندہ تھا جو خارجی اسباب سے مختلف صورتیں بنتا گیا اور صورت کے انقلاب کے مطابق سیرت بھی بدلتی گئی۔ اس مسئلہ کا موجد ڈارون خیال کیا جاتا ہے اور درحقیقت ڈارون نے جس تفصیل اور تدقیق سے مسئلہ کو ثابت کیا ہے اس کے لحاظ سے وہی اس مسئلہ کا موجد سمجھا جاتا ہے۔ مولانا رومؒ نے اس مسئلہ کو ان اشعار میں بصراحت لکھا ہے ۔

آمدہ اوّل باقلیم جماد وز جمادی در نباتی او فتاد پہلے وہ (روح) جماد کی اقلیم میں آئی اور پھر جمادی (اقلیم) میں آئی۔ (۳۴۴/۴)  
سالہا اندر نباتی عمر کرد وز جمادی یاد ناورد از نبرد سالوں نباتی (اقلیم) میں عمر بسر کی اور سرکشی کی وجہ سے اپنی جمادی (زندگی) کو بھلا دیا۔ (۳۴۴/۴)

وز نباتی چوں بہ حیوانی فتاد اور نباتی (اقلیم) جب حیوانی (اقلیم) میں آئی، اس کو نباتی (اقلیم) کا حال کبھی یاد نہ آیا۔ (۳۴۴/۴)

بُھو ہُماں میلے کہ دارد سُوئی آں خواصہ در وقت بہار و ضمیراں سوائے اُس میلان کے جو اُس کی جانب ہے، خصوصاً بہار اور ضمیراں کے موسم میں۔ (۳۴۴/۴)

ہچو میل گودکاں با مادراں بَر میل خود نداند در لباں جیسا کہ بچوں کا ماؤں کی طرف میلان ہے کہ وہ دودھ پینے میں اپنے میلان کا خود راز نہیں جانتے۔ (۳۴۴/۴)

نہنیں اقلیم تا اقلیم رفت تاشد اکنوں عاقل و دانا و زفت وہ اسی طرح (ایک) اقلیم سے (دوسری) اقلیم تک چلتی رہی، یہاں تک کہ وہ اب غفلند، دانا اور قوی ہو گئی۔ (۳۴۵/۴)

اس دُنیا میں ہر زندہ ہستی صید بھی ہے اور صیاد بھی

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ اس دُنیا میں حشرات الارض سے لے کر انسان تک ہر زندہ ہستی صید بھی ہے اور صیاد بھی۔ ہر مخلوق کچھ نہ کچھ کھاتی ہے اور خود کسی دوسرے کی خوراک بنتی ہے۔ پرندہ کیڑے کھاتا ہے اور مٹی پرندے کو کھاتی ہے، چور مال کی تاک میں ہے اور کوتوال چور کی تاک میں، گھاس پانی پی کر سرسبز ہوتا ہے تو جانور اس کو کھا جاتے ہیں اور اس جانور کو بھی انسان کھا جاتا ہے۔

عالم جسمانی کے علاوہ عالم نفسی کا بھی یہی حال ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کو کھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں جو کسی کی غذا نہیں اور اللہ کی بھی کوئی غذا نہیں۔ اگر انسان آکل و ماکول کی نفسا نفسی سے بچنا چاہتا ہے تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ صفات الہیہ سے متصف ہو جائے تو پھر اس کو بقا حاصل ہو جائے گی اور وہاں تنازع للبقاء نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ۔

مرنگے اندر شکارِ کرم بُود گر بہ فرصت یافت اُورا در رُود ایک چھوٹا سا پرندہ کیڑے کے شکار میں (مصروف) تھا، مٹی کو موقع ملا وہ اُس کو اُچک لے گئی۔ (۸۱/۵)

آکل و ماکول بود او بے خبر در شکارِ خود، ز صیاد و گر وہ کھانے والا اور قلمہ تھا اور بے خبر تھا، اپنے شکار میں، دوسرے شکاری سے۔ (۸۱/۵)

دزد گرچہ در شکارِ کالہ است شخہ با خصمانش در دُبالہ است چور اگرچہ سامان کے شکار میں (مصروف) ہے، کوتوال مع اس کے دشمنوں کے (اس کے) درپے ہے۔ (۸۱/۵)

او چنال غرق ست در سُدائے خود غافل ست از طالب و جویائے خود وہ اپنی دھن میں ایسا غرق ہے کہ اپنے طالب اور جویا سے غافل ہے۔ (۸۱/۵)



گر حشیش آبِ زلالے میخورد  
معدہ حیوانش در پے مچرد  
اگر گھاس شیریں پانی پیتی ہے تو بعد میں اُس کو حیوان کا معدہ چر لیتا ہے۔ (۸۲/۵)  
آکل و ماکول آمد آں گیاه  
نہنجیں ہر ہستی غیرِ الہ  
وہ گھاس کھانے والی اور غذا بن گئی، خدا کے سوا ہر موجود ایسا ہی ہے۔ (۸۲/۵)

وہو یطعمکم ولا یطعمکم چو اُوست  
نیست حق ماکول و آکل لحم و پوست  
چونکہ وہ تمہیں کھلاتا ہے اور کھلایا نہیں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ غذا اور گوشت و پوست کا کھانے والا نہیں ہے۔ (۸۲/۵)  
ہر خیالے را خیالے میخورد  
فکرِ آں فکرِ دگر را می پرد  
ہر خیال کو ایک خیال کھا جاتا ہے، اس کا فکر دوسرے فکر کو چر جاتا ہے۔ (۸۲/۵)

ہیں گریز از جوقِ اکالِ غلیظ  
سُوئے او کہ گفت ہستیمتِ حفیظ  
خبردار! بھاری یعنی زیادہ کھانے والوں کی جماعت سے بھاگ اُس کی جانب، جس نے فرما دیا ہے ہم تیری حفاظت کرنے والے ہیں۔ (۸۲/۵)

جب انسان اس منزل پر پہنچ جائے کہ علم ازلی کا حامل ہو جائے تو اسے مظاہرِ فطرت (ارضی یا فلکی) کا علم ہو جاتا ہے۔ یہ ظاہری محسوسات جو حقیقت کے مغز پر چھلکوں کی مانند ہیں، صاحبِ مغز (یعنی مشاہدہ والا) لازماً ان کا بھی مالک ہو جاتا ہے، یعنی پھل خریدنے والا چھلکے کا بھی مالک ہو جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ارض و سما کے مظاہر چھلکے ہیں اور مغز حقیقت ہے، یعنی مجازی عارف حقیقت کے احاطہ قدرت

میں ہوتا ہے۔

پس فلک قشرِ ست و نور روح مغز  
ایں پدید است آں خفی زیں رومغز  
بس آسمان چھلکا ہے اور روح کا نور مغز ہے، یہ کھلا ہے وہ چھپا ہوا ہے، اس سے لغزش نہ کھا۔ (۳۰۶/۲)

**تنبیخ آیات سے قانونِ تغیر کی تعلیم ہے**

”مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“  
ترجمہ :- جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اُس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے، کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔ (البقرہ: ۱۰۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم آیات کو اس وقت تک منسوخ نہیں کرتے، جب تک اس جیسی یا اس سے بہتر کوئی آیت نہ لے آئیں۔ فطرت ہر وقت تجدید میں مصروف ہے۔ شریعتیں قوموں میں نظم و نسق پیدا کرنے کے لئے نافذ کی جاتی ہیں مگر جب اقوام کی حالت بدل جائے تو اللہ تعالیٰ شرائع کو بدل دیتا ہے۔ غور سے دیکھیں کہ تورات، زبور اور انجیل جو خدا کی نافذ کردہ شرائع تھیں

لیکن یہ اُس زمانے کے ماحول کے مطابق تھیں۔ انسان کا ذہن ہر زمانے میں بدلتا گیا، چنانچہ وہ شرائع بھی بدلتی گئیں لیکن جب انسان کا ذہن پختہ (Mature) ہو گیا تو شرائع کو بھی بدل کر پختہ کر دیا گیا۔ اب اس کے بعد آخری شرع میں اجماع، قیاس اور استصلاح وغیرہ کے مطابق معمولی رد و بدل تو ہوئی مگر دین وہی رہا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو رات دن کو منسوخ کر دیتی ہے۔ موسم بدلتے ہیں اور حالاتِ زمانہ بھی بدلتے ہیں۔ جنگوں میں بھی جانیں ضائع ہوتی ہیں مگر اس کے بعد اصلاح و فلاح سے انسان کی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ بقا اور ارتقاء کے لئے تنفیخ کا قانون لازم و ملزوم ہے مگر خدا کے غیر متغیر قوانین یا آئین منسوخ نہیں ہوتے۔ ”فَلَنَسْجُدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا“ تو تم اللہ کی سنت کو ہرگز بدلتا نہ پاؤ گے۔ (فاطر: ۴۳) مظاہر حیات میں ایک مظہر دوسرے کی تنفیخ کرتا رہتا ہے، جس کے بغیر نہ بقائے حیات ممکن ہے اور نہ افزائشِ حیات، کیونکہ اس سے انسان فروغ حاصل کرتا ہے۔

مولانا روٹی باغبان کی مثالیں دیتے ہیں کہ وہ باغ کی بہتری کے لئے باغ میں تغیر و تبدل کرتا رہتا ہے۔ شاخوں کو کاٹنا درختوں کی بہتری کا ذریعہ بنتا ہے۔ فالتو جڑی بوٹیوں کو کاٹ دیتا ہے تاکہ زمین کی طاقت ضائع نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ اپنے ادنیٰ میلانات کو منسوخ کرتے جاؤ، یہاں تک کہ تمہیں حیاتِ جاودانی حاصل ہو جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ”جس کے دو دن برابر ہیں تو وہ گھائے میں ہے۔“ ایک حالت میں قائم رہنا جمود پیدا کرتا ہے۔ روزی کپڑے کی قطع و برید کرتا ہے تو عمدہ لباس بناتا ہے۔ سوداگر کچھ سامان بیچتا ہے تو زیادہ منفعت کے بعد بہتر مال خریدتا ہے۔

ہر شریعت را کہ حق منسوخ کرد  
اُو گیا بُرد و عوض آورد و رد  
جس شریعت کو خدا نے منسوخ کیا ہے تو اس نے گھاس کو ختم کیا اور بدلے میں گلاب لایا ہے۔ (۳۹۱/۱)

شب کند منسوخ نور روز را  
چوں جمادے داں خرد افروز را  
رات دن کی روشنی کو منسوخ کر دیتی ہے، عقل بڑھانے والے کو پتھر کی طرح سمجھ۔ (۳۹۱/۱)

باز شب منسوخ شد از نور روز  
تا جمادی سوخت زان آتش فروز  
پھر دن کی روشنی سے رات منسوخ ہوتی ہے، یہاں تک کہ اس حرارت پیدا کرنے والے کی وجہ سے پتھر پلا پن ختم ہو گیا۔ (۳۹۱/۱)

جنگ پیغمبرِ مدارِ صلح عُہد  
صلحِ ایں آخر زماں زان جنگ بُد  
پیغمبر ﷺ کی جنگ صلح کا دار و مدار ہوئی، اس اخیر زمانہ کی صلح اسی جنگ کی وجہ سے تھی۔ (۳۹۲/۱)

صد ہزاراں سر بُرید آں دلتاں  
تا اماں یابد سرِ اہل جہاں  
اس محبوب نے لاکھوں سر قلم کر دیئے، تاکہ دنیا والوں کے سروں کو امن حاصل ہو۔ (۳۹۲/۱)



حَلَقِ حِیَواں چوں بُریدہ شد بعدل حَلَقِ انساں رُست و افزاید فضل  
جانور کا گلاب انصاف سے کاٹا گیا تو انسان کے حلق نے نشوونما پائی اور اس کی فضیلت بڑھ گئی۔ (۳۹۲/۱)  
خانہ را ویراں کند زیر و زبر پس بیک ساعت کند معمور تر  
گھر کو ویران اور زیر و زبر کرتا ہے، پھر ایک گھڑی میں اور زیادہ آباد کر دیتا ہے۔ (۳۹۳/۱)  
مولانا نے فرمایا ہے کہ یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آیات منسوخ کیں، ان کو صحابہ کے ذہن سے بھی  
محو کر دیا اور نئی آیات کو حافظہ میں ڈال دیا۔ (قارئین کی معلومات کے لئے یہ ہے کہ کچھ آیات کی تلاوت اور حکم  
دونوں منسوخ ہوئے اور کچھ کا صرف حکم منسوخ ہو مگر تلاوت ابھی تک ہے)۔

### جزا اور سزا کے قوانین بعض اوقات سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ ہر عمل پر جزا یا سزا دیتا ہے۔ کسی کام کی جزا یا سزا اس کام کی جنس کے مطابق نہیں  
ہوتی، مثلاً نیک زندگی کا اجر جنت ہے، عمل اور اجر ہم جنس نہیں۔ مزدور کی محنت کے بدلے اس کو چند چاندی کے  
سکے ملتے ہیں جس کا تعلق محنت کی جنس کے ساتھ نہیں، اسی طرح اعمالِ سیئہ کی سزا جہنم، سانپ اور بچھو ہیں۔  
مولانا نے ایک بہت دلچسپ بات کا ذکر کیا ہے کہ ایک شخص رشوت کے جرم میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اسے سزا  
بھگتنا پڑتی ہے۔ لوگوں کو معلوم ہے کہ عدالت نے بھی غلط فیصلہ دیا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اندھیر نگری ہے۔ ان  
کو یہ معلوم نہیں کہ نہ تو دنیا میں اندھیر نگری ہے اور نہ آخرت میں۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ کیا ہو  
تو اس کو سزا اس گناہ کے جرم کی وجہ سے نہ ملے تو کسی اور کام میں خواہ اس میں اس کا قصور ہو یا نہ ہو سزا مل جاتی  
ہے۔ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ میں فلاں فلاں گناہ کا مرتکب ہوا تھا مگر اب مجھے اس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔ وہ  
سمجھتا ہے کہ میں نے ایک شخص پر ظلم کیا تھا اور اس کی سزا ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جزا اور سزا کی تحقیق کی جائے تو یہ  
مضمون بہت طویل ہو جائے گا، اس لئے اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

گر خُرا آید زجائے خُیمے کرد مظلومت دُعا در خُیمے  
اگر تجھ پر کسی جگہ خُیمت لگے تو یہ جانو کہ کسی مظلوم نے مصیبت میں تیرے لئے بددعا کی ہے۔ (۳۳۱/۳)  
تو ہی گوئی کہ من آزاده ام برگسے من خُیمے نہنہادہ ام  
تو بھی کہتا ہے کہ میں بے قصور ہوں، میں نے کسی پر خُیمت نہیں رکھی ہے۔ (۳۳۱/۳)

او زنا کرد و بجزا صد چوب بود گوید او من کے زوم کس را بخود  
اس نے زنا کیا اور سزا سو دڑے ہوئے، وہ کہتا ہے کہ میں نے کسی کو سو دڑے کب مارے ہیں؟ (۳۳۱/۳)  
نے بجزائے آں زنا بخود ایں بکلا چوب کے ماند زنا را در بجزا  
کیا اس زنا کی سزا یہ بلا نہیں ہے؟ دڑے زنا سے سزا میں کب مشابہ ہیں۔ (۳۳۱/۳)

آپ صبرت آپ جوئے خلد خلد جوئے شیر خلد مہر ثست ووڈ  
تیرے صبر کا پانی جنت کی نہر کا پانی ہے، جنت کی دودھ کی نہر تیری محبت اور دوستی ہے۔ (۳۳۲/۳)

راقم الحروف نے ریڈیو تہران سے ایک دلچسپ واقعہ سنا (جو مثنوی میں بھی نقل کیا گیا ہے) اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص غریب الحال تھا اور اس کو گوشت کھائے ہوئے کئی دن گذر گئے تھے، اس نے دعا کی کہ الہی! مجھے گوشت عطا فرما۔ رات کو اس کو خواب میں کہا گیا کہ کل تمہارے گھر میں ایک گائے داخل ہوگی، وہ تمہارے لئے بھیجی جا رہی ہے، تم اس کو ذبح کر کے کھا لینا یہ تمہارا ہی مال ہوگا۔ دوسرے دن واقعی ایک گائے اس کے گھر میں داخل ہوئی اور اس نے دروازے بند کر کے ذبح کر ڈالی اور خوب مزے سے اڑائی۔ گائے والے کو بھی علم ہو گیا کہ اس کی گائے فلاں شخص نے ذبح کر کے کھالی ہے۔ اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جا کر دعویٰ داخل کر دیا اور آپؑ نے دونوں کے بیانات سننے کے بعد فیصلہ کیا کہ اس شخص نے گائے ٹھیک کھائی ہے، اس کو سزا نہیں دی جاسکتی۔

مذکور بالا فیصلہ سن کر مدعی نے شور و واویلا کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام سے کہنے لگا کہ آپ پیغمبر ہیں لیکن (معاذ اللہ) آپ نے یہ فیصلہ غلط کیا ہے، آپ انصاف کریں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ انصاف کا فیصلہ تمہیں مہنگا پڑے گا۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، مجھے انصاف کا فیصلہ قبول ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اسے جنگل میں لے گئے اور ایک درخت کے نیچے زمین کھودنے کا حکم دیا تو اس میں سے ایک مُردے کی ہڈیاں برآمد ہوئیں اور اس کو بتایا کہ تم نے گائے کھانے والے کے باپ کو مار کر یہاں دفن کیا تھا اور اب تم نے اس کے تمام مال پر قبضہ جما لیا ہے۔ یہ گائے اس کے باپ کی ملکیت تھی اس لئے اس کو اس گائے کے کھانے کا حق تھا۔ اب تم مجھ سے انصاف چاہتے ہو تو انصاف یہ ہے کہ اس جرم کی سزا میں تمہیں قتل کیا جائے گا۔

مذکورہ حکایت سے معلوم ہوا کہ کئی مرتبہ کسی کو کسی نہ کسی گناہ کی پاداش میں سزا مل جاتی ہے، حالانکہ بظاہر یہ اس کا قصور معلوم نہیں ہوتا۔ سزا ضرور ملتی ہے خواہ کسی اور شکل میں ملے۔ ایک بزرگ نے کسی کو کہا کہ تمہیں اس گناہ کی سزا ضرور ملے گی خواہ دیر سے ہی ملے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ مجھے اس بات کی سزائیں (۳۰) سال کے بعد ملی۔ (واقعہ طویل ہے)۔

## الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ

(حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے)

یہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”حکمت مومن کا گم شدہ مال ہے۔“ مولاناؒ فرماتے ہیں جو حکمت کا طالب ہو وہ دین کا ہی طالب ہوتا ہے۔ انسان کی روح آفرینش سے پہلے ہی خدا سے آشنا ہو چکی ہے، اگر انسان کو مصائب، لالچ، حرص اور خواہشات طلب حقیقت میں گمراہ نہ کریں اور حق اس کو نظر آئے تو ضرور اس کو پہچان لیتا ہے۔



اُشترے گم کردی و بختیش پُست  
چوں بیابی ، چوں ندانی کانِ تست  
تُو نے اونٹ گم کر دیا اور اس کو بختی سے ڈھونڈا، جب تو اُسے پالے گا پھر کیسے نہ سمجھے گا کہ وہ تیری ملکیت ہے۔  
(۲۷۶/۲)

ضالہ چہ بود ناقہ گم کردہ  
از کفّت بگریخته در پردہ  
گم شدہ چیز کیا تھی؟ گم شدہ اونٹنی، جو تیرے ہاتھ سے نکل بھاگی، چھپ گئی۔  
(۲۷۶/۲)

مولانا فرماتے ہیں کہ چند شریک پرند انسانوں، غرض کے بندوں اور احمقوں نے انسان کو پریشان کر رکھا ہے۔  
کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ ۔

ہچمانکہ ہر کسے در معرفت  
می کند موصوف غیبی را صفت  
جس طرح کہ ہر شخص خدا شناسی میں، غیبی موصوف کی صفیں بیان کرتا ہے۔  
(۲۷۷/۲)

آنانکہ حسنِ روئے تو تفسیر می کنند  
خوابے نہ دیدہ را ہمہ تعبیر می کنند  
جو لوگ ترے چہرے کے حسن کی تفسیر کرتے ہیں، وہ جو چیز خواب میں بھی نہ دیکھی گئی ہو اس کی تعبیر کرتے ہیں۔  
(حافظ)

کسی شاعر نے کہا ہے ۔

حرم جو یاں درے را می پرستند  
فقیہاں دفترے را می پرستند  
حرم کو تلاش کرنے والے ایک دروازے کی پوجا کرتے ہیں، فقہا کتابوں کی پوجا کرتے ہیں۔ (غیر مشنوی)  
بر آغلن پردہ تا معلوم گردد  
کہ یاراں دیگرے را می پرستند  
اے خدا! پردہ اٹھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یار لوگ کسی اور کی ہی پوجا کرتے ہیں۔ (غیر مشنوی)

گویا ہر شخص اپنے خیال اور مسلک کے اعتبار سے بات کرتا ہے، اس لئے ان سب کی باتیں اور شرعیں مختلف ہوتی ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہر فرقے میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہوتی ہے، اس لئے ہر فرقے کے پیچھے اچھے خاصے لوگ ان کی تقلید کرتے ہیں۔ مولانا کو کسی مُلّا نے پوچھا کہ آپ ہر فرقے کو درست کہتے ہیں تو آپ کافر اور طہد ہو گئے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ آپ بہتر (۷۲) فرقوں میں سے کس پر اتفاق کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں تو ہر فرقے سے متفق ہوں۔ مُلّا نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ آپ طہد ہیں۔ مولانا نے متہمم ہو کر کہا کہ میں اس سے بھی متفق ہوں، چنانچہ مناظرہ شروع ہونے سے پہلے ختم ہو گیا۔

## کہ مرا از شر بخیر انداختند دُنیا میں مطلق شر کا وجود نہیں

مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیر مطلق ہے، وہ شر مطلق پیدا نہیں کرتا، یعنی کوئی چیز ایسی نہیں کہ جو قطعاً شر ہو اور اس میں خیر کا پہلو موجود نہ ہو۔ مثال کے طور پر زہر ایک انسان کے لئے باعث موت بن جاتا ہے مگر سانپ کی زندگی زہر کے بغیر ممکن نہیں، بلکہ زہر اس کے لئے آپ حیات ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ زید کو ایک شخص شیطان کہتا ہے مگر دوسرے کے ساتھ اس کا سلوک اچھا ہے تو وہ یہی کہے گا کہ زید تو بہت اچھا آدمی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جس نے کسی انسان کے اچھے پہلو پر نظر ڈالی اور بُرے پہلو سے چشم پوشی کی تو وہ اس کو دوست بنا لے گا۔ مولانا نے فرمایا کہ ایک خطیب اپنے مواعظ میں بد معاشوں اور کافروں کے لیے دعائے خیر کیا کرتا تھا تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ خطیب مسجد نے فرمایا کہ میں نے نیکی انہی بُرے لوگوں کی وجہ سے سیکھی ہے، اس لئے میں اُن کے لئے بددعا کیسے کروں۔

گفت نیکوئی ازینہا دیدہ ام      من دعا شاں زیں سبب بگزیدہ ام  
اس نے کہا کہ میں نے اُن سے بھلائی دیکھی ہے، اس لئے میں نے ان کو دُعا دینا اختیار کیا ہے۔ (۲۰/۴)  
حبث و ظلم و جور چنداں ساختند      کہ مرا از شر بخیر انداختند  
انہوں نے ایسا حبث، ظلم اور جفا کی کہ مجھے بُرائی سے بھلائی میں لا ڈالا۔ (۲۱/۴)

ہر گہے کہ رُو بدینا کردے      من زایشاں زخم و ضربت خوردے  
جب بھی میں نے دُنیا کی طرف اپنا رخ کیا، میں ان سے تکلیف اٹھاتا اور مار کھاتا رہا۔ (۲۱/۴)  
مولانا فرماتے ہیں کہ لوگ دوستوں کے اچھے سلوک سے خوش ہیں اور دشمنوں کی دشمنی کو شرمبختے ہیں اور خُدا سے ان کے لئے شکایت کرتے ہیں، حالانکہ دشمنوں کی عداوت اور رنج و غم تمام اخلاقی امراض کے لئے اکسیر ہیں۔ یہ شرفِ مصائب زندگی کو کیسیا بنا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو رنج و شکست کی آماجگاہ بنا دیتا ہے اور یہ احادیث سے ثابت ہے کہ ”أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ“ (لوگوں میں سے سب سے زیادہ بلائیں انبیاء پر نازل ہوتی ہیں)۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جتنے مصائب اور تکالیف مجھ کو دیئے گئے ہیں، کسی کو بھی نہیں دیئے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مقرءین یا تو اپنے اختیار سے اس قسم کی محنت و امتحان سے گزرتے ہیں یا پھر خدا سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ انہیں ابتلا (آزمائش) کی آگ میں ڈال کر خالص اور مخلص بنا دے۔“

تلخ و تیز و مالش بسیار ده      تاشود پاک و لطیف و بامزه  
اس کو تلخ اور تیز (دوا) دے اور بہت مل، تاکہ پاک، پاکیزہ اور شاندار بن جائے۔ (۲۲/۴)



ورنی تانی رضادہ اے عیار

کہ خدا رنجت دہد بے اختیار

اے کھرے! اگر تو نہیں کر سکتا تو راضی ہو جا کہ اللہ تعالیٰ تجھے مجبوراً تکلیف میں مبتلا کر دے۔ (۲۲/۴)

کہ بلائے دوست تطہیر شماس

کیونکہ دوست کی مصیبت تمہاری پاکیزگی ہے، اس کا علم تمہاری تدبیر سے بڑھا ہوا ہے۔ (۲۲/۴)

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کے ساتھ شر کو کیوں پیدا کیا؟ مولانا فرماتے ہیں کہ خیر محض مخلوق تو

مجبور محض ہوتی ہے۔ اگر خدا نے ایک حد تک انسان کو اختیار کے ساتھ آزادی دی ہے تو اس کا غلط استعمال بھی

ہو سکتا ہے۔ سو فیصد خیر والے مومن خدا کے لئے پیدا کرنا کیا دشوار تھا لیکن قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ خدا بالجبر مسلمان

پیدا کرنا نہیں چاہتا، اُسے ایسے مومنوں کی ضرورت ہے کہ جو خیر و شر میں تمیز کریں اور حق و باطل کی لڑائی میں حق کا

ساتھ دیں۔ ایک جیسے ہی لوگ ہوتے تو اچھے بُرے میں کیا تمیز ہو سکتی تھی۔ اگر دنیا میں خیر و خوبی نہ ہوتی تو پھر

امتحان کیا ہوتا، جس طرح بندہ آزادی میں رہ کر خیر و خوبی کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ مجبوری کی عصمت بھی بھلا کوئی

عصمت ہے؟ (یعنی ایک عورت کو بند کر کے رکھ دو تو اس کی عصمت مجبوری کی ہوگی) خدا چاہتا ہے کہ انسان خود اپنے

اندر حق و باطل کی جانچ کا ملکہ پیدا کرے۔

ایں وعید و وعدہ انگیزت ست

بہر ایں نیک و بدے کا میخت ست

یہ دھمکی اور وعدے پیدا کئے ہیں، اس لئے نیک اور بد کو ملا رکھا ہے۔ (۲۸۰/۲)

چونکہ حق و باطلے امیختند

نقد و قلب اندر چرداں ریختند

چونکہ حق اور باطل کی آمیزش کر دی ہے، کھرے اور کھولے کو ایک تھیلے میں بھر دیا ہے۔ (۲۸۰/۲)

پس محکم ی بایش بگزیدہ

در حقائق امتحان ہا دیدہ

تجھے ایک منتخب کوئی کی ضرورت ہے، جو حقیقتوں میں آزمائی ہوئی ہو۔ (۲۸۰/۲)

مولانا فرماتے ہیں کہ خیر و شر، رحمت و رحمت، راحت و تکالیف زندگی کے دو پر ہیں، زندگی دو پروں سے ہی

پرواز کر سکتی ہے۔ ایک پر کے ساتھ کوئی پرندہ نہیں اڑ سکتا اور یہ کہنا کہ خدا نے خیر کے ساتھ شر کیوں پیدا کیا ہے،

نہایت نامعقول ہے۔ شر بھی بالواسطہ خیر ہے اور خیر کے لئے ضروری ہے۔

تا دو پر باشی کہ مرغ یک پرہ

عاجز آید از پریدن یکسرہ

تاکہ تو دو پروں والا ہو جائے کیونکہ ایک بازو کا پرندہ اڑنے سے بالکل عاجز رہتا ہے۔ (۱۵۵/۲)

حکیم المانیہ کانٹ نے لکھا ہے کہ با مخالف شر کی حیثیت رکھتی ہے اور پرندے کے اڑنے میں مزاحمت پیدا

کرتی ہے اور اسی مزاحمت سے پرندہ اڑتا ہے اگر ہوا نہ ہوتی اور خلایے مطلق ہوتی تو پرندہ ایک گز بھی نہ اڑ سکتا۔

کسی شاعر نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے ۔

تندی بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب  
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے

جو شخص کہتا ہے کہ شریکوں ہے؟ وہ حقیقت میں یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ زندگی کیوں ہے اور زندگی اِضداد کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ خیر و شر کے پیدا کرنے کی حکمت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے الفاظ میں ہماری تصنیف ”حسن نماز“ کے صفحہ نمبر ۵۹۱ پر ملاحظہ فرمائیں، جس میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا بیان ”نظریۂ عبدیت“ کو واضح کرتا ہے۔

### لطفِ بیان اور وعظِ سننے والوں کے مزاج پر ہے

یہ حقیقت ہے کہ اگر وعظ کے سامعین باذوق، غفلند، باہوش اور علمی نکات کو سمجھنے والے ہوں تو وعظ کرنے والے کی روح بیدار اور مائل بہ گفتار ہو جاتی ہے۔ راقم الحروف کا طریقہ عام طور پر یہی رہا ہے کہ وعظ کا موضوع سامعین کی نوعیت پر ہی متعین کرتا ہے، بسا اوقات ایسا ہوا کہ موضوع وعظ جو اپنے دل میں متعین کیا جاتا ہے، وہ سامعین کے روحانی اور علمی ذوق کو دیکھ کر بدل دیا جاتا ہے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ وعظ کی روح کو اگر پستان سمجھ لیا جائے تو سخن اُس پستان کے اندر دودھ ہے۔ یہ دودھ اس وقت رواں ہوتا ہے جب کوئی اُسے کھینچنے والا اور چوسنے والا ہو۔ اگر سننے والے وعظ سننے کے تشنہ اور طالبِ معرفت ہوں تو ایک مُردہ وعظ کے بیان میں بھی جان پڑ جاتی ہے اور غیر شعوری طور پر وعظ کرنے والا سامعین کے مزاج کے مطابق وعظ کرنے لگتا ہے۔ اگر سننے والوں کی فکر بلند ہو تو خود کہنے والے کو بھی اس سطح پر آنا پڑتا ہے۔ ایک مجمع جس میں باذوق پڑھے لکھے ڈاکٹر، انجینئر اور اعلیٰ درجہ کی سوجھ بوجھ رکھنے والے موجود ہوں تو وعظ کرنے والا انٹ شٹ باتیں نہیں کر سکتا۔ اس سے معیاری گفتگو کرنے کے لئے مجمع کا ماحول زبردستی تقاضا کرے گا کہ سبھی ہوئی اور عقل سے آراستہ پیراستہ باتیں کی جائیں۔

اے دریغا مَر ٹُرا گنجِا بُدے      تا زجانم شرحِ دل پیدا شدے  
ہائے افسوس! تجھ میں اگر گنجائش ہوتی تو میری جان سے دل کی کچھ شرح ظاہر ہوتی۔ (۲۵۶/۱)

اِس سخنِ شیرِ ست درِ پستانِ جان      بے گشندہ خوشِ نمی گردد رواں  
یہ باتیں کہ جان کے پستان میں دودھ ہے اور یہ دودھ چوسنے والے کے بغیر اچھی طرح جاری نہیں ہوتا۔ (۲۵۶/۱)

مستمعِ چوں تشنہ و بُویندہ شد      واعظِ اَر مُردہ بُود گویندہ شد  
سننے والا جب پیاسا اور طلبگار ہو تو وعظ کہنے والا اگر مُردہ (بھی) ہو تو بولنے لگتا ہے۔ (۲۵۶/۱)

تقسیمِ ہند سے پہلے بمبئی میں کچھ پڑھے لکھے آدمی خطابت کے لئے آتے اور خطابت کا عنوان ہال میں ہی تجویز کیا جاتا تھا۔ ایک صاحبِ خطاب کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک عورت نے اُٹھ کر اُسے کہا "Speak on nothing" (یعنی لاشی) پر تقریر کرو اور وہ شخص تین گھنٹے تک اسی موضوع پر تقریر کرتا رہا۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ واقعی اس موضوع پر نہایت عمدہ اور طویل خطاب ہو سکتا ہے۔ اس کا مواد سورۃ الدھر اور کائنات کی تخلیق میں موجود ہے۔



کیلی فورنیا (امریکہ) میں راقم الحروف کو ایک کلب میں محفلِ ذکر میں وعظ کرنے کے لئے بلایا گیا جس میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، جو مجلس کے عقب میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ عورتوں کی وجہ سے پورے ہال میں مکمل اندھیرا تھا اور سامعین کے چہرے قطعاً نظر نہیں آ رہے تھے۔ اب ایسے ماحول میں جب کہ جمع میں موجود لوگوں کے ذوق اور فکری مزاج کا علم ہی نہ ہو تو وعظ کرنا نہایت مشکل تھا۔ امیرِ مجلس کو جب کہا گیا تو انہوں نے روشنی کچھ زیادہ کر دی مگر لوگوں کے چہرے اور وضوح قطع نظر نہ آ رہی تھیں۔ وعظ تو سامعین کے ذوق پر انحصار کرتا ہے، جس کا مظاہرہ نہ ہو سکا۔ وعظ تو جو ہو سکا وہ کر دیا مگر ایسے وعظ میں ذوق کا پیدا ہونا مشکل ہوتا ہے۔ یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ مجلس کے بعد پوری روشنی کر دی گئی جو پہلے وعظ کے اوقات میں بھی کی جاسکتی تھی۔ کھانے کے وقت عورتیں ادھر ادھر بھی گھوم رہی تھیں۔ ذکر کی مجلسوں میں تو اندھیرے کا ہونا سننے میں آتا ہے مگر وعظ میں اندھیرا ہونا تو راقم الحروف کا یہ پہلا ہی موقع تھا۔

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچھے معیار کے وعظ میں ایک ایسا شخص آ جائے جو ذوق سے بیگانہ ہو تو تمام مجلس میں بدمزگی چھا جاتی ہے اور زبانِ عرفان بند ہو جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ ”سوروں کے آگے موتی مت بکھیرا کرو۔“ مولانا نے فرمایا کہ دنیا میں جمالِ دیدہ دینا کے لئے ہے، اندھوں کے سامنے اظہارِ حسن بے معنی ہے۔ اندھے خاوند کے لئے کون عورت بناؤ سنگھار کرے گی۔

اے سترہ بیچ تو برخاستی خوشن را بہر کور آراستی  
اے پردہ نشیں! کبھی تو تیار ہوئی ہے، اپنے آپ کو اندھے کے لئے تو نے کبھی آراستہ کیا ہے؟ (۲۵۷/۱)  
ہر چہ را خوب و خوش و زیبا کنند از برائے دیدہ بینا کنند  
کسی چیز کو اچھا، عمدہ اور حسین بناتے ہیں تو دیکھنے والی آنکھ کے لئے بناتے ہیں۔ (۲۵۶/۱)

### جھوٹے شوقِ جہاد والے صوفی و مولا

مولانا نے جھوٹے صوفیوں اور مولاؤں کے متعلق بہت سے واقعات نقل کئے ہیں۔ ایک جگہ وہ ایک بڑول صوفی کا ذکر کرتے ہیں، جس نے خود کو صوفی مشہور کیا ہوا تھا اور اپنے آپ کو مجاہدِ نفس کا نام دیا ہوا تھا۔ ایک اسلامی جہاد میں اس نے بہت سی تقریریں کیں۔ وہ اپنے آپ کو عاشقِ جہاد کہتا تھا۔ جب لشکرِ اسلام روانہ ہوا تو اُس نے لشکر والوں کو کہا کہ آپ لوگ جائیں، میں بعد میں آ جاؤں گا۔ کافی دنوں بعد وہ چلا اور لشکر کے عقب میں پہنچا تو اُس وقت جہاد ختم ہو چکا تھا، جب لشکر فتح حاصل کر کے مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ لے کر واپس آیا تو صوفی صاحب بھی باہر نکلے اور مالِ غنیمت کا کچھ حصہ اُن کو پیش کیا گیا تو اُس نے کہا کہ میں اس مال کا حقدار نہیں ہوں کیونکہ میں قتال میں حصہ نہ لے سکا اور شکایت کرنے لگا کہ میرے جیسے جانباز کو وہ لوگ پیچھے چھوڑ گئے جو زبردست مجاہد تھا۔ ایک لشکری نے کہا کہ ہم آپ کو ایک قیدی دیئے دیتے ہیں، آپ اپنا کافرشی کا شوق پورا کر لیں اور اس کو مار کر

آپ بھی غازیوں میں شامل ہو جائیں۔ وہ لوگ ایک قیدی کو جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اس کے پاس چھوڑ کر خود اپنے خیموں میں چلے گئے۔

کچھ وقت کے بعد وہ لوگ صوفی کے پاس واپس آئے تاکہ وہ اس قیدی کو دیکھیں اور صوفی صاحب کو مالی غنیمت بھی پیش کریں۔ انہوں نے وہاں ایک عجیب منظر دیکھا کہ صوفی صاحب کو اس زنجیروں میں جکڑے ہوئے قیدی نے چت کر کے زمین پر لٹایا ہوا ہے اور خود وہ قیدی اُس کے اوپر سوار ہے اور اپنے دانتوں سے کاٹ کاٹ کر صوفی صاحب کو لہولہان کیا ہوا ہے۔ لشکریوں نے پوچھا کہ صوفی صاحب آپ ایک دست و پا بندھے ہوئے قیدی سے اس طرح لہولہان کیوں ہو گئے۔ صوفی صاحب نے کہا کہ کیا پوچھتے ہو کہ جب تم اس قیدی کو میرے پاس چھوڑ کر چلے تو اس ظالم نے ایسی زہر آلود اور خوفناک آنکھوں سے مجھے گھورا کہ میں حواس باختہ ہو گیا اور پھر یکدم مجھے زمین پر گرا کر میرے سینے پر بیٹھ گیا اور میرا یہ حشر کر دیا جو تم دیکھ رہے ہو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ مذہبی پیشوا اور رہنما بنے بیٹھے ہیں، جو کافروں سے اس طرح پٹ جاتے ہیں۔

دست بستہ گھر بچوں گرہِ نختہ کردہ خلقِ او بے حربہ  
ہاتھ باندھے ہوئے کافر نے بتی کی طرح بغیر نیزے کے اُس کے گلے کو زخمی کر دیا۔ (۳۷۶/۵)

نیم گشتش کرد بادنہاں اسیر ریش او پُر خوں ز خلقِ آں فقیر  
قیدی نے دانتوں سے اُس کو آدھ موا کر دیا، اُس فقیر کے حلق کے خون سے اُس کی داڑھی بھری ہوئی تھی۔ (۳۷۷/۵)

بر زُخِ صوفی زدند آب و گلاب تا بیہوش آید ز بیہوش و خواب  
صوفی کے چہرے پر پانی اور گلاب چھڑکاؤ، تاکہ وہ بے ہوشی اور غفلت سے ہوش میں آجائے۔ (۳۷۷/۵)

اللہ اللہ اسچہ حال ست اے عزیز انجنیں بیہوش گشتی از چہ چیز  
اللہ اللہ اے پیارے! یہ کیا حال ہے؟ تو کس چیز سے ایسا بے ہوش ہو گیا؟ (۳۷۷/۵)

گفت چوں قصد سرش کردم نیشم طرفہ در من بگرید آں شوخ چشم  
اس نے کہا، جب میں نے غصہ سے اس کا سر (قلم کرنے کا) ارادہ کیا، اس بے حیا نے مجھے عجیب طرح سے گھورا۔ (۳۷۷/۵)

چشم را وا کرد پہن او سوی من چشم گردانید و شد ہوشم زتن  
اس نے میری جانب آنکھیں پھاڑیں، آنکھوں کو گھمایا اور میرے ہوش بدن سے اُڑ گئے۔ (۳۷۷/۵)

گردش چشمش مرا لشکر نمود می ندانم گفت چوں پُر ہول بود  
اس کی آنکھوں کا گھومنا مجھے لشکر کی طرح نظر آیا، میں بتا نہیں سکتا کہ وہ کس قدر خوفناک تھیں۔ (۳۷۷/۵)

قوم کو مخاطب کر کے مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ خود اس قوم کا بھی اُس صوفی جیسا حال ہے۔ جہادِ اصغر اور



جہادِ کبر کے دعوے تو بہت کرتے ہیں مگر جب وقت آتا ہے تو ایک معمولی دشمن سے بھی مار کھا جاتے ہیں۔ جہاں  
نفس نے آنکھیں دکھائیں تو ٹھنڈے ہو کر چت ہو جاتے ہیں۔

ہجوں تو کز دستِ نفس بستہ دست ہجوں آں صوفی فتادستی بہ پست  
تیری طرح کہ ہاتھ بندھے نفس سے، اُس صوفی کی طرح نیچے گرا پڑا ہے۔ (۳۷۷/۵)

اللہ والوں کو تنگ کرنے والے دُنیا طلب مرید

مولانا نے اس بات کو کافی طول دیا ہے کہ لوگ پیروں کے پاس اپنی دُنیاوی حاجات لے کر آتے ہیں اور ایسا  
شخص شاذ و نادر ہی ہوتا ہے جو تزکیہِ باطن یا خدا رسی میں کوشاں ہو۔ کچھ لوگ تو اپنے خاندان کے وقار کے رُعب  
میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی عزت کریں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ عزت تو موجودہ  
حالت پر ہی صادق ہوتی ہے۔ انہوں نے ایک مثال پیش کی کہ ایک سفر میں اونٹ، گائے، بیل اور دُنبہ جا رہے  
تھے کہ راستے میں ایک سبزے کا پولہ ملا۔ دُنبہ کہنے لگا کہ میرا تعلق تو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے۔ بیل نے کہا  
کہ میں تو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بل میں جوتا جاتا تھا اور اونٹ نے وہ پولہ اوپر اٹھا لیا جو باقی دونوں کی  
دسترس سے باہر تھا اور کہنے لگا کہ تم تو شیخی مارتے رہو اور ہم تو اس عقیدے کے قائل ہیں کہ جو موجودہ وقت میں  
سب سے بہتر جسم والا ہے وہ اس پولے کا مالک ہے، لہذا پولہ پر میرا قبضہ ہے۔ اس نے کہا۔

کہ مرا خود حاجتِ تاریخ نیست کایں چنین جسم و عالی گرد نیست  
کہ مجھے خود تاریخ (بتانے) کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میرا ایسا جسم اور اونچی گردن ہے۔ (۲۴۳/۶)  
داند ایں را ہر کہ ز اصحابِ نہاست کہ نہادِ من فزوں تر از شماست  
اس کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو عقل مندوں میں سے ہے کہ میرا وجود تم سے بڑھا ہوا ہے۔ (۲۴۳/۶)

## دانش اور بینش

مولانا فرماتے ہیں کہ انسانی عمل کے لئے دانش اور بینش کا اگر لحاظ کیا جائے تو عمل کی بنیاد بہتر انداز سے ہو سکتی ہے۔ ریاکار اور احمق لوگ اس بات کا احساس نہیں کرتے اور بد اعمالی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا ہے کہ ”جن کا عمل ہو بے غرض، اس کی جزا کچھ اور ہے“ ذاتی خواہشات کی بنیاد پر کئے گئے اعمال کی جزا خلوص اعمال کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتی۔

آدمی دید است باقی پوست است

(آدمی تو دانش اور بینش والا ہے، باقی کھال ہے)

مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے کہ عقل استدلالی و روحانی وجدان پیدا کرنے سے قاصر ہے، خواہ کوئی تفسیر کثیر ہی کیوں نہ لکھ دے۔

گر بہ استدلال کار دیں بدے      فخر رازی رازدار دیں بدے

اگر استدلال سے دین کا کام چل سکتا تو فخر الدین رازی دین کے رازدار ہوتے۔ (اقبالؒ)

پائے استدلالیاں چوبیس بود      پائے چوبیس سخت بے تمکیں بود

استدلال والوں کے قدم لکڑی کے ہوتے ہیں، لکڑی کے پاؤں بہت کمزور ہوتے ہیں۔ (۲۳۲/۱)



وانکہ اس نور را بینا بود شرح او کے کار بوسینا بود  
جو اس نور کو دیکھنے والا ہو تو اس کی شرح سے بوعلی سینا کا کام نہیں ہو سکتا۔  
مولانا فلسفہ کے قائل نہ تھے کیونکہ یہ حقیقت سے پردے کو ہٹا نہیں سکتا بلکہ حقیقت کے قریب سے بھی گذر  
نہیں سکتا۔

گر شود صد تو کہ باشد این زباں کو بچباند بکف پردہ عیاں  
اس زبان کے ساتھ اگر تم جیسے کئی بندے ہوں، اپنے ہاتھ سے پردے کو حرکت کون دے سکتا ہے۔  
علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ بوعلی سینا تو قافلے سے اُڑنے والی خاک میں ہی پریشان ہے لیکن روئیؒ کے عشق نے  
لیلیٰ کے محمل کا پردہ بھی تھام لیا۔

بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم دستِ روئیؒ پردہٗ محمل گرفت  
بوعلی اونٹنی کے غبار میں کھو گیا، روئیؒ کے ہاتھ نے محمل کے پردہ کو تھام لیا۔ (اقبالؒ)  
مولاناؒ فرماتے ہیں کہ دانش سے بنش تک ہزار ہا سال کے فاصلے کی مسافت ہے لیکن اس بات سے ناامید نہیں  
ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہو تو جس طرح اربوں فرسنگ کی مسافت سے ستاروں اور شمس و قمر کا نور دُنیا تک چند  
منٹوں میں پہنچ سکتا ہے اسی طرح بنش اور دانش کے فاصلے بھی ختم ہو سکتے ہیں، کیونکہ روحانی دنیا میں مشہور ہے کہ  
کبھی کبھار سینکڑوں سالوں کی راہیں ایک آہ کے وقفے میں طے ہو سکتی ہیں ۛ

طے شود جادہٗ صد سالہ بہ آہے گاہے  
مولاناؒ فرماتے ہیں کہ حواسِ ظاہری اگرچہ حوادث اور ظواہر کے متعلق معلومات بخشتے ہیں لیکن نورِ باطن یا حسِ باطنی  
کے بغیر یہ علم حقیقت رس نہیں ہوتا۔ حواسِ ظاہری کا علم افادی اور مادی ہوتا ہے۔ یہ علم خورد و نوش اور دنیاوی کاموں  
میں تو مدد دیتا ہے لیکن کنہِ حیات معلوم کرنے میں بے بس ہو جاتا ہے۔ اگر حسِ باطنی نورِ حق سے مستفید ہو جائے تو  
تمام حواسِ ظاہری بھی حقیقت کی جنت تک پہنچ جاتے ہیں اور معرفت کی غمازی کرنے والے بن جاتے ہیں، پھر  
وہاں زبان و بیان اور حقیقت و مجاز کا امتیاز باقی نہیں رہتا ۛ

ہر حس پیغمبرِ حس ہا شود تا یکا یک سوئے آں جنتِ رَوَد  
تیری ہر حس (باقی) حواس کے لئے پیغامبر بن جائے، تاکہ فوزِ اُس جنت کی طرف چلی جائے۔ (۳۰۶/۲)  
حسِ ہا با حسِ تو گویند راز بے حقیقت بے زباں و بے مجاز  
حواسِ تیری حس سے راز کہہ دیں گے، بغیر زباں اور بغیر حقیقت و مجاز کے۔ (۳۰۶/۲)

سقراط بھی کہا کرتا تھا کہ میں علم کو لوگوں میں نہیں ڈالتا۔ ہر انسان از خود روحِ معرفت سے حاملہ ہے، میں تو  
صرف جنانے والی دائی کا کام کرتا ہوں۔ مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ مجاز کے مقابلے میں حقیقت ایک دائی ہے لیکن

یہ علم یقین کی منزل ہے۔ اس سے کم درجے پر تو ہم تخیلات کو جنم دیتے ہیں لیکن جہاں مشاہدہ ہو جائے وہاں ابہام اور تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

آں حقیقت را کہ باشد از عیاں بیچ تاویلے گنجید درمیاں  
(۳۰۶/۲) وہ حقیقت جو مشاہدہ سے حاصل ہوئی، اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

حقائق کا ہم دو طرح ادراک کر سکتے ہیں، ایک عقل اور حکمت سے، دوسرا براہ راست دید سے، جسے کشف حقیقت یا روحانی وجدان کہتے ہیں۔ استدلالی حکمت گھر کے آستانے تک تو جاتی ہے لیکن اندرون در اسے کوئی خبر نہیں۔ اقبالؒ کا شعر ہے ۔

عقل گو آستان سے دور نہیں اس کی قسمت میں حضور نہیں  
مولاناؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا مقصود شنید یا تقلید نہیں، اصل عنایت تو دید ہے ۔  
آدمی دید است باقی پوست است دید آنت آنکہ دید دوست است  
(۱۶۶/۱) آدمی تو بینائی ہے، باقی سب کھال ہے، دید تو دراصل محبوب کی دید ہے۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ایک لمحہ کی براہ راست دید کو سالہا سال کی قیل وقال سے بیان نہیں کر سکتے۔ عقل بھی اس کے مقابلے میں کوتاہ ہے اور بیان بھی عاجز ہے۔ ایمان بالغیب بھی حضور ﷺ کے مقابلے میں کم حیثیت رکھتا ہے ۔  
آنکہ یک دیدن کند ادراک آں سالہا نتواں نمودن از زباں  
(۱۹۷/۳) ایک نظر جو کچھ محسوس کر لیتی ہے، وہ سالہا سال زبان سے نہیں کہا جاسکتا۔

آنکہ یکدم بینش إدراک و ہوش سالہا نتواں شنیدن آں بگوش  
جس کو علم و ہوش ایک دم دیکھ لیتا ہے، اس کو کانوں کے ذریعہ سالوں میں نہیں سنا جاسکتا۔  
(۱۹۷/۳) حکیم بوعلی سینا اور ابوسعید ابوالخیرؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ روحانی حقائق کے ثبوت میں بوعلی سینا نے ان کے سامنے بہت سے دلائل پیش کئے اور کہا کہ میں ان دلائل کی وجہ سے ان حقائق کا قائل ہوں۔ جب وہ طویل فلسفیانہ گفتگو ختم کر چکے تو ابوسعید ابوالخیرؒ نے فقط ایک فقرہ کہا: ”ہرچہ تو می دانی من می بینم“ یعنی جو کچھ تم جانتے ہو، میں اسے دیکھتا ہوں۔ حکمت اور ولایت مشاہدہ میں دانش اور بینش کا فرق ہے۔

حس تو از حسِ خرم تر بدست

(انسان کی حس گدھے کی حس سے بھی کمتر ہے)

عقل اور اخلاق کے معاملے میں انسان کبھی کبھار حیوانوں سے بھی گر جاتا ہے اور قرآن نے اس کے لئے ”أَسْفَلَ سَافِلِیْن“ کا نام دیا ہے (التین: ۵)۔ حیوان اپنی فطری خواہشات کو معینہ فطرت کے مطابق پورا کرتا ہے۔ کوئی حیوان غلط غذا یا غلط جگہ پر اپنی خواہشات پوری نہیں کرتا مگر انسان ہر غیر فطری طریقوں کی طرف شدت سے



مائل ہو جاتا ہے۔ عارف روئی فرماتے ہیں کہ کچھ انسان گدھے سے بھی زیادہ بے عقل ہو جاتے ہیں۔ گدھا اگر کسی دلدل میں پھنس جائے تو اس قدر ہاتھ پیر مارتا ہے کہ جب تک اس سے باہر نکل نہیں آتا اس وقت تک اپنی کوشش نہیں چھوڑتا مگر انسان جب کبھی کسی اخلاقی دلدل میں پھنس جائے تو اسی جگہ پر ڈیرے لگا لیتا ہے، اگر اس کو منع کیا جائے اور کہا جائے کہ اس دلدل سے نکل جاؤ تو اس حرکت کو اپنی اضطراری، مجبوری اور معذوری کی حالت سے جائز قرار دینے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہماری اس مجبوری کو گناہ نہ سمجھو، اپنی کمزوری کو تقدیر کے سر پر تھوپ دیتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

در کوئے نیک نامی مارا گذر نہ دادند  
گر نمی پسندی تقیر کن قضا را  
اللہ تعالیٰ نے ہمیں نیک نامی کے کوچے سے گذرنے نہ دیا، اگر تمہیں پسند نہیں تو ہماری تقدیر کو بدل دو۔  
مولانا فرماتے ہیں ۔

چوں خرے در گلِ قند از گام تیز  
دَمبدم مُجَبَّد بَرائے عزمِ خیز  
جب گدھا تیزی سے کچڑ میں پھنس جائے تو وہ ہر لمحہ اٹھنے کا عزم کر کے حرکت کرتا ہے۔ (۳۱۵/۲)

جائے را ہموار نکند بہرِ باش  
داند اُو کہ نیست آں جائے معاش  
وہ اپنے رہنے کے لئے جگہ ہموار نہیں کرتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہاں رہنے کو کوئی جگہ نہیں۔ (۳۱۵/۲)

حسِ تو از حسِ حُر کم تر بدست  
تیری حسِ گدھے کی حس سے بھی کمتر ہے کہ تیرا دل اُن کچھڑوں سے باہر نہ نکلا۔ (۳۱۶/۲)

در وصلِ تاویلِ رخصت می گونی  
چوں نمی خواہی کز اں دلِ برگنی  
ٹو کچھڑ میں پڑے رہنے کی دلیل تلاش کرتا ہے، کیونکہ ٹو نہیں چاہتا کہ اس سے دل ہٹائے۔ (۳۱۶/۲)

کایں روا باشد مرا من مضطرم  
حقِ نگیرد عاجزے را از گرم  
کہ میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں مجبور ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مجبور کی گرفت نہیں کرتا۔ (۳۱۶/۲)

ایسے لوگ جو عضلاتی دلدل میں پھنس جاتے ہیں، بہت سے بہانے تراشتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ خدا کریم اور رحیم ہے معاف کر دے گا، کبھی کہتے ہیں کہ قسمت ہم کو یہاں گھیر کے لے آئی ہے اور کبھی خود کو اضطراری حالت میں محفوظ سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ درج ذیل اشعار اکثر گنگناتے ہیں ۔

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا  
پر تُو نے بھی دلِ آژردہ ہمارا نہ کیا  
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر  
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص نے یہ کہا کہ ہم تو بہت گناہ کرتے ہیں لیکن خدا نے ہم پر کبھی گرفت نہیں کی، یہ اس کی شانِ کریمی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اس کو کہو کہ اللہ تعالیٰ کے مکافاتِ عمل سے کوئی نہیں بچ سکتا اور تمہیں شاید معلوم نہیں کہ تمہارے ان گناہوں کی وجہ سے ہم نے تمہارے

دل کو پتھر کا بنا دیا ہے اور یہ شقاوتِ قلبی ہماری طرف سے سخت سزا ہے، اگر تو سمجھ سکے۔ یہ بات ایک حدیث میں بھی بیان ہوئی ہے۔

آں کیے می گفت در عہدِ شعیبؑ کہ خدا از من بے دید است عیب  
حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص کہتا تھا کہ خدا نے میرے بہت سے عیب دیکھے ہیں۔ (۳۱۶/۲)  
چند دید از من گناہ و جرمہا وز کرم یزداں نمی گیرد مرا  
اس نے میرے گناہ اور جرم بہت دیکھے ہیں اور اللہ اپنے کرم کی وجہ سے مجھے نہیں پکڑتا۔ (۳۱۶/۲)  
عکس می گوئی و مقلوب اے سفیہ اے رہا کردہ رہ و بگرفتہ تہ  
اے بے وقوف! تو اُلٹی اور بالعکس بات کہتا ہے، اے گم کردہ راہ تو میدان تہ (کا راستہ) اختیار کئے ہوئے ہے۔  
(۳۱۷/۲)

چند چندت گیرم و تو بے خبر در سلاسل ماندہ پا تا بہ سر  
میں تیری بار بار گرفت کرتا ہوں اور تو بے خبر ہے، پیر سے سر تک تو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ (۳۱۷/۲)  
زنگ تو بر توت اے دیگ سیاہ کرد سیمائے درونت را تباہ  
اے کالی دیگ! تیرے تہ بہ تہ زنگ نے تیرے باطن کی خصوصیتوں کو تباہ کر دیا ہے۔ (۳۱۷/۲)  
بر دلت زنگار بر زنگار ہا جمع شد تا گور شد ز اسرار ہا  
تیرے دل پر تہ بہ تہ زنگ جمع ہو گیا، یہاں تک کہ وہ اسرار سے اندھا ہو گیا۔ (۳۱۷/۲)

قرآن مجید نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:  
كَلَّا بَلْ سَوَّيْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا  
يَكْسِبُونَ (المطففين: ۱۴)  
نہیں نہیں! درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے اُن کے دلوں پر،  
اُن کے کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔

### نیک اعمال میں چاشنی پیدا کرنے کے طریقے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور توبہ و استغفار سے وہ صاف ہو جاتا ہے لیکن اگر گناہ کرتا چلا جائے تو یہ نقطہ پھیلتے پھیلتے اس کے تمام قلب پر زنگ لگا دیتا ہے۔“ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اگر نئی چمکدار دیگ ہو تو یہ نقطہ بڑھتے بڑھتے دیگ کا تلہ مکمل طور پر سیاہ کر دیتا ہے اور کئی کالی تہیں اس پر چڑھ جاتی ہیں اور یہاں تک کہ تہیں چڑھنے سے سیاہی میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسان بھی گناہوں کو محسوس نہیں کرتا۔

گر زند آں دود بر دیگِ نُوے آل اثر نہماید ار باشد بُوے  
اگر وہ دھواں نئی دیگ پر لگے تو اثر دکھاتا ہے، خواہ جو کے برابر ہو۔ (۳۱۷/۲)



زانکہ ہر چیزے بعد پیدا شود بر سفیدی آں سیہ رسوا شود  
 کیونکہ ہر چیز بالقابل سے ظاہر ہوتی ہے، سفیدی پر سیاہ بدنام ہوتا ہے۔ (۳۱۷/۲)  
 چوں سیہ شد دیگ پس تاثیر دود بعد ازاں بروے کہ بیند اے عنود  
 جب دیگ کالی ہوگئی تو (مزید) دھوئیں کی تاثیر، اے سرکش! اس کے بعد اُس پر کون دیکھتا ہے کیونکہ زیادہ ہونے کا  
 اثر نہیں دکھائی دیتا۔ (۳۱۷/۲)

جب کوئی گناہ کرے تو اس کی سیاهی اس کو محسوس ہوتی ہے اور وہ توبہ کر لیتا ہے مگر جب وہ گناہ کرتا ہی جائے  
 تو رفتہ رفتہ اس کو گناہ گناہ محسوس نہیں ہوتا۔ دل کی سیاهی سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ قیامت تک  
 کھلا رکھا ہے، چنانچہ جب بھی لغزش ہو جائے تو فوراً توبہ کر لو بلکہ ہر صبح و شام استغفار کرنا منشاء الہی ہے ۔  
 چوں گند اصرار و بد پیشہ گند خاک اندر چشم اندیشہ گند  
 جب اصرار کرتا ہے اور بُرائی کو پیشہ بنا لیتا ہے، تو فکر کی آنکھ میں دھول جھونکتا ہے۔ (۳۱۷/۲)

توبہ نندیشد، دگر شیریں شود بر دلش آں جُرم، تا بے دیں شود  
 توبہ کی فکر نہیں کرتا پھر بیٹھا بن جاتا ہے، اس کے دل پر وہ گناہ یہاں تک کہ وہ بے دین بن جاتا ہے۔ (۳۱۸/۲)  
مولانا فرماتے ہیں کہ جب سفید کاغذ پر لکھا جائے تو وہ پڑھا جاسکتا ہے اور اگر دوسری تیسری اور کئی بار اسی  
تحریر کے اوپر لکھا جائے تو کچھ بھی سمجھ نہ آئے گا، لہذا گنہگار بھی گناہ کرتا جاتا ہے پھر اس کو زیادہ گناہوں پر  
ندامت محسوس نہیں ہوتی۔

چوں نویسی کاغذِ اسپید بر آں نیشہ خواندہ آید در نظر  
 جب تم سفید کاغذ پر لکھتے ہو، وہ لکھا ہوا نظر میں آ کر پڑھا جاتا ہے۔ (۳۱۸/۲)  
 چوں نویسی بر سرِ بنوشتہ خط فہم ناید خواندش گردد غلط  
 اگر لکھے ہوئے پر لکھو گے تو یہ لکھا سمجھ نہیں آئے گا، پڑھنا غلط ہو جائے گا۔ (۳۱۸/۲)  
 کاں سیاهی بر سیاهی او فتاد ہر دو خط شد کور، و معنی رو نداد  
 یہ اس لئے کہ اس نے سیاهی پر سیاهی ڈال دی، دونوں لکھائیاں اندھی ہو جاتی ہیں اور معنی نظر نہیں آتے۔ (۳۱۸/۲)  
 در سوم بارہ نویسی بر سرش بس سیہ کردی چو جان کافرش  
 اور اگر تو اس پر تیسری بار لکھے، تو تُو نے کافر کی جان کی طرح اس کو کالا کر دیا۔ (۳۱۸/۲)

ذوقِ بایدا و ہد طاعات بر

وہ باتیں جس سے روحانی واردات کم ہو جاتے ہیں

حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانے کے مذکورہ بالا شخص کا قصہ آپ دوبارہ بیان کرتے ہیں کہ اس شخص نے

پوچھا کہ یہ گناہ نظر کیوں نہیں آتے؟ فرمایا! چونکہ اللہ تعالیٰ کریم اور ستار ہے، اس لئے گناہوں کو لوگوں پر ظاہر نہیں فرماتا لیکن اس گنہگار کے لئے ایک نشانی اللہ تعالیٰ نے بتلائی ہے کہ ایسے شخص کو ذرہ بھر بھی نیک کام کا اثر یا لذت محسوس نہیں ہوتی۔ رُوحانی دُنیا والے کی زندگی ذوقِ قلب کے ساتھ وابستہ ہے، اگر رُوحانی لوگ گناہوں پر اصرار کریں تو ان کو بھی ذکر و فکر اور عبادت میں چاشنی نہیں آتی کیونکہ اعمال کی محض صورت موجود ہوتی ہے، گناہوں کی وجہ سے عبادت کے معنی ناپید ہو جاتے ہیں اور رُوحانی لوگوں کا ذوقِ قلب چھین لیا جاتا ہے۔ کچھ باتیں ایسی ہیں کہ جن کے کرنے سے تہجد کی نماز چھوٹ جاتی ہے اور دیگر کمالات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ کبھی غلط فطری کے باعث اس کی تلاوتِ قرآن ختم کر دی جاتی ہے، ذکر کم ہو جاتا ہے اور ذکر کم ہونے سے فکر منجمد ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اعمال کے مغز کو ختم کر کے چھلکے اکٹھے کر رہا ہے، اس سے پھل پیدا نہیں ہو سکتا، بھلا چھلکے بونے سے بھی کوئی درخت اُگتا ہے۔

ایک نشانِ آنکہ می گیرم دُرا      آنکہ طاعت دارد از صوم و دُعا  
اس کی علامت کہ میں اس کو پکڑتا ہوں ایک یہ ہے کہ وہ روزے اور نماز کی عبادت کرتا ہے۔ (۳۱۹/۲)

وز نماز و از زکوٰۃ و غیر آں      لیک یک ذرہ ندارد ذوقِ جاں  
اور نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی عبادت کا ہونا تو ہوتا ہے لیکن وہ روح کے ذوق کا ایک ذرہ نہیں رکھتا ہے۔ (۳۱۹/۲)

می کنند طاعات و افعالِ سنی      لیک یک ذرہ ندارد چاشنی  
وہ عبادت اور اعلیٰ اعمال کرتا ہے لیکن ایک ذرہ لطف کی چاشنی کا نہیں پاتا۔ (۳۱۹/۲)

طافش نثر است و معنی نثر نے      جوڑا بسیار و در وے مغز نے  
اس کی ظاہری عبادت اچھی ہے اور روح کی عبادت اچھی نہیں ہے، اخروٹ بہت ہیں (مگر) ان میں گری نہیں ہے۔ (۳۱۹/۲)

ذوق باید تا دہد طاعات بر      مغز باید تا دہد دانہ شجر  
ذوق چاہیے تاکہ عبادات پھل دیں، گرمی چاہیے تاکہ دانہ درخت اُگائے۔ (۳۱۹/۲)

دانہ بے مغز کے گردد نہال      صورت بے جاں نہ باشد جز خیال  
بے گرمی کا دانہ کب پودا بنتا ہے؟ بے جان تصویر سوائے خیال کے کچھ نہیں۔ (۳۱۹/۱)

ریا کار اور احمق کا عمل

مولانا فرماتے ہیں کہ احمق اور نقال لوگ قرآن کی چند آیات یا چند احادیث کو رٹ لیتے ہیں اور سادہ لوگوں کو اپنی باتوں سے بہکاتے ہیں۔ لوگوں پر اس شخص کے علم کا اثر ہو سکتا ہے جو صدقِ دل، خلوص اور جذبہ تبلیغ سے لوگوں پر اپنا علم پیش کرے۔ اگر واعظ کے دل میں کسی قسم کا لالچ ہو تو وعظ میں خلوص کا ہونا ممکن نہیں، ویسے بھی کچھ مطالعہ کرنے کے بعد آدمی اس قابل نہیں ہو سکتا کہ وہ علم کو آگے بڑھا سکے، اسی طرح کسی مشین کے پرزے کو دیکھ کر



انسان اس کا ماہر نہیں ہو جاتا۔ پرندے کی آواز کو نقل کرنے سے اس کے مافی الضمیر کو سمجھا تو نہیں جاسکتا، جیسے بلبل باغ میں بولتی ہے اور کسی معمولی آدمی کو یہ سمجھ نہیں آ سکتا کہ بلبل پھول سے کیا باتیں کرتی ہے۔

گر بیاموزی صغیرے بلبلے تو چہ دانی گو چہ گوید باگلے  
(۳۴۷/۱) اگر تم بلبل کی بولی کو سیکھ لیتے ہو تو کیا تم جانتے ہو کہ وہ پھول سے کیا کہتی ہے۔

لحنِ مرغان را اگر واضح شوی بر ضمیر مرغ کے واقف شوی  
(۳۴۷/۱) اگر تو پرندوں کی بولی بولے، پرندے کے دل سے تو کب واقف ہو سکتا ہے؟

حقائق کو نہ جاننے والا تک بازی (تکا) لگاتا ہے لیکن ایسے لوگوں کا عموماً برا حشر ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ایک بہرہ شخص کسی کی عبادت کے لئے گیا اور بیمار کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے ایک سوال و جواب کا تخمینہ بنا لیا، لیکن جب وہ گیا تو اس کے پہلے ہی سوال سے بیمار چڑ گیا اور اس سے سخت ناراض ہو گیا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ عبادت میں بھی بے اصل قیاس آرائی کرتے ہیں۔ بیمار پرسی کرنے والے بہرے نے بیمار سے پوچھا، کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا، مر رہا ہوں۔ بہرے نے کہا، اللہ کا شکر ہے اور تمام باتیں بیمار کے مزاج یا حقیقت سے الٹ کہیں تو وہ ناراض ہو گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ کچھ لوگوں کی عبادت بھی اسی رنگ میں ہوتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ خدا ان سے راضی ہو رہا ہے، حالانکہ خدا ان سے اور ناراض ہو جاتا ہے۔ کئی لوگ اپنی عبادت سے لوگوں کی دل آزاری کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہماری تصنیف ”شاہیں کا جہاں اور“ کا آخری باب مطالعہ کریں۔

بس کساں کایشاں عبادتہا کنند دل برضوان و ثواب آں نہند  
بہت انسان ہیں جو عبادت کرتے ہیں اور (اللہ تعالیٰ کی) خوشنودی اور اس کے ثواب کی امید کرتے ہیں۔ (۳۴۹/۱)

خود حقیقت معصیت باشد خفی بس کدر کا نرا تو پنداری صفی  
(لیکن) وہ چھپی ہوئی گناہ گاری ہوتی ہے، بہت سے مکدر پانی ہوتے ہیں، جن کو تو صاف پانی سمجھتا ہے۔ (۳۴۹/۱)

ہچوں آں کر گو ہی پنداشت ست کو نکوئی کرد و آں خود بد بدست  
اس بہرے کی طرح جس نے یقین کیا کہ اُس نے بھلائی کی، حالانکہ وہ بُرائی تھی۔ (۳۴۹/۱)

ہیں مشو نومید نور از آسماں حق چو خواہد می رسد دریک زماں  
خبردار! مایوس نہ ہو، آسماں سے نور جب خدا چاہتا ہے فوراً پہنچ جاتا ہے۔ (۶۰/۴)

چرخ پائند سالہ راہ اے مستعین در اثر نزدیک آمد با زمیں  
اے مدد کے طالب! آسمان پانچ سو سال کی مسافت پر ہے مگر اثر کرنے میں زمین کے نزدیک ہے۔ (۶۱/۴)

وز نفوس پاک اخترش مدد سوائے اختر ہائے گردوں می رسد  
پاک نفوس کی جانب سے مدد، ستاروں کی طرح آسمان کے ستاروں کی جانب پہنچتی ہے۔ (۶۱/۴)

## تحقیق و تقلید

### تحقیق اور تقلید کا مطلب

تحقیق و تقلید مولانا روئیؒ اور علامہ اقبالؒ کا محبوب مضمون ہے، ان دونوں حضرات نے اس عنوان پر کافی کلام کیا ہے لیکن اس کتاب میں مضمون کی وسعت کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ یہاں مولانا کے صرف چند اشعار پر اکتفا کیا جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تقلید تو یہ ہے کہ کسی سے کوئی علم سیکھ کر اسے لوگوں پر بیان کر دیا جائے، اس میں روحانی حقائق کا ذاتی تجربہ نہیں ہوتا۔ تصدیق یا قلب اس وقت ہوتی ہے جب ذاتی تجربے سے حقائق قلب پر وارد ہونے لگیں۔ وہ فقیہ جو سنی ہوئی یا پڑھی ہوئی باتوں کو دہراتے ہیں ان میں عقل کی بھی ضرورت نہیں رہتی، فقط حافظے سے کام لیا جاتا ہے۔ ایسے فقیہ کے وعظ کا لوگوں کے دلوں پر اثر نہیں ہوتا، ان کو نہ عین الیقین حاصل ہوتا ہے اور نہ حق الیقین۔ تحقیق میں روحانی حقائق نفس ذاتی تجربے کی بناء پر بیان کئے جاتے ہیں۔ ”ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد“۔ جیسے کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے

مولانا نے ایک لومڑی اور گدھے کا مکالمہ مثنوی میں لکھا ہے کہ جنگل میں شیر بیمار ہو گیا اور اس نے ایک گدھے سے کہا کہ جاؤ کسی گدھے کو پکڑ لاؤ، اس کا آدھا حصہ تمہیں بھی کھانے کے لیے دوں گا۔ گدھے نے کہا کہ کسی مرغزار میں چلیں کیونکہ گدھے کو شک تھا کہ شیر کے کہنے میں ضرور کوئی مکر ہے، پھر کہنے لگا کہ ہمیں تو کھل کرنا



چاہیے اور ہمیں بیٹھے رہنا چاہیے کیونکہ خدا کے پاس ہمارا رزق ہے۔ گدھا یہ تقریر سنی سنائی باتوں کے مطابق کر رہا تھا۔ اس کے دل میں یقین کی کوئی اُستواری نہ تھی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کا ایمان تقلیدی ہے، وہ محض قیاس آرائی کرتے ہیں اور اُن سے ان کا ایمان جدا ہو جاتا ہے۔ ان کی حرص و ہوس کا ایک تھپڑان کی تمام تقریروں کو مٹڑی کے جالے کی طرح توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

صد دلیل آرد مقلد در بیاں      از قیاسے گوید آں را نز عیاں  
(۲۵۲/۵)      مقلد سو دلیلیں بیان کرتا ہے۔ وہ قیاس سے بتاتا ہے نہ کہ مشاہدہ سے۔

آں مقلد صد دلیل و صد بیاں      در زباں آرد ندارد پیچ جان  
(۲۵۳/۵)      وہ مقلد سو دلیلیں اور سو بیان زبان پر لاتا ہے لیکن اس میں کوئی جان نہیں ہوتی۔

چونکہ گویندہ ندارد جان و فر      گفت ادرا کے یوڈ برگ و ثمر  
(۲۵۳/۵)      چونکہ کہنے والا جان اور شان و شوکت نہیں رکھتا، لہذا اس کی گفتگو میں پھل اور پتے کب ہوں گے۔

پس حدیث گرچہ بس با فر یوڈ      در حدیث لرزہ ہم مضمر یوڈ  
(۲۵۳/۵)      اس کی بات اگرچہ بہت شان و شوکت والی ہو، (لیکن) اس کی بات میں کپکپاہٹ پوشیدہ ہوتی ہے۔  
ایسے خطیب اپنے الفاظ پر کچھ مشک چھڑک لیتے ہیں لیکن کوشش یہ ہونی چاہیے کہ تری جان گل و یاسمین چیرتی رہے تاکہ کثافت لطافت میں بدل جائے۔ جانور جو کہ گھاس پھوس کھاتے ہیں، لوگوں کی خوراک بن جاتے ہیں اور جن کی خوراک اللہ کا نور ہے، وہ قرآن بن جاتے ہیں ۔

ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود      ہر کہ نور حق خورد قرآن شود  
(۲۵۳/۵)      جو گھاس اور جو کھاتا ہے ذبح ہو جاتا ہے اور جو اللہ کا نور کھاتا ہے قرآن بن جاتا ہے۔

تحقیق و تقلید کا مضمون ہماری تصنیف ”سنو مبارکہ“ میں صفحہ ۲۰۰ سے ۲۰۷ تک کافی تفصیل سے دیا گیا ہے، وہاں اس کا مطالعہ کیا جائے۔

مولانا روئی نے چند مضامین کو اپنی مثنوی کا محور بنایا ہے، جن میں سے ایک تحقیق و تقلید بھی ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اس بارے میں بہت کچھ کلام فرمایا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دین کی حقیقت سے وہی آگاہ ہو سکتا ہے جس نے اس کا از روئے تحقیق و تجربہ و مشاہدہ حاصل کیا ہو، باقی تمام لوگوں کا دین روایتی ہے۔ جھوٹی عمر سے بچوں نے کچھ علم ماں باپ سے ہی سنا کر حاصل کیا ہوتا ہے اور وہ اس پر پختہ ہو جاتے ہیں، خواہ وہ غلط عقائد ہی کیوں نہ ہوں لیکن مولانا فرماتے ہیں ایسے لوگ ہدایت سے مطلقاً محروم نہیں ہوتے۔ اگر مقلد بھی اپنی جماعت میں پھنس کر اچھے راستے پر چل رہا ہے تو اس کو بھی نجات حاصل ہو جائے گی۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ محقق کو منزل مقصود کی خوبیوں کا علم ہے اس لیے وہ خوشی خوشی اس پر چل رہا ہے، جب کہ مقلد بیرونی جبر سے منزل کی

طرف گھسیٹا جا رہا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ مقلدین کی چشم باطن تقلید کی وجہ سے بند ہو چکی ہے، ان کو دارالخلود نظر نہیں آ رہا اور جو لوگ عارف یا ولی کی رہبری میں نہیں چلتے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو بھی ادھر ہی گھسیٹ لے جا رہی ہے۔ مقلدین کا ایک بڑا گروہ بھی اللہ کی رحمت سے خالی نہیں ہے، وہ طوعاً یا کراً خدا کی طرف ہی لے جائے جا رہے ہیں لیکن محققین اور مقلدین میں بہت فرق ہے۔

ہر مقلد را دریں رہ نیک و بد ہم چناں بستہ بحضرت می کشد  
(۴۳۴/۳) ہر مقلد کو اس راستے میں اچھائی یا بُرائی سے اسی طرح باندھ کر دربار میں کھینچتا ہے۔

جملہ در زنجیر بیم و ابتلا می روند ایں رہ بغیر اولیاء  
(۴۳۴/۳) سب خوف اور آزمائش کی زنجیر میں اولیاء کے بغیر اس راستے پر چلتے ہیں۔

تحقیق کی حقیقت پیش کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ ابتداء میں بچہ مدرسے کی طرف نہیں جاتا۔ (طفل مکتب نمی رود و لے برندش) یعنی مدرسے کا بچہ مدرسے جاتا نہیں بلکہ لے جایا جاتا ہے۔ بچپن کی حالت میں وہ دینی علم کی افادیت سے آگاہ نہیں ہوتا اور جب بڑا ہو جاتا ہے تو اس بات کو پہچان لیتا ہے کہ اس میں بے شمار فوائد ہیں اور پھر جب اسے علم کا معاوضہ ملنے لگتا ہے تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ دنیا سو رہی ہے اور وہ رات بھر مطالعہ میں غرق رہتا ہے۔ وہ چوروں کی طرح تمام رات مطالعہ میں گزار دیتا ہے اور خواب و خوری سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔

گودکاں را می بُری مکتب بزور زانکہ مستند از فوائد چشم کور  
(۴۳۵/۳) تو بچوں کو مکتب میں جبراً لے جاتا ہے، اس لیے کہ وہ فائدوں سے اندھے ہیں۔

بچوں شود واقف بمکتب می دود جانش از رفتن شگفتہ می شود  
(۴۳۵/۳) جب وہ جان جاتا ہے تو مکتب میں دوڑا جاتا ہے، اس کی روح جانے سے کھلتی ہے۔

می رود گودک بمکتب بیچ چوں ندید از مُرد کارِ خویش بیچ  
(۴۳۵/۳) بچہ مکتب میں بیچ و تاب سے جاتا ہے، کیونکہ اس نے اپنے کام کا کوئی معاوضہ نہیں دیکھا ہے۔

چوں کند در کیسہ دانگے دست مزد انگہے بے خواب گردد شب پو دزد  
(۴۳۵/۳) جب ایک دانگ مزدوری تھیلی میں ڈال لیتا ہے، تب چور کی طرح رات کو جاگتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ عابدین کی کثیر تعداد جنت کے شوق میں یا دوزخ کے خوف سے عبادت کرتی ہے۔ یہ لوگ بھی طفل مکتب کی طرح ہیں، جن سے سبق یاد کرنے پر مٹھائی کا وعدہ کیا جاتا ہے یا اگر سبق نہ یاد کریں تو ان کو پیٹنے جانے کا خوف ہوتا ہے۔ اللہ کے نیک بندے یا عارفین ہی بغیر کسی غرض کے عبادت کرتے ہیں۔ مقلد کا عمل وعدہ کی اُمید پر ہوتا ہے یا وعید پر، یعنی سزا کے خوف میں۔



اس مُحِبِّ حق زہر علتے      واں دگر را بے غرض خود خُلتے  
یہ خدا کا دوست کسی غرض سے ہے، اس دوسرے کی خود بے غرض دوستی ہے۔ (۴۳۵/۳)

مولانا ایک مثال دیتے ہیں کہ شیر خوار بچہ دایہ کو دودھ کی خاطر چمٹتا ہے لیکن اگر دایہ حسین ہے اور اس کا کوئی عاشق صادق موجود ہو تو اس دایہ کا حسن ہی اس شخص کے لیے جاذب ہے۔

اس مُحِبِّ دایہ لیک از بہر شیر      واں دگر دل دادہ بہر ایں سیر  
یہ اتنا کا عاشق ہے لیکن دودھ کی خاطر اور وہ دوسرا اس پردہ نشیں کا دلدادہ ہے۔ (۴۳۵/۳)

طفل را از حُسن او آگاہ نے      غیر شیر او را ازو دل خواہ نے  
بچے کو اس کے حسن سے واقفیت نہیں ہے، اس کے دودھ کے علاوہ اس کو کچھ مرغوب نہیں ہے۔ (۴۳۵/۳)

واں دگر خود عاشق دایہ یُوَد      بے غرض در عشق یک رایہ یُوَد  
دوسرا خود اتنا کا عاشق ہوتا ہے، بلا کسی غرض کے عشق میں ایک رائے والا ہوتا ہے۔ (۵۳۵/۳)

اُمید جنت اور خوفِ دوزخ سے عبادت کرنے والا حسنِ مقصود اور جمالِ معبود سے آگاہ نہیں، وہ تو صرف جنت کی جوئے شیر کی طرف کھپا جا رہا ہے یا دوزخ کی طوق و زنجیر سے یا اس کی آتش سے خائف ہے۔ (حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص بھی جنت کا حقدار بن جاتا ہے بے شک نفس کا ادغان ہی شامل کیوں نہ ہو)۔

پس مُحِبِّ حق بامید و بترس      دفتر تقلیدِ می خواند بدرس  
لاالچ اور ڈر سے اللہ کا دوست تقلید کی کتاب کو درس کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔ (۴۳۵/۳)

واں مُحِبِّ حق زہر حق کجاست      کہ زاغراض و زعلت ہا جداست  
وہ اللہ کے لیے اللہ کا دوست کہاں ہے؟ جو غرضوں اور علتوں سے جدا ہے۔ (۴۳۵/۳)

فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص اس معرفت تک نہ پہنچے کہ نیکی آپ ہی اپنا اجر ہے اور بدی آپ ہی اپنی سزا ہے، اس کی روح شہوات و خطرات میں تڑپتی رہے گی۔ مرزا غالب کا شعر ہے۔

طاعت میں تا رہے نہ مئے و انگلیں کی لاگ  
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

راجہ بصری کی ایک روایت مشہور ہے کہ ایک دن وہ بازار سے گزر رہی تھیں، آپ کے ایک ہاتھ میں پانی کا پیالہ اور دوسرے ہاتھ میں کسی برتن میں دیکتے ہوئے کوئلے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو فرمانے لگیں اس پانی سے جہنم کو بجھانے اور اس آگ سے جنت کو جلانے جا رہی ہوں تاکہ لوگ خدا کی عبادت خدا ہی کی محبت سے کریں اور اجر و زجر کے محرکات عمل میں نہ لائیں۔ (یہ تو اعلیٰ مومن کی نوعیت ہے)۔

## اگر کوئی محقق نہیں تو تقلید بہتر ہے

مولانا کا فرمان ہے کہ اکثر لوگ مقلد ہوتے ہیں اور محقق کوئی کوئی ہوتا ہے۔ محقق کا درجہ بلند ہے لیکن محقق ہر شخص نہیں ہو سکتا، اس لیے تقلید کے بغیر اس کو چارہ نہیں۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی کا قول ہے کہ علم تصوف کے بغیر علم شریعت کو حاصل کرنے والا زندیق ہے، اسی طرح علم تصوف کو علم شریعت کے بغیر حاصل کرنے والا فاسق ہے اور ان دونوں کو جمع کرنے والا، یعنی جس کے پاس شریعت کا علم ہو اور تصوف کا علم بھی ہو تو وہ محقق ہے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ اچھوں کی تقلید سے عوام کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ آپ نے اس کو ذہن نشین کرانے کے لئے ایک مثال پیش کی ہے کہ ایک شخص اندھا تھا اور پیاسا بھی تھا، اس کے ساتھ ایک شخص بیٹا تھا اور وہ بھی پیاسا تھا۔ آنکھوں والے کو دور سے ندی نظر آگئی اور اندھے کو ندی کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ آنکھوں والے نے کہا کہ تو میرے ساتھ چل اور اس بحث میں نہ پڑ کہ ندی نظر نہیں آ رہی۔ آخر اندھا تسلی بخش ثبوت کے بغیر اس کے ساتھ چل پڑا اور جب گھڑا پانی میں ڈبویا اور بھرا ہوا گھڑا اٹھایا تو پھر اسے یقین آیا کہ واقعی ندی ہے۔ مقلد بھی کسی محقق کے پیچھے چل کر آخر میں فیض اور یقین حاصل کر سکتا ہے لیکن انسان کا نصب العین مقلد رہنا نہیں بلکہ محقق بننا ہے۔

گر نہ بنی آب کورانہ بفن سوئے جو آور سبو در جوئے زن  
اگر تو اندھے پن سے پانی کو نہیں دیکھتا، تدبیر کے ساتھ ٹھلیا نہر کی جانب لا (اور) نہر میں ڈبو دے۔ (۴۱۰/۳)

چوں شنیدی کاندریں جو آب ہست کور را تقلید باید کار بست  
جب تو نے سن لیا کہ اس نہر میں پانی ہے، اندھے تقلید کو کام میں لا۔ (۴۱۰/۳)

گر نہ بیند کور آب جو عیاں لیک داند چوں سبو بیند گراں  
اگرچہ اندھا نہر کے پانی کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے لیکن سمجھ لیتا ہے، جب ٹھلیا کو بھاری دیکھ لیتا ہے۔ (۴۱۰/۳)

کہ زبُو اندر سبو آبے برفت کایں سبک بود و گراں شد ز آب زفت  
کیونکہ نہر سے ٹھلیا میں پانی پہنچ گیا اس لیے کہ یہ ہلکی تھی، بھاری پانی سے بھاری ہو گئی۔ (۴۱۰/۳)

## فلسفی کی بے کار دوڑ دھوپ

مولانا روٹی فلسفی کو بارہا بھٹکا ہوا انسان کہہ چکے ہیں، پہلے باب میں علامہ اقبال کا بیان کہ انہیں فلسفہ میں بوئے خامی آتی ہے، گزر چکا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مادیت کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکے اور حقیقت رسی کے قائل نہیں ہیں۔ صوفی اپنے خدا کو اپنے نفس کی گہرائیوں میں تلاش کرتا ہے اور طبعی فلسفی اس کو آفاق میں ڈھونڈتا ہے مگر مظاہر کا علم اس کو کئے وجود سے آگاہ نہیں کر سکتا، جب کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ خدا تمہاری شے رگ سے بھی قریب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ایسا فلسفی ایک شکاری کی طرح ہے جو دور دور تیر مارتا ہے لیکن اس کا شکار اس کے بالکل



قریب ہے ۔

آنچه حق است اقرب از حبلِ الورد  
تو فگندہ تیرِ فکر ت را بعید  
جو حق ہے وہ شہ رگ سے بھی قریب ہے، تو نے فکر کے تیر کو دور پھینکا۔  
(۲۳۲/۶)

اے کمان و تیر ہا بر ساختہ  
صید نزدیک و تو دور انداختہ  
اے وہ! جو تیر اور کمان تیار کئے ہوئے ہے، شکار نزدیک ہے اور تو نے دور چلایا۔  
(۲۳۲/۶)

خزینہ معرفت انسان کے اندر ہے ”مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ“ یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا  
اس نے خدا کو پہچان لیا۔ ایسے لوگ جو حقیقت کو نہیں سمجھتے، خدا سے دور تر چلے جاتے ہیں ۔

ہر کہ دور انداز تر او دور تر  
وز چنیں گنج است او مجبور تر  
جو شخص دور پھینکنے والا ہے، وہ زیادہ دور ہے اور وہ ایسے خزانہ سے زیادہ محروم ہے۔  
(۲۳۲/۶)

لفسی خود را زاندیشہ بکشت  
لفسی نے خود کو (فکر) سے مار ڈالا، اس سے کہہ دے کہ اس کی خزانہ کی جانب پشت ہے۔  
(۲۳۳/۶)

گو بدو چندانکہ افزوں می رود  
از مراد دل جدا تر می شود  
اس سے کہہ دے کہ وہ جتنا دوڑتا ہے، دل کی مراد سے زیادہ جدا ہو رہا ہے۔  
(۲۳۳/۶)

تلاش حق اپنے اندر رہ کر ہونی چاہیے جیسا کہ ”جَاهِدُوا فِينَا“ سے ظاہر ہے، نہ کہ اس سے دور ہٹ کر۔  
جَاهِدُوا فِينَا بگفت آں شہر یار  
جہاد کرو! غنا نہ گفت اے بے قرار

اس شاہ نے جَاهِدُوا فِينَا کہا ہے، اے بے قرار! اس نے ”جَاهِدُوا غْنَا“ نہیں کہا ہے۔  
(۲۳۳/۶)

کامیاب وہی ہو سکتا ہے جس نے حبلِ الورد کے قرب سے اس ہستی کو اپنے اندر تلاش کیا۔ حضرت بایزید  
بطائی کا قول ہے اگر میرا یقین جبل الورد پر پہلے ہی ہوتا تو ۳۰ سالہ عبادت اور ریاضت کی مدت نہ کاٹنا پڑتی  
جَاهِدُوا غْنَا کا مطلب ہے ہماری جانب سے دور جانے کی کوشش کرنا ہے۔

## مدارج عقل

جس طرح ہستی کے بہت سے مدارج ہیں، اسی طرح عقل کے بھی بہت سے مدارج ہیں۔ اس میں جمادات،  
نباتات اور حیوانات بھی شامل ہیں۔ ان تینوں کی عقل کے بعد وہ عقل ہوتی ہے، جسے لوگ عقلِ انسانی کہتے ہیں،  
عقلِ انسانی میں بھی عقلِ حیوانی کی آمیزش ہوتی ہے، جس سے انسان حیوانی خواہشات اور مادی ضرورتوں کو پورا کرتا  
ہے۔ اس سے ذرا اوپر حکماء یا فلاسفہ کی عقل ہے جو علت و معلول اور منطق کے محدود قوانین سے تمام حقائق کا احاطہ  
کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مولانا اس عقل کو مجروی عقل کہتے ہیں اور حکماء اس کو کلی عقل سمجھ لیتے ہیں۔ اس سے

اوپر عقلِ نبوی ہے، جس میں اندازِ بصیرت اور استدلال ہوتا ہے، یہ حکماء و متکلمین کے استدلال سے الگ ہوتا ہے۔  
 فلسفی اور نبی کی عقل میں پوست اور مغز کا فرق ہوتا ہے۔ فلسفی کی عقل کا میلان بھی حیوانی عقل کی طرح عالمِ مادی کی  
 طرف ہی ہوتا ہے کیونکہ حیوانات سبزیوں، پھلوں اور چھلکوں ہی کے طالب ہوتے ہیں۔ وہ ان چھلکوں کے مغز کا  
 تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ مادی عقل عام انسانوں کے علاوہ فلاسفہ کے دست و پا بھی جکڑ لیتی ہے۔ مادی عقل سے  
 اوپر والی عقل کو مولانا عقلِ عقل کہتے ہیں اور اہل دل اس عقلِ عقل پر سوار ہوتے ہیں، گرفتار نہیں ہوتے۔

بند معقولات آمد فلسفی شہسوار عقل عقل آمد صفی  
 فلسفی معقولات کا پابند ہے، منتخب انسان عقلِ کل کا شہسوار ہے۔ (۲۴۵/۳)

عقل عقلت مغز و عقل تست پوست معدہ حیوان ہمیشہ پوست جوست  
 تیری عقل کی عقل مغز ہے اور تیری عقل چھلکا ہے، حیوان کا معدہ ہمیشہ چھلکے تلاش کرنے والا ہے۔ (۲۴۵/۳)  
 فرماتے ہیں کہ عقلِ استدلالی ورق کا لے کرتی ہے، پھر بھی لاکھوں دلائل کے بعد یقین پیدا نہیں کرتی لیکن جس  
 میں عقلِ عقل ہے، اس کے لیے انفس اور آفاق روشن ہو جاتے ہیں۔



## ذکرِ الہی کے چند اسرار

تصوّف میں سب سے اُوچی ریاضت ذکرِ الہی ہے

ذکرِ الہی ہی خدا کی محبت کا بہترین ذریعہ ہے۔ سالکانِ راہِ طریقت ذکر ہی سے خدا کا قُرب حاصل کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ کی محبت کی علامت ہے اور محبت جس سے ہو، اس کا اکثر ہی ذکر ہوتا رہتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا فَكَثُرَ ذِكْرُهُ۔ یعنی جس کو کسی سے محبت ہو تو وہ اکثر ہی اس کا ذکر کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ قلبِ انسانی میں لا تعداد اسرارِ الہی چھپے ہوتے ہیں اور ان کو افشا کرنے کا طریقہ قَلَمِ دل کو ضربِ ذکرِ الہی سے چیرنا ہے۔

کھلتے نہیں اس قَلَمِ خاموش کے اسرار جب تک تو اسے ضربِ کلیسی سے نہ چیرے  
اولیاءِ کرامؒ کا کشف، روحانی تصرف، مراقبہ اور مشاہدہ ذکرِ الہی کے باعث ہوتا ہے۔ اس میں کونین کا مشاہدہ اور لوحِ محفوظ تک رسائی حاصل ہوتی ہے لیکن ذکرِ الہی سے مراد صرف وہی ذکر ہے جو کسی شیخ سے اخذ کیا گیا ہو۔ یہ وہ عبادت ہے جو ہر وقت، ہر حالت میں اور ہر لمحہ ادا کی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے کوئی پابندی یا رکاوٹ راستے میں حائل نہیں ہوتی اور اگر دل ذکرِ الہی سے صیقل ہو جائے تو دل کے آئینے میں ہر چیز کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ تحصیلِ مقصود کے لیے ذکر پر دوام اور استمرار (ہمیشہ کرتے رہنا) ضروری ہے۔ حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ نے فرمایا ہے کہ ہم چالیس سال سے آئینہ داری کر رہے ہیں اور ہمارے آئینہ نے کبھی غلطی نہیں کی۔ علامہ اقبالؒ سے ایک

انگریز نے دریافت کیا کہ مسلمانوں کا قرآن محمد ﷺ پر نازل ہوا یا انہوں نے اسے خود ہی تحریر فرمایا ہے۔ اس پر علامہ نے اسے بتایا کہ حضور ﷺ تو ایک بڑی ہستی ہیں اور یہ کلام ان پر اللہ کی طرف سے نازل ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، جب کہ خود جو اشعار میں نے لکھے ہیں وہ ان کو دیوار پر کندہ الفاظ کی صورت میں نظر آتے رہے ہیں اور وہ ان کو قلمبند کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ے

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے  
اولیاء کرامؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا دل سمندر سے بھی گہرا ہے اور اس میں بے شمار راز چھپے ہوئے ہیں اور یہ راز صرف ان پر ظاہر ہوتے ہیں، جن کا آئینہ ذکرِ الہی سے صاف اور شفاف ہو چکا ہو۔

**فکر میں اگر جمود ہو تو ذکر سے گھل جاتا ہے**

**(فکر وہ ہے جو راہ کو کھول دے اور راہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملا دے)**

مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ ایک صوفی درویش کو شیطان نے بہکایا کہ تیرے اس رات دن کے ذکر کا کیا فائدہ، کیونکہ تیرے اللہ اللہ کہنے پر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی جواب ہی نہیں دیتا، چنانچہ اس صوفی نے ذکر کرنا بند کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعے اس کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ میرے اس بندے سے کہہ دو کہ ایک دفعہ اللہ کہنے کے بعد میں ہی تجھے دوسری بار اللہ کہنے کی توفیق دیتا ہوں تو پھر دوسری بار لفظ اللہ تمہاری زبان سے نکلتا ہے۔ دوسری بار تجھے ذکر کی توفیق دینا ہی میرا لیبیک (یعنی میرا جواب) ہے کیونکہ پہلی بار تیرا کہا ہوا ”اللہ“ اگر قبول نہ ہوتا تو دوبارہ تیری زبان سے اللہ کا لفظ نہ نکلتا۔ مولانا فرماتے ہیں ے

گفت آں اللہ تو لیبیک ماست  
آں نیاز و درد و سوزت پیک ماست  
اللہ نے کہا کہ تیرا اللہ کہنا ہی ہمارا جواب ہے، یہ تیرا درد و سوز و نیاز گویا ہمارا ہی پیغام ہے۔ (۳۲/۳)

نے ترا در کارِ من آوردہ ام  
نے کہ من مشغولِ ذکرِ ت کردہ ام  
نہیں! بلکہ اپنے اس کام میں تجھے لگانے والا ہی میں ہوں، نہیں! بلکہ تجھے ذکر میں مشغول کرنے والا بھی میں ہوں۔ (۳۳/۳)

ترس و عشق تو کندِ لطفِ ماست  
زیرِ ہر ”یارِ پ“ تو لیبیک ماست  
تیرا خوف اور عشق ہی میرے لطف کی ڈوری ہے، تیرے ہر بار یارِ ت کہنے میں میرے بہت سے لیبیک ہیں۔ (۳۳/۳)

**اللہ تعالیٰ سے ملنے کا طریقہ**

مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ جو لوگ اللہ سے ملنا چاہتے ہیں وہ سب سے پہلے صوم و صلوٰۃ کی پابندی کریں یعنی



شریعت کا اتباع تو ہر حال میں لازم ہے، اس کے بعد اوقات مقررہ پر ذکر جاری کریں اور فکر کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔  
 فکر ایک ایسی عبادت ہے، جس کی ایک ساعت ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے (فکر میں ہر بات کی کنہ پر تفکر کیا جاسکتا ہے اور اس میں ہر معاملے میں تحقیق کے مرتبے پر پہنچنا ہوتا ہے۔) مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ اگر فکر جامد (جامد یعنی بند) ہو جائے تو جاؤ ذکر کرو۔ ذکر کرتے رہنے سے جامد شدہ فکر کھل جائے گا کیونکہ ذکر اور ریاضت کرتے رہنے سے فکر حرکت میں آ جاتا ہے۔ اس افسردہ جمود کے لئے ذکر خورشید کی طرح ہے جو قلب انسانی کو حرارت پہنچاتا ہے۔ سائنسدانوں کا قول ہے کہ اس دنیا کی آگ کی زیادہ سے زیادہ حرارت ۱۸۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ ہے اور صوفیاء کا قول ہے کہ جہنم کی حرارت اس سے ستر گنا تیز ہے اور ذکر الہی سے جو آگ دل میں پیدا ہوتی ہے، وہ جہنم کی آگ سے بھی ستر گنا تیز ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مومن پل صراط سے گزرے گا تو ایک حدیث کے مطابق جہنم اس کی خوشامد کرے گی کہ اے مومن! جلدی سے گذر جا کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری آگ (نور) میری آگ کو ختم کر دے۔ چنانچہ جب فکر کھل جائے تو سالک کی خدا تک پہنچنے کی راہ کھل جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ راہ وہ ہوتی ہے، جو خدا تک پہنچا دے۔

ایں قدر گفتیم، باقی فکر کن  
 فکر اگر جامد بود رو ذکر کن  
 جو میں نے کہہ دیا ہے اس پر سوچ بچار کرو، اگر فکر منجمد ہو گئی ہے تو ذکر کرو (کھل جائے گی)۔ (۱۵۳/۶)  
 ذکر آرد فکر را در اہتزاز  
 ذکر را خورشید این افسردہ ساز  
 ذکر کی گرمی فکر کو حرکت میں لاتی ہے، اس افسردہ جمود کے لئے ذکر کو آفتاب خیال کرو۔ (۱۵۳/۶)  
 فکر آں باشد کہ بکشايد رہے  
 راہ آں باشد کہ پیش آید شے  
 فکر تو وہ ہے کہ جو راستہ کھول دے اور راستہ وہ (مفید) ہے، جو شاہِ حقیقی سے ملا دے۔ (۳۰۲/۲)

**صِیْقِلْ جَاں اَمْد از تَقْوٰی الْقُلُوْبِ**

(روح کا صِیْقِل ہونا دلوں کے تقویٰ پر منحصر ہے)

مولانا روٹی فرماتے ہیں کہ روح کا چمکانا تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں، یہ وہ کام ہے جس کی طرف عام انسان توجہ نہیں دیتا۔ جو لوگ حصولِ فیض کی قابلیت و صلاحیت سے خالی ہیں ان کو اس سے کیا غرض کہ ان کے دلوں کو آئینے کے مقابل لا کر آئینے کی طرح صِیْقِل کر دیا جائے۔ یہ آئینہ دل صِیْقِل و مجلی کیوں کر ہوتا ہے؟ اس کی وضاحت ”وَمَنْ يُعْظِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوٰی الْقُلُوْبِ“ (الحج: ۳۲) سے ہوتی ہے یعنی جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، پس یہ دلوں کے تقویٰ سے ہی ہوتی ہے۔ حضرت صاحبِ بحر العلوم فرماتے ہیں کہ مفسرین اس آیت میں شعائر اللہ کو مناسک حج مثلاً ہدی، صفا و مردہ وغیرہ پر محمول کرتے ہیں مگر یہ معنی مناسبت مقام نہیں بلکہ شعائر کے معنی بحسب لغت

نشانوں کے ہیں، پس شعائر اللہ، اللہ کی نشانیاں ہوں۔ اس تقدیر پر عام موجودات شعائر اللہ ہیں کیونکہ وہ مظاہر حق ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم سے مقصد یہ ہے کہ ان شعائر یعنی نشانوں میں حق کا مشاہدہ کرے اور اگر حق کا مشاہدہ نہ ہوگا تو شعائر شعائر نہ ہوں گے، غرض جس چیز کا تصور کیا جائے اور اس میں حق ملحوظ ہو تو وہ من جملہ شعائر ہے اور اس کی تعظیم حق کی تعظیم ہے، جو تقویٰ قلب سے ہوتی ہے یعنی چونکہ شعائر میں سوائے حق کے اور کچھ ملحوظ و مشاہدہ نہیں ہوتا، لہذا ان کی تعظیم غیر حق کے نشان کو صفیہ قلب سے محو کر دینی ہے اور یہ روح کے لئے صیقل ہونا ہے۔

عاشقِ آئینہ باشد زوئے خوب صیقلِ جاں آمد از تقویٰ القلوب

ایک خوبصورت شخص ہی آئینے کا دلدادہ ہو سکتا ہے (نہ کہ بدصورت اور) روح کا صیقل ہونا (جس سے وہ آئینہ بن جاتی ہے) دلوں کے تقویٰ سے میسر ہو سکتا ہے۔ (۳۲۹/۱)

مولانا کی مراد اس شعر سے یہ ہے کہ جس کا دل اللہ کی نشانوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ محض دلوں کے تقویٰ سے ہی ممکن ہے۔

### خوبصورت شخص کے سامنے آئینہ رکھنا چاہیے

آئینہ ایک پری جمال و ماہ پیکر صورت کے لئے ہی کارآمد ہو سکتا ہے، جو اس سے اپنے حسن کی آراستگی میں مدد لے۔ ایک بدصورت و کرہ شکل کے لئے یہ آئینہ مفید نہیں۔ اسی طرح اولیاء اللہ کی صحبت و نسبت سے وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں، جو صالح الاستعداد اور پاک فطرت ہوں کیونکہ اولیاء اللہ مریدوں کی روح کے لئے آئینہ ہیں اور اس ظاہری آئینے سے بہتر ہیں۔ جس طرح آئینے کو چہرہ اور خدوخال دیکھنے کے لئے اپنے سامنے رکھا جاتا ہے، اسی طرح سلاطین صوفیہ کو بھی اپنے سامنے جگہ دیتے تھے۔ سلاطین کا ان حضرات کو اپنے سامنے جگہ دینا ان کی عظمت و تقدس کے لحاظ سے اور ان سے فیض و برکت حاصل کرنے کی غرض سے تھا تاکہ ان کے ضمیر سے اپنے باطنی اسرار کا تماشا دیکھا جاسکے۔

ہر کہ او از اصل فطرت خوب زاد آئینہ در پیش او باید نہاد

جو شخص اصل فطرت سے خوبصورت پیدا ہوا ہو، اس کے روبرو آئینہ رکھنا چاہیے۔ (۳۲۹/۱)

جو خدا کی ذات میں فنا ہو جائے، وہ ہلاکت میں نہیں رہے گا۔

جو شخص ذات باری تعالیٰ میں فنا ہو کر بقا باللہ حاصل کر لے وہ ”مُحِلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ“ (یعنی ہر شے ہلاک ہونے والی ہے) کے حکم سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ ہالک نہ رہا بلکہ باقی باللہ بن گیا۔ خداوند تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ جب تک تم فنا ہو کر اس کی ذات پاک میں شامل نہیں ہوئے، ہستی کی امید نہ رکھو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تمام موجودات اس کی ذات پاک میں فنا و محو ہیں اور ہستی حقیقی سے بہرہ ور وہی



ہے، جو اس میں فنا ہو جائے، اُسے بقا بِاللہ کہتے ہیں لیکن جو اس میں فنا نہ ہو اس کا دعویٰ ہستی فضول و لغو ہے۔ مولانا احمد حسن، شیخ ولی محمدؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ مولاناؒ نے یہ کلمات جو بصیغہ متکلم فرمائے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام پر آپ کی جہت عبودیت جہت ربوبیت میں فنا ہو چکی ہے۔ چونکہ محو و فنا اور ترک خودی کا ذکر چلا آ رہا ہے، اس لئے یہاں اندازِ تکلم سے یہ ظاہر کرنا اور بھی مناسب تھا کہ ایک بندہ جو مقام فنا میں ذاتِ حق کے کلام کو بطریق تکلم ادا کر سکتا ہے تو اس وقت وہ معبود ہی کا کلام ہوتا ہے، نہ کہ غیر کا کیونکہ عبد کو مہوم و باطل خودی جو اس کی ذاتِ حق ہے بیگانگی اور اس کے کلام کو بصیغہ غائب ادا کرنے کی مقتضی تھی، فنا ہو چکی اور ہستی حقیقی جو تمام ہستیوں میں بصیغہ مومن متکلم ہے، باقی رہ گئی۔

ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ بُد جزا  
جو کوئی ہماری ذات میں فنا ہو جائے (اس کو) کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ (کی کلیت کے ماتحت) ہلاکت کی سزا بھگتنی نہیں پڑتی۔ (۳۱۹/۱)

### فنا اور بقا ”لَا وَ اِلَّا“ کی مناسبت سے ہے

لا اور اِلَّا کے ذکر سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہاں نفی و اثبات مراد ہے، جو کلمہ طیبہ میں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذکر و شغل کے مرتبہ میں نفی اشیاء کے ملاحظہ سے گذر کر خاص اثبات یعنی مشاہدہ حق میں مشغول ہے۔ جیسے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے۔

تا بجاروب لا زروبی راہ نری در سرائے اِلَّا اللہ  
بلکہ یہاں لا سے ہستی مہوم مراد ہے جو حقیقت میں منفی و معدوم ہے اور اِلَّا سے ہستی حقیقی مقصود ہے، پس معنی یہ ہوئے کہ وہ ہستی مہوم سے گذر کر ہستی حقیقی سے مشرف ہو گیا۔

جو لوگ لا اور اِلَّا میں مخفی اسرار کو سمجھنا چاہتے ہیں وہ ہماری تصنیف ”حسن نماز“ کا مطالعہ فرمائیں۔ علامہ اقبالؒ کی فارسی کی کتب میں بھی اس موضوع پر بہت کلام کیا گیا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں ۔

زانکہ در اِلَّا ست او از لا گذشت ہر کہ در اِلَّا ست او فانی گشت  
کیونکہ وہ اِلَّا وَ جُہُہ کے ساتھ مستعد ہے، وہ لا (یعنی هَالِكٌ) سے گذر گیا، جو کوئی اِلَّا میں ہے وہ فانی نہیں ہوا۔ (۳۱۹/۱)

ہر کہ بر در او من و ما فی زند رِ باب ست او و بر ”لا“ می تند  
جو کوئی اس کے دروازے پر من و ما کا دعویٰ کرتا ہے، وہ دروازے سے مردود ہے اور ابھی لا (یعنی ہلاکت) پر قائم ہے۔ (۳۱۹/۱)

## رسول اللہ ﷺ کے نور سے آدم علیہ السلام کا ظہور ہوا

رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ”آدم علیہ السلام اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام میرے جھنڈے کے نیچے میرے پیچھے ہوں گے۔“ (سنن ترمذی، دارمی) نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ”ہم پیدائش میں پیچھے آنے والے ہیں اور درجے میں سب سے مقدم رہنے والے ہیں۔“ (دلائل النبوة لابن نعیم) بعض علماء نے اس کے معنی یوں بیان کئے ہیں کہ میں اور میری امت تمام پہلے انبیاء اور ان کی امتوں پر درجہ میں مقدم ہیں مگر صوفیاء کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ میری حقیقت تمام حقائق پر سابق ہے اور ہر حقیقت میری حقیقت سے وابستہ ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے لئے ہی آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور ان کے لئے ہی وہ ساتویں آسمان پر گئے۔ وہ مسجود اس لئے ہوئے کہ نور محمدی ﷺ ان کی صلب (پشت) میں تھا۔ ساتویں آسمان پر معراج اس لئے کیا کہ نور محمدی ﷺ سے فیض حاصل کرنا مطلوب تھا، پس حقیقت میں باپ مجھ بیٹے سے پیدا ہوا۔ عادت الہیہ یوں جاری ہے کہ وجود میں آنے والی ہر چیز کا فکر اور تصور مقدم ہوتا ہے، حقیقت میں درخت میوے ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

گر بصورت من ز آدم زادہ ام  
من بمعنی جد جد افتادہ ام  
اگرچہ بظاہر میں آدم علیہ السلام سے پیدا ہوا ہوں، لیکن درحقیقت میں دادے کا دادا واقع ہوا ہوں (اس بناء پر کہ حقیقت آدم کا ظہور حقیقت محمدیہ ﷺ سے ہوا ہے)۔ (۶۲/۴)

آب ذکر حق و زبور ایں زماں  
ہست یاد ایں فلاں و آں فلاں  
اللہ تعالیٰ کی یاد پانی ہے اور کبھی (یہ ہے کہ) اس ذکر کے وقت اس فلاں اور اُس فلاں کی یاد آئے۔ (۵۴/۴)  
مولانا فرماتے ہیں کہ یاد حق میں وسواس کا حال شہد کی مکھیوں کی طرح ہے اور اس سے بچاؤ ذکر اللہ کے پانی سے ہو سکتا ہے۔

## ذکر کا مزید بیان دوسری جلد میں آئے گا

ضخامت کے بوجھ سے بچنے کے لیے اس جلد میں ذکر کا مختصر بیان کر دیا گیا ہے لیکن ہماری زیر نظر تصنیف کی دوسری جلد میں انشاء اللہ کافی اور وافی تفصیل دی جائے گی۔ زندگی نے وفا کی تو یہ خواہش بھی انشاء اللہ پوری ہوگی۔



## عقل سے نظریات پیدا ہوتے ہیں

عقل خود رami نماید رنگها

(عقل عیار ہے، سو بھیس بنا لیتی ہے)

عارف روئی نے عقل اور روح پر بہت بسیط کلام کیا ہے، جس کا احاطہ کرنا طوالت کے سبب اس تحریر کی حدود سے تجاوز کر جائے گا۔ اس جگہ آپ کے چند اشعار کی تشریح کی جا رہی ہے۔ علامہ اقبالؒ کا کلام ہم ایک الگ کتاب ”عقل و عشق اور فلسفہ خودی“ میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ کتاب بھی عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہو رہی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ عقل اپنے آپ کو کئی رنگوں میں پیش کرتی ہے۔ عقل کبھی تو عیاری و مکاری کرتی ہے اور جب عقل سلیم کے ساتھ رونمائی کرتی ہے تو عشق کے اثرات اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کی غمازی بال جبریل میں حسب ذیل اشعار میں کی ہے۔

عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم

عقل عیار ہے، سو بھیس بنا لیتی ہے

خرد کیا ہے ؟ چراغِ رہگذر ہے  
چراغِ رہگذر کو کیا خبر ہے

خرد سے راہرو روشن بھر ہے  
دروں خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے  
خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے  
خرد بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے  
خرد بیزار دل سے دل خرد سے  
مولانا رومیؒ کے لکھے ہوئے چند اشعار نیچے دیئے جا رہے ہیں۔

ذِرْهُ عَقْلُتْ بِہِ از صوم و صلوة

(ذره بھر عقل، روزہ و نماز سے بہتر ہے)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! لوگ آپس میں کس بات سے فضیلت حاصل کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عقل کے ساتھ۔ میں نے عرض کی اور آخرت میں کس بات سے فضیلت حاصل کریں گے؟ فرمایا: عقل کے ساتھ۔ میں نے عرض کیا: کیا وہ اپنے اپنے عملوں کا بدلہ نہیں پائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! وہ اللہ کی دی ہوئی عقل کے حصہ کے موافق ہی تو عمل کریں گے اور عطا شدہ عقل کے اندازے پر اُن کے اعمال ہوں گے اور عملوں کے مطابق وہ بدلہ پائیں گے۔ فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ ”آدی اپنی خوش خلقی کی بدولت روزہ دار اور نمازی کا درجہ حاصل کرتا ہے اور آدی کی خوش خلقی کی تکمیل اس کی عقل کی تکمیل کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس وقت اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے اور وہ اپنے پروردگار کی اطاعت کرتا ہے۔ (منہج القوی)

اسی طرح عبادات عقل کو صیقل کرتی ہیں لیکن عقلوں کا جلد یا بدیر صیقل پذیر ہونا اُن کے کمال استعداد یا نقص استعداد پر موقوف ہے۔ عقل کی کئی اقسام ہیں: ایک عقل روشنی کے لحاظ سے آفتاب کی مثل ہے اور ایک عقل زہرہ اور ٹوٹنے والے ستارے سے بھی کم تر ہے، کوئی عقل مست چراغ جیسی ہے اور کوئی آگ کی چنگاری جیسی ہے اور جو عقلیں آفتاب کی مانند ہوتی ہیں اگر اُن کے سامنے سے (ماسوا اللہ کا) بادل اُٹھ جائے تو وہ عقلیں خدا کو دیکھنے والا نور برساتی ہیں۔ (یہ انبیاء و اولیاء کی عقلوں ہیں، جن سے عقلوں عوام فیض پاتی ہیں) مخلوق کی عقلیں ان کی عقل کا عکس ہیں۔ ان کی عقلوں مُشک ہیں اور مخلوق کی عقلیں خوشبو ہیں۔

عقل کل ایک ایسی حقیقت ہے، جس میں تمام کائنات چھپی ہوئی ہے اور نفس ایک ایسی حقیقت ہے جو کچھ عقل میں ہے اس کی تفصیل نفس کل ہے اور ان دونوں کا مظہر انسانِ کامل ہے یعنی مردِ خدا جو انسانِ کامل ہے، مظہر حق ہے اس لئے کہ ذاتِ حق تمام اسماء و صفات سمیت انسانِ کامل میں ظاہر ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عقل کل اور نفس کل مظہر حق ہوں۔ عقل کی مزید دو قسمیں ہیں: عقلِ جزوی اور عقلِ کلی۔ عقلِ جزوی شخصی عقل ہے جو دنیا دار کی عقل ہے۔ اس جزوی عقل نے عقلِ کلی کو بھی بدنام کر دیا ہے۔ اگر یہ عقلِ جزوی راہِ حق میں مصروف ہو تو مہذب بن سکتی ہے۔ عقلِ جزوی کیونکہ اُمورِ دنیا میں مصروف ہو کر حق سے بعید ہو چکی ہے، اس لئے عقلِ کلی کی بدنامی کا



باعث بنتی ہے۔ عقل کلی ایک مردِ خدا یا انسانِ کامل کی عقل ہے۔ مردِ خدا یا عقلِ کلی نے جب حق تعالیٰ کا شکار بن کر اور اس کے دامِ عشق میں مقید ہو کر صیادِ کائنات دیکھا تو خود اس کا صید بن گیا، یعنی وہ مُتَخَلِّقُ بِأَخْلَاقِ اللّٰہِ اور خلیفہ حق بن گیا، پس اُس کا حکم تمام کائنات میں نافذ ہو گیا۔ بخلاف اس کے کہ دنیادار یا عقلِ جزوی والا مخلوق خدا کو اپنی کندِ تسخیر اور دامِ تزدیر میں مقید کرنے کی وجہ سے خود اس شغلِ بے شمر کا شکار ہو جائے (یعنی بیکار کاموں میں لگ جائے) لیکن مغزلہ یہ کہتے ہیں کہ عقلیں برابر ہیں اور اگر کچھ فرق محسوس کرتے ہو تو اس سے مراد یہ نہیں کہ عقلوں میں فرق ہے بلکہ یہ زیادتی اور فرقِ تعلیم و ریاضت اور تجربے کی وجہ سے ہے۔ اوپر جو گفتگو ہوئی اس کا نقشہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلام میں اس طرح کھینچتے ہیں ۛ

پس نگو گفت آں رسولِ خوش جواز ذرہٗ عقلت بہ از صوم و نماز  
پس خوب کہا ہے اس پاک رسول اللہ ﷺ نے کہ تیرے لئے ذرہ بھر عقل روزہ و نماز سے بہتر ہے۔ (۵۶/۵)  
زانکہ عقلت جوہرست ایں دو عرض ایں دو در تکمیلِ آں شد مُفترض  
کہ تمہاری عقل جوہر ہے اور یہ دونوں (نماز و روزہ) عرض ہیں، یہ دونوں اس کی تکمیل میں فرض ہیں۔ (۵۶/۵)  
تا جلا باشد مر آں آئینہ را کہ صفا ز آید زطاعت سینہ را  
تاکہ اس عقل کے آئینے کے لیے نماز و روزہ جلا بن جائیں کیونکہ سینے کو نماز و روزہ کی اطاعت سے صفائی حاصل ہوتی ہے۔ (۵۶/۵)

لیک گر آئینہ از بُنِ فاسدست صیقل آں را دیر باز آرد بدست  
لیکن آئینہ اگر اصل سے خراب ہے تو اس پر جلالت کے بعد آتی ہے۔ (۵۶/۵)  
ہست عقلے ہجو قرص آفتاب ہست عقلے کمتر از زہرہ و شہاب  
ایک عقل روشنی کے لحاظ سے آفتاب کی مثل ہے اور ایک عقل زہرہ اور ٹوٹنے والے ستارے سے بھی کم ہے۔ (۵۶/۵)  
وا گزیر آئینہ گو اکیس است اند کے صیقل گری اُورا بس است  
وہ آئینہ اختیار کرو جو زیادہ زیرک ہے، اس کو تھوڑا سا صیقل کرنا ہی کافی ہے۔ (۵۶/۵)

ایں تفاوت عقلہا را نیک داں در مراتب از زمیں تا آسمان  
عقلوں کے اس تفاوت کو جو ان کے مراتب میں ہے، خوب سمجھ لو کہ مراتب کا فرق زمین سے آسمان تک ہے۔ (۵۷/۵)

ہست عقلے چوں چراغِ سرخوش ہست عقلے چوں ستارہ آتش  
ایک عقل مست چراغ کی سی ہے، ایک عقل آگ کی چنگاری کی سی ہے۔ (۵۶/۵)

زانکہ ابر از پیش او چوں وا جہد  
نور یزداں میں خردہا بر دہد  
کیونکہ جب (ماسوا اللہ کا) بادل سامنے سے اٹھ جاتا ہے تو (وہ آفتاب کی سیف) عقلیں خدا کو دیکھنے والا نور  
برساتی ہیں۔ (۵۶/۵)

عقلہائے خلاق عکسِ عقلِ او  
عقلِ او مشکِ ست و عقلِ خلقِ یو  
مخلوق کی عقلیں اس کی عقل کی عکس ہیں، اس کی عقلِ مشک ہے اور مخلوق کی عقل خوشبو۔ (۵۶/۵)

عقلِ کل و نفسِ کل مردِ خداست  
عرش و کرسی را مداں کز دے جداست  
عقلِ کل و نفسِ کل مردِ خدا ہے۔ عرش اور کرسی کو اس سے جدا نہ سمجھو۔ (۵۶/۵)

مظہرِ حق است ذاتِ پاکِ او  
زُد بجو حق را و از دیگر بُجو  
اس کی ذاتِ پاک حق کی مظہر ہے، حق کو اسی سے طلب کرو اور کسی سے طلب نہ کرو۔ (۵۶/۵)

عقلِ جزوی عقلِ را بدنام کرد  
کامِ دنیا مردِ را بے کام کرد  
شخصی عقل نے عقل (کلی) کو بدنام کر دیا ہے، دنیا کی کامیابی نے اس کو (عقبی میں) ناکام کر دیا ہے۔ (۵۷/۵)

آں ز صیدی حُسن صیادے بدید  
وین ز صیادی غمِ صیدی کشید  
اس (عقلِ کل والے) نے شکار بن کر شکاری کی خوبی دیکھی اور اس (عقلِ جزوی والے) نے شکاری بن کر (خود)  
شکار ہونے کا غم اٹھایا۔ (۵۷/۵)

آں ز خدمتِ نازِ مخدومی بیافت  
وین ز مخدومی ز راہِ عزّ بیافت  
اس مردِ خدا نے خدمت کے ذریعہ شانِ مخدومی حاصل کی اور یہ (دنیا دار) مخدومی (کے غرور) کے باعث عزت کی  
راہ سے پھر گیا۔ (۵۷/۵)

### عقل بادشاہ ہے اور نفسانی خواہش وزیر ہے

مملکت وجود کے اندر ایک بادشاہ ہے اور ایک وزیر ہے، یعنی بادشاہ عقل ہے اور نفسانی خواہش وزیر ہے۔ عمومی  
طور پر وزیر بادشاہ پر غالب رہتا ہے، یعنی انسان کی عقل خواہشِ نفسانی کے وزیر سے مغلوب ہے۔ اس کا مطلب یہ  
ہے کہ اس وزیر نے شاہِ عقل کو مغلوب و مسخر کر رکھا ہے، جس طرح ہامان نے فرعون کو مغلوب کر رکھا تھا، اسی طرح  
روح کو بھی بادشاہ کہا جاتا ہے اور عقل کو وزیر۔ خام عقلِ روح کو بھی متغیر کر دیتی ہے، جس طرح بُرا وزیر بادشاہ کو  
گمراہ بلکہ تباہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح عقلِ بجزلہ فرشتہ بھی ہے، فرشتہ ہر چند کہ گناہ و محصیت سے پاک ہوتا ہے مگر  
مشہور قصہ کی بناء پر جب ہاروت و ماروت دو فرشتے امتحان میں پڑ گئے تو نہ صرف خود بُرائی کے مرتکب ہوئے بلکہ  
بُرے لوگوں کے استاد بن گئے۔ اسی طرح عقل اگرچہ ایک نور ہے مگر جب وہ ہوا و ہوس سے متاثر ہو جائے تو روح  
کو بھی ناپاک کر دیتی ہے۔ ناقص عقل کو اپنا وزیر نہ بناؤ جو ہوا و ہوس سے متاثر اور ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہے۔



اے بادشاہ! عقل کو اپنا وزیر بناؤ جو قیدِ نفس سے آزاد اور ضلالت سے محفوظ ہے، اسی طرح تم میں بھی عقل ہے اور تم کسی دوسرے بزرگ کی عقل کے رفیق بن جاؤ اور اس سے مشورہ کرو تو ان شاء اللہ ہدایت پانے اور شرورِ نفس سے محفوظ رہنے کی زیادہ اُمید ہے۔ مولانا رومؒ نے اس کے متعلق فرمایا ہے۔

عقل تو مغلوب دستور ہواست      در وجودت رہزنِ راہِ خداست  
(اسی طرح) تمہاری (مملکت وجود کے اندر بھی) عقل (معاشِ روح کی وزیر) ہے اور (وہ) خواہشِ نفسانی سے مغلوب ہے وہ (عقل) راہِ خدا کی راہزن ہے۔  
(۱۳۷/۴)

ہچمو جاں باشد شہ و صاحبِ چو عقل      عقل فاسدِ روح را آرد بہ نقل  
بادشاہ گویا روح ہوتا ہے اور وزیرِ مثلِ عقل، خراب عقلِ روح کو متغیر کر دیتی ہے اور اسی طرح بُرا وزیرِ بادشاہ کو گمراہ بلکہ تباہ کر دیتا ہے۔  
(۱۳۸/۴)

آں فرشتہ عقل چوں ہاروت شد      بحر آموزِ دو صد طاغوت شد  
وہ عقل جو بمنزلہ فرشتہ ہے جب ہاروت بن جائے تو دو شیطانوں کو جادو سکھانے لگتی ہے۔  
(۱۳۸/۴)

عقل مجزوی را وزیرِ خود مکبر      عقل کل را سازِ اے سُلطانِ وزیر  
ناقص عقل کو اپنا وزیر نہ بناؤ (جو ہوا و ہوس سے متاثر اور ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہے)۔ اے بادشاہ! عقلِ کلی کو اپنا وزیر بناؤ (جو قیدِ نفس سے آزاد اور ضلالت سے محفوظ ہے)۔  
(۱۳۸/۴)

با دو عقل از بس بلاہا واری      پائے خود بر اُوجِ گردونہا نہی  
دو عقلوں کے اجتماع سے تم بہت سی آفتوں سے بچ جاؤ گے اور یہاں تک ترقی کرو گے کہ اپنا پاؤں آسمان کی بلندی پر جا رکھو گے۔  
(۱۳۸/۴)

مر ہوا را تو وزیرِ خود مساز      کہ برآید جانِ پاکت از نماز  
ہوا اور ہوس کو بھی تم اپنا وزیر نہ بناؤ کیونکہ اس کے اثر سے تمہاری پاک روح طاعت و عبادت سے خارج ہو جائے گی۔  
(۱۳۸/۴)

کایں ہوا پُر حرص و حالی میں یُوذ      عقل را اندیشہ یومِ الدین یُوذ  
کیونکہ یہ خواہش (نفسانی) حرص سے پُر اور موجودہ (عالم) کو نصبِ العین بنانے والی ہے (بخلاف اس کے) عقل (کامل) کو آخرت کے دن کا خیال ہوتا ہے۔  
(۱۳۸/۴)

عقل را دو دیدہ در پایانِ کار      بہر آں گلِ میکشد اُو رنجِ خار  
عقل کو انجامِ کار کے دیکھنے کے لئے دو آنکھیں (حاصل ہیں) اس پھول کے لئے وہ کانٹے کی تکلیف برداشت کرتی ہے، راحتِ عقلی کے لئے دنیا میں تکالیفِ طاعات سہتی ہے۔  
(۱۳۸/۴)

ورچہ عقلت ہست با عقل دگر یار باش و مشورت گن اے پدر  
اور اگرچہ تم میں بھی عقل ہے (تاہم) اے باوا! (کسی) دوسرے کی عقل کے رفیق بن جاؤ اور اس سے مشورہ کرو (تو)  
ان شاء اللہ ہدایت پانے اور شر نفس سے محفوظ رہنے کی زیادہ امید ہے۔ (۱۲۸/۴)

### انسان کو آمادہ فعل کرنے والی دو طاقتیں ہیں

انسان کو آمادہ فعل کرنے والی دو طاقتیں ہیں، ایک عقل، دوسری نفس۔ عقل مشورہ دیتی ہے جب کہ نفس ناپاک جذبات کے زیر اثر کسی کام پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ نفس کا ہی کام ہے کہ وہ حرص کے جذبہ سے متاثر ہو کر انجام پر نظر کئے بغیر کوئی کام کرانے لگتا ہے۔ ہاں جو عقل نفس کے آگے بے بس ہو جائے وہ نفس کی ہمنوا ہو جاتی ہے اور غیر اندیشانہ کام کرانے لگتی ہے۔

عقل کو مغلوب نفس اُو نفس شد  
مُشری مات زحل شد نخس شد  
جو عقل نفس سے مغلوب (ہو جائے) وہ بھی (بمزلہ) نفس بن جاتی ہے، جب ستارہ مشتری (جو سعد اکبر ہے) نخس (اکبر یعنی) زحل کے زیر اثر آجائے تو منحوس ہو جاتا ہے۔ (۱۵۵/۲)

عقل بُری چیز کو بھی اپنا ہم رنگ بنا لیتی ہے۔ عقل کی مغلوبیت کی حالت میں بھی تعلق باللہ سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

عاقبت بین ست عقل از خاصیت  
نفس باشد کو نہ بیند عاقبت  
عقل تو طبعاً عاقبت میں ہے اور جو عاقبت میں نہ ہو تو وہ نفس ہے (عقل نہیں)۔ (۱۵۵/۲)

### حضور ﷺ کی ذات کی خوبیاں کسی سے بھی مخفی نہ رہیں

جناب رسول ﷺ کی عقل و دانش اور عقل سلیم کی تمام تفصیلات، مثلاً صدق، امانت، تقویٰ وغیرہ کے حالات تمام لوگوں پر ظاہر تھے، حتیٰ کہ دشمن بھی آپ ﷺ کو صادق و امین کے لقب سے پکارتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سرمایہ سے آپ ﷺ کا کاروبار تجارت کرنا آپ ﷺ کی امانتداری کا منہ بولتا ثبوت ہے، حجرِ اسود کا معاملہ جو ہولناک خنزیرِ ی کا باعث ہونے لگا تھا، آپ ﷺ نے خوش اسلوبی سے سلجھایا کیونکہ آپ ﷺ صادق و امین مانے جاتے تھے۔ تمام لوگوں نے آپ ﷺ کی چنگلی رائے کی اور کمالِ عقل کی داد دی، حتیٰ کہ آپ ﷺ کے منکروں، مخالفوں اور حاسدوں کو بھی آپ ﷺ کے خصائل سے انکار نہ تھا مگر آپ ﷺ کی روح وحی بہت سے لوگوں پر مخفی رہی، اسی وجہ سے آج دنیا میں کروڑوں بد نصیب لوگ ایسے موجود ہیں جو آپ ﷺ کو رسول اور صاحبِ وحی نہیں سمجھتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عقل اگر ایک پوشیدہ چیز ہے تو وحی اس سے بھی زیادہ مخفی و مستور اور باذشواری ادراک میں آنے والی ہے۔ یہاں کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر وحی بمقابلہ عقل کے بمشکل ادراک میں آنے والی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ زیادہ خفا کی وجہ سے مدرک نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ وحی کے آثار ہی نہیں ہیں اور



عقل کے آثار ہوتے ہیں، جن سے وہ پہچانی جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۷

عقل احمد از کسے پنہاں نشد  
روح وحیش مدرک ہر جاں نشد  
(دیکھو) حضرت محمد ﷺ کی عقل کسی سے (حتیٰ کہ دشمنوں سے بھی) مخفی نہیں رہی مگر آپ کی وحی ہر شخص کو معلوم نہ ہو سکی (اس لیے تو بہت سے لوگ آپ کے منکر رہے)۔  
(۳۰۷/۲)

عقل موسیٰ چوں یوذ در غیب بند  
عقل موسیٰ خود کینت اے ارجمند  
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام (ایسے اولوالعزم پیغمبر) کی عقل (اسرار) غیب میں عاجز ہے تو اے ارجمند (ذرا سوچو کہ) ایک چوہے (کے سے حقیر و ناچیز آدمی) کی عقل (کی) کیا (بساط) ہوگی جو ان اسرار کو سمجھے۔  
(۳۰۷/۲)

باز عقل از روح مخفی تر یوذ  
حسن بسوئے روح زو تر رہ برد  
پھر عقل روح سے بھی زیادہ مخفی ہوتی ہے، اس لیے حس (ظاہر) روح (کے ادراک) کی طرف فوراً پہنچ جاتی ہے (اور عقل کو ادراک نہیں کرتی)۔  
(۳۰۷/۲)

جہشے بنی بدانی زندہ است  
ایں ندانی تو ز عقل آگندہ است  
(اس کی دلیل یہ ہے کہ) تم (کسی جسم میں) حرکت دیکھتے ہو تو سمجھ جاتے ہو کہ وہ زندہ (یعنی روح رکھتا) ہے لیکن یہ نہیں جان سکتے کہ وہ عقل سے بھی پُر ہے یا نہیں (یا کوئی دیوانہ اور مجنون ہے)۔  
(۳۰۷/۲)

روح وحی از عقل پنہاں تر بود  
زانکہ او غیب ست و او زال سر بود  
روح وحی کی استعداد عقل سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے، اس لیے کہ وہ عالم غیب سے ہے اور وہاں سے ہی ظہور میں آئی ہے۔  
(۳۰۷/۲)

میں نے عقل کو آزمایا اور پھر خود کو دیوانہ بنا لیا

مولانا فرماتے ہیں بے شک تم میں عقل ہے مگر تم عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ کبھی کے پروں کی طرح پستی کی طرف اُڑ رہے ہو۔ تمہارا میلان شہوات و لذات کی طرف ہے، اگرچہ عقل کا تقاضا ہے کہ تم بلندی کی طرف پرواز کرو مگر تم اس کے مقتضا پر عمل نہیں کرتے بلکہ اندھی تقلید کے متبع بن رہے ہو اور اپنے مرغ طبع کے پیچھے اڑے اڑے پھرتے ہو، جس کا میلان لذاتِ نفسانیہ کی طرف ہے۔

گرچہ عقلت سوئے بالا سے پڑد  
مرغ تقلیدت بہ پستی سے چڑد  
اگرچہ تمہاری عقل بلندی کی طرف اُڑتی ہے مگر تمہاری تقلید کا مرغ پستی کی طرف چلنے لگتا ہے۔  
(۲۲۳/۲)

آزمودم عقل دور اندیش را  
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را  
میں نے اس عقل کو جو دور اندیش (ہونے کی مدی) ہے، آزمایا ہے (معلوم ہوا کہ اس عقل ناقص سے بے عقل ہو جانا اچھا ہے، لہذا اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو دیوانہ بنا لیا)۔  
(۲۲۳/۲)

عقل را ہم آزمودم من بے زیں سپس جویم جنوں را مغرے  
(اسی طرح) میں نے عقل کو بہت آزمایا (مگر توفی نہ ہوئی اب) اس کے بعد میں دیوانگی کا کھیت تلاش کروں گا  
(جہاں وہ پھلتی پھولتی ہے)۔ (۲۲۵/۲)

## فلسی کی عقل

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ فلسفی لوگ چونکہ عالم محسوسات کے مقید اور امورِ باطن کے منکر ہوتے ہیں، اس لیے وہ انبیاءؑ اور اولیاءؑ کے مشاہدات اور مشکوفات کو سودا و تخیلاتِ باطلہ بلکہ جنوں سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے کہ کفارِ عرب رسول اللہ ﷺ کو (نحوذ باللہ) مجنوں (دیوانہ) کہتے تھے۔ فلاسفہ سے کوئی خاص فرقہ مراد نہیں بلکہ جس شخص میں کج فہمی اور غلط بینی کا مادہ ہو وہ اس زمرہ میں شامل ہے، خواہ وہ بظاہر فرقہ ناجیہ کا ہی ایک فرد ہو۔

فلسفی صرف قوتِ فکریہ اور مقدماتِ ظنیہ کی بناء پر حقائقِ عالیہ کا انکار کرتا ہے۔ اس کی عقل ابھی سفلیات کی دلیلیں سے باہر نہیں نکلی، جو فلسفی استن حنانہ کے آہ و فغان کا منکر ہے وہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے قوائے مدرکہ کا اندازہ لگانے سے محض محروم ہے۔ پانی و مٹی اور گارے کا بولنا اہلِ دل یعنی انبیاءؑ و اولیاءؑ کے حواس کو محسوس ہو رہا ہے۔ کسی کو اپنے مومنِ کامل ہونے پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔ شاید کوئی شعبہ فلسفیت دل میں پنہاں ہو اور کسی وقت ظہور پذیر ہو کر کشتیِ ایمان کو گردابِ تشویش میں ڈال دے۔ لہذا اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے اور دنیا سے بسلا متی ایمان لے جانے کی دعا کرنی چاہیے۔ چنانچہ وہ کبھی کبھی اپنا اعتقادِ فلسفہ ظاہر کر ڈالتا ہے اور اس کی رگِ فلسفیت اہلِ ایمان کے زمرے میں اس کا منہ کالا کرتی رہتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

فلسفی گوید زمعقولاتِ دُوں عقل از دلیلیں می ماند بروں

فلسفی (جو کلامِ جہاد کا منکر ہے) عقلیاتِ سافلہ کی گفتگو کر رہا ہے اور اس کی عقل ابھی سفلیات کی دلیلیں سے باہر نہیں نکلی (علومِ عالیہ تک تو کیا پہنچتی)۔ (۳۴۰/۱)

## ایک عقل دوسری عقل سے قوت پاتی ہے

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ مرید اگرچہ خود عاقل و صاحبِ بصیرت ہو مگر ایک عقل تنہا مشکلات کو طے کرنے سے عاجز ہے، مثلاً مرشدِ کامل کی عقل اس کی یاد ہے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ایک پیشہ ور دوسرے پیشہ ور کی رفاقت میں اپنے کام کو بخوبی چلاتا ہے اور اس میں خوب ترقی کرتا ہے۔ جس طرح گنا گنے کی بدولت کمال حاصل کرتا ہے۔ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ جو گنا دوسرے گنوں کے وسط میں ہو تو وہ ارد گرد کے گنوں سے زیادہ شیریں ہوتا ہے کیونکہ وہ ان سے شریعتی حاصل کرتا ہے، بخلاف اس کے کنارہ کا گنا ایسا پُر مزہ نہیں ہوتا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

عقل خود را می نماید رنگہا چوں پری دورست زان فرسنگہا

عقل اپنے آپ کو مختلف رنگوں میں ظاہر کرتی ہے، پری کی طرح پری سے بھی کوسوں دور ہے۔ (۲۲۳/۲)



عقل ثبوت گیرد از عقلِ دیگر  
عقلِ دوسری عقل سے قوت پاتی ہے، ایک گنا دوسرے گئے سے کمال حاصل کرتا ہے۔  
(۲۲۰/۲)

عقلمند کی عداوت جاہل کی دوستی سے بہتر ہے

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر عقل مند سے ظلم بھی ہو جائے تو وہ جاہلوں کی وفا سے بہتر ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ عقلمند تو تجربہ و شناخت کو عمل میں لے آتا ہے اور جاہل شناخت کی باتوں کو صرف زبان پر رکھتا ہے، عقل میں نہیں لاتا۔ جاہل علم و تجربہ کو نقصان میں ڈالتا ہے یعنی جاہل کو نفع اور نقصان کی تمیز نہیں، اس لیے وہ تجربہ ہونے کے باوجود ایسے کام کر بیٹھتا ہے جو مضر ہوں، اس لیے اس کا تجربہ بے سود رہتا ہے۔ عقل کی کمزوری میں نفس کو موقع مل جاتا ہے۔ تم پر لازم ہے کہ نفس کو قوی ہونے کا موقع نہ دو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ مجاہدہ سے نفس کو مغلوب اور عقل کو غالب کرنے کی ترغیب تھی لیکن یہ بات شیخ کی تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اس لیے وہی رہبر ہے۔ شیخ بعض مرتبہ ایسا حکم دیتا ہے جو مرید کو ناگوار ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہ طبعاً رنجیدہ ہوتا ہے، اس لیے شیخ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ جب تم کو شیخ سے فائدہ پہنچ رہا ہے اور آئندہ فائدہ پہنچنے کی اُمید ہے تو پھر اس کو کیوں چھوڑتے ہو، ہرگز اس کی صحبت سے کنارہ کشی نہ کرو۔ مولانا روم فرماتے ہیں ۔

گفت پیغمبرِ عداوت از خرد  
بہتر از مہرے کہ از جاہل رسد  
پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ عداوت جو عقل کے ساتھ ہو، اس محبت سے اچھی ہے جو جاہل سے وقوع میں آئے۔  
(۱۸۳/۲)

دوستی با مردمِ دانا نکوست  
دشمنِ دانا بہ از نادان دوست  
دوستی دانا آدمی کے ساتھ اچھی ہے، دانا دشمنِ نادان دوست سے اچھا۔  
(۱۸۳/۲)

خود زضعِ عقل تو اے خربہا  
ایں خر پڑ مردہ گشت ست اژدہا  
اے وہ شخص جو گدھے کے برابر ہے تیری عقل کی کمزوری میں یہ مریل خر (نفس) ایک (مہیب و خونخوار) اژدہا بن گیا ہے۔  
(۱۸۳/۲)

## دُنیا اور اس کی آفات

### دُنیا کیا ہے؟

دُنیا کو دُنیا اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ ”دُنَايَہ“ سے مشتق ہے اور ”دُنَايَہ“ کے معنی کمینی شے کے ہیں، لہذا دُنیا کو دُنَايَہ دُنِی (کمینی دُنیا) کہا جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دُنیا کے کمینہ پن کو درج ذیل الفاظ میں ظاہر کیا ہے جو اس کی حقیقت کی صحیح غمازی کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ دُنیا آرائش و ابتلاء اور آزمائش کا مقام ہے۔ اس کے ظاہر کو مختلف ملمع سازیوں اور زینتوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اس کی صورت کو موہوم خال و خط اور زلف و رخسار سے خوبصورت کیا گیا ہے۔ اسے دیکھنے سے شیرینی، تراوت اور تازگی کا خیال آتا ہے لیکن حقیقت میں عطر لگا ہوا مُردار، مکھویں اور کیڑوں سے بھرا ہوا نجس خانہ اور زہر سے لبریز شکر ہے۔ اس کا باطن سراسر خراب اور آبر ہے۔ اس دُنیا پر فریفتہ ہونے والا دیوانہ اور مسحور ہے۔ اس کا گرفتار مجنوں اور فریب خوردہ ہے، جو اس کے ظاہر پر فریفتہ ہو گیا وہ نقصانِ ابدی کے ساتھ داغدار ہو گیا اور جس نے اس کی حلاوت پر نظر کی، دائمی ندامت اور شرمندگی اس کے حصے میں آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”دُنیا اور آخرت دو سوکنوں کی طرح ہیں، اگر ایک راضی ہو جائے تو دوسری ناراض ہے۔“ (دیکھیں ہماری تصنیف ”نشانِ منزل“ صفحہ ۱۱۲)

راقم الحروف کی کتاب ”نشانِ منزل“ اور ”حضورِ قلب“ کے علاوہ عنقریب شائع ہونے والی کتاب ”اسلام و



روحانیت اور فکرِ اقبال“ میں دُنیا کے متعلق اچھی خاصی تفصیل دی گئی ہے۔ ضرورت مند احباب اس کا مطالعہ کریں۔ احادیث کی رُو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا کا بمقدار ضرورت موجود ہونا اسلام نے پسند فرمایا ہے۔ دین کو بھلا کر ضرورت سے زائد کی تمنا کرنا اور اس کے لئے سرگرداں رہنا، خدا اور اس کے رسول ﷺ سے دوری کا باعث بنتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ انسان اپنی عمر کے تمام حصوں میں کثرتِ مال کے لئے کوشاں رہتا ہے، حتیٰ کہ ان خواہشات کو پورا کرتے کرتے ہی قبر تک پہنچ جاتا ہے اور مرنے کے وقت تک دنیا کا مال و دولت جمع کرنا اس کا مطمح نظر رہتا ہے (دیکھئے سورۃ النکار)۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”انسان کو عمر بھر خواہشات کی فکر رہتی ہے اور اُس کے مُنہ کو فقط قبر کی مٹی بھر سکتی ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جس کی ساری ہمت دنیا کی طلب کے لئے ہو اس کی خدا کے نزدیک کچھ قدر و منزلت نہیں رہتی۔“ فرمایا: ”قیامت کے دن بہت سے نیک اعمال والے لوگ صرف اس لئے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے کہ جب وہ دُنیا کو دیکھتے تھے تو کود پڑتے تھے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”میرے بعد دنیا آئے گی اور تمہارے ایمان کو اس طرح چاٹ کر کھا جائے گی جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ”یہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں، یہ اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں، اس کو وہ جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں، اس کے لئے وہ ظلم کرتا ہے جس کو علم نہیں، اس پر وہ حسد کرتا ہے جس کو کوئی سمجھ نہیں اور اس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے جس کو یقین نہیں۔“

### دُنیا کی مذمت پر صوفیاء کے اقوال

حضرت بشرحانیؒ نے فرمایا کہ ”جو زندگی میں مال جمع کرتا رہا اُس کو اُس کے نیک اعمال فائدہ نہ دیں گے اور اگر مال کا جمع کرنا اچھا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ دنیا کو کیوں قبول نہ کر لیتے اور پیٹ پر پتھر کیوں باندھتے۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”میں اپنے انبیاء اور اولیاء کو زینتِ دنیا اور نعمتوں سے ایسے بچاتا ہوں جیسے گڈر یا اپنی بکریوں کو بھیڑیوں سے بچاتا ہے۔“ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب۔“

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ”دنیا کے ناپسندیدہ ہونے کی علامت یہی کافی ہے کہ وہ نااہل لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔“ حضرت ابوالدرداءؒ نے فرمایا کہ ”دنیا کے ذلیل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آدمی اس کی محبت سے گنہگار ہوتا ہے۔“ ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ ”تھوڑی سی دنیا آخرت کے بہت سے کاموں سے باز رکھتی ہے۔“ ایک صوفی کا قول ہے کہ ”جو تھوڑی روزی پر راضی ہوا، اللہ تعالیٰ اُس کے تھوڑے اعمال سے راضی ہو جاتا ہے۔“ وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ ”جس کا دل دنیا کی چیزوں سے خوش ہوتا ہے وہ عقلمندی سے دور ہے اور جس نے اپنی شہوات کو پاؤں تلے روندنا تو شیطان اس کے سائے سے بھی ڈرتا ہے۔“ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ

نیکو کاروں کو دُنیا سے دور رکھتا ہے تاکہ اُن کی آزمائش کرے اور دشمنوں کو وسعت دیتا ہے۔“ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”کسی کے سامنے تیری محتاجی اس کی غلامی قبول کرنے کے برابر ہے اور جس سے تو بے نیاز ہے، تو اُسی کا ہم نظیر اور ہم مثل ہے اور مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ بے نیاز رہے۔“ ایک دفعہ حضرت محمد بن واسعؒ سوکھی روٹی کھاتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے کہ پرہیزگاری اختیار کرو کہ آج تک کسی بزرگ یعنی پرہیزگار کو بھوکا مرتے نہیں دیکھا گیا۔ ایک شخص نے دیکھا کہ حضرت ابوالدرداءؓ کھجوروں کی گٹھلیاں چن رہے تھے (جب ایک شخص نے تعجب کا اظہار کیا تو) آپ نے فرمایا ”معیشت پر نگاہ رکھنے والا یقیناً مرد فقیہ ہوتا ہے“ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”میانہ روی رکھو کیونکہ یہ اقدام بذاتِ خود آدمی روزی کی حیثیت رکھتا ہے۔“ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”جاہ و مال کی بدولت دل میں منافقت اس طرح پیدا ہو جاتی ہے جیسے پانی سے سبزہ اُگ آتا ہے۔“ مولانا رومؒ نے ایک حدیث کا ترجمہ کیا ہے کہ مال و نعمت کی کثرت سے دل سے سوز و گداز نکل جاتا ہے یعنی دینار کی محبت سے ناز پیدا ہو جاتا ہے۔ صوفیہ فرماتے ہیں کہ تمام عبادات کا نچوڑ یہ ہے کہ ذکر الہی قلبِ انسانی پر غالب ہو جائے اور ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو جائے اور یہ بات (الاماشاء اللہ) ایک مالدار کے لئے ناممکن ہے۔ صوفیہ کا قول ہے کہ مال کی کفایت تریاق ہے، زیادتی زہر ہے، ضرورت سے زیادہ کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے میں ہلاکت ہے۔ مال سے ایک دم خالی ہو جانا بھی ٹھیک نہیں کیونکہ ایسا شخص اگر صاحبِ فقر نہ ہو تو کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

آثار میں ہے کہ جب سب سے پہلے درہم اور دینار آیا تو ابلیس نے انہیں ہاتھ میں لیا، آنکھوں سے طاء، بوسہ دیا اور کہا کہ جو کوئی تجھے دوست رکھے گا میرا غلام رہے گا۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے فرمایا کہ درہم اور دینار تو کچھ ہیں اور جب تک اس کے کاٹے کا منتر معلوم نہ ہو تو اُس وقت تک اسے ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ فرمایا اس کا منتر یہ ہے کہ مال کو حلال طریقے سے کمانا اور شریعت کے احکام کے مطابق خرچ کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار چاندی کے ایک سکے کو اپنی پتیلی پر رکھ کر کہا کہ تو وہ چیز ہے کہ جب تک میرے ہاتھ سے باہر نہ ہو جائے، مجھے فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

چہست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نفرہ و فرزندان و زن

دُنیا کیا ہے؟ خدا کی یاد سے غافل ہونا، نہ کہ دنیا کا ساز و سامان اور نہ ہی پیسہ و چاندی اور نہ ہی بچے اور بیوی۔

(۱۲۵/۱)

جس نے دُنیا سے دل لگایا، وہ خدا سے غافل ہو گیا

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ دنیا ایک ایسی چیز ہے کہ جس نے اس سے دل لگایا، وہ خدا کی یاد سے غافل ہوا۔ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا کا ساز و سامان یعنی سونا، چاندی، بیوی، بچے وغیرہ دنیا نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت دنیا کے زمرے میں آ جاتے ہیں جس وقت آدمی ان کی وجہ سے خدا کی یاد سے غافل ہو جائے۔ ایسی حالت میں یہ تمام چیزیں دنیا میں



شمار ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی واضح طور پر ایسی دنیا کی زندگی سے گریز کرنے کے لئے بارہا فرمایا ہے، جس طرح درج ذیل آیت مبارکہ میں فرمایا ہے۔

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ۔ (العنکبوت: ۶۴)

اور دارِ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جسے موت نہیں) کاش! وہ جانتے۔

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ اُس عالم کے در و دیوار اور صحن، پانی اور پیالہ، پھل اور درخت سب زندہ ہیں اور یہ سب بات کرنے والے اور بات سننے والے ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ ”الدُّنْيَا جِيفَةٌ وَطَالِبُهَا كِلَابٌ“ یعنی دنیا مُردار ہے اور اس کے طلبگار کُتے ہیں۔ اگر آخرت کے لئے ابدی زندگی نہ ہوتی تو آخرت بھی مُردار ہوتی۔ مُردار کو اس کے مُردہ ہونے کی وجہ سے مُردار کہتے ہیں، نہ کہ بدبو کی وجہ سے۔ قرآن مجید میں بارہا مرتبہ اسی بات پر زور دیا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے، اس میں دل نہ لگاؤ اور جو ابدی زندگی ہے اس کی طرف توجہ دو جسے آخرت کہتے ہیں اور آخرت ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے بلکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ“ یعنی دنیا کی زندگی سوائے دھوکے اور فریب کے کچھ بھی نہیں (آل عمران: ۱۸۵)، لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ اس زندگی کی طرف توجہ دے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے قائم رکھا ہے، لیکن انسان ہے کہ اس دنیا کی رنگینیوں میں دل لگا بیٹھا ہے اور اس دنیا کو ایسا گھر سمجھ بیٹھا ہے، گویا وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ اس موضوع پر آپ نے بھی اپنا کلام پیش کیا ہے جس میں مولانا رومؒ نے دنیا اور آخرت کا تقابل کر کے آخرت کی فضیلت بیان کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں ۔

آں جہاں چوں ذرّہ ذرّہ زندہ اند      نکتہ دانند و سخن گویندہ اند

جب کہ اُس جہاں کا ذرّہ ذرّہ زندہ ہے، وہ نکتہ کو سمجھنے والے اور بات کرنے والے ہیں۔ (۳۶۱/۵)

**اس مردہ جہاں میں مومن کو راحت نہیں**

در جہاں مُردہ شاں آرام نیست      کایں علف جز لائق انعام نیست

مردہ جہاں میں اُن کو راحت نہیں ہے، کیونکہ یہ چارہ چوپایوں ہی کے لائق ہے۔ (۳۶۱/۵)

مولانا کے درج بالا شعر سے مراد یہ ہے کہ یہ دنیا مُردہ ہے، یہاں انسان کو راحت نہیں ہے کیونکہ یہ اس کا اصلی مقام نہیں ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس دنیا میں دل لگا لیتے ہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں، بے مقصد زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے کہ ”یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے“ یعنی مومن کا اصل ٹھکانہ آخرت ہے، اسی لئے مومن کو اس دنیا کی زندگی میں طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

## مومن کی مجلس اور وطن چمن ہے

ہر کرا گلشن بُود بزم و وطن کے خورد او بادہ اندر گلشن

جس شخص کی مجلس اور وطن چمن ہو، وہ بھٹی میں شراب کب پئے گا؟ (۳۶۱/۵)

اس شعر میں مولانا روٹی نے یہ واضح کیا ہے کہ کوئی ناکارہ چیز کو کارآمد چیز پر کب ترجیح دے گا اور کوئی عقلمند ایسا کبھی بھی نہیں کر سکتا کیونکہ ہر شخص اپنے فائدے کی چیز کو ترجیح دیتا ہے۔ اسی لئے مولانا فرماتے ہیں کہ جس شخص کی مجلس اور وطن چمن ہو وہ کبھی بھٹی کی شراب پینا گوارا نہیں کرے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص کا ٹھکانہ جنت ہو وہ کب جہنم کے گڑھے کو پسند کرے گا کیونکہ مومن کا ٹھکانہ جنت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے آخرت میں تیار کر رکھی ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی مومن جہنم کی راہ اختیار کرے تو افسوس ایسے مومن پر جو اپنا ٹھکانہ زبردستی جہنم بنا رہا ہے، لہذا مومن کو چاہیے کہ وہ اس دنیا کی زندگی میں اپنی آخرت کی فکر کرتے ہوئے اپنے اعمال درست کرے اور اس دنیا کے رنگین نظاروں میں اگلے ہوئے اپنے دل کو آخرت کی طرف توجہ دلائے۔

ترک دنیا ہر کہ کرد از زہد خویش

(دُنیا اس کی ہے جو اسے اپنے زُہد سے ترک کر دے)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”دنیا مومن کا قیدخانہ اور کافر کی جنت ہے۔“

(مشکوٰۃ شریف) اس لئے مومن کے لئے اس جہاں کے گمراہ کن تعلقات سے علیحدگی اچھی ہے۔

دنیا کو ترک کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ دنیا کے قیدخانہ میں سرنگ لگا دے اور نکل جائے۔ دنیا میں سرنگ لگانے سے مراد یہ ہے کہ قیود دنیا سے دُور ہو جائے اور اپنے آپ کو اس کے متعلقات سے علیحدہ کر لے، جس شخص نے دنیا ترک کر دی گویا اس نے اپنے آپ کو نجات دی۔ ایسی دنیا اختیار کرو جو آخرت اور حق تعالیٰ سے دور نہ کرے، وہ شخص علائق دنیا کے باوجود دنیا دار نہیں بلکہ دین دار ہے۔ یہ دنیا تو تیرے لئے بلائے جان ہے اور اس دنیا کے محل اور باغات تیرے لئے قیدخانہ ہیں، لہذا تو اس مصیبت سے جان آزاد کر لے۔ اس موقع پر مولانا روم فرماتے ہیں۔

ایں ترا و باغ تو زندانِ تُست ملک و مال تو بلائے جانِ تُست

یہ تیرے محل اور باغ تیرا قیدخانہ ہیں، تیرا ملک و مال تیرے لئے بلائے جان ہیں۔ (۸۴/۱)

قرآن پاک میں ہے ”إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ“۔ بے شک تمہارے مال اور

تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے۔ (التغابن: ۱۵)

ترک دُنیا ہر کہ کرد از زہد خویش بیش آمد پیش او دنیا زپیش

جس شخص نے اپنے زُہد سے دُنیا ترک کر دی، دنیا (خود) اس کے آگے حاضر ہوتی ہے اور (پہلے سے زیادہ) (۷۹/۱)



## مالِ دُنیا نے انسان کو غافل اور مغرور بنا دیا ہے

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دُنیا کی زندگی میں کفار و مشرکین کو جاہ و جلال اور عروج و اقبال کے سامان دیتا ہے۔ مثنوی میں مولاناؒ نے ایک شیر کا ذکر کیا ہے کہ وہ بھیڑیے اور لومڑی کے ساتھ شکار کو نکلا اور پھر اس نے بھیڑیے سے پوچھا کہ شکار کردہ جانور گائے، بکری اور خرگوش کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بھیڑیے نے کہا کہ حضور گائے آپ لے لیں اور بکری مجھے دے دیں اور لومڑی کو خرگوش دے دیں۔ شیر یہ بات سن کر کہ وہ بکری اپنے لیے رکھ کر مجھے گائے کھانے کو کہہ رہا ہے، ایک دم غصے میں آ گیا مگر اپنے چہرے پر اس نے مسکراہٹ ظاہر کی پھر یکایک اس کو نیچہ مار کر ہلاک کر دیا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ کافروں کو جب مال و دولت ملتی ہے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے، حالانکہ اس نے کافروں کو سخت عذاب دینے کا وعدہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ طہ کی آیت نمبر ۱۳۱ میں فرمایا ہے ”اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیے، ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو، یہ محض زیب و زینت ہیں دُنیاوی زندگی کی اور انہیں اس لیے دی ہیں تاکہ ہم آزمائیں انہیں ان سے اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔“

اگر ایک شخص ہر دم صغیرہ و کبیرہ گناہوں میں مصروف رہتا ہے اور ہر بُرائی ہونے کے باوجود وہ دولت مند اور خوش حال ہے تو یہ اس کے لیے استدراج ہے ۔

مالِ دُنیا شد تبسم ہائے حق      کرد مارا مست و مغرور و خَلَقِ

اس طرح دنیا کا مال (بلاشبہ) اللہ تعالیٰ کی مسکراہٹیں ہیں، جنہوں نے ہم کو مست غافل و مغرور اور ناکارہ بنا دیا ہے۔  
(۳۱۸/۱)

## فقر و رنجوری بہشت است اے سند

(فقیری اور بیماری انسان کے لئے بمنزلہ بہشت ہے)

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی بھول بھلیوں میں پڑ کر دین سے غافل وہی شخص ہوتا ہے جو دنیا کا طالب ہو، لیکن جو شخص دنیا سے تنفر ہو اور فقر و درویشی پر کامل ہو اس کے لئے صبر و قناعت کی مشکلات نصیبائے جنت بن جاتی ہیں اور پھر وہ دنیوی عجائبات کے دام سے، جس کو قدرت بطور استدراج اہل عصیاء کے ابتلا کے لئے نصب کرتی ہے اور جسے تبسم سے تعبیر کیا جاتا ہے، صاف بچ جاتا ہے اور یہی مطلب پہلے ان کلمات کا ہے کہ ان کے فقر و درویشی کے سبب سے وہ تبسم کے جال کو اٹھا لیتا ہے اور تم دنیا کے دھوکے میں نہیں آتے ۔

فقر و رنجوری بہشت است اے سند      کال تبسم دامِ خود را بر گزند

(اے معزز آدمی) فقیری اور بیماری تمہارے لیے بمنزلہ بہشت ہے کیونکہ وہ تبسم اپنا جال اکھیڑ لیتا ہے۔ (اور تم دنیا

(۳۱۸/۱)

کے دھوکے میں نہیں آتے۔

جس دل میں خدا کی محبت گھر کر جائے اس پر دُنیا کی محبت کا تسلط نہیں ہوتا

جب دل میں درویشی کی ہوا سائی ہو تو آدمی دریائے جہاں کی سطح پر ساکن رہتا ہے اور جس شخص کے دل میں اللہ کی محبت و معرفت نے گھر کر لیا اور وہ اس مسرتِ حقیقی سے سرور ہے، اس پر حُبِ دنیا کا کبھی تسلط نہیں ہو سکتا۔  
حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

آب نتواند مرورا غوطہ داد      کش دل از فحّ الہی گشت شاد  
جس کا دل خدائی پھونک سے خوشحال ہو گیا، اس کو (یہ) پانی کبھی غوطہ نہیں دے سکتا۔  
(۱۲۶/۱)

زاں سلیمان خویش جز مسکین نخواند

(ملک و مال نیکوں کے لئے فخر کا باعث نہیں ہوتا)

حضرت سلیمان علیہ السلام جن و انس کے بادشاہ اور بحر و بر کے فرمانروا ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسکین و خاکسار کے لقب سے ملقب کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دل میں غرورِ مال و جاہ اور حبِ شوکت و حشمت کی جگہ نہ تھی، جیسے دوسرے بادشاہوں کے دل پر تکبر کے جذبات قابض ہوتے ہیں اور جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو مسکین فرمایا کرتے تھے اور یہ بات تو قرآن مجید کے ان کلمات سے ثابت ہے کہ **إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ** یعنی از جانب سلیمان اور یہ اس مکتوب کا عنوان ہے، جو آپ نے بلقیس ملکہ سبا کے نام بھیجا تھا۔ اس میں کوئی شاہانہ لقب استعمال نہیں کیا بلکہ ایک منکسر المزاج اور نفس کش درویش کی طرح اپنا نام لکھنے پر کفایت کی اور یہ امر ایک پُر عظمت بادشاہ سے ظہور پانا اس کے اپنے لئے لقب مسکین و خاکسار استعمال کرنے سے کم نہیں۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

چوں کہ مال و ملک را از دل براند      زاں سلیمان خویش جز مسکین نخواند  
چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک و مال کی محبت کو دل سے نکال دیا تھا، اس لئے انھوں نے اپنے آپ کو (باوجود اس قدر دولت و حشمت کے) بجز مسکین کے (کسی لقب سے) ملقب نہیں کیا۔  
(۱۲۶/۱)

نیک آدمی کے لئے نیک مال اچھی چیز ہے

مال و دولت اور لذاتِ دنیا مذموم نہیں ہیں بلکہ جب تک وہ دین سے مانع نہ ہوں تو اچھے ہیں، اسی طرح حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ **"إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ"** یعنی اللہ تعالیٰ پرہیزگار مال دار بندے کو دوست رکھتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

مال کو دل میں جگہ نہیں بنانے دینی چاہیے کیونکہ جس طرح کشتی کے اندر پانی چلا جائے تو کشتی ڈوب جاتی ہے



اور اگر پانی باہر رہے تو اس پر کشتی تیرتی رہتی ہے، اسی طرح جب یہ مال دل میں چلا جائے یعنی مال کی محبت دل میں بس جائے تو دل خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اگر مال کی محبت دل میں نہ بسائی جائے تو دل نیکی کی طرف راغب بھی ہوگا اور خدا کی یاد سے غافل بھی نہیں ہوگا۔ بُری دُنیا سے مراد یہ ہے کہ ہر ایسی دنیا جس کو حاصل کرنے سے آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو، وہ دنیا آدمی کے لئے آخرت میں ذلت کا باعث ہے اور ایسی دنیا جس کو حاصل کرنے سے آدمی خدا کی یاد سے غافل نہ ہو تو وہ دنیا آدمی کے لئے ذریعہ نجات بن جائے گی، الغرض دنیا کو دل میں جگہ نہ دو، ورنہ دل خدا کی یاد سے غافل ہو جائے گا۔

مال را کز بہر دیں باشی حمول      نِعْمَ مَالٌ صَالِحٌ خواندش رسول  
جس مال کو تم دین کے لئے اپنے پاس رکھو تو اس کے حق میں جناب رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ“ یعنی نیک آدمی کے لئے نیک مال اچھی چیز ہے۔ (۱۲۶/۱)

### قرآن پڑھو رزقِ حلال آئے گا

قرآن میں رزقِ حلال کا بار بار ذکر آیا ہے۔ ایک حدیث شریف کا یہ مفہوم ہے کہ عبادت کو اگر دس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ایک حصہ نماز و روزہ اور دیگر عبادات کے ادا کرنے میں ہے اور باقی نو حصے اکلِ حلال یعنی حلال رزق کمانے کے ہیں۔ مولانا رومیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص آتا اور دستِ سوال دراز کرتا تو آپ اس کو کچھ نہ کچھ ضرور دے دیتے۔ ایک بار حضرت نے فرمایا کہ اے شخص! یہ بتاؤ کہ خدا کا دروازہ اچھا ہے یا عمر کا؟ اس نے کہا کہ دروازہ تو خدا کا ہی بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور قرآن پڑھو شاید تمہیں کوئی راستہ نظر آئے۔ اس کے بعد وہ شخص حضرت کے پاس آنا بند ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن اس کا پتہ چلانے کے لئے اس کے گھر گئے اور پوچھا کہ وہ اب مانگنے کے لئے کیوں نہیں آتا۔ اس نے کہا کہ آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ جاؤ اور قرآن پڑھو، شاید تمہیں کوئی راستہ ملے، چنانچہ میں نے قرآن پڑھا، اب مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں، گھر بیٹھے ہی سب کچھ ملتا ہے۔ پوچھا، تم نے قرآن میں کیا پڑھا تو اس نے کہا کہ میں نے قرآن کھولا تو اس میں یہ آیت نظر آئی ”وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ“ اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور وہ ہر چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (الذاریات: ۲۲) چنانچہ اس دن سے میں نے آسمان والے سے رشتہ جوڑ لیا اور اب مجھے ہر چیز مل جاتی ہے۔ اس کی یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت روئے۔ مولاناؒ نے اس واقعہ کو مشوئی میں محفوظ کیا ہے۔

### رزقِ حلال دل کی نورانیت میں اضافہ کرتا ہے

حدیث شریف میں آیا ہے ”طَلِبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ“ یعنی حلال روزی کی تلاش دیگر

فریضوں کے بعد فرض ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

جو تیل میں آتے ہی ہمارا دیا گل کر دے، اس کو پانی کہو کیونکہ وہ دیئے کو گل کر دیتا ہے۔ حرام لقمہ انوارِ قلب پر وہی اثر رکھتا ہے جو چراغ کے لئے پانی، پس جو روزی موتِ قلب کا باعث ہو وہ روزی نہیں، زہر ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ جسم بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا، جس نے حرام غذا سے نشوونما پائی ہو اور جس جسم نے حرام غذا سے نشوونما پائی ہو، اس کے لئے دوزخ بہتر ہے۔“ (مشکوٰۃ شریف) علم و حکمت اور عشق و رقتِ حلال لقمے سے پیدا ہوتے ہیں، جس لقمے سے تم حسد، فریب، جہل اور غفلت پیدا ہوتی دیکھو تو اس کو حرام سمجھو، حرام لقمہ کھانا انسان کو دیگر معاصی پر آمادہ کرتا ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جو شخص حرام کھاتا ہے اس کے اعضاء آمادۂ عصیاں ہو جاتے ہیں، خواہ وہ خود چاہے یا نہ چاہے، خواہ اس کو معلوم ہو یا نہ ہو اور جس شخص کی غذا حلال ہے، اس کے اعضاء اطاعت کرتے ہیں اور ان کو نیکی کی توفیق دی جاتی ہے۔ (احیاء العلوم) یعنی جس کی غذا حرام ہے، وہ چاہنے کے باوجود بھی نیک کام نہیں کر سکتا اور جو حلال روزی کھاتا ہے تو وہ نیکی نہ کرنے کا ارادہ کرے تب بھی اس کا دل نیکی کی طرف راغب ہونے لگے گا۔

مولانا روئی اس کے متعلق فرماتے ہیں ۷

لقمہ کاں نور افزود و کمال آں بود آوردہ از کسبِ حلال

جس لقمے نے (دل میں) نور اور کمال کو ترقی دی ہے، وہ کسبِ حلال سے پیدا کیا ہوا لقمہ ہوتا ہے۔ (۱۸۷/۱)

**اچھے نتیجے کا انحصار اچھے عمل پر ہے**

حلال یا حرام جیسا کھاؤ گے، ویسا ہی اثر پاؤ گے۔ پاک و طیب خوراک کا ثمرہ اچھا ملے گا اور حرام و ناپاک غذا کا نتیجہ خراب ہوگا، نہ عبادت کام آئے گی نہ دُعا قبول ہوگی۔ اس کتاب کا صفحہ ۴۴۹ بھی مطالعہ کریں کئی مرتبہ قرآن کی تلاوت اور تہجد کی نماز ختم ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”جو شخص ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور اس میں ایک درہم حرام شامل ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نماز قبول نہیں کرے گا جب تک وہ اس کپڑے کو پہنے گا۔“ (مشکوٰۃ شریف) صحیح مسلم شریف کی روایات میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ”ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے جو پراگندہ اور غبار آلودہ ہوتا ہے، اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے، اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! حالانکہ اس کا کھانا حرام پوشاک حرام اور حرام مال سے پرورش پائی تو اس کی دُعا کہاں قبول ہوگی۔“ (مشکوٰۃ شریف)

کھانے کا لقمہ ختم ہے اور اس کا پھل خیالات ہیں۔ لقمہ دریا ہے اور اس کے موتی خیالات ہیں، جیسا لقمہ ویسے خیالات۔ حلال لقمے سے تمہارے پاک دل میں حضوری اور تمہاری باطنی آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے۔



حلال روزی کے کھانے سے قوائے مدرکہ باطنی میں ادراک صحیح اور نور معرفت پیدا ہوتا ہے۔ مولانا رومؒ اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ۷

بیچ گندم کاری و جو بر دہد دیدہ اپنے کہ گزہ خر دہد؟  
کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ تم گہیوں بود اور جو پیدا ہو، بھلا تم نے کبھی ایسی گھوڑی دیکھی، جو گدھے کا بچہ دے۔  
(۱۸۷/۱)

رزقِ حلال سے اخلاقِ رزقیہ دُور ہوتے

ہیں اور اوصافِ حمیدہ پیدا ہوتے ہیں

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ جس لقمے کے کھانے کے بعد انسان میں علم و حکمت، معرفت و کمال، صحت مند فکر اور عشقِ الہی پیدا ہو تو سمجھ لو کہ یہ رزقِ حلال کی برکت سے ہے۔ معرفت کا سمندر، نایاب موتی اور جذبہ خدمت سب حلال روزی کی وجہ سے ہاتھ آتے ہیں، جب کہ غیر حلال یعنی حرام رزق سے بے حیائی، جہل و غفلت کے آثار نمودار ہوتے ہیں ۷

لقمہ کاں نور افزود و کمال آں بود آورد از کسب حلال  
جس نوالے سے ضمیر روشن اور کمال حاصل ہو، ایسا لقمہ یقیناً حلال کمائی سے ہوتا ہے۔  
(۱۸۷/۱)

چوں زلحمہ تو حسد بنی دوام جہل و غفلت زاید آزا داں حرام  
جس لقمے سے حسد، حرص، جہالت اور غفلت بڑھتی دیکھو تو ایسی غذا کو حرام جاننا چاہیے۔  
(۱۸۷/۱)

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال عشق و رقت زاید از لقمہ حلال  
دانشمندی، علم، عشق اور دلی لطافت حلال روزی سے حاصل ہوتی ہے۔  
(۱۸۷/۱)

لحمہ تخم ست و برش اندیشہ ہا لحمہ بحر و گوہر ش اندیشہ ہا  
لحمہ بیج ہے اور صحت مند فکر اس کا پھل ہے، غذائیت کا سمندر اور نایاب موتی فکرِ صالح ہے۔  
(۱۸۷/۱)

زاید از لحمہ حلال اندر دہاں میل خدمت عزم رفتن آں جہاں  
حلال روزی سے دل جذبہ خدمت سے سرشار ہوتا ہے اور دنیا جہاں سے جلد فارغ ہونے کو پسند کرنے لگتا ہے۔  
(۱۸۸/۱)

رزقِ آسمان سے آتا ہے اس لئے

آسمان کے مالک سے ہی رزق طلب کرو

اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا اور قدرتِ محض سے تمام مخلوقات کے رزق کا ذمہ لیا ہے، اس لیے اسی سے رزق کو طلب

کرو۔ مستی اور حیرت اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کرو، نہ کہ بھنگ اور شراب سے۔ اصل دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو لوگ آسمان والے سے رشتہ قائم کر لیتے ہیں وہ کسی بھی مشکل سے دوچار نہیں ہوتے۔

تا بدانی اصل اصل رزق اوست تاہم اُورا جوید آکو رزق جو ست  
تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ رزق کا اصل مبداء وہی تعالیٰ شانہ ہے تاکہ رزق کو طلب کرنے والا اسی سے طلب کرے۔

(۱۵۷/۵)

رزق از وے جو مجو از زید و عمر مستی از وے جو مجو از بنگ و خمر  
رزق اسی (اللہ) سے طلب کرو، زید و عمر سے طلب نہ کرو، حیرت اور مستی اسی سے تلاش کرو، بھنگ اور شراب سے تلاش نہ کرو۔

(۱۵۷/۵)

منعمی زو خواہ نے از گنج و مال نصرت از وے خواہ نے از عم و خال  
خوشحالی اس سے چاہو، نہ کہ خزانے اور مال سے، مدد اس سے چاہو، نہ کہ چچا اور ماموں سے۔  
بلکہ شکر حق کن و ناں بخش کن کہ نکشتی در جوالی او کہن  
بلکہ حق تعالیٰ کا شکر کرو اور (شکرانے میں مساکین کو) روٹیاں بانٹو کہ تم اس کی بے فیض دوستی کے تھیلے میں پڑے  
بوڑھے نہیں ہو گئے۔

(۱۵۹/۵)

تا مستب بیند اندر لامکان ہرزہ بیند جہد و اسباب و دکان  
تا کہ مستب کو لامکان کے اندر دیکھ لو اور اس کی قدرت کے آگے اپنی کوشش اور کمائی اور دکان کو بیچ سمجھو۔

(۱۶۲/۵)



## اُرتیسواں باب

## جبر و قدر

بیچ عاقل مرکلونے رازند  
(کوئی عاقل پتھر کو نہیں مارتا)

قدر اور جبر پر راقم الحروف نے ایک مکمل کتاب ”مسئلہ تقدیر“ کے نام سے لکھی ہے، جو جلد ہی شائع ہونے والی ہے۔ یہاں مولانا روٹی کے چند اشعار اس روشنی میں دیئے جا رہے ہیں کہ انسان کو خدا کی طرف سے بااختیار بنایا گیا ہے۔ آپ نے اس موضوع پر بہت سے اشعار لکھے ہیں مگر ان کے کلام کی ترجمانی بغیر اشعار کے کی جا رہی ہے اور محض چند اشعار بغایت نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کو مکلف بنایا گیا ہے، اسی لیے اس کو احکام دیئے گئے ہیں۔ آدمی کو کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ تو اڑ! یا یہ کون کہتا ہے کہ اے اندھے آجھے دیکھ! پتھر کو ہرگز کوئی یہ نہیں کہتا کہ تو ادھر کیوں نہیں آتا، مٹی کے ڈھیلے کو کب کوئی کسی کام کرنے کا حکم دیتا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ معذور اور اندھے پہ کوئی تنگی نہیں، پتھر کو کوئی یہ نہیں کہتا کہ تو دیر سے کیوں آیا ہے اور لکڑی سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ تو نے مجھے ضرب کیوں لگائی (البتہ بچوں کے سامنے لکڑی یا کسی ضرب لگانے والی چیز کو ایسا کہہ دیتے ہیں)، غرضیکہ حکم، ممانعت، ناراضگی، انعام اور عتاب اہل اختیار کے سوا کسی کو نہیں دیئے جاتے۔ فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی حسن کا اعلیٰ نمونہ سامنے نہیں آ جاتا انسان اس کو چاہنے

کی کوشش نہیں کرتا۔ ہر جذبہ کسی محرک تحریک سے ظہور میں آتا ہے اگرچہ اس جذبہ کا وجود انسان کے دل میں ہر وقت رہتا ہے، مثال کے طور پر مولاناؒ نے فرمایا کہ عورتوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو انگلیاں کاٹ لیں، حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا وجود اس سے پہلے بھی موجود تھا۔ کسی عورت کو کوئی مرد دیکھتا ہے تو اس سے محبت وجود میں آتی ہے۔

مولانا روئیؒ فرماتے ہیں کہ نیکی کے لیے انسان کے دل میں فرشتہ رہتا ہے، جو اس کو نیکی کا مشورہ دیتا ہے اور بدی کے لیے شیطان اس کو بہکاتا ہے۔ شیطان انسان کو مرغوباتِ نفسانیہ کی دعوت دیتا ہے تو انسان کے اختیار کی طاقت کام کرنے لگتی ہے۔ فرشتہ دل میں بلند غلغلے پیدا کرتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں نیکی اور بُرائی کی خصلتیں سو رہی ہوتی ہیں، جو فرشتے اور شیطان کی طاقت سے جاگ اُٹھتی ہیں۔ بندہ اُس کے مطابق کام کرتا ہے، جس کا غلبہ زیادہ ہو۔ بعض احادیث سے ظاہر ہے کہ بندے کے ساتھ فرشتے مامور ہیں جو انسان سے اس کی آفات کو دور کرتے ہیں، چنانچہ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی بندے کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو اس کو شیاطین لے جائیں (الجوهرة النيرة)۔ یہ دونوں طاقتیں غیب کے پردے میں پیش کی جاتی ہیں اور اگر یہ پردہ اٹھا دیا جائے تو تم ان کی صورتوں کو دیکھ لو (جس طرح آنکھ والے نظرِ بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں) جو نہیں دیکھ سکتے وہ اس کے منکر ہیں اور واضح دلائل کے باوجود نہیں مانتے۔

بچ گوئی سنگ را فردا بیا      ورنیائی من دهم بد را سزا  
(۳۰۵/۵)      بھلا کبھی تم پتھر کو حکم دیتے ہو کہ کل کو حاضر ہو اور اگر نہیں آئے گا تو میں بُرے کو سزا دوں گا۔  
بچ عاقل مر گلوئے را زَنَد      بچ باشکے عتابے کس کند  
(۳۰۵/۵)      کیا کوئی عقلمند کسی ڈھیلے کو مارتا ہے، کیا کوئی آدمی کسی پتھر کو ملامت کرتا ہے؟ (ہرگز نہیں)۔  
پس فرشتہ و دیو گشتہ عرضہ دار      بہر تحریکِ عُروقی اختیار  
(۳۰۳/۵)      غرضیکہ فرشتہ اور شیطان اختیار کو رگوں کی حرکت میں لانے کے لیے نیکی اور بدی کو پیش کر دیتے ہیں۔  
می شود زالہامها و وسوسہ      اختیار خیر و شرّت وہ گہ  
ملائکہ کے الہامات اور شیاطین کے وسوسے سے تیرا نیکی اور بدی کا اختیار دس بندوں کے اختیار کے برابر قوی ہو جاتا ہے۔  
(۳۰۳/۵)

وقتِ تحلیلِ نماز اے بانمک      زان سلام آورد باید بر ملک  
(۳۰۳/۵)      اے جوانِ طبع! نماز کو ختم کرتے وقت تمہیں فرشتوں کو سلام کرنا چاہیے۔  
کہ زالہام و دعائے خوب تاں      اختیارِ ایں نمازم شد زواں  
(۳۰۳/۵)      یعنی اے فرشتو! تمہارے الہام اور نیک دعا سے اس نماز کو مکمل کرنے پر میرا اختیار ختم ہو گیا۔



## انبیاء درکار دُنیا جبری اند

(انبیاء دُنیا کے کاموں میں مجبور ہوتے ہیں)

تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جس میں انسان کسی کام کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور دوسری وہ جس میں انسان مجبور محض ہے اور کسی کام کرنے کی قدرت رکھنے کے بعد بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا کہ قدر اور جبر میں کیا فرق ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اُٹھ کر کھڑے ہو جاؤ! وہ کھڑا ہو گیا۔ فرمایا: ایک ٹانگ اٹھا لو تو اس نے اٹھالی، پھر فرمایا: دوسری ٹانگ بھی اٹھا لو۔ اس نے کہا کہ یہ تو نہیں اٹھائی جا سکتی۔ فرمایا: ایک ٹانگ کا اٹھانا قدر ہے (کیونکہ اس پہ تمہیں قدرت دی گئی ہے) اور دوسری ٹانگ تم نہیں اٹھا سکتے تو یہ جبر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ انسان کر سکتا ہے وہ تو کرے اور اللہ تعالیٰ انسان سے یہی حساب لے گا کہ تم نے وہ کام کئے، جو کر سکتے تھے اور جو کام کسی انسان کی سکت سے باہر ہے اس کے متعلق اس سے حساب نہیں لیا جائے گا۔ (حقیقت تو یہ ہے کہ انسان جو ٹانگ اٹھا سکتا ہے وہ بھی اللہ کی توفیق سے ہی اٹھاتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ بھی نہ اٹھا سکتا)۔

ابن بطوطہ نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک بزرگ کے مکان کے باہر کچھ لوگ دریوں پر بیٹھے تھے (غالباً کسی کی دعوت کے بعد) باہر بیٹھے ہوئے لوگ قسمت کے بارے میں گفتگو کرنے لگے تو وہ بزرگ آئے اور کہنے لگے کہ تم جبر و قدر پر کیا بات کر رہے ہو۔ تم لوگ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے، تم تو زمین سے اُٹھنے کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور اگر رکھتے ہو تو اُٹھ کے دکھاؤ! کہتے ہیں کہ وہ لوگ تین دن تک وہیں بیٹھے رہے اور اُٹھنے کی قدرت ان سے سلب کر لی گئی۔ اس بات کو ملاحظہ کرنے کے بعد ان لوگوں نے معافی مانگی تو پھر کہیں اُٹھنے کے قابل ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ اُٹھنے بیٹھنے کی قوت بھی خدا کی ہی طرف سے ہے۔

قسمت کے متعلق مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”میں جب کوئی کام کرنا چاہتا ہوں تو اس کے متعلق کہتا ہوں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔“ ”إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ“ یعنی اللہ کا حکم یہ ہے کہ جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی کام کے لیے تو کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ (یس: ۸۲) مفسرین نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور پھر اس کام کے ہونے یا نہ ہونے کا ارادہ بھی کرتا ہے، اگر ارادہ کرے تو وہ کام ہو جاتا ہے، ورنہ نہیں ہوتا۔ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ اگر اللہ کا ارادہ نہ ہو تو قدر بھی جبر کے ہی معنی رکھتی ہے۔ مولانا کا کلام ”جبر کا مفہوم“ اسی بیان کے بعد دے دیا گیا ہے۔

انبیاء دنیا کے کاموں میں جبری ہیں کہ ان سے بُرے کام صادر نہیں ہو سکتے۔ مولانا روٹی فرماتے ہیں ۔

انبیاء در کار دنیا جبری اند      کافراں در کار عقبی جبری اند

(پس) انبیاء علیہم السلام تو دنیا کے معاملات میں جبری (تارک اسباب) ہیں اور کفار آخرت کے کاموں میں جبری

(۹۳/۱)

(تاریک اسباب) ہیں۔

## مسئلہ جبر و قدر

عقائد کے مسائل اکثر ایسے ہیں کہ ان میں کچھ وقت اور اشکال پیش آتی ہیں اور ان کو حل کرنا آسان نہیں، مثلاً روح، معاد، جزا و سزا قطعاً واضح نہیں لیکن جبر و قدر کا مسئلہ ایسا پُر پیچ ہے کہ مذہبی حیثیت اس سے الگ بھی کر لی جائے تب بھی یہ عقدہ حل نہیں ہوتا، اسی طرح ایک لمحہ اس مسئلہ کا آزادانہ طریقہ سے فیصلہ کرنا چاہے تب بھی نہیں کر سکتا۔ جبر و قدر میں اگر یہ پہلو اختیار کیا جائے کہ انسان بالکل مجبور ہے تو انسان کے افعال کا اچھا بُرا ہونا بالکل بے معنی ہوگا، کیونکہ جو افعال کسی سے محض مجبوراً صادر ہوتے ہیں ان کو نہ مدح کہا جاسکتا ہے، نہ مذموم۔ دوسرا پہلو یعنی انسان بااختیار ہے تو وہ بھی خلاف واقعہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ کچھ کام انسان کے اختیار سے باہر ہیں۔ دیکھیں کہ انسان کسی کام کو کیوں کرتا ہے اور کیوں ایک کام سے باز رہتا ہے؟ انسان میں خدا تعالیٰ نے خواہش کا مادہ پیدا کیا ہے جس کو ہم ارادہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ خواہش خاص اسباب اور مواقع سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان کے اندر ایک اور قوت ہے، جس کو ہم قوتِ اجتہاد سے تعبیر کرتے ہیں یعنی ایک کام سے باز رہنا۔ جب کوئی بُرا کام ہم کرنا چاہتے ہیں تو ان دونوں قوتوں میں تعارض ہوتا ہے اگر قوتِ ارادی فطرتاً قوتِ اجتہادی سے قوی تر ہو تو انسان اس فعل کا مرتکب ہوتا ہے، ورنہ باز رہتا ہے۔

مولانا رومؒ نے اس مسئلہ پر مختلف حیثیتوں سے بحث کی ہے، سب سے پہلے مولاناؒ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ گو جبریہ و قدریہ دونوں غلطی پر ہیں لیکن دونوں کو نسبتاً دیکھا جائے تو قدریہ کو جبریہ پر ترجیح ہے کیونکہ اختیار مطلق ہدایت کے خلاف نہیں اور جبر مطلق ہدایت کے خلاف ہے۔ اس طرح ہر شخص کو ہدایت نظر آتا ہے کہ وہ صاحب اختیار ہے، باقی یہ امر کہ یہ اختیار خدا نے دیا ہے، ایک نظری مسئلہ ہے یعنی استدلال کا محتاج ہے، بدیہی نہیں۔ مولاناؒ فرماتے ہیں۔

مَنکرِ حَس نیست آلِ مَرِدِ قَدَرِ  
فعلِ حق حسی نباشد اے پسر

قدری انسان حس کا منکر نہیں ہے، اے بیٹا! اللہ تعالیٰ کا کام حس میں نہیں آتا۔ (۳۰۵/۵)

مَنکرِ فعلِ خداوندِ جلیل  
ہست در انکارِ مدلولِ دلیل

خداوندِ جلیل کے فعل کا منکر دلیل کے نتیجہ کے انکار میں (بتلا) ہے۔ (۳۰۵/۵)

اس لیے مولاناؒ نے اختیار کو متعدد قوی دلائل سے ثابت کیا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

## انسان فاعل مختار ہے، پھر نہیں

مولانا رومؒ نے انسان کے فاعل مختار ہونے کے لئے درج ذیل چار دلائل پیش کئے ہیں :-

۱۔ ہر شخص کے دل میں اختیار کا یقین ہے اور گوخن پروری کے موقع پر کوئی شخص اس سے انکار کرے لیکن اس کے



تمام افعال اور اقوال سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اختیار کا معترف ہے۔ اگر کسی شخص کے سر پر چھت ٹوٹ پڑے تو اس کو چھت پر مطلق غصہ نہیں آتا، لیکن اگر کوئی شخص اس کو پتھر دے مارے تو اس شخص کو پتھر مارنے والے پر غصہ آئے گا۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ چھت کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور آدمی جس نے پتھر کھینچ مارا وہ فاعل مختار یعنی اختیار رکھتا ہے۔

۲۔ ایک نہایت لطیف استدلال مولاناؒ نے یہ پیش کیا ہے کہ جانور تک جبر و قدر کے مسئلہ سے آگاہ ہیں۔ کوئی شخص اگر ایک کتے کو دُور سے پتھر کھینچ مارے تو چوٹ پتھر کے ذریعہ سے لگے گی، لیکن کتا پتھر سے متعرض نہ ہوگا بلکہ اس پر حملہ کرے گا جس نے پتھر مارا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کتا بھی سمجھتا ہے کہ پتھر مجبور تھا اس لیے وہ قابل الزام نہیں مگر جس با اختیار شخص نے اذیت دی، وہ مواخذہ کے قابل ہے۔

۳۔ انسان کے تمام افعال و اقوال سے اختیار کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، ہم جو کسی کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں، کسی کام سے روکتے ہیں، کسی پر غصہ ظاہر کرتے ہیں، کسی فعل پر نادم ہوتے ہیں، یہ تمام امور اس بات کی دلیل ہیں کہ ہم انسان کو فاعل مختار خیال کرتے ہیں اسی لیے اس کو ڈانٹتے ہیں۔

۴۔ جبر کے ثبوت میں سب سے قوی جو استدلال پیش کیا جاتا ہے اور کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ خدا اگر ہمارے افعال کا فاعل نہیں تو مجبور ہے اور اگر قادر ہے تو ایک فعل کے دو فاعل نہیں ہو سکتے۔ مولاناؒ نے اس شبہ کا ایسا جواب دیا جو جواب بھی ہے اور بجائے خود ثبوت اختیار پر مستقل استدلال بھی ہے۔ وہ یہ کہ جو چیز جس چیز کی ذاتیات میں ہے، وہ اس سے کسی حالت میں منفک نہیں ہو سکتی۔ صانع جب کسی آلہ سے کام لیتا ہے تو صانع کی قوت فاعلہ آلہ کو با اختیار نہیں بنا سکتی جس کی وجہ یہ ہے کہ جمادیت جماد کی ذاتیات میں ہے، اس لیے کسی فاعل کا عمل اس کی جمادیت کو سلب نہیں کر سکتا۔ یعنی پتھر ہونے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔

مولاناؒ نے انسان کو قدرت ہونے کا ثبوت بہت پیارے انداز میں دیا ہے۔

ایں کہ فردا ایں گنم یا آں گنم  
ایں دلیل اختیار ست اے ضم  
(۳۰۷/۵)

یہ کہ کل یہ کروں گا یا وہ کروں گا، اے پیارے! یہ اختیار کی دلیل ہے۔

واں پشیمانی کہ خوردی زان بدی  
زا اختیار خویش گشتی مہدی  
(۳۰۷/۵)

اور وہ شرمندگی جو تُو نے بدی سے اٹھائی، اپنے اختیار سے تُو ہدایت یاب بنا۔

غیر حق گر نباشد اختیار  
ختم چوں می آیدت بر جرم دار  
(۳۰۸/۵)

اگر خدا کے علاوہ کسی کو اختیار نہ ہو تو تجھے مجرم پر غصہ کیوں آتا ہے؟

چوں ہی خائی تو دندان بر عدو  
چوں ہی بینی گناہ و جرم اژد  
تُو دشمن پر دانت کیوں پیتا ہے، تُو اس کی خطا کو جرم کیوں سمجھتا ہے؟

گر زسقف خانہ چوبے بھلند  
بر تو اُفتد سخت مجروحہ گزند  
(۳۰۸/۵) اگر گھر کی چھت کی کوئی کڑی ٹوٹ جائے، تجھ پر گرے اور تجھے بہت زخمی کر دے۔

بچ خشمے آیدت بر چوب سقف  
بچ اندر کین او باشی تو وقف  
(۳۰۸/۵) تجھے چھت کی کڑی پر کوئی غصہ آتا ہے، تو کبھی اس سے کینہ کرنے میں مبتلا ہوگا؟

کہ چرا برمن زد و دست شکست  
یا چرا برمن فداد و کرد پست  
(۳۰۹/۵) کہ وہ مجھے کیوں لگی اور میرا ہاتھ توڑ دیا، وہ مجھ پر کیوں گری اور مجھے نیچے لے لیا؟

آنکہ دزد مال تو گوئی بگیر  
دست و پایش را بہر سازش اسیر  
جو شخص تیرا مال چراتا ہے، کیا تو (مال کو) کہتا ہے پکڑ لے، اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈال، اس کو قید کر لے۔

گر بیاید سیل و زحمت تو برد  
بچ با سیل آورد کینے خرد  
(۳۰۹/۵) اگر سیلاب آئے اور تیرا سامان (بہا) لے جائے، کوئی عقل مند سیلاب سے کینہ دری کرتا ہے؟

ہم چنین مگ گردنگے زنی  
بر تو آرد حملہ گردد مثنی  
(۳۰۹/۵) اسی طرح کتنا اگر تو اس کو پتھر مارے تو تیرے اوپر حملہ کرتا ہے، پلٹ کر آتا ہے۔

عقل حیوانی چو دانست اختیار  
ایں مگو اے عقل انساں شرمدار  
حیوانی عقل نے جب اختیار کو سمجھ لیا تو اے انسانی عقل! شرم کر کہ تو اس جبر کی قائل کیوں نہیں ہوئی۔ (۳۰۹/۵)  
”مسئلہ جبر و قدر“ کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور جس تقدیر کو وہ سمجھتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ انسان کی اپنی حرکتوں یا خیالات کی کج روی کی وجہ سے بطور سزا یا جزا ملتی ہے۔

### جبر کا مفہوم

کسی ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنا، کسی کو زبردستی کسی کام پر لگانا جبر ہے۔ انسان جس چیز پر قدرت نہیں رکھتا وہ جبر ہے۔ ٹوٹی ہوئی کڑی کب ستون بن سکتی ہے؟ جبر کا مطلب سب نیکی و بدی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا ہے، جو شخص سستی کی وجہ سے ناشکرا اور بے صبر رہا وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں جبر پر قائم ہوں۔ مست آدمی اپنی مستی کی وجہ سے طلب کمال میں کوتاہی کرتا ہے اور وہ اُلٹا خوش ہوتا ہے کہ میں نے جبر محمود پر عمل کیا یعنی اپنے اختیار کو اختیار خداوند میں محو کر دیا، حالانکہ غلط فہمی میں اس نے ناشکری اور بے صبری کے گناہوں کا ارتکاب کیا۔ جو شخص جبر کے زعم باطل میں مبتلا رہا، اس نے اپنے آپ کو بیمار بنا لیا یہاں تک کہ اسی بیماری نے اس کو جہالت و بطالت کی قبر میں دفن کر دیا۔ بعض منافقین احکام دین کی بجا آوری سے دُور رہنے کے لئے جھوٹ موٹ اپنے آپ کو بیمار ظاہر کرتے تو ان



کے حق میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم ہمارے سامنے بیمار بنو گے تو فی الواقع بیمار ہو جاؤ گے۔ (کذا فی بحر العلوم وغیرہ) اگر تم کو جبری بننا ہی منظور ہے تو جبر محمود اختیار کرو۔

بستن شکستہ کے دعویدار کا فرض تھا کہ پہلے پائے شکستن پر عمل کرتا اور پھر بستن کو عمل میں لاتا لیکن جب اس نے نہ سعی کی، نہ شدت سعی سے اپنے پائے طلب کو شکستہ کیا تو پھر اس کا پاؤں کو باندھنا محض لہو من کر شہیدوں میں شامل ہونا ہے جو جبر کا مصداق نہیں۔ مولانا رومؒ کا فرمان ہے ۔

جبر چہ یُوذ؟ بستنِ اشکتہ را      یا بہ پیستنِ رگِ بکستہ را  
جبر (کے لغوی معنی) کیا ہیں؟ ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا یا کٹی ہوئی رگ کو پیوستہ کرنا۔ (۱۳۴/۱)

### جبر کی اقسام

جبر بمعنی عام یعنی مطلق سبب اختیار کرنے کے ہیں۔ جبر کی دو قسمیں ہیں، ایک جبر مذموم دوسرا جبر محمود ہے۔ جبر مذموم وہ ہے، جس کا قائل واصل الی الحق نہیں ہے اور جبر محمود کا قائل واصل الی الحق اور عارف باللہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تم یہ گمان بھی نہ کرنا کہ تمہارا جبر محمود ہے کیونکہ تم ابھی تک واصل الی الحق نہیں ہوئے اور تمہارا جبر تو منزل واصل تک پہنچنے سے پہلے ہی سو رہنے کا مصداق ہے جو جبر مذموم ہے۔ جبر محمود خداوند کے مشاہدہ میں منقلب و محو ہونے سے پیدا ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اختیاراتِ کاملہ اور تصرفاتِ عامہ کو دیکھ کر انسان اپنے آپ کو بے بس پائے۔ اگرچہ اس کے ساتھ اپنے اختیارات کا بھی اس کو علم ہے، جو قدرت نے اس کو دیئے ہیں مگر اس مختار مطلق کے آگے اپنے اختیارات کو بالکل معدوم نہیں تو کالعدم سمجھے۔

جبری کا بے اختیار ہونا بھی دو معنی رکھتا ہے، ایک تو یہ کہ اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں، وہ عبادت اور پابندی احکام میں اپنے آپ کو جبری بنا لیتا ہے لیکن حصول لذت اور زیادہ منافع کے لیے بھاگا بھاگا پھرتا ہے اور اپنے آپ کو عملاً مختار ظاہر کرتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ مقتضائے قدرت اور منشاء حکمت کو بنظر عبرت و بصیرت نہیں دیکھتا اور اعتبار و استبصار کی آنکھ بند کر کے تعطیل جوارح کا مرتکب ہو کر منزل سے دور راستے ہی میں محو خواب ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں ۔

جبر تو خفتنِ یُوذ در رہِ خُشپ      تانہ بینی آں در و در گہ خُشپ  
تیرا جبر کا قائل ہونا گویا دنیا کے راستے میں بے دست و پا ہو کر سو رہنا ہے، پس راہ میں نہ سو یعنی جب تک کہ اس (محبوبِ حقیقی) کے در اور درگاہ کو نہ دیکھ لے، نہ سو۔ (۱۳۱/۱)

در یُوذ ایں جبر جبرِ عامہ نیست      جبرِ آں امارۂ خود کامہ نیست  
اور اگر (بالفرض) یہ جبر ہی ہے تو بھی یہ عوام کا جبر نہیں، اس نفسِ امارۂ خود غرض کا جبر نہیں۔ (۱۷۱/۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کے کامل و مطلق اختیار کے آگے اپنے ناقص اختیار کو جبر کے لفظ سے تعبیر کیا جائے تو اس میں

کوئی مضائقہ نہیں مگر یہ جبر محمود ہے، جو فی الواقع جبر نہیں بلکہ مجازاً اس پر جبر کا اطلاق کیا جاتا ہے اور یہ جبر مذموم سے جداگانہ ہے، جس کو جاہل عوام نے ترک طاعت اور اختیار محصیت کے لیے ایک حیلہ بنا رکھا ہے۔ جبر محمود کو وہی لوگ پہچانتے ہیں جن کے دل کی آنکھ خدا نے کھول دی ہو۔

## تمام افعال کے آثار اور نتائج کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

تمام افعال عباد کے آثار اور نتائج کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، نہ کہ بندہ۔ افعال عباد کے نتائج اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، باقی رہے وہ افعال جو بندوں سے سرزد ہوتے ہیں کہ ان کا خالق بھی خدا ہے یا انہیں بندے پیدا کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ معتزلہ کے نزدیک افعال کا خالق خود بندہ ہے مگر اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ بندوں کے تمام نیک و بد افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، ہاں بندہ ان افعال کا کاسب ہے۔

ولی جب کسی سبب کے سرزد ہونے سے پشیمان ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس سبب پر نتائج و آثار کا دروازہ بند کر دیتا ہے یعنی اس فعل پر اس کا اثر مرتب نہیں ہونے دیتا۔ افعال پر آثار کا مرتب ہونا بندے کے اختیار کی بات نہیں۔ اس سے یہ بھی لازم آیا کہ جب ایک فعل پر اس کا اثر و نتیجہ مرتب ہونے لگتا ہے تو اس کو روکنا بھی بندے کے قبضہ اور قدرت میں نہیں ہوتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ حالت عوام کی ہے کہ جو خوارق عادات کے اہل نہیں ہیں لیکن اہل اللہ جن کو خوارق عادت کا رتبہ حاصل ہے اس سے مستثنیٰ ہیں کہ اسباب پر آثار کو مرتب نہ ہونے دیں، چنانچہ بعض اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قدرت حاصل ہے کہ چھوٹے موٹے تیر کو راہ سے واپس لے آئیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں ۔

خَلْقِ حَقِّ اَفْعَالِ مَارَا مُوجِدِست      فَعْلِ مَا اَثَارِ خَلْقِ اِیْزِدِست

(ہاں) خدا کی آفرینش ہمارے افعال کی موجد ہے (اور) ہمارے فعل خدا کی آفرینش کے نتائج ہیں۔ (۱۷۲/۱)

بِخِشِ کَسْبِ دَمِ وَ دَامِ وَ جَمَاعِ      اَلْ مَوَالِیدِست حَقِّ رَا مُسْتَطَاعِ

اسی طرح کمنا، حیلہ و تدبیر کرنا، جال بچھانا اور جماع کرنا۔ یہ (سب کے سب کام) اللہ تعالیٰ کے مخلوق اور مقدور ہیں۔ (۱۸۹/۱)

## مخلوق کا عجز اور خالق کا اختیار

اجرام عرض اور اجرام فلک کی تمام حرکات و افعال اسی ذات حق کے امر و الہام کی تابع ہیں، جس سے مخلوقات کا بے اختیار ہونا ثابت ہے۔ اسی بے اختیاری کو یہاں لفظ جبر سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس بے اختیاری کے مضمون سے مخلوق کا عجز اور خالق کا اختیار مطلق ثابت ہوتا ہے اور اس نے میری کیفیت عشقیہ کو جوش زن کر دیا اور جو شخص صاحب عشق نہیں وہ بجائے اس کے کہ حق تعالیٰ کے اختیار علی الاطلاق سے ہدایت پا کر آمادہ طاعت و عبادت



ہو، وہ اپنے آپ کو جہال کی طرح مجبور محض قرار دے کر طاعت و بندگی سے گریز کرتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے مختار مطلق ہونے سے بندہ کے اختیار کی مطلقاً نفی لازم نہیں آتی بلکہ اختیار تام اور قدرت مستقلہ کی نفی لازم آتی ہے اور توبہ کے احکام کے لئے ادنیٰ سے ادنیٰ اختیار بھی کافی ہے۔

لفظ جبرم عشق را بے صبر کرد  
وانکہ عاشق نیست حبس جبر کرد

جبر کے لفظ نے (یہ ثابت کر کے کہ خدا کے سوا کوئی فاعل نہیں) میرے عشق کو بے قرار کر دیا اور (بخلاف اس کے) جو عاشق نہیں اس کو (اس لفظ نے بجائے لذت ایمانی کے) جبر (متعارف کے غلط مسئلے) کا قیدی بنا دیا۔ (۱۷۱/۱)

انسان کا خود کو مجبور محض ظاہر کرنا

انسان اپنے آپ کو مجبور محض قرار دیتا ہے، حالانکہ کبھی کبھی اپنے اختیار کا اظہار کرتا ہے لیکن اختیار وہاں ظاہر کرتا ہے جہاں اسے حالات خوشگوار دکھائی دیتے ہیں، اس وقت تو ذرا بھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ کام میرے اختیار میں نہیں اور وہ کام کرنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ کر ڈالتا ہے۔ لیکن جب کوئی کام نہ کر سکے تو پھر ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے مجبور محض بن بیٹھتا ہے، چاہے اس کام کے بگڑ جانے کا سبب اس کی اپنی سوء تدبیر ہی کیوں نہ ہو، وہ ایسی حالت میں جبری بن جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ ہمارا کیا بس ہے جو کچھ ہوا ہمارے اختیار سے باہر تھا۔ اگر انسان اپنے آپ کو مجبور محض خیال کرتا ہے تو اس میں مجبوری کے آثار بھی نظر آنے چاہئیں یعنی عاجزی، بے اختیاری اور تذلل یہ سب اس انسان میں موجود ہونے چاہئیں۔ یہ سب خصوصیات کہاں ہیں اگر تم اپنے آپ کو جباری کی خدائی زنجیر میں جکڑا ہوا سمجھتے ہو تو اس زنجیر کی جھنکار یعنی تمہاری اس مجبوری کی علامت ہونی چاہیے۔ مطلب یہ کہ تم ایک بے حس و حرکت تصویر ہوتے۔ پھر یہ ہزاروں خود مختار نہ شوخیاں کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جیل خانہ کا قیدی کب آزاد ہو سکتا ہے؟ ٹوٹی ہوئی لکڑی کب ستون بن سکتی ہے۔ اس حوالے سے مولانا روٹی کا کلام ہے کہ۔

بستہ در زنجیر رادی چوں کند  
چوب اشکتہ عمدادی چوں کند

(بھلا) زنجیر سے جکڑا ہوا سخاوت کیسے کر سکتا ہے، ٹوٹی ہوئی لکڑی ستون کیونکر بن سکتی ہے؟ (۹۳/۱)

اندر آں کاریکہ میلت نیست و خواست  
اندر آں جبری شوی کیس از خدا است

جس کام سے تجھے لگاؤ اور خواہش نہیں ہے اس میں تو مجبور بن بیٹھتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ (۹۳/۱)

اختیار کے سبب ہی جزا و سزا مقرر ہے

لیک ہست این فعلِ ما مختار ما  
زو جزا گہ مارِ ما گہ یارِ ما

لیکن ہمارا فعل ہمارے اختیار میں ہے، (اس لیے) کبھی اس کی جزا ہمارے مخالف کبھی جزا ہمارے موافق ہے۔ (۱۷۲/۱)

انسان کو اپنے فعل کا اختیار حاصل ہونا ایک دعویٰ ہے، جس کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ اس کو جہی تو اپنے اچھے بُرے کام کی جزا و سزا ملتی ہے۔

## جبر و اختیار میں فرق کرنے کے لئے ایک مثال

مولانا روٹی فرماتے ہیں ۔

یک مثال اے دل پہنے فرقے بیار      تا بدانی جبر را از اختیار  
اے دل! ایک مثال فرق ظاہر کرنے کے لیے پیش کر، تاکہ تو جبر کو اختیار سے (الگ) شناخت کر سکے۔ (۱۷۴/۱)  
ایک ہاتھ جو مرضِ رعشہ سے کانپ رہا ہے اور ایک وہ ہاتھ جسے تم خود اس کی جگہ سے حرکت دیتے ہو۔ دونوں ہاتھوں کی حرکت کو خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہونے میں مشترک سمجھو، لیکن اس حرکت کو جو تم از خود کر رہے ہو اس حرکت پر جو رعشہ سے ہے، قیاس نہیں کر سکتے بلکہ ان میں یہ بین فرق ہے کہ ایک حرکت ارادہٴ اختیاری ہے اور دوسری حرکت ارتعاشیہ اضطراری ہے، جس کو جبر محض کہتے ہیں۔

## درست عقیدہ فرقہ جبریہ اور فرقہ قدریہ کے بین بین ہے

گر نباشد فعلِ خلق اندر میاں      پس گو کس را چرا کردی چنناں  
اگر (وقوع افعال میں) مخلوق کے فعل کا کوئی دخل نہ ہو تو تمہیں کسی (مرکب گناہ) کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ تم نے ایسا کام کیوں کیا، کیونکہ تمہارے عقیدے کے موافق خود اس نے یہ کام نہیں کیا۔ (۱۷۲/۱)  
اگر بندہٴ خاص اپنے آپ کو خالقِ افعال سمجھے تو اس سے فرقہ قدریہ کا اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اور اگر وقوعِ فعل محض خدا کی طرف سے سمجھے تو یہ فرقہ جبریہ کا عقیدہ ہے۔

## جب قضا آتی ہے تو فہم و عقل نہیں رہتی

امام المتقین (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) نے فرمایا ہے کہ جب قضا آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں، جب قضا گزر جاتی ہے تو آدمی تأسف سے اپنے آپ کو کاٹ کھاتا ہے۔ غفلت کا پردہ اٹھتے ہی وہ اپنا گریبان پھاڑنے لگتا ہے۔ مرد اپنی گفتگو سے ایسے پچھتا رہا ہے، جیسے ایک ظالم پولیس افسر مرتے وقت اپنے ظالمانہ اعمال سے پچھتا رہا ہے۔ بڑھا کا فردل سے پشیمان ہو کر توبہ کرتا ہے، جب عذر لاتا ہے تو مسلمان ہو جاتا ہے۔

عقل و ادراک جو مہر و ماہ کی طرح روشن ہیں، قضاءِ الہی کے آگے تاریک و بے نور ہو جاتے ہیں۔ قضاء کے آگے باریک بینی و بعید نظری کچھ کام نہیں دیتی۔ افکارِ قضا کا کفر صریح تو بہت بڑا گناہ ہے، اگر تم میں کافروں کا ذرا سا شبہ بھی ہو تو تم شرمگاہ کی طرح گندگی اور شہوت کی جگہ ہو۔



چوں قضا آید شود دانش بخواب  
 چوں قضا آتی ہے تو عقل سو جاتی ہے، چاند سیاہ پڑ جاتا ہے اور سورج کو گرہن لگ جاتا ہے۔ (۱۳۹/۱)

چوں قضا آید فرو پوشد بصر  
 تاندا ند عقل ما پا را ز سر  
 جب قضا آتی ہے آنکھیں بند کر دیتی ہے تاکہ ہماری عقل سر پیر کو نہ سمجھ سکے۔ (۲۶۲/۱)

### قصہ آدم علیہ السلام میں قضا کا دخل

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام جو عَلِمُ الْأَسْمَاءِ کے تاجدار ہیں، ان کی رگ رگ میں لاکھوں علم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سارے نام بتا دیئے (البقرة: ۳۱) حضرت آدم علیہ السلام کو صرف اشیاء کے نام یاد کرا دینا مراد نہیں بلکہ یہاں اسماء کے لفظ میں حقائق اوصاف کو بھی شامل کیا گیا ہے، پس تعلیم اسماء سے مراد کہ ان کو تمام اشیاء کے نام، ماہیات اور خواص بتا دیئے۔ قدرت نے جس چیز کی ماہیت اور جو حالت بنا دی ہے وہ غیر متبدل ہے، وہ سنت اللہ کے مطابق ہے اور سنت کے متعلق فرمایا ”وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا“ اور اللہ کی سنت کو آپ ہرگز تبدیل کرتا ہوا نہ پائیں گے (فاطر: ۴۳) حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کا نام سکھانا اسی سنت اللہ کے ماتحت ہے، اس لیے وہ نام بھی غیر متغیر تھے، لہذا انہوں نے جس چیز کا جو لقب ٹھہرایا وہ تبدیل نہیں ہوا، جس چیز کو انھوں نے چالاک قرار دے دیا وہ سُست نہیں ہوئی۔ جو شخص خاتمہ کے وقت مومن ہونے والا ہے، اس کو انہوں نے پہلے ہی دیکھ لیا اور وہ بھی ان پر ظاہر ہو گیا۔

جب آخری حالت قابلِ اعتبار ہے جس کے علم کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام نے ملائکہ پر شرف پایا تو ہر مومن و صالح آدمی کو لازم ہے کہ آخرت کا خیال رکھے، لہذا تم پر لازم ہے کہ جس چیز کا علم حاصل کرنا چاہو کسی دانائے کامل سے حاصل کرو۔ علمی و عملی استفادے کے لئے ایسے علماء کی صحبت اختیار کرنی چاہیے جو عامل، کامل، صالح و متقی اور متادب بآداب شریعت ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام باوجود اس فضل و کمال کے کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو علم اسماء سے نوازا اور فرشتوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کر کے ان کی تفصیلات ثابت کی بلکہ فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا مگر جب قضا آتی ہے تو وہ بھی لغزش میں پڑ جاتے ہیں۔ ہد ہد سلیمان علیہ السلام کو کہتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام باوجود اس فضل و کمال کے لغزش کر گئے تو ہم کس شمار و قطار میں ہیں۔

تفصیل قصہ قرآن مجید میں یوں ہے ”اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بی بی بہشت میں رہو اور اس میں جہاں کہیں سے تمہارا جی چاہے بافراغت کھاؤ، مگر اس درخت (گندم) کے پاس مت جانا، ورنہ تم اپنا نقصان کر لو گے، پس شیطان نے ان کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس حالت میں تھے اس نے ان کو نکلوا کر چھوڑا۔ پھر

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم سب اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور زمین میں تمہارے لیے ایک وقت تک ٹھکانا اور ساز و سامان ہے۔“ (البقرہ: ۳۵-۳۶)

حضرت آدم علیہ السلام حیران تھے کہ یہ دانہ گندم کی ممانعتِ حرمت کی وجہ کیا تھی یا کسی تاویل سے تھی۔ شجرِ ممنوعہ کے متعلق حضرت آدم علیہ السلام کو یہ خیال آتا تھا کہ اس تحریم سے اس درخت کے پھل کا حرام ہونا بصری معنی مراد ہے یا اس حکم کا کچھ اور سبب ہے اور درخت فی الواقع حرام نہیں۔ شیطان نے یہ تاویل ان کے ذہن نشین کر دی کہ یہ درخت فی نفسہ حرام نہیں بلکہ اس وجہ سے تم پر ممنوع کر دیا گیا کہ تم کو یہ کمالات حاصل نہ ہو جائیں کہ ہمیشہ جنت میں رہو یا اس درخت (گندم) کے کھانے سے فرشتے نہ بن جاؤ یا حیاتِ دوام حاصل نہ کرلو۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں شجرہ کی صریح نہی یا تاویل کے متعلق جو حیرت پیدا ہو رہی تھی، وہ شیطان کے بہکانے میں ممد و معاون بن گئی۔ یہاں تک کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسے ڈال کر ان کو اس درخت کا پھل کھلا دیا، جس کی پاداش میں ان کو جنت سے نکل جانے پر مجبور ہونا پڑا، پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کو شجرِ ممنوعہ کے تناول کے سبب حکم ہوا کہ جنت سے نکل جائیں تو ان کو علم ہوا کہ یہ سب شیطان کا فریب تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ ان کو نعیمِ جنت سے محروم کر دے مگر اب کیا ہونا تھا۔ چار و ناچار بہشت سے نکلنا اور زمین پر اترنا پڑا۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ بات معمولی تھی کہ آپ سے صرف اجتہادی خطا ہوئی، تاہم اتنے بڑے آدمی سے معمولی سی لغزش بھی باعثِ گرفت ہے۔ فرماتے ہیں ۔

بود آدم دیدہ ثورِ قدیم  
موتے در دیدہ یوز کوهِ عظیم

حضرت آدم علیہ السلام کی مثال خدا کی آنکھ کی سی ہے، آنکھ میں ذرا سا بال گر جانا ایسے ہے جیسے کوهِ عظیم گر گیا ہو۔

(۱۶/۲)

تب حضرت آدم علیہ السلام ”رَبَّنَا ظَلَمْنَا“ کہہ کر مناجات کرنے اور درد و سوز سے آہیں بھرنے لگے کہ الہی! اندھیرا چھا گیا اور ہم سے راستہ گم ہو گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ تاویل کے تحت کیا اور تاویل کے ساتھ کوئی کام کرنا گناہِ کبیرہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ لفظِ ظلمت سے مشتق ہے۔

امام غزالیؒ ”احیاء العلوم“ میں فرماتے ہیں کہ نیکی کا نور صفحہء دل سے گناہ کی تاریکی کو مٹا دیتا ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ مرتکبِ گناہ پر واجب ہے کہ توبہ کرے، نادم ہو اور کسی ایسی نیکی کو گناہ کا کفارہ بنائے جو اس کی متضاد ہو، جیسے جاہل لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم جو گناہ کرتے ہیں وہ تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں اور قضائے الہی کے مطابق ہم سے صادر ہوتے ہیں، پس ہم سے ان پر کیوں مواخذہ ہوگا نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَٰلِکَ بلکہ لازم ہے توبہ و استغفار کرے تاکہ اگر ارتکابِ خطا بقضائے الہی ہوا ہے تو توبہ و استغفار بھی بقضائے الہی ہو جائے اور یہ قضا اس قضا کے زخم کے لئے مرہم بن جائے۔ جب قضا بلا بن کر آتی ہے تو دعا بھی قضا بن کر اس کا مقابلہ کرتی ہے۔



حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک بلا کو کسی طرح پیدائش کے ساتھ پیدا کرتا ہے، پھر اس کو کسی مبتلا پر نازل کرتا ہے اور ادھر سے دُعا اُپر جاتی ہے تو وہ دُعا اس بلا کو دفع کر دیتی ہے۔

اس ہمہ دانست و چوں آمد قضا دانش یک نمی شد بروے خطا  
الغرض آدم علیہ السلام کو یہ سارا علم تھا اور جب قضا آئی تو وہ ایک امتناعی حکم کے سمجھنے میں خطا کھا گئے۔ (۱۵۰/۱)  
جبر و اختیار جب عارفین میں آجاتا ہے تو جلال کا نور بن جاتا ہے (عارفین کا جبر و اختیار)  
مقرین الہی کا اختیار و جبر عوام کی طرح نہیں ہوتا کیونکہ عوام کا اختیار انکار تقدیر کا باعث بن جاتا ہے اور ان کا جبر تعطیل شرائع و ابطال تکالیف کا موجب بن جاتا ہے۔ جبر و اختیار کے ایک ہی عقیدہ کا مستحسن صورت اختیار کر لینا اور عوام سے متعلق ہو کر مذموم بن جانا قابلِ توجہ امر ہے، اس لیے اس امر کی تائید میں ایک ہی شے، ایک محل میں، ایک صفت پر ہو سکتی ہے، مثلاً پانی کا قطرہ سیپ سے باہر ہو تو پانی کا قطرہ ہے پھر سیپ کے اندر جا کر وہ قطرہ موتی بن جاتا ہے۔

اختیار و جبر تم میں تو محض ایک خیال تھا اور جب ان عارفین میں گیا تو جلال کا نور بن گیا۔ عوام کے نزدیک اختیار جبر ایک خیال ہے یا خیال صحیح ہے جو عام خوش اعتقاد لوگوں کا مسلک ہے اور وہ محض مرتبہ علم میں ہے، اس کے ساتھ حال و وجدان شامل نہیں لیکن جب وہ عقیدہ حضرات عارفین کے دل میں سماتا ہے تو ان کے علم و اعتقاد کے ساتھ ذوق و وجدان کے مقرون ہونے سے اپنے عجز اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ان کے دل پر اس قدر استحضار ہوتا ہے کہ ان کے لئے سراسر نور جلال بن جاتا ہے۔

اختیار و جبر ایساں دیگر ست قطرا اندر صدفا گوہر ست  
ان حضرات کا اختیار و جبر کچھ اور ہی ہے (ان کے اختیار و جبر کی پہلی مثال یہ ہے کہ) سیپ کے اندر (پانی کے) قطرے موتی (کی صورت میں) ہیں۔ (۱۵۱/۱)

### ہد ہد اور کوئے کا قضا و اختیار کے متعلق نظریہ

کوئے قضاے الہی کا منکر ہے۔ اگر اس کی ہزاروں عقلیں ہوں تو بھی اس سوء اعتقاد کی وجہ سے وہ کافر ہے۔ ہد ہد کہتا ہے، اگرچہ کوئے کا مجھ کو دردغ گوئی سے متہم کرنا ایک سخت جملہ ہے، جو دوسرے لحاظ سے قضا کا انکار بھی ہے لیکن اس کا یہ انکار کرنا اور مجھ پر الزام لگانا بھی بقضاے الہی ہے، یعنی قضاے الہی نے اس کو مبتلائے مصیبت کیا ہے، جس کے آگے زور عقل اور قوت تدبیر بیکار ہو جاتی ہے، اس لیے مجھے اس سے انتقام لینے کا ارادہ نہ رکھنا چاہیے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

از قضا اس تعبیه کے نادر ست از قضا داں کو قضا را منکر ست  
قضا سے یہ چھپانا کب نئی بات ہے؟ یہ بھی قضا سے سمجھ کہ وہ قضا کا منکر ہے۔ (۱۴۹/۱)

## اُنْتالیسواں باب

### علم کی افادیت

کون نہیں جانتا کہ علم ہی ایسی چیز ہے جس سے انسان کا حیوان اور دیگر مخلوق میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔ علم سے ہی انسان اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان پر سب سے بڑی عطا یہ فرمائی کہ ”علم الاشیاء“ کو ان کے دل میں ڈال دیا اور اس برتری کے باعث ان کو مَجدد ملائک بنایا اور خلافتِ الہیہ کا تاج ان کے سر پر رکھا۔ آج بھی یہی دستور ہے کہ انسان علمِ روحانی اور دنیاوی کی وجہ سے اپنے سینے کو آباد رکھتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرتا ہے۔

آدم خاکی زحق آموخت علم

(آدم خاکی نے اللہ تعالیٰ سے علم سیکھا)

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ انسان خاکی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرنے کے بعد رشکِ ملائک ہو گیا۔ یہ علم اس طریقے سے آدم علیہ السلام کے سینے میں ڈال دیا گیا جس طرح مرغی کا بچہ پیدا ہوتے ہی کھانے کے لئے ٹھونگے مارنے لگتا ہے اور انسان کا بچہ ماں کے دودھ کو پینے کا متلاشی ہو جاتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس علم کے سبب انسان ہوائی جہاز، گاڑیاں، بھاپ کے انجن اور دوسری مشینری بنانے کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ سب اسی عطا کردہ علم کے باعث ہے۔ اس زمانے میں اور آنے والے زمانے میں جتنی بھی سائنس کی ایجادات ہوئیں اور



ہوں گی، وہ سب اسی عطا کردہ علم کی مرہون منت ہیں۔ انسان کے علاوہ باقی تمام مخلوق کو ”علم الاشیاء“ نہیں دیا گیا، چنانچہ اس کائنات میں انہیں وہ مقام حاصل نہیں، جو علم کی وجہ سے ابن آدم کو ورثے میں ملا۔ یہاں پر مولانا کے چند اشعار کو ہی پیش کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ کتاب اس سے زائد معلومات کی متقاضی نہیں۔

## علم کی اقسام

نمبر ۱۔ علم من اللہ یعنی اللہ کی طرف سے اور اسی کو علم ظاہری بھی کہتے ہیں۔ نمبر ۲۔ علم مع اللہ۔ یہ وابستگی الہی ہے، اسی کو علم باطنی کہتے ہیں۔ نمبر ۳۔ علم باللہ یعنی وہ علم جو اللہ کے لئے ہو، علم حکمت اسی کو کہا جاتا ہے پہلے دو علم یعنی علم من اللہ اور علم مع اللہ یہ دونوں بولنے سے بڑھتے ہیں۔ لیکن علم باللہ خاموشی سے بڑھتا ہے، اسی لئے بڑی عبادت خاموشی ہے کہ اس سے علم اور حکمت الہی حاصل ہوتی ہے۔ (فائدہ) خاموشی عقل کی جلا ہے، نفس کی فنا ہے، علم و عقل پردہ خواہشات ہیں۔ مولانا رومؒ اس موقع پر ارشاد فرماتے ہیں ے

ہیں بکس بہر ہوا ایں بارِ علم      تاشوی راکب تو بر رہوارِ علم  
خبردار! اپنی خواہشات کی خاطر علم حاصل نہ کرنا تاکہ تو علم کے گھوڑے پر سوار ہو سکے۔ (۳۵۵/۱)

چونکہ بر رہوارِ علم آئی سوار      بعد ازاں اُفتد تَرا از دوشِ بار  
جب تو علم کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، تب تیرے کندھوں سے بوجھ بھی اُتر جائے گا۔ (۳۵۵/۱)

مولانا فرماتے ہیں کہ علم کی بدولت دنیا کی تمام مخلوق انسان کی فرمانبردار بنائی گئی ہے، علم و ہنر کی وجہ سے انسان پوری دنیا کی مخلوق کو فرمانبردار بنا سکتا ہے۔ انسان ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ ہو تو سمندر کی کائنات اور کوہ و دشت کا عالم سب انسان کے لیے مسخر ہو جاتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ے

آدمی را زیں ہنر پیچارہ گشت      خَلقِ دریابا و خَلقِ کوہ و دشت  
اس ہنر کی وجہ سے آدمی کے لئے فرمانبردار ہو گئی ہے، پہاڑ، جنگل اور دریائی مخلوق۔ (۱۳۰/۱)

## علم چوں بر دل زندیاریے بود

(علم جب دل میں اُتر جائے تو مددگار ثابت ہوتا ہے)

مولانا رومؒ نے مثنوی شریف میں علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے جو ارشاد فرمایا ہے، اس کا خلاصہ یہاں بیان کیا جا رہا ہے، اس کے بعد اُن کے اشعار بھی دیئے جا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اہل دل کو علم کے اُٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ علم اُن کو اُٹھائے پھرتا ہے، برخلاف اُن لوگوں کے جو جسم والے ہیں یعنی جو اہل دل نہیں، اُن کا علم اُن کے لئے بار ہوتا ہے۔ اگر علم دل پر اثر کرے تو مددگار ثابت ہوتا ہے، اگر تن پر اثر کرے تو وزن (بار) بن جاتا ہے۔ جو علم اللہ کی طرف سے نہ ہو وہ بار ہوتا ہے، جو علم بلا واسطہ اللہ سے حاصل کیا ہو وہ ماحطہ کے

ظاہری بناؤ سنگھار کی طرح پائیدار نہیں ہوتا، لیکن اگر انسان علم کو اچھی طرح اٹھائے تو اُسے اُس وزن کے عوض خوشی عطا کی جائے گی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ خبردار! خواہشات کی خاطر علم حاصل نہ کرنا بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاطر علم حاصل کرو تا کہ تمہارے اندر علم کے انبار دکھائی دیں۔ علم ہی کی وجہ سے انسان کی فضیلت ہے اگر محض صورت کی وجہ سے آدمی انسان کہلاتا تو ابو جہل اور احمد مصطفیٰ ﷺ یکساں ہوتے۔ مولانا فرماتے ہیں احمد مصطفیٰ ﷺ اور ابو جہل دونوں بُت خانے میں جاتے ہیں لیکن غور کرو دونوں کے جانے کا فرق ہے۔ احمد مصطفیٰ ﷺ جاتے ہیں تو بُت سرنگوں ہو جاتے ہیں اور ابو جہل جاتا ہے تو اُمتیوں کی طرح اُن کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہے۔ اسی طرح دیوار پر تصویر بنائی گئی ہے، دیکھو ذرا! ہو بہو آدمی ہے لیکن غور کرو اس میں کس چیز کی کمی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس تصویر میں روح کی کمی ہے، لہذا تم کیا بگوہر کی تلاش کرو۔ یعنی ایسا علم حاصل کرو جو تمہیں اٹھائے یعنی وہ علم تمہارا بار اٹھائے، نہ کہ تم اس کا بار اٹھاؤ، لیکن آج کل علم بار بنا ہوا ہے، یہ اختلافات فروغی اس علم کا بار بننے کی مثال ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں ۔

علم ہائے اہل دل حمالِ شاں      علم ہائے اہل تن احمالِ شاں  
اہلِ دل کو اپنا علم اٹھانے کی ضرورت نہیں بلکہ اُن کا علم انہیں اٹھائے ہوتا ہے، برخلاف اس کے اہلِ تن کا علم اُن کے لئے بار ہوتا ہے۔ (۳۵۵/۱)

علم چوں بر دل زند یارے شود      علم چوں بر تن زند یارے شود  
علم اگر دل پر اثر کرے تو وہ مددگار ہوتا ہے اور اگر تن پر اثر کرے تو بار ہو جاتا ہے۔ (۳۵۵/۱)  
گفت ایزد یَحْمِلُ اَسْفَارَہ      بار باشد علم کاں نبود زہو!  
جو علم اللہ کی طرف سے نہ ہو وہ بار ہوتا ہے اور اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یَحْمِلُ اَسْفَارَہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (۳۵۵/۱)

علم کاں نبود زہو بے واسطہ      آں نپاید ہچو رنگِ ماضیہ  
جو علم بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے حاصل نہ ہو، وہ ماضیہ کے ظاہری بناؤ سنگھار کی طرح پائیدار نہیں ہوتا۔ (۳۵۵/۱)  
لیک چوں ایں بار را نیکو کشی      بار برگیرند و بخشند خوشی  
لیکن اگر تم اس علم کو اچھی طرح سے اٹھاتے ہو تو تمہیں اس بار کے عوض خوشی عطا کی جائے گی۔

علم تقلیدی وبالِ جانِ ماست      عاریہ است و مانشتہ کانِ ماست  
تقلیدی علم ہمارا وبالِ جان ہے، وہ مانگی ہوئی چیز ہے اور ہم مطمئن بیٹھے ہیں کہ یہ ہماری ملکیت ہے۔ (۲۲۳/۲)  
زیں خرد جابل ہی باید شدن      دست در دیوانگی باید زدن  
اس عقل سے بیگانہ ہو جانا چاہیے، دیوانگی اختیار کر لینی چاہیے۔ (۲۲۳/۲)



علم تقلیدی بُود بہر فروخت چوں بیابد مشتری خوش بر فروخت  
 تقلیدی علم فروخت کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جب کوئی خریدار پاتا ہے چمک اُٹھتا ہے۔ (۳۰۷/۲)  
 مشتری علم تحقیقی حق است دائماً بازارِ او بارونق است  
 تحقیقی علم کا خریدار خدا ہے، اس کا بازار ہمیشہ بارونق ہے۔ (۳۰۷/۲)

### علم کی بدولت انسان پر سات طبق روشن ہو جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ ایک ضعیف کو ایسے علم سے مشرف فرماتا ہے جو کبھی کسی قوی کو بھی نصیب نہیں ہوتا، جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی کے کثیف و تاریک مادے سے بنے ہوئے تھے، بخلاف فرشتوں کے جن کی تخلیق نور سے تھی اور اسی طرح شیطان آگ سے تخلیق کیا گیا تھا۔ یہ دونوں نورانی اور اعلیٰ مادے ہیں مگر جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نام سکھائے۔ ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“۔ اِلٰح (یعنی آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم دیا گیا) (سورۃ البقرۃ: ۳۱) تو حضرت آدم علیہ السلام فضیلت میں فرشتوں سے بھی سبقت لے گئے۔ چنانچہ فرشتوں نے عرض کیا! پاک ہے تُو، ہم کو کوئی علم نہیں سوائے اُس کے جو تُو نے ہمیں سکھایا ہے، بے شک تُو بڑا علم والا حکمت والا ہے۔ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا گیا تو آپ نے سب کے سب اشیاء کے نام فوراً بتا دیئے، اس پر فرشتوں کا فخر و جاہ ماند پڑ گیا جس کی وجہ سے اپنے آپ کو آدم علیہ السلام سے افضل سمجھتے تھے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۷

آدمِ خاکی زحقِ آموخت علم تا بہفتم آسماں افروخت علم

حضرت آدم علیہ السلام نے جو خاک سے بنے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ سے علم (اشیاء) سیکھ لیا تو (اس) علم نے زمین سے لے کر ساتویں آسمان تک (سب کچھ ان پر) روشن کر دیا۔ (۱۲۹/۱)

### دل کو جو جو ہر ملا وہ دریاؤں اور آسمانوں کو بھی نہیں ملا

علم کا دار و مدار ظاہری قوت و ضعف پر نہیں بلکہ یہ ایک عطیہ الہی ہے اور خداوند تعالیٰ جسے چاہے دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”بے شک ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو ان سب نے اس کے اٹھانے سے عذر کیا اور اس سے ڈرنے لگے اور اس کو انسان نے اٹھا لیا، بے شک وہ بڑا نادان اور ظالم تھا۔ (ظَلُمُوا جَهْلًا) کی تفسیر ہماری تصنیف ”حُسنِ نماز“ میں مطالعہ فرمائیں) امانت سے بعض نے عشق و محبت اور بعض نے خلافت الہی اور بعض نے علم و عقل مراد لی ہے۔ غرض امانت سے مراد خواہ کچھ بھی ہو، بہر حال یہ ایک ایسا عطیہ ہے کہ انسان ضعیف الجسم کا دل تو اس کا حامل ہو گیا جو ایک قطرہ خون سے زیادہ وجود نہیں رکھتا مگر کوہ و دریا وغیرہ بڑی بڑی چیزیں اس کو اٹھانے کے قابل نہ سمجھی گئیں۔ مولاناؒ فرماتے ہیں ۷

قطرۂ دل را یکے گوہرِ فدا کاں بدریاہا و گردوں ہا نداد

دل کو جو ایک قطرہ (خون) ہے، ایک ایسا جوہر (علم و عقل) ملا ہے جو (خداوند تعالیٰ نے) دریاؤں کو اور آسمانوں کو

## علم کی بدولت انسان شیطان کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے

نفس جو انسان کے اندر ایک دشمن ہے، انسان کی بربادی کے لئے طرح طرح کے دام و فریب بچھاتا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آنحضرت ﷺ سے بغرض احتیاط نفس کی مکاریوں کی کیفیت پوچھتے رہتے تھے، چنانچہ احادیث میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول منقول ہے کہ لوگ تو رسول اللہ ﷺ سے بھلائی کے بارے میں سوال کیا کرتے مگر میں بُرائی کے متعلق پوچھتا رہتا، اس خوف سے کہ مبادا وہ مجھے پیش آجائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۸۳-۷) صحابہ سے مراد حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امثال ہیں۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آنحضرت ﷺ سے اعمال کی ظاہری فضیلت کے متعلق زیادہ سوال نہیں کرتے، بلکہ باطنی عیب کی تلاش کرتے ہوئے کہتے یا حضرت فرمائیے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں :-

مُو بُو و ذَرَّہ ذَرَّہ مکرِ نفس می شناسیدند پُوں گُل از کُرفس

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آنحضرت ﷺ کے فیضِ تعلیمات سے نفس کے باریک سے باریک اور ذرہ ذرہ فریب کو اس طرح پہچان لیتے جس طرح پھول (کی خوشبو) کو کُرفس کی (بدبو) سے (پہچان لیتے ہیں)۔ (۶۸/۱) بہرِ ایں معنی صحابہ از رسول ﷺ مُلتمس بودند مکرِ نفس عُول  
اسی (قسم کے شیطانی مکر کا سراغ لگانے کے لئے) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ ﷺ سے نفسانی چھلاوے کے فریب پوچھتے رہتے تھے۔ (۶۸/۱)

## عالم و عادل سب محض معانی ہیں

کسی مکان میں تمیز ہونا یا پیش و پس کی سمتوں سے منسوب ہونا، جسم کی صفات ہیں جو محسوس بحواس ظاہر ہوتا ہے مگر عادل و عالم وغیرہ صفات کا تمیز اور منسوب نہ ہونا اس کے امرِ معنوی ہونے کی دلیل ہے۔ یہ معانی لامکان سے بدن پر وارد ہوتے ہیں اور وہ اس آفتابِ روح کی صفات ہیں جو آسمان میں نہیں سا سکتا اور روح لامکانی ہے یعنی عالم امر سے تعلق رکھتی ہے اور مجردات سے ہے، اس لئے یہ صفات بھی لامکانی ہیں، جسمانیات سے نہیں ہیں، جبکہ روح کا کوئی خاتمہ نہیں ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں :-

عالم و عادل ہمہ معنی است و بس کش نیابی در مکان پیش و پس

(اور) عالم و عادل (وغیرہ اوصاف ہیں جن کو قلم لکھتا ہے) سب محض معانی ہیں، جن کو کسی مکان میں (تمیز) اور آگے یا پیچھے (کسی سمت سے منسوب) نہ پاؤ گے۔ (۱۳۰/۱)



## چالیسواں باب

## فلسفہ و سائنس

## مثنوی میں فلسفہ و سائنس

اگرچہ علم کلام، تصوف اور اخلاق سب فلسفہ میں داخل ہیں اور اس لحاظ سے مثنوی تمام تر فلسفہ سے تعلق رکھتی ہے، لیکن چونکہ علم اخلاق نے ایک مستقل حیثیت قائم کر لی ہے اور علم کلام و تصوف مذہب کے دائرہ میں آ گئے ہیں اس لئے فلسفہ کے عام اطلاق سے یہ علوم متبادر نہیں رہ سکتے، اس بناء پر فلسفہ سے فلسفہ کی دو شاخیں مراد ہیں، جو علوم مذکورہ سے خارج ہیں۔

مولانا کو اگرچہ مثنوی میں فلسفہ کے مسائل کا بیان کرنا پیش نظر نہ تھا لیکن ان کا دماغ اس قدر فلسفیانہ واقع ہوا تھا کہ بلا قصد فلسفیانہ مسائل ان کی زبان سے ادا ہو جاتے تھے۔ وہ معمولی بات بھی کہنا چاہتے تو فلسفیانہ نکتوں کے بغیر نہیں کہہ سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ کوئی مختصر سی حکایت شروع کرتے ہیں تو جڑوں میں جا کر ختم ہوتی ہے۔ ہم اس موقع پر فلسفہ اور سائنس کے چند مسائل درج کرتے ہیں، جو ضمناً اور مجباً مثنوی میں بیان کئے گئے ہیں۔

## تجاذبِ اجسام

تجاذبِ اجسام کا مطلب ہے کہ تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی جانب کھینچ رہے ہیں اور اسی کشش کے مقابلہ باہمی سے تمام سیارات اور اجسام اپنی جگہ پر قائم ہیں، اس مسئلہ کی نسبت تمام یورپ بلکہ تمام دنیا کا خیال

ہے کہ یہ نظریہ نیوٹن کی ایجاد ہے، لیکن لوگوں کو یہ سن کر حیرت ہوئی ہوگی کہ سینکڑوں برس پہلے یہ خیال مولانا رومؒ نے ظاہر کیا تھا۔

چونکہ اجرام فلکی ہر طرف سے کشش کر رہے ہیں اس لئے زمین بیچ میں معلق ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے اگر مقناطیس کا ایک گنبد بنایا جائے اور لوہے کا کوئی ٹکڑا اس طرح سے ٹھیک وسط میں رکھا جائے کہ ہر طرف سے مقناطیس کی کشش برابر پڑے تو لوہا درمیان میں لٹکا رہ جائے گا، یہی حالت زمین کی ہے۔

### تجاذبِ ذرات

تحقیقات جدیدہ کی رو سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جسم کی ترکیب نہایت چھوٹے چھوٹے ذرات سے ہے، جن کو اجزائے مقناطیسی کہتے ہیں۔ ان ذرات میں بھی باہم کشش ہے لیکن کشش کے مدارج یکساں نہیں۔ بعض ذرات نہایت شدت سے کشش کرتے ہیں، اس لئے ان میں نہایت اتصال ہوتا ہے اور اسی قسم کے اتصال ذرات کو عام محاورہ میں ٹھوس کہتے ہیں، مثلاً لوہا بہ نسبت لکڑی کے زیادہ ٹھوس ہے کیونکہ یہ ایسے ذرات سے مرکب ہے، جن میں باہمی کشش نہایت قوی ہے، لکڑی کے ذرات میں یہ کشش کم ہے۔ بعض چیزوں میں یہ کشش اور بھی کم ہوتی ہے اور اس بناء پر وہ بہت جلد ٹوٹ یا پھٹ سکتی ہیں، تغلغل اور تکاتف کے معنی بھی یہی ہیں، یعنی اجزاء کے اتصال کا کم اور زیادہ ہونا۔

مولاناؒ نے اپنے شعروں میں جذب کو عشق کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ صوفیانہ اصطلاح ہے۔ مولاناؒ نے بیان کیا ہے کہ نباتات جن اجزاء سے پرورش پاتے ہیں، وہ جمادی اجزاء ہیں لیکن چونکہ ان میں اور نباتی اجزاء میں باہمی کشش اور تجاذب ہے اس لئے وہ اجزاء نبات بن جاتے ہیں، اسی طرح نباتی اجزاء حیوانی اجزاء بن جاتے ہیں اور اگر یہ کشش اور تجاذب نہ ہوتا تو ہر جزو اپنی جگہ جم کر رہ جاتا اور یہ مرکبات ظہور میں نہ آتے۔

### تجدیدِ امثال

تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوا ہے کہ جسم کے اجزاء نہایت جلد فنا ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے اجزاء آتے ہیں، یہاں تک کہ ایک مدت کے بعد انسان کے جسم میں سابقہ ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا بلکہ بالکل ایک نیا جسم پیدا ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ فوراً پرانے اجزاء کی جگہ نئے اجزاء قائم ہو جاتے ہیں، اس لئے کسی وقت جسم کا فنا ہونا محسوس نہیں ہوتا۔ یہ تمام باتیں مولانا رومؒ نے موجودہ سائنسی تحقیقات سے پہلے ہی اپنے کلام میں لکھ دی تھیں۔



## اکتالیسواں باب

### آہ وزاری

آہ وزاری پیش تو بس قدر داشت

(آہ وزاری خدا کے حضور بڑی قدر رکھتی ہے)

مولانا فرماتے ہیں کوئی مصیبت کسی سبب سے نہیں آتی بلکہ مسبب الاسباب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اگر کسی کے اعمال خراب ہیں تو اس کی سزا ضرور ملے گی (دنیا میں اور آخرت میں بھی)۔ قرآن میں ہے ”تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔“ (سورہ روم)۔ مشہور قول ہے کہ لوگ بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اگر بادشاہ کا دین پر عمل ٹھیک نہ ہو تو قوم کو (ضرور ہی) اس کا خلیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اس میں البتہ عوام کا بھی قصور ہے اس لئے عوام کو اللہ کی طرف سے بادشاہ کی بے دینی کی وجہ سے لازمی عتاب ہوتا ہے۔

آہ وزاری اللہ کی بارگاہ میں بہت قدر رکھتی ہے کیونکہ یہ گناہوں کو معاف کروا دیتی ہے اور بہت سے مصائب دور کر دیتی ہے۔ سورہ ہود اور نوح میں ہے کہ توبہ استغفار کرو تمہاری سب مصیبتیں دور ہو جائیں گی۔ اس لیے حضرت حسن بصریؒ نے لوگوں سے کہا کہ استغفار ہر بیماری اور مشکل کا علاج ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ زاری اور استغفار کرو تا کہ تمہاری مشکلیں حل ہوں اور منہ پر رونق آئے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے رونے والے کے آنسوؤں کو شہید کے خون کے برابر درجہ عطا کیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ”خِشْتِ اَللّٰہی میں رونے والے کا دوزخ میں جانا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا کہ گائے کے تھنوں میں دودھ کا واپس چلے جانا ناممکن ہے۔“ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

از مُسَبِّ مِی رسد ہر خیر و شر نیست اسباب و وسائط اے پدر  
ہر بھلائی اور برائی سب پیدا کرنے والے (سبب) کی طرف سے آتی ہے، اے باوا! اسباب اور واسطہ کچھ نہیں ہے۔  
(۱۶۲/۵)

بجز خیال منعقد بر شاہراہ تا بماند دور غفلت چند گاہ  
سوائے خیال کے جو راستے پر جما ہوا ہے تاکہ تھوڑی دیر غفلت کا زمانہ نہ رہے۔  
(۱۶۲/۵)

مطلب یہ ہے کہ اے بزرگوار! ہر نیکی و بدی مسبب سے پہنچتی ہے۔ (اسباب سے نہیں پہنچتی) اسباب و وسائل تو سوائے ایک خیال کے اور کچھ نہیں ہیں، جو اس عالم کی شاہراہ پر انسان کے دل میں قائم ہے، یعنی انسان خیال رکھتا ہے کہ یہاں ہر کام سبب سے واقع ہوتا ہے اور اس خیال کا قائم رہنا داخل حکمت ہے تاکہ اس عالم میں کچھ وقت تک بے خبری کا دور نہ رہے۔ اسی بے خبری کی بناء پر انسان کی فطری سعادت و شقاوت کا امتحان ہوتا ہے، ورنہ اگر حقائق سب کی نظر میں عیاں ہو جاتے تو تمام اہل عالم سعید بن جاتے ۔

آں رسول حق قلاؤں سلوک گفت النَّاسُ عَلٰی دِیْنِ الْمُلُوكِ  
آپ رسول حق ﷺ نے جو سلوک (و طریقت) کے پیشوائے عظیم ہیں، فرمایا ہے کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلا کرتے ہیں۔  
(۱۶۶/۵)

آب دیدہ پیش تو با قدر بود من نتانستم کہ آرم ناشنود  
آنسو تیری بارگاہ میں قابلِ قدر ہیں، اس لیے میں رونا سننے کی تاب نہ لاسکا یعنی اس کو ان سنی نہ بنا سکا۔ (۱۶۶/۵)

آہ و زاری پیش تو بس قدر داشت من نتانستم حقوقِ آں گذاشت  
آہ و زاری تیری بارگاہ میں بڑی قدر رکھتی ہے، اس لیے میں اس کے حقوق کو نظر انداز نہ کر سکا۔ (۱۶۶/۵)

پیش تو بس قدر دارد چشم تر من چگونہ گشتے استیزہ گر  
آنسوؤں بھری آنکھ تیرے حضور میں بڑی قدر رکھتی ہے، میں کس طرح (اس کی پرواہ نہ کر کے) جھگڑتا۔ (۱۶۶/۵)

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گریہ و زاری کی جو قدر و منزلت ہے وہ کسی کے ہاں نہیں، فرماتے ہیں کہ اگر گریہ و زاری کی عادت کر لو گے تو تمہاری روح اور چہرے پر ہر وقت خوشی کے آثار نظر آنے لگیں گے۔

چوں تضرع را بر حق قدر ہاست آں بہا کا نجاست زاری را گنجاست  
چونکہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں زاری کی بڑی قدر و قیمت ہے اور زاری کی جو قیمت وہاں ہے اور کہاں ہوگی۔ (۱۶۸/۵)



با تضرع باش تا شاداں شوی  
گریہ گن تا بے دہاں خنداں شوی  
زاری میں مشغول رہو تا کہ تم کو خوشی حاصل ہو، گریہ کرو تا کہ تم منہ کے بغیر ہنسو۔ (یعنی جسمانی نہیں بلکہ روحانی تبسم حاصل ہوگا۔)  
(۱۶۸/۵)

کہ برابر می نہد شاہ مجید  
اشک را در فضل یا خون شہید  
کیونکہ خداوند بزرگ نے آنسو کو فضیلت میں شہید کے خون کے برابر رکھا ہے۔  
(۱۶۸/۵)

ہر تضرع کہ بود با سوز و درد  
آں تضرع را اثر باشد بمرود  
جو زاری سوز و درد کے ساتھ ہو، اس زاری کا اثر مرد پر ہوتا ہے (یا تو یہ مطلب ہے کہ خود رونے والے پر اس کا خاص اثر نمایاں ہوتا ہے یا یہ کہ وہ رونا دوسرے آدمی پر اثر کرتا ہے۔)  
(۳۱۳-۵ ج)

ہیں ترحم کن بمن رحمت نما  
زانکہ مرغی را نیاز آرد ہما  
ہاں رحم کرو، مجھ پر ترس کھاؤ کیونکہ تم اوج تقرب کے ہما ہو اور ہاں کسی پرندے کو دکھ نہیں دیتا۔ (ج ۵ حصہ ۲ ص ۳۱۳)  
آں منجم چوں نباشد چشم تیز  
شرط باشد مردِ اضطراب ریز  
منجم جب صاحب بصیرت نہ ہو (جو خود بخود احوال نجوم معلوم نہ کر لے) تو کسی اضطراب بنانے والے آدمی کی ضرورت پڑتی ہے۔  
(۱۹۵/۵)

زاں زُرد مار را دیدہ چند  
کور گردد مارو زہرو وا زہد  
اس (صحبت شیخ کے) زرد سے (مال و جاہ کے) سانپ کی آنکھیں نکل پڑتی ہیں، سانپ اندھا ہو جاتا ہے اور راہرو (اس کی اذیت سے) بچ نکلتا ہے۔  
(۱۹۹/۵)

اے خنک چشمے کہ او گریانِ اوست

(بڑی مبارک ہے وہ آنکھ جو خدا کے لئے روتی ہے)

مولانا روئے نے عاشقوں کی زاری پر بہت کلام کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بہت مبارک ہے وہ آنکھ جو اللہ کے لیے روتی ہے اور وہ دل بہت مبارک ہے جو اس کے لیے جل بھن رہا ہو۔ اس زاری کا انجام بہت بہتر ہے۔ جہاں پانی بہتا ہے وہاں سبزہ ہوتا ہے، آنسوؤں سے جو سبزہ اگتا ہے وہ روحانی سبزہ کے زمرے میں آتا ہے۔ جنگِ تبوک میں کچھ صحابہ جو جنگ میں شامل نہ ہوئے تھے، ان کو توبہ کرنے پر معاف کر دیا گیا۔ قرآن کی رو سے حضرت حسن بصریؓ (اور دیگر مشائخ) کا قول ہے کہ ”سورۃ نوح“ اور ”سورۃ ہود“ میں توبہ و استغفار پر جو آیات نازل ہوئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصیبت اور پریشانی کا علاج توبہ و استغفار میں ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ زیادہ بڑی مشکلات میں ایک ہزار سے تین ہزار تک یا اس سے بھی زیادہ بار اگر روزانہ استغفار کیا جائے تو بڑی سے بڑی مشکل بھی حل ہو جاتی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت حسن بصریؓ کے پاس جو شخص کسی مصیبت یا مشکل کی دعا کے لیے

آتا تو آپ اس کو استغفار کے لیے کہتے۔ ایک شخص نے جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، عرض کی کہ کیا آپ ہر مشکل کے لیے استغفار کی تلقین فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے سورہ ہود اور نوح میں پڑھا نہیں کہ استغفار کرو، اس کے باعث تم کو ہر مصیبت سے نجات ملے گی۔

ایک حدیث میں رونے والے کے آنسوؤں کو شہید کے خون کے برابر کہا گیا ہے۔ (احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۱۴۳)۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو رحم کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔ اے خشک چشمیکہ اُو گریان اُوست دے ہمایوں دل کہ اُو بریان اُوست بڑی مبارک ہے وہ آنکھ جو اس کے لیے روتی ہے اور وہ دل بہت مبارک ہے جو اس کے لئے جل بھن رہا ہے۔ (۱۱۱/۱)

از پئے ہر گریہ آخر خندہ ایت مرد آخر میں مبارک بندہ ایت ہر رونے کے بعد بالآخر ہنسی ہے، انجام پر نظر رکھنے والا مبارک انسان ہے۔ (۱۱۱/۱)

ہر کجا آب رواں سبزہ بُود ہر کجا اشک رواں رحمت شود جہاں کہیں آب رواں ہو، سبزہ ہوتا ہے، جہاں کہیں اشک رواں ہوں تو وہاں رحمت ہوتی ہے۔ (۱۱۱/۱)

باش چوں دولاں نالاں چشم تر تا زھنِ جانت بر روید خضر رہٹ کی طرح نالاں اور گریاں رہ، تاکہ تیری روح کے صحن سے سبزہ اُگے۔ (۱۱۱/۱)

مرحمت فرمود سید عفو کرد چوں زجراتِ توبہ کرد آں روئے زرد سید الکونین ﷺ نے رحم فرمایا، معاف کر دیا، جب اس شرمندہ نے ہمت کر کے توبہ کی۔ (۱۱۱/۱)

رحم خواہی رحم کن بر اشکبار رحم خواہی بر ضعیفاں رحم آر تو رحم چاہتا ہے تو آنسو بہانے والے پر رحم کر، تو رحم چاہتا ہے تو کمزوروں پر رحم کر۔ (۱۱۱/۱)

چوں خدا خواہد کہ ماں یاری کند

(جب خدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے)

مولانا رومیؒ کا یہ خیال بالکل قرآن اور سنت کے مطابق ہے کہ جو زاری کرتا ہے تو خدا کی مدد اس کے حال میں شامل ہو جاتی ہے۔ جب وہ کسی کو زاری کی توفیق دے دیتا ہے تو اس کے قلبی میلان اور کوششوں کو دیکھ کر ہی یہ توفیق عطا کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری کرنا چاہتا ہے تو اس کو (اس کے قلبی خیالات اور اعمال کی نوعیت کے مطابق) پاک لوگوں پر طعنہ زنی کرنے کا میلان پیدا کر دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے کسی کی عیب پوشی کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص عیب داروں کے عیب بھی نہیں بیان کرتا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ۔



چوں خدا خواہد کہ پردہ کس دَرِ ز  
میلش اندر طعنہ پا کاں بَرِ ز  
جب خدا چاہتا ہے کہ کسی کی پردہ دری کرے تو اس کا میلان پاک لوگوں پر طعنہ زنی میں کر دیتا ہے۔ (۱۱۰/۱)  
دَر خدا خواہد کہ پوشد عیب کس  
کم زند در عیب معیوباں نفس  
اگر خدا چاہتا ہے کہ کسی کی عیب پوشی کرے تو عیب داروں کے عیب بھی نہیں بیان کرتا۔ (۱۱۰/۱)  
چوں خدا خواہد کہ ماں یاری کند  
میل مارا جانب زاری کند  
جب خدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہمیں انکساری کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ (۱۱۰/۱)

نالہء مومن ہمیں داریم دوست

(ہم مومن کے رونے کو دوست رکھتے ہیں)

مولانا فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ مومن زاری کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اے ہر دُعا کو قبول کرنے والے اور پناہ دینے والے! فلاں بندہ گڑگڑا رہا ہے اس پر رحم فرما۔ سورۃ المؤمن آیت نمبر ۷ میں فرشتوں کا مومنوں کے لیے دُعا کرنے کا ذکر ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ فرشتے جو عرش کے ارد گرد (حلقہ زن) ہیں وہ اہل ایمان کے لئے استغفار کرتے ہیں اور ان کے لئے بھی مغفرت کی دُعا کرتے ہیں، جنہوں نے کفر سے توبہ کی ہے۔ فرشتے یہ بھی کہتے ہیں، اے خدا! تو بیگانوں کو عطا کرتا ہے تو ان مومنوں پر بھی اپنی عطا کے دروازے کھول دے۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ عطا میں تاخیر ان کی ذلت کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ یہ زیادہ گڑگڑائیں تاکہ ان کو میں زیادہ عزت بخشوں۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ ۷

پس ملائک با خدا نالند زار  
کائے مجیب ہر دُعا و مُستجار  
پھر فرشتے خدا کے سامنے عاجزی سے روتے ہیں کہ اے ہر دُعا کو قبول کرنے والے اور پناہ گاہ! (۴۰۵/۶)  
بندہء مومن تضرع می کند  
اُو نمی داند بجز تو مُستند  
ایک مومن بندہ گڑگڑا رہا ہے، وہ تیرے سوا کسی کو سہارا نہیں سمجھتا ہے۔ (۴۰۵/۶)  
تو عطا بیگانگان را می دهی  
از تو دارد آرزو ہر مشتی  
تو غیروں کو عطا کر دیتا ہے، ہر خواہشمند تجھ سے ہی اُمید رکھتا ہے۔ (۴۰۵/۶)

حق بفرماید نہ از خواری اُوست  
عین تاخیر عطا یاری اُوست  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ اس کی ذلت کی وجہ سے نہیں ہے، عطا میں تاخیر بعینہ اس کی مدد ہے۔ (۴۰۵/۶)  
نالہء مومن ہمیداریم دوست  
گو تضرع گن کہ ایں اعزاز اُوست  
ہم مومن کے رونے کو دوست رکھتے ہیں، کہہ دو کہ گڑگڑائے کیونکہ یہ اس کا اعزاز ہے۔ (۴۰۵/۶)

## زور را بگزار و زاری را بگیر

### (زور کو چھوڑ دو اور زاری اختیار کرو)

مولانا فرماتے ہیں کہ پروانے کی طرح محنت اور خطرات کی آگ میں کود پڑو اور سونے کی تھیلی (پیر بن کر لوگوں سے نذرانے لینے) کی نہ سوچو، مال و دولت کو اکٹھا کرنے کے ایسے زور کو چھوڑو اور اللہ کی بارگاہ میں زاری کرو۔ اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم اور فضل زاری کے راستے سے ہی آتا ہے، جو زاری کرتا ہے اس پر رحم زیادہ کیا جاتا ہے، لہذا اس کے رحم کو زاری میں تلاش کرو۔ مجبور اور مضطرب کی زاری جلد سنی جاتی ہے اور جھوٹی زاری کسی مطلب کو پورا کرنے کے لیے ہوتی ہے، جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسفؑ کی موت کی خبر اپنے والد کو سنا کر جھوٹا رونا رویا تھا۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ۷

لیک چوں پروانہ در آتش بتاز      کیسہ زَر بردوز و پاک باز  
لیکن پروانہ کی طرح آگ میں کود پڑو، سونے کی تھیلی نہ سیو اور پاکباز رہو۔ (۵۸/۵)  
اخلاص کے ساتھ ریاضات، مجاہدات کی تکالیف برداشت کرو، ان ریاضات سے یہ مقصد نہ رکھو کہ ایک دن پیر و مرشد بن کر مریدوں سے سیم و زر کمائیں گے اور تھیلیاں بھریں گے۔

زور را بگذار و زاری را بگیر      رحم سوئے زاری آید اے فقیر  
زور کو چھوڑو اور زاری کو اختیار کرو، اے فقیر! خداوند تعالیٰ کا رحم زاری کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ (۵۸/۵)  
گر گئی زاری بیابی رحم او      رحم او در زاری خود باز جو  
اگر تم زاری کرو گے تو اس کا رحم اپنے اوپر مبذول پاؤ گے، اس کے رحم کو اپنی زاری میں طلب کرو۔ (۵۸/۵)  
زاری مضطر کہ تشنہ معنوی ست      زاری سرد و دروغ آن غوی ست  
مجبور پیاسے کی زاری سچی (زاری) ہے، بخلاف اس کے ٹھنڈی اور جھوٹی زاری اس گمراہ کی ہے جو کسی غرض سے رونے والی صورت بناتا ہے۔ (۵۸/۵)

گریہ اخوانِ یوسف حیلست      کاندروں شاں پُر زرشک و علتست  
حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا رونا ایک بناوٹ ہے کیونکہ ان کا دل تو حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف رشک اور خرابی سے پُر ہے پھر ان کی ہمدردی میں رونا دھونا کیا ہے۔ (یہ جھوٹا رونا ہے) (۵۸/۵)  
گریہ با صدق بر جانہا زید      تا کہ چرخ و عرش را گریاں کند  
سچا رونا جانوں یا روحوں پر اثر کرتا ہے، حتیٰ کہ آسمان اور عرش کو بھی رُلا دیتا ہے۔ (۷۲/۵)



گریہ بے صدق بے سوزش ہو  
دیو دوں بر گریہ اش خنداں شود  
(بخلاف) اس کے صدق سے خالی رونا جوش نہیں رکھتا، اس لیے شیطان بھی اس (رونے والے) کے رونے کا مذاق اڑاتا ہے۔  
(۷۲/۵)

عقل و دلہا بے گمانے عرشی اند  
در حجاب از نور عرشی میزیند  
(انسان کی) عقل اور قلوب بلاشبہ عرش سے منسوب ہیں اور درپردہ عرشی نور سے زندہ ہیں۔  
(۷۲/۵)

گر ہی خواہی کہ مشکل حل شود

(اگر مشکل کو حل کرنا چاہتے ہو تو)

اگر آدمی چاہے کہ محرومی کا کاٹنا پھول میں بدل جائے تو اس آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے طفل چشم کو رولائے کیونکہ مراد مندی رونے پر موقوف ہے۔ رو کر، گزرگرا کر دُعا مانگے بغیر اپنے مدعا میں کامیابی ناممکن ہے۔ اسی طرح ایک زاہد کو اس کے ایک دوست نے کہا کہ اتنا نہ رویا کرو کہ آنکھ میں کوئی خرابی آجائے تو زاہد نے کہا، اگر رونے سے یہ آنکھیں حق تعالیٰ کے نور کا مشاہدہ کریں گی تو پھر ان کے جانے کا کیا غم، وصال حق میں مشاہدہ جمال کے وقت جو دو آنکھیں ملیں گی وہ کیا کم ہیں، اگر وہ مشاہدہ جمال نہ کریں گی تو بے شک جاتی رہیں، ایسی بد بخت آنکھ کو اندھی ہو جانے دو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں جب اپنے بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں میں مبتلا کرتا ہوں تو اگر وہ صبر کرے تو میں ان دونوں کے عوض اس کو جنت دوں گا۔“ (ان دو چیزوں سے) آپ کی مراد اس کی دو آنکھیں ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف الاحادیث القدسیہ ص ۱۵۱)

مولانا رومؒ ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں ۔

گر ہی خواہی کہ مشکل حل شود  
خارِ محرومی بگلِ مُبدل شود  
(اگر تم چاہتے ہو کہ مشکل حل ہو جائے اور محرومی کا کاٹنا پھول میں بدل جائے۔  
(۵۵/۲)

گر ہی خواہی کہ آں خلعت رسد  
پس بگمایاں طفلِ دیدہ بر جد  
(اگر تم چاہو کہ خلعت قبول حق تم کو مل جائے تو اپنے طفل چشم کو جسم پر رلاؤ۔  
(۵۵/۲)

کامِ خود موقوف زاریِ دست  
بے تضرع کامیابی مشکل است  
(مراد مندی دل کے رونے پر موقوف ہے، گزرگرا کر دُعا کیے بغیر کامیابی مشکل ہے۔  
(۵۵/۲)

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال  
چشمِ بیند یا نہ بیند آں جمال  
(زاہد نے کہا، میرا حال دو صورتوں سے خالی نہیں، آنکھ اس کے جمال کو دیکھے گی یا نہ دیکھے گی۔  
(۵۵/۲)

## نالم اس را نالہا خوش آیدش

(میں اس لیے روتا ہوں کہ خدا کو رونا پسند ہے)

جو بندہ گزرے ہوئے اعمال کے غم میں اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہو کر اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے تو فی الحقیقت وہ آنسو نہیں بلکہ موتی ہیں، ان کو آنسو سمجھنا غلطی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو گریہ و زاری بہت پسند ہے۔ میں اس کے ناز سے کیوں کڑوے آنسو نہ بہاؤں، میں اس کے عاشقوں کے حلقے میں کیوں داخل نہ ہو جاؤں، میں اس کے دن کے سے روشن جلوے کے بغیر اور اس کے دن کو روشنی بخشنے والے چہرے کو دیکھے بغیر کیوں نہ رات کی طرح سیاہ بخت ہو جاؤں؟ میں اس لیے روتا ہوں کہ حق تعالیٰ کو رونا اچھا لگتا ہے۔

محبوب حقیقی اپنے عاشق کے درد سے اس لیے خوش ہے کہ وہ اس کے عشق و محبت کے مقتضیات سے ہے اور درد ہر چند عاشق کے لیے تکلیف دہ ہے مگر چونکہ وہ رضائے محبوب کا باعث ہے اور محبوب کا مرغوب بھی محبوب ہوتا ہے اس لیے درد اُن کو محبوب ہے۔

مولانا رومؒ کا کلام اس کی عکاسی کرتا ہے ۔

عاشقم بر رنجِ خویش و دردِ خویش بہرِ خوشنودیِ شاہِ فردِ خویش

میں اپنے رنج و درد کا عاشق ہوں اور اپنے آقائے واحد کی خوشی کی خاطر اپنے رنج اور اپنے درد کو چاہتا ہوں۔ (۱۹۹/۱)

نالم ایرا نالہا خوش آیدش از دو عالم نالہ و غم بایدش

میں اسی لیے روتا ہوں کہ اس کو رونا اچھا لگتا ہے، اس کو دو جہاں سے نالہ و غم بہاتا ہے۔ (۱۹۸/۱)

خاکِ غم را سُرْمہ سازم بہرِ چشم تا زگوہر پُر شود دو بحرِ چشم

میں غم کی مٹی کو آنکھوں کا سُرْمہ بناتا ہوں تاکہ دونوں آنکھوں کے دریا اشک کے موتیوں سے بھر جائیں۔ (۱۹۹/۱)

گر بنالیدے و مستغفر شدے

(اگر روئے اور استغفار کرے تو خدا کا نورِ رفتہ مل جاتا ہے)

دُعا و مناجات اور توبہ و استغفار کرنے کو تو بہت سے لوگ کرتے ہیں مگر توبہ کے لئے گریہ و زاری بہت ضروری ہے۔ جب تک سوزِ دل کی بجلی اور دونوں آنکھوں کے آنسوؤں کا پانی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی آگ کب تسکین پاسکتی ہے؟ جس طرح میوہ کی چٹنگی کے لئے حرارت اور پانی چاہیے اسی طرح میوہ اعمال کی چٹنگی کے لئے سوزِ قلب اور اشکباری چشم کی ضرورت ہے، اس طرح کرنے سے سب کی دعائیں مقبول ہوں گی اور سب اپنی محنت کا پھل پائیں گے۔



می باید تاب و آبے توبہ را  
 (کیونکہ) توبہ کے لئے سوز (قلب) اور اشکباری (چشم) کی ضرورت ہے۔ توبہ کے لئے (بے قراری) اور بادل  
 (کی سی اشکباری بھی چاہیے)۔ (۱۶۳/۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تمہارے پانی کو زمین کے اندر چھپا دوں اور چشموں کو خشکی کا خطہ بنا دوں، تو کون ہے  
 جو اس پانی کو دوبارہ چشموں میں لائے؟ سوائے میرے جو کہ بے مثل ہوں، بزرگی اور اہمیت والا ہوں۔ ایک قاری  
 قرآن مجید میں سے ”مَاءُكُمْ غَوْرًا“ (الملک: ۳۰) (جس کے معنی ہیں کہ اگر میں بند کر دوں پانی کو) پڑھ رہا تھا تو  
 ایک ذلیل فلسفی اس وقت مدرسے کے پاس سے گزر رہا تھا، اس نے اس آیت کے جواب میں یہ کلمات کہہ ڈالے  
 ”ہم بھاڑے کی ضرب اور تیشے کی تیزی سے زمین کھود کر پانی کو پستی سے بلندی پر لے آئیں گے۔“ فلسفی رات کو  
 سویا اور خواب میں ایک شیر مرد کو دیکھا، جس نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور اس کی دونوں آنکھیں اندھی کر دیں  
 اور جھٹک کر کہا، اگر تو سچا ہے تو پہلے ذرا اپنے ان دونوں چشمہ چشم میں سے اپنی طاقت و علم کے ساتھ نور تو نکال  
 لا؟ جب دن کو فلسفی بستر سے اٹھا تو سچ مچ اپنی آنکھوں کو اندھا پایا اور نور بصارت دونوں آنکھوں سے ناپود تھا۔ اگر  
 وہ اپنی گستاخی سے شرمندہ ہو کر توبہ و گریہ زاری کر لیتا تو یہ بعید نہ تھا کہ اس کا گم شدہ نور خدا کے فضل و کرم سے  
 پھر ظاہر ہو جاتا لیکن توبہ و استغفار پر مائل ہونا بھی ہر شخص کے اختیار میں نہیں، توبہ کے مزے کی چاہ ہر غافل کو نہیں  
 ہوتی۔ اعمال بد کی خرابی اور انکار حق کی نخوست نے اس فلسفی کے دل پر توبہ کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ فلسفی لوگوں کے  
 قلوب اس قسم کے ایمان و یقین کے نور سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

گر بنالیدے و مستغفر خُذے      نورِ رفتہ از کرم ظاہر خُذے

اگر وہ (اپنی اس گستاخی سے نادم ہو کر) رو دیتا اور استغفار کرتا تو (بعید نہ تھا کہ اس کا) گم شدہ نور (رحمتِ خدا کے  
 کرم سے) (پھر) ظاہر ہو جاتا۔ (۱۶۳/۲)

یہاں ایک واقعہ کا ذکر ضروری ہے کہ امام بخاری جوانی کی حالت میں اندھے ہو گئے۔ آپ کی والدہ نے  
 زاری کی اور خدا کی بارگاہ میں عرض کیا کہ الہی میرے بیٹے کو ایسے بیٹا کر دے جیسے وہ ماں کے پیٹ میں بیٹا تھا۔  
 امام بخاری کی بینائی درست ہو گئی اور بخاری شریف آپ نے اس بینائی کے ملنے کے بعد لکھی۔

رحمتے بے علتے بروے بتافت

(رونے والے پر بلا تاخیر رحمتِ الہی نازل ہوتی ہے)

انسان کے دل میں بنی نوع انسان کی تکلیف و مصیبت کو دیکھ کر جو ایک قدرتی درد پیدا ہوتا ہے، اس کو علمائے  
 اخلاق نے شفقت و رقت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ وہ نوع انسان کے فضائل خاصہ میں سے ایک فضیلت ہے اور  
 پھر اس وقت دردِ دل اور رقت و شفقت کی شان و عظمت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب کہ اس کا کوئی خاص باعث

اور سبب نہ ہو یعنی کسی خاص قربت یا صحبت اور رفاقت کا تعلق اس کا محرک نہ ہو اور اس کی تہہ میں کوئی احسان ماضی یا توقع مستقبل اثر انداز نہ ہو تو ایسے دردِ دل کو مولاناؒ نے رحمتِ بے علت کہا ہے۔

شریعتِ پاک نے کسی عزیز کے فراق یا موت پر جہاں نوحہ خوانی و سینہ کوبی اور بے صبری کے افعال سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، وہاں انگلیہاری کو جو دردِ دل کی اضطراری مقتضیات انسانی سے ہے، جائز رکھا ہے بلکہ اس کو رحمت کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس لیے مولاناؒ نے بھی اس کو رحمت قرار دیا ہے۔

باز اندر چشمِ خود او گریہ یافت  
رحمتِ بے علتِ بروے بتافت  
پھر انھوں نے اپنی آنکھ میں رونے کا اثر پایا (اور اللہ تعالیٰ کی صفت) رحمت نے جو محض بے علت ہے ان پر تجلی کی۔  
(۲۷۲/۱)

## ہیں بہ پشتِ آں مکن جرمِ گناہ (توبہ کے پیچھے جرمِ گناہ نہ کرو)

قلب کثرتِ گناہ سے تاریک اور مسخ ہو جائے تو پھر نیکی اور بدی کی تمیز نہیں رہتی اور انسان بُرا کام کرنا اپنا پیشہ بنا لیتا ہے اور احساس اور فکر کی آنکھ میں خاک ڈال لیتا ہے، حتیٰ کہ پھر نہ گناہ کی بُرائی سمجھتی ہے اور نہ اس کا بُرا انجام خیال میں آتا ہے۔ اس صورت میں اگر وہ توبہ و استغفار کا ارادہ نہیں کرتا تو وہ گناہ اس کے دل کو اور بھی اچھا لگتا ہے اور ایک بے دین انسان کی طرح کفر کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ کثرتِ گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر زنگارِ غفلت کی ساٹھیں چڑھ جاتی ہیں، وہ زنگ اس کے دل کے لوہے کو کھانے لگتا ہے، پھر اس کا قلب بالکل سیاہ اور مسخ ہو جاتا ہے، جیسے کافر کی روح۔

توبہ و استغفار کے ساتھ عجز و انکساری اور احکامِ شرع پر گامزن رہنا چاہیے۔ اس بھروسہ پر گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ پر ساری زندگی گزار لینا کہ توبہ کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے اور آخری عمر میں گریہ زاری و توبہ کر لوں گا، غلط ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ سب کی توبہ قبول ہوگی اور سب کو استغفار کا صلہ ملے گا، لہذا یہ خیال چھوڑ دو کہ گناہ کر کے توبہ کر لوں گا اور بخشش ہو جائے گی، بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت فضل و کرم مانگتے رہنا چاہیے۔

ہیں بہ پشتِ آں مکن جرمِ گناہ  
کہ کنم توبہ در آیم در پناہ  
خبردار! اس بھروسہ پر جرم و گناہ کے مرتکب نہ ہونا کہ میں (پھر کبھی) توبہ کر لوں گا (اور حق تعالیٰ کی) پناہ میں آ جاؤں گا۔  
(۳۱۸/۲)

توبہ نذیشد دگر شیریں شود  
بر دلش آں جرمِ تائیدیں شود  
توبہ کی فکر نہیں کرتا اور پھر میٹھا بن جاتا ہے، اس کے دل پر وہ گناہ یہاں تک چھا جاتا ہے کہ وہ بے دین ہو جاتا ہے۔  
(۳۱۸/۲)



## توکل

کسی کام میں اسباب اختیار کرنے کے باوجود اسباب پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے فقط اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا نام توکل ہے اور یہی توکل کے لغوی معنی ہیں۔ اصطلاح میں بھی توکل کے معنی خدا پر بھروسہ کرنے کے ہیں۔ ترک اسباب کو توکل سمجھنا، بے سمجھی اور اسلامی تصور کے منافی ہے۔ توکل کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ”وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ“ (ابراہیم: ۱۱) یعنی خدا ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے ”فَلْيَتَوَكَّلْ“ صیغہ امر ہے، جہاں امر ہو اُس کی اطاعت لازم ہے۔ وکیل کو کام سونپ دینے کے بعد موکل سونپیں جاتا بلکہ پوری جدوجہد کرتا ہے تاکہ کام میں سُستی نہ ہو۔ یہی فضاء الہی ہے کہ توکل تو اللہ تعالیٰ پر کرو مگر اپنے کام کے لئے احکام و قوانین کے مطابق جدوجہد بھی جاری رکھو۔

### توکل کے غلط معنی

مغربی تہذیب اور مادہ پرست لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے اسباب ہی سے ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ کائنات صرف علت و معلول کے غیر منتهی سلسلے کا نام ہے اور اسباب کے علاوہ کچھ نہیں۔ ان خیالات کا ہمارے روحانی نظریات پر یہ اثر ہوا ہے کہ لوگوں کی ایک اکثریت نے اسباب پر ہی آنکھیں جمالی ہیں۔ اسباب کے ساتھ روحانی پہلو کو بھی مد نظر رکھنا مسلمانوں کا امتیاز ہے، جب کہ فرنگی دنیا والے فقط مادی پہلو اختیار کرتے ہیں اور روحانی پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

## توکل کی فضیلت میں احادیث

- ۱۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ”اگر تم خدا پر توکل کرو، جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے گا، جس طرح پرندوں کو دیتا ہے، وہ صبح کو بالکل بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔“ (مشکوٰۃ، ج ۲، ص ۵۱۹، ۵۲۰)
- ۲۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث کا خلاصہ یوں ہے کہ ”آدمی کا دل وادیوں میں بھٹکتا رہتا ہے اور جس کا توکل اللہ پر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو وادیوں اور راستوں میں بھٹکنے سے بچالے گا۔“
- ۳۔ ایک حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”خوب محنت کرو اور اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کرو۔“
- ۴۔ بخاری شریف میں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار اشخاص کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کرے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے، شگون نہیں لیتے، منتر نہیں پڑھتے، بلکہ خدا پر ہی توکل کرتے ہیں۔“ (مشکوٰۃ، ج ۲، ص ۵۱۸)

- ۵۔ ایک روایت میں ہے: کہ ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک ناثہ سوار صحابی نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اس اونٹنی کو چھوڑ دوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کئے رہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی ٹانگوں میں رسی باندھو اور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔“ (الدرر المنشرة، ص ۹۱، احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۲۳۳)

## علامات متوکل

یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ انسان کب متوکل کہلاتا ہے؟ فرمایا! جب وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل بنانے پر راضی ہو جائے۔ سہل بن عبداللہ نے فرمایا ہے کہ متوکل کی تین علامات ہیں:

- ۱۔ وہ نہ کسی سے مانگے ۲۔ نہ کسی چیز کو رد کرے ۳۔ نہ اپنے پاس کچھ روکے۔
- آپ کا یہ بھی قول ہے کہ توکل کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہو، جس طرح مردہ غسل کے سامنے ہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہتا ہے اسے پلٹتا ہے اور مردہ نہ کوئی حرکت کر سکتا ہے اور نہ کوئی تدبیر۔

## توکل کے ساتھ جدوجہد کرنا

حضرت علامہ اقبالؒ نے بھی اسباب کو اختیار کرنے پر اور محنت کرنے پر زور دیا ہے۔ اسلام کی تعلیم بھی یہ ہے کہ جتنی طاقت ہے اتنی محنت اور کوشش کی جائے اور پھر نتیجہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر چھوڑ دے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا جمود کے ہوا کچھ نہیں۔ حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ۷



وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا  
خبر نہیں کیا نام ہے اُس کا خدا فریبی کہ خود فریبی  
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات  
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر  
کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلمان  
میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چاک

جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے  
عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ  
مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند  
ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند  
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الہی  
دیرینہ ہے ترا مرض کور نگاہی

حضرت علامہ اقبالؒ کا سارا کلام اس بات پر شہادت دیتا ہے کہ اے مسلمان! کام کر اور پھر دیکھ اللہ تعالیٰ تجھے  
کیا انعامات دیتا ہے؟

تیرے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے؟  
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں  
خودی تیری مسلمان کیوں نہیں ہے؟  
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے؟  
یعنی قضا کے منتظر نہ رہو بلکہ قضا مومن کی منتظر ہوتی ہے۔ توکل اور جدوجہد پر مولانا رومؒ نے بڑی سیر حاصل  
گفتگو کی ہے، جو شعروں کی شکل میں پیش کی جارہی ہے۔

گفت پیغمبر با آواز بلند  
بر توکل زانوائے اُشتر بہ بند  
پیغمبر ﷺ نے بلند آواز سے کہا ہے، توکل کے ساتھ اُونٹ کے گھٹنے باندھ دو۔ (۱۱۹/۱)

توکل اختیار کرنا نبی پاک ﷺ کی سنت ہے۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ”إِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ“ یعنی اُونٹ کو  
رسی سے باندھ اور خدا پر بھروسہ کر یعنی حفاظت کے لئے جو اسباب ہیں وہ بھی اختیار کر۔

نیت کبے از توکل خوب تر  
چیت از تسلیم خود محبوب تر  
کوئی کوشش توکل سے بہتر نہیں، تسلیم و رضا سے زیادہ محبوب کیا چیز ہے؟ (۱۱۹/۱)

اس شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ توکل سے کوئی چیز بہتر نہیں یعنی کوئی کوشش بہتر نہیں، جو انسان خدا کی رضا  
چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ خدا پر توکل کرے لیکن توکل اس طرح کرے کہ پہلے راہ کسب اختیار کرے اور اس  
کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے، قرآن مجید میں ہے ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ اور جو اللہ پر توکل  
کرے تو وہ اسے کافی ہے (الطلاق: ۳)۔ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ اگر یقین کے ساتھ توکل شامل ہو تو جس  
بات پر توکل کیا جائے، اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیتا ہے۔ اس پر طویل گفتگو کسی اور کتاب میں کی جائے گی۔

تقدیر الہی کا مقابلہ فضول ہے

ملک مصر میں ایک ظالم بادشاہ کا نام ولید بن مصعب اور لقب فرعون تھا۔ وہ خدائی کا مدعی تھا اور لوگوں کو اپنی  
پرستش پر مجبور کرتا تھا۔ قیاس سے کاہنوں نے یہ تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو تمہارے

مذہب کو تباہ کر دے گا تو اُس بستم گرنے دشمن سے بچنے کے لئے بارہ ہزار معصوم و بے گناہ بچے قتل کرا دیئے۔ اس کو کوئی خبر نہ تھی کہ وہ دشمن میرے گھر میں پرورش پا رہا ہے اور میری ہی گود میں کھیل رہا ہے۔ غرض یہ کہ تقدیر الہی کا مقابلہ فضول ہے، دراصل مقابلہ کرنے والا خود اپنے ہاتھوں مقتضائے تقدیر کو پورا کرتا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے کبھی ہوتا نہ بدنام  
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوچھی  
مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود      حیلۂ فرعون زیں افسانہ بود  
قضا سے گریز کرنے والے نے دشمن سے بچنے کے لئے دروازہ بند کر لیا اور (تماشہ یہ کہ) دشمن گھر ہی میں (موجود) تھا، فرعون کا حیلہ (بھی) اس بات (کے قبیل سے تھا) (۱۲۰/۱)

صد ہزاراں طفل کشت آں کینہ کش      وانکہ اُو می جُست اندر خانہ اش  
اُس کینہ والے نے (بنی اسرائیل کے) لاکھوں بچے مروا ڈالے اور جس کو (قتل کرنے کے لئے وہ تلاش کرتا تھا وہ) (خود اس کے گھر میں موجود تھا)۔ (۱۲۰/۱)

در توکل تکیہ بر غیرے خطاست

(توکل میں غیر پر بھروسہ غلط ہے)

پس بدانکہ کسب ہا از ضعف خاست      در توکل تکیہ بر غیرے خطاست  
پس جان لے کہ کوششِ ضعفِ اعتقاد سے پیدا ہوتی ہیں، توکل میں غیر پر بھروسہ غلط ہے۔ (۱۱۹/۱)

اس شعر میں بیان کیا جا رہا ہے کہ توکل تمام ذرائعِ رزق سے افضل ہے۔ توکل سے بہتر رزق کا کوئی ذریعہ نہیں بلکہ یہاں تک بیان کر رہے ہیں کہ کسب کوئی فطری و ضروری امر نہیں ہے بلکہ اس کا رواج یوں پڑا ہے کہ لوگ روحانی کمزوری کے سبب توکل کے معتقد نہیں ہوئے تھے تو قدرت نے اُن کے لئے روزی کے اکتساب کا حیلہ نکالا جو اُن کی استعداد کے مطابق ہو، ورنہ کافی عرصہ تک بلا اسبابِ روزی دی جاتی رہی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح مریض کو اگر کڑوی دوائی اچھی نہ لگے تو اس کو پلانے کے لئے اُس میں قند ملا دی جاتی ہے تاکہ وہ اُس کو پی لے، اس طرح کسب بھی تدبیر ہے۔

تقدیر کے سامنے تدبیر بھی کوئی کام نہیں کرتی

بس گریزند از بلا سوئے بلا      بس چند از مار سوئے اژدہا

بہت سے غیر متوکل لوگ (ایک) بلا سے بھاگتے ہیں تو دوسری (اس سے بڑی) بلا کی طرف جا نکلتے ہیں، (اسی طرح) بہت سے لوگ سانپ سے بھاگتے ہیں (تو) اژدہ کی طرف جا پہنچتے ہیں۔ (۱۱۹/۱)



تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی اور اسی طرح قضا سے بچنے کے لئے کوئی تدبیر کرنا خود قضا کی طرف چلنا ہے۔ انسان معنی و تدبیر کرتا ہے لیکن تقدیر اُس کے کام پر پانی پھیر دیتی ہے۔ انسان تمام اسباب و ذرائع سے دستبردار ہو جائے اور توکل و تسلیم کے رُعم میں اُس بلا کو دور کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ جان دیدے، حالانکہ مہالک سے پرہیز، خطرات سے بچاؤ، دشمن کی مدافعت یہ سب تقاضائے عقل ہیں۔ یہ کوئی قضا سے گریز نہیں اور نہ توکل کے خلاف ہے۔ محتاط آدمی جو قضا پر ایمان رکھتا ہے جب وہ کسی بلا سے بچنے کے لئے کوشش کرتا ہے تو لوگ اُسے طعنہ دیتے ہیں کہ وہ قضا سے بھاگتا ہے، حالانکہ وہ قضا سے بھاگتا ہے، نہ بھاگ سکتا ہے بلکہ اچھے اچھے بزرگانِ دین نے دشمن سے بچنے کے لئے دوستِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہنا اختیار کیا۔ اسی طرح حضور ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جس طرح بلا و مصیبت خدا کی بنائی ہوئی ہے، اسی طرح اس سے بچنے کے اسباب بھی خدا نے بنائے ہیں۔

در توکل کسب و جہد اولیٰ ترست

(توکل میں سعی و کسب کرنا بہتر ہے)

یہاں توکل میں کسب اور کوشش کو اختیار کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے دوست بن جاؤ۔ سعی و کسب کے بارے میں قرآن و حدیث میں بھی زور دیا گیا ہے۔ قرآن (سورۃ النجم آیت ۳۹) میں ہے ”لَئِنْ سَأَلْتَهُ إِلَّا مَا مَعْنٰی“۔ ”نہیں ہے انسان کے لئے مگر جو کوشش کرے۔“ حدیث پاک ہے ”اَلْكَاسِبُ حَبِيبُ اللّٰهِ“۔ حلال روزی کمانے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوشش اور کسب انسان کے لئے کتنا اہم ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک عربی کو دیکھا کہ اُس نے اپنا اونٹ مسجد کے دروازے پر بٹھا دیا اور کہا ”تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ“ یعنی اس کی حفاظت کے لئے اللہ پر توکل کرتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”تَوَكَّلْ کے ساتھ اس کا زانو بھی باندھ دو۔“ جس کا مقصد یہ ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے اسباب ظاہری کو بھی کام میں لاؤ اور توکل بھی کرو۔ اسباب ظاہری توکل کے خلاف نہیں ہیں، لہذا کسب کے ساتھ توکل کرو، کوشش کے ساتھ توکل کرو۔ صحیح توکل یہ ہے کہ استعمال اسباب کے ساتھ حافظِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو سمجھو۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ۷

در توکل کسب و جہد اولیٰ ترست تا حبیب حق شوی این بہتر ست

(۱۱۹/۱) توکل میں کسب اور کوشش بہتر ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے پیارے بن جاؤ، یہ بہت اچھی بات ہے۔

جہد کن جدّے نما تا واری

(جب تک خلاصی نہ ملے جہد کرتے رہو)

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و قدرت سے اسبابِ معیشت اور وجوہ اسباب کو مقرر فرمایا ہے، اُن کو اختیار کرنا آدمی

کی ذمہ داری ہے اور اُن سے بے خبر رہنا آدمی کی حماقت ہے۔ اسی طرح امام غزالیؒ نے ایک واقعہ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ایک زاہد نے تمام اسباب ترک کر کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ایک غار میں ڈیرہ لگایا، جہاں ایک ہفتہ بھوک کاٹنے کے بعد جب وہ تنگ ہو گیا تو اُس نے دعا کی کہ الہی! تُو نے جو رزق میرے لئے مقرر کیا ہے یا وہ مجھے دے دے یا موت دے دے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ترک دنیا سے ہماری حکمت کو توڑ دو اور کیا تم جانتے نہیں کہ ہمیں اپنے دستِ قدرت سے اپنے بندے کو رزق دینے سے، اپنے بندوں کے ہاتھوں دلانا زیادہ محبوب ہے۔ امام مہدویؒ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ تمام اسباب کو ترک کر دینا حکمتِ الہیہ سے مقابلہ کرنا ہے اور سنت اللہ کو کچھ نہ سمجھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ خود کسب کر کے کھاؤ کیونکہ کسب اللہ تعالیٰ کو ایسے غیب کی روزی دینے سے زیادہ عزیز ہے۔ جدوجہد کے متعلق مولانا رومؒ کا قول ہے کہ ۷

جہد کن چدے نما تا وا رہی      گر تو از جہدش بمانی اہلی  
کوشش کر، تدبیر کر، تاکہ (تو) (مشکلاتِ معیشت سے) نجات پائے اور اگر اس (حکیم مطلق اور قادرِ برحق) کے  
مقرر کیے ہوئے (جدوجہد سے تو) (قاصر) رہ گیا تو احمق ہے۔ (۱۱۹/۱)



## عبادتِ نماز و روزہ

نماز و روزہ کو اسلام کے اہم ارکان ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ماہِ رمضان تو سال میں ایک بار ہی آتا ہے مگر نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں ہر مسلمان کو روزانہ پانچ مرتبہ اللہ کے دربار میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ ایک دن میں پانچ بار اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا حکم صرف نماز کی بابت ہی دیا گیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے تمام ارکان سے زیادہ نماز کے رکن کو ہی اہمیت حاصل ہے۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ مطلوب ہو تو ہماری تصانیف ”حُسنِ نماز“، ”نشانِ منزل“ اور ”اقامتِ صلوٰۃ“ کا مطالعہ بہت سودمند ہوگا کیونکہ ان کتب میں یہ خوبی ہے کہ ان کے مضامین پوری تفصیل کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں اور قارئین کو ان کا طرزِ تحریر نہایت دل چسپ اور موثر انداز میں مل سکتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کتابوں کو عوام کے لئے شائع کیا گیا ہے، لہذا معمولی تعلیم والے حضرات بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں اور ان کی قیمت اتنی کم رکھی گئی ہے کہ غریب سے غریب شخص بھی اس کو خرید سکتا ہے اور اگر مصنف کے گھر سے ان کو خریدا جائے تو تمام کتب پر چالیس فیصد رعایت مل سکتی ہے۔ مذکورہ بالا کتب کے مطالعہ سے نماز کے متعلق اور روزہ کے متعلق بھی مکمل تفصیل حاصل کی جاسکتی ہے۔

زیرِ نظر تحریر میں نماز پر مولانا کے چند اشعار کے ساتھ ساتھ مختصر مگر جامع معلومات دی جا رہی ہیں اور روزے پر بھی کچھ بیانات شامل کر دیئے گئے ہیں۔

## نماز کی اہمیت کے متعلق کچھ نکات

اپنی افادیت کی بناء پر اسلام کے تمام ارکان بہت اہمیت رکھتے ہیں مگر نماز کو ان سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ نماز کو دین کا ستون کہا گیا ہے، نماز کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ تمام فرائض اسلام، مثلاً حج، زکوٰۃ، صیام وغیرہ کے احکام جب نازل ہوئے تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف آیات نازل فرمائیں اور ان آیات کے ذریعے اُن کو فرض قرار دیا مگر نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کو معراج میں بلا کر حکم دیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ حسن بھریؒ نے فرمایا کہ نمازی کے لئے تین خصوصی عزتیں ہیں: (جو احادیث میں بھی وارد ہیں) ایک یہ کہ جب انسان نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو سر سے لے کر آسمان تک اس پر رحمت کی گھٹا چھا جاتی ہے اور نیکیاں بارش کی طرح برتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ فرشتے نمازی کے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں اور اُس کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ جب مسلمان نماز کی نیت باندھتا ہے تو رب العالمین کی تجلیات سامنے آ جاتی ہیں اور ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے نمازی! اگر تُو دیکھ لے کہ تیرے سامنے کون ہے اور تُو کس سے یہ تمام باتیں کر رہا ہے (اِنَّكَ نَعْبُدُ وَاِنَّكَ نَسْتَعِينُ) تو خدا کی قسم! تُو قیامت تک نماز سے سلام نہ پھیرے اور نماز کی حالت میں ہی مر جائے اور کبھی بھی بس نہ کرے۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے دن جب نمازیوں کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا تو سب سے پہلے ایک جماعت جنت میں جائے گی، جن کے چہروں کی چمک سورج کی طرح ہوگی۔ فرشتے اُن سے پوچھیں گے کہ تم کون لوگ ہو اور دنیا میں کیا عمل کرتے رہے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم مسلمان ہیں اور نماز کی حفاظت کرنا ہمارا عمل تھا۔ فرشتے پوچھیں گے کہ کس طرح حفاظت کرتے تھے؟ جواب دیں گے کہ ہم نماز سے پہلے ہی مسجد میں آ کر بیٹھ جاتے تھے۔ اس جماعت کے بعد ایک اور جماعت جنت میں داخل ہوگی جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے، ان سے پوچھا جائے گا تو جواب دیں گے کہ ہم اذان سے پہلے با وضو ہو کر بیٹھ جایا کرتے تھے اور اذان سنتے ہی مسجد میں پہنچ جایا کرتے تھے۔ تیسری جماعت کے چہرے ستاروں کی طرح چمکدار ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اذان سن کر وضو کرتے اور مسجد میں پہنچ جاتے اور تکبیر اولیٰ کا خیال رکھتے تھے۔

اسی طرح اہل ایمان جب قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں آئیں گے تو اُن کی عجیب شان ہوگی، اُن کے آگے بھی نور ہوگا اور اُن کے دائیں جانب بھی نور ہوگا۔ (اس کی روشنی چاروں طرف ہوگی) یہ نور قوتِ ایمان اور اعمالِ حسنہ کے مطابق ہوگا۔ احادیث میں ہے کہ بعض مومن ایسے ہوں گے، جن کے نور سے مدینہ اور عدن کی لمبی مسافت جگمگا رہی ہوگی، بعض کے نور سے مدینہ اور صنعاء یمن کا درمیانی علاقہ روشن ہو رہا ہوگا اور بعض کے نور سے اُن کے قدم رکھنے کی جگہ روشن ہوگی۔ کچھ احادیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ذکر کرنے والوں کا نور اس قدر زیادہ ہوگا کہ اس کے سامنے چاند سورج اور ستاروں کی روشنی ماند پڑ جائے گی۔



## نماز ہی اصل عبادت ہے

عبادت کا معنی تذلل ہے، یعنی اللہ کے لئے حد درجہ اور انتہائی عاجزی اختیار کرنا کہ اس سے بڑھ کر عاجزی اور نہ ہو سکے۔ عبادت کا اصل مفہوم نماز ہی میں ہے، چونکہ اللہ کے لئے عزت کی انتہا کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں، چنانچہ (عزیز مطلق کے سامنے) انتہائے عبادت سے مراد ذلیل مطلق ہو جانا ہے۔ اگر اس مفہوم کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یوں تو تمام عبادتوں میں اصل بات اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے مگر نماز میں جس انتہائی درجے کی عاجزی و انکساری کا اظہار ہوتا ہے وہ کسی اور عبادت میں موجود نہیں کیونکہ اس میں وہ اپنی ہستی کو مٹا کر اپنے سر کو خدا کے سامنے خاک پر رکھ دیتا ہے اور یہی انتہائے عبادت ہے، چنانچہ عاجزی کا اصل مفہوم نماز ہی میں پایا جاتا ہے۔ تمام عبادتوں کا نماز کے ساتھ تقابل کریں تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ تمام عبادات نماز میں شامل ہیں اور نماز تمام عبادات کی جامع ہے۔ مولانا رومؒ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ۔

چونکہ با تکبیر ہا مقروں ٹھند ہچھو قرباں از جہاں پیروں ٹھند

وہ اس طرح تکبیر کے ساتھ جہاں سے نکل جاتے ہیں، جس طرح کوئی قربانی کا جانور دنیا سے باہر نکل جاتا ہے۔

(۲۱۰/۳)

اقتداء کردند آں شاہاں قطار درپے آں مقتدائے نامدار

ان شاہوں نے قطار بنا کر اقتداء کی، اُس نامدار مقتداء کے پیچھے۔

(۲۱۰/۳)

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ذکر کے پانی میں سانس کھینچ کر غوطہ لگا لو اور صبر کرو، اس کے بعد تم ذکر کے اس صاف پانی کی پوری کیفیت سر تا پا اختیار کر لو گے۔ جس طرح پانی کے اندر غوطہ مارنے والا کھینچنے کے حملے سے محفوظ رہتا ہے، اسی طرح یاد الہی میں مستغرق ہو جانے والا حواس کے بے ہودہ ادراک سے نجات پا جاتا ہے۔

معنی تکبیر ایں ست اے ایم کالے خدا پیش تو ما قرباں ٹھدیم

اے امام! تکبیر کے معنی یہ ہیں کہ الہی ہم تیرے آگے قربان ہو گئے۔

(۲۱۰/۳)

وقت ذبح اللہ اکبر میکنی ہنجنیں در ذبح نفس کشتنی

گوئی اللہ اکبر و آں شوم را سریر تا وا رہد جاں از فنا

تم جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ اکبر کہتے ہو، اسی طرح اس کی گردن زنی کے لئے یعنی نفس کے ذبح کرنے میں (نماز کے وقت) اللہ اکبر کہو اور اس منحوس کا سر کاٹ ڈالو تا کہ جان تکلیف سے چھوٹ جائے (نفس سرکش کو کچلنا ہو تو سر بسجود ہونا یعنی اس سگ کو مصلے پر حلال کرنا اچھا ہے۔

(۲۱۰/۳)

تن چوں اسلعلیل و جاں ہچھوں خلیل کرد جاں تکبیر بر جسم غلیل

بدن حضرت اسلعلیل علیہ السلام کی مثل ہے اور روح حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کی مثل ہے (جس طرح

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری رکھ دی تھی) اسی طرح روح نے شاندار جسم (کی لذات) پر تکبیر پڑھ دی۔

نماز و روزہ کی عبادت سے نہ صرف آخرت بلکہ دنیا کے حالات بھی سنور جاتے ہیں دین سے دُوری کی وجہ سے ہمارے مسلمان اُن باتوں سے قطعاً بے بہرہ ہیں، جن کا اعلان اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے کھلے الفاظ میں کیا ہے۔ ان میں سب سے بڑا وعدہ جو قابلِ غور ہے، وہ یہ ہے کہ اگر تم اللہ کی تابعداری میں لگ جاؤ تو یہ تمام دنیا تمہاری تابعدار ہو جائے گی (اللہ تعالیٰ نے دنیا کو جب پیدا کیا تو دنیا کو اس بات کا حکم دیا کہ اے دنیا! جس کو تو میرا تابعدار دیکھے، تو اس کی تابعدار ہو جانا۔) اس وعدے کو ہم نے اور دیگر لوگوں نے بالکل صحیح پایا۔ وہ روایت حسبِ ذیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی مشکلات کو رفع کرنے کے لیے بہت سے قوانین وضع کیے ہیں، جن کا ذکر اس کتاب کے آخری باب میں کر دیا ہے مگر انسان ان کی پرواہ نہیں کرتے۔ حضرت امام شعرانیؒ نے ”طبقات الکبریٰ“ میں حضرت امام جعفر صادقؑ کا حسبِ ذیل قول نقل کیا، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر انسان خدا کی تابعداری کرے تو یہ کائنات اس کی تابعدار ہو جائے گی۔

أَوْحَى اللَّهُ إِلَى الدُّنْيَا أَنْ أَخْدَعِي مَنْ خَدَعَنِي  
وَأَتَّبِعِي مَنْ خَدَعَكَ. (طبقات الکبریٰ، ص ۵۰)  
اللہ تعالیٰ نے دنیا پر وحی فرمائی کہ تو اس کی خدمت کر  
جو میری تابعداری کرے اور اس کو تھکا دے جو تیری  
تابعداری کرے۔

اس کے علاوہ چند قوانین الہی نیچے درج کیے جا رہے ہیں، جن کو اکثر مسلمان قطعاً نہیں جانتے، اگر ان قوانین کو سمجھ لیا جائے تو انسان کے تمام غم دور ہو جائیں اور مسلمان کا قومی تشخص بھی بڑھ جائے۔ وہ قوانین حسبِ ذیل ہیں :-

- ۱۔ جو اللہ کا ہو گیا، اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ (کشف الاسرار)
- ۲۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے تو دنیا کی ہر چیز اس سے ڈرتی ہے۔ (احیاء علوم الدین، ج ۴، ص ۱۴۱)
- ۳۔ اگر تم نے توبہ کر لی اور عملِ صالح کئے تو تم کو دنیا کی بادشاہی (بالادتی) دے دی جائے گی۔ (ہود: ۳)
- ۴۔ اگر تم خدا کا شکر کرو گے تو خدا تمہیں اور زیادہ دے گا۔ (ابراہیم: ۷)
- ۵۔ اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا تو میں بھی تمہارے دھوکے سے بڑا دھوکہ دوں گا یعنی اگر تم عہد سے پھر گئے تو میں بھی پھر جاؤں گا۔

- ۶۔ اگر تم علمِ دین حاصل کرو گے (جس میں تمام علوم شامل ہیں، جو دین کے لئے حاصل کیے جائیں) تو اس کے بدلے تمہیں دولت، عزت اور حکومت بھی عطا کی جائے گی۔ (جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۱، ص ۲۰۴ موضحاً)
- ۷۔ تم ہی سب پر غالب آ جاؤ گے اگر تم مومن ہو۔ (آل عمران: ۱۳۹)
- ۸۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے (یعنی بذریعہ تبلیغ تم لوگوں کو بُرائی سے ہٹا کر نیکی اور نجات کی طرف لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ



تمہارے ذاتی کاموں میں تمہاری مدد کرے گا) یعنی جو لوگ یہ کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دنیاوی کاموں میں اُن کی مدد کرے گا۔ (محمد: ۷ توضیحاً)

۹۔ جو اللہ کے دین کی خدمت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کہتا ہے کہ تم ہماری خدمت کرو، تمہارا رزق ہمارے ذمے ہے اور اللہ تعالیٰ نیکوں کو دوست رکھتا ہے اور خود اُن کے دنیاوی اخراجات کی کفالت کرتا ہے۔ (قوت القلوب)

۱۰۔ جو اللہ سے دوستی کرے گا اللہ اس سے دوستی کرے گا۔ (المائدہ: ۹۴۔ مفہوماً)

۱۱۔ جو اللہ کا ذکر کرے گا، اللہ تعالیٰ بذاتِ خود اس کا ذکر اپنی تنہائی میں یا فرشتوں کی مجلس میں کرے گا۔ (بخاری رقم الحدیث ۷۴۰۵)

۱۲۔ جو اپنی مرضی یا خواہشات کو اللہ کے لئے ترک کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی مرضی کو اس بندے پر چھوڑ دے گا۔ (روایت رابعہ بصری)

۱۳۔ اللہ اللہ کرنے والوں کی زبان اللہ تعالیٰ کی زبان بن جاتی ہے اور اُن کا ہر کام اللہ تعالیٰ اپنے ذمے لے لیتا ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۶۵۰۲)

اگر قرآن اور حدیث کا مطالعہ کریں تو اللہ تعالیٰ کی بندوں کے لئے اور بھی بہت سی عنایتوں، مہربانیوں اور عطاؤں کا ذکر ملتا ہے، جب اللہ نے مذکورہ بالا قوانین انسان کی بہتری کے لئے وضع کئے ہیں تو انسان ان وعدوں پر اعتبار کیوں نہیں کرتا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ میری تابعداری کرو تو دنیا تمہاری تابعدار ہو جائے گی تو پھر تابعداری میں کیا مشکل ہے؟ تابعداری میں صرف اتنی بات ہے کہ کبیرہ گناہ نہ کرو اور نماز و روزہ جیسی چیدہ چیدہ عبادات ادا کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے حج اور زکوٰۃ کو لوگوں کی استطاعت پر چھوڑا ہے، بس اتنی سی بات پر خدا راضی ہو جاتا ہے، مگر انسان خدا کی بات کو چھوڑ کر دنیا کو راضی کرنا چاہتا ہے جس میں اس کو کوئی فائدہ نہیں اور محنت بھی زیادہ کرنا پڑتی ہے۔ دنیا کو راضی کرنے کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا بہت آسان ہے، آزما کے دیکھ لو، پھر کیوں خدا کی طرف دھیان نہیں کرتے؟

## رمضان المبارک کے متعلق اہم نکات

ماہ رمضان کا نام اللہ تعالیٰ نے اپنے نام پر رکھا ہے کیونکہ رمضان اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اس وجہ سے ماہ رمضان کے معنی ہوئے ”اللہ کا مہینہ“ صوم کے معنی چپ رہنے یا خاموشی کے ہیں کیونکہ اس مہینے میں ہر انسانی خواہش کو ساکت یا خاموش کر دیا جاتا ہے، اس مہینے میں جائز اور حلال چیزوں پر بھی پابندی لگا دی جاتی ہے۔ رمضان کا نام رمض سے لیا گیا ہے، جس کے معنی گرمی یا جلنے کے ہیں۔

حضور ﷺ نے خطبہ فرمایا کہ تم پر ایک عظیم المرتبت اور برکتوں والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار راتوں سے افضل ہے، اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک فرض ادا کیا تو اس کا ثواب ستر (۷۰)

گناہ ہوگا اور ایک نفل کا ثواب فرض کے برابر ہوگا۔ اس مہینے میں دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔  
(الترغیب والترہیب، ج ۲، ص ۵۷)

روزے کی غایت تقویٰ ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۸۳ میں ہے کہ ”روزے اس لئے فرض کئے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“ چنانچہ روزے کے بغیر تقویٰ ممکن نہیں۔ تقویٰ تو ہر گناہ کو ترک کرنے سے مل جاتا ہے مگر رمضان میں مباح چیزوں کا ترک بھی تقویٰ ہے۔

### وہ رمتیں جو صرف رمضان کا خاصہ ہیں

رمضان کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس میں رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے کیونکہ اس میں مغفرت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ رمضان کا آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے۔ اس ماہ میں نزولِ قرآن ہوا۔ اس کی ایک رات لیلۃ القدر ایسی ہے کہ اس میں کی جانے والی عبادت پر ہزار مہینوں کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ اس ماہ میں صلوٰۃ التراويح پڑھی جاتی ہیں۔ آخری ہفتہ میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ (علی الکفایہ) ہے، جس سے مختلف کو بے شمار فوائد ملتے ہیں (تفصیل کے لئے ہماری مذکورہ کتب کا مطالعہ فرمائیں)۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قرآن اور رمضان اللہ تعالیٰ سے بندے کے لئے بخشش اور شفاعت طلب کریں گے اور اُن کی شفاعت قبول ہوگی۔ (الصَّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ) (مشکوٰۃ رقم الحدیث ۱۹۶۳)

مولانا رومؒ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ اسلامی عقیدہ اور باطن کی اصلاح پر گواہی دیتے ہیں، یعنی تمام عبادات مسلمان کے اعتقاد اور عقیدہ کی شہادت دیتی ہیں۔

ایں نماز و روزہ و حج و جہاد ہم گواہی دادنت از اعتقاد  
یہ نماز، روزہ، حج اور جہاد بھی عقیدہ پر گواہی دینا ہے۔ (۳۱/۵)

ایں زکوٰۃ و ہدیہ و ترکِ حسد ہم گواہی دادنت از ہرّ خود  
یہ زکوٰۃ، ہدیہ اور حسد نہ کرنا بھی اپنے باطن پر گواہی دینا ہے۔ (۳۱/۵)

گوہرے دارم ز تقویٰ یا سخا میں جو ہر رکھتا ہوں تقویٰ کا یا سخاوت کا، یہ زکوٰۃ اور روزہ دونوں کے گواہ ہیں۔  
ایں زکوٰۃ و روزہ ہر دو گوا (۳۱/۵)

روزہ گوید کرد تقویٰ از حلال با حرامش داں کہ نبود اتصال  
روزہ کہتا ہے کہ اُس نے حلال سے پرہیز کیا، سمجھ لے کہ حرام سے اس کا اتصال نہ ہوگا۔ (۳۱/۵)

چنانچہ رمضان کے مہینے میں مغفرت الہی جوش میں آتی ہے اور بے شمار لوگوں کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے اور جو اس ماہ میں مغفرت طلب نہ کرے تو وہ حضور ﷺ کی رحمت سے دُور ہوگا۔

رمضان کے روزوں میں انسان کے نفس اور رُوح کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔ بھوک میں بے بہا کمالات



ہیں۔ اس ماہ میں ابلیس کو قید کر دیا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی عبادت کے اجر میں بے پناہ اضافہ کر دیا جاتا ہے اور قبولیت دعا کے امکانات بہت زیادہ ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں۔

### روزے اور نماز کے باعث خطائیں معاف ہوتی ہیں

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر شکاری دانہ پھینکتا ہے تو شکار پر شفقت اور رحمت کرنے کے لئے نہیں بلکہ شکار کو پکڑنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ بلی اگر کسی جانور پر داؤ لگا کر بالکل خاموش ہو کر روزے دار کی طرح بیٹھی ہے اور نا تجربہ کار کو یہ تاثر دے رہی ہوتی ہے کہ وہ سوئی ہوئی ہے لیکن شکاریوں کے دانہ پھینکنے کی سخاوت اور بلی کا روزہ داروں کی طرح شکار کے لئے چپ رہنا خلیوں کی سخاوت کو اور روزے داروں کے روزوں کو بدنام کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دھوکے بازوں کی حرکتوں کو معاف کر دیتا ہے تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی غفاری ظاہر ہو جائے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روزے دار اور عبادت گزار کبھی اپنے نفس کی اتباع میں غلط حرکات کر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر بھی ان کے نیک اعمال کے صدقے ان کو معاف کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ (الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ) روزے اور قرآن شفاعت کریں گے۔ (الترغیب والترہیب، ج ۲، ص ۵۰)

ہست صیاد آر کند دانہ نثار  
نے زرم وجود بل بہر شکار  
(۳۲/۵) شکاری اگر دانہ بکھیرتا ہے، رحم اور سخاوت کی وجہ سے نہیں بلکہ شکار کرنے کے لئے۔

ہست گر بہ روزہ دار اندر صیام  
خفتہ کردہ خولیش بہر صید خام  
(۳۲/۵) بلی روزہ دار ہے روزوں میں، نا تجربہ کار شکار کے لئے اپنے آپ کو سلائے ہوئے ہے۔

کردہ بدظن زیں کشری صد قوم را  
کردہ بدنام اہل جود و صوم را  
(۳۲/۵) اس کچی سے اس نے سیکڑوں قوموں کو بدظن کر دیا، اس نے خلیوں اور روزہ داروں کو بدنام کیا۔

سبق بردہ رحمتش داں غدر را  
دادہ ثورے کہ نباشد بدر را  
(۳۲/۵) اس کی رحمت سبقت لے گئی اور اُس غدار کو وہ ثور عطا کیا جو چودھویں کے چاند میں نہیں ہوتا ہے۔

کوششش را سستہ حق زیں اختلاط  
غسل دادہ رحمت او را زیں شُباط  
(۳۲/۵) اس خلطِ ملط سے (اللہ تعالیٰ) نے اس کی کوشش کو دھو دیا، رحمت نے اس کو اس خطی پن سے غسل دیدیا۔

تا کہ غفاری او ظاہر شود  
سیات جملہ را غافر شود  
(۳۲/۵) تاکہ اس کی غفاری ظاہر ہو جائے، تمام گناہوں کو بخشنے والی بن جائے۔

فضل حق با ایں کہ او کشر می تند  
عاقبت زیں جملہ پاکش می کند  
(۳۲/۵) باوجودیکہ وہ کچی کر رہا ہے، اللہ کا کرم انجام کار ان سب سے اس کو پاک کر دیتا ہے۔

## چوالیسواں باب

### دُعا

اے خدا درمانِ کارِ من رساں

(اے خدا میرے کام کا علاج کر دے)

دُعا کے فلسفے کو سمجھنا بہت مشکل اور محنت طلب امر ہے۔ سب سے پہلے دُعا کے متعلق قرآن اور حدیث کے فرمودات کا علم ہونا نہایت ضروری ہے۔ ان تمام تفصیلات کو اس جگہ مہیا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ پہلے ہی ہمارا وہ طویل بیان، جو ہم تقریباً ۱۲۰ صفحات پر مشتمل اپنی تصنیف ”حسنِ نماز“ میں تحریر کر چکے ہیں اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو دُعا کے موضوع پر بذاتِ خود ایک مکمل سبق ہے۔

مولانا روٹی کے فلسفہ دُعا کا مطالعہ کرنے سے پہلے دُعا کے متعلق چیدہ چیدہ معاملات کو ذہن نشین کرنا بہت ضروری ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبتوں کو رفع کرنے کے لیے ایک زریں نسخے کے طور پر انسانوں کو کہا ہے کہ مجھ سے مانگو، میں دُعا سنتا ہوں مگر اس کی قبولیت کے لئے چند شرائط ہیں کہ بندہ مسلمان ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو مانتا ہو، خدا کی ناراضگی کے افعال کا مُرتکب نہ ہو۔ دُعا کی قبولیت میں دُعا مانگنے کا طریقہ، درست عقائد، نیک اعمال اور خدا کو منانے کے ڈھنگ کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد چھ ایسے عناصر بیان کرنے میں آتے ہیں کہ جن کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو دُعا جلدی قبول ہونے کا امکان ہے۔ وہ عناصر حسبِ ذیل ہیں :



- ۱۔ نیک اعمال کے وسیلہ سے دُعا کرنا
- ۲۔ کسی بزرگ ہستی سے دُعا کرانا
- ۳۔ اسمِ اعظم کے ذریعے دُعا کرنا
- ۴۔ قبولیت کے اوقات میں دُعا کرنا
- ۵۔ کسی متبرک مقام پر دُعا کرنا
- ۶۔ توبہ و استغفار کی کثرت کرنا

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے کسی نے پوچھا، کیا بات ہے کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ آپ نے جواب میں یہ نو (۹) نکات بیان کیے، جن کا لب لباب یہ ہے کہ تم لوگ خدا، رسول ﷺ، قرآن، موت، قیامت اور جنت و دوزخ کو مانتے ہو مگر تمہیں ان پر یقین نہیں اور تمہارے اعمال ان سب کو نہ ماننے کے برابر ہیں۔ اس کے علاوہ تم اللہ کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے، شیطان کا مقابلہ نہیں کرتے، مردوں کے دفن کے بعد عبرت حاصل نہیں کرتے، اپنے عیبوں کی بجائے دوسروں کے عیبوں پر نظر کرتے ہو۔ قرآن اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو جاتا ہے، چنانچہ جس نے اپنے عمل سے اللہ کو اپنا بنا لیا تو پھر اس کی ہر دُعا قبول ہوتی ہے یا کم از کم بیشتر دعائیں دنیا میں ہی منظور ہو جاتی ہیں۔ مختصر یہ کہ جو اللہ کے ساتھ ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ٹھیک سلوک کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ۔

مردِ مومن با خدا دارد نیاز  
با تو ما سازیم تو با ما بساز  
مردِ مومن خدا سے یہ رغبت یا راز و نیاز رکھتا ہے کہ ہم تمہارے (یعنی خدا کے) ساتھ بنا کر رکھیں گے اور تو ہمارے (اقبالؒ) ساتھ بنا کر رکھ۔

مولانا روٹیؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حسبِ ذیل الفاظ میں بیان کیا جا رہا ہے، گو آپ کا کلام طویل ہے لیکن چند ایک اشعار پر قناعت کی جائے گی۔

### ہر دُعا کا ہر حالت میں قبول ہونا ضروری نہیں

ہر دُعا ہر زبان سے اور ہر حالت میں قبول ہو جانی ضروری نہیں، اس کے متعلق حدیثِ پاک میں بیان ہے ”وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ الدُّعَاءَ مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ“ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ غافل دلوں کی دُعا قبول نہیں کرتا (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۴۷۹) مثنوی میں بزرگوں سے دُعا کروانے کے متعلق بہت اشعار قابلِ مطالعہ ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ۔

گرچہ درماں جوئی و گوئی بجاں  
کائے خدا درماں کارِ من رساں  
اگرچہ تو علاج تلاش کرے اور دل سے کہے کہ اے خدا! میرے کام کا علاج کر دے۔ (۷۵/۲)  
لیک زماں درماں نہ بینی رنگ و بو  
بہر دردِ خویش بے فرمان او  
لیکن تو اس علاج کا رنگ و بو نہیں دیکھے گا، اس کے حکم کے بغیر اپنے درد کے لئے۔ (۷۵/۲)

## فائدہ مند دُعا ہی مقبول ہوتی ہے

عام طور پر آدمی دُعا کرتا ہے لیکن قبولیت کے آثار اس کو دکھائی نہیں دیتے، بعض اوقات وہ دُعا اس کے لیے بہتر نہیں ہوتی اور وہ شخص نہیں جانتا کہ وہ خود اپنے لیے ایک بُلا چاہتا ہے اور حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے اس دُعا کو اس کے حق میں مقبول نہیں کیا۔ مال و جاہ کی محبت سے دُست بردار ہو کر خاص خدا سے محبت رکھنی چاہیے اور اسی پر پورا بھروسہ رکھنا لازم ہے۔ وہ کوئی کام تمہاری مرضی کے خلاف بھی کرے تو اس پر ناخوش ہونا مناسب نہیں کیونکہ وہ خداوند تعالیٰ ہے اور ہمارے تمہارے فوائد و مصالح کو خوب جانتا ہے، اگر ہماری دُعا قبول نہ بھی کرے تو بھی سبحان اللہ اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی، بہر حال دُعا کے اجر سے دُعا کرنے والا پھر بھی محروم نہیں رہتا کیونکہ نامقبول دُعا کا اجر آخرت میں ملتا ہے۔

بس دعاہا کاں زیانست و ہلاک  
از کرم مے نشود یزدان پاک  
بہت سی دعائیں جو نقصان اور ہلاکت کا باعث ہیں، اللہ پاک ان کو کرم کی وجہ سے قبول نہیں کرتا ہے۔ (۲۷/۲)  
مصلح ست او مصلحت را داند او  
کاں دعا را باز می گرداند او  
(تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ (یعنی خداوند تعالیٰ) بہتری کرنے والا ہے اور مصلحت کو جانتا ہے (جو کسی نہ کسی مصلحت کی بناء پر) اس دُعا کو (غیر مقبول) لوٹا دیتا ہے۔ (۲۷/۲)

واں دعا گویندہ شاکِ می شود!  
می برد ظنِ بد و آں بد بود!  
دُعا کرنے والا شاکِ ہوتا ہے، بُرا گمان کرتا ہے اور یہ بدگمانی بُری چیز ہے۔ (۲۷/۲)  
شکر حق را کاں دعا مردود شد  
من زیاں پنداشتم آں سود شد  
اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ دُعا مردود ہوگئی، میں نے نقصان سمجھا تھا وہ نفع ہوگئی۔ (۲۷/۲)

## تضرع والی دُعا فوراً قبول ہوتی ہے

در دلدل اور رقت قلبی کا کرشمہ دیکھو کہ ایک ریچھ حیوان لا یعقل کے نالہ و فغاں میں یہ جوہر موجود ہے کہ وہ بھی رحم و کرم سے مستفید ہوتا ہے۔ وہ بھی انسان کے رحم و کرم سے جس کو ریچھ سے کوئی انس اور ہمدردی ہونی لازم نہیں اور جب انسان اشرف المخلوقات کی گریہ و زاری اس جوہر سے خالی ہو تو اس پر بھی رحمت متوجہ نہیں ہوتی وہ بھی حق تعالیٰ کی جو ارحم الراحمین ہے، اگر انسان کی آواز دعا میں ذرا بھی تضرع و عجز ہو تو کیوں حق تعالیٰ کی رحمت نازل نہ ہو۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ۔

چونکہ نالہٴ بخرس رحمت کش بود  
نالہٴ ات نبود چنیں ناخوش بود  
جب ریچھ کی گریہ و زاری جاذبِ رحم ہے (اور) تیری گریہ و زاری (ایسی) نہیں (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) یہ (تیری)



(۱۹۵/۲)

گر یہ وزاری قابلِ نفرت ہے۔

## مظلوم کی دُعا

بیہقی نے پانچ دعاؤں کا ذکر کیا ہے کہ جنہیں اللہ فی الفور قبول فرماتا ہے۔ ایک مظلوم، دوسرا حاجی جب تک گھر نہ آجائے، تیسرا جہاد کرنے والا جب تک فارغ نہ ہو، چوتھا بیمار جب تک اچھا نہ ہو جائے اور پانچواں مسلمان بھائی کے لیے غائبانہ دُعا۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث ۲۲۶۰)

ابوالعالیہؒ نے ایک دن ہارون رشیدؒ سے کہا کہ مظلوم کی بددُعا سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے رد نہیں کرتا، اگرچہ وہ فاجر ہی ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ اگرچہ وہ کافر ہی ہو۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ ایک روزہ دار کی جب وہ روزہ افطار کرے، دوسری عادل حاکم کی، تیسری مظلوم کی کہ اللہ تعالیٰ اس کو اُبر کے اوپر اُٹھاتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۳۳۸) ابو داؤد ابن ماجہ اور ترمذی میں اس طرح بھی ہے کہ تین دعائیں قبول کی جاتی ہیں، اُن کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ایک باپ کی، دوسری مسافر کی، تیسری مظلوم کی۔ اختصار کی خاطر مولاناؒ کے اشعار شامل نہیں کیے جا رہے ہیں۔

## دل برداشتہ درویش کی دُعا

حضرت داتا گنج بخشؒ نے ”کشف المحجوب“ میں کرامات اولیاء کے باب میں لکھا ہے کہ حضرت ذوالنون مصریؒ نے مصر سے جدہ کے سمندری سفر میں کشتی پر ایک درویش کو دیکھا، جس کی ایک ساعت بھی یادِ الہی سے غافل نہ تھی اور اس کے چہرے پر کثرتِ عبادت سے ایسی ہیبت تھی کہ مجھ میں اس سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک روز اہل کشتی میں سے کسی کا ایک موتی چوری ہو گیا اور انہوں نے اس درویش پر شک کیا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ ان لوگوں کا موتی گم ہو گیا ہے اور وہ آپ پر شک کرتے ہیں تو وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ کہا، جس کو مولانا رومؒ نے یوں تحریر فرمایا ہے۔

گفت یا رب بر غلامت را خساں      مہتمم کردند حکمے در رساں

اے پروردگار! یہ کہینے لوگ تیرے غلام پر تہمت لگاتے ہیں، تو ان پر اپنا حکم صادر فرما۔ (۳۲۷/۲)

يَا غِيَاثِيْ عِنْدَ كُلِّ كَرْبَةٍ      يَا مُعَاذِيْ عِنْدَ كُلِّ شِدَّةٍ

اے ہر مصیبت میں میری فریاد کو پہنچنے والے! اے ہر سختی میں مجھے پناہ دینے والے!

يَا مُجِيبِيْ عِنْدَ كُلِّ دَعْوَةٍ      يَا مُلَاقِيْ عِنْدَ كُلِّ مِحْنَةٍ

اے میری ہر دُعا کو قبول کرنے والے! اے ہر مشقت کے کام میں میری پناہ!

(۳۲۷/۲)

جب اس درویش نے یہ دُعا مانگی تو حضرت ذوالنون مصریٰ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سمندر کی تمام مچھلیاں سطح سمندر پر آگئیں وہ ایک ایک موتی منہ میں لیے ہوئے تھیں۔ اس درویش نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی لے کر اس شخص کو دے دیا، جس کا موتی گم ہو گیا تھا۔ کشتی کے تمام مسافروں نے یہ کمال دیکھ کر اس درویش کی طرف عقیدت مندی کا اظہار کرنا چاہا تو اس نے کشتی سے باہر اپنا پاؤں رکھ کر سمندر کی سطح آب پر چلنا شروع کر دیا۔ اس موتی کو ملاحوں میں سے ایک شخص نے چوری کیا تھا۔ اس نے گھبراہٹ اور خوف میں وہ موتی اس کے مالک کو دے دیا اور اہلیان کشتی شرمندہ ہوئے۔

### دُعا کا قبول نہ ہونا بھی عطائے خدا ہے

اگر اللہ تعالیٰ کوئی دُعا قبول نہ فرمائے تو اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ مَنَعَهُ عَطَاءٌ ۙ یعنی اس کا کسی وجہ سے دُعا قبول نہ کرنا، اس کی عطا ہی ہے۔ کمال اس میں ہے کہ اللہ کی منع کو عطا ہی جانے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

اگر مراد تو اے دوست نامرادیٰ ما است مرادِ خویش دگر بار منِ خواہم خواست

اے اللہ! اگر تیری مراد ہماری نامرادیٰ میں ہے، تو میں اپنی مراد کی درخواست دوسری بار نہیں کرتا۔ (غیر مشنوی)  
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ میں کس حال میں صبح کروں گا۔ آیا ایسی حالت میں جس کو میں پسند نہیں کرتا یا ایسی حالت میں جس کو میں پسند کرتا ہوں کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میرے لیے بھلائی کس حالت میں ہے اور اس بات پر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۶ میں فرمایا گیا کہ ”وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ“ (شاید کہ بُری لگے تمہیں کوئی چیز، حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو)۔ یہیں سے مقام رضا کی ابتدا ہوتی ہے۔ اللہ کی حکمت دیکھئے کہ بندۂ مومن کی جو دُعا قبول نہ ہو تو حق تعالیٰ اس کے قلب کی حفاظت فرما دیتے ہیں اور مطلوب کی طرف خیال پلٹ دیتے ہیں اور جزع و فزع کے بغیر مقام رضا عطا فرما دیتے ہیں۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کی ہر تمنا پوری کی جائے مگر اللہ وہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّى ۝ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ  
وَالْأُولَىٰ - (النجم: ۲۳-۲۵)

”کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے، جس کی

وہ تمنا کرتا ہے، پس اللہ کے دستِ قدرت

میں ہے آخرت اور دنیا۔“

گویا ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس دنیا میں جو ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کے اذن سے ہو رہا ہے۔ کسی اہلِ رضا نے کہا ہے کہ الہی! میری تمنائیں اپنی رضا کے مطابق کر دے۔

### کافر کی دُعا قبول نہیں ہوتی

کافر کی گریہ و زاری اور دُعا و مناجات کا قبول نہ ہونا عدمِ خلوص و تَقَدُّان پر مبنی ہے، عدمِ اسلام پر نہیں اور خود



مولانا کے کلام میں اس کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا، کافر کا رونا خلوص سے خالی ہو تو غیر مقبول ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ رقتِ قلب اور سچے درد سے ہو تو مقبول ہے۔

نالہء کافر چو زشت است و شہین زان نمی گردد اجابت را رفیق  
کافر کا رونا چونکہ (اکثر) بُرا اور گدھے کی آواز کا سا ہوتا ہے، اس لیے قبولیت کا رفیق نہیں بنتا۔ (۱۹۵/۲)

**غریب کا خون چوسنے والے کی دُعا قبول نہیں ہوتی**

کافر لوگ جہنم میں گریاں و نالاں ہو کر پکاریں گے ”رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عَذَابَنَا ظَلِمُونَ“ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس آگ سے نکال پھر اگر ہم ایسا کریں تو ہم قصور وار ہیں ”قَالَ اخْسِئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ دور رہو، اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو (المومنون: ۱۰۸، ۱۰۷) یہ کون لوگ ہیں؟ کافر و مشرک، منکرانِ حق جنہوں نے دنیا اور اسبابِ دنیا کو ہی منہائے مقاصد سمجھا اور دُنیا کے حصول کے لیے غریبوں کا گلا گھونٹنے اور ان کا خون چوسنے سے دریغ نہ کیا۔

اِخْسِئُوْا بِرِزْشْت آواز آمدست کو زخونِ خلق چوں سگ بود مست  
اِخْسِئُوْ (چلو دور ہو، کا تہدید کی کلمہ اسی قسم کی) بد آواز کے بارے میں آیا ہے، جو کتے کی طرح مخلوق کے خون سے مست تھا۔ (۱۹۵/۲)

### استن حنانہ

مسجد نبوی میں ایک کھجور کا تنّا تھا جس کے ساتھ کھڑے ہو کر حضور ﷺ خطبہ جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر شریف تیار ہوا تو وہ ستون آپ کے فراق میں رونے لگا (سنن ترمذی رقم الحدیث ۵۰۵) انسان کو بھی چاہیے کہ وہ اللہ کی رضا کو طلب کرے تو اللہ اس کی بھی سنتا ہے، جس طرح استن حنانہ کی بات کو سنا۔ اس موضوع پر مولانا کے بہت سے اشعار ملتے ہیں، مگر یہاں ایک ہی شعر دیا جا رہا ہے۔

ہر کرا باشد زیزداں کاروبار یافت بار آنجا و بیروں شد زکار  
جس کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو جاتا ہے، اس کا وہاں دخل ہو جاتا ہے اور وہ دُنیا کے کام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (۲۳۱/۱)

### حقوقِ انفس اور حقوقِ العباد کو تلف کرنے سے دُعا قبول نہیں ہوتی

اگر تم حقوقِ انفس اور حقوقِ العباد کو تلف کر رہے ہو تو اجابتِ دُعا ناممکن ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا ہے جو لمبے سفر پر تھا پراگندہ بال، موٹے کپڑوں والا، غبار آلود چہرے والا، آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے، اے میرے پروردگار! اور دُعا کرتا ہے، حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، پینا حرام ہے اور اس کی

پوشاک حرام ہے اور حرام غذا پاتا ہے اس کی دُعا کب مقبول ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۳۳۶)

دائکہ یا یوسف تو گرگی کردہ  
یا زخون بیگناہے خوردہ  
توبہ کن وز خوردہ استغراغ کن  
ور جراحت کہنہ شد رو داغ کن

اور سمجھ لے کہ تم نے یوسف (کی سی اپنی جان عزیز) کے ساتھ بھیڑیے کا سلوک کیا ہے یا کسی بے گناہ کا خون پیا ہے، تو (اس سے) توبہ کرو اور (ساتھ ہی اپنے ناجائز) کھائے ہوئے (مال) کو اُگل ڈالو اور اگر زخم پرانا ہو چکا ہو تو جاؤ اس پر داغ دے دو۔

**اصلاحِ نفس اور تبدیلیِ اخلاق کے لیے دُعا مددگار ثابت ہو سکتی ہے**

قلب و روح کے مسخ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تم پر اخلاقی رذیلہ کا غلبہ ہے اور تم لوگوں کا خون چوسنے میں بھیڑیے کی طرح خونخوار اور مکر و فریب سے کام لینے میں لومڑی کی طرح مکار ہو۔ اگر اصلاحِ نفس چاہتے ہو تو اخلاقی بد سے باز آؤ، بے شک اصلاحِ نفس اور تبدیلیِ اخلاق ایک مشکل اور کٹھن مہم ہے، تم اس مہم میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو وہ بہتر مددگار ہے۔

باز گرد از گرگی اے رُباہِ پیر  
نُصرت از حق می طلبِ نِعَمِ النَصِیرُ

اے بوڑھی لومڑی کے سے مکار آدمی! بھیڑیا پن چھوڑ دے، حق تعالیٰ سے مدد طلب کر (وہ) بہتر مددگار ہے۔

(۱۹۵/۲)



## پینتالیسواں باب

### وعدہ

### عہد فاسق پنج بوسیدہ بود

### (بدکار کا عہد بوسیدہ جڑ ہوتی ہے)

مولانا روٹی وعدہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آدمی درخت کی مانند ہے اور عہد اس کی جڑ ہے۔ جڑ کی حفاظت بڑی کوشش کے ساتھ کرنی چاہیے۔ ایک بدکار آدمی کا وعدہ بوسیدہ جڑ ہے، جو لطف حق کے پھلوں سے محروم ہوتی ہے بلکہ حدیث پاک میں منافق کی علامت بیان کی گئی ہے ”إِذَا عَاهَدَ غَدَرَ“ یعنی جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف چلتا ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۲۳۵۹، ۳۴) کھجور کی شاخ اور پتے اگر چہ سبز ہوں مگر جڑ کی خرابی کے ساتھ سبزی مفید نہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کی طاعات و عبادات بے سود ہیں، جب کہ وہ بدعہد ہو کیونکہ یہ نشان منافقت ہے، اسی طرح اگر ہرے پتے نہ ہوں اور صرف جڑ ہو تو آخر کار سینکڑوں ہرے پتے نکل آئیں گے، یعنی اگر آدمی طاعات و عبادات کا پورا پابند نہ ہو مگر عہد کا پکا ہو تو وہ آخر عابد و پرہیزگار بن جاتا ہے۔ ایک شخص کو شراب، زنا، چوری اور جھوٹ کی عادت تھی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے عہد کر لیا کہ جھوٹ نہ بولوں گا۔ اس عہد کی برکت سے اس کی شراب، زنا، چوری اور جھوٹ کی عادت بھی جاتی رہی۔ کیونکہ ماضی کے فعل کے ارتکاب کی صورت میں سچ بتاتے اس کو شرم آتی تھی اور جھوٹ بولنے سے بدعہدی لازم آتی تھی۔ مولانا رومؒ آدمی کی پہچان کے

بارے میں فرماتے ہیں کہ تم جب کسی علم والے آدمی سے ملو تو اس کے علم و فضل کی وجہ سے دھوکا نہ کھاؤ بلکہ اس کا عہد دیکھو کہ کہیں وہ بدعہد تو نہیں، کیونکہ علم چھلکے کی مانند ہے اور اس کا عہد اس کے لئے مغز ہے۔ مولانا رومؒ نے عہد کے متعلق کلام لکھا ہے ۔

چوں درخت ست آدمی و بنج عہد      بنج را تیماری باید بجد  
آدمی درخت کی مانند ہے اور عہد (اس کی) جڑ ہے، جڑ کی حفاظت بڑی کوشش کے ساتھ کرنی چاہیے۔ (۱۲۲/۵)  
عہد فاسد بنج بوسیدہ بود      وز شمار لطف ببردہ بود  
بدکار آدمی کا عہد بوسیدہ جڑ ہوتی ہے اور وہ لطف (حق) کے پھلوں سے محروم ہوتی ہے۔ (۱۲۲/۵)  
شاخ و برگ نخل اگرچہ سبز بود      بافساد بنج سبزی نیست سود  
کھجور کی شاخ اور پتے اگرچہ ہرے ہوں (مگر) جڑ کی خرابی کے ساتھ سبزی مفید نہیں۔ (۱۲۳/۵)  
ور ندارد برگ سبز و بنج ہست      عاقبت پیروں کند صد برگ دست  
اگر ہرے پتے نہ ہوں اور جڑ موجود ہو تو آخر کار سینکڑوں ہرے پتے نکل آئیں گے۔ (۱۲۳/۵)  
تو مشو غرہ بعلمش عہد بو      علم چوں قشرست عہدش مغز او  
تم کسی شخص کے علم سے دھوکہ نہ کھاؤ (بلکہ) اس کا عہد دیکھو، کیونکہ علم چھلکے کی مانند ہے اور اس کا عہد اس کے لیے مغز ہے۔ (۱۲۳/۵)

سچا وعدہ دل پسند ہوتا ہے اور بناوٹی وعدہ دل کو بے قرار کرتا ہے

سچے وعدے دل پسند ہوتے ہیں، بناوٹی وعدے دل کو بے قرار کرتے ہیں کہ پورے ہوں گے یا نہیں۔ شیخ کامل کے وعدے خواہ تعلیم و تربیت سے متعلق ہوں یا بطور بشارات ہوں، سب صادق اور طمانیت قلب کا باعث ہوتے ہیں مگر شیخ مکار کے وعدے کذب اور پورے نہ ہونے کے باعث پریشان کرنے والے ہوتے ہیں۔

امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کلمات سن کر یاد کر لیے کہ شکی بات کو چھوڑ کر غیر شکی بات اختیار کرو کیونکہ سچائی دل کا اطمینان ہے اور جھوٹ شبہ کی بات ہے۔ (ترمذی رقم الحدیث ۲۵۱۸)

وعدہ اہل کرم گنج رواں      وعدہ نابل شد رنج رواں  
اہل کرم کا وعدہ وہ خزانہ ہے جس کا فیض سدا جاری رہنے والا ہے، نالائق کا وعدہ رنج جان (ثابت) ہوتا ہے۔ (۳۹/۱)

وعدہ پورا کرنا واجب ہے

وعدے کا دل و جان سے پورا کرنا واجب ہے، تاکہ تم قیامت میں اس ایفاء عہد کا فیض دیکھو۔ وعدہ خلاف آدمی کو سرد دل اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں اپنی صداقت کو قائم رکھنے کی سرگرمی نہیں ہوتی۔ اسے خام کار اس لیے



کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے وعدوں کی بناء پر جو کام کرتا ہے یا کراتا ہے اس میں دوام اور پختگی نہیں ہوتی، اس لیے اس کا اعتبار جاتا رہتا ہے اور کام بنتے بنتے بگڑ جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تو اپنے بھائی سے جھگڑا مت کر اور نہ اس سے (اس درجہ) مزاح کر (جس سے اسے تکلیف ہو) اور نہ اس سے کوئی وعدہ کر کے اس کے خلاف کر۔ (ترمذی رقم الحدیث ۱۹۹۵، مشکوٰۃ رقم الحدیث ۴۸۹۲)

وعدہ ہا۔ باید وفا کردن تمام در خواہی کرد باشی سرد و خام تمام وعدوں کو پورا کرنا چاہیے، اگر تم (پورے) نہ کرو گے تو سرد (مہر) اور خام (کار) ثابت ہو گے۔ (۴۹/۱)

## مثنوی میں احادیث اور اشاراتِ قرآن

### مثنوی معنوی مولوی ہست قرآن در زبان پہلوی

مولانا جامی نے مثنوی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کی مثنوی حقیقتاً فارسی زبان میں قرآن و حدیث کو بیان کرتی ہے ۔

مثنوی معنوی مولوی ہست قرآن در زبان پہلوی

(مولانا روم کی مثنوی فارسی زبان میں قرآن کو بیان کرتی ہے)

مثنوی کے مطالعہ کے بعد مولانا جامی کے مذکور بالا قول کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ آپ کا کلام جو کہ مثنوی میں موجود ہے، وہ سب کا سب قرآن اور حدیث کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ مولانا کا طریقہ کلام کچھ اس نہج پر ہے کہ آپ چند سہل اور دلچسپ تشبیہات کے ذریعے مشکل سے مشکل معاملات کی آسانی سے وضاحت فرما دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی قرآن یا سنتِ رسول ﷺ کے اشارات کو واضح کر دیتے ہیں تاکہ اس کے پڑھنے والوں کو سمجھنے میں چنداں تکلیف محسوس نہ ہو۔ آپ کے اکثر اشعار میں احادیثِ نبوی ﷺ کا کھلم کھلا ذکر ملتا ہے اور زیرِ نظر مضمون میں ان احادیث کو اشعار کے نیچے حوالہ جات کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

قارئین کی سہولت اور اختصار کی خاطر تمام آیاتِ قرآنی کو اس باب میں بیان کرنا مشکل تھا، لہذا نیچے دیئے گئے اشعار اگرچہ مثنوی میں بیان کردہ تمام آیاتِ قرآنی اور احادیث کا احاطہ نہیں کرتے، تاہم ان کے مطالعہ سے مذکور شعر



کی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ زیر نظر باب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، جن میں سے ایک حصہ میں احادیثِ مثنوی کو حوالہ جات اور بالمحاورہ ترجمہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور دوسرے حصے میں مثنوی میں استعمال کردہ چند اشاراتِ قرآن کا ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ احادیث بھی قرآن کی وضاحت ہی کرتی ہیں اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا روئی کی بیان کردہ احادیث بھی قرآن ہی کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں اور یوں پوری مثنوی قرآن کے علاوہ کچھ الگ چیز نہیں۔

مولانا روئی نے مثنوی کے اشعار میں بہت سی احادیث کا ذکر کیا ہے۔ ایسے بہت سے اشعار کا مجموعہ دانش گاہ تہران سے جناب بدیع الزمان نے فارسی زبان میں شائع کیا ہے اور اس میں ان مستند کتب کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جہاں سے یہ احادیث اخذ کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں مثنوی کے ۷۴۵ اشعار ہیں، جن کی مولف نے ترجمہ، مطلب، اشارہ حدیث کے علاوہ کچھ تشریح بھی کی ہے۔ ان میں سے بہت سی احادیث کا ذکر تو زیر نظر کتاب میں مختلف ابواب اور عنوانات کے تحت کر دیا گیا ہے اور اس جگہ چند مزید اشعار تبرکاً پیش کیے جا رہے ہیں۔ مذکورہ تمام احادیث کا ذکر اس مختصر تحریر کے احاطہ سے باہر ہے، اس جگہ چند اشعار اور ان کا ترجمہ بیان کیا جا رہا ہے تاکہ زیر نظر کتاب کی ضخامت ضرورت سے زیادہ نہ بڑھ جائے۔ اس تحریر میں شامل کئے گئے اشعار کا نمبر دے دیا گیا ہے اور اس کے نیچے احادیثِ مثنوی کی مذکورہ کتاب کا صفحہ نمبر بھی دے دیا گیا ہے تاکہ ڈھونڈنے میں دقت نہ ہو۔ مثال کے طور پر درج ذیل اشعار میں پہلے شعر کا حوالہ (۶/۸) دیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد لطیف کی کتاب کا شعر نمبر ۶ اور صفحہ نمبر ۸ ہے۔

مذکورہ کتاب میں تمام اشعار سے پہلے ان سُرخیوں کو بھی لکھ دیا گیا ہے، جن کی طرف درج کئے گئے اشعار غمازی کرتے ہیں۔ اس تحریر میں وہ اشعار درج کئے گئے ہیں، جن کا تعلق پیر کی ضرورت، رزق، خدا کے ہونے کے دلائل، بھوک کفر تک لے جاتی ہے، دُنیادی موت، محرومِ طریقت، رحم، فراست، جہادِ اصغر، نفس، قرآن، اللہ کا ہاتھ، خرچ کرنے والوں کے درجے، الْفَقْرُ فَخْرٌ، قضا و قدر، اللہ تعالیٰ کا زمین اور آسمان میں نہ سانا، أَصْحَابِیْ كَالنُّجُومِ، اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیْ بِأَبْهَا، كَذَا الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا، كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، عَرَفْتُ رَبِّي عَنْ فُسْخِ الْعَزَائِمِ، جَوَاسِيسُ الْقُلُوبِ، حکمت، النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ، خدا بندوں کو اپنی طرف بلاتا ہے، نماز اللہ کا دروازہ کھٹکھٹانے کے برابر ہے، بلایا آزمائش (۷ اشعار)، اللہ تمہارا ہے، بھیڑوں کا چرواہا اور اللہ سے پیارا، ہم اہل بیت کشتیِ نوح علیہ السلام کی طرح ہیں، وضو کے وقت کی دُعا، توبہ کا دروازہ، آتشِ نبرد کے وقت جبرئیل علیہ السلام کا ابراہیم علیہ السلام کے پاس مدد کے لئے آنا، دین داروں کے غم دور ہو جاتے ہیں، اللہ چاہتا ہے کہ بندے اس کی طرف رجوع کریں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لقب ”صدیقِ اکبر“ کی وجہ تَلْقِیْب، فرعون کو اللہ کے چار العامات دینے کا وعدہ اگر وہ اسلام قبول کر لیتا، بھوک (بہت سے اشعار)، يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ، فکرِ معاش نہ کرنے کی

طرف اشارہ کو شامل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ عقل کا نماز میں دخل، محاسبہ بھی عقل کی وجہ سے ہے، مُنْكَسِرَةٌ الْقُلُوبِ، پاک دامنی شہوت کے تابع ہے، خسی نہ ہونا، فقر، الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ، صحبت، تین بندوں کی عزت کرو، شیطان کہاں ہوتا ہے، مَنْ جَدَّ وَجَدَ، گریہ، معرفت، تقدیر کا لکھا جانا، الْخَلْقُ عِیَالُ اللَّهِ، انسان فی القرآن اور جہنم مومن سے فریاد کرے گی کہ جلدی گذر جا وغیرہ۔ ان سب موضوعات کے علاوہ اور بھی کئی اشعار موجود ہیں، جن کا ذکر مثنوی میں کیا گیا ہے اور جن سے انسان کو عام زندگی میں تعلق رہتا ہے۔ ایسے اشعار نیچے دیئے جا رہے ہیں:-

### عشق حقیقی اور مجازی

عشقہائے کز پئے رنگی بود عشق نبود عاقبت نگلی بود  
جو عشق محض رنگ و روپ کے لئے ہے، وہ (سچا) عشق نہیں بلکہ آخر کار کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوتا ہے۔ (اللولؤ المرصوع)  
(۶/۸)

ایک حدیث شریف میں اس مفہوم کی تائید یوں ملتی ہے ”مَنْ أَحَبَّكَ لِشَيْءٍ مَلَكَ عِنْدَ انْقِضَائِهِ“ (یعنی جو تجھ سے کسی چیز کے لئے محبت کرتا ہے، اس کے پورا ہو جانے کے بعد تجھ سے اکتا جائے گا)۔

### مصیبتوں کا آنا

ابر ناید از پئے منع زکوٰۃ وز زنا افتد وبا اندر جہات  
زکوٰۃ روکنے سے بادل نہیں آتے اور زنا سے اطراف میں وبا پھیل جاتی ہے۔  
حدیث: ”مَا حَبَسَ قَوْمَ الزَّكَاةِ إِلَّا حَبَسَ اللَّهُ عَنْهُمْ الْمَطَرَ“ (ربیع الا برار)  
ترجمہ: یعنی جو قوم زکوٰۃ ادا کرنا بند کر دے، اللہ ان سے بارش روک لیتا ہے۔

### اپنی مراد پانا

گفت پیغمبر ﷺ ہر آنکو سر نہفت زود گردد بامرادِ خویش بھفت  
پیغمبر پاک ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنا بھید چھپایا وہ جلد ہی اپنی مراد کو پا لیتا ہے۔ (کنوز الحقائق)  
حدیث: ”اسْتَعِينُوا عَلَى أُمُورِكُمْ بِالْكِسْمَانِ“ (کنوز الحقائق)  
ترجمہ: اپنے کاموں میں راز داری سے مدد طلب کرو۔

### بے جا تعریف

ی بلرزد عرش از مدح شقی بد گماں گردد ز مدح متقی  
بد ذات آدمی کی مدح سے عرش کانپتا ہے، اس کی تعریف سے پرہیزگار بدظن ہو جاتا ہے۔ (مہکوة شریف) (۷/۹)  
حدیث: ”إِذَا مُدِّحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ تَعَالَى وَاهْتَزَّ لِذَلِكَ الْعَرْشُ“ (جامع صغیر، ج ۱، ص ۳۴)



ترجمہ : جب فاسق کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے اور اللہ کا عرش کانپ اٹھتا ہے۔

## نفس

نفس ہر دم از درونم درکین  
از ہمہ مردم بر در مکر و کین  
میرا نفس میرے اندر تاک میں بیٹھا ہے، جو مکر روکنے میں سب لوگوں سے بدتر ہے۔ (مکھوۃ شریف) (۱۷/۱۴)  
حدیث : ”أَعْدَىٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ“ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۴)  
ترجمہ : تیرا بڑا دشمن تیرا نفس ہے، جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔

## عبادت و نیکیاں

بشنو از اخبارِ آں صَدْرُ الصُّدُورِ  
لَا صَلَوةَ ثُمَّ إِلَّا بِالْحُضُورِ  
اس سب سے بڑے مند نشین کی بات سنو کہ نماز بغیر حضورِ قلب کے مکمل نہیں۔ (احیاء العلوم) (۶/۱۱)  
اس شعر میں ”لَا صَلَوةَ إِلَّا بِالْحُضُورِ الْقَلْبِ“ کے علاوہ اس حدیث کی طرف بھی اشارہ ہے۔  
حدیث : ”لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى صَلَوةِ لَاحِظٍ رَجُلٍ فِيهَا قَلْبُهُ مَعَ بَذْنِهِ“ (احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۱۱۰)  
ترجمہ : اللہ تعالیٰ اس نماز کی طرف نہیں دیکھتے، جس میں انسان اپنے بدن کے ساتھ اپنے دل کو حاضر نہیں کرتا۔

## اولیاء کا نور

نور غالب ایمن از کشف و عشق  
درمیان اِصْبَعَيْنِ نُورِ حَقِّ  
وہ ایک نور ہے سب پر چھانے والا، گہن اور تاریکی سے محفوظ، وہ نور حق تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔  
(صحیح مسلم، احیاء العلوم) (۹/۱۳)  
حدیث : ”إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلُّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمَنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يَصْرِفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ“  
ترجمہ : تمام بنی آدم کے دل ایک دل کی مانند خدائے رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرف چاہتا ہے اُن کو موڑ دیتا ہے۔ (صحیح مسلم، ج ۸، ص ۵۱)

حق فشانہ آں نور را بر جانہا  
مقبلاں برداشتہ دامانہا  
اللہ تعالیٰ اس نور کو ولیوں پر برساتا ہے جو اہل اقبال ہیں اور اس نور کے لئے دامن پھیلائے ہوئے ہیں۔ (۱۰/۱۳)  
(جامع صغیر، فتوحات)

حدیث : ”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ فَأَلْقَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُورِهِ فَمَنْ أَصَابَهُ مِنْ ذَلِكَ النُّورِ اهْتَدَى وَمَنْ أَخْطَأَهُ ضَلَّ“ (ترمذی شریف، رقم الحدیث ۲۶۴۲)

ترجمہ : یعنی اللہ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر اس پر اپنا نور ڈالا، جس کو وہ نور پہنچا وہ ہدایت پا گیا

اور جس کو نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گیا۔

## رحم کرو

اشکِ خواہی رحم کن بر اشکبار رحمِ خواہی برضعیفان رحم آر  
اگر تم اشک چاہتے ہو تو آبدیدہ ہو کے معافی مانگنے والے پر رحم کرو، اگر رحم چاہتے ہو تو پہلے ضعیفوں پر رحم کرو۔ (۱۱/۱۳)  
حدیث : ”إِنَّمَا يُرَحِّمُ اللَّهُ عَلَى عِبَادِهِ الرَّحِمَاءَ“ (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۹)  
ترجمہ : یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر رحم کرتا ہے جو لوگوں پر رحم کرنے والے ہیں۔

## توکل

i۔ گفت پیغمبر بہ آوازِ بلند با توکل زانوے اشتر بند  
جناب پیغمبر پاک ﷺ نے آوازِ بلند فرمایا، توکل کے ساتھ اونٹ کے گھٹنے بھی باندھ دو۔  
حدیث : ”اغْلِقْهَا وَتَوَكَّلْ“ (الدرر المنقوہ)  
ترجمہ : گھٹنا باندھو اور اللہ پر توکل کرو۔  
ii۔ رمزا الْكَاسِبُ حَبِيبُ اللَّهِ شِنُو از توکل در سبب کابل مشو  
کسب کرنے والا اللہ کا محبوب ہے، اس کا نکتہ ہم سے سنو اور توکل کی وجہ سے اسباب میں سُستی نہ کرو۔ (۱۸/۱۸)  
حدیث : ”طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ“ (مشکوٰۃ شریف)  
ترجمہ : یعنی حلال روزی کے لیے سعی کرنا فرضِ عبادت کے بعد فرض ہے۔

## اولیاء پر کرم

ما عیالِ حضرتیم و شیر خواہ گفت اَلْخُلُقُ عِیَالُ اللَّهِ لَه  
ہم سب اللہ تعالیٰ کے عیال اور شیر خوار ہیں، چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا، مخلوق اللہ کی عیال ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)  
کچھ مسافر بھوکے تھے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آگے سفر میں تمہیں ہاتھیوں کے بچے ملیں گے، ان کو پکڑ کر کھا  
نہ لینا اور اگر ایسا کرو گے تو سیلکڑوں ہاتھی فوراً تمہیں مار دیں گے۔ مولانا رومیؒ نے استنباط کیا کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ  
کے ولیوں کو تنگ کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو معاف نہیں کرتا۔ (جامع صغیر) (۱۹/۱۸)

## مجاہدہ جہاد اکبر ہے

قَدْ رَجَعْنَا مِنْ جِهَادِ الْأَصْغَرِ بَانِي اندر جہادِ اکبرِیم  
ہم جہادِ اصغر (تلوار کے جہاد) سے لوٹے ہیں اور اب نبی ﷺ کے ساتھ جہادِ اکبر (دُنیا کا جہاد) کر رہے ہیں۔  
(مُجَاهِدَةُ الْعَبْدِ هَوَاهُ۔ احیاء العلوم وغیرہ) (۳۵/۲۵)



روکہ بَیْ یَسْمَعُ وَبَیْ یُبْصِرُ تُوئی سر تُوئی چہ جائے صاحب سر تُوئی  
اے بندے! جس کا سننا اور دیکھنا میرے کان اور آنکھ سے ہو تو میرا سر مخفی ہو گیا ہے، چہ جائیکہ صاحب سر۔  
(بخاری شریف) (۴۲/۲۸)

### بیمار ہونا

گفت پیغمبر ﷺ کہ رنجوری بلاغ رنج آرد تا ببرد چون چراغ  
حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: جھوٹی بیماری ظاہر کرنے سے بندہ سچ بچ بیمار ہو جاتا ہے اور ایسا (بناوٹی) بیمار چراغ کی  
طرح گُل ہو جاتا ہے۔ (لَا تَمَارِضُوا فْتَمَرُ ضُؤًا۔ بحر العلوم) (۲۶/۲۱)

### قضا

چوں قضا آید شود دانش بخواب مہ سیاہ گردد بگیرد آفتاب  
جب قضا آئے تو عقل سو جاتی ہے، چاند سیاہ ہو جاتا ہے اور سورج کو گرہن لگ جاتا ہے۔ (جامع صغیر) (۲۹/۲۲)

### دُنیا سے نجات

ایں جہاں زنداں و ما زندانیاں حفرہ کن زنداں و خود را وارہاں  
یہ دُنیا قید خانہ ہے اور ہم قیدی ہیں، اس قید خانے میں سوراخ کر کے باہر نکل جاؤ۔ (مکتوٰۃ۔ کنوز الحقائق) (۲۲/۱۹)

### جو اللہ کا ہو گیا

چوں شدی مَنْ کَانَ لِلّٰہِ از ولہ حق ترا باشد کہ کان اللہ لہ  
جب تم عشق کی بدولت ”فَکَانَ لِلّٰہِ“ کے مصداق بن گئے تو میں تمہارا حامی و ناصر ہوں کیونکہ ”کَانَ اللّٰہُ لَہُ“  
حدیث برحق ہے۔ (جامع صغیر، ج ۱، ص ۷۰) (۴۳/۲۹)

حدیث: ”مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہُ“ (کشف الاسرار۔ دانش گاہ تہران ص ۵۶۲)

ترجمہ: جو اللہ کا ہو جائے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

### أَصْحَابِی کَالنُّجُومِ

مقبش شو زود چوں یابی نجوم گفت پیغمبر ﷺ کہ أَصْحَابِی نُجُوم  
جب تم ہدایت کے روشن ستاروں کو دیکھو تو اُن سے نور ہدایت حاصل کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ”أَصْحَابِی  
کَالنُّجُومِ“ فرمایا ہے۔ (۴۳/۲۹)

حدیث: ”أَصْحَابِی کَالنُّجُومِ فَبَابِهِمْ افْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ“ (کنوز الحقائق ص ۱۳)

ترجمہ: میرے ساتھی ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

## زیارت رسول ﷺ

گفت طوبیٰ من رآنی مصطفیٰ ﷺ وَالَّذِي يُبْصِرُ لِمَنْ وَجْهِي رَأَى  
آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس نے میری زیارت کی یا اس شخص کی زیارت کی، جس نے  
میری زیارت کی ہو۔ (۳۵/۳۰)

مطلب : صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی فضیلت مقصود ہے۔

حدیث : طُوبَى لِمَنْ رَأَى وَآمَنَ بِهِ وَطُوبَى لِمَنْ رَأَى مَنْ رَأَى وَلِمَنْ رَأَى مَنْ رَأَى وَآمَنَ  
بِهِ طُوبَى لَهُمْ وَحَسَنَ مَا بَ (جامع صغیر، ج ۲، ص ۵۴) (۳۵/۳۰)

ترجمہ : خوش نصیب ہے وہ انسان جس نے مجھے دیکھا اور میرے ساتھ ایمان لایا۔ خوش بخت ہے وہ آدمی جس  
نے اس انسان کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا اور وہ انسان جس نے اس انسان کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا اور میرے  
ساتھ ایمان لایا۔ ایسے انسان کا ٹھکانا عمدہ ہے۔

## محبوب سے ہم کلامی

مصطفیٰ آمد کہ سازد ہمدی کَلِمَتِي يَا حَمِيْرًا كَلِمَتِي  
مصطفیٰ آمادہ ہیں کہ (روح) سے ہمکلامی کریں اور اس سے مخاطب ہو کر کہیں اے حمیرا! (لقب حضرت عائشہ) ہم  
سے ہمکلام ہو، ہاں ہم سے ہمکلام ہو۔ (۳۷/۳۱)

حدیث : ”كَلِمَتِي يَا حَمِيْرًا“ (احیاء العلوم، ج ۳، ص ۴۷)

ترجمہ : یعنی حمیرا! میرے ساتھ گفتگو کر۔

## کاملیٰ بلالؓ

جاں کمال ست و ندائے او کمال مصطفیٰ گویاں اِرْحَنَّا يَا بِلَالُ  
جو جان کمال ہے وہ خود بھی اور اس کی آواز بھی عین کمال ہے، مثلاً حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اذان،  
چنانچہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے اے بلال! اذان سے ہمیں راحت پہنچاؤ۔ (۳۸/۳۲)

حدیث : ”يَا بِلَالُ اِرْحَنَّا بِالصَّلَاةِ“ (مسند احمد، ج ۵، ص ۳۶۴)

ترجمہ : اے بلال! نماز کے ذریعہ ہمیں راحت پہنچا۔

## الْفَقْرُ فَخْرِي

گفت ای زن تو زنی یا بوالحرزن فقر فخر آمد مرا طعنہ مزین  
وہ بولا، اے عورت! تو عورت ہے، فقر کا موجب فخر ہونا مشہور ہے، تو مجھ کو طعنہ نہ دے۔ (۵۴/۳۴)



حدیث: "الْفَقْرُ فَخْرِي وَبِهِ افْتَخِرْتُ" (سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۳۷۸)  
ترجمہ: فقر میرے لئے باعثِ فخر ہے اور میں اس پر فخر کرتا ہوں۔

### قلب کی لامکانیت

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است  
وز زمیں و آسمان و عرش نیز  
در دلِ مومن گنجِ ای عجب  
من گنجِ منج در بالا و پست  
من گنجِ منج ایں یقینِ داں ای عزیز  
گر مرا جوئی در آں دلہا طلب  
حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اُوپر نیچے نہیں سما سکتا، میں زمین و آسمان اور عرش میں بھی نہیں  
سما سکتا مگر تعجب ہے کہ میں مومن کے دل میں سما سکتا ہوں، اگر مجھے تلاش کرنا ہو تو اُن کے دلوں میں تلاش کرو۔  
(۶۳/۳۷)

حدیث: "لَا يَسْعُنِي أَرْضِي وَلَا سَمَائِيَّ وَوَسَعَنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ الْيَتِيمِ الْوِدَاعِ"  
ترجمہ: میری ذات نہ تو زمین میں سما سکتی ہے اور نہ آسمانوں میں مگر میرے نرم خو بندے کے دل میں میری  
ذات سما جاتی ہے۔ (احیاء العلوم، ج ۳، ص ۱۲)

### عورت سے مشورہ

شَاوِرُوهُنَّ پَسِ آتِگُو خَالِفُوَا  
اِنَّ مَنْ لَمْ يَعْصِهِنَّ تَالِفُ  
پہلے عورتوں سے مشورہ کرو پھر اس مشورے کے خلاف کرو، کیونکہ جو شخص ان کے خلاف نہ کرے گا وہ تباہ ہو جائے گا۔  
(۷۴/۴۳)

مطلب: عورت کے ضعیف العقل ہونے پر دلالت ہے۔

حدیث: "شَاوِرُوهُنَّ وَخَالِفُوهُنَّ" (شرح تہذیب البلاغ، ج ۴، ص ۲۷۰)

ترجمہ: عورتوں کے ساتھ مشورہ کرو اور پھر اس کے خلاف کرو۔

### مسک نبی و ولی

ہر نبی و ہر ولی را مسلکیست  
ایک تاحق میرد جملہ یکیت  
ہر نبی اور ہر ولی کا خاص مسلک ہوتا ہے، لیکن سب خدا تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں، اس لحاظ سے سب کے سب ایک  
ہیں۔  
(۷۸/۴۶)

حدیث: "اَنَا اَوَّلِي النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالْاَنْبِيَاءِ اِخْوَةُ لِعَلَّاتٍ وَ اُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى  
وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ" (بخاری رقم الحدیث ۳۴۴۶، ۳۴۴۳)

ترجمہ: میں عیسیٰ ابن مریمؑ کے زیادہ قریب ہوں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ صحابہؓ نے پوچھا، کیسے یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمام نبی علاقائی بھائی ہیں اور اُن کی مائیں الگ الگ ہیں اور ان کا دین ایک ہے اور میرے اور عیسیٰؑ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔

### ملاقاتِ محبوب

اند کے صرفہ بکن از خواب و خور      ارمغان      بہر      ملاقاتش      بُر  
اپنی نیند اور خوراک میں کسی قدر کمی گوارا کرو اور اس محبوبِ حقیقی کی ملاقات کے لئے (نیک اعمال کی) سوغات لے جاؤ۔ (۷۹/۴۸)

حدیث: ”إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مَعَى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ“ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۸۳۹۷)

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھانا کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھانا کھاتا ہے۔

### نسبتِ زہد

گفت حق نے بلکہ لا انساب شد      زہد و تقویٰ فضل را محراب شد  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ بات نہیں بلکہ ہمارے نزدیک نسب کا اعتبار ہی نہیں، زہد و تقویٰ فضیلت کا مقام ہے۔ (۴۹/۸۱)  
حدیث: ”يَا فَااطْمَئِنَّ لَا تَتَكَبَّرْ عَلَى أَنْتِكَ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ إِعْمَلِي إِعْمَلِي“ (مشکوٰۃ)  
ترجمہ: اے فاطمہؓ! اس بھروسے پر نہ رہو کہ تم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی ہو بلکہ عمل کرو، عمل کرو۔

### أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ

گفت پیغمبر ﷺ کہ اصحابی نجوم      رہواں را شمع و شیطاں را رجوم  
جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں یعنی وہ رہرو لوگوں کے لئے ہدایت اور شیطان کے لئے چوٹ ہیں۔ (۵۳/۸۷)

حدیث: ”أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَلَبَّاهُمْ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ“ (جامع بیان العلم و فضلہ، ج ۲، ص ۸۹۸)

ترجمہ: میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کی بھی اقتداء کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔

### بے سحری روزہ

چوں اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ فاش شد      یُطْعَمُ وَ یَسْقَى پے ایں آتش شد  
جب کہ حدیث میں ”اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ“ (یعنی میں اپنے پروردگار کے پاس رات گزارتا ہوں) صاف آیا ہے تو یُطْعَمُ وَ یَسْقَى (یعنی کھلاتا پلاتا ہے) سے مراد آتش (حقیقی معنوں میں) ہے۔ (۵۴/۸۹)



حدیث: ”نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْوَصَالِ فِي الصَّوْمِ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ إِنَّكَ تَوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَأَيُّكُمْ مِثْلِي إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي“ (صحیح بخاری رقم الحدیث ۱۹۶۵)

ترجمہ: یعنی حضور ﷺ نے ان روزوں سے منع فرمایا جو سحری کھائے بغیر ہی رکھے جائیں۔ مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی تو سحری کھائے بغیر روزے رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہمارا ہم پہلے کون ہو سکتا ہے؟ میں رات کو سوتا ہوں، خدا مجھے کھلا بھی دیتا ہے اور پلا بھی دیتا ہے۔

### مومن مومن کا آئینہ

چونکہ مومن آئینہ مومن بود  
یار آئینہ است جانرا در خون  
جب ایک مومن کی ذات دوسرے مومن کے لئے بمنزلہ آئینہ ہے تو دوسرے مومن کا چہرہ آلودگی اور تکدر سے پاک ہونا چاہیے (بعد عن الحق سے) جو غم طاری ہوتا ہے وہ اس میں تیری جان کے لیے آئینہ ہوتا ہے، جس سے وہ اپنے مصائب کا مشاہدہ کر کے اُن کی اصلاح کر سکتا ہے اور جو حق سے دور ہونے کا باعث ہیں، پس اے عزیز! اس آئینہ کی سطح پر پھونک مار کر اُسے مکدر نہ کر۔

حدیث: ”الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ“ (جامع صغیر للسیوطی ج ۲ ص ۱۸۳)

ترجمہ: مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ کی مانند ہے۔

### معرفت میں سونا بیداری ہے

خواب بیداریست چوں باداشت  
وای بیداری کے باناداں نشست  
جو نیند معرفت حق کے ساتھ ہو وہ بیداری کا حکم رکھتی ہے۔ افسوس ہے اُس بیدار پر جو کسی معرفت سے محروم کی صحبت میں بیٹھا جاگ رہا ہے۔

حدیث: ”نَوْمُ الْعَالَمِ عِبَادَةٌ وَنَفْسُهُ تَسْبِيحٌ“ (کنوز الحقائق، ج ۲، ص ۲۳۸)

ترجمہ: عالم کی نیند عبادت ہے اور اس کا سانس تسبیح کے برابر ہے۔

حدیث: ”نَوْمٌ عَلَى عِلْمٍ خَيْرٌ مِّنْ صَلَاةٍ عَلَى جَهْلٍ“ (جامع صغیر، ج ۲، ص ۱۸۷)

ترجمہ: علم کے ساتھ نیند، جہالت کے ساتھ نماز سے بہتر ہے۔

### اللَّهُ يُحِبُّ الْجَمَالَ

او جمیل است و یحب للجمال  
وہ خود صاحب جمال ہے اور جمال ہی کو پسند کرتا ہے۔ (اور کیوں نہ کرے) ایک نوجوان مرد کی بڑھیا ضعیف کے جواں نو گزیند پیر زال

(۱۰۶/۶۵)

عورت کو کب (اپنے نکاح کے لئے) پسند کرتا ہے؟

مطلب : اللہ پاک ہے اور پاک لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

حدیث : ”إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ“ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۶۵)

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

### خدائی نورِ ہدایت

چونکہ حق رش علیہم نورہ مفترق ہرگز نگرود نورِ او  
چونکہ حق تعالیٰ نے اُن پر اپنا نور چھڑکا ہے، لہذا اُن میں تفرقہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس کا نور ہرگز مفترق نہیں ہو سکتا۔ (۱۱۰/۶۶)

مطلب : جس نے نور کو پایا ہدایت پائی اور اس سے محروم گمراہ ہے۔

حدیث : ”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ فَأَلْقَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُورِهِ فَمَنْ أَصَابَهُ مِنْ ذَلِكَ النُّورِ اهْتَدَى وَمَنْ أَخْطَاهُ ضَلَّ“ (جامع صغیر، ج ۱، ص ۹۶)

ترجمہ : یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر اُس پر اپنا نور ڈالا، جس پر اس کا وہ نور پہنچا وہ ہدایت پا گیا اور جس پر نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گیا۔

### ہدایت یافتہ اُمت

كُنْتُ كَنْزًا رَحْمَةً مُخْفِيَةً فَاتَّبَعْتُ أُمَّةً مُهْدِيَةً  
میں ایک خزانہ یعنی رحمت مخفی تھا تو میں نے ایک ہدایت یافتہ اُمت (یعنی اُمتِ محمدیہ ﷺ) پیدا کی۔ (۱۱۴/۶۷)

حدیث : ”كُنْتُ كَنْزًا مُخْفِيًا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ“ (حدیث قدسی، الدر المنقرۃ للسيوطی، ص ۲۲۷)

ترجمہ : یعنی میں ایک خزانہ مخفی تھا پھر مجھے خواہش ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق پیدا کی۔

### نفس کتا ہے

ہیں سب نفس ترا زندہ مخواہ کا وعدہ جانِ تست از دیر گاہ  
خبردار! اپنے کتے نفس کی زندگی کے خواہاں نہ بن جانا کیونکہ وہ مدت سے تمہاری جان کا دشمن ہے۔ (۱۱۷/۶۹)

حدیث : ”قَدِمْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ مُجَاهِدَةً الْعَبْدِ هَوَاهُ“ (کنوز الحقائق، ج ۲، ص ۲۰)

ترجمہ : تم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہو، وہ جہادِ اکبر یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کے ساتھ جہاد کرے۔



## بھوک کفر میں ڈال دیتی ہے

صوفیاں درویش بودند و فقیر

كَادَ الْكُفْرُ أَنْ يُكْنَ كُفْرًا يَسِيرَ

(خاقانی) صوفی نادار محتاج تھے اور (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے) کہ محتاجی قریب ہے کہ ایک بڑا کفر بن جائے۔

(۱۱۹/۶۹)

حدیث: "كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يُكُونَ كُفْرًا" (کنوز الحقائق، ج ۲، ص ۳۴) (حلیہ البوعین، ج ۳، ص ۵۳)

ترجمہ: تنگدستی بعض دفعہ کفر کی سرحدوں تک پہنچا دیتی ہے۔

## بغیر صبر ایمان نہیں

صبر از ایمان بیابد سر کله

حَيْثُ لَا صَبْرَ فَلَا إِيمَانَ لَهُ

گفت پیغمبر خدا ایمان نداد

ہر کرا نبود صبری در نہاد

صبر نے ایمان سے شرف پایا، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جس میں صبر نہیں تو اس میں ایمان بھی نہیں۔ (۱۲۲/۷۱)

جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس شخص کو خدا نے ایمان نہیں دیا جس کے اندر صبر نہ ہو۔

حدیث: "مَنْ لَا صَبْرَ لَهُ لَا إِيمَانَ لَهُ" (مشکوٰۃ در رسالہ قشیریہ طبع مصر، ص ۸۶، ۸۵)

ترجمہ: جس شخص میں صبر نہیں، اس میں ایمان نہیں۔

## ہر درد کی دوا

گفت پیغمبر ﷺ کہ یزدان مجید

از پے ہر درد درماں آفرید

(۱۲۳/۷۱)

پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے ہر درد کی دوا پیدا کی ہے۔

حدیث: "مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً" (بخاری شریف، ج ۴، ص ۶۱، مسلم، ج ۷، ص ۱۲۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نازل نہیں کی مگر اُس کے لئے شفاء کو بھی نازل کر دیا ہے۔

## روحوں کی محبت

روح او باروح باشه دراصل خویش

پیش ازیں تن بود ہم پیوند خویش

کیونکہ اُس غلام کی روح بادشاہ کی روح کے ساتھ اپنی اصل میں موجود جسم کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے

(۱۳۲/۷۶)

متصل و متقارب ہو چکی تھی۔

حدیث: "الْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اِتَّخَذَتْ وَمَا تَنَافَرَ مِنْهَا اِخْتَلَفَتْ"

ترجمہ: ارواح بے پناہ لشکروں کی شکل میں موجود ہیں۔ عالم ارواح میں اگر ایک روح کا دوسری سے

تعارف ہو جائے تو پھر جب وہ آدمی اس عالم میں آتے ہیں تو انہیں محبت ہو جاتی ہے۔ اگر وہاں اجنبیت رہے تو

ادھر آکر بھی دونوں میں اختلاف رہتا ہے۔ (مسلم ج ۸، ص ۴۱۔ صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۴۷۔ جامع صغیر ج ۱، ص ۱۲۱)  
تذبیہ اور تقدیر

ہست دستِ راست اینجا ظنِ راست کاو بداند نیک و بد را از کجاست  
 نیزہ گردانیت اے نیزہ کہ تو راست میگرددی گہ و گاہی دو تو  
 یہاں صحیح الحیال ہونا ہی سب سے اچھا داؤ ہے کیونکہ نیک و بد کی اصلیت کو وہی خوب جانتا ہے۔ اے نیزہ گردان تم  
 نیزہ پھینکتے ہو، کبھی وہ سیدھا جاتا ہے اور کبھی نیڑھا۔ (۱۳۳/۷۷)  
 مطلب : تدبیر انسانی پر تقدیر ربانی کی فوقیت کا ذکر ہے۔

اشارہ : ”عَرَفْتُ اللَّهَ سُبْحَانَهُ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ وَحَلِّ الْعُقُودِ وَ نَقْضِ الْهَمَمِ“  
 ترجمہ : یعنی میں نے خدائے پاک کو ارادوں کے ٹوٹنے، مشکلات کے حل ہو جانے اور ہمتوں کے پست  
 ہونے سے پہچانا۔ (شرح نہج البلاغہ، ج ۴، ص ۳۵۰)

### مومن کا نور اور دوزخ

مصطفیٰ فرمود از گفتِ جیم مصطفیٰ  
 گویش بگذر زمن ای شاہ زود ہین کہ نورت سوز نارم را ربود  
 حضور ﷺ نے دوزخ کا قول نقل فرمایا ہے کہ وہ اپنے سرد ہو جانے کے خوف سے مومن کے ساتھ خوشامد کی باتیں  
 کرے گی کہ اے شاہ! مجھ پر جلدی گزر جائیے۔ دیکھو تمہارے نور نے میری آگ کی سوزش کو اُڑا دیا۔ (۱۳۳/۷۷)  
 حدیث : ”تَقُولُ النَّارُ لِلْمُؤْمِنِ جُزْئاً مُّؤْمِنٌ فَقَدْ أَطْفَأَ نُورُكَ لَهْبِي“ (الدرر المنقرة، ص ۱۴۲)  
 ترجمہ : آگ مومن سے کہے گی اے مومن! گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا۔  
 زانکہ دوزخ گوید ای مومن تو زود برگذر کہ نورت آتش را ربود  
 بگذر اے مومن کہ نورت می کشد آتشم را چونکہ دامن می کشد  
 دوزخ کہے گی کہ اے مومن! مجھ پر سے جلدی گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میری آگ بجھا دی، اے مومن! گزر جا  
 کیونکہ تیرا نور میری آگ کو بجھا دیتا ہے جب وہ دامن کھینچتا ہوا آتا ہے۔ (۴۰۱/۱۹۶)

در حدیث آمد کہ مومن در دعا چوں امان خواہد زدوزخ از خدا  
 دوزخ ازوے ہم امان جوید بجان کہ خدایا دور دارم از فلاں  
 حدیث میں آیا ہے کہ مومن جب اپنی دعا میں دوزخ سے خدا کی پناہ مانگتا ہے تو دوزخ بھی دل و جان سے اس  
 سے پناہ چاہتی ہوئی کہتی ہے کہ الہی! مجھ کو فلاں آدمی سے دور رکھو۔ (۴۰۲/۱۹۶)



حدیث : ”إِذَا قَالَ الْمُؤْمِنُ اللَّهُمَّ أَجِرْنِي مِنَ النَّارِ تَقُولُ النَّارُ اللَّهُمَّ أَجِرْنِي مِنْهُ“

ترجمہ : جب مومن یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! مجھے آگ سے بچا تو آگ بھی کہتی ہے کہ اے اللہ! مجھے بھی اس مومن سے بچا۔

### اولیاء کی جاسوسی

بندگانِ خاص عَلَامُ الْغُيُوبِ در جہاں جانِ جَوَاسِیسُ الْقُلُوبِ  
خدائے غائب دان کے خاص بندے ایسے ہیں جو روحانی دنیا میں دلوں کے جاسوس ہیں۔ (۱۳۹/۷۹)  
حدیث پاک میں ہے ”اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ“ (مومن کی فراست سے بچو! بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔) (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۱۲۷)۔ اسی لئے عرفاء کرام نے ارشاد فرمایا:  
”إِحْذَرُوهُمْ فَإِنَّهُمْ جَوَاسِیسُ الْقُلُوبِ“ (شرح تعرف، ج ۱، ص ۸ بحر العلوم)  
ترجمہ: یعنی ان سے خوفزدہ رہو، وہ لوگ دلوں کے جاسوس ہیں۔

### ناقص ملعون ہے

چونکہ ملعون خواند ناقص را رسول ہست در تاویل نقصان عقول  
حضور سرور کائنات ﷺ نے جو ناقص کو ملعون کا لقب دیا ہے، اس سے بروئے تاویل عقول کا نقصان مراد ہے۔  
(۱۴۰/۷۹)

حدیث : ”الْناقصُ ملعُونٌ“ (شرح خواجہ ایوب طبع مصر، ج ۲، ص ۳۵۲)

ترجمہ : ناقص آدمی اللہ کی رحمت سے محروم (دور) رہتا ہے۔

### اللہ کے نور سے دیکھنا

۱۔ چشمِ او یَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ شدہ پردہ ہائے جہل را خارق شدہ  
اس کی آنکھ حق تعالیٰ کے نور سے دیکھنے والی ہے اور اس نے جہل کے پردے کو چاک کر ڈالا ہے۔ (۱۴۱/۸۰)  
حدیث : ”اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ“ (سنن ترمذی، رقم الحدیث ۳۱۲۷)  
ترجمہ : مومن کی فراست سے بچو، بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

۲۔ مومن ار یَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ نبود عیب مومن را برہنہ چوں نمود  
اگر مومن اللہ کے نور سے نہیں دیکھتا تو وہ مومن کے عیب کو صاف صاف کیسے بتا دیتا ہے۔ (جامع صغیر، احیاء العلوم)  
(۳۳/۲۳)

۳۔ آنکہ او یَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰہِ بود ہم زمرغ و ہم زموے آگہ بود  
اور وہ جو اللہ کے نور کے ساتھ دیکھنے والا ہوتا ہے، وہ مرغ سے بھی اور بال تک سے بھی آگاہ و آشنا ہوتا ہے۔  
(۶۳۰/۲۸۵)

حدیث: ”كَانَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُولُ الْمُؤْمِنُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ مِنْ وَرَاءِ سِتْرِ رَقِيبِي“ (احیاء العلوم، ج ۳، ص ۱۸)  
ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مومن اللہ کے نور کی بدولت باریک پردے کے  
پیچھے سے دیکھتا ہے۔

مطلب: خاصانِ حق کے کمالِ باطن کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ او مگر یَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰہِ بود کاندرونِ پوست اورا راہ بود  
وہ شخص اللہ کے نور سے دیکھنے والا ہے کیونکہ اس کے لئے پوست کے اندر (تحقیقات) کا راستہ کھلا ہوا ہے۔  
(۸۵/۵۲)

حدیث: ”اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ“ (سنن، ترمذی رقم الحدیث ۳۱۲۷)  
ترجمہ: مومن کی فراست سے بچو، بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

### دانائی کی بات سرمایہ مومن

زانکہ حکمت بھجوا ناقد ضالہ است بھجو دلاں شہاں را دالہ است  
کیونکہ حکمت مومن کے لئے گمشدہ اونٹنی کی مانند ہے وہ (قلیم ولایت کے) بادشاہوں کو دلاؤں کی طرح راہ دکھاتی  
ہے۔  
(۱۴۳/۸۱)

حدیث: ”كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ صَالَةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا“ (سنن، ترمذی رقم الحدیث ۳۶۸۷)  
ترجمہ: دانائی کی بات مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے، جہاں کہیں بھی وہ اسے پاتا ہے وہ اسے حاصل کرنے کا  
زیادہ مستحق ہے۔

### خدا اور مخلوق

من کدرم خلق تاسودی کنم بلکہ تا بر بندگان جودی کنم  
میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ خود کوئی فائدہ حاصل کروں بلکہ اس لئے کہ بندوں پر احسان کروں۔  
(۱۴۹/۸۳)

حدیث: ”يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّمَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ لِيَرْجُوا عَنِّي وَلَمْ أَخْلُقْهُمْ لَارْجُعْ عَنْهُمْ“  
ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے مخلوق کو اس واسطے پیدا کیا کہ وہ مجھ سے فائدہ حاصل کریں، اس لئے  
پیدا نہیں کیا کہ میں ان سے فائدہ حاصل کروں۔



## ظاہر بنی

ما بروں را ننگریم و قال را ما دروں را نگریم و حال را  
ہم ظاہر (داری) اور زبانی باتوں کو نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو باطن کی کیفیت اور اصلی حالت کو دیکھتے ہیں۔ (۱۵۰/۸۳)  
حدیث: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورَتِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ“  
ترجمہ: خدائے تعالیٰ تمہاری صورتوں کو اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ اُس کی نگاہ تمہارے دلوں اور  
تمہارے اعمال پر رہتی ہے۔ (مسلم، ج ۸، ص ۱۱)

## خدا کو جدائی ناپسند ہے

ناتوانی پا منہ اندر فراق أَبْغَضَ الْأَشْيَاءِ عِنْدِي الطَّلَاقُ  
جہاں تک تم سے ہو سکے جدائی میں قدم نہ رکھو (مجھے جدائی ناپسند ہے)، چنانچہ طلاق میرے نزدیک تمام اشیاء سے  
ناپسند تر ہے۔ اس لئے کہ اس میں زن و شوہر میں جدائی واقع ہوتی ہے۔ (۱۳۸/۸۲)  
حدیث: ”أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ“ (جامع صغیر، ج ۱، ص ۴)  
ترجمہ: تمام حلال اشیاء میں سے ناپسندیدہ تر چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے۔

## شہید کا خون

خون شہیدوں کا زآب اولیٰ تر است ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است  
جس طرح خون شہیدوں کے لئے پانی سے بہتر ہے اسی طرح یہ خطا جو عاشقِ حق سے سرزد ہوئی ہے، سینکڑوں صحیح  
باتوں سے بہتر ہے۔ (۱۵۱/۸۳)  
حدیث: ”زَمِلُوهُمْ بِدِمَائِهِمْ فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْكُمْ يُكَلِّمُ فِي اللَّهِ إِلَّا وَهُوَ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَذْمِي لَوْنَهُ لَوْنِ  
الدِّمِّ“ (جامع صغیر، ج ۲، ص ۲۷)

ترجمہ: ان شہیدوں کو انہی خونوں میں لپیٹ دو کیونکہ کوئی زخم بھی ایسا نہیں جو اللہ کے راستے میں آیا نہ ہو اور  
قیامت کے دن اُس سے خون بہہ رہا ہوگا، جس کا رنگ تو عام خون کی طرح ہوگا لیکن اُس کی خوشبو کستوری کی سی ہوگی۔

## تکالیف اور خواہشات

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِمَكْرُوهَاتِنَا حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ  
جنت ہماری تکالیف سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ ہماری خواہشات بد سے گھری ہوئی ہے۔ (۱۵۲/۸۳)  
حدیث: ”حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ“ (مسلم، ج ۸، ص ۱۳۳)  
ترجمہ: جنت کے ارد گرد مصائب کی باڑ لگا دی گئی ہے اور دوزخ کے ارد گرد لفریبیوں کی باڑ لگا دی گئی ہے۔

## سرماۃ حکمت

کالہ حکمت کہ گم کردہ دست پیش اہل دل یقین آں حاصل است  
سرماۃ حکمت دل جس کو گم کر چکا ہے، یقیناً اہل دل کے پاس حاصل ہو سکتا ہے۔ (۱۶۴/۸۹)  
حدیث: ”كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهِيَ حَقٌّ بِهَا“ (ترمذی رقم الحدیث ۲۶۸۷)  
ترجمہ: دانائی کی بات دانا کا گمشدہ مال ہے، وہ اسے جہاں کہیں پاتا ہے حاصل کرنے کا زیادہ حق دار ہوتا ہے۔

## آنکھ کا نور

از دو پارہ پیہ آں نورِ رواں موجِ نورش میرود تا آسمان  
چربی کے دو ٹکڑوں یعنی آنکھ کے دو ڈھیلوں سے خدا نے وہ سریخ السیر اور تیز رفتار نور پیدا کیا ہے جس کی موج آسمان سے جا کراتی ہے۔ (۱۶۵/۸۹)  
اشارہ: ”أَعْبُدُوا لِهَذَا الْإِنْسَانِ يُنْظَرُ بِشَحْمٍ وَيَتَكَلَّمُ بِلَحْمٍ وَيَسْمَعُ بِعَظْمٍ وَيَتَنَفَّسُ مِنْ خَرَمٍ“  
(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے اقتباس ہے) (شرح نہج البلاغہ، ج ۴، ص ۲۴۴)  
ترجمہ: اس انسان کو دیکھ کر تعجب کرنا چاہیے کہ چربی کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، گوشت کے ساتھ وہ بولتا ہے، ہڈی کے ساتھ وہ سنتا ہے اور خرم (ناک کے بانے) کے ساتھ سانس لیتا ہے۔

## ابرار کی نیکیاں

طاعتِ عامہ گناہِ خاصگان وصلتِ عامہ حجابِ خاصِ داں  
عام لوگوں کی اطاعت خاص کے لئے بمنزلہ گناہ کے ہے اور عام لوگوں کا وصال خاص اصحاب کے لئے گویا حجاب ہے۔  
اشارہ: ”حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ“ حوالہ: ”قَوْلُ أَبِي سَعِيدٍ خِرَازٍ“ (اتحاف السادة المتقين، ج ۸، ص ۶۰۶)

ترجمہ: یعنی عام لوگوں کی نیکیاں مقرب حضرات کے لئے بمنزلہ گناہ کے ہیں۔

## رسول اللہ ﷺ شفیق ہیں

۱۔ راست میزمود آں بحرِ کرم من شمارا از شما مشفق ترم  
آنحضرت ﷺ نے جو بحرِ کرم ہیں، سچ فرمایا ہے کہ میں تم پر خود تم سے زیادہ مہربان ہوں۔ (۱۷۵/۹۳)  
حدیث: ”أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تَوَفَّى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ ذَنْبًا فَعَلَيْ قَضَاؤِهِ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِلْوَرَّةِ“ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۷)



ترجمہ : میرا مومنوں کے ساتھ ان کی ذات سے بھی زیادہ گہرا تعلق ہے، پس کوئی مومن مر جائے اور قرضہ چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں اور اگر مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کی ملکیت ہے۔ (مسلم، ج ۵، ص ۶۲، مشکوٰۃ رقم الحدیث ۲۹۱۳)

ii- من نشته در کنار آتشی با فروغ شعلہ بس ناخوشی

iii- ہنچو پروانہ شا آنسو دواں ہر دو دست من شدہ پروانہ راں

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے کہ گویا میں ایک آگ کے کنارے بیٹھا ہوں جو بڑی چمک اور بھیاں تک شعلہ والی ہے، مگر تم پروانوں کی طرح اس آگ پر لپکتے ہو اور میرے دونوں ہاتھ پروانوں کو ہٹا رہے ہیں۔ (۱۷۶/۹۳) مطلب : اس مثال سے آنحضرت ﷺ کا اپنی امت کے لئے کس قدر لطف و کرم ثابت ہے۔

حدیث : ”مَقْلَبِي وَمَثَلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ أَوْ قَدَنَارًا فَجَعَلَ الْجَنَادِبُ وَالْفِرَاشُ يَقَعْنَ فِيهَا وَهُوَ يَذُبُّ عَنْهَا اخِذًا بِحُجْزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقْلُبُونَ مِنْ يَدَيَّ“۔

ترجمہ : میری مثال اور تمہاری مثال اس آدمی کی ہے کہ وہ آگ کو جلائے اور بھگے اور پٹنگے اس میں گرنے شروع ہو جائیں اور وہ ان کو ہٹائے، اسی طرح میں تمہاری کمروں سے پکڑ کر تمہیں آگ سے بچاتا ہوں اور تم ہو کہ میرے ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ کر گر رہے ہو۔ (مسلم شریف، ج ۷، ص ۶۳۔ جامع صغیر، ج ۲، ص ۱۵۴)

iv- گفت پیغمبر ﷺ شمارا اے مہاں چوں پدر ہستم شفیق و مہرباں

پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے شریف لوگو! میں تم پر باپ کی طرح شفیق اور مہربان ہوں۔ (۲۳۸/۱۱۹)

حدیث : ”إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ“ (مسند احمد، ج ۲، ص ۲۴۷)

ترجمہ : یعنی میں تمہارے لئے والد کی مانند ہوں۔

## نماز میں ٹھنڈک

بہر ایں بو گفت احمد در عظات دَائِمًا قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ

اس خوشبو کے لیے آنحضرت ﷺ ہمیشہ وعظوں میں فرماتے تھے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ (۱۸۲/۹۶)

حدیث : ”حُبَّ أَلَى النِّسَاءِ وَالطِّيبِ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ“ (مسند احمد، ج ۳، ص ۱۹۹)

ترجمہ : تمہاری دنیا میں مجھے تین چیزیں بہت زیادہ محبوب ہیں۔ خوشبو، عورتیں اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔

خوئے دارم در نماز آل التفات معنی قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ

میں نماز میں اس توجہ (تفاتی) کی عادت رکھتا ہوں، یہی ہے معنی اس حدیث کا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ (۲۴۰/۱۲۳)

## زمین پاک ہے

روکہ سجدہ گاہ مارا لطفِ حق پاک گردانید تا ہفتم طبق  
اے عائشہ! اسی مذکورہ سبب سے خدا نے مہربانی سے میری سجدہ گاہ کو زمین کے ساتویں طبق تک پاک کر دیا۔ (۱۸۶/۹۸)  
حدیث: ”جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا“ (بخاری، ج ۱، ص ۴۶)  
ترجمہ: تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاکیزہ بن چکی ہے۔

## آنکھوں کا سونا اور دل کا جاگنا

گفت پیغمبر کہ عَيْنَايَ تَنَامُ لَا يَنَامُ الْقَلْبُ عَنْ رَبِّ الْأَنَامِ  
حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل پروردگارِ عالم کی طرف سے نہیں سوتا۔ (۱۸۸/۹۹)  
حدیث: ”تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي“ (مسند احمد، ج ۱، ص ۲۲۰)  
ترجمہ: میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔  
گفت پیغمبر کہ خَبْدَ چشمِ من لیک کے خپدِ دلم اندر و سن  
پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن نیند میں میرا دل کب سوتا ہے۔ (۲۰۹/۱۰۹)  
حدیث: ”تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي“ (مسند احمد، ج ۱، ص ۲۰۰)  
ترجمہ: میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔

## اولیاء میرے کنبہ کی طرح ہیں

گفت اطفالِ من اند ایں اولیاء در غریبی فرد از کار و کیا  
مثنوی میں مولانا رومؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اولیاء میرے کنبہ کی طرح ہیں، اجنبیت میں کام اور  
شغل سے الگ (ماسوا اللہ تعالیٰ سے قطعاً بیگانہ)۔ (۱۹۳/۱۰۲)  
مطلب: اولیاء میری طرف اس طرح متوجہ اور مشغول ہیں کہ ماسوا اللہ سے بالکل اجنبی اور بیگانہ ہو کر رہ گئے ہیں۔

حدیث: ”الْحَلَقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللَّهِ“ (لطائف معنوی، ص ۱۱۱، الدر المنثور، ص ۱۲۲)  
ترجمہ: تمام مخلوقات خدائے پاک کی اہل و عیال ہے۔

## دوسروں کا مال کھانا

مالِ ایشاں خونِ ایشاں داں یقین زانکہ مال از زور آید در بیمین  
اُن کے مال کو ان کے خون کے برابر سمجھو (پس اُن کا مال چھین لینا اُن کی خونریزی سے کم نہیں)۔ (۱۹۴/۱۰۲)



مطلب : خون پسینہ ایک کر کے کمایا ہوا مال یعنی رزقِ حلال کی اہمیت کا بیان ہے۔  
 حدیث : ”حُرْمَةُ مَالِ الْمُسْلِمِ كَحُرْمَةِ دَمِهِ“ (حلیۃ الاولیاء، ج ۷، ص ۳۳۳)  
 ترجمہ : مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کے لئے اسی طرح حرام ہے، جیسا اُن کا خون۔

### حضور ﷺ کی دُور سی

آنکہ یابد بُوئے رَحْمَن از یَمَن      چوں نیابد بُوئے باطل را زَمَن  
 مصطفیٰ چوں برد بو از راہ دُور      چوں نیابد از دہان ما بخور  
 وہ پاک ہستی جو مدینے بیٹھے یمن کے ملک سے رَحْمَن کی خوشبو محسوس کرتی ہے، میرے اندر سے بدبو کیوں نہ محسوس کر لے گی۔ آنحضرت ﷺ نے جب یمن کی اس قدر دُور دراز راہ سے بو محسوس فرمائی تو ہمارے منہ کی بدبو کیونکر نہ محسوس کریں گے۔  
 (۱۹۵/۱۰۳)

حدیث : ”إِنِّي لَأَجِدُ نَفْسَ الرَّحْمَنِ مِنْ جَانِبِ الْيَمَنِ“ (احیاء العلوم، ج ۳، ص ۱۵۳)  
 ترجمہ : بے شک میں اللہ تعالیٰ کے جھونکے یمن کی طرف سے پارہا ہوں۔  
 حضور ﷺ نے اپنے عاشق زار ادیس قرنیؓ کی خوشبو یمن سے محسوس فرمائی تھی، اسی کی جانب اشارہ ہے۔

### خلوصِ بلالؓ در اذان

آں بلال صدق در بانگِ نماز      حی را ہی خواند از روے نیاز  
 سچائی کا وہ نمونہ کہ بلال نماز کی اذان میں حی (علی الفلاح) کی بجائے خلوص کے ساتھ سُحی (ہائے ہوز) کے ساتھ پڑھتے تھے۔  
 (۱۹۶/۱۰۳)

حدیث : ”سَمِعْتُ بِلَالَ عِنْدَ اللَّهِ شَيْئًا“ (المولود المصروع ص ۴۰)

ترجمہ : حضرت بلال کی سین اللہ تعالیٰ کے نزدیک شین ہے۔

مطلب : دُعا اگر صدقِ دل اور خلوصِ نیت سے کی جائے تو مقبول ہے، اگرچہ اس کے الفاظ غیر فصیح ہوں اُس کی مثال حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلط اذان سے دی جو اُن کے خلوص کی بناء پر دوسرے لوگوں کی صحیح اذان سے بدرجہا بہتر تھی۔

### قضا میں فضا تنگ ہوتی ہے

از قضا حلوه شود رنجِ دہاں  
 تَحْجَبُ الْأَبْصَارُ إِذْ جَاءَ الْقَضَاءُ  
 تا نہ بیند چشمِ کل چشمِ را

۱۔ چوں قضا آید شود تنگِ ایں جہاں  
 ۲۔ گفت اِذَا جَاءَ الْقَضَاءُ ضَاقَ الْفَضَاءُ  
 ۳۔ چشم بستہ میشود وقتِ قضا

جب قضا آتی ہے تو یہ وسیع جہاں تنگ ہو جاتا ہے۔ قضا سے حلوہ بھی منہ کو تکلیف دینے لگتا ہے۔ فرمایا کہ جب قضا آتی ہے تو قضا تنگ ہو جاتی ہے، جب قضا آتی ہے تو آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے، قضا کے وقت آنکھ بند ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ آنکھ سرمہ چشم کو بھی نہیں دیکھ سکتی۔ (جس سے بینائی تیز ہوتی ہے)۔ (۲۰۰/۱۰۵)

حدیث: "إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَرَادَ إِنْفَادَ أَمْرٍ سَلَبَ كُلَّ ذِي لُبٍّ لَّهُ" (جامع صغیر، ج ۱، ص ۶۶)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی فیصلے کو نافذ کرنا چاہتا ہے تو ہر عقلمند کی عقل سلب کر لیتا ہے۔

۲۔ چوں قضا بیرون کند از چرخ سر عاقلان گردند جملہ کور و کر

جب قضا آسمان سے سر نکالتی ہے تو عقلمند بھی سب کے سب اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں۔ (۲۰۴/۱۰۷)

## عقل کا اختلاف

اختلاف عقلا دراصل بود بر وفاق سنیان باید شنود

مگر اہل سنت والجماعت کے مسلک کے موافق سننا چاہیے کہ عقلوں کا اختلاف اصل فطرت میں ہے۔ (۲۱۶/۱۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں نے ایک دن کہا کہ اے ہمارے رب! کیا تو نے اپنے عرش سے بھی زیادہ کوئی چیز عظیم بنائی ہے؟ خدا نے فرمایا: ہاں! عقل۔ انہوں نے کہا کہ اس کی انتہا کہاں تک ہے؟ خدا نے فرمایا کہ ظاہری علوم کے ذریعہ اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیا تمہیں ریت کے ذروں کی تعداد کا علم ہے؟ فرشتوں نے نفی میں جواب دیا۔ خدا نے کہا کہ میں نے عقل کو پیدا کیا ہے کئی قسموں پر، جس طرح ریت کے ذروں کی تعداد ہوتی ہے۔ بعض آدمی تو وہ ہیں جن کو عقل کا صرف رتی برابر حصہ دیا گیا ہے، بعض وہ ہیں جن کو دو رتیاں دی گئیں ہیں اور بعض کو تین رتیاں اور بعض کو مٹھی بھر اور بعض کو سر کے بوجھ کے برابر اور بعض کو اس سے بھی زیادہ۔ (المعجم القوی، ج ۳، ص ۲۲۰)

## ہر شخص کی تخلیق جداگانہ ہے

ہیچنانکہ سہل شد ما را حضر سہل شد ہم قوم دیگر را سفر

آنچنانکہ عاشقی بر سردری عاشق است آل خواہ بر آہنگری

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل آں را در دلش انداختند

جس طرح ہمارے لئے شہر میں (مل جل کر) رہنا آسان ہے، اسی طرح دوسروں (اللہ کے بندوں) کے لئے سفر کرنا (اور پہاڑوں پر تنہا رہنا) آسان ہے۔ جس طرح تم سرداری کے ولدادہ ہو تو کوئی اور صاحب لوہار کے پیشہ پر فریفتہ ہے۔ (اپنی اپنی پسند ہے) ہر شخص کو کسی نہ کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اسی کام کی خواہش اُس کے دل میں ڈال دی گئی ہے۔ (۲۱۸/۱۱۳)



حدیث : ”اعْمَلُوا فِكْلًا مُيسَّرًا لِّمَا خُلِقَ لَهُ“ (مسلم، ج ۸، ص ۴۷)

ترجمہ : کام کرتے رہو، قدرت نے جس کام کے لئے تمہیں پیدا کیا ہے لازماً تمہیں اس کے لئے کام کرنا ہوگا۔

## دل ہوا کے قبضے میں ہے

در حدیث آمد کہ دل ہچو پرست در بیابانے اسیر صرصریت  
حدیث میں آیا ہے کہ دل گویا ایک پر ہے، جو ایک جنگل کے اندر تیز ہوا کے قبضے میں ہے۔ (۲۱۹/۱۱۴)  
مطلب : انسان کے دل کا اعتبار نہیں۔

حدیث : ”إِنَّ هَذَا الْقَلْبَ كَرِيشَةٍ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْأَرْضِ يُقَلِّبُهَا الرِّيحُ ظَهْرًا لِّبَطْنٍ“  
ترجمہ : یعنی اس دل کی مثال اس تنکے کی طرح ہے، جو زمین پر پڑا ہوا اور ہوا کے جھونکے اس کو الٹ پلٹ رہے ہوں۔ (مسند احمد، ج ۴، ص ۴۱۹)

## نیکیوں کے امتحان

مخلصاں ہستند دایم در خطر امتحانہا ہست در راہ اے پسر  
خداوند کے باخلاص بندے بھی ہمیشہ خطرے میں رہتے ہیں، اس راستے میں انہیں بڑے بڑے امتحانات پیش آتے ہیں۔ (۲۲۱/۱۱۵)

اشارہ : ”وَالْمُخْلِصُونَ عَلَىٰ خَطَرٍ عَظِيمٍ“ (شرح خواجہ ایوب)

ترجمہ : مخلص لوگ ہر وقت ایک عظیم خطرے پر ہوتے ہیں۔

## مشائخ قوم میں انبیاء کی مانند ہوتے ہیں

گفت پیغمبر کہ شیخ زتہ پیش چوں نبی باشد میان قوم خویش  
نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شیخ پیشرو اپنی قوم کے اندر مثل نبی کے ہوتا ہے۔ (۲۲۲/۱۱۶)

حدیث : ”الشَّيْخُ فِي بَيْتِهِ كَالنَّبِيِّ فِي قَوْمِهِ“ (کنز العمال رقم الحدیث ۴۳۳۷۷)

ترجمہ : معمر آدمی اپنے گھر میں ایسے ہی ہوتا ہے جیسے اپنی قوم میں نبی ہوتا ہے۔

## ولیوں کی شفاعت

صالحان اتم خود فارغند از شفاعتہائے من روز گزند  
بلکہ ایشاں را شفاعت ہا بود گفت شان چوں حکم نافذ میرود  
میری اُمت کے نیک لوگ اس تکلیف کے دن میری شفاعت سے فارغ ہوں گے کیونکہ وہ پہلے ہی بخشے ہوئے ہیں

بلکہ خود ان کا شفاعتیں کرنے کا حق ہوگا۔ اُن کی بات چلتے ہوئے حکم کی طرح چلے گی۔ (۲۲۶/۱۱۷)  
 حدیث: ”لَيَذُخَلَنَّ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَكْثَرُ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ“ (متدرک حاکم، ج ۱، ص ۷۰)  
 ترجمہ: ایک آدمی کی شفاعت سے میری اُمت کے اتنے کثیر آدمی جنت میں داخل ہوں گے کہ ان کی تعداد بنی تمیم کی تعداد سے زیادہ ہوگی۔

### التَّحِيَّاتُ کی مشمولیات

در تحیات و سلام الصالحین مدح جملہ انبیاء آدم عجلین  
 نیک لوگوں کے سلام اور آداب میں تمام انبیاء کی مدح بھی شامل ہے۔ (۲۳۲/۱۴۰)  
 حدیث: ”التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوْتُ وَالطَّيِّبُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلَّهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ“  
 ترجمہ: تمام بدنی تحفے، تمام دعائیں اور تمام حمد و ثنائیں اُس خدائے پاک کے لائق ہیں۔ اے نبی ﷺ آپ پر درود و سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ ہم پر بھی خدا کی طرف سے سلامتی ہو اور تمام نیک بندوں پر خدا کی طرف سے سلامتی ہو۔ اگر انسان یہ دعا پڑھے تو زمین و آسمان میں بسنے والے ہر نیک آدمی کو یہ دعا پہنچتی ہے۔ (بخاری شریف، ج ۱، ص ۹۹)

### انسان کی عمر رفتہ

حق ہمگن وید چہ آردی مرا اندریں مہلت کہ دادم مر ترا  
 عمر خود را درچہ پایاں بردہ ای قوت و قوت درچہ فانی کردہ ای  
 گوہر دیدہ کجا فرسودہ ای پنج جس را در کجا پالودہ ای  
 اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ اے بندے! تو اس مہلت میں جو میں نے تجھے دی ہے، میرے حضور میں کیا تحفہ لایا ہے، تو نے اپنی عمر کس شغل میں بسر کی ہے، اپنی روزی اور طاقت کس کام میں صرف کی، تو نے آنکھوں کے جوہر کو کہاں فنا کیا اور پانچوں حواس کو کہاں آلودہ کیا ہے؟ (۲۳۳/۱۴۱)  
 مطلب: یہ سب نماز یا جماعت کی کیفیت بیان کی ہے، وہ صف بندی ایسے ہی ہے، جیسے قیامت کے دن حق تعالیٰ کے سامنے صف بندی ہوگی۔

ترجمہ حدیث: ابن آدم کو درگاہ خداوندی سے اُس وقت تک نہیں ملنے دیا جائے گا جب تک اس سے یہ نہ پوچھ لیا جائے گا کہ اس نے اپنی عمر کن کاموں میں صرف کی، اپنی جوانی کن کوششوں میں گزاری، اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا اور جو کچھ خدا نے اس کو حکم دیا کہاں تک اس پر عمل کیا۔ (نہج البلاغہ، ج ۴، ص ۵۳۲)



## نماز میں ٹھونکے

بچہ بیروں آر از بیضہ نماز سر مزن چوں مرغ بے تعظیم و ساز  
تم نماز کے انڈے سے (سبق عبرت کا) بچہ پیدا کرو، ایک بے تعظیم و بے ادب مرغ کی طرح ٹھونکیں نہ مارو۔  
(۲۳۳/۱۳۱)

حدیث : ”نَهَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ نَفَرَةٍ كَنَفَرَةِ الدِّيَكِ وَأَقْعَاءِ كَأَقْعَاءِ الْكَلْبِ وَالْبِفَاتِ كَالْبِفَاتِ الثَّعْلَبِ“ (مسند احمد، ج ۲، ص ۳۱۱)  
ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے مجھے مرنے کی طرح چونچیں مارنے سے منع کیا اور کتے کی طرح بیٹھنے سے بھی منع فرمایا اور لومڑی کی طرح دبک کر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا۔

## اندھی نماز

دل نباشد غیر آں دریائے نور دل نظر گاہ خدا و آنگاہ کور  
دل سوائے اس دریائے نور کے (جو کہ پاک و برگزیدہ لوگوں کا دل ہے) اور کچھ نہیں، بھلا اتنا تو سوچو کہ دل  
خداوند تعالیٰ کا مطمع نظر ہو اور اُس وقت اندھا بھی ہو (کیا یہ ممکن ہے؟ ہرگز نہیں!)  
(۲۳۷/۱۲۳)  
حدیث : ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ“  
ترجمہ : خدا تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ اُس کی نگاہ تمہارے دلوں اور تمہارے  
اعمال پر رہتی ہے۔ (مسلم، ج ۸، ص ۱۱)

## اللہ کا بلاوا

یا نمیدانی کرم ہائے خدا کو ترا میخوابد ایں سو کہ بیا  
یا تو (دین کے لئے کوشش کرنے میں اس لئے سستی کرتا ہے کہ) تجھ کو خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم کی خبر تک نہیں  
جو تجھ کو بار بار پکارتا ہے کہ اِدھر چلا آ۔  
(۲۵۲/۱۳۲)  
ترجمہ : خدائے پاک فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے پاس ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ اپنے  
دل میں یاد کرے تو میں اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجھے جلوت میں یاد کرے تو میں اسے جلوت میں یاد  
کرتا ہوں، ایسی جلوت جو اس کی جلوت سے زیادہ بہتر ہے، اگر وہ میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں اس کی  
طرف ایک ہاتھ اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ آتا ہوں اور اگر وہ میری طرف  
چلتے ہوئے آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتے ہوئے آتا ہوں۔  
”وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ“ (یونس: ۲۵) ترجمہ : اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے (امن و) سلامتی کے گھر کی طرف۔

## نفس دشمن ہے

در خبر بشنو تو ایں پندِ کُو  
بِیْنِ جَنْبِیْکُمْ لَكُمْ اَعْدٰی عَدُوْ  
حدیث پیغمبر ﷺ میں تم یہ اچھی بات سن لو کہ تمہارے دو پہلوؤں کے درمیان تمہارا سخت ترین دشمن (موجود ہے)۔  
(۲۸۴/۱۳۴)

مطلب: نفس کا تمام دشمنوں سے بدترین دشمن ہونے کا بیان ہے۔  
حدیث: ”اَعْدٰی عَدُوْکَ نَفْسُکَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْکَ“ (احیاء علوم الدین، ج ۳، ص ۴)  
ترجمہ: تیرا بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔

## تقریروں کا جادو

گفت پیغمبر کہ اِنَّ فِی الْبَیَّانِ  
سخراً و حق گفت آں خوش پہلوان  
پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے شک بیان میں جادو ہے اور اُس اچھے سردار نے حق فرمایا ہے۔ (۲۸۵/۱۳۴)  
حدیث: ”اِنَّ مِنَ الْبَیَّانِ لَسِحْرًا وَّ اِنَّ مِنَ الشَّعْرِ لِحِکْمَةً“ (مسند احمد، ج ۱، ص ۲۶۹)  
ترجمہ: بے شک بعض تقریروں میں جادو ہوتا ہے اور بعض شعرود میں دانائی۔

## نبی کا ریوڑ

كُلُّكُمْ رَاعٍ نَبِیْیٌ چوں راعیت  
خلق مانندِ رمہ او راعیت  
اس حدیث كَلُّكُمْ رَاعٍ کی رُو سے نبی گڈریئے کی مانند ہے، (اور) مخلوق ریوڑ کی مانند ہے۔ (۲۸۷/۱۳۵)  
ترجمہ حدیث: خبردار! تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ملک کا حاکم اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے اور اس سے رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ایک خاندان کا سرپرست اپنے اہل و عیال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اُن کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ بیوی اپنے گھر کی ذمہ دار ہے اور اپنی اولاد کے بارے میں ذمہ دار ہے اور اُس سے اُن کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ نوکر اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اُس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خبردار! تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اُس کی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ (صحیح مسلم، ج ۶، ص ۸۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۵)

## اولیاء کی نگہبانی

بائگ دیواں گلہ بانِ اشتیاست  
بائگِ سلطانِ پاسبانِ اولیاست  
شیطان کی آواز بد بختوں کی رکھوالی کرتی ہے، بادشاہ حقیقی (حق تعالیٰ) کی آواز اولیاء کی نگہبان ہے۔ (۲۹۱/۱۳۷)



ترجمہ حدیث: یعنی شیطان ابنِ آدم کے دل میں بات ڈالتا ہے اور فرشتہ بھی ڈالتا ہے۔ شیطان کی ڈالی ہوئی بات بُرائی کا وعدہ دینا اور حق کو جھٹلانا ہے اور فرشتے کی بات نیکی کا وعدہ دینا اور حق کی تصدیق کرنا ہے، پس جو شخص یہ بات پائے تو سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو شخص دوسری بات پائے تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ (جامع صغیر للسیوطی، ج ۱، ص ۹۴)

### شکست میں اصلاح

چوں نشانِ مومنان مغلوبی است      لیک در اسکستِ مومن خوبی است  
چونکہ مومن کا نشان (بظاہر) کمزوری ہے لیکن مومن کی شکست میں بھی کسِ نفس اور اصلاحِ اخلاق کی خوبی ہے۔  
(۲۹۷/۱۳۹)

حدیث: "الْمُؤْمِنُ يَهْرُبُ مِنَ الدِّلِ الْخِصَامِ كَمَا يَهْرُبُ الْغَنَمُ مِنَ الذِّئْبِ" (شرح خواجہ ایوب)  
ترجمہ: مومن آدمی جھگڑالو آدمی سے اسی طرح بھاگتا ہے، جیسے بکری بھیڑیے کو دیکھ کر بھاگ جاتی ہے۔

### جنتی لوگ کم جھگڑتے ہیں

گفت پیغمبر کہ ہستند از فنون      اہل جنت در خصوصتہا زون  
پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ جنتی لوگ بعض مصالح کی بناء پر جھگڑوں میں دب جایا کرتے ہیں۔ (۳۰۳/۱۵۱)  
حدیث: "اَكْثَرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْبَلَّةُ" (احیاء العلوم، ج ۴، ص ۱۲۶)  
ترجمہ: اکثر جنتی لوگ بھولے بھالے ہوتے ہیں۔

### حضور ﷺ کا لوگوں کو دوزخ سے کھینچنا

زاں همی خندم کہ از زنجیرِ دغل      می کشمتانِ سوئے سروستان و گل  
ای عجب کز آتش بے زہنہار      بستہ می آریمتاں تا سبزہ زار  
از سوئے دوزخ بزنجیرِ گراں      می کشمتاں تا بہشتِ جادواں  
میں تمہاری زنجیر اور طوق سے اس لئے خوش ہو کر ہنس رہا ہوں کہ تم کو اُن کے ذریعہ سے سروگل والے بہشتی مقام کی طرف لئے جا رہا ہوں۔ واہ واہ! کیا مزے کی بات ہے کہ ہم تم کو جہنم کی بے پناہ آگ سے گرفتار کر کے بہشت کے سبزہ زار کی طرف لا رہے ہیں۔ میں تم کو بھاری زنجیر کے ساتھ دوزخ کی طرف سے دائمی بہشت کی جانب کھینچ رہا ہوں۔  
(۳۰۵/۱۵۲)

حدیث: "عَجِبْ رَبُّنَا قَوْمًا يَقَادُونَ إِلَى الْجَنَّةِ فِي السَّلَاسِلِ" (جامع صغیر، ج ۲، ص ۵۷)  
ترجمہ: اللہ پاک کو اُس قوم پر بڑا ہی تعجب ہوگا جنہیں جنت کی طرف زنجیروں میں باندھ کر لے جایا جائے گا۔

## موت سے نفرت

چوں کراہت رفت خود آں مرگ نیست صورت مرگست نقلاں کرو نیست  
جب موت سے نفرت جاتی رہے تو وہ موت ہی نہیں صرف ظاہر موت ہے، ورنہ حقیقت میں وہ نقل مکانی ہے۔

(۳۰۶/۱۵۳)

مشائخ کرام کا قول ہے: ”أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا يَمُوتُونَ بَلْ يَنْتَقِلُونَ مِنْ دَارٍ إِلَى دَارٍ“ (لطائف معنوی، ص ۱۶۹)  
ترجمہ: خبردار! اللہ کے ولی مرتے نہیں بلکہ وہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

## اولیاء پر رشک

سخت پنہاں است و پیدا حیرتش جان سلطانان جاں در حیرتش  
اس کی حیرت (بجاظ مائیت) سخت پوشیدہ ہے اور (بجاظ آثار) سخت نمایاں، سلاطین روح یعنی انبیاء و اولیاء کی جان  
بھی اس کے متناہی مراتب میں سے کسی ایک درجہ پر پہنچ کر اگلے درجہ کی حسرت میں ہے۔ (۳۱۱/۱۵۵)  
حدیث: ”إِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَّيْسُوا بِأَنْبِيَاءَ لَكِنْ يُغِيْطُهُمُ النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ لِقُرْبِهِمْ وَمَكَانَتِهِمْ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ“ (بحر العلوم طبع ہند)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو نبی نہیں لیکن انبیاء اور شہداء ان پر رشک کرتے ہیں، اس  
قرب اور درجہ کی وجہ سے جو ان کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاصل ہے۔

## بہتر فرقہ

غیر ہفتاد و دو ملت کیش او تخت شاہاں پختہ بندی پیش او  
اُس کا مذہب بہتر (۷۲) فرقوں سے جدا ہے، بادشاہوں کے تخت اُس کے آگے زیون و حقیر ہیں۔ (۳۱۲/۱۵۵)  
حدیث: ”إِفْتَرَقَتِ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً وَتَفَرَّقَتِ النَّصَارَى عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً“  
(جامع صغیر، ج ۱، ص ۴۷)

ترجمہ: یہود اکہتر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے تھے اور عیسائی بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے۔

## بندے پر خدا کا سایہ

سایہ حق بر سر بندہ یود عاقبت جویندہ یا بندہ یود  
حق تعالیٰ کا سایہ بندے کے سر پر ہوتا ہے، آخر تلاش کرنے والا پا ہی لیتا ہے۔ (۳۱۳/۱۵۶)

حدیث: ”مَنْ قَرَعَ بَابًا وَلَجَ“ (المعجم القوی)

ترجمہ: یعنی جس شخص نے کوئی دروازہ کھٹکھٹایا تو داخل ہو گیا۔



## خدا کا دروازہ کھٹکھٹانا

گفت پیغمبر ﷺ کہ چوں کوئی درے عاقبت زان در بروں آید سرے  
پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کوئی دروازہ کھٹکھاؤ تو آخر اُس دروازے سے کوئی سر نکل آتا ہے۔ (۳۱۳/۱۵۶)  
مطلب : ڈھونڈنے والا آخر پائی لیتا ہے۔

حدیث : ”مَا دُمْتُ فِي صَلَاةٍ فَأَنْتَ تَقْرَعُ بَابَ الْمَلِكِ وَمَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْمَلِكِ يَفْتَحْ لَهُ“  
ترجمہ : جب تک تو نماز ادا کرتا رہتا ہے تو دراصل اس مالک حقیقی کا دروازہ کھٹکھا رہا ہوتا ہے اور جو اپنے  
مالک کا دروازہ کھٹکھٹاتا رہے، کبھی نہ کبھی وہ دروازہ کھل ہی جاتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۳۰)

## محبوب پر نظر

بلک از او عاریت کن چشم و نظر پس بچشم او بروے او نگر  
خود اسی محبوب سے آنکھ اور نظر مستعار لے لو اور پھر اسی کی آنکھ سے اُس پر نظر کرو۔ (۳۱۷/۱۵۷)  
حدیث : ”اعْرِضُوا لِلَّهِ بِاللَّهِ“ (اصول کافی طبع تہران، ص ۴۱)  
ترجمہ : اللہ تعالیٰ کو اسی کے نور سے پہچانو۔

## فرشتوں کی دعا

انبیاء بادشمان بر می تند پس ملائک ربّ سلم می زند  
انبیاء کرام جو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتے ہیں تو گویا وہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں آ رہے ہیں، اس  
لئے فرشتے ”الہی اُن کو سلامت رکھ“ کا نثارہ بجاتے ہیں۔ (۳۱۶/۱۵۷)  
حدیث : ”شِعَارُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ“ (متدرک حاکم، ج ۲، ص ۳۷۵)  
ترجمہ : پُل صراط پر قیامت کے دن مسلمانوں کے درمیان امتیازی الفاظ یہ ہوں گے۔ ”اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ“

## خدا کا ہاتھ

چشم او من باشم و دست و دلش تا رہد از مدبر بہا مقبلش  
حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں اور اس کا دل، تاکہ اُس کا  
باقبال نصیب بد بختیوں سے چھوٹ جائے۔ (۳۱۹/۱۵۸)  
مطلب : قُرب خداوندی کے فیوض و برکات۔

ترجمہ حدیث : بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے کسی دوست کو اذیت دی، گویا اُس نے مجھے  
لڑائی کے لئے چیلنج کیا اور مجھ سے قریب کرنے کے لئے فرائض سے زیادہ کوئی محبوب چیز نہیں ہے۔ میرا بندہ مسلسل

نوافل ادا کرتا ہے اور میرے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اُسے محبوب رکھنے لگتا ہوں اور جب وہ میرا محبوب ہو جائے تو جن کانوں کے ساتھ وہ سنتا ہے، وہ کان میں بن جاتا ہوں اور جن آنکھوں کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، وہ آنکھیں میں بن جاتا ہوں، جن ہاتھوں کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور جن پاؤں کے ساتھ وہ چلتا ہے، وہ میں بن جاتا ہوں پھر اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے تو میں ضرور عطا کرتا ہوں اور وہ میری پناہ مانگے تو ضرور دیتا ہوں۔ (بخاری رقم الحدیث ۶۵۰۲)

حدیث: "مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانِ اللَّهُ لَهُ" (کشف الاسرار وانشاگاہ تہران، ص ۵۶۲)

ترجمہ: یعنی جو اللہ کا ہو جائے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

### نیکوں پر مصائب

زیر سبب بر انبیاء رنج و شکست  
از ہمہ خلق جہاں افزوں تر است  
اسی لئے تو انبیاء پر دکھ اور شکستہ حالی تمام مخلوق عالم سے زیادہ نازل ہوتی ہے۔  
(۳۲۰/۱۵۸)

مطلب: نزول مصائب سے روحانی ترقی ہوتی ہے۔

حدیث: "إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الصَّالِحُونَ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَلَا مَثْلَ" (جامع صغیر، ج ۱، ص ۴۱)  
ترجمہ: خدا کی طرف سے جو مصائب نازل ہوتے ہیں وہ سب سے زیادہ انبیاء پر پھر نیک لوگوں پر اور پھر درجہ بدرجہ۔

### مومن کی مصیبت

کہ بلائے دوست تطہیر شامت  
علم او بالائے تدبیر شامت  
محبوبِ حقیقی کی بھیجی ہوئی بلا تہاری روحانی پاکیزگی کا سامان ہے، اُس کا علم تمہاری تدبیر سے بالاتر ہے۔ (۳۲۱/۱۶۰)  
حدیث: "مَا مِنْ مُصِيبَةٍ تُصِيبُ الْمُسْلِمَ إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا عَنْهُ حَتَّى الشُّوْكَةُ يُشَاكَّهَا"  
ترجمہ: مسلمان کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ اُس کے گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے، یہاں تک کہ جو کاٹنا بھی اُس کو چھتا ہے۔ (جامع صغیر، جلد ۲، ص ۱۵۲)

### اللہ کی حفاظت

کے کم از کم از بزمِ غلام  
کہ نباشد حارس از دُنبالہ ام  
میں کیا ایک بھیڑ بکری کے بچے سے بھی کم ہوں کہ میرے پیچھے کوئی نگہبان نہ ہو؟  
(۳۲۳/۱۶۱)  
حدیث: "إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَحْمِي عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ كَمَا يَحْمِي الرَّاعِيَ الشَّفِيقُ غَنَمَهُ عَنْ مَوَاقِعِ الْهَلَكَةِ"  
ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی اس طرح حفاظت کرتا ہے، جس طرح ایک شفیق چرواہا



اپنی بھیڑوں کی حفاظت کرتا ہے کہ کہیں وہ تباہی کے گڑھے میں نہ گر جائیں۔ (جامع صغیر، ج ۱، ص ۷۵)

### قضا اندھا کر دیتی ہے

آدم! تو نیستی کور از نظر  
لیک اِذَا جَاءَ الْقَضَاءُ عَمِّي الْبَصَرُ  
اے آدم! تم بینائی سے اندھے نہیں ہو لیکن جب قضا آتی ہے تو بصارت بیکار ہو جاتی ہے۔ (۳۲۶/۱۶۲)

حدیث: "إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَرَادَ إِنْفَادَ أَمْرٍ سَلَبَ كُلَّ ذِي لُبٍّ لُبَّهُ" (جامع صغیر، ج ۱، ص ۶۶)  
ترجمہ: جب اللہ اپنے کسی فیصلے کا ارادہ کرتا ہے تو عقلمند افراد کی عقل سلب کر لی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ  
اُس کا حکم نافذ ہو جائے تو اُن کی عقلیں واپس لوٹا دی جاتی ہیں، پھر اُن کے پاس ندامت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

### ہم نوح کی کشتی ہیں

بہر ایں فرمود پیغمبر کہ من  
ہجو کشتی ام بطوفان زمن  
ما و اصحابیم چون کشتی نوح  
ہر کہ دست اندر زند یابد فتوح  
اسی لئے پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں زمانے کے طوفان میں مع صحابہ حضرت نوحؑ کی کشتی کی مانند ہوں پھر جو  
شخص ہمارا سہارا پکڑے گا، نجات پائے گا۔ (۳۳۴/۱۶۹)

حدیث: "مَثَلُ غُرْتَيْكَسَافِيْنِهِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَ فِيْهَا نَجَا" (کنوز الحقائق، ص ۱۱۹)  
ترجمہ: میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوحؑ کی ہے پھر جو اس میں سوار ہو گیا، نجات پا گیا۔

### ہدیہ دینے کی حکمت

من نمی گویم مرا ہدیہ دہید  
لیک گفتم لائق ہدیہ شوید  
کہ مرا از غیب نادر ہدیہ ہاست  
کہ بشر آرا نیارد نیز خواست  
میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے ہدیہ دو بلکہ میں کہتا ہوں کہ تم ہدیہ دینے کے لائق بنو۔ کیونکہ مجھے عائب سے علوم و معارف یا  
حکومت اُس و جان کے وہ نادر تحفے ملے ہیں کہ کوئی دوسرا انسان اُن کی آرزو بھی نہیں کر سکتا۔ (۳۳۶/۱۶۷)  
(چہ جائیکہ اُن کو حاصل کر لے)۔

ترجمہ حدیث: خدا نے فرمایا کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ کچھ تیار کیا ہے جو آج تک نہ کسی  
آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی دل میں اس قسم کا خیال آیا ہے۔

### آدم کی صورت خدا کی صورت

خلق ما بر صورت خود کرد حق  
وصف ما از وصف او گیرد سبق  
حق تعالیٰ نے ہماری آفرینش اپنی صورت کے مطابق کی ہے، اس لئے ہمارا وصف اُس کے وصف سے سبق حاصل

(۳۳۶/۱۷۲)

کرتا ہے۔

حدیث: ”إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَحْتَسِبِ الْوُجْهَ فَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ“ (مسلم، ج ۸، ص ۳۰)  
ترجمہ: جب کوئی آدمی اپنے بھائی کے ساتھ لڑے تو اسے چاہیے کہ اس کے چہرے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا چہرہ اپنی صورت میں بنایا تھا۔

### جو لوگ خدا کے ساتھ ٹیڑھے ہیں

بچپنیں تاج سلیمان میل کرد  
روز روشن را برو چوں لیل کرد  
اسی طرح ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تاج ٹیڑھا ہو گیا اور اس نے ان پر دن دہاڑے اندھیرا ڈال دیا۔

(۳۷۱/۱۸۳)

مطلب: مولانا کا مقصود یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اُن کی ایک لغزش سے ایسا ہوا، لہذا کج رو کے خلاف مخلوق خدا بھی کج رو بن جاتی ہے۔

### پیشوا بوڑھا چاہیے

ہم تو گفتی ایں و گفت تو گوا  
بیر باید بیر باید پیشوا  
یہ آپ ہی نے فرمایا ہے اور آپ کا فرمان گواہ ہے کہ پیشوا بوڑھا چاہیے، بڑھا۔

(۳۷۸/۱۸۸)

مطلب: وہی فوج ارسال کرنے کی بات چل رہی ہے کہ سالار فوج جہاں دیدہ تجربہ کار اور بڑھا ہونا چاہیے۔  
حدیث: ”كَبُرُ الْكِبَرُ الْكِبَرُ“ (مسلم، ج ۵، ص ۹۹، ۹۸)

ترجمہ: بڑے آدمی کی عزت کرو۔

### موت سے پہلے مرنا

مرگ پیش از مرگ امن است ای فتنی  
ایں چنیں فرمود مارا مصطفیٰ  
گفت مَوْتُوَا قَبْلُکُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ  
یَأْتِیَ الْمَوْتُ تَمَوْتُوَا بِالْفِتَنِ  
اے جوان! مرنے سے پہلے مر جانا یہ ہے اور حضرت محمد ﷺ نے فرمایا بھی ہے کہ مر جاؤ! قبل اس کے کہ موت آئے اور تم فتنوں سے مرو۔

(۳۸۷/۱۹۱)

حدیث: ”حَاسِبُوا أَعْمَالَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسِبُوا وَذُنُوبَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُذُنُوا وَمَوْتُوَا قَبْلَ أَنْ تَمَوْتُوَا“  
ترجمہ: اپنے اعمال کا محاسبہ اس وقت سے پہلے کر لو جب کہ تم سے محاسبہ کیا جائے گا، اپنے نفسوں کا موازنہ اُس سے پہلے کر لو جب کہ تمہیں موازنہ کے لئے پکارا جائے گا، مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ۔ (منج سے روایت ہے)۔



## فرعون سے انعامات کے وعدے

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے فرعون کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر تو ایمان لے آؤ تو تمہیں چار عدد وعدوں سے ممتاز کیا جائے گا۔

گفت موسیٰ کاؤلین آں چہار  
صحتی باشد تبت را پائدار  
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان چاروں میں سے پہلی یہ ہے کہ تیرے وجود کی صحت پائدار رہے گی۔

(۳۹۲/۱۹۳)

مطلب : حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو نصیحت کہ میری ایک بات مانو، اُس کے عوض چار انعام اور ان میں سے پہلا انعام ہے صحت دائمی۔

حدیث : ”إِنَّ لَكُمْ أَنْ تَحْيُونَ فَلَا تَمُوتُوا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَصْحُوا فَلَا تَسْتَهْوَا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشْبُوا فَلَا تَهْدَمُوا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا فَلَا تَبْأُسُوا“ (مسند احمد، ج ۲، ص ۳۱۹)

ترجمہ : تمہیں چاہیے کہ (۱) زندہ رہنے کی کوشش کرو اور نہ مرو۔ تمہیں چاہیے کہ (۲) تندرست رہنے کی کوشش کرو اور بیمار نہ پڑو اور تمہیں چاہیے کہ (۳) جوان رہنے کی کوشش کرو اور بوڑھے نہ ہو جاؤ اور تمہیں چاہیے کہ (۴) بے فکر رہنے کی کوشش کرو اور متفکر نہ رہو یعنی اگر فرعون مسلمان ہو جاتا تو اس کو یہ چار چیزیں ملتی مگر اس نے ہامان سے مشورہ کیا تو اس نے کہا جناب آپ تو خود خدا ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے خدا کی بات کیوں مانتے ہو، لہذا محروم رہا۔

## صحابی سے جنت کا وعدہ

گفت عکاشہ صفر بگذشت و رفت

گفت عکاشہ بہرہ از مژدہ بر

عکاشہ نے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ماہ صفر بیت گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بہادر شیر! بہشت تمہاری قیام گاہ ہے پھر دوسرا آیا اور عرض کیا کہ ماہ صفر گزر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خوشخبری کا پھل تو عکاشہ لے گیا۔

ترجمہ حدیث : متعدد روایات میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! جنت میں میری امت سے ستر ہزار آدمی ایسے داخل ہوں گے جن سے حساب کتاب نہیں لیا جائے گا۔ عکاشہ بن حصن نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں ان لوگوں میں سے ہوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو بھی انہی میں سے ہے۔ پھر دوسرا آدمی اٹھا اُس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی انہیں میں سے ایک ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔

## اللہ کے ساتھ خاص وقت

لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ بَدَأَ دَمِ مَرَا لَا يَسَعُ فِيهِ نَبِيٌّ مُجْتَبَى  
میں اس وقت خدا کے ساتھ تھا، جہاں کسی نبی مرسل کی بھی گنجائش نہ تھی۔  
(۴۰۶/۱۹۹) مطلب: حضور کے تقرب کا بیان ہے۔

حدیث: ”لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَا يَسَعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ“  
ترجمہ: یعنی مجھ کو خدا کے ساتھ معیت و قرب کا ایک ایسا خاص وقت حاصل ہے جس میں اور کسی رسول یا  
مقرب فرشتے کی گنجائش نہیں۔ (مؤلف المؤلؤ والمرصوع ص ۶۶)

## خلیلؑ کی خدمت میں جبریلؑ علیہ السلام کا آنا

او ادب نا موخت از جبریلؑ راد کہ پرسید از خلیلؑ حق مراد  
وہ حضرت جبریلؑ علیہ السلام سے ادب کیوں نہ سیکھے، جنہوں نے حضرت خلیلؑ سے آگ میں گرتے وقت ان کی مراد  
کے متعلق پوچھا تھا۔ (۴۰۸/۱۹۹)

حدیث: حضرت جبریلؑ علیہ السلام کا کہنا هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ۔ (کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟)  
حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے فرمایا: اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا۔ (مگر آپ سے کوئی نہیں)۔  
مطلب: آتشِ نمرود کے وقت حضرت جبریلؑ علیہ السلام کا آنا اور پوچھنا کہ یا خلیلؑ! اللہ! کوئی خدمت میرے  
لائق ہے۔

حدیث: ”عَلِمَهُ بِحَالِي حَسْبِي مِنْ سُؤَالِي“ (احیاء العلوم، ج ۴، ص ۱۲۳)  
ترجمہ: یعنی مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اُس خدائے پاک کا علم اور اس کی بصیرت مجھے  
دیکھ رہی ہے۔

## دینداروں پر انعام

گفت رو ہر کاو غم دیں برگزید باقی غمہا را خدا از وے برید  
بادشاہ نے کہا کہ جاؤ بھی، جس نے غم دیں اختیار کر لیا، خدائے بزرگ و برتر نے اسے تمام افکار سے چھڑا لیا۔ (۴۱۵/۲۰۱)  
حدیث: ”مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هِمًّا وَاحِدًا كَفَاهُ اللَّهُ هَمَّ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ لَمْ يُبَالِ اللَّهُ فِي  
أَيِّ أَوْدِيَةِ الدُّنْيَا هَلَكَ“ (متدرک حاکم، ج ۲، ص ۴۴۳)

ترجمہ: جو تمام غموں کو ایک غم بنا دے، اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے غموں کا کفیل خود ہو جاتا ہے اور جو مختلف  
غموں میں الجھتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو بھی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ دنیا کی جس وادی میں چاہے گرے اور ہلاک ہو جائے۔



## پیغمبرؐ کی ستر بار توبہ

ہجو پیغمبرؐ زگفتن وز نثار توبہ آرم روز من ہفتاد بار جناب رسولؐ کی طرح میں بھی اپنی گفتگو اور معرفت کے موتی نثار کرنے کے لئے ہر روز ستر بار توبہ کرتا ہوں۔  
(۴۲۵/۲۰۴)

مطلب : حضورؐ کا فرمان ہے کہ میں ستر مرتبہ مغفرت طلب کرتا ہوں۔  
حدیث : ”وَاللّٰهُ اِنِّیْ لَا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنِ مَرَّةً“ (بخاری، ج ۴، ص ۶۴)  
ترجمہ : اللہ پاک کی قسم ہے کہ میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں دن میں ستر بار۔

## مصیبت اور اللہ والے

گفت درویش بہ درویش کہ تو چوں بدیدے حضرت حق را بگو  
ایک درویش نے دوسرے درویش سے پوچھا، یہ تو بتاؤ کہ تم نے حضرت حق کو کیسے دیکھا؟  
(۴۶۳/۲۲۱)  
مطلب : بے شک دجال کا خروج ہوگا تو اُس کی معیت میں آگ اور پانی ہوگا، جس چیز کو آدمی آگ سمجھیں گے وہ حقیقتاً ٹھنڈا پانی ہوگا اور جس کو لوگ پانی سمجھیں گے وہ ایک جلا دینے والی آگ ہوگی۔ تم میں سے جو آدمی اس کو پائے اسے چاہیے کہ اس حصے میں گرے جو بظاہر آگ دکھائی دے رہا ہو کیونکہ وہ آگ نہیں، شیریں اور ٹھنڈا پانی ہوگا۔ (مسند احمد، ج ۵، ص ۹۹)

## عقل کا ذرہ

پس کلو گفت آں رسول خوش جواز ذرہ عقلت بہ از صوم و نماز  
پس پاک روشن رسول مقبولؐ نے خوب فرمایا ہے کہ تیرے لئے ذرہ بھر عقل روزہ و نماز سے بہتر ہے۔  
(۴۶۳/۲۲۱)

مطلب : عقل کی فضیلت کا بیان۔

حدیث : ”كُنْتُ اُبَايِعُ النَّاسَ وَكُنَّ مِنْ خُلُقِی الْجَوَازُ“ (نہایہ ابن اشیر، ج ۱، ص ۱۲۴)  
ترجمہ : رسول اللہؐ نے فرمایا! میں لوگوں سے بیعت لیا کرتا ہوں اور میری فطرت میں اختصار پسندی ہے۔  
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک آدمی کی تعریف کی جب کہ وہ رسول اللہؐ کے پاس بیٹھے تھے کہ وہ آدمی عبادت گزار اور اچھی عادت رکھنے والا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے بہت مبالغہ کیا۔ رسول پاکؐ نے پوچھا کہ اُس کی عقل کیسی ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم تو آپ کو اس کی عبادت اور نیکی کے دوسرے امور کے بارے میں اس کی جدوجہد کی خبر دے رہے ہیں اور آپؐ اس کی عقل کے بارے

میں پوچھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک احمق کو اپنی حماقت کی بناء پر اتنا کچھ نقصان پہنچ جاتا ہے، جتنا کہ ایک فاسق و فاجر کو اپنے فسق و فجور سے پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو درجات میں رفعت عطا فرمائے گا لیکن ان کو خدا کا قُرب اُن کی عقلوں کے مطابق نصیب ہوگا۔ (شرح نخب البلاغہ، ج ۴، ص ۳۶۳)

### عقلوں میں فرقِ بسیار

اِس تفاوتِ عقلماء را نیکِ دال در مراتب از زمین تا آسمان  
عقلوں کے اس تفاوت (فرق) کو جو ان کے مراتب میں ہے زمین سے لے کر آسمان تک خوب سمجھ لو۔ (۴۶۵/۲۲۳)  
مطلب : معزلہ کے اس عقیدے کی تردید ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ دراصل شخصی عقلیں برابر ہیں۔

### شکستہ حال کی دُعا

دستِ اشکستہ بر آوردِ دُعا سوئے اشکستہ پردِ فضلِ خدا  
اے مخاطبِ دُعا میں شکستہ ہاتھ اٹھاؤ، کیونکہ شکستہ حال آدمی کی طرف فضل و اجابتِ خداوندی اڑ کر آتی ہے۔  
(۴۶۶/۲۲۳)

حدیث : ”إِلَهِي أَيْنَ أَطْلُبُكَ قَالَ عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ“ (شرح تفسیر، ج ۳، ص ۱۲۷)  
ترجمہ : یعنی اے میرے پروردگار! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ خدا نے فرمایا کہ ٹوٹے ہوئے دل والوں کے پاس۔

### پاکدامنی اور شہوت

ہیں مکن خود را خُصی رہباں مشو زانکہ عفت ہست شہوت را گرو  
خبردار! اپنے آپ کو خُصی نہ کرو، رہبانیت اختیار نہ کرو، کیونکہ پاک دامنی شہوت کے تابع ہونے پر موقوف ہے۔  
(۴۷۲/۲۲۶)

حدیث : ”رَدَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَطْعُونٍ التَّبَتُّلَ وَلَوْ أِذْنٌ فِيهِ لَا تَخْتَصِنَا“  
ترجمہ : رسولِ پاک ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہبانیت سے روک دیا اور اگر آپ ﷺ اجازت دیتے تو ہم خُصی ہو جاتے۔ (نہایہ ابنِ اثیر، ج ۱، ص ۵۹)

### مرشدِ نبی کا نور ہے

کاوِنبی وقتِ خویش است اے مرید زانکہ از نورِ نبی آمد پدید  
کیونکہ اے مرید وہ مرشدِ کامل اپنے وقت کا نبی ہے، اس لئے کہ وہ صاف طور پر نبی کا نور ہے۔ (۴۸۱/۲۲۸)



حدیث : ”اَلشَّيْخُ فِي بَيْتِهِ كَالنَّبِيِّ فِي قَوْمِهِ“ (الدرر المنثورة كما تقدم)  
ترجمہ : معمر آدمی اپنے گھر میں ایسے ہوتا ہے، جیسے اپنی قوم میں نبی ہوتا ہے۔

### کائنات کا مقصود

جوہر است انسان و چرخ او را عرض  
جملہ فرع و سایہ اند و تو عرض  
انسان اک جوہر ہے اور آسمان اس کی عرض ہے، تمام مخلوقات (غیر انسان) متعلقات اور سایہ ہیں اور اصل مقصود انسان ہے۔  
(۵۷۵/۲۶۳)

حدیث : ”يَا ابْنَ آدَمَ خَلَقْتُكَ لِأَجَلِي وَخَلَقْتُ الْأَشْيَاءَ لِأَجْلِكَ“ (المنهج القوي، ج ۵، ص ۵۱۶)  
ترجمہ : اے ابن آدم! میں نے تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا اور کائنات کی دوسری چیزیں تیرے لئے پیدا کیں۔

### نفس کا ذلیل ہونا

چوں طمع بستی تو در انوار ہو  
مصطفیٰ گوید کہ ذلت نفسہ  
جب تم انوار الہیہ کے شائق ہو جاؤ تو تم اس عالی مقام پر پہنچ گئے، جس کے متعلق حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ  
اُس کا نفس ذلیل ہو گیا۔  
(۵۷۲/۲۶۳)

حدیث : ”الْمُؤْمِنُ يَهْرُبُ مِنَ الدَّلَالِخِصَامِ كَمَا يَهْرُبُ الْغَنَمُ مِنَ الذِّئْبِ“ (شرح خواجہ ایوب)  
ترجمہ : مومن آدمی جھگڑا لڑنے سے اسی طرح بھاگتا ہے، جیسے بکری بھیڑیے سے بھاگتی ہے۔

### ہر شخص معمور بہ خدمت ہے

ہر کسی راہ خدمتی دادہ قضا  
در خور آں گوہر ش در ابتلا  
قضا و قدر نے ہر شخص کو امتحان کی مصلحت سے اس کی استعداد و صلاحیت کے موافق ایک نہ ایک خدمت سپرد کر رکھی ہے۔  
(۵۸۷/۲۶۸)

حدیث : ”اعْمَلُوا أَكُلَّ مِيسَرٍ لِّمَا خُلِقَ لَهُ“ (مسلم، ج ۸، ص ۴۷)  
ترجمہ : کام کرتے رہو، قدرت نے جس کام کے لئے تمہیں پیدا کیا ہے لازماً تمہیں وہ کرنا ہوگا۔

### اللہ کے ہم نشین کون ہیں

پس جلیس اللہ گشت آں نیکبخت  
کہ بہ پہلوئے سعیدے برد رخت  
پس وہ خوش نصیب آدمی اللہ تعالیٰ کا ہم نشین ہو گیا جس نے کسی صاحب سعادت کے پہلو میں ڈیرہ ڈال دیا۔  
(۶۳۵/۲۸۷)

مطلب : کالمین کی صحبت گویا ہم نشینی با خدا ہے۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا او نشیند در حضور اولیاء  
حدیث: ”مَنْ أَرَادَ أَنْ يُجْلِسَ مَعَ اللَّهِ فَلْيُجْلِسْ مَعَ أَهْلِ التَّصَوُّفِ“ (علامہ سیوطی المالکی ج ۲ ص ۲۶۳)  
ترجمہ: جو اللہ کی مجلس میں بیٹھنا چاہے اسے صوفیاء کے ساتھ بیٹھنا چاہیے۔

### جاہل کے نقصانات

جاہل ار باتو نماید ہدلی عاقبت زحمت زند از جاہلی  
جاہل اگر تم سے ہدلی کا اظہار بھی کرے، انجام کار جہالت کی وجہ سے تم کو نقصان اور صدمہ پہنچائے گا۔  
(۶۳۷/۲۸۷)

مطلب: جاہل کی دوستی ضرر ہی ضرر ہے۔  
اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی اس بارے میں ہے:  
”يَا بَنِي آيَاكَ وَمَصَاحِبَةَ الْأَحْمَقِ فَإِنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَنْفَعَكَ فَيُضُرُّكَ“  
ترجمہ: اے میرے بیٹے! احمق کی دوستی سے پرہیز کر، وہ چاہے گا کہ تجھے نفع پہنچائے مگر بے خیالی میں  
نقصان پہنچائے گا۔ (شرح نہج البلاغہ، ص ۲۵۹)

### جے پیر نظر اک تگے ہو

ورکنی خدمت نخوانی یک کتیب علمہائے نادرہ یابی زجیب  
اگر تم مرشدِ کامل کی خدمت کرو اور خواہ ایک کتاب بھی نہ پڑھو تو بھی اپنے گریبان کے اندر نادر علوم پاؤ گے۔  
(۶۵۰/۲۹۱)  
مطلب: خدمت سے مراد خدمتِ مرشد ہے اور مقصود یہ ہے کہ خدا چاہے تو بلا اسباب بھی مراد پوری کر دے،  
اس کی رضا مقدم ہے۔

حدیث: ”مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا ظَهَرَ ثَوْبُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ“  
ترجمہ: جو انسان چالیس دن تک خدا کا مخلص بندہ بن کر زندگی بسر کر لے، اس کے دل سے حکمت و دانش  
کے چشمے پھوٹ کر اُس کی زبان پر آنے لگتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء، ج ۵، ص ۱۸۹)

### ہر ولی اللہ ایک کشتی بان ہے

ہر ولی را نوح و کشتی بان شناس صحبت ایں خلق را طوفان شناس  
ہر ولی کو نوح اور کشتی بان اور اُس کی صحبت کو کشتی سمجھو اور اِس مخلوق کی صحبت کو طوفان جانو۔  
(۶۶۰/۲۹۳)  
مطلب: صحبتِ عوام سے بچنے کے لئے صحبتِ اہل اللہ کی کشتی میں پناہ لینی چاہیے۔



حدیث: ”مَثَلُ عِثْرَتِي كَسَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَ فِيهَا نَجَا“ (کنزالحقائق ص ۱۱۹)  
ترجمہ: میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوح کی ہے، جو اس میں سوار ہو گیا، نجات پا گیا۔

### شہریوں اور دیہاتیوں میں فرق

الْكِيَاْسَةُ وَالْاَدَبُ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ  
الضِّيَافَةُ لِلْغُرَبَاءِ وَالْقُرَى  
الضِّيَافَةُ وَالْقُرَى لِأَهْلِ الْوَبَرِ  
أَوْدَعُ الرَّحْمَنِ فِي أَهْلِ الْقُرَى  
دانا کی اور تہذیب شہر والوں کا حصہ ہے اور ضیافت و مہمان نوازی کا وصف اہل بادیہ کے لئے ہے، مسافر کے لئے ضیافت اور مہمان داری حق تعالیٰ نے اہل دیہات کو بخشی ہے۔ (۶۶۸/۲۹۶)

مطلب: تہذیب و شائستگی اہل شہر کا اور مہمان نوازی اور مسافر پروری اہل دیہات کا حصہ ہے۔  
حدیث: ”الضِّيَافَةُ عَلَى أَهْلِ الْوَبَرِ وَلَيْسَتْ عَلَى أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ“ (جامع صغیر، ج ۲، ص ۵۲)  
ترجمہ: صحیح طور پر مہمان نوازی دیہاتیوں ہی کا حصہ ہے اور یہ شہر والوں کے نصیب میں نہیں ہے۔

### دُکھ سکھ کے احوال

سعد ویدی شکر کن و ایثار کن  
اگر تم کوئی مبارک ستارہ دیکھو تو شکر کرو اور دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ، اگر کوئی منحوس ستارہ دیکھو تو صدقہ دو اور  
استغفار کرو۔ (۶۸۵/۳۰۲)  
مطلب: شخص سے یہاں مولانا کی مراد خیالات بد اور سعد سے مراد نیک خیال ہے، ایک پہ شکر اور دوسرے پر توبہ کرو۔

حدیث: ”إِذَا أَصْبَحْتَ فَتَصَدَّقْ بِصَدَقَةٍ يَذْهَبُ عَنْكَ نَحْسٌ ذَالِكَ الْيَوْمِ وَإِذَا أَمْسَيْتَ فَتَصَدَّقْ بِصَدَقَةٍ يَذْهَبُ عَنْكَ نَحْسٌ تِلْكَ اللَّيْلَةِ.“ (متدرک الوسائل، ج ۱، ص ۵۳۳)  
ترجمہ: جب صبح ہو تو کچھ نہ کچھ صدقہ دیا کرو، اس سے اُس دن کی نحوست تم سے چلی جائے گی اور جب شام ہو تو بھی صدقہ کیا کرو تاکہ اُس رات کی نحوست زائل ہو جائے۔

### اَلَمْ نَشْرَحْ كِي بَيْتِ

از اَلَمْ نَشْرَحْ دو ہمش سرمہ یافت دید آنچہ جبرئیل بر نتافت  
کیا ہم نے تمہارے سینے کو کشادہ نہیں کیا، اس ارشاد حق سے حضور ﷺ کی دونوں آنکھوں نے سرمہ بصیرت پایا اور اس بصیرت کی بدولت حضور ﷺ نے وہ کچھ دیکھا جس کے دیکھنے کی جبرئیل علیہ السلام تاب نہ لاسکے۔ (۶۸۸/۳۰۳)  
مطلب: شرح صدر حضور کے لئے باعث معرفت و بصیرت ہے، دوسرے مصرع میں معراج کے واقعہ کا

ذکر ہے۔

حدیث : ”فَلَمَّا بَلَغَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى فَانْتَهَى إِلَى الْحَبَابِ فَقَالَ جِبْرِيلُ تَقَدَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَيْسَ لِي أَنْ أَجُوزَ هَذَا الْمَكَانَ وَلَوْ ذَنُوتُ أَنْمِلَةً لَا خَيْرَ لِي فِيهِ“ (بحار الانوار، ج ۶، ص ۳۳ فی معراج)

ترجمہ : جب رسول اللہ ﷺ سدرۃ المنتہی تک پہنچے تو آپ اُن نورانی پردوں تک گئے اور جبرئیل علیہ السلام نے کہا : یا رسول اللہ ﷺ! آپ خود آگے بڑھ جائیے، مجھ میں ہمت نہیں کہ اس مقام سے آگے تجاوز کروں اور اگر میں ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں تو میں جل جاؤں گا۔

### غرض مند کا اندھا پن

پس نیند جملہ را باطم و رم  
پس وہ نظر اس سارے واقعہ کو اس کے رطب و یابس سمیت نہیں دیکھ سکتی کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض اشیاء سے محبت کرنا (ان کے معائب سے) اندھا بہرا کر دیتا ہے۔

مطلب : اغراض آنکھوں کا حجاب ہو جاتی ہیں۔

حدیث : ”حُبُّكَ الشَّيْءِ يُعْمِي وَيُصِمُّ“ (مسند احمد، ج ۵، ص ۱۹۳)

ترجمہ : کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

### نیکیوں کی تلاش کرو

پس تو ہم النجَارُ ثُمَّ الدَّارُ گو  
پس تم بھی کہو کہ نیک ہمسایہ کی طلب ضروری ہے پھر گھر کی اور اگر تم دل رکھتے ہو تو جاؤ دلدار کو تلاش کرو۔

پس تم بھی کہو کہ نیک ہمسایہ کی طلب ضروری ہے پھر گھر کی اور اگر تم دل رکھتے ہو تو جاؤ دلدار کو تلاش کرو۔

(۶۹۵/۳۰۴)

مطلب : دلدار سے مراد مرشدِ کامل ہے۔ خاصانِ حق کی قبور کے شرف کا بیان آ رہا ہے، ضمناً نیک ہمسایہ اور

ساتھی کی فضیلت۔

حدیث : ”الْجَارُ قَبْلَ الدَّارِ وَالرَّفِيقُ قَبْلَ الطَّرِيقِ وَالزَّادُ قَبْلَ الرَّحِيلِ“ (جامع صغیر، ج ۱، ص ۱۳۳)

ترجمہ : مکان بنانے سے پہلے پڑوسی کی تحقیق کر لو، سفر کرنے سے پہلے ساتھی کی اور کوچ سے قبل راہ کی تسلی

کر لو۔ یوں بھی روایت ہے۔

حدیث : ”الْجَارُ ثُمَّ الدَّارُ“ (مجمع الامثال، ص ۱۳۵)

ترجمہ : پہلے پڑوسی پھر گھر۔



## اختتامیہ

ایک زمانہ تھا کہ فارسی زبان کو شاہی زبان ہونے کا شرف حاصل تھا مگر آج اس زبان کا استعمال پاکستان میں نہایت محدود ہو گیا ہے، حالانکہ یہ زبان ذخیرہ ہائے علم و ادب، صوفیانہ تحلیلات اور بہت سے علوم دنیا کی حامل ہے۔ اس زبان میں آج بھی فلسفیانہ، صوفیانہ اور روحانی طرزِ تکلم کا ایک بہت بڑا خزانہ ملتا ہے۔ اس زبان کی شیرینی، تازگی اور باکپن کو عظیم شاعروں نے محسوس کیا تو اس کو اپنے کلام کے لئے منتخب کیا۔ اس زبان پر فریفتہ ہونے والوں میں مولانا رومؒ، حافظ شیرازیؒ، سنائیؒ، جامیؒ، شیخ سعدیؒ، عراقیؒ، عرفیؒ، فردوسیؒ، ابوسعید ابوالخیرؒ، عمر خیامؒ اور علامہ اقبالؒ جیسے شعراء کا رقت آمیز اور لطافت سے بھرپور کلام ملتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اور غالبؒ نے بھی اس زبان کی خوبیوں کی بناء پر اس زبان کے ذریعے اپنے دل کا غبار نکالا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام کو دیگر اسلامی ممالک تک پہنچانے کے لئے فارسی کو اپنے کلام کا ذریعہ بنایا تاکہ مسلمانوں کا ایک وسیع علاقہ ان کے کلام سے استفادہ کر سکے۔ اس زبان میں لکھے گئے مختلف الانواع موضوعات پر علم کے خزانے ملتے ہیں، جس سے مسلمانوں کا علمی معیار بلند ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس زبان سے کنارہ کشی اختیار کر کے علوم مغربیہ کو اختیار کیا تاکہ ان کی معاشی حالت استوار ہو سکے۔ علوم دینیہ کے اتنے بڑے خزانوں کو ترک کرنے سے مسلمانوں کو انحطاط کا شکار ہونا پڑا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ۔

پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز  
مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے راقم الحروف نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ مسلمان اپنے آبائی علوم سے شناسائی حاصل کریں اور ان کے افکار سے اپنے ذہنوں کی آبیاری کریں۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کے فارسی اور اُردو کلام کا مطالعہ کر کے اپنی زندگی میں پائی جانے والی کجی کو دور کیا جائے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے اپنی مختلف کتب میں علامہ اقبالؒ کے کلام کے ذریعے مشکلاتِ زندگی کا حل تجویز کیا ہے۔ علامہ کے کلام کی وضاحت نہایت آسان الفاظ میں کی گئی ہے تاکہ ہر کوئی آپ کے کلام کو سمجھ سکے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے ایک کتاب بعنوان ”تعلیماتِ اقبال“ تالیف کی ہے جو عنقریب زیورِ طباعت سے ان شاء اللہ آراستہ ہوگی۔

آج کا مسلمان دولت کے نشے میں اس قدر مدہوش ہو چکا ہے کہ اس کو اسلامی فرامین کی چنداں پرواہ نہیں، حالانکہ اسلام رزق کی فکر کا بہت آسان حل تجویز کرتا ہے۔ دولت کا حصول سکونِ قلب فراہم نہیں کرتا۔ علامہؒ نے فرمایا ہے ۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے      مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق  
علامہ اقبالؒ کا دانی کلامِ راقم الحروف نے مختلف مضامین کے حوالے دیتے ہوئے اپنی تصانیف میں پیش کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے زوال کا سبب بے عملی اور عیش پرستی کو گردانا ہے، نہ کہ مفلسی اور غربت کو۔ فرماتے ہیں ۔

سب کچھ اور ہے جسے تو خود سمجھتا ہے      زوال بندہٴ مومن کا بے زری سے نہیں  
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا      قلندری سے ہوا ہے، تو نگری سے نہیں  
مسلمانوں کو اس حالت سے نکلنے کی دوسری کڑی یہ ہے کہ مولانا رومؒ کے کلام کو سمجھا جائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جائے۔ الحمد للہ کہ اس دوسری کڑی کا مرحلہ زیرِ نظر کتاب کی صورت میں بخیرِ اسلوبی اختتام پذیر ہوا۔ راقم الحروف کی دیگر کتب بھی مسلمانوں کو بیداری کا سبق پیش کر رہی ہیں، جن میں مضامین بہت سہل اور عام فہم انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ اگر وقت نے اجازت دی تو دیگر فارسی کلام کا ترجمہ اور تشریح بھی پیش کی جائے گی۔  
موجودہ کتب سے مدد حاصل کر کے غمِ دنیا سے آزاد ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ دینِ اسلام کے اصولوں سے مدد لی جائے تو انسان کو اس سے بھی زیادہ دولت اور عزت عطا کی جائے گی جو وہ دوسرے راستے اختیار کرنے سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ  
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔



## ختم خواجگان

بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر و قبل از مغرب پڑھیں

۱۰۰ بار	۱۳ یَا حَلَّ الْمُشْکَلَاتِ	۱۰۰ بار	۱ بسم اللہ شریف
۱۰۰ بار	۱۴ یَا مُسَبِّبَ الْأَسْبَابِ	۱۰۰ بار	۲ درود شریف
۱۰۰ بار	۱۵ یَا مُفْتَحَ الْأَبْوَابِ	۱۰۰ بار	۳ الحمد شریف
۱۰۰ بار	۱۶ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِثِّینَ اَعِزَّنَا	۷۹ بار	۴ سورہ الم نشرح لک
۱۰۰ بار	۱۷ یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَاتِ	۱۰۰۰ بار	۵ سورہ الاخلاص
۱۰۰ بار	۱۸ یَا مُنْزِلَ الْبَرَکَاتِ	۷ بار	۶ الحمد شریف
۱۰۰ بار	۱۹ یَا مُجِیبَ الدَّعَوَاتِ	۱۰۰ بار	۷ درود شریف
۱۰۰ بار	۲۰ یَا اَرْحَمَ الرَّحِیْمِیْنَ	۱۰۰ بار	۸ یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ
۱۰۰ بار	۲۱ درود شریف	۱۰۰ بار	۹ یَا شَافِیَ الْأَمْرَاضِ
<b>الداعی</b> پیر عبداللطیف خان نقشبندی ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات، لاہور		۱۰۰ بار	۱۰ یَا کَافِیَ الْمُهِمَّاتِ
		۱۰۰ بار	۱۱ یَا دَافِعَ الْبَلِیَّاتِ
		۱۰۰ بار	۱۲ یَا رَافِعَ الدَّرَجَاتِ

## ایصالِ ثواب برائے خواجگان نقشبندؒ

۶ خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ	۱ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷ خواجہ بابا ساسی رحمۃ اللہ علیہ	۲ خواجہ بازید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ
۸ خواجہ سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ	۳ خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ
۹ پیران پیر خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ	۴ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰ خواجہ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ	۵ خواجہ ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

(مِن خدام دربار نیریال شریف)

## شجرہ شریف

سلسلہ نقشبندیہ بہ مناسبت عبداللطیف خان نقشبندی، خاک پائے آستانہ نیریاں شریف

یا الہی خستہ عالمِ رحمِ مکن برحالی ما  
 اتقا دارم ز فطرت نیست جز تو والی ما  
 التجا دارم بہ درگاہت بنام مصطفیٰ ﷺ  
 کان بود احمد محمد در صفات و در عطا  
 دست او گیرم کہ دست خویش او را گفتہ ای  
 زیں سبب گفتہ نہ باشد دست او از تو جدا

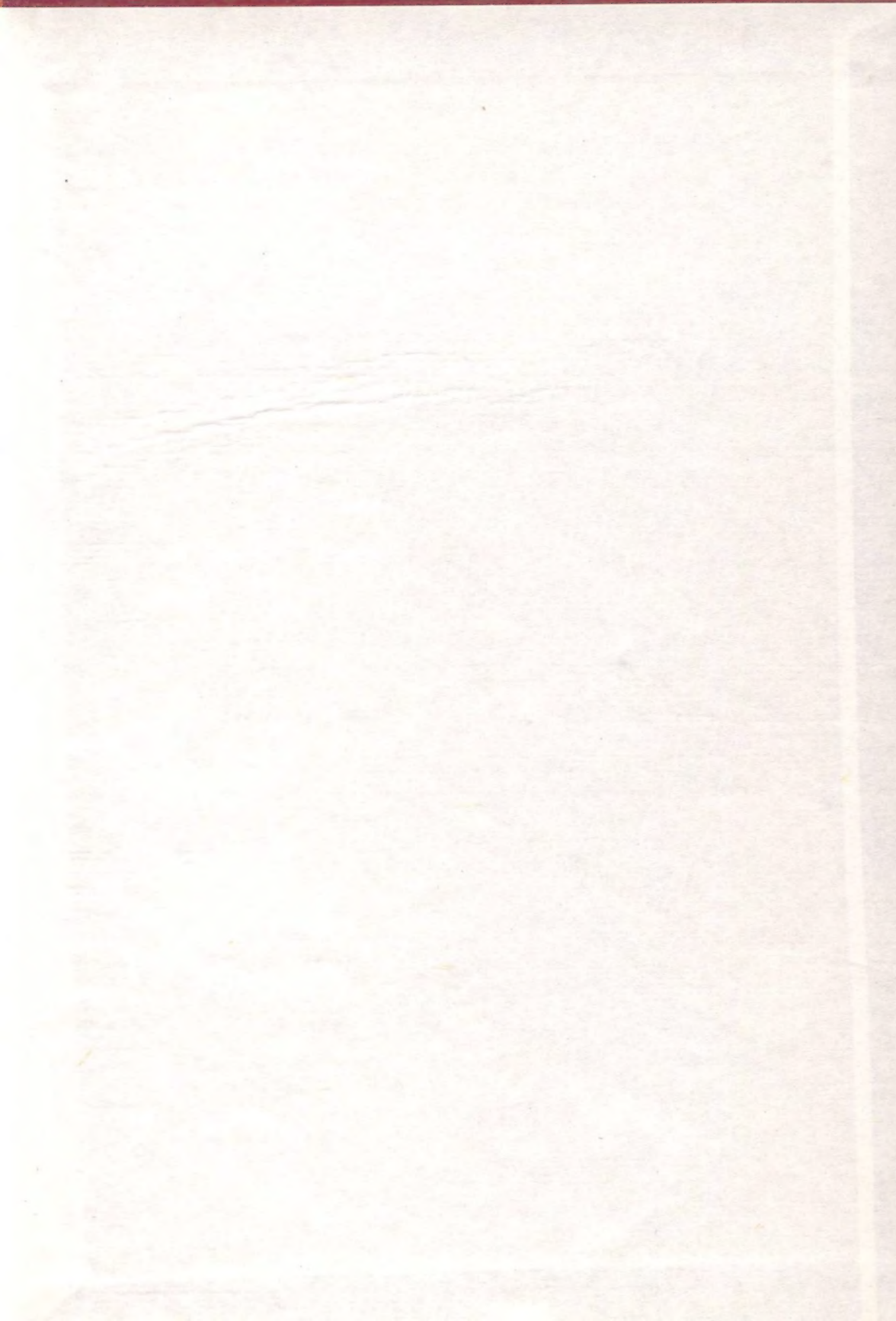
حضرت صدیقؑ و سلمانؑ، قاسمؑ و جعفرؑ دیگر  
 بوعلیؑ بحرِ عطا بو یوسفؑ ابرِ مکرمت  
 بحرِ کرم را میتنی بابا سمائیؑ و کلالؑ  
 پس عبید اللہؑ و زاہدؑ خواجہ درویش اجلؑ  
 پس مجددؑ عروۃ الوثقی و شاہِ شاہِ حسینؑ  
 فغویؑ محمودؑ خواجہ اولیاء عبداللہ شاہؑ  
 فخرِ ہند عبدالصبورؑ و گل محمدؑ شاہِ غفورؑ  
 خواجہ سلطان الملوکؑ و آں نظام الدینؑ شہؑ  
 زاہدِ کاملِ محی الدینؑ شاہِ نیروی

بایزیدؑ و خواجہ ما بوالحسنؑ خورشیدِ فر  
 عبد خالقؑ عارفؑ و محمودؑ شاہِ داد گر  
 نقشبندؑ عطارؑ و چرتیؑ عشق را تیغ و سپہر  
 خواجہ امکنیؑ و باقیؑ باللہ آمد خوب تر  
 خواجہ عبدالباسطؑ و شاہِ عبد قادرؑ دیدہ ور  
 شاہِ عنایتؑ، حافظ احمدؑ والیانِ بحر و بر  
 خلق را عبد المجیدؑ عبدالعزیزؑ آمر و دگر  
 خواجہ قاسمؑ ہادیؑ ہند و جہاں را راہبر  
 داد علاء الدینؑ جہاںِ عشق را کاملِ نظر

یا الہی رحم کن بر ما طفیلِ آں شہاں  
 لطف فرما بر لطیف و دوستانِ شام و سحر









## تعارفِ مصنف

نام: عبداللطیف خان نقشبندی

سال پیدائش: 1927ء

مقام پیدائش: جالندھر

تعلیم: ایم ایس سی و دیگر محکمات تعلیمات

پیشہ: ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات لاہور، تاحال سرپرست ادارہ تبلیغ و ترویج اسلام اور سلسلہ درس و تدریس

ایڈریس: ای۔ 7/1۔ پولین کیولری گراؤنڈ لاہور چھاؤنی۔ فون: 6666631-6665475

اسلام کی ترویج و اشاعت میں جن مقتدر ہستیوں نے کردار ادا کیا ہے اور جن کے طفیل وطن عزیز میں آبادی کا بہت بڑا حصہ اسلامی تعلیمات سے روشناس ہوا ہے، ان میں سے ایک اہم شخصیت، مصنف کتاب ہذا پیر عبداللطیف خان نقشبندی بھی ہیں۔ موصوف اپنی دینی خدمات کے باعث ملک اور بیرون ملک دینی حلقوں میں خاصے معروف ہیں، اگرچہ آپ نے چالیس برس کا عرصہ ایک ایسے محکمہ میں ممتاز عہدوں پر گزارا ہے جہاں آپ کا تعلق ماڈرن سائنس کے متعلقات سے وابستہ رہا، مگر آپ نے اس محکمہ کی اہم ذمہ داریوں کے علاوہ اوائل شباب سے ہی دینی اور تصوف کے عمیق علوم کا مطالعہ کیا اور اب تک آپ متعدد رسائل اور مکتوبات کے علاوہ بیس سے زائد دینی کتب کے مصنف ہونے کا اعزاز بھی حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کے لاتعداد مضامین تصوف، روحانیت اور دیگر اسلامی عنوانات پر نوائے وقت، جنگ اور خبریں جیسے اخبارات کے علاوہ مختلف دینی رسالوں کی زینت بن چکے ہیں۔ آپ کی جو کتب اب تک زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں، ان میں سے آپ کی دس کتب ”نشان منزل“، (اردو اور انگریزی) ”حسن نماز“، ”حضور قلب“، ”بیعت کی تفصیل“، ”سنت مبارکہ“، ”جنید و بایزید“، ”مجلس اقبال“، ”رابطہ شیخ“، ”إِقَامَةُ الصَّلَاةِ“، شائع ہو چکی ہیں۔ ”اسلام اور روحانیت“ اور ”تہذیب نفس“ کے علاوہ آٹھ عدد کتب عنقریب شائع ہونے والی ہیں۔

مذکورہ بالا تصانیف و اشاعت کے ساتھ ساتھ پیر عبداللطیف خان نقشبندی نے تبلیغ کا ایک اٹوکھا سلسلہ وضع کیا ہے اور یہ کہ آپ مختلف مقامات پر کچھ لوگوں کے اجتماع میں دو تین دنوں کے لیے (صرف ایک گھنٹہ یومیہ) درس کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں وہ جدید سائنسیک انداز میں اسلامی زندگی کے ایمان افروز حقائق اور قرآن و حدیث کے خوبصورت نکات سے آراستہ گفتگو کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو اس طرح گرمادیتے ہیں کہ ان کی زندگیوں میں حیرت انگیز کیفیت، زبردست انقلاب اور اسلامی ولولہ پیدا ہو جاتا ہے، بسا اوقات تو آپ منٹوں میں ہی لوگوں کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ آپ کے اس حسن تعلیم و تدریس اور فیض صحبت سے اب تک ہزاروں مسلمان نشہ اسلام سے سرشار ہو چکے ہیں۔ مصنف کی خواہش ہے کہ اگر درس و تدریس کے اس طریقے کو وسیع تر پہانے پر رائج کیا جائے تو مسلمانوں کی کثیر تعداد بہت جلد اصلاح نفس اور تعمیر سیرت و کردار کی دولت سے مالا مال ہو سکتی ہے مگر اس کے لیے حکومت یا متمول حضرات کی توجہ اشد ضروری ہے۔



فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

ISBN 978-969-0-02154-0



9 789690 021540

